الدّمعة السّاکبہ

جلد دوئم

مولف: آقائے محمد باقر دمشقی بہبانی نجفی

ولی العصر ٹرسٹ

الدمعۃ الساکبۃ

جلد دوم

مؤلف
آقائے محمد باقر دہدشتی بہبہانی نجفی

مترجم
حجۃ الاسلام علامہ اثیر جاڑوی

تصحیح
مولانا سید نثار عباس جہاد پے ترڈیوالی

پیشکش
سید محمد شبیر عباس مرحوم

ناشر
ولی العصر ٹرسٹ
رتہ متہ ضلع جھنگ

نام کتاب: ـــــــ الدمعة الساکبہ (جلد دوم)

مؤلف: ـــــــ آقائے محمد باقر دہدشتی بہبہانی نجفی

مترجم: ـــــــ محمد باقر جارچوی

تعداد: ـــــــ ۵۰۰

سن اشاعت اوّل: ـــــــ ۱۹۹۳ء مطابق ۱۴۱۴ ہجری

کتابت: ـــــــ دارالکتابت جعفر تکیہ دار (گوجرانوالہ)

ہدیہ: ـــــــ

مطبع: ـــــــ ٹیکنیشن پرنٹنگ پریس

تصحیح: ـــــــ مولانا سید نثار عباس [illegible]

عرضِ ناشر

کتاب پیشِ نظر الدمعۃ الساکبہ جلد دوم مؤلفہ آقائے محمد باقر دہشتی بہبہانی نجفی اعلی اللہ مقامہٗ ہمارے والدِ محترم جناب سید محمد شبیر عباس شاہ صاحب بخاری رئیسِ اعظم رتہ متہ ضلع جھنگ اپنے ادارہ ولی العصر ٹرسٹ رتہ متہ ضلع جھنگ کی طرف سے ہدیۂ قوم کرنا چاہتے تھے۔ یہ کتاب ابھی کتابت کے مراحل میں تھی کہ والد صاحب بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔

افتخار بک ڈپو اسلام پورہ کے مہتمم آقا افتخار حسین نے یہ ذمہ داری سنبھالی اور کتابت مکمل کروانے کے بعد مولانا سید نثار عباس جہادی ترڈیوالی سے اغلاط کی تصحیح کروائی۔

الحمد للہ میں آقا افتخار حسین کے تعاون سے اپنے والد مرحوم کی دلی تمنا کو پورا کرنے کے لیے مذکورہ نذرِ قوم و ملت کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

مجھے اُمید ہے کہ قارئین کتاب ہٰذا وقتِ مطالعہ کتاب مرحوم کو سورۂ فاتحہ سے نوازیں گے۔

سید محمد علی عمران شاہ بخاری
سید محمد علی عدنان شاہ بخاری
ولی العصر ٹرسٹ رتہ متہ ضلع جھنگ

فہرست

النعمۃ الساکبہ جلد دوم

فہرست

فہرست

فہرست

امام حسین علیہ السلام

آغاز تخلیق :-

عوالم میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ اے ابن مسعود اللہ نے مجھے علیؑ کو۔ فاطمہؑ کو۔ اور حسنینؑ کو اپنے نور مقدس سے خلق فرمایا ہے۔ پھر اللہ نے تخلیق آدم سے ہزاروں برس قبل ہمارے پانچ انوار سے نور مقدس پیدا کیے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت جنت تک ایک ایک کا نام لیا۔

جناب ام ایمن سے مروی ہے کہ امام حسنؑ کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد آنحضرتؐ جناب سیدہؑ کے گھر تشریف لائے اور یہ فرمایا۔

بیٹی اب کچھ عرصہ تک ایسا لباس نہ پہننا جس میں تجھے آسائش محسوس ہو۔ میں تیری پیشانی میں ابوالائمہ کا نور دیکھ رہا ہوں اور یہ نور اپنے آخری مقام پر پہنچ گیا ہے۔

جب بی بی کو دو ماہ پورے ہوگئے تو بی بی نے کھانا اور پینا چھوڑ دیا جب بھی میں کھانا پیش کرتی بی بی فرماتیں ام ایمن آج کل اللہ کی طرف سے مجھے ایسی غذا ملتی ہے کہ میرا کسی چیز کے کھانے کو دل ہی نہیں کرتا۔

چوتھے ماہ بی بی نے مصلائے عبادت سے اٹھنا چھوڑ دیا۔ اور جب بی بی تنہا بیٹھی ہوتی تھیں تو مجھے محسوس ہوتا تھا کہ کسی سے باتیں کر رہی ہیں۔ آخر ایک دن میں نے پوچھ لیا۔ بی بی تنہائی میں آپ کس سے باتیں کرتی ہیں؟

بی بی نے فرمایا ام ایمن اب کے میرے صدف عصمت میں جو بچہ ہے اس نے خود مجھے بھی حیران کر دیا ہے۔ تنہائی میں مجھ سے باتیں کرتا ہے۔

پانچویں ماہ آپ نماز صبح کی تعقیبات پڑھ رہی تھیں میں نے باہر سے آپ کے گریہ کی آواز سنی میں دوڑ کر اندر آئی اور پوچھا بی بی کیا بات ہے خیریت تو ہے۔

بی بی نے فرمایا آج اس بچہ نے مجھے رلا دیا ہے۔ کہتا ہے۔ السلام علیک یا اماہ وانا ولدک العطشان۔

ماں میرا سلام ہو۔ میں آپ کا پیاسا بیٹا ہوں۔

میں نے عرض کیا۔ بی بی آپ رو ئیں نہیں نبی اکرمؐ سے جا کر پوچھ لیں۔

بی بی نے فرمایا۔ نہیں ام ایمن! ابھی کسی کو نہ بتانا۔ میں تو پریشان ہوئی ہوں میں بابا اور علیؑ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی

جب ظہرین کی نماز سے فارغ ہو کر بی بی تعقیبات کے لیے بیٹھیں تو پھر بی بی نے بے ساختہ رونا شروع کیا، میرے پوچھنے پر بی بی نے بتایا کہ اب اس بچے نے کہا ہے مختلف سلام کیا ہے۔ اب کہتا ہے۔ السلام علیک یا اماہ وانا ولدک العریان۔ ماں بے لباس بیٹے کا سلام ہو۔

میں نے پھر عرض کیا۔ بی بی آپ آنحضورؐ کو بتائیں تو سہی۔

بی بی نے فرمایا۔ ام ایمن کل بھی اگر اسی طرح ہوا تو بتاؤں گی۔

جب عصرین کی نماز سے فارغ ہو کر تعقیبات کے لیے بیٹھیں تو بے ساختہ رو کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور فرمایا۔ ام ایمن اب مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ آ میرے ساتھ بابا کے پاس چلتی ہوں انہیں بتاتی ہوں۔

میں نے عرض کیا۔ بی بی اب کیا ہوا!

بی بی نے فرمایا۔ ام ایمن میری پریشانی میں اضافہ نہ کر جب بابا کو بتاؤں تو تو بھی سن لینا۔ کہ اب کی بار بچے نے کیا کہا ہے۔

جب ہم آئے تو حضورؐ مسجد سے فارغ ہو کر گھر مسند نبوت پر تشریف فرما تھے۔ حجرہ ام المومنین ام سلمہ کا تھا۔ آنحضورؐ نے حسب معمول اٹھ کر استقبال کیا۔ مسند نبوت پر اپنے سامنے بٹھایا اور چہرہ زہراؑ دیکھ کر فرمایا۔

بیٹی! کیا سبب ہے آج روتی رہی ہو؟

بی بی نے عرض کیا۔ بابا جان روتی رہی ہوں۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ بیٹی خیریت تو ہے کس بات پر رونا آگیا؟

بی بی نے صبح سے عشاء تک کا تمام ماجرا سنایا اور عرض کیا بابا تعقیبات مغرب کے وقت میرے بچے نے مجھے یوں سلام کیا ہے۔

السلام علیک یا اماہ وانا ولدک المسحقان۔ ماں گھوڑوں کے سموں سے پامال بیٹے کا سلام ہو۔

آنحضورؐ آبدیدہ ہو گئے۔ جناب سیدہ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا۔ زہراؑ بس ایک ماہ کم رہ گیا یہی سلام کرتا رہے گا کوشش کرنا کہ تیری زندگی میں یہ پھر کبھی دہرایا نہ جائے۔ اس سے زیادہ میں تجھے کچھ نہیں بتا سکتا۔

پچھلے ماہ بی بی کی پیشانی میں روشنی اتنی بڑھی کہ ہمیں تاریک رات میں کسی چراغ کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔

جب چھ ماہ مکمل ہوئے تو آنحضورؐ جناب سیدہ کے پاس تشریف لائے۔ یہ سنہ ۴ھ ۲ شعبان کا دن تھا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹی آج رات کسی وقت تیرے گھر میں جنت کی وہ حور آئے گی جس کا نام لعبہ ہے۔ اور جو مسکراتی ہے تو پوری جنت مسکرانے لگتی ہے۔ اللہ نے اسے ستر ہزار محلات دیئے ہیں۔ ہر محل میں ستر ہزار کنیزیں ہیں۔ اللہ نے اسے یہ عظمت اور حسن و جمال صرف اس لیے دیا ہے کہ وہ تیرے کل صبح کے مولود کی دایہ ہو گی۔ ہاں بیٹی سنو سب کفار حملہ کر رہے ہیں۔ اگر میں کفار سے مصروف ہو جاؤں تو میرے آنے تک بچے کو نہ غسل دینا اور نہ دودھ

اس رات جناب ام سلمہ ام المومنین۔ اور آنحضورؐ کی پھوپھی جناب صفیہ بنت عبدالمطلب۔ بھی جناب سیدہؑ کے پاس تھیں جب وہ شعبان کی رات ڈھلی۔ دختر رسولؐ بستر سے اٹھیں۔ تجدید وضو کر کے مصلائے عبادت پر آئیں نماز شب پڑھی۔ اور مصروف تسبیح و تقدیس ہوئیں۔ جناب ام المومنین ام سلمہ اور جناب صفیہ بھی اٹھ گئی تھیں۔ وہ بھی مصروف عبادت تھیں کہ یکایک تمام مکان منور ہو گیا۔ اور حجرہ جناب زہراؑ میں ایک انتہائی حسین و جمیل نوجوان عورت داخل ہوئی۔ جناب سیدہ کو تو چونکہ علم تھا اس لیے بی بی تو پریشان نہ ہوئیں البتہ جناب ام سلمہ اور جناب صفیہ ذرا گھبرا گئیں۔

آنے والی مستورہ نے آتے ہی کہا۔ السلام علیک یا بنت خاتم الانبیاء اور السلام علیک یا سیدۃ النساء۔ انا حور من الجنۃ اسمی لعبہ جئتک بحکم الرب لاساعدک میرا نام لعبہ ہے میں جنت کی حور ہوں اور اللہ کے حکم سے آپ کے تعاون کو آئی ہوں۔

ہم نے یہی دیکھا کہ ہمارے اور جناب سیدہ کے مابین ایک حجاب سا حائل ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد حجاب ہٹا تو ہم نے دیکھا۔ شہزادہ کونین سبز لباس میں ملبوس رونما ہو چکا تھا۔ انگشت شہادت سوئے آسمان بلند کر رکھی تھی اور کہہ رہا تھا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان جدی محمد رسول اللہ واشھد ان ابی واخی اولیاء اللہ واشھد ان امی سیدۃ نساء اھل الجنۃ۔ ہم نے آگے بڑھ کر اٹھایا۔ خوشبوئے جنت لگائی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور جناب سیدہ کو مبارک باد دی۔

تیسرے دن نبی کونینؐ تشریف لائے اور فرمایا۔ یا ام ایمن ایتنی بابنی۔ ام ایمن میرا بیٹا میرے پاس لے آ۔

میری پھوپھی جناب صفیہ نے کہا۔ آپ کے حکم کے مطابق ابھی تک ہم نے بچے کو غسل نہیں دیا۔ تھوڑا سا انتظار فرمائیں تاکہ ہم غسل دے لیں۔

آپ نے فرمایا یا عمتی! انت تنظفینہ ایتینی بہ قد نظفہ اللہ الملک الجبار۔ پھوپھی اماں! کیا میرے بچے کو آپ غسل دیں گی جبکہ اللہ نے میرے بچے کو پاک و پاکیزہ بھیجا ہے۔

جناب صفیہ نے ہاتھوں پر اٹھایا۔ آنحضورؐ کے پاس لائیں۔ آپ نے ہاتھوں پر لیا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ گلا چوما اور زبان نبوت دہن حسینؑ میں دے دی۔ جب حسینؑ سیر ہو گیا۔ تو بچہ واپس کیا۔ اور جب جانے لگے تو فرمایا۔

زہرا بیٹی بچے کو دودھ نہ پلانا اسے میں ہی پالوں گا۔

پھر آپ روزانہ تشریف لاتے تھے اور امام حسینؑ کو زبان رسالت چوساتے تھے۔

کافی میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ امام حسینؑ نے اپنی ماں سمیت کسی عورت کا دودھ نہیں پیا تھا۔

نام، کنیت، لقب اور آمد ملائکہ :-

امالی صدوق کے مطابق امام سجادؑ سے مروی ہے کہ ولادت امام حسینؑ کے بعد جناب سیدہ نے عرض کیا۔

یا علیؑ بچے کا نام کیا ہو گا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا۔ زہرا جس نے حسنؑ کا نام رکھا تھا وہی اس بچے کا نام بھی رکھے گا میں اپنے آقا سے کیسے سبقت کر سکتی ہوں۔

آنحضورؐ تشریف لائے تو بابا سے عرض کیا۔ بابا جان! حسن کا نام بھی آپ نے رکھا تھا اب اس بچے کا نام بھی آپ ہی تجویز فرما دیں۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹی! حسنؑ کا نام میں نے رکھا تھا نہ اس مولود کا نام میں مقرر کروں گا۔ حسن کا نام بھی اللہ ہی نے رکھا تھا اور اس بچے کا نام بھی وہی رکھے گا۔ میں اللہ سے کیسے سبقت کر سکتا ہوں۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔ جیسے جبرئیل نے آکر بتایا تجھے بتا دوں گا۔

آپ اسی انتظار میں تھے کہ جبرئیل نے آکر اللہ کی طرف سے درود و سلام کے بعد عرض کیا۔ کہ ارشاد قدرت ہے کہ علیؑ سے آپ کو وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی لہذا جس طرح بڑے بیٹے کا نام فرزند ہارون کے نام پر ہے اسی طرح چھوٹے بیٹے کا نام بھی ہارون کے چھوٹے بیٹے کے نام پر شبیر کا عربی ترجمہ حسینؑ رکھو۔

کنیت :

امام حسینؑ کی صرف اور صرف ایک ہی کنیت ہے۔ اور وہ ہے۔ ابو عبداللہ

القاب :

رشید، طیب، وفی، سید، زکی، مبارک، تابع، سبط

عقیقہ :

نبی اکرمؐ نے ساتویں دن عقیقہ کیا۔ دو دنبے ذبح کیے۔ سر کے بال اتروا کر ان کے ہم وزن چاندی صدقہ کی۔

امام حسنؑ کی طرح آنحضورؐ نے سر کے بال اترواتے وقت سر کے اوپر والے حصے میں بائیں جانب کچھ بال چھوڑ دینے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح امام حسن کی طرح دائیں کان کی لو میں اور بائیں کان کے درمیان سے اوپر سوراخ کر کے دائیں میں قرط اور بائیں میں شنف پہنا دیا۔

فطرس :

بحار اور ملل شیعہ کے مطابق ولادت امام حسینؑ کے ساتویں دن ذات احدیت نے جبرئیل کو ملائکہ کے ساتھ بھیجا کہ محمدؐ، علیؑ اور فاطمہؑ کو میری طرف سے ولادت حسینؑ کی مبارکباد دے آؤ۔

جبرئیل آگے پیچھے اور دائیں بائیں ملائکہ کے ساتھ آرہا تھا۔

ایک جزیرہ میں فطرس نامی ملک نے ترک اولیٰ کا ارتکاب کیا تھا اور ذات احدیت نے اسے اختیار دیا تھا کہ تو چونکہ حاملین عرش سے ہے اس لیے قابل سزا ہی سمجھے، اختیار ہے دنیا میں بھگت لے یا آخرت میں۔ فطرس نے عرض کیا تھا بارالہا! سزائے دنیا کی ایک حد ہے جب کہ آخرت کی سزا غیر محدود ہو گی میں دنیا میں ہی بھگت لوں گا۔ ذات احدیت نے اسے ایک جزیرہ میں ایک درخت کے ساتھ پلکوں سے لٹکا دیا۔ اس درخت سے ہمیشہ دھواں اٹھتا رہتا تھا۔ اور کوئی جانور اس درخت کے قریب نہیں جاتا تھا۔

جبرئیل ملائکہ کے ساتھ اس جزیرہ سے گزرا۔ فطرس نے ملائکہ سے پوچھا۔

آج بڑی شان و شوکت اور بڑے کروفر سے جا رہے ہو کیا بات ہے؟

ملائکہ نے جواب دیا۔ خاتم الانبیاء کو اللہ نے دوسرے نواسے سے نوازا ہے۔ اور حکم جلیل سے جبرئیل کے ساتھ مبارک باد دینے جا رہے ہیں۔

فطرس نے جبرئیل سے کہا۔ اگر مہربانی کر سکو تو مجھے بھی ساتھ لیتے جاؤ۔ میں نبی کونین کو اس عظیم مولود کی مبارک باد دے کر اسی کا واسطہ دوں گا۔ مجھے امید ہے وہ بارگاہ خالق میں میری شفاعت کر دیں گے۔ اور اللہ ان کی شفاعت مسترد نہیں کرتا۔

جبرئیل نے ملائکہ کو حکم دیا۔ اسے اٹھالو

ملائکہ نے فطرس کو اٹھالیا۔

جبرئیل نے آکر مبارک باد دی۔ اور فطرس کی درخواست پیش کی۔

آنحضرتؐ نے مسکرا کے فرمایا۔ فطرس میرے قریب آ۔ فطرس قریب ہوا۔ آپ نے امام حسینؑ کا کرتہ فطرس کے جسم سے مس کیا اور عرض کی۔ بارالہا۔ تجھے اس مولود کا واسطہ اسے معاف فرما دے۔

فطرس کو معافی مل گئی۔ جب واپس اپنی جگہ جانے کے لیے محو پرواز تھا تو تمام ملائکہ سے آگے بڑھ کے کہتا تھا۔

من مثلی انا عتیق الحسین۔ مجھ جیسا بھلا کوئی ہو سکتا ہے میں حسینؑ کا آزاد کردہ ہوں

غلام حسین فرشتہ:-

شیخ صدوق نے کمال الدین میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ولادت امام حسینؑ کے بعد جبرئیل سات دن مسلسل ملائکہ کے ساتھ منجانب اللہ مبارک باد دینے کو آتا رہا۔ اور ہم عجائبات دیکھ دیکھ کر حیرت زدہ ہوتے رہے۔ ہمیں تو صرف جبرئیل ہی نظر آتے تھے۔ جب معافی مل جاتی تھی تو پھر ہماری نظروں سے غائب ہو جاتے تھے۔ ولادت امام حسینؑ کے تیسرے دن۔ ایک لوتھڑا سا آنحضرتؐ کے سامنے آیا۔ لانے والا تو کوئی نہ تھا۔ چونکہ وہ کسی سے گرا ہوا تھا اس لیے ہم نے اندازہ لگایا کہ

کسی نے دیکھا ہے۔

آنحضورؐ اندر گئے۔ واپس تشریف لائے تو آپ کے ہاتھوں پر کپڑوں میں لپٹا ہوا حسینؑ تھا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے بارگاہ خالق میں عرض کیا۔

اللّٰھم بحق ھذا المولود لا بل بحقک علیہ و علی جدہ محمد و ابراھیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب ان کان الحسین ابن علی و ابن فاطمۃ عندک قدر فارض عن دردائیل ورد اجنحتہ ومقامہ من صفوف الملائکۃ۔

اے اللہ! تجھے اس مولود کا واسطہ نہیں بلکہ تجھے اس حق کا واسطہ جو تیرا اس مولود اس کے نانا محمدؐ، اس کے دادا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، اور یعقوب پہ ہے اگر تیری بارگاہ میں حسین ابن علی و فاطمہ کا کوئی مقام ہے تو دردائیل سے راضی ہو جا اسے اس کے پر و بال اور ملائکہ میں اس کا مقام واپس عطا فرما۔

اس کے بعد وہ جسم ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔

پھر دیر بعد آنحضورؐ مسکرانے لگے۔

ہم نے عرض کیا حضور وہ کیا شے تھی جس کے لیے آپ نے حسینؑ کو ہاتھوں پر اٹھا کر دعا مانگی اور اب مسکرا رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ نے فرمایا۔ وہ دردائیل فرشتہ تھا ملائکہ مقربین سے تھا۔ اللہ نے اسے سولہ ہزار پر دے رکھے تھے۔ ایک دن اس نے دل میں خیال کیا کہ۔ کیا اللہ کے اوپر بھی کوئی شے ہو گی۔

اس کے یہ خیال آتے ہی ذات احدیت نے اسے دگنے پر عطا کر کے فرمایا۔ اب اڑ۔ اس نے پانچ سو برس پرواز کی لیکن عرش تک نہ پہنچ سکا۔

جب تھک کر بیٹھ گیا۔ تو ذات احدیت نے فرمایا۔

اب اپنی جگہ جا۔

یہ اپنی جگہ آ گیا۔ اللہ نے اس سے تمام پر و بال اور ملائکہ میں مقام لے لیا۔ اور فرمایا۔ میں لاشریک ہوں۔ مجھ سے اوپر کوئی بھی نہیں ہے۔ اور نہ ہی رہے گا۔

کئی صدیاں اسے اسی حالت میں بیت گئیں۔

جبرئیل جب مجھے مبارکباد دینے آ رہا تھا تو اس نے جبرئیل سے درخواست کی کہ آپ محمدؐ کو میری طرف سے بھی مبارکباد عرض کریں۔ اور انہیں اس مولود کا واسطہ دے کر میری سفارش کی درخواست کریں۔

میں نے اسی لیے حسینؑ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر وہ دعا مانگی جو تم نے سنی ہے۔ اللہ نے میری دعا قبول کر لی ہے اسے اپنے پر و بال مل گئے ہیں۔

اب جبرئیل نے آکر بتایا ہے کہ دردائیل نے اپنا پہلا نام بدل کر دوسرا نام۔ مولی الحسین (غلام حسینؑ) رکھ لیا ہے جبرئیلؑ یہ سنکر میں مسکرا رہا تھا۔

غلام حسنینؑ

بحار میں جناب سلمان سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریمؐ کعبہ و حرم تشریف لے گئے۔ آپ نے مجھے فرمایا۔ جاؤ میرے حسنین کو بلا لاتا کہ وہ بھی میرے ساتھ چلیں۔

میں نے جناب سیدہ کا دق الباب کر کے حسنین کا پوچھا۔ تو بی بی نے فرمایا۔ وہ تو کافی وقت سے باہر گئے ہوئے ہیں میں تو سمجھی تھی کہ بابا جان کے پاس ہوں گے۔

جب میں نے آنحضورؐ کو بتایا۔ تو پریشان ہو گئے۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی۔ بار الٰہا میرے حسنین کہاں گئے ہیں؟ مجھے تو یہودیوں سے ڈر لگتا ہے۔

جبرئیل نے نازل ہو کر عرض کی۔ ذات احدیت کا ارشاد ہے۔ حسنین کے معاملہ میں یہودیوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کو منافقین سے خطرہ ہے اور وہ بھی تیرے بعد۔ دونوں حدیقہ ابو دحداح میں سو رہے ہیں۔

آنحضورؐ نے مجھے ساتھ لیا۔ اور حدیقہ ابو دحداح میں آئے۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے میں بازو حائل کر کے سو رہے تھے ایک بہت بڑا اژدہا ان کے سر پر تھا۔ اس کے منہ میں ریحان کا غنچہ تھا۔ اور وہ اس کے ذریعہ شہزادوں سے مگس رانی کر رہا تھا۔ جب اژدہا نے آنحضورؐ کو دیکھا تو غنچہ ریحان ایک طرف رکھ دیا اور عرض کیا۔

السلام علیک یا رسول اللہ ۔ قبل میرا اسلام ہو۔ میں اژدہا نہیں ہوں۔ ملائکہ کروبین سے ایک ملک تھا۔ ایک لمحے یاد خدا سے غافل ہوا۔ اللہ نے بصورت اژدہا زمین پر ڈال دیا۔ برسوں گزر گئے ہیں۔ کسی ایسے کریم کی تلاش میں تھا جس کی سفارش مجھے میرا کھویا ہوا مقام واپس کر دے۔ آج اتفاق سے گزرا تو شہزادوں کو سویا ہوا دیکھا۔ میں جبرئیل کو ملائکہ کے ساتھ ان کی خدمت کرتے دیکھ چکا تھا۔ ان کی خدمت میں امید نظر آئی تو یہاں رک گیا۔ اگر مناسب سمجھیں تو اللہ سے سفارش فرما دیں۔ مجھے یقین ہے اللہ آپ کی سفارش رد نہیں فرمائے گا۔

اس اژدہا سے آپ یہ باتیں سننے کے بعد آپ زمین پر بیٹھ گئے۔ دونوں شہزادوں کو باری باری چومنے لگے۔ تین چار بوسوں کے بعد دونوں شہزادے جاگ گئے۔ آپ بیٹھ گئے دونوں شہزادے آپ کے ایک ایک زانو پر بیٹھ گئے آپ نے فرمایا بیٹے یہ تم رسیدہ ملک ہے جو تمہارے سامنے ہے۔ سفارش کی درخواست کرتا ہے۔

دونوں شہزادے اٹھے۔ تجدید وضو کی دو دو رکعت نماز پڑھی اور دست دعا بلند کر کے عرض کیا۔

اللھم بحق جدنا الجلیل الحبیب محمد المصطفی	اے اللہ تجھے ہمارے جد تیرے حبیب محمد مصطفی
وبابینا علی المرتضی وبامنا فاطمۃ الزھرا	کا واسطہ تجھے ہمارے علی مرتضی کا واسطہ تجھے ہماری ماں

الا ماردد ته الی حالته الاولیٰ۔ | خاطر بزرگ کا واسطہ اس کو ملک مقرب کا اپنا پہلا مقام عنایت فرما۔

ابھی شہزادوں کی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ ملائکہ کے ساتھ جبرئیل آیا اور عرض کی۔ اے حبیب خدا اللہ نے دونوں شہزادوں کی دعا قبول فرمائی اسے معاف کر دیا ہے اور ہمیں بھیجا ہے تاکہ ہم اسے لے جائیں۔ وہ اٹھا اسے ملک بنا اور پرواز کر گیا۔ میں کس ساتھا وہ اڑتے ہوئے کہتا جا رہا تھا۔

من مثلی انا مولی الحسنین۔ | مجھ جیسا کون ہو گا میں غلام حسنین ہوں۔

صلصائیل :۔

بحار میں مفضل سے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ صلصائیل ایک ملک تھا۔ اللہ نے اسے کسی کام پر مامور کیا اس نے تعمیل میں دیر کی اللہ نے اس کے تمام پروبال سلب کر لیے ایک جزیرہ میں ڈال دیا۔ جب جبرئیل ولادت امام حسینؑ کے پانچویں دن مبارک کے لیے آیا تھا تو صلصائیل نے ملائکہ سے وجہ نزول پوچھی۔ ملائکہ نے وجہ بتائی۔ صلصائیل نے جبرئیل سے کہا۔ میری طرف سے بھی آنحضورؐ کو مبارک باد دے کر التجا کرنا کہ وہ فقط امیدیت سے میری معافی کی درخواست کریں۔ جبرئیل نے آنحضورؐ کو مبارک باد کے بعد صلصائیل کی درخواست کی۔ آپ نے امام حسینؑ کو ہاتھوں پر اٹھایا۔ قبلہ رخ ہوئے اور عرض کی۔

اللھم بحق ابنی الحسین اغفر لصلصائیل خطیئتہ۔ | اے اللہ مجھے میرے حسینؑ بیٹے کا واسطہ صلصائیل کو معاف کر دے۔

اللہ نے اسے معاف کر دیا اسے پروبال عنایت فرما کر دوبارہ اپنا مقام دے دیا۔

حسین منی و :۔

کامل میں علی ابن مرہ سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضورؐ کسی دعوت پر تشریف لے جا رہے تھے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ تھے آپ نے مسجد سے باہر قدم رکھا تو جناب حسنین دونوں بھائی وہاں کھیل رہے تھے۔ آپ زمین پر بیٹھ گئے دونوں بازو پھیلا کر امام حسینؑ کو بلایا شہزادہ دونوں بازوؤں کے درمیان آ گیا۔ پہلے تو آپ نے پیار کیا۔ پھر دایاں ہاتھ امام حسینؑ کے سر پر رکھا بایاں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھا۔ سر امام حسینؑ کو تھوڑا بلند کر کے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا۔

حسین منی وانا منہ احب اللہ من احب حسینا۔ | حسینؑ مجھ سے ہے میں حسین سے ہوں اللہ اس سے محبت کرے گا جسے حسین سے محبت ہو گی۔

عوام میں مشہور ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا ہے۔

من احب ان ینظر الی احب اهل الارض الی السماء فلینظر الی الحسین۔

جو شخص اہل زمین میں سے ایسے شخص کو دیکھنا پسند کرے جسے اہل سما سب سے زیادہ محبت رکھتے ہوں تو وہ حسینؑ کو دیکھے۔

عوالم میں اسماعیل ابن رجاء اور عمرو ابن شعیب سے مروی ہے کہ ہم دونوں اور عبدالرحمن ابن عمر ابن عاص بیٹھے تھے کہ امام حسینؑ ہمارے پاس سے گزرے۔ آپ کے گزر جانے کے بعد عبدالرحمن نے ہمیں کہا۔

اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہو جو اہل ارض سے ہو لیکن اہل سماء کا سب سے زیادہ محبوب ہو تو اس گزرنے والے کو دیکھ لو۔

ویسے میں جنگ صفین کے بعد ان کے سامنے کبھی نہیں ہوا۔

ہم نے پوچھا۔ وہ کیوں ؟

عبدالرحمن نے کہا۔ صفین میں ابوسعید خدری مجھے حسینؑ کے پاس لے گیا۔ حسینؑ نے ہم دونوں سے کہا کیا تم نے میرے نانا سے سنا ہے کہ اہل سماء کی نظروں میں اہل ارض میں سے محبوب ترین شخص حسینؑ ہے۔

کیا تو چپ رہا ابوسعید نے کہا۔ ہاں میں نے سنا ہے۔

حسینؑ نے کہا۔ جب تم نے سنا ہے تو پھر مجھ سے اور میرے بابا سے کیوں برسرپیکار ہو جب کہ یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ نبی اکرمؐ نے جہاں ہماری خوبیوں کا ذکر کیا ہے وہاں انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔ ان کا باپ ان دونوں سے بہتر ہے۔

میں نے کہا۔ یہ بھی تو آپ کے نانا کا حکم ہے کہ والدین کی اطاعت واجب ہے۔

حسینؑ نے کہا۔ میرے نانا نے حکم خدا کی مخالفت کبھی نہیں کی۔ انھوں نے ان حالات کے لیے فرمایا۔ جب اطاعت والدین اطاعت خدا سے متصادم نہ ہو۔ جہاں اطاعت والدین اطاعت خالق سے متصادم ہو وہاں اطاعت باری اور والدین کی نافرمانی واجب ہوتی ہے۔

بیٹا یا نواسہ ؟

عوالم میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک دن ہم آنحضورؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ کے دائیں زانو پر آپ کا فرزند ابراہیم اور بائیں پر شہزادہ حسینؑ تھا۔ آپ کبھی ابراہیم کا منہ چومتے تھے اور کبھی حسینؑ کا گلا چومتے تھے۔ کہ جبریل آیا۔ آپ خاموش ہو گئے دیر بعد جب آپ نے بات کی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

ہم نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا۔ ابھی جبریل اللہ کی طرف سے پیغام لے کر آیا تھا کہ۔

محمدؐ بیٹا اور نواسا دونوں میں اکٹھے نہیں کروں گا ان میں سے ایک جسے چاہے چن لے۔

ہم نے عرض کی۔ قبلہ آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ماریہ کنیز ہے۔ اس کے بیٹے یعنی اس سے بہت صدمے میں۔ اگر ابراہیم اللہ کو پیارے ہوں تو صرف ددھیال غمزدہ ہوں گے۔ اگر حسینؑ کو اللہ کو پیارے ہوں تو ددھیال اور ننھیال دونوں کے آنسو بہیں گے۔ اس لیے میں نے حسینؑ کو بچا لیا ہے۔

تین دن بعد جناب ابراہیم کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد جب بھی آپ حسینؑ کو گود میں لیتے تھے۔ فرماتے تھے حسینؑ میں نے تجھ پر اپنا بیٹا قربان کیا ہے۔

ریحانہ نبی:

امالی صدوق میں ابن نعیم سے مروی ہے کہ میں عبداللہ ابن عمر کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک شخص نے آکر مچھر مارنے کا کفارہ پوچھا۔

عبداللہ نے پوچھا۔ کس علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔

اس نے جواب دیا عراق سے ہوں۔

عبداللہ نے کہا۔ خدا اسے بھی دیکھو یہ شخص مچھر مارنے کا کفارہ پوچھتا ہے۔ لیکن آج تک اہل عراق نے یہ نہیں پوچھا کہ فرزند رسول کو شہید کرنے کی کیا سزا ہے۔ حالانکہ میں نے اپنے ان کانوں سے آنحضورؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

الحسن والحسین ثمرة فؤادی	دنیا میں حسنؑ اور حسینؑ ہی میرا میوہ دل ہیں۔

محب حسینؑ:

عوالم میں حذیفہ یمانی سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضورؐ نے امام حسینؑ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ اور فرما رہے تھے۔

ایھا الناس ھذا الحسین ابن علیؑ	لوگو یہ حسینؑ ابن علیؑ ہے اسے پہچان لو۔ جس
فاعرفوہ فوالذی نفسی بیدہ انہ	ذات کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ حسینؑ
لفی الجنة ومحبہ فی الجنة ومحبی محبیہ فی	جنتی ہے۔ محب حسینؑ جنتی ہوگا۔ اور محب حسینؑ کا
الجنة۔ محب ذریت حسین فی الجنة۔	محب بھی جنتی ہوگا۔

محب ذریت حسینؑ:

کامل میں جناب ابوذر غفاری سے مروی ہے کہ میں نے آنحضورؐ کو دیکھا وہ امام حسینؑ کے بوسے لے رہے تھے اور فرما رہے تھے

من احب الحسنؑ والحسینؑ وذریتھما	جو شخص میرے حسنینؑ اور ان کی ذریت سے خلوص

فلما الموعرق النار وجهه ولوكانت ذنوبه بعدد رمل عالج ۔	خواہ اینٹ سے بت سکے گا۔ آتشِ جہنم اس کا چہرہ نہ جلا سکے گی۔ اگرچہ اس کے گناہ ریگ صحرا کے برابر بھی ہوں گے ۔

سید ابن السید :

مناقب میں جناب ابوذر سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریمؐ امام حسینؑ کو اپنی گود میں بٹھا کر چوم رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے ۔

انت السيد وابن السيد ابو السادة	تو خود سید ہے۔ سید باپ کا بیٹا ہے۔ اور سادات کا باپ ہے۔
انت الامام ابن الامام وابو الائمه ۔	تو خود امام ہے۔ امام کا بیٹا ہے۔ اور ائمہ کا باپ ہے۔
انت الحجة ابن الحجة وابو الحجج تاسعهم قائمهم ۔	تو حجت خدا ہے۔ حجت خدا کا بیٹا ہے اور نو حجج الٰہیہ کا باپ ہے۔ ان میں سے نواں قائم ہوگا۔

منتخب میں ام ایمن سے مروی ہے کہ ایک دن جناب زہراؑ سو رہی تھیں۔ میں کسی کام میں مصروف تھی۔ امام حسینؑ ماں کے پہلو میں لیٹے ہوئے رو رہے تھے کہ۔

کوئی آ کر امام حسینؑ کو بہلانے لگا۔ مجھے بہلانے کی آواز تو سنائی دیتی تھی لیکن بہلانے والا نظر نہیں آتا تھا۔ میں حیرت سے دیکھتی بھی رہی اور اپنا کام بھی کرتی رہی۔ جب تک جناب زہراؑ بیدار نہ ہوئیں۔ بہلانے والا بہلاتا رہا۔ جب جناب زہراؑ بیدار ہوئیں تو بہلانے والے کی آواز ختم ہو گئی۔

میں نے بی بی کو بتایا۔ بی بی نے جا کر آنحضورؐ سے پوچھا۔

تو آپ نے فرمایا۔ بیٹی جبرئیل نے جب دیکھا کہ تو سو رہی ہے ام ایمن کام میں مصروف ہے اور حسینؑ رو رہا ہے تو وہ میرے حسینؑ کو بہلانے آگیا۔

منقول ہے کہ تاریک راتوں میں جس کمرہ میں حسینؑ ہوتا تھا وہیں چراغ کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ امام حسینؑ کے سینہ اور پیشانی سے روشنی کی ایک کرن پھوٹتی رہتی تھی اور اندھیرے میں یہ روشنی صاف نظر آتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ امام حسینؑ کی پیشانی اور سینہ ہی کے بوسے لیتے تھے۔

سید شباب اہل الجنۃ :

منتخب میں انس ابن مالک سے مروی ہے کہ ایک دن مدینہ میں ایک جنازے کے ساتھ شریک ہوئے جب جنازہ قبرستان

میں پہنچ گیا۔ اور لوگ تیاری قبر کا انتظار کرنے کی خاطر بیٹھ گئے۔ تو میں نے دیکھا ابوہریرہ امام حسینؑ کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور آپ کے پاؤں سے مٹی جھاڑ کر صاف کرنے لگا۔

امام حسینؑ نے پاؤں پیچھے ہٹا کر کہا۔ ابوہریرہ یہ کیا کر رہے ہو۔

ابوہریرہ نے کہا۔ فرزند رسولؐ مجھے یہ ہی کرنا تھا جو کچھ میں نے آپ کے بارے میں آپ کے نانا سے سنا ہے اگر لوگ جانتے ہوتے تو آپ کی راہ میں پلکیں بچھاتے۔

مجھ ایسی نے یہ آپ کی فضیلت آپ کے نانا سے سنا ہے فرماتے تھے۔

هذا ولدی الحسین سید شباب اهل الجنة۔ میرا یہ حسینؑ بیٹا جوانان جنت کا سردار ہے۔

پشت رسولؐ پر!

منتخب میں لیث ابن سعد سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضورؐ نماز پڑھ رہے تھے امام حسینؑ آپ کے ساتھ مصلیٰ پر بیٹھا تھا آپ سجدہ میں گئے تو امام حسینؑ آپ کی پشت پر بیٹھ گیا۔ آپ نے سجدہ کو طول دے دیا۔ جب تک امام حسینؑ نہ اترے آپ نے سر نہ اٹھایا۔

ایک یہودی کھڑا ہو کر یہ دیکھ رہا تھا۔ جب نماز ختم ہوئی تو اس نے کہا۔

محمدؐ! کیا نماز میں جو بچہ بھی تمہاری پشت پر بیٹھ جائے تم اسے کو نہیں ہٹاتے اور سجدہ لمبا کر دیتے ہو!

آپ نے فرمایا۔ ایسی بات نہیں ہے میرا یہ حسینؑ عام بچوں جیسا نہیں ہے۔ میں اس سے پیار نواسہ ہونے کے ناطے نہیں کرتا۔ اللہ ہی اس کے ناز نواسہ ہونے کی حیثیت میں اٹھاتا ہوں۔ میرے اللہ کا حکم ہے کہ میں حسینؑ کو ناراض نہ کروں۔

میرا حسینؑ میرے دین کا محسن ہے۔ اور یہ وقت بتائے گا کہ میں حسینؑ سے کیوں غیر معمولی پیار کرتا ہوں۔

ہرنی کا بچہ!

ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک دن ایک دیہاتی عرب نے ہرنی کا ایک بچہ آنحضورؐ کو ہدیہ پیش کیا۔ اس وقت امام حسنؑ آنحضورؐ کے پاس تھا۔ شہزادہ نے نانا سے ہرنی کا بچہ مانگا آپ نے اسے دے دیا۔ امام حسنؑ اسے لے کر گھر گیا۔

امام حسینؑ نے پوچھا۔

بھیا یہ ہرن کہاں سے لیا ہے۔

امام حسنؑ نے بتایا۔ نانا نے دیا ہے۔

امام حسینؑ فوراً مسجد میں آئے اور عرض کی۔ نانا مجھے بھی حسن کی طرح ہرن کا بچہ چاہیے۔

سرور کونینؐ نے سر جھکا لیا۔ امام حسینؑ اپنے مطالبہ پر اصرار کرتا رہا اور آنحضورؐ سر جھکائے رہے۔ ہم نے دیکھا امام حسینؑ

کا چہرہ پژمردہ ہوگیا۔ اب قریب تھا کہ شہزادہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں۔

گلی میں شور بلند ہوا۔ ہم نے دیکھا تو ایک ہرنی ہے اس کے ساتھ ایک بچہ ہے اور اس کے تعاقب میں بھیڑیا ہے۔ ہرنی دوڑتی ہوئی آنحضورؐ کے قریب آئی۔ بھیڑیا در مسجد پر رک گیا۔

ہرنی نے فصیح عربی میں عرض کی۔ جسے مسجد میں موجود تمام صحابہ نے سنا۔ آقا! میرے دو بچے تھے۔ مدینہ سے کم از کم ایک شب و روز کی مسافت پر دور میرا صحرا میں قیام ہے۔ ایک شکاری نے کل میرا ایک بچہ شکار کر کے آپ کو ہدیۃً پیش کیا ہے۔ آج میں اس بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ کسی ہاتف غیبی نے کہا۔

جلدی دوڑ کر مدینہ جا۔ حسینؑ ہرنوٹا مانگ رہا ہے اور مایوسی سے رونے کے قریب ہے۔ اگر حسینؑ کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑا تو میں اس بھیڑیے کو تجھ پر مسلط کر دوں گا جو تجھے بچوں سمیت کھا جائے گا۔

میں نے ایک طرف دیکھا تو یہ بھیڑیا میری طرف آ رہا تھا۔ میں نے دوڑ لگا دی اور بھیڑیا میرے پیچھے رہا۔

قبلہ! مجھے یقین ہے کہ میں جس قدر بھی تیز دوڑتی اتنی لمبی مسافت میں چند لمحات میں طے نہیں کر سکتی تھی۔ اللہ نے میرے لیے طی الارض کر دیا۔ میں تیرے حسینؑ کی آنکھ میں آنسو آنے سے پہلے آپ کی خدمت میں پہنچنے پر کامیاب ہو گئی ہوں۔

شکر خدا ہے کہ میرے دونوں بچے آپ کے حسینؑ کا بھلا آئے ہیں۔

آپ افضل ہیں میں افخر ہوں!

نقل از بحار میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک دن میں گھر میں آیا تو حسنؑ سو رہا تھا اور نبیؐ کو میں حسینؑ کو گود میں لے کر بیٹھے تھے۔ بنت رسولؐ بھی آپ کے قریب بیٹھی تھیں۔ حسینؑ چھ برس کا تھا۔

میں نے کہا۔ بیٹے اب تم اپنے نانا کو تکلیف نہ دیا کرو۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ! میرے اور حسینؑ کے معاملہ میں تم دونوں خاموش رہا کرو۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! کیا حسینؑ آپ کو اتنا پیارا ہے۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ! یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ حسینؑ میرا حصہ ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! سچ بتائیں کہ میں آپ کو زیادہ عزیز ہوں یا حسینؑ۔

آنحضورؐ کے جواب دینے سے پہلے امام حسینؑ نے کہا۔ ابا جان! جو شرف میں زیادہ ہوگا وہی زیادہ محبوب رسول ہوگا۔

میں نے کہا۔ بیٹے کیا میرے ساتھ مفاخرت کرو گے؟

حسینؑ نے کہا۔ کیوں نہ کروں گا۔ بشرطیکہ آپ اجازت دیں۔

میں نے کہا بیٹے تجھے معلوم ہے میں امیرالمومنین ہوں۔ میں زبان حق ہوں۔ میں وزیر مصطفیٰ ہوں۔ میں نے ستر فضائل بیان کیے۔ اور خاموش ہو گیا۔

آنحضورؐ نے حسینؑ کا منہ چوم کر فرمایا بیٹے تیرے بابا کے فضائل میں سے تیرے بابا نے عشر عشیر بھی بیان نہیں کیا۔

حسینؑ نے کہا اس شخص کی مدح ہے جس سے رب نے اپنے تمام بندوں سے افضل قرار دیا ہے بابا جان جو کچھ آپ نے فرمایا ہے وہ بجا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ بیٹے اب تم بھی تو بیان کرو۔

حسینؑ نے کہا۔ بابا جان! آپ نے جتنے فضائل بیان کیے ہیں وہ سب حسبی ہیں اور وہبی ہیں۔ اب میں جو فضائل بیان کر رہا ہوں وہ سب نسبی ہیں اور وہبی بھی

آپ تسلیم کریں گے کہ

میرا بابا امیرالمومنین ہے جو تمام مومنین سے افضل ہے۔

میری ماں سیدۃ نساء العالمین ہے جسے آدم سے لے کر قیامت تک ہر شخص تسلیم کرے گا۔

میرا نانا سید الانبیاء ہے۔ جس کا کلمہ پڑھنے والے کلمہ گو کہلاتے ہیں۔

میرا بھائی حسن مجتبیٰ ہے

آپ تسلیم کریں گے کہ میرے باپ جیسا آپ کا باپ نہیں۔ میری ماں جیسی آپ کی ماں نہیں۔ میرے نانا جیسا آپ کا نانا نہیں اور میرے بھائی جیسا آپ کا بھائی نہیں۔ اگر شرف کے لحاظ سے آپ افضل ہیں تو نسب کے اعتبار سے میں افضل ہوں۔

آنحضورؐ نے حسینؑ کو گلے لگا کر بوسہ دیا۔ پھر میں نے حسینؑ کا منہ چوما۔ آخر میں بنت رسولؐ نے حسینؑ کو گود میں لے کر گلے لگایا اور منہ چوم لیا۔

امامت امام حسینؑ

امام حسینؑ کی امامت پر بے شمار صریح نصوص نبویہ موجود ہیں جنہیں شیعہ سنی ہر دو محدثین و مورخین نے نقل کیا ہے۔ ہم ذیل میں صرف چند ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔

اکمال الدین میں شیخ صدوق نے جابر ابن یزید جعفی کے ذریعہ جابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ جب یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۔ نازل ہوئی تو میں نے آنحضورؐ کی خدمت میں عرض کیا قبلہ!

ہم نے اللہ اور رسول کو تو پہچان لیا ہے۔ لیکن یہ اولی الامر جن کی اطاعت کو اللہ نے بلا فصل آپ کی اطاعت سے متصل فرمایا ہے۔

کون ہیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا۔

یا جابر ائمة المسلمین من بعدی اولهم علی ابن ابی طالب ثم الحسنؑ ثم الحسینؑ ثم علیؑ ابن الحسینؑ ثم محمدؑ ابن علیؑ المعروف فی التوراة بالباقر ستدرکه یا جابر فاقرأه السلام ثم الصادق جعفرؑ ابن محمدؑ ثم موسیٰؑ ابن جعفرؑ ثم علیؑ ابن موسیٰ ثم محمدؑ ابن علیؑ ثم علیؑ ابن محمدؑ ثم الحسنؑ ابن علیؑ ثم سمیی وکنیی حجة الله فی ارضه ابن الحسن ابن علی ذاك الذی یفتح الله تعالیٰ ذکره علی یدیه مشارق الارض ومغاربها ذاك الذی یغیب عن شیعته واولیائه غیبة لا یثبت فیها علی القول بامامته الا من امتحن الله قلبه بالایمان۔

اے جابر اولی الامر جن کی اطاعت کو اللہ نے میری اطاعت سے وابستہ رکھا ہے یہ میرے خلفاء اور میرے بعد امت مسلمہ کے امام ہیں جن میں پہلا علیؑ ہے اس کے بعد حسنؑ ہوگا۔ اس کے بعد حسینؑ ہوگا، پھر علیؑ ابن حسینؑ ہوگا پھر محمدؑ بن علیؑ ہوگا جس کا توریت میں باقر نام ہے۔ جابر تیری اس سے ملاقات ہوگی۔ جب ملاقات ہو تو میرے سلام اسے کہہ دینا پھر جعفر ابن محمد صادق ہوگا۔ پھر موسیٰ ابن جعفر ہوگا پھر علی ابن موسیٰ ہوگا، پھر محمد ابن علیؑ، پھر علیؑ ابن محمد ہوگا۔ پھر حسن ابن علیؑ ہوگا۔ پھر میرا ہم نام اور ہم کنیت حجت ابن حسن ہوگا۔ اس کے ہاتھوں اللہ اپنا ذکر کرہ ارض کے مشرق و مغرب میں پہنچائے گا۔ اس کی غیبت اپنے شیعوں اور موالیوں سے اتنی طویل ہوگی کہ زمانہ غیبت میں اس کی امامت کے قائل صرف وہی لوگ رہ جائیں گے جن کا اللہ نے امتحان لیا ہوگا

شیخ مفید نے کتاب الغیبۃ میں مالا دستی سے روایت کی ہے کہ میں امام صادقؑ کے پاس آیا اور سلام کیا۔

آپ نے پوچھا۔ کہاں سے آرہے ہو۔

میں نے عرض کیا کوفے سے۔

آپ نے فرمایا۔ کوفہ میں کیا حال ہے۔

میں نے عرض کیا۔ تو جناب زید کو لوگ جہاد کے لیے آمادہ کر رہے تھے۔

آپ نے فرمایا۔ پھر کیا خیال ہے زید کامیاب ہو بھی جائے تو کیا وہ منصوص من اللہ امام ہو جائے گا؟

میں نے عرض کیا بہتر ہے تو آپ ہی بتا سکتے ہیں۔

آپ نے سماعہ ابن مہران کو آواز دی۔ سماعہ حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ تبرکات والا صندوق اٹھا کے لے آ۔ سماعہ

صندوق لایا۔

آپ نے اسے کھولا۔ اس میں سے سبز ریشم کا ایک ٹکڑا نکالا اور مجھے دے کر فرمایا اسے پڑھو۔

میں نے پڑھا تو اس پر لکھا تھا۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السماوات والارض منھا اربعۃ حرم ذلک الدین القیم امیر المومنین علی ابن ابی طالب الحسن ابن علی و الحسین ابن علی وعلی ابن الحسین ومحمد ابن علی وجعفر ابن محمد وموسیٰ ابن جعفر وعلی ابن موسیٰ و محمد ابن علی وعلی ابن محمد والحسن ابن علی والحجۃ ابن الحسن۔

پھر آپ نے فرمایا اے مالک یہ تحریر اللہ نے تخلیق آدم سے دو ہزار سال قبل لکھی ہے

اکمال الدین میں شیخ ابن بابویہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ گھر سے اس طرح برآمد ہوئے کہ آپ کا ہاتھ امام حسنؑ کے ہاتھ میں تھا اور فرما رہے تھے۔ میرے ہی ایک دن بالکل اسی انداز میں نبی اکرم میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر گھر سے باہر آئے تھے اور انہوں نے فرمایا تھا۔

خیر الخلق بعدی وسیدھم اخی ھذا امام کل مسلم ومولی کل مومن ومومنۃ بعد وفاتی الا وانی اقول ان خیر الخلق بعدی وسیدھم ابنی ھذا وھو امام کل مسلم ومولی کل مومن بعد وفاتی الا وانہ سیظلم بعدی کما ظلمت بعد وفاۃ رسول اللہ وخیر الخلق وسیدھم بعد الحسن ابنی واخوہ الحسین المظلوم بعد اخیہ المقتول فی ارض کربلا اما انہ واصحابہ من سادۃ الشھداء یوم القیامۃ وبعد الحسین تسعۃ من ولدہ خلفاء اللہ فی ارضہ وحججہ علی عبادہ ائمۃ المسلمین وقادۃ المومنین وسادۃ المتقین وتاسعھم القائم۔

میرے بعد افضل خلائق اور سید المخلوق میرا یہ بھائی علی ہے جو ہر مسلمان کا امام اور ہر مومن کا مولا ہے۔ لوگو! میں بھی آنحضورؐ کی طرح کہتا ہوں کہ میرے بعد سید الخلائق اور افضل المخلوق میرا یہ بیٹا حسن ہے جو میرے بعد ہر مسلمان کا امام اور ہر مومن کا مولا ہے۔ یہ بھی بتا دوں کہ جس طرح وفاتِ رسولؐ کے بعد مجھ پر ظلم ہوا ہے اسی طرح میرے بعد یہ بھی مظلوم ہوگا۔ حسنؑ کے بعد اس کا یہ بھائی حسینؑ امام امت ہوگا۔ جو اپنے بھائی کے بعد نہ صرف مظلوم ہوگا بلکہ سرزمین کربلا میں شہید بھی ہوگا لیکن حسینؑ اور اس کے ساتھی شہداء قیامت کے دن سید الشہداء ہوں گے۔

حسینؑ کے بعد اس کی ذریت سے نو خلفائے باری ہوں گے جو زمین میں حجت خدا ہوں گے امت مسلمہ کے امام ہوں گے مومنین کے قائد اور مخلوق کے سردار ہوں گے۔ ان میں نواں قائم ہوگا۔

اکمال الدین میں شیخ صدوقؒ نے امام محمد باقرؑ کے متعدد صحابہ سے روایت کی ہے کہ جب امام باقرؑ کا وقت آخر آیا تو آپ نے اپنے بیٹے جعفر کو وصیت کی خاطر بلایا۔

آپ سے آپ کے بھائی زید نے کہا۔ بھیا اگر آپ بھی امام حسنؑ کی سیرت پر عمل کرتے اور جس طرح انہوں نے دمِ آخر اپنے بھائی حسینؑ کو امرِ امامت سپرد کیے تھے تو آپ کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ ہوتی۔ (جناب زید کا مقصد تمام صحاب امام باقرؑ کو بھانا تھا۔ مترجم)

امام باقرؑ نے فرمایا۔ اے بھیا ابوالحسن آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ امامت نہ تو کسی کے نقشِ قدم پر چلنے کا نام ہوتی ہے اور نہ ہی الٰہی دعوے سے امام کے پابند ہوتے ہیں۔ امام حسنؑ نے اگر امام حسینؑ کو امرِ امامت سپرد کیے تھے تو اس میں نہ تو ان کی اپنی مرضی کو دخل تھا اور نہ ہی انہوں نے رشتہ اخوت کے پیش نظر ایسا کیا تھا۔ یہ اللہ کے فیصلے ہیں جو تخلیق کائنات سے بھی قبل ہو چکے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا۔ ذرا جابر انصاری کو بلاؤ۔

جب جابر آگئے تو آپ نے فرمایا۔ جابر جب تو ولادت امام حسینؑ کے موقع پر جدہ سادات بنت پیغمبر کو مبارکباد دینے گیا تھا تو تو نے کیا دیکھا تھا۔ ذرا تفصیل سے بتانا۔

جابر نے عرض کیا۔ تبدِ جب میں ولادت امام حسینؑ کی مبارک باد دینے کو گیا۔ تو بنت رسولؐ نے مبارک باد قبول کرنے کے بعد فرمایا۔

جابر مبارک بادی کے عوض کیا لو گے؟

میں نے عرض کیا۔ بی بی جنت تو آپ کے بابا اور آپ کے شوہر کے قدموں کا صدقہ مل جائے گی۔ دنیا کی کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے کوئی ایسی چیز عنایت فرمایئے جو یادگار ہو اور میری دنیا و آخرت کا سرمایہ ہو۔

بی بی نے فرمایا۔ ہاں جابر تو اس کا اہل ہے۔

پھر بی بی نے سفید موتیوں کی طرح درخشاں ایک لوح مجھے دی ساتھ ہی یہ پیغام بھی بھیجا کہ اسے تنہائی میں بیٹھ کر دیکھ لے اور واپس کر دے۔ ایک خیال رکھنا اسے ہاتھ نہ لگانا کیونکہ حکم باری کے مطابق اسے کوئی نبی یا وصی ہی چھو سکتا ہے۔ کپڑے سے پکڑ کر اس کے پچھلی طرف سے دیکھ لینا جو کچھ ہے تجھے نظر آ جائے گا۔

اس لوح میں بھی اسی طرح درج تھا۔

۱۔ خاتم الانبیاء ابو القاسم محمد مصطفیٰ ابن عبداللہ ان کی ماں کا نام آمنہ بنت وہب ہو گا۔

۲۔ خاتم الاوصیاء ابو الحسن علی ابن ابو طالب ہو گا۔ اور اس کی ماں فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم ابن عبد مناف ہو گی۔ امام اول ہو گا۔

۳۔ ابو محمد حسن ابن علی مجتبیٰ امام دوم ہو گا۔

۴۔ ابو عبداللہ حسین ابن علی تقی ان دونوں کی ماں فاطمہ بنت محمد رسول اللہ ہو گی تیسرا امام ہو گا۔

۵۔ چوتھا امام ابو محمد علی ابن حسین عدل ہو گا اس کی ماں شہربانو بنت یزدجرد ہو گی۔

۶۔ پانچواں امام ابو جعفر محمد ابن علی باقر ہوگا اس کی والدہ کا نام ام عبداللہ فاطمہ بنت حسن ہوگا۔

۷۔ چھٹا امام ابو عبداللہ جعفر ابن محمد صادق ہوگا اس کی والدہ ام فروہ بنت قاسم ابن محمد ابن ابی بکر ہوگی۔

۸۔ ساتواں امام ابو ابراہیم موسیٰ ابن جعفر ہوگا اس کی والدہ حمیدہ بربریہ ہوگی۔

۹۔ آٹھواں امام ابوالحسن علی ابن موسیٰ ہوگا اس کی والدہ کا نام نجمہ ہوگا۔

۱۰۔ نواں امام ابو جعفر محمد ابن علی زکی ہوگا اس کی والدہ کا نام خیزران ہوگا۔

۱۱۔ دسواں امام ابوالحسن علی ابن محمد امین ہوگا اس کی والدہ کا نام سوسن ہوگا۔

۱۲۔ گیارہواں امام ابو محمد حسن ابن علی اس کی والدہ کا نام سلافہ ہوگا۔

۱۳۔ بارہواں امام حجت قائم ابن حسن ہوگا اس کی والدہ کا نام نرجس ہوگا۔

اس کے بعد امام باقر نے زید سے فرمایا۔ بھیا آپ نے دیکھ لیا ہے یہ عہدہ کسی کے دینے سے نہیں اللہ کے انتخاب سے ہے اور یہ انتخاب پہلے سے ہو چکا ہے اللہ بنا کر امام بھیجتا ہے وہ بیچ کر امام نہیں بناتا۔

علاوہ ازیں بھی واضح نصوص امامت ہیں جو منتخب الدلائل۔ تاویل الآیات الباہرہ۔ عوالم۔ اور کشف الغمہ وغیرہ جیسی کتب میں موجود ہیں۔ بعض نصوص سابقاً شہادت امام حسنؑ میں پیش کی جا چکی ہے۔

معجزات امام حسینؑ

۱۔ برص کا داغ:

بحار میں صالح ابن میثم اسدی سے مروی ہے کہ میں اور عبایہ ابن ربعی حبابہ والبیہ کے پاس گئے۔ یہ عورت محبت آل محمد میں معروف تھی آئمہ اہل بیت ہی کی دعا سے اسے اتنی طویل زندگی نصیب ہوئی امام رضاؑ تک کی زیارت سے مشرف ہوئی عبایہ نے اسے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

حبابہ یہ آپ کا بھتیجا آپ سے ملنے آیا ہے۔

حبابہ نے پوچھا میرا کونسا بھتیجا ہے؟

عبایہ نے کہا صالح ابن میثم والبی ہے۔

حبابہ نے کہا۔ واقعی میرا بھتیجا ہے۔

پھر وہیں بیٹھنے کو کہا۔ جب ہم بیٹھ گئے تو کہنے لگی اگر پسند کرو تو تمہیں اپنے آقا مولا کی ایک ایسی بات سناؤں جو میری آپ بیتی ہے!

ہم نے کہا۔ آپ ضرور سنائیں۔

حبابہ نے کہا۔ میری دونوں آنکھوں کے درمیان ایک سفید داغ ہو گیا۔ جو چھپائے نہ چھپتا تھا۔ میں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا لوگوں کو بھی پتہ چل گیا کہ میں باہر کیوں نہیں آتی۔

امام حسینؑ نے اپنی بعض کنیزوں سے پوچھا کہ آج کل حبابہ کو کہیں نہیں دیکھا۔ خیریت سے ہے!

ایک کنیز نے عرض کیا۔

قبلہ اس کی دونوں آنکھوں کے مابین ایک چھوٹا سا سفید داغ نکل آیا ہے۔ جو ایسی جگہ ہے کہ اسے چھپایا نہیں جا سکتا اس لیے حبابہ نے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا ہے۔

آپ اسی وقت میرے گھر آئے۔ دق الباب کیا۔ جب میں نے اجازت دی تو اندر تشریف لائے اور فرمایا۔

حبابہ کیا ہو گیا ہے کئی دنوں سے تو نظر نہیں آئی۔

میں نے عرض کیا۔ فرزند رسول کیا عرض کروں۔ آنکھوں کے درمیان ایک سفید داغ نکل آیا ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔

بس شرم کے مارے باہر نکلنا چھوڑ دیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ سر اوپر اٹھا۔

میں نے سر اٹھایا۔ آپ نے انگلی پر لعاب دہن لیا اور اس داغ پر لگا دیا۔ اور فرمایا۔ اٹھو اب آئینہ دیکھو۔ جب میں نے آئینہ دیکھا تو حیران رہ گئی کہ اس داغ کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

۲۔ بدنیت ہاتھ:

بحار میں ایوب ابن اعین نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ بیت اللہ میں ایک عورت مصروف طواف تھی اس کے عقب میں ایک مرد بھی طواف کر رہا تھا۔ عورت نے ہاتھ بلا کر کے حجرِ اسود کو چھونا چاہا۔ اس مرد نے بھی ہاتھ بڑھا کر اس عورت کے بازو پر رکھ دیا۔ قدرتِ خدا سے اس کا ہاتھ عورت کے بازو سے چمٹ گیا۔ لاکھ کوشش کی گئی لیکن ہاتھ جدا نہ ہوا لوگ جمع ہو گئے۔ دونوں کو امیر مکہ کے پاس لے گئے۔ مشورہ یہی ہوا کہ مرد کا ہاتھ کاٹ لیا جائے کیوں کہ اس نے زیادتی کی ہے۔

امیر مکہ نے کہا۔ معلوم کرو۔ آلِ محمد سے کوئی موجود ہے!

مجھ سے ایک شخص نے کہا امام حسین ابن علیؑ آئے ہیں۔

امیر کے نے کہا۔ یا انہیں بلاؤ۔ اور یا انہیں ان کے پاس لے جاؤ۔
وہ تمام مجمع اس عورت اور مرد کو لے کر امام حسینؑ کے پاس آیا۔ آپ نے دست دعا بلند کیے۔ دعا مانگی۔ اس کا ہاتھ عورت کے ہاتھ سے جدا ہو گیا۔

۴۔ مردہ زندہ ؛

خرائج میں یہ بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ امام حسینؑ کے پاس ایک نوجوان روتا ہوا آیا۔
آپ نے پوچھا۔ کیا بات ہے؟
کیوں روتا ہے؟
اس نے عرض کی۔ قبلہ! ماں کافی مالدار تھی۔ لیکن دولت چھپا کر رکھتی تھی۔ فوت ہو گئی ہے۔ بتا کر نہیں گئی کہ کہاں رکھی ہے۔
ایک مرتبہ پہلے اس نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو میرے غسل و کفن سے پہلے فرزند رسول کو ضرور اطلاع دینا۔
آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا۔ آؤ چلیں۔
ہم آپ کے ساتھ آئے۔ ایک گھر کے دروازے پر رک گئے۔ اور اللہ سے دعا کی۔ وہ عورت زندہ ہو گئی۔ جلدی پاؤں پر بیٹھ کر عرض کیا۔ فرزند رسول آپ باہر کیوں کھڑے ہیں اندر تشریف لائیں۔
آپ نے فرمایا۔ میں تنہا نہیں ہوں۔
اس نے کہا آپ تمام صحابہ کے ساتھ تشریف لے آئیں۔
آپ کے ساتھ ہم بھی اندر گئے۔
عورت نے عرض کی۔ قبلہ کوئی حکم ہے تو فرمائیے۔ ابھی تک ملک الموت میری روح لے کر اپنی جگہ تک نہیں پہنچا تھا کہ واپس آیا۔ اور مجھے کہنے لگا جا تجھے فرزند رسول بلا رہا ہے۔ آتا وہ صرف آپ کے حکم کا منتظر ہے۔ میرے پاس ہی وہ سامنے کھڑا ہے۔
آپؑ اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیے۔ پھر فرمایا۔ بیٹے کو جو وصیت کرنا ہے کر لے اور اسے یہ بھی بتا دے کہ تیرا مال کہاں کہاں رکھا ہے۔
اس نے عرض کیا۔ قبلہ! اتنا مال ہے اور فلاں فلاں جگہ رکھا ہے۔ میرے مال کے تین حصے کریں ایک حصہ آپ کا ہوگا خواہ آپ اپنی ضروریات پر صرف کریں یا اپنے موالیوں کو دیں۔ اور دو حصے میرے بیٹے کے ہوں گے۔ بشرطیکہ یہ آپ کا محب ہو۔ اگر یہ آپ کا محب نہ ہوا تو میرا مال اس کے لیے حرام ہے۔ مجھ پر جنازہ خود پڑھیں۔ اور تدفین تک تکلیف فرمائیں۔

اس کے بعد حدیث گئی اور مرنی کی۔ اچھا! السلام علیک یا بن رسول اللہ۔

۴۔ نافرمانی کا انجام!

خرائج میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ امام حسینؑ جب اپنے نوکروں کو کسی کام کیلئے بھیجتے تھے تو انہیں گھر سے جانے سے لے کر واپسی تک کے راستہ تک کی ہدایات دے دیتے تھے اور فرماتے تھے اگر میرا کہا نہ مانا تو نقصان اٹھاؤ گے۔

ایک مرتبہ تمام نوکروں نے مشورہ کیا۔ کہ فرزند رسولؐ دو تین درہم میں جتلا ہے بھلا ہم اتنے آدمی ہوتے ہیں۔ کوئی ہمیں کیا جانے گا۔

چنانچہ انہوں نے عمداً آپ کی ہدایات کے برعکس وہی راستہ اختیار کیا جس سے آپ نے انہیں روکا تھا راستہ میں ڈاکا پڑا وہ سب قتل ہو گئے اور جو کچھ ان کے پاس تھے وہ بھی لوٹ لیا گیا۔

جب آپ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا۔ میں نے انہیں روکا تھا کہ اس راستے سے نہ جاؤ۔ یہ کہہ کر آپ اٹھے اور امیر مدینہ کے پاس آئے۔

امیر مدینہ نے کہا اے فرزند رسولؐ سنا ہے کہ آپ کا مال نقصان بھی ہو گیا ہے اور آپ کے غلام بھی مارے گئے ہیں بڑا افسوس ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جب چور اور ڈاکو امراء کی پناہ میں پلنے لگیں تو رعیت کا یہی حال ہوتا ہے۔

امیر مدینہ نے کہا۔ فرزند رسولؐ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم نے کبھی کسی چور یا ڈاکو کو پناہ نہیں دی۔

آپ نے فرمایا۔ پھر میرے غلاموں کا یہ قاتل آپ کے دربار میں ایک اچھے خاصے عہدہ پر کیسے فائز ہو گیا ہے۔

اس شخص نے کہا۔ فرزند رسولؐ یہ آپ نے کیا فرمادیا ہے مجھے کیا معلوم ہے اور میں کیوں قتل کروں گا۔

آپ نے فرمایا۔ دیکھو تم سات آدمی تھے، چار تم غلام تھے اور تین تمہارے ساتھ حبشی تھے۔ تم سات آدمی فلاں جگہ اکٹھے ہوئے۔ تمہارے پاس فلاں فلاں ہتھیار تھا۔ فلاں جگہ تم گھات لگا کر بیٹھے، میرے فلاں فلاں غلام کے پاس فلاں فلاں چیز تھی۔

تم نے اچانک ان پر حملہ کیا، پہلے فلاں فلاں نے فلاں غلام کو مارا۔ اسی طرح آپ نے ایک ایک کا نام لے کر بتایا کہ تم لوگوں نے کسے مارا اور کب مارا، پھر تم نے مال آپس میں تقسیم کیا ہے، ہر ایک کے حصہ میں اتنا مال آیا ہے جسے تم فلاں جگہ چھپا کے آئے ہو۔

اگر اب بھی شک ہے تو چل میں تجھے اس جگہ سے سامان برآمد کر دوں۔

یہ سن کر وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا۔ اور کہنے لگا کیا آپ بھی ہمارے ساتھ تھے؟

آپ نے فرمایا۔ میں صرف تمہارے ساتھ نہیں تھا کہ روئے زمین پر جو کچھ بھی ہوتا ہے اس سے امام وقت مطلع ہوتا ہے۔

امیر مدینہ نے فوراً سپاہی بھیج کر اس کے دوسرے ساتھیوں کو گرفتار کرایا۔ ان سے مال برآمد کیا۔ اور مقتول غلاموں کے قصاص میں ان سب کو قتل کر دیا۔

۵۔ شادی سے منع!

خرائج کے مطابق ایک شخص اچھا خاصا مالدار تھا۔ وہ امام حسینؑ کے پاس آیا اور عرض کیا۔

فلاں عورت جو بڑی مالدار ہے سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کیا مشورہ دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ وہ مالدار ضرور ہو گی۔ لیکن تیرے لیے نقصان دہ ہو گی۔ اگر مجھ سے مشورہ لینا چاہتا ہے تو اس سے شادی نہ کر۔

اس شخص نے اسی عورت سے شادی کر لی۔ ابھی چھ ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ اس کی تمام دولت حادثات کا شکار ہو کر ختم ہو گئی۔

پریشان ہو کر آپ کے پاس آیا۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے تجھے اسی لیے۔ صرف مرد کا تھا بلکہ تجھے بتا دیا تھا کہ تیرے لیے نقصان دہ ہے اب بھی وقت ہے اسے طلاق دے دے۔ اور فلاں عورت کا رشتہ اگر تجھے مل جائے تو وہ تیرے لیے سودمند ہو گی۔

اس نے اس عورت کو طلاق دے کر دوسری سے شادی کر لی ہے۔ اور پھر پہلے کی طرح مالدار ہو گیا۔

۶۔ بچہ کس کا ہے!

مناقب میں صفوان ابن مہران سے مروی ہے کہ مدینہ میں دو شخصوں کے درمیان ایک عورت اور اس کے بچہ پر تنازع ہو گیا دونوں مدعی تھے کہ یہ میری بیوی اور یہ میرا بیٹا ہے۔

جھگڑا فیصلہ کے لیے امام حسینؑ کے پاس آیا۔ آپ نے عورت سے فرمایا۔ دیکھ سیدھی سیدھی بات بتا دے کہ تیرا شوہر کون ہے اور بچہ کس کا ہے!

عورت نے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ یہ میرا شوہر ہے اور یہ بچہ اسی کا ہے۔ اس دوسرے کو میں نہیں جانتی۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ دیکھ اللہ ستار العیوب ہے۔ اس نے تیرے کتنے عیوب پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ لیکن امام وقت کو دھوکا کی صورت میں اللہ کسی کا حجاب نہیں ہوتا۔ راز فاش ہونے سے پہلے تو خود سیدھی بات بتا دے۔

عورت نے پھر وہی بات دہرائی۔

اب بچہ سے مخاطب ہوا اور فرمایا۔ قدرت خدا سے قبل از وقت بول اور قریش کو بتا کہ تیرا باپ کون ہے!

چند ماہ کا کمسن بچہ گویا ہوا اور کہنے لگا۔ تو ان دونوں میں سے میرا باپ کوئی بھی نہیں ہے ایسی ہے یا ری ہے میری ماں

تم ہے آپ مجھے اس سے زیادہ وضاحت نہ کرائیں۔ آپ بہتر جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ میں تو جانتا ہوں۔ لیکن تیری ماں مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس لیے۔ ان تمام لوگوں کو صرف اپنے باپ کا نام بتا دے۔

بچے نے عرض کیا۔ قبیلہ بنی مدینہ خال چرواہا میرا حقیقی باپ ہے۔

آپ نے عورت سے فرمایا۔ اب بتا۔ اپنے بیٹے کی تصدیق کرتی ہے یا نہیں؟

اگر اب بھی تو انکار کرے گی تو پھر میں تیرے اسی بیٹے کی زبانی وہ پورا واقعہ دھرا دوں گا۔ جس کے مطابق یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔

عورت نے سر جھکایا۔ آپ کے قدموں پہ ہاتھ رکھے اور عرض کیا۔ بس میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ میں سب کے سامنے اپنا جرم تسلیم کرتی ہوں۔ بچے نے درست کہا ہے۔

آپ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

۷۔ میرے قاتل:

خرائج میں حذیفہ یمانی سے مروی ہے کہ میں نے حسینؑ کو کہتے سنا۔ جب حسینؑ کمسن تھے ایک دن کہنے لگے۔ بخدا بنی امیہ کے ناخلف سرکش میرے قتل پہ جمع ہو جائیں گے۔ ان کے لشکر کا قائد عمر ابن سعد ہوگا۔

میں نے پوچھا کیا آپ کو نبی کریمؐ نے بتایا ہے۔

امام حسینؑ نے کہا۔ نہیں تو۔ انہوں نے مجھ سے ایسی بات کبھی نہیں کی۔

میں آنحضورؐ کے پاس آیا۔ اور انہیں پوری بات بتا دی۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ حذیفہ میرا علم وہی حسینؑ کا علم ہے اور حسینؑ کا علم میرا علم ہے۔ کیونکہ اللہ نے میرے سب اہلبیت کو ماکان و مایکون کے علم سے نوازا ہے۔

۸۔ اہل کوفہ کو پانی:

عوالم میں عمارہ نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت علیؑ کا قیام کوفہ میں تھا تو ایک سال خشک سالی ہو گئی اہل کوفہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور عرض کی کہ خشک سالی نے تباہ کر ڈالا ہے عرصہ سے بارش کا منہ نہیں دیکھا۔

حضرت علیؑ نے امام حسینؑ سے فرمایا بیٹے اہل کوفہ قلت آب اور پیاس کا شکوہ کر رہے ہیں انہیں پانی پلا دو۔ آپ اہل کوفہ کو لے کر بیرون کوفہ صحرا میں آئے۔ اور دست دعا بلند کر کے دعا مانگی۔

بار الہا! اہل کوفہ کو سیراب کر دے۔ ابھی تک دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ موسلادھار بارش ہونے لگی اور ہر طرف جل تھل ہو گیا۔

مکارم اخلاق اور زہد و عبادت

۱۔ محمد حنفیہ کا نزاع

عوالم میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ کسی بات پر محمد حنفیہ نے آپ سے نزاع کر لیا امام حسینؑ نے اسے محسوس نہ کیا اور خاموش رہے۔ جب محمد کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے آپکو ایک خط لکھا۔

اما بعد! بھیا! میرا اور آپ کا باپ ایک ہے اس لحاظ سے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے برابر ہوں۔ لیکن ماں کے اعتبار سے اگر پورا کرہ ارض بھی سونا بنکر میری ماں کی ملکیت میں آجائے تو پھر بھی میری ماں آپ کی والدہ سے کسی بھی مقام پر برابر نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں، آپ نے جو شرف زبان رسالت چوس کر حاصل کیا ہے وہ بھی مجھے حاصل نہیں۔ اور نہ ہی میں جبرہ تطہیر کے منصب جلیلہ پر فائز ہوں۔ لہذا آپ بزرگ ہیں۔ افضل ہیں۔ محترم برتر ہیں۔ اور بیشتر بزرگ ہی خوردوں پر نظر عنایت فرماتے ہیں آپ میرے پاس تشریف لائیں تاکہ باہمی گفتگو سے میں اپنی غلط فہمی کا ازالہ کرلوں۔

یہ خط پڑھتے ہی آپ محمد کے ہاں تشریف لے گئے اور اسے گلے لگا کر فرمایا۔ بھیا! میں نے تو کبھی آپ سے ناراضگی کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔

۲۔ یتیم پروری!

بحار میں شعیب ابن عبدالرحمن خزاعی سے منقول ہے۔ کہ روز عاشور جب ظالموں نے آپ کے جسم مبارک سے قمیص اتارا تھا۔ انہیں آپ کی پشت مبارک پر سیاہ گٹے دکھائی دیئے۔ انہوں نے جناب سجادؑ سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ مدینہ میں یتیموں اور بیواؤں کو رات کے وقت اپنی پشت پر لاد کر کھانا پہنچاتے تھے۔

۳۔ حج!

مناقب میں ابن جعفر سے مروی ہے کہ امام حسینؑ نے پچیس حج پیدل کیے۔ جب کہ سواریاں آپ کے ساتھ ہی خالی چلتی تھیں۔

۴۔ غلام آزاد :

مناقب میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک غلام کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ روٹی کا ایک ٹکڑا پڑا تھا۔

آپ نے غلام سے فرمایا۔

یہ اٹھا لے اور گھر واپس پہنچ کر مجھے یاد دلانا میں کھا لوں گا۔

غلام نے وہ ٹکڑا اٹھا لیا اور مٹی جھاڑ کر کھا لیا۔

جب واپس آئے تو آپ نے فرمایا۔ وہ روٹی کا ٹکڑا کہاں ہے؟

غلام نے عرض کیا۔

قبلہ وہ تو میں نے اسی وقت مٹی صاف کر کے کھا لیا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ جا تو فی سبیل اللہ آزاد ہے۔

کسی نے عرض کیا۔ قبلہ صرف روٹی کا ایک ٹکڑا کھانے پر آپ اسے آزاد کر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں! میں نے اپنے نانا سے سنا ہے وہ فرما رہے تھے کہ جو شخص کسی جگہ روٹی کا گرا ہوا ٹکڑا دیکھے اور صاف کر کے کھائے۔ اللہ اس شخص کو اس ٹکڑے کے ہضم ہونے سے پہلے آتش جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

بھلا تو ہی بتا جسے اللہ آتش جہنم سے آزاد کر دے میں اسے اپنا غلام کیسے رکھوں۔

۵۔ اللہ کا جواب :

بحار میں عیون سے مروی ہے کہ انس ابن مالک نے بتایا ہے ایک مرتبہ امام حسینؑ گھر میں مجھے ساتھ لے کر جیسے پہلے امیر المومنین جناب خدیجہ کے مزار پر گئے کافی دیر تک وہاں بیٹھ کر روتے رہے۔ پھر مجھے فرمایا۔ انس اب مجھے تنہا چھوڑ دے۔ میں ایک طرف ہو گیا۔ امام حسینؑ مصروف نماز ہو گئے۔ میں قدرے فاصلہ پہ جا کر چھپ گیا۔ تاکہ دیکھوں تنہائی میں کیا کرتے ہیں میں نے سنا وہ کھڑے ہو کر کہہ رہے تھے۔

(۱) یا رب یا رب انت مولاہ ـ فارحم عبیدا الیک ملجاہ

(۲) یا ذا المعالی علیک معتمدی ـ طوبیٰ لمن کنت انت مولاہ

(۳) طوبیٰ لمن کان نادما ارقا ـ مشکوا الی ذی الجلال بلواہ

(۴) وما بہ علۃ ولا سقم ـ اکثر من حبہ لمولاہ

(۵) اذا اشتکی شبۃ وغصۃ ـ

اجابہ اللہ ثم لبّاہ ـ

(۱) اے اللہ! اے خدا! تو ہی آقا ہے ان بندوں پر رحم فرما جن کا ملجا بھی تو ہے جسے ذات عالی تو ہی میرا سہارا ہے خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کا تو مولا ہے خوش نصیب ہے وہ جو اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرتا ہو۔ اور اپنے رب ذوالجلال کی بارگاہ میں اپنے مصائب پیش کرتا ہو ایسا بندہ جسے نہ کوئی تکلیف ہو اور نہ بیماری ہو ایسا بندہ جس کی ہر تکلیف اور بیماری صرف اپنے

(۱) اذا ابتلی بالظلام مبتهلا۔
اکرمه الله ثم ادناه۔

آقائے عشق کو جب اپنے آقا کے سامنے اپنے مصائب کا شکوہ کرے تو خدا لبیک کہہ کے اس کی دعا قبول کرے۔ جب تاریکی شب میں وہ جنگلات سے حاضر ہوے تو اللہ اسے معزز کرکے اپنا مقرب بنا لے۔

میں نے اپنے ان کانوں سے سنا ہے جب امام حسینؑ نے مذکورہ اشعار میں مناجات کی تو ذات احدیت کی طرف یہ جواب ملا۔

(۲) لبیک عبدی وانت فی کنفی۔
وکلما قلت قد علمناه۔
(۳) صوتک تشتاقه ملائکتی۔
فحسبک الصوت قد سمعناه۔

لبیک میرے بندے تو میری پناہ میں ہے جو کچھ تو کہتا ہے ہم اس سے واقف ہیں میرے ملائکہ تیری صدا کے مناجات کے مشتاق رہتے ہیں۔ تیرا صرف مناجات ہی کافی ہے ہم نے سن لیا ہے۔

۶- کفارہ:

بحار میں اوسط سے مروی ہے کہ ایک سال میں عمر کے ساتھ حج پر گیا۔ راستہ میں ایک دیہاتی عرب نے آکر عمر سے ایک مسئلہ پوچھا۔

کہ میں نے احرام باندھا اور مجھے شتر مرغ کے انڈے مل گئے۔ میں نے انہیں پکا کر کھا لیا۔ اب کیا کروں۔

عمر کچھ دیر سوچتا رہا پھر کہنے لگا۔

کہ مسئلہ مجھے بھی نہیں آتا۔ بیٹھ کر انتظار کر کوئی صحابی رسول آ جائے گا۔ اور تیری مشکل حل ہو جائے گی۔ کافی دیر بعد حضرت علیؑ اور جناب حسینؑ تشریف لے آئے۔

عمر نے عرب سے کہا۔ جا اور علیؑ سے مسئلہ پوچھ لے۔

عرب حضرت علیؑ کے پاس آیا۔ اور مسئلہ بیان کیا۔

حضرت علیؑ نے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ میرے اس کمسن بچے سے پوچھ لے۔

عرب نے کہا۔ عجیب ہے کہ ایک تو تم مجھے ایک دوسرے کی طرف دھکیلتے ہو۔ اور دوسرا اتنا بڑا مسئلہ جب ایک بڑے اور سفید ریش کو معلوم نہ تھا تو اس کمسن بچے کو کیا معلوم ہوگا۔

حضرت علیؑ کے ساتھی صحابہ نے پوچھا۔ کیا اور کسی سے بھی پوچھا؟

عرب نے کہا۔ پوچھا نہیں تو کیا کیا ہے، میں تو صبح سے جگہ جگہ مارا مارا پھر رہا ہوں کوئی بتاتا ہی نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ بیٹھ کوئی آ جائے گا۔

بیٹھو بیٹھے کے ستیاناس ہو گیا ہے۔

انہوں نے پوچھا۔ کہ ہم پر نماز فرض کیوں ہوتا ہے۔ ہمیں تو تیرا مسئلہ بھی اب ہی معلوم ہوا ہے۔ پہلے کس سے پوچھا ہے؟

عرب نے کہا۔ وہ سامنے نہیں خیمہ لگا ہوا اور ایک شخص مسند پر بیٹھا ہے۔ لوگ ہر طرف سے جھک جھک کر سلام کر رہے ہیں۔

انھوں نے کہا۔ اچھا ہم زندہ۔ اس بڑے سے بھی پوچھا ہے اب ضرا اس کم سن سے بھی پوچھ کر دیکھ آئے۔

عرب نے آگے بڑھ کر امام حسینؑ کو سلام کیا۔ اور اپنا مسئلہ پیش کیا۔ اتنے میں عمر اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ اسی جگہ آگیا جہاں حضرت علیؑ نے ڈیرہ لگا رکھا تھا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ تو نے جتنے انڈے کھائے ہیں تجھے ان کی تعداد تو معلوم ہے۔

عرب نے کہا۔ بالکل معلوم ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ پھر ایسا کر جتنے انڈے کھائے ہیں اتنی مقدار میں ناقاؤں کو حاملہ کرا اور ان سے جو بچے پیدا ہوں وہ کفارہ دے دے۔

عمر نے کہا۔ حسینؑ ہو سکتا ہے تمام ناقائیں بچے نہ دیں۔؟

امام حسینؑ نے فرمایا۔ عمر ہو سکتا تھا تمام انڈوں سے بچے نہ نکلتے۔

عمر نے کہا۔ واقعیؑ آپ نے درست بتایا ہے۔

حضرت علیؑ نے اٹھ کر امام حسینؑ کو گلے لگایا۔ اور فرمایا۔ اللہ کی حمد ہے جس نے ذریت طیبہ سے نوازا ہے۔

جود و سخائے امام حسینؑ

۱۔ نادار سے سنگ دلی بدترین خصلت ہے!

بحار میں عمرو ابن دینار سے مروی ہے کہ اسامہ ابن زید بیمار ہوا۔ امام حسینؑ اس کی عیادت کو گئے۔ اسامہ نے حسرت سے آہ سرد بھری۔

آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔

اسامہ نے کہا۔ چھ لاکھ درہم کا مقروض ہوں اور میرے بعد کوئی ادا کرنے والا مجھے نظر نہیں آتا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ فکر نہ کریں ادا کر دوں گا۔

اسامہ نے عرض کیا۔ اگر آپ نوازش فرماتے ہیں تو میری زندگی میں ادا فرما دیجئے تاکہ اطمینان سے مر سکوں۔

آپ نے اسامہ کا قرض ادا کیا۔ اور اسے پیغام بھجا کہ تیرا قرض ادا ہو گیا ہے۔ پھر فرمایا۔

کسی امام کے لیے تین عادتیں انتہائی بری ہوتی ہیں۔

دشمن پر کشیدہ۔

نادار سے سنگ دلی۔

حاجت کے وقت بخل۔

۲۔ جو مال عزت کا تحفظ کرے عمدہ مال ہوتا ہے!

جب فرزدق کو مروان نے مدینہ بدر کیا تو امام حسینؑ نے فرزدق کو چار سو درہم دیئے۔ کسی نے عرض کیا۔ قبلہ یہ تو بڑا بیہودہ قسم کا آدمی ہے۔ پتہ نہیں کہاں خرچ کرے گا۔

آپ نے فرمایا۔ ہمارا تو نشہ فرزدق سے بھی زیادہ بیہودہ قسم کے افراد کو وسیع رزق دے رہا ہے۔ اور ثانیاً دولت وہی اچھی ہوتی ہے جو عزت کے تحفظ میں کام آئے۔

۳۔ بہترین بدلہ!

بحار میں انس سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام حسینؑ کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ کی ایک کنیز نے آپ کو ایک گلدستہ پیش کیا۔

آپ نے فرمایا جا تو آزاد ہے۔

میں نے کہا اے فرزند رسول! آپ نے ایک گلدستے کے عوض کنیز کو آزاد کر دیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں اللہ نے ہمیں یہی سکھایا۔

میں نے پوچھا۔ وہ کیسے!

آپ نے فرمایا۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ اگر تمہیں سلام کیا جائے تو زیادہ بہتر جواب دو یا اسی سے اچھا۔ ظاہر ہے کہ گلدستے کے جواب میں عمدہ تو اسے آزاد کرنا ہی تھا۔

۴۔ مومن کو خوش کرنا افضل الاعمال ہے!

بحار میں امام حسینؑ ہی سے مروی ہے کہ میں نے اپنے نانا کی اس حدیث کا تجربہ کیا ہے کہ نماز کے علاوہ اگر کوئی افضل عمل ہے تو وہ مومن کو خوش کرنا ہے۔ ایک مرتبہ میں بیرون مدینہ گیا۔ راستہ میں میں نے ایک غلام کو دیکھا کہ وہ کھانا

کھا رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک کتا بیٹھا تھا۔ وہ ایک لقمہ خود کھاتا تھا اور ایک لقمہ کتے کو کھلاتا تھا۔ میں کافی دیر تک کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ مجھ سے بے خبر تھا۔

کافی دیر کے بعد میں آگے بڑھا اور پوچھا یہ کیا کر رہا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ فرزند رسولؐ آپ کے جدِ امجد کا ارشاد ہے کہ نماز کے علاوہ اگر کوئی افضل عمل ہے تو وہ مومن کو خوش کرنا ہے میری اتنی استطاعت تو ہے نہیں کہ کسی مومن کو خوش کر سکوں۔ میں آپ کے نانا کے اس ارشاد کی تعمیل کا احساس کرتے میں دیکھنا چاہتا ہوں میں اسے خوش کر رہا ہوں۔ دیکھنا اللہ مجھے خوش کرتا ہے یا نہیں!

میں نے پوچھا۔ تجھے کیا غم ہے۔

اس نے کہا۔ میرا مالک یہودی ہے اور میں اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

میں اسے ساتھ لے کر اس کے یہودی مالک کے پاس آیا اور اسے کہا۔ کہ یہ غلام مجھے فروخت کر دے۔ میں اسے دو سو دینار بھی دوں گا۔

یہودی نے کہا۔ فرزند رسولؐ۔ میں غلام آپ کو بلا قیمت ہبہ کرتا ہوں۔ اور آپ کے قدموں کا صدقہ یہ باغ بھی آپ کو دیتا ہوں۔

میں نے کہا۔ یہ دو سو دینار میں تجھے ہبہ کر رہا تھا۔ اور ہم جو چیز ہبہ کر دیں وہ واپس نہیں لیتے۔ اور میں غلام کو آزاد کرتا ہوں۔ اور جو باغ تو نے مجھے دیا ہے میں وہ باغ بھی اسی غلام کو دیتا ہوں۔ یہودی نے وہ دو سو دینار غلام کو دے دیئے یہودیؓ کی عورت یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

اس نے کہا۔ فرزند رسولؐ آپ کے اس کرم و جود کو دیکھ کر میں اسلام قبول کرتی ہوں۔ اور اپنا حق مہر اپنے شوہر کو معاف کرتی ہوں۔

یہودی نے کہا۔ تو پھر میں بھی اسلام قبول کرتا ہوں۔ اور یہ مکان جس میں ہم رہتے ہیں۔ اپنی بیوی کے نام ہبہ کرتا ہوں۔

۵۔ استاد کی خدمت:

بحار میں عبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ میں نے امام حسینؑ کے ایک بچے کو سورۃ فاتحہ یاد کرائی۔ جب آپ نے سورۃ فاتحہ سنی تو آپ نے مجھے ایک ہزار دینار ایک ہزار لباس عطا کر کے میرا منہ موتیوں سے بھر دیا۔

کسی نے کہا۔ فرزند رسولؐ! یہ صرف سورۃ فاتحہ یاد کرانے پر!

آپ نے فرمایا۔ جو کچھ اس نے میرے بچے کو دیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں میری عطا کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ بخل کرنے سے دولت میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اور خرچ کرنے سے دولت میں کمی نہیں ہوتی۔ جب زمانہ ساتھ

دے خیرات کرنا ہی بہتر ہوتا ہے

۶- اکرم الناس :

بحار میں مروی ہے کہ ایک شخص امام حسینؑ کے پاس آیا اور عرض کی۔

اے فرزند رسول مجھے ایک دیت ادا کرنا ہے مگر حالات ساتھ نہیں دے رہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ مجھے ایسا اکرم الناس بتاؤ کہ اس کے پاس جانے کے بعد مجھے کوئی دوسرا دروازہ نہ دیکھنا پڑے۔ تمام لوگوں نے مجھے آپ کا ہی نام بتایا ہے۔

امام حسین نے فرمایا۔ میں تجھ سے تین باتیں پوچھتا ہوں۔ اگر ایک بات کا جواب دیا تو تہائی دوں گا۔ اگر دو کا جواب دیا تو ۲/۳ دوں گا۔ اور اگر تینوں جواب دیا تو جو کچھ کہو گے اتنا دوں گا۔

عرب نے عرض کیا۔ قبلہ میں آپ کے سوال کا جواب دوں، آپ علم لدنی کے مالک ہیں اور میں ایک گنوار عرب ہوں؟

آپ نے فرمایا۔ میرے نانا کا ارشاد ہے معرفت کے مطابق احسان ہونا چاہیے۔

عرب نے کہا ٹھیک ہے آپ پوچھیں اگر جواب دے سکا تو عرض کر دوں گا۔ ورنہ آپ سے سیکھ لوں گا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ بتا افضل الاعمال کون سا عمل ہے۔

عرب نے عرض کیا۔ اللہ پر ایمان افضل الاعمال ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ مصائب میں ذریعہ نجات کیا ہوتا ہے۔

عرب نے عرض کیا۔ اللہ پر بھروسہ ذریعہ نجات ہوتا ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ انسان کی زینت کیا ہے؟

عرب نے عرض کیا۔ علم کے ساتھ حلم

امام حسینؑ نے فرمایا۔ اگر یہ نہ ہو تو؟

عرب نے عرض کیا۔ مروت کے ساتھ دولت

امام حسینؑ نے فرمایا۔ اگر یہ نہ ہو تو؟

عرب نے عرض کیا۔ صبر کے ساتھ فقر

امام حسین نے فرمایا۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو۔

عرب نے عرض کیا۔ پھر ایسے شخص پر آسمان سے بجلی گر کر اسے جلا دے۔

آپ مسکرا دیے۔ اور ایک ہزار دینار اور ایک قیمتی انگوٹھی دے کر فرمایا۔ جا ہزار دینار دیت میں ادا کر دے اور انگوٹھی سے اپنے اخراجات پورے کر۔

۲۰۔ صافی:

تذکرہ میں ابوالحسن بصری سے مروی ہے کہ امام حسینؑ کا ایک صافی نامی غلام تھا۔ جو بیرون مدینہ آپ کے باغ میں کام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کھجوروں کے موسم میں آپ اپنے چند صحابہ کے ساتھ باغ میں آئے۔ آپ نے دیکھا آپ کا وہ غلام ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا۔ اور کتا اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ غلام ایک لقمہ خود کھاتا تھا اور ایک لقمہ کتے کو کھلاتا تھا۔

آپ یہ دیکھ کر غلام کی نظروں سے بچ کر ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو گئے۔ کھانے کے خاتمہ تک آپ اسے دیکھتے رہے اور غلام اسی طرح کرتا رہا۔

جب کھانا ختم ہو گیا تو آپ سامنے ہوئے اور فرمایا۔

صافی! معاف رکھنا میں تیرے باغ میں تیری اجازت کے بغیر چلا آیا ہوں۔

صافی نے عرض کیا۔ قبلہ میں تو آپ کا غلام ہوں یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ یہ بعد میں بتاؤں گا پہلے تو یہ بتا کہ تو ایک لقمہ کتے کو کھلا رہا تھا اور ایک خود کھا رہا تھا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

صافی نے عرض کیا۔ قبلہ! جب میں نے کھانے کی تیاری کی۔ اور کھانا اپنے سامنے رکھا تو یہ کتا میرے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ پہلے تو دو تین لقمے میں نے خود کھائے لیکن مجھے خیال آیا کہ میں بھی آپ کا غلام ہوں۔ اور یہ کتا بھی آپ ہی کا غلام ہے۔

میں نے سوچا ہم دونوں ایک ہی مالک کے دسترخوان پر رہتے ہیں۔ جن درختوں کی میں گوڈی کرتا ہوں اور سیراب کرتا ہوں یہ کتا انہی درختوں کی شب و روز حفاظت کرتا ہے۔ لہٰذا میرا حق ہے کہ مالک کی طرف سے جو کچھ مجھے ملتا ہے۔ اس میں اسے بھی برابر کا شریک کروں۔ یہ خیال کرتے ہی میں نے ایک لقمہ خود کھانا شروع کیا۔ اور ایک لقمہ کتے کو کھلانے لگا۔

یہ سن کر آپ رو دیئے اور فرمایا۔ اگر یہ بات ہے تو تو راہ خدا آزاد ہے۔ اور میں تجھے دو ہزار دینار بھی ساتھ دیتا ہوں۔

غلام نے عرض کیا۔ قبلہ! اگر آپ مجھے آزاد فرما رہے ہیں تو میری ایک درخواست بھی قبول فرمائیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ ہاں ہاں بتا کیا بات ہے۔

غلام نے عرض کیا۔ قبلہ آج تک غلام بن کے اس باغ کی خدمت کی ہے اب مجھے اجازت دے دیں کہ اب آزاد بن کر اس باغ کی خدمت کروں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ او بندہ خدا! تو اسی باغ میں ہی رہے گا۔ تجھے بھول گیا ہے جب میں نے تجھے کہا ہے کہ معاف

مرکز میں تیری اجازت کے بغیر تیرے باغ میں آگیا ہوں۔ میں نے تو اسی وقت تجھے آزاد کر کے باغ تیرے حوالہ کر دیا تھا۔ اب تو میں تجھے اور اپنے ان ساتھیوں کو صرف اپنے فیصلے سے مطلع کر رہا ہوں۔ یہ باغ اور اس باغ میں جو کچھ ہے وہ بس آج کے بعد تیرا ہے۔

البتہ میرے یہ صحابی آج کچھ پھل کھانے آئے تھے۔ تو میرا اور ان کا میزبان بن جا۔ ہمیں کچھ پھل کھلا دے۔ اللہ تیرے باغ میں برکت دے گا۔

غلام نے عرض کیا۔ جب آپ جیسے کریم کے لیے دل چاہتا ہے کہ جان آپ کے قدموں پر رکھ دوں۔ اگر آپ نے مجھ پر یہ کرم فرمایا ہے تو میں آپ کو اور آپ کے ان صحابہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ۔

یہ میرا باغ آقا کے بعد آپ کے شیعوں اور دوستوں کے لیے وقف ہے۔

مختلف افراد سے مکالمے

۱۔ دربار شام میں خطبہ :

احتجاج کے مطابق ایک مرتبہ امام حسینؑ شام میں تھے۔ ایک دن دربار معاویہ میں بیٹھے تھے کہ معاویہ کے حاشیہ نشینوں میں سے کسی نے معاویہ سے کہا۔

اگر حسینؑ کو منبر پر جانے کی اجازت دیتا۔ اور یہ بھی پھنس جاتا تو بڑا مزہ آتا۔ کیونکہ ان لوگوں کو نہ آج تک منبر نصیب ہوا ہے۔ اور نہ انہوں نے کبھی کوئی خطبہ دیا ہے۔ اسے پسینہ چھوٹ جائے گا۔ زبان لڑکھڑا جائے گی۔ اور جگ ہنسائی ہو گی۔

معاویہ نے کہا۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگ اس قسم کے مطالبات کیوں کرتے ہو۔ اگر مجھے ذرہ بھر بھی شک ہوتا کہ تم میرے بہی خواہ نہیں ہو تو میں یقیناً تمہیں اپنا دشمن سمجھتا۔ قبل ازیں تم لوگوں نے ان کے بڑے بھائی حسنؑ کے سلسلہ میں بھی یہی مطالبہ قائم کیا تھا۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ لیکن تم نے میری بات نہیں مانی تھی پھر جو نتیجہ سامنے آیا تھا۔ تمہارے سامنے ہے۔ آخر کار مجھے ہی حسنؑ کو روکنا پڑا تھا۔ تم نہیں جانتے ان لوگوں نے علم سیکھا نہیں۔ زبان رسالت سے چوسا ہے۔

انہوں نے کہا۔ اس وقت ہم موجود نہیں تھے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ حسنؑ نے کیا کہا تھا اور کیسے کہا تھا۔ ویسے بھی

یقین ہے کہ حسینؑ تو منبر پر بول بھی نہ پائیں گے۔ آپ ایک مرتبہ بات دے دیں، آپ کا گھر ہے۔ آپ کا دربار ہے آپ حکمران ہیں۔ آپ کو کا ہے کا خوف ہے آپ کمزور تو نہیں ہیں۔

معاویہ نے کہا۔ تم کیا جانو کہ یہ کتنا طاقتور ہیں، میری طاقت کا بھی خدا اندازہ ہے۔ اور میں ان لوگوں کی قوت سے بھی واقف ہوں۔

انہوں نے پھر اصرار کیا۔ بالآخر معاویہ کو ہتھیار ڈالنا پڑے۔

معاویہ نے کہا، اے ابو عبداللہ! آج دل چاہتا تھا کہ آپ منبر پر جا کر ہمیں خطبہ دیتے۔

امام حسینؑ نے معاویہ کی طرف دیکھا، مسکرائے اور بسم اللہ کر کے منبر پر تشریف لے آئے، اور حمد و ثنائے الٰہی و درود پڑھا تو ایک شامی داخل دربار ہوا اور امام حسینؑ کو فصاحت و بلاغت سے حمد و ثنائے خالق بیان کرتے دیکھ کر یہ پوچھا۔

یہ کون ہیں؟

درباری نے جواب دیا، حسینؑ ابن علیؑ و فاطمہؑ ہیں۔

امام حسینؑ نے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا۔

نحن حزب الله الغالبون وعترة رسول الله الاقربون- واهلبيته الطيبون۔ واحد الثقلين الذين جعلنا رسول الله ثانی كتاب الله الذی فيه تفصيل كل شئ لا ياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه والمعول علينا فی تفسيره ولا يبطنا تاويله بل نتبع حقائقه فاطيعونا فان اطاعتنا مقرونة بطاعة الله ورسوله مقرونة قال الله عزوجل اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولی الامر منكم فان تنازعتم فی شیٔ فردوه الی الله والرسول وقال الله عزوجل ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه

ہم اللہ کا حزب غالب اور نبی کریمؐ کی عترت طیبہ ہیں۔ ہم نبی عالمینؐ کے پاکیزہ اہلبیت ہیں۔

ہم ان دو بھاری بوجھوں میں سے ایک ہیں جنہیں رسول کریمؐ نے قرآن کے ساتھ دوسرا ثقل فرمایا ہے۔ وہ قرآن جس میں ہر شے کی تفصیل ہے اور باطل نہ تو اس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ ہم ہی وہ ہیں جن پر تفسیر قرآن میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ تاویل قرآن ہم سے پوشیدہ نہیں۔ ہم حقائق قرآن سے آشنا ہیں، ہماری اطاعت کرو ہماری اطاعت اطاعت خدا اور رسولؐ سے وابستہ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اللہ، رسول خدا اور تمہاری خاطر جنہیں اولی الامر مقرر کیا ہے ان کی اطاعت کرو۔ اگر کسی بات پر تنازع ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ سے پوچھو (نہ اولی الامر سے) ارشاد قدرت ہے اگر یہ لوگ جانا اللہ اور رسولؐ سے فیصلہ کراتے اور اولی الامر سے پوچھتے تو ان میں سے جو استنباط کرنے کے اہل ہیں وہ انہیں

ولولا فضل الله عليكم ورحمته لاتبعتم الشيطان الا قليلا واحذركم الاصغاء الى هتوف الشيطان بكم فانه لكم عدو مبين فتكونوا كاوليائه الذين قال لهم لا غالب لكم اليوم من الناس وانی جار لكم فلما تراءت الفئتان نكص على عقبيه وقال انی بریء منكم فتلقون للسيوف ضربا وللرماح وردا وللعمد حطما وللسهام غرضا ثم لا يقبل من نفس ايمانها لم تكن امنت من قبل او كسبت فی ايمانها خيرا۔

بتلادیئے۔ اگر اللہ کی نوازش اور رحمت تمہارے شامل حال نہ رہی تو چند ایک کے سوا تم سب شیطان کے مقتدی بن جاؤ گے ۔ میں تمہیں شیطان کی پکار سے خبردار کرتا ہوں وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم باز نہ آئے تو تمہارا حشر شیطان کے ان دوستوں جیسا ہوگا جن سے شیطان پہلے تو کہتا ہے۔ تمہارا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب آمادہ پیکار کے میدان جنگ میں سے آتا ہے اور دونوں گروہ آمنے سامنے ہوتے ہیں تو شیطان اپنے پچھلے قدموں پر ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے میرا تم سے کیا تعلق۔ نتیجہ میں تم تلوار کا لقمہ، نیزوں کی خوراک، جہنم کا ایندھن اور تیروں کا نشانہ بن جاؤ گے پھر اس انسان سے ایمان قبول نہ کیا جائے گا جس نے پہلے ایمان قبول نہ کیا ہو یا اعمال خیر نہ کیے ہوں۔

جب آپ یہاں تک پہنچے تو معاویہ نے کہا۔ فرزند رسولؐ اتنا کافی ہے۔

۲۔ عرب کی مداح سرائی:

حوالے کے مطابق ایک مرتبہ امام حسینؑ معاویہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ کہ ایک دیہاتی عرب معاویہ کے پاس گیا۔ اور اپنی ضرورت پیش کی۔

معاویہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

عرب نے ایک درباری سے پوچھا۔ معاویہ کے پاس یہ کون بیٹھا ہے۔

اس نے جواب دیا۔ یہ فرزند رسول حسینؑ ابن علیؑ تشریف فرما ہے۔

عرب نے آگے بڑھ کر امام حسینؑ سے سفارش کی درخواست کی۔

امام حسینؑ نے معاویہ سے سفارش کر دی۔ معاویہ نے اس عرب کا کام کر دیا۔ اس عرب نے امام حسینؑ کی تعریف میں وہیں کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے۔

اتيت العبشمی فلم يجد لی	میں اس عبشمی کے پاس آیا لیکن اس نے سخاوت نہ کی حتیٰ کہ
الی ان هزه ابن البتول	اسے فرزند بتولؑ نے آمادہ کیا۔ کرم اور سخاوت میں یہ فرزند مصطفیٰ
هو ابن المصطفی كرما وجودا	ہے اور بتولؑ طاہرہ کے صدف عصمت کا موتی ہے ویسے بھی
ومن بطن المطهرة البتول	بنی ہاشم کو تم لوگوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو موسم بہار کو

وان لها اسم فضلا علیکم. کما فضل ربیع علی المولی — خشک سال پر حاصل ہوتی ہے۔

معاویہ نے کہا۔ اے عمرو! کام میں نے کیا اور تعریف حسینؑ کی کرتا ہے!

عرب نے کہا۔ میرا کام تو نے میری درخواست پر نہیں کیا۔ حسینؑ کی سفارش پر کیا ہے۔

۲۔ عمرو عاص سے گفتگو:

مناقب میں محاسن برقی کے حوالے سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ عمرو عاص نے امام حسینؑ سے کہا۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کی نسبت ہمارے بچے زیادہ ہوتے ہیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ مجھ سے پوچھنے کی کون سی ضرورت تھی۔ تمہارے عرب شاعر نے تیری اس بات کا جواب زمانہ جاہلیت میں ہی دے دیا۔

عمرو عاص نے کہا۔ مجھے تو معلوم نہیں وہ کیا جواب ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا عرب کا شعر ہے۔

بغاث الطیر اکثرها فراخا	بیہودہ اور فضول پرندوں کی مائیں بے شمار بچے دیتی ہیں جب کہ
وام الصقر مقلال نزور	عقاب کی ماں اولاد کے معاملہ میں کم ہوتی ہے۔

عمرو عاص نے کہا۔ یہ ہماری مونچھیں کیوں جلدی سفید ہو جاتی ہیں۔ اور آپ لوگوں کی مونچھیں دیر سے سفید ہوتی ہیں؟

امام حسینؑ نے فرمایا۔ تمہاری بیویاں کے منہ سے بدبو کے جو بھبکے نکلتے ہیں، انہی کی وجہ سے تمہاری مونچھیں قبل از وقت سفید ہو جاتی ہیں۔

عمرو عاص نے کہا۔ یہ تمہاری داڑھیاں گھنی کیوں ہوتی ہیں اور ہماری داڑھیاں پتلی کیوں ہوتی ہیں؟

امام حسینؑ نے فرمایا۔ قرآن میں ارشاد قدرت ہے۔

والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه والذی خبث لا یخرج الا نکدا۔

پاکیزہ اراضی میں پیداوار اذن حکم سے وافر مقدار میں اگتی ہے اور خبیث مٹی (شور زدہ) میں کہیں کہیں کوئی دانہ اگتا ہے

معاویہ نے عمرو عاص سے کہا۔ تجھے میرا واسطہ ہے اب زبان بند کرے۔ ابن علی کا بیٹا ابوطالب کا پوتا ہے کیوں الجھا ہے تو خود بھی رسوا ہوتا ہے اور مجھے بھی رسوا کرتا ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔

ان عادت العقرب عدنا لها. وکانت	اگر بچھو دوبارہ ڈسنے کی کوشش کرے تو ہم بھی تیار ہوں گے اور جوتا
النعل لها حاضرة. قد علم العقرب	اس کے لیے حاضر ہوگا۔ بچھو کو بھی اس بات کا یقین ہے کہ اس
واستیقنت ان لا لها دنیا ولا آخرة۔	کا نہ دنیا ہے اور نہ آخرت۔

۴۔ مروان سے دو باتیں :

احتجاج وغیرہ میں محمد ابن سائب سے مروی ہے کہ ایک دن مروان نے امام حسینؑ سے کہا۔

اگر تم فاطمہ کے بیٹے نہ ہوتے تو تمہارے لیے کیا بات باعث فخر تھی۔

چند اور لوگ بھی بیٹھے تھے امام حسینؑ نے فرمایا۔

مروان اگر کوئی دوسرا یہ بات کرتا تو اسے زیب دیتی تھی۔ لیکن تجھے تو اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا۔

مروان نے کہا۔ کیوں مجھے کیوں نہ کہنا چاہیے تھی ؟

امام حسینؑ نے فرمایا۔ تجھے تیرے معبود کی قسم ! تو ہی بتا۔ ابو طالب نے اس وقت نبی عالمین کو سہارا فراہم کیا جب تم تمام لوگ نبی کونین کی جان کے دشمن تھے۔

مروان نے کہا ہاں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ کیا میں اسی ابو طالب کا پوتا نہیں ! اور کیا میرا یہ فخر میری جان کا فخر ہے۔

مروان نے کہا۔ واقعی یہ فخر درست ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ تجھے علم ہے جب نبی کونین سے مکمل بائیکاٹ کرنے کے وقت تیرا باپ پیش پیش تھا اس دوران تین برس تک میرے باپ کو میرا دادا نبی عالمین کے بستر پر سلاتا رہا !

مروان نے کہا۔ مجھے معلوم ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ کیا میرے لیے اس علیؑ کا فرزند ہونا کم باعث فخر ہے جو شعب ابی طالب میں تین برس اور شب ہجرت فدیہ رسولؐ بن کر سوتا رہا !

مروان نے کہا درست ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ تجھے علم ہے کہ وہ کون سی جنگ ہے جو اسلام سے تم نے لڑی ہے اور میرا باپ اس میں شامل فعال نہ ہوا ہو۔

مروان نے کہا۔ ایسی کوئی جنگ نہیں ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ کیا میرے لیے علیؑ جیسے باپ کا ہونا کم باعث فخر ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ مروان۔ سب ہی کی بات کرو۔ پس عرب کے سرداران قبائل میں سے وہ کون سا قبیلہ ہے جس کے سردار نے نبی اکرمؐ سے بیٹی کا رشتہ نہ مانگا تھا۔

مروان نے کہا۔ تمام سرداران عرب اس رشتہ کے خواہش مند تھے۔

امام حسینؑ نے فرمایا پھر میری ماں کے لیے زوجہ علیؑ ہونا باعث فخر ہے یا علیؑ کے لیے شوہر بتول ہونا باعث فخر ہے وہ

میرا نانا باپ بھی تھا۔ جو نگاہ رسالت میں رشتہ زہراؑ کے لیے منتخب ہوا تھا۔ اگر اور کوئی شرف بھی تو تسلیم نہ کرے تو یہ تجھے ماننا ہی پڑے گا کہ جس دختر رسولؐ کے رشتہ کی خواہش تمام سرداران عرب کرتے تھے، وہ رشتہ میرے باپ کو خدائے رحمٰن نے عرش رحیم سے۔ بلا مانگے دے دیا تھا۔

مروان نے کہا۔ درست ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا، مروان تجھے تیرے معبود کی قسم! کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ میرے نبی نانا نے تجھ پر تیرے باپ اور تیری ذریت پر لعنت کی تھی؟

مروان نے کہا۔ یہ سچ ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ تجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میرا بابا اہلبیت نبیؐ میں شامل ہے اور اس درود کا حصہ دار ہے جو میرے باپ کے دوست اور دشمن نمازوں میں پڑھتے ہیں۔

مروان نے کہا۔ ہاں معلوم ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ پھر ایسا شخص جس کے باپ سے لے کر قیامت تک ہونے والی نسل بقول نبیؐ ملعون ہو۔ اس شخص کے بارے میں بھلا زبان درازی کر سکتا ہے۔ جو بقول میرے والد کے تا قیامت ذریت کے درود کا حصہ دار ہو۔

یہ سن کر مروان خاموش ہو گیا۔

۵۔ یزید کے لیے رشتہ:

بحار وغیرہ میں عبدالملک ابن عمیر، حاکم اور ابن عباس سے مروی ہے کہ معاویہ نے مدینہ میں گورنر مروان کو خط لکھا کہ کلثوم بنت عبداللہ ابن جعفر کا رشتہ یزید کیلئے عبداللہ بن جعفر سے مانگ۔

مروان جناب عبداللہ کے پاس آیا۔ اور مکتوب معاویہ کا تذکرہ کیا:

جناب عبداللہ نے فرمایا۔ تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ بنی ہاشم کا سردار حسینؑ ہے۔ میری بیٹیاں حسینؑ کی بیٹیاں ہیں۔ تو ان سے بات کر جہاں وہ رشتہ منظور کریں گے ہمیں قبول ہوگا۔ مروان کے چلے جانے کے بعد جناب عبداللہؓ نے امام حسینؑ کو بتایا پوری گفتگو سے آگاہ کر دیا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ میں اللہ سے استخارہ کروں گا۔ جیسے حکم خدا ہوگا۔ ویسے کریں گے۔

دوسرے دن امام حسینؑ اور کچھ دوسرے معززین اہل مدینہ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے۔

مروان آیا اور کہنے لگا۔

مجھے امیر شام نے یزید کے لیے کلثوم بنت عبداللہ کا رشتہ مانگنے کو کہا ہے۔ اور عبداللہ نے آپ کو ذمہ دار قرار دیا ہے۔

معاویہ نے جس طرح مجھے لکھا ہے اس کے مطابق۔

عبداللہ جتنا مہر مانگے اتنا مہر دیا جائے گا۔

دونوں قبائل میں یہ سلسلہ جنگ و جدل ختم ہو جائے گا۔

عبداللہ کے تمام قرض جات کا ذمہ معاویہ نے لیا ہے۔

ویسے حسینؑ! تو آپ کو معلوم ہے کہ آپ لوگوں کی نسبت یزید پر رشک کرنے والے زیادہ ہیں، میرے خیال میں تو یزید کیلئے رشتہ کا صرف پیغام آجانا ہی عزت کے لیے کافی ہے۔ اس سے مہر کا مطالبہ حیرت انگیز ہوگا۔ یزید بے نظیر کفو ہے۔ یزید کا واسطہ دے کر تو لوگ بارش کی دعائیں مانگتے ہیں۔

اے حسینؑ! مجھے امید ہے تم مثبت جواب دو گے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ مروان جو کچھ تو نے کہا ہے۔ مسجد میں ہر شخص موجود نے اسے خاموشی سے سنا ہے۔ اب کچھ میں کہتا ہوں تو بھی خاموشی سے سن لے۔

اس کے بعد آپ نے حمد و ثنائے باری اور درود بر محمد و آل محمد پڑھا اور فرمایا۔

مروان جہاں تک مہر کا تعلق ہے تجھے یقین کرنا چاہیے کہ ہم جتنا بھی مانگیں اس مہر سے زیادہ نہیں مانگ سکتے جو آنحضورؐ نے سنت قائم کی ہے اور وہ ہے چار سو اسی درہم۔

جہاں تک دونوں قبیلوں میں اصلاح احوال کا تعلق ہے وہ ناممکن ہے کیونکہ۔

اولاً تو جو سلسلہ جنگ نسب کی بدولت ختم نہیں ہو سکا وہ، نکاح کے عارضی سبب سے ختم نہیں ہوتا۔ اور

ثانیاً: ہم نے تم سے آغاز جنگ نہیں کیا۔ جنگ کی ابتداء سے لے کر آج تک تم ہی جنگ کرتے چلے آرہے ہو۔ اور وہ صرف اس لیے کہ ہم حق و صداقت کو چھوڑ نہیں سکتے اور تم حق و صداقت کو مان نہیں سکتے۔ جس جنگ کی بنیاد دین ہو وہ دنیاوی سودے بازیوں سے ختم نہیں ہوا کرتی۔

تیرا یہ کہنا کہ یزید سے مہر کی بات باعث حیرت ہوگی۔ اس لیے غلط ہے کہ اس ہستی نے اپنی بیٹی کا حق مہر مانگا تھا جو یزید، یزید کے باپ اور یزید کے دادا سے بہتر تھی۔

تیرا یہ کہنا کہ یزید بے نظیر کفو ہے۔ اس لیے غلط ہے کہ جو لوگ کل یزید کے کفو تھے وہی آج بھی یزید کے کفو ہیں۔ حکومت سے کفو نہیں بدل جاتے۔

تیرا یہ کہنا کہ معاویہ نے عبداللہ کے قرضوں کا ذمہ لیا ہے تو تو خود ہی بتا کہ ہماری بیٹیوں نے کب اپنے باپوں کے قرض ادا کیے ہیں۔

تیرا یہ کہنا کہ۔ ہماری نسبت یزید پر رشک کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے تو میں اس کی تردید نہیں کروں گا یہ درست ہے کیونکہ یزید پر رشک کرنے والے جہالت کے مریض اور جاہل ہیں۔ جن کی تعداد ہر دور میں زیادہ رہی ہے اور ہمارے ساتھ

رشک کرنے والے خردمند اور بندگان خدا ہیں جو ہر زمانہ میں کم رہے ہیں۔

تیرا یہ کہنا کہ یزید کے واسطے سے بارش مانگی جاتی ہے تو یہ بھی اپنے گھر سے نہیں لایا۔ ہمارے ہی گھر کی بات ہے میرے دادا ابو طالب نے میرے رسول نانا کے حق میں فرمایا تھا۔ کہ وہ وہ مبارک ہے جس کے چہرہ کے واسطے سے بارش مانگی جاتی ہے ایسا چہرہ صرف اور صرف آنحضورؐ کا ہی تھا۔

اس کے بعد آپ نے اسی محفل میں خطبہ نکاح پڑھا اور جناب کلثوم کا عقد جناب کلثوم کے چچا زاد قاسم ابن محمد ابن جعفر سے کر دیا۔

مروان نے کہا۔ حسین میرا خیال تھا کہ ہماری باہمی عداوت ختم ہو جائے لیکن تم لوگ شاید آمادہ صلح نہیں ہو۔

ذات باری

اور

شہادت امام حسینؑ کی پیشگوئیاں

۱۔ حضرت آدمؑ:

صاحب درمنثور نے اپنی تفسیر میں۔ فتلقی آدم من ربہ کلمات۔ کے ذیل میں لکھا ہے کہ جناب آدم نے ساق عرش پر چہاردہ معصومین کے اسمائے گرامی تحریر دیکھے۔ جبریل نے کہا۔

اگر ان چہاردہ معصومین کا واسطہ دو تو ذات احدیت ترک اولیٰ معاف فرما دے گی۔

چنانچہ جناب آدم نے عرض کیا۔ یا محمود بحق محمد۔ یا علی بحق علی یا فاطر۔ بحق فاطمہ یا محسن۔ بحق الحسن یا قدیم الاحسان بحق الحسینؑ۔

جب جناب آدم نے امام حسینؑ کا نام لیا تو آپ کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو آ گئے۔

آپ نے جبریل سے سوال کیا۔ یہ کیا نام ہے کہ جس کا لیتا رونے کو جی چاہتا ہے۔

جبریل نے عرض کیا۔ آپ ہی کی نسل سے یہ آپ کا وہ فرزند ہے جس پر اتنے مصائب آئیں گے کہ ان کے مقابلہ میں ہر مصیبت ہیچ ہوگی۔

جناب آدم نے کہا۔ وہ کیسے مصائب ہوں گے۔

جبرئیلؑ نے کہا۔ آپ کا یہ فرزند تنہا بلا ناصر و مددگار تین دن کا بھوکا اور پیاسا شہید ہوگا۔ اگر آپ وہ منظر دیکھ لیتے جب یہ کہہ رہا ہوگا۔ واعطشاہ۔ واقلۃ ناصراہ۔ حتیٰ کہ پیاس کی شدت حسینؑ اور آسمان کے مابین دھواں بن کر حائل ہو جائے گی۔ اور جواب میں اسے تلواریں، نیزے، تیر اور پتھر ملیں گے۔ آپ یہ منظر ہرگز برداشت نہ کر سکیں گے۔ پھر اسے پس گردن سے ذبح کیا جائے گا۔ اس کے دشمن اس کے خیام لوٹ کر جلا دیں گے۔ حسینؑ اور اس کے ساتھ جان دینے والوں کے سر نوک نیزہ پر سوار کیے جائیں گے۔ اس کی مستورات اور تیروں پر بلند کردہ سروں کو شہر بشہر پھرایا جائے گا

یہ سنکر جناب آدمؑ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

۲۔ حضرت آدمؑ کربلا میں؛

باغ سے باہر آنے کے بعد جناب آدمؑ اور حوا کے مابین جب قدرت نے فراق ڈال دیا تو جناب آدمؑ جناب حوا کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ جب سرزمین کربلا میں آئے تو آپ کا دل تنگ ہو گیا۔ طبیعت مغموم ہو گئی۔ جب مقام شہادت پر آئے تو ٹھوکر لگی آپ گر گئے اور پاؤں سے خون ٹپک پڑا۔

عرض کیا۔ بارالہا کوئی دوسرا ترک اولیٰ تو نہیں ہوا پھر کیا وجہ ہے میں گرا کیوں ہوں اور میرا خون کیوں بہنے لگا ہے۔

جبرئیلؑ نے کہا۔ آدمؑ یہ سرزمین کربلا ہے۔ یہی جگہ مقتل حسینؑ ہے۔ اسی جگہ آپ کا فرزند حسینؑ مظلوم اور پیاسا ہی شہید ہوگا۔

جناب آدمؑ نے پوچھا۔ میرے حسینؑ پر ظلم کرنے والے کا نام کیا ہوگا؟

جناب جبرئیلؑ نے بتایا۔ یزید ہوگا۔

جناب آدمؑ نے چار مرتبہ یزید اور اس کے تمام معاونین پر لعنت کی۔ بہتا ہوا خون خود بخود رک گیا۔

۳۔ حضرت نوحؑ کی کشتی؛

امان الاخطار میں سید ابوالقاسم علی ابن موسیٰ نے لکھا ہے کہ۔ ذیل میں پیش کی جانے والی روایت میں نے اہلسنت فضائل سے دیکھی ہے۔ اور صرف اس لیے نقل کر رہا ہوں کہ اس کا راوی صحابی بخاری مذاہب اربعہ کا متفق علیہ اور مقبول ترین راوی ہے۔

انس ابن مالک سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ جب حضرت نوحؑ نے اپنی امت کے لیے بددعا کی جبرئیلؑ نے حضرت نوحؑ کو اللہ کی طرف سے کشتی بنانے کا حکم پہنچایا اور ساتھ ایک لاکھ انیس ہزار میخ دی۔

جناب نوحؑ کشتی سازی میں شروع ہو گئے۔ جب تمام کیل لگا دیئے صرف پانچ کیل بچ رہے آپ نے ایک کیل کو ہاتھ میں لیا تو اس سے روشنی پھوٹنے لگی۔ آپ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ دعا کی بارالہا جبرئیلؑ کو بھیج وہ مجھے اس کیل کا راز

رہا بتائیے کہ پہلے کسی بھی کیل سے روشنی نہیں پھوٹتی تھی۔ آخر اس کیل سے اس قدر روشنی کیوں پھوٹ رہی ہے۔

جبرئیل نے آکر بتایا۔ ارشاد ربِّ عزت ہے کہ روشنی صرف اسی ایک کیل سے نہیں پھوٹی بلکہ ان پانچ کیلوں میں سے چار سے سفید رنگ روشنی پھوٹے گی اور ایک کیل سے سرخ رنگ روشنی بھی پھوٹے گی اور خون کے قطرات بھی ٹپکیں گے۔

جناب نوحؑ نے پوچھا۔ آخر وجہ کیا ہے۔

جبرئیل نے بتایا۔ اس وقت جو کیل آپ کے ہاتھ میں ہے کہ خاتم الانبیاء محمد ابنِ عبداللہ کے نام سے منسوب ہے اس نسبت کی وجہ سے یہ روشن ہے اسے آپ کشتی کے اگلے حصے میں درمیان میں لگائیں۔ دوسری کیل خاتم الانبیاء کے بھائی داماد وصی اور خلیفہ بلافصل علیؑ کے نام سے منسوب ہے۔ اسے آپ کشتی کے اگلے حصے میں دائیں جانب لگائیں۔ تیسری کیل دخترِ مصطفیٰ زوجۂ علی مرتضیٰ اور سیدہ فاطمہ زہراؑ کے نام سے منسوب ہے اسے آپ کشتی کے اگلے حصے میں دائیں جانب ان کے شوہر کے نام سے منسوب کے ساتھ لگائیں۔ چوتھی کیل۔ ان کے بیٹے حسن مجتبیٰ کے نام سے منسوب ہے اسے اگلے حصے کے بائیں جانب لگائیں اور اور پانچویں کیل سبطِ نبی۔ فرزندِ علی و فاطمہ اور برادرِ حسنؑ۔ امام حسینؑ کے نام سے منسوب ہے۔ اسے کشتی کے اگلے حصے میں بائیں جانب حسن کے نام سے منسوب کیل کے ساتھ لگائیں۔

جناب نوحؑ نے پوچھا۔ جبرئیل آپ بتا رہے تھے کہ اس کیل سے سرخ رنگ روشنی پھوٹے گی اور قطراتِ خون بھی ٹپکیں گے۔

جبرئیل نے کہا۔ ہاں۔

حضرت نوحؑ نے پوچھا۔ وہ کیوں؟

جبرئیل نے جناب نوحؑ کو مختصر واقعات سنائے۔ جناب نوحؑ نے واقعاتِ کربلا سن کر گریہ کیا۔ اور قاتلانِ شبیر پر لعنت کی۔

جب کشتی تیار ہو گئی۔ طوفان آگیا۔ حضرت نوحؑ کشتی پر سوار ہو کر تیرنے لگے۔ کشتی سطحِ آب پر بلند ہو کر پانی میں چکر لگانے لگی۔ اسی دوران جب کشتی سرزمینِ کربلا میں آئی تو گرداب میں گھر گئی۔

جناب نوحؑ پریشان ہو گئے کہ۔ کہیں غرقاب ہی نہ جائے۔

دستِ دعا بلند کر کے عرض کی بارِ الٰہا ایک عرصہ ہو گیا ہے اس کشتی میں۔ اور ہم پورے کرۂ ارض کا چکر کاٹ چکے ہیں۔ لیکن ایسا گرداب کہیں نہیں دیکھا۔

جبرئیل نے ذاتِ احدیت کی طرف سے بتایا۔ نوحؑ! یہ سرزمینِ کربلا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں فرزندِ خاتم الانبیاء تین دن کا بھوکا اور پیاسا بے یار و مددگار امت نبی کے ہاتھوں بے دردی سے شہید ہو گا جب تک اس کے قاتل پر تو اور تیری کشتی میں سوار تمام افراد لعنت نہیں کرو گے اس وقت تک گرداب سے نہیں نکلو گے۔ جناب نوحؑ نے تمام اہلِ کشتی کو بتایا۔ تمام نے قاتلِ شبیر پر لعنت کی۔ اور کشتی گرداب بلا سے نکل گئی۔

۲۔ جناب ابراہیم خلیل؛

عیون اخبار الرضا میں فضل ابن شاذان نے امام رضاؑ سے روایت کی ہے کہ جب جناب ابراہیم نے اپنے بیٹے اسماعیل کی جگہ دنبہ ذبح کیا۔ قربانگاہ خالق میں عرض کی۔

بارالہا! میری خواہش تھی کہ میں تیری رضا کی خاطر دنبہ کی جگہ اپنا بیٹا ہی ذبح کرتا۔

ذات احدیت نے بغیر ایوادی سوال کیا۔

ابراہیم تجھے میری مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؛

جناب خلیل نے عرض کیا۔ بارالہا۔ مجھے محمد خاتم الانبیاء سے محبت ہے۔

ارشاد قدرت ہوا۔ تجھے میرا حبیب محمدؐ زیادہ محبوب ہے یا تیری اپنی جان،

جناب خلیل نے عرض کیا۔ بارالہا! میں محمدؐ کو اپنی جان سے زیادہ محبوب سمجھتا ہوں۔

ارشاد جلیل ہوا۔ ابراہیم تجھے اولاد محمدؐ زیادہ عزیز ہے یا اپنی اولاد؛

جناب خلیل نے عرض کیا۔ مجھے اپنی اولاد کی نسبت اولاد محمدؐ زیادہ عزیز ہے۔

ارشاد جلیل ہوا۔ ابراہیم تیرے لیے تیرے اپنے ہاتھوں سے تیرے بیٹے کا ذبح ہو جانا زیادہ باعث رنج ہوگا۔ یا فرزند محمدؐ کا دشمنوں کے ہاتھوں بے دردی سے شہید ہونا زیادہ باعث تکلیف ہوگا؛

جناب خلیل نے عرض کیا۔ بارالہا ظاہر ہے کہ فرزند محمدؐ کا دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہونا زیادہ باعث تکلیف ہوگا۔

ارشاد رب العزت ہوا۔ ابراہیم فرزند محمدؐ اپنے ایسے دشمنوں کے ہاتھوں بے دردی سے شہید ہوگا جو کلمہ پڑھتے ہوں گے۔ اپنے خیال میں امت محمدیہ سے ہوں گے۔

وہ حسینؑ کو پس گردن سے ذبح کریں گے۔

یہ سنکر جناب خلیل بے ساختہ رونے لگے۔

ذات احدیت نے فرمایا۔ ابراہیم میں نے حسینؑ پر گریہ کو تیرے بیٹے اسماعیل پر گریہ کا فدیہ بنا دیا ہے۔ اور تیرے اسماعیل کا فدیہ حسینؑ کو بنا رہا ہے۔

بعد میں ایک مرتبہ جناب خلیل اپنے کسی سفر میں گھوڑے پر سوار سرزمین کربلا سے گزرے جب آپ مقام قتل پر آئے تو گھوڑے کو ٹھوکر لگی۔

جناب خلیل زمین پر گرے سر پر چوٹ لگی اور خون بہنے لگا۔

عرض کی۔ بارالہا کیا کوئی ترک اولیٰ ہوا ہے۔

جبرئیل نے آکر رب جلیل کی طرف سے سلام کے بعد عرض کیا۔ ترک اولیٰ نہیں ہوا۔ یہ قتل گاہ حسینؑ ہے اس کی یاد

میں اس کے نام پر تیرا خون بہایا گیا ہے۔
ابھی قاتل حسینؑ پر لعنت کر خون رک جائے گا اور زخم مندمل ہو جائے گا۔
جناب ابراہیم نے قاتل حسینؑ پر لعنت کی۔ خون رک گیا۔

۵۔ جناب اسماعیل:

بحار میں مروی ہے کہ جناب اسماعیل کی بکریاں دریائے فرات پر چرا کرتی تھیں۔
ایک مرتبہ چرواہے نے عرض کیا۔ حضور! آج کتنے دن ہو رہے ہیں بکریاں دریا سے پانی نہیں پیتیں۔
جناب اسماعیل نے دست دعا بلند کر کے خالق ارض و سما کی خدمت میں عرض کی۔
جناب جبرئیل نے آ کر عرض کیا۔ رب قدیر کا حکم ہے کہ بکریوں کے پانی نہ پینے کی وجہ ہم سے نہ پوچھو خود بکریوں سے پوچھ لو۔
جناب اسماعیل نے بکریوں سے پوچھا۔ کیا وجہ ہے کہ تم پانی نہیں پیتیں۔
بکریوں نے بزبان فصیح میں عرض کی۔
اے ذبیح اللہ! یہ زمین کربلا ہے یہ دریائے فرات ہے۔ اور آج کل ایام محرم ہیں۔ اسی دریا پر اسی جگہ آپ کا بیٹا حسینؑ اسی عشرہ میں پیاسا شہید ہوگا۔
اس چرواہے نے تو اس مرتبہ خیال رکھا ہے لیکن ہم ہمیشہ یوم عاشورہ سے دو دن پہلے سے پانی چھوڑ دیتی ہیں یہ صرف آپ کے بیٹے کی یاد میں ایسا کرتی ہیں۔
جناب اسماعیل نے پوچھا۔ کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میرے اس مظلوم بیٹے کے قاتل کون ہوں گے۔
بکریوں نے عرض کیا۔
اے ذبیح اللہ! کائنات عالم میں کوئی ایسی شے نہیں جو آپ کے بیٹے کے غم میں یوم عاشورہ غمزدہ نہ ہوتی ہوگی۔ اور آپ کے بیٹے کے قاتلوں کے ناموں سے آشنا نہ ہوگی۔ براہ راست قاتل تو ایک ہوگا لیکن پس پردہ ایک گروہ ہوگا۔ جو یزید کی طرح شریک قتل ہوگا۔
عالمین کی ہر مخلوق قاتلین حسینؑ پر لعنت کرتی ہے۔

۶۔ اسماعیل ابن حزقیل:

کامل میں بریدہ عجلی سے مروی ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے سوال کیا۔
تبد قرآن میں ارشاد باری ہے۔

واذکر فی الکتاب اسماعیل انه کان صادق الوعد وکان رسولا نبیا۔ کتاب میں اسماعیل کو بھی یاد کیا کہ وہ وعدہ کا سچا اور نبی مرسل تھا

کیا یہ اسماعیل ابن ابراہیم ہی ہے!

آپ نے فرمایا۔ کیا اسماعیل ابن ابراہیم نبی تھا۔

میں نے عرض کیا۔ آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کیا اسحاق نبی تھا۔

میں نے عرض کیا۔ وہ بھی نبی تھا۔

آپ نے فرمایا۔ امت اسحاق تو حق ہے۔ کیا امت اسماعیل بھی حق ہے۔ کیا تو بتا سکتا ہے کہ حضرت اسماعیل ابن ابراہیم خلیل کس علاقہ میں نبی تھے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ واقعاً آپ نے بہت بڑے مسئلہ کی طرف توجہ فرمایا ہے۔ ہم نے تو کبھی اس طرف توجہ بھی نہیں دی تھی۔ واقعی اسماعیل ابن ابراہیم خلیل تو نبی معلوم نہیں ہوتے۔ پھر یہ کون اسماعیل ہے؟

آپ نے فرمایا۔ یہ اسماعیل ابن حزقیل ہے۔ اللہ نے اسے مبعوث فرمایا۔ اس کی قوم نے اسے شہید کر دیا جب وہ لوگ اسے شہید کر رہے تھے تو اللہ نے سطاطائیل نامی ملک کو بھیجا

سطاطائیل نے آکر عرض کیا۔ اے نبی خدا اللہ نے مجھے آپ کی مدد کے لیے بھیجا ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں اس پوری قوم کو معذب کر دوں۔

جناب اسماعیل نے فرمایا۔ میں قوم کو معذب نہیں کرانا چاہتا۔ اگر ذات احدیت کی نظر میں میرا کوئی مقام ہے تو اسے معلوم ہے کہ میں صرف اللہ صرف اسی کی خاطر زیر خنجر ہوں۔ وہ خود مجھ سے براہ راست پوچھے گا۔ اور میں اپنا مدعا بیان کر دوں گا۔

ذات احدیت نے فرمایا۔ اسماعیل بتا تیری کیا حاجت ہے۔

جناب اسماعیل نے عرض کیا۔

بارالہا! تو نے تمام انبیاء سے اپنی ربوبیت۔ نبوت محمد۔ اور ولایت آل محمد کا عہد لیا ہے۔ تو نے ہی تمام انبیاء کو حسین ابن علی و فاطمہ کی مظلومانہ شہادت کی تفصیل سے آگاہ کیا ہے۔ اور تو نے ہی بتایا ہے کہ قیامت سے قبل تو حسینؑ اور اس کے مقتول شہداء کو واپس دنیا میں مبعوث کرے گا۔ اور وہ اپنے خون کا انتقام لیں گے۔ مجھے اس زمانہ میں حسینؑ کے ساتھ مبعوث فرما دینا تاکہ میں بھی حسینؑ کے ہمرکاب ہو کر قاتلان حسینؑ سے انتقام لے سکوں۔

اس کے بعد ان ظالموں نے جناب اسماعیل کو بے دردی سے شہید کر دیا۔

۷۔ حضرت موسیٰ :

منتخب میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک اسرائیل نے حضرت موسیٰ کی خدمت میں عرض کی۔

قبلہ! مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ سرزد ہوا ہے۔ ذاتِ احدیت سے میرے لیے استغفار فرمائیں۔

جب حضرت موسیٰ کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ تو مناجات کے بعد عرض کیا۔ بارالہا! فلاں اسرائیلی کے لیے میں استغفار کرتا ہوں۔

ارشادِ قدرت ہوا موسیٰ۔ کہ ارض کے جس گنہگار کے لیے بھی استغفار کرے میں اسے بخش دوں گا۔ صرف قاتلِ حسینؑ کی سفارش قبول نہیں کروں گا۔

جناب موسیٰ نے عرض کیا۔ بارالہا! آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہر گنہگار کو معاف فرماتا ہے اور قاتلِ حسینؑ کی سفارش سے منع فرماتا ہے۔

ارشادِ قدرت ہوا۔ موسیٰ۔

اولاً:۔ تو قاتلانِ حسینؑ بعد حسینؑ کا کلمہ پڑھتے ہوں گے۔

ثانیاً:۔ قاتلانِ حسینؑ اپنے کو وارثِ مسندِ خاتم الانبیاءؐ سمجھیں گے۔

ثالثاً:۔ موسیٰ کاش تو اس وقت دیکھتا۔ جب ذریتِ حسینؑ کے کمسن پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے رہے ہوں گے۔

اور ذریتِ حسینؑ کے بچوں کے چہرے شدتِ پیاس سے پھٹ چکے ہوں گے۔ پھر حسینؑ پانی مانگے گا۔ اسے جواب میں تیر۔ تلواریں۔ نیزے۔ بھالے اور پتھر ملیں گے اس کا اور اس کے تمام ساتھی شہداء کے سر کاٹ کر نوک ہائے نیزہ پر بلند کیے جائیں گے۔ ذریتِ محمدؐ کی مستورات کے خیام لوٹ کر جلا دیے جائیں گے۔ بناتِ محمدؐ کو پابند رسن کر کے بے پالان کے اونٹوں پر سوار کیا جائے گا۔ اور کئی دنوں تک سروں کے ساتھ انہیں بھی شہر بشہر پھرایا جائے گا۔

اگر عظمتِ محمدؐ کا لحاظ نہ ہوتا تو میں اسی وقت زمین کو ہی غرق کر دیتا۔ لیکن میں انہیں اس طرح معذب کروں گا کہ اہلِ جہنم ان کے عذاب کو دیکھ کر پناہ مانگیں گے کہ الحمد للہ! قاتلانِ حسینؑ جیسے عذاب سے محفوظ رہے ہیں اور کائناتِ عالم کی ہر شے لعنت کرے گی۔

۸۔ حضرت سلیمان :

منتخب میں مروی ہے کہ ایک دن جناب سلیمان اپنی بساط پر بیٹھ کر محوِ سیر تھے کہ ان کی بساط سرزمین کربلا کی حدود میں داخل ہو گئی۔ جب مقامِ شہادت پر آئی تو بساط چکرانے لگا۔ اور ہوا رک گئی۔

جناب سلیمان نے ہوا سے پوچھا۔ رکنے کی کیا وجہ ہے۔

ہوا نے عرض کیا۔

حضور! یہ خاتم الانبیاء کے پارہ جگر کی مقتل ہے۔ حکم خدا ہی سے میں آپ کی بساط کو اس طرف لے آئی ہوں۔ اور حکم خدا ہی سے یہاں رک گئی ہوں۔ تاکہ آپ فرزند خاتم الانبیاء کا غم تازہ کریں۔ اور اس کے قاتلوں پر لعنت کریں۔

۹۔ جناب زکریا!

کمال الدین میں شیخ صدوق نے سعد ابن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ میں نے صاحب الامر کی خدمت میں عرض کیا کہ۔

اے فرزند رسول! مجھے کہیعص کے متعلق بتائیے کہ ان حروف سے کیا مراد ہے!

آپ نے فرمایا: یہ علم غیب ہے

ذات احدیت نے جناب زکریا کو انہی حروف میں واقعہ کربلا سے مطلع کیا۔

جناب زکریا نے جب واقعہ کربلا کی تفصیل سنی تو آپ تین دن اور تین رات مسلسل عبادت گاہ میں مصروف گریہ رہے۔ نہ کچھ کھایا۔ نہ پیا۔ اور نہ کسی سے بات کی۔

پھر عرض کی۔ بارالہا! مجھے بھی ایک ایسے فرزند سے نواز۔ فرزند خاتم الانبیاء کی طرح میرے سامنے شہید ہو تاکہ میرے دل میں یاد حسینؑ ہمیشہ تازہ رہے۔ اور میں زخمی دل سے قاتلان حسینؑ پر لعنت کرتا رہوں۔

۱۰۔ جناب عیسیٰ!

بحار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ اپنے کسی سفر کے دوران میدان کربلا سے گزرے۔ راستے میں ایک شیر بیٹھا ہوا تھا وہ گزرنے سے مانع ہوا۔ آپ کے ساتھ حواری تو خوف سے کانپنے لگے۔ لیکن حضرت عیسیٰ نے انہیں حوصلہ دیا۔ اور فرمایا۔ چلو یہ راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور دوسری طرف سے چلے جاتے ہیں۔ جب دوسری راہ پر گئے تو دیکھا کہ شیر وہاں بھی موجود تھا۔

آپ نے حواریوں سے فرمایا۔ میرے خیال میں شیر ہمیں کچھ کہنا چاہتا ہے یہ ہمیں کسی قسم کا نقصان تو نہیں پہنچاتا کیونکہ اگر اس کی نیت ٹھیک نہ ہوتی تو کبھی کا اس نے ہم میں سے کسی کو دبوچ لیا ہوتا۔ اس نے کوئی نقصان پہنچائے بغیر صرف ہماری راہ روک رکھی ہے۔

حواریوں نے عرض کیا تو پھر بات آپ کی درست ہے آپ نبی خدا ہیں۔ ذرا اس سے بات تو کریں۔ ممکن ہے قدرت نے اسے قوت گویائی سے نواز دیا ہو۔

حضرت عیسیٰ آگے بڑھے اور شیر سے فرمایا۔ آخر تجھے ہمارا راستہ روکنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں جانے کیوں نہیں دیتا۔ ویسے بھی نبی خدا ہونے کی حیثیت سے مجھے حق ہے کہ میں تجھے یہ نصیحت کروں کہ راستہ چھوڑ دے اور گزرنے والے نبی کو تنگ نہ کر۔

شیر نے نہایت عاجزی میں جواب عرض کیا۔

قبلہ میں نے آج ہی ایک ڈیوٹی اٹھائی ہے۔ آپ یہاں رہنے والے کسی بھی شخص سے پوچھ سکتے ہیں۔ مجھے یہاں کسی نے نہیں دیکھا۔ اور نہ اس وقت کے بعد مجھے کوئی یہاں دیکھے گا۔ بس اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے وہ ادا کرنے کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔

حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔ کیا تیری ڈیوٹی کا تعلق ہمارا راستہ روکنے سے ہے۔

شیر نے عرض کیا۔ حضور! آپ نے درست فرمایا ہے۔

حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔ کیا تیری ڈیوٹی میرے حواریوں میں سے کسی کو شکار کرنا ہے۔

شیر نے عرض کیا۔ ہرگز نہیں۔

حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔ پھر بتا تیری یہاں کیا ڈیوٹی ہے اور کیسے پوری ہوگی۔

شیر نے عرض کیا۔ قبلہ میرا علاقہ یہ صحرا نہیں ہے۔ اس صحرا میں رہنے والا شیر چند دن ہوئے مر گیا ہے۔ رب ذات احدیت کی طرف سے مجھے حکم ملا ہے کہ۔

کل یہاں سے عیسیٰ روح اللہ گزرے گا۔ تو میدان کربلا میں جا۔ اور حضرت عیسیٰ اور ان کے ساتھیوں کا راستہ روک لے اور انہیں بتانا کہ یہ میدان کربلا ہے۔ اسی میدان میں خاتم الانبیاء کا نواسہ اپنے نانا کی امت کے ہاتھوں تین دن کا بھوکا اور پیاسا اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ مظلوم شہید ہوگا۔ جب تک حضرت عیسیٰ اور ان کے حواری قاتلان حسینؑ پر لعنت نہ کریں اس وقت تک انہیں اس صحرا سے گزرنے کی اجازت نہ دینا۔ بڑی آسان سی بات ہے۔ آپ خود اور آپ کے حواری یہاں سے گزرتے ہوئے قاتلان حسینؑ پر لعنت کرتے جائیں اور گزرتے جائیں۔ حواریوں کو حکم دیں کہ جلدی یہ کام کریں۔ تاکہ آپ بھی دن میں اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں اور میں بھی ڈیوٹی پوری کر کے اپنے علاقہ میں واپس جاؤں۔

حضرت عیسیٰ نے فوراً دست دعا بلند کیے۔ اور قاتلان حسینؑ اور معاونین قاتلان حسینؑ پر لعنت کی تمام حواریوں نے بے شمار کیں۔

شیر یہ سنکر راستہ سے ہٹ گیا۔ جناب عیسیٰ اور آپ کے حواریوں نے شیر کو جاتے دیکھا جو کسی اور طرف جا رہا تھا۔

منتخب کے مطابق جب جناب عیسیٰ شیر سے فارغ ہو کر آگے بڑھے اور مقتل فرزند زہرا کے قریب آئے تو آپ نے چند ہرنوں کو وہاں چرتے دیکھا۔ مقام مقتل پر آ کر آپ بیٹھ گئے۔ اور رونا شروع کر دیا۔ آپ کو دیکھ کر آپ کے حواری بھی رونے میں آپ کا ساتھ دینے لگے۔ لیکن حواریوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں۔

آخر ملک نے بہت اصرار کر کے عرض کیا۔
اے رسول اللہ! اس جگہ بیٹھ کر رونے کا مقصد کیا ہے اور وہ کون کی بات ہے جس نے آپ کو اس طرح بے ساختہ رلا دیا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ اے جناب تم اس حقیقت سے بے خبر ہو جسے میں اپنی چشم نبوت سے دیکھ رہا ہوں۔ آہ فرزند میرا؟ تو کس مظلوم ہے۔ تو کتنا غریب ہے۔
آپ نے فرمایا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں رسول کی اکلوتی بیٹی کا دوسرا فرزند حسینؑ بلا جرم و خطا اپنے نانا کی امت کے ہاتھوں گرسنہ اور تشنہ شہید ہوگا۔
اس جگہ اس کے اہل بیت کے خیام ہوں گے۔ فلاں جگہ اس کا اپنا خیمہ ہوگا۔ اور فلاں جگہ اس کے چند انصار کا قیام ہوگا۔
اس طرح پورا صحرا اور ساحل فرات فوج یزید سے اٹا پڑا ہوگا۔
پھر آپ نے ہر زمین کی چند چٹکیاں اٹھائیں۔ اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھیں اور دست دعا بلند کر کے عرض کیا۔ بار الہا۔
ان چٹکیوں میں خاک کربلا کی خوشبو بسا کہ انہیں اسی طرح رہنے دے۔ حتیٰ کہ اس شہید مظلوم کا باپ آ کر ان چٹکیوں کو دیکھے اور اسے میری تعزیت یاد آ جائے۔

۱۱۔ کعب الاحبار:

امالی صدوق میں کعب الاحبار سے مروی ہے کہ۔ ہماری کتب مقدس میں لکھا ہوا ہے کہ اولاد خاتم الانبیاء میں سے ایک ایسا شخص بھی ہوگا کہ اس کے اور اس کے ساتھیوں کے گھوڑوں کا ابھی پسینہ بھی خشک نہ ہوا ہوگا کہ وہ داخل جنت ہو کر حوروں سے فرحت اندوز ہوں گے۔
اتنے میں امام حسنؑ وہاں سے گزرے۔ ہم نے کعب سے پوچھا۔ کہیں یہ تو نہیں ہے۔
کعب نے غور سے دیکھا اور فرمایا۔ نہیں ان میں ان علامات میں سے کوئی بھی نہیں جو کتب مقدس میں تحریر ہیں۔
کچھ دیر بعد امام حسینؑ وہاں سے گزرے۔ ہم نے پوچھا۔ کیا یہی وہ ہے۔
کعب الاحبار نے کافی دیر تک دیکھنے کے بعد کہا۔ بخدا یہی وہ ہے۔ سر سے پیر تک ایک ایک علامت اس میں نظر آتی ہے۔

۱۲۔ نصاریٰ کے گرجا میں:

امالی صدوق میں ہے کہ یحییٰ ابن یمان نے بنی سلیم کے ایک مرد پیر سے روایت کی ہے کہ ہم روم میں دوران جنگ ایک گرجا میں گئے۔ ہم نے اس میں ایک پتھر پر یہ شعر کندہ دیکھا۔

اترجو امۃ قتلت حسینا
شفاعۃ جدہ یوم الحساب۔

کیا وہ لوگ بھی قیامت کے دن جد حسینؑ کی شفاعت کی امید رکھ سکتے ہیں جنہوں نے حسینؑ کو قتل کیا ہوگا۔

ہم نے ان نصاریٰ سے پوچھا۔ گرجا میں یہ پتھر کب سے نصب ہے!

انھوں نے جواب دیا۔ تمہارے نبی کی بعثت سے تین سو برس پہلے سے نصب ہے۔

مثیر الاحزان میں سلیمان اعمش سے مروی ہے کہ ایک سال حج میں دوران طواف ایک شخص کو دیکھا جو غلاف کعبہ ہاتھ میں لے کر کہہ رہا تھا۔ اللھم اغفرلی۔ اے اللہ مجھے معاف کر دے۔ پھر خود ہی کہتا تھا۔ لا اراک ان تغفرلی۔ مجھے نظر نہیں آتا کہ تو بخشے گا۔

میں نے کہا، بندہ خدا! آج یوم عرفات ہے تو خانہ خدا میں ہے۔ اور یہ کیا کہہ رہا ہے۔
اس نے کہا۔ اگر مجھے ذرہ بھر بھی امید ہوتی تو میں ایسا ہرگز نہ کہتا۔
میں نے کہا۔ آخر بات کیا ہے۔
اس نے کہا کہ رات شام تک جن چالیس افراد کی ڈیوٹی سر مظلوم کربلا پر تھی میں بھی ان میں شامل تھا۔ ہم دن کے وقت مظلوم زہراؑ کے سر کو نیزہ پر اور رات کے وقت صندوق میں بند کر دیتے تھے۔ ایک رات ابھی تک ہم نے سر صندوق میں بند نہیں کیا تھا۔

کہ نیزہ پر بلند سر کو ہم نے ایک گرجا کی دیوار کے سہارے کھڑا کیا۔ اور خود کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ جونہی ہم نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ گرجا کی دیوار سے ایک ہاتھ نمودار ہو کر ہمارے سامنے آیا۔ اس پر یہی شعر لکھا تھا۔ ہم حیران ہو گئے۔

ہم میں سے بعض افراد نے ہاتھ کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ہاتھ کو ہمارے دل سے واقفیت ہو جونہی ہم لوگ ہاتھ بڑھاتے تھے، ہاتھ ہماری نظروں سے غائب ہو جاتا تھا۔
بھلا تم ہی بتاؤ کہ میں کیا امید رکھ سکتا ہوں۔

۱۴- سرور انبیاء

۱- ماں کی بے قراری!

کامل الزیارۃ میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ کرۂ ارض پر تنہا ایک ماں تھی جسے یہ علم تھا کہ میرے صدف عصمت میں پرورش پانے والا یتیم نہیں بیٹا ہے۔ مگر یہاں اس نے کبھی دل میں خوشی محسوس نہیں کی تھی۔ بلکہ ہر وقت مصروف گریہ و بکا رہتی تھی۔

صحابہ نے عرض کیا کہ قبلہ اس کی کیا وجہ تھی؟

آپ نے فرمایا جس وقت مظلوم کربلا کا نور مقدس جبین مبین حضرت علیؑ سے منتقل ہو کر جناب زہراؑ کے صدف عصمت میں آیا۔

ذات احدیت نے اسی دن نبی کونینؐ کو جبرئیل کے ذریعہ تمام واقعہ کربلا سے مطلع کر دیا تھا اور آنحضورؐ نے جناب سیدہ کو تمام حالات بتا دیئے تھے۔

جبرئیل نے ذات احدیت کی طرف سے آنحضورؐ کو یہ پیغام بھی دیا تھا کہ ولادت حسینؑ کے بعد حسینؑ شب و روز کے جس وقت جس چیز کی خواہش کرے اسے بلا تاخیر مہیا کیا کرنا اور دیر نہ کرنا پھر آنحضورؐ نے جناب سیدہ کو بھی اس طرح فرما دیا تھا کہ حسینؑ کی ہر خواہش کا بالعموم اور پیاس کا بالخصوص ہر وقت خیال رکھنا کیونکہ حسینؑ پیاسا شہید ہوگا۔

۲- میری امت اور یمین علم!

کامل الزیارت ہی میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک دن میں نبی کونینؐ کے پاس آیا تو آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے۔

میں نے عرض کیا۔

بابی انت و امی یا رسول اللہ۔ اے رسول خدا! میرے ماں باپ قربان جائیں۔ آپ رو کیوں رہے ہیں۔ کیا آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ نہیں یا علیؑ میری زندگی میں تو مجھے جو تکلیف بھی پہنچے میں برداشت کر لوں گا۔ اگر میرے بعد مجھے یا تیرے بچوں کو کوئی تکلیف پہنچی تو میرے لیے برداشت کرنا مشکل ہوگا۔

میں نے عرض کی۔ قبلہ ہم آپ سے زیادہ حلیم تر نہیں ہیں۔ اگر آپ اپنی تکالیف برداشت کر لیں گے تو کیا ہم اپنی تکالیف برداشت نہیں کر سکیں گے۔

آپ نے فرمایا علیؑ! بات صرف برداشت کر سکنے کی نہیں ہے۔ برداشت تو تم کر لو گے۔ میں اپنے مزار میں اس لیے تڑپتا رہوں گا کہ تم دنیا میں میری وجہ سے کانٹوں پر چل رہے ہو اور میرے بعد بھی صدیوں تک کانٹوں پر چلتے رہو گے اور تم پر آنے والی ہر مصیبت کی وجہ میرا رشتہ اور میرا دین ہوگا۔

میں نے عرض کی، قبلہ اس وقت رونے کی کوئی خاص وجہ ہے۔

آپ نے فرمایا، یا علیؑ! ہاں۔ ابھی ابھی مجھے جبرئیل بتا کر گیا ہے کہ میرا حسینؑ ساحل دریا پر پیاسا شہید ہوگا۔ کیا تجھے خاک کربلا دکھاؤں؟

میں نے عرض کی۔ ہاں قبلہ۔

آپ نے ہاتھ بڑھایا۔ اور سرزمین کربلا سے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر مجھے دی۔ میں نے جونہی اسے سونگھا میری آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگے۔

جب حسینؑ دو برس کا ہوا۔

تو ایک دن آنحضورؐ کسی سفر پر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ رک گئے۔ انا للہ پڑھا۔ آپ کی آنکھیں بہنے لگیں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ قبلہ خیریت تو ہے اس وقت رونے کا سبب۔

آپ نے فرمایا۔ ابھی ابھی جبرئیل مجھے بتا گیا ہے کہ میرا حسینؑ میدان کربلا میں یزید نامی شخص کے ہاتھوں پیاسا شہید ہوگا۔

آپ اس پورے سفر میں غمزدہ اور مغموم رہے۔ جب سفر سے واپس تشریف لائے تو منبر پر آئے امام حسنؑ اور حسینؑ آپ کے سامنے بیٹھے تھے۔

وعظ و نصیحت فرمانے کے بعد دونوں بچوں کو اٹھایا۔ گود میں بٹھایا دایاں ہاتھ امام حسنؑ کے سر پر اور بایاں ہاتھ امام حسینؑ کے سر پر رکھ کر فرمایا۔

اے اللہ! یہ محمدؐ تیرا بندہ اور تیرا نبی ہے۔ یہ دونوں میری پاکیزہ عترت، میری طاہر ذریت، اور میرے دل کا چین ہیں۔ یہی وہ ہیں جنہیں میں ان کے باپ کے ساتھ اپنی امت میں اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑ جاؤں گا۔ مجھے جبرئیل نے تیری طرف سے بتایا ہے کہ میرے یہ دونوں بیٹے شہید ہوں گے۔ لیکن زیادہ مظلوم میرا یہ حسینؑ بیٹا ہوگا۔ جس کے بچے بھی پیاسے شہید ہوں گے اور یہ خود بھی پیاسا وطن سے دور شہید ہوگا۔ اس کا لاشہ پامال سم اسپاں اور سر نوک نیزہ پر بلند ہوگا۔

اے اللہ! اسے سید الشہداء بنا۔ اس کے قاتل کو دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار کرنا۔

مسجد میں موجود ہر شخص کی آنکھ اشکبار ہوگئی۔

آپ نے فرمایا۔ آج تو تم روتے ہو۔ لیکن کل اس کی مدد نہیں کرو گے۔ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور بہتی آنکھوں سے فرمایا۔

اے لوگو! میں اس دنیا سے جاتے ہوئے تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑ کر جاؤں گا ایک کتاب خدا اور دوسری میری عترت و اہل بیت۔ یہ دونوں میرے پاس حوض کوثر کے پہنچنے تک ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی میں ان دونوں کا منتظر رہوں گا۔ اور تم سے صرف وہی کچھ پوچھوں گا جو مجھے حکم خدا ہوگا۔

میں تم سے مودۃ فی القربیٰ کے بارے میں پوچھوں گا۔ دیکھو! ایسا میرے پاس حوض کوثر پر میرے اہلبیت کا بغض اور میری عترت پر مظالم کا بوجھ لے کر آنا۔

قیامت کے دن میری امت میرے پاس تین حصوں میں بٹ کر تین گروہ بن کر آئے گی۔ پہلا علم گروہ کا اس قدر سیاہ ہوگا کہ اہل محشر اس کی سیاہی سے تڑپ جائیں گے۔ یہ لوگ اگر میرے سامنے کھڑے ہو جائیں گے میں ان سے پوچھوں گا۔

تم کون ہو؟

ان لوگوں کے دل سے میرا نام مٹ چکا ہوگا یہ جواب دیں گے ہم اہل توحید اور آپ کی امت سے پہلے موحد ہیں۔

میں کہوں گا۔ مجھے جانتے ہو میں عرب و عجم کا محمد نبی ہوں۔

یہ لوگ جواب دیں گے۔

ہاں ہاں! موحد ہونے کی وجہ سے ہم نے دنیا میں آپ کی طرف کبھی کوئی خاص دھیان نہیں دیا تھا۔ اس لیے ہم آپ کا نام ہی بھول گئے ہیں۔ ہم آپ ہی کی امت ہیں۔

میں پوچھوں گا۔ میں تم میں اپنی امانت کے طور دو وزنی چیزیں اللہ کی کتاب اور اپنے اہل بیت چھوڑ کے آیا تھا۔ تم نے ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟

یہ جواب دیں گے جہاں تک کتاب خدا کا تعلق ہے تو اس میں سے تمام وہ آیات جو مشرکین اور بت پرستوں کے متعلق نازل ہوئی تھیں ہم نے آپ کی امت کے لا الہ الا اللہ پڑھ کر آپ سے اور آپ کی اہل بیت سے زیادہ وابستگی رکھنے والوں پر فٹ کر کے انہیں مشرک کہہ کر خارج از اسلام کر دیا تھا۔ اور جہاں تک آپ کی عترت کا تعلق ہے تو ہم نے ان کے وجود کو صفحہ ہستی سے ختم کرنے کی کوشش کی تھی اور شاید ان کے ذکر کو ہر اعتقاد سے مٹانے کی کوشش کی تھی۔ کبھی بدعت کہہ کر۔ کبھی جاہ و مراسم کہہ کر۔ کبھی بے فائدہ کہہ کر۔ کبھی منشاء مرضی اہل بیت کے خلاف کہہ کر۔ کبھی اصلاح محافل و مجالس کے نام سے، کبھی اصلاح الشیعہ کے نام سے کبھی مجلس کرنے کو حرام کہہ کر، غرض جیسے بھی ہو سکا اور جس حیثیت عالم سے ہو سکا ہم نے آپ کے اہل بیت کے وجود اور ذکر ہر دو کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

میں ان لوگوں سے منہ پھیر لوں گا۔ ملائکہ انہیں دھکے دے کر حوض کوثر سے دور بھگا دیں گے۔

پھر دوسرا گروہ آئے گا۔ ان کے علم کی سیاہی پہلے علم سے بھی زیادہ حبیب اللہ فانی ہوگی۔ میں ان سے پوچھوں گا تم کون ہو؟

یہ جواب دیں گے ہم آپ کی امت سے ہیں۔

میں پوچھوں گا۔ جو دو وزنی چیزیں ثقل اکبر قرآن اور ثقل اصغر میری اہلبیت میں تمہارے درمیان چھوڑ کے آیا تھا تم نے ان سے کیا سلوک کیا؟

یہ جواب دیں گے۔ ہم نے ثقل اکبر یعنی قرآن کے احکام کی زندگی میں ہر لمحہ ہر قدم پر مخالفت کی تھی۔ اور ثقل اصغر یعنی آپ کی ذریت کے لیے جگہ جگہ راستے کانٹے بچھائے کہ وہ کسی ایک جگہ جمع ہو کر رہ تک نہ سکے اور ان کی عظمت کو کم کرنے کی خاطر لوگوں کو درس دیا کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ وہی محترم ہے جو متقی ہے آپ کے رشتے کا کوئی فائدہ نہیں ہے!

ان لوگوں سے بھی میں کہوں گا۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے میرے پاس تمہارے لیے کچھ بھی نہیں ہے
ان کے بعد تیسرا گروہ آئے گا۔ ان کے پاس بھی سیاہ علم ہی ہوگا۔ لیکن ان کے علم کی سیاہی میں جاذبیت اور کشش ہوگی۔ ان کے چہرے سفید اور نکھرے نورانی ہوں گے۔ علم کی سیاہی سے روشنی کی کرنیں پھوٹیں گی۔

ان سے میں پوچھوں گا: تم لوگ کون ہو؟

یہ جواب دیں گے۔ ہم کلمہ توحید والے ہیں۔ ہم اہل حق میں سے باقی رہ جانے والے اہل حق ہیں۔ ہم نے آپ کے چھوڑے ہوئے ثقل اکبر کا ہمیشہ احترام کیا۔ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا۔ انسان ہونے کے ناطے بعض مقامات پر عمل نہ ہو سکا لیکن حقیقت یہی ہے۔ آپ کے دوسرے ثقل اصغر کی محبت میں بے دین کہلوائے۔ رافضی کہلوائے۔ لیکن جہاں کہیں ضرورت ہوئی چاہیے ہم نے دل سے، زبان سے، اور ہاتھ پاؤں سے آپ کی ذریت کی عظمت اور محبت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اپنی جان سے زیادہ محبت اہلبیت سے کی۔

ان کے دلوں کے مخالفین سے بھی لڑے اور ان کے ذکر کے مخالفین سے برسر پیکار رہے۔ ان لوگوں سے میں کہوں گا۔ آؤ میرے قریب آؤ۔ تم میرے ہو۔ میں تمہارا نبی ہوں۔ میرے پاس تمہارا نامہ اعمال پہنچتا رہا ہے۔ دنیا میں واقعاً تم اسی طرح تھے جس طرح کہہ رہے ہو۔ ان لوگوں کو میں حوض کوثر اپنے ہاتھ سے پلاؤں گا۔ اور یہ لوگ سیراب ہو کر داخل جنت ہوں گے۔

۳۔ ندائے ملک!

بحار میں شرجیل ابن ابو عون سے مروی ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا جس دن میرے حسینؑ کی ولادت ہوئی۔ اس دن عرش بریں سے ایک ملک نے ارض و سما کے مابین ندا کی۔

اے مخلوقِ خدا! بابائے غم دنیا میں آگیا ہے۔ لباسِ غم پہن لو۔ اور دل کو غم آشنا کر لو۔ محمدؐ کا دنیا میں آنے والا یہ بچہ کربلا کا مظلوم ترین شہزادہ ہے۔

اس ندا سے فارغ ہونے کے بعد یہی فرشتہ میرے پاس آیا اور عرض کیا۔

اے حبیب خدا! آپ کا یہ پسر کربلا کا مظلوم ترین فرد ہوگا۔ آپ کی امت کا بظاہر مسلمان اور باطن کافر، سرکش اور فاسق گروہ اسے زمین کربلا پر شہید کرے گا۔ یہ اس کے مقتل کی خاک ہے۔

اس نے خاک کربلا مجھے دی اور کہا۔ اسے اپنے پاس محفوظ رکھیں دم آخر تک بھی اس خاک کا اہل بھیں اسے دیں اور بتا دیں کہ جب یہ خاک خون بن جائے تو وہ سمجھے کہ آپ کا حسینؑ شہید کر دیا گیا ہے۔

پھر اس ملک نے کچھ خاک کربلا اپنے پروں پر ڈالی اور سوئے آسمان پرواز کر گیا۔ ملائکہ کی جس صف سے بھی گزرا انہوں نے اس ملک کے پروں سے اٹھنے والی خوشبو کی مہک سے متاثر ہو کر اس سے پوچھا۔ یہ خوشبو کس جنت سے لایا ہے۔

ملک نے جواب دیا یہ کسی جنت کی خوشبو نہیں ہے۔ یہ خاک کربلا ہے۔ جو مقتل حسینؑ ابن علیؑ و فاطمہؑ ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ آپ اپنی ہر تنہائی میں اس خاک کو اپنے سامنے رکھ کر دیکھتے بھی تھے اور روتے بھی تھے ساتھ ساتھ قاتل حسینؑ پر لعنت کرتے تھے۔

۴۔ کاش اللہ مجھ سے طاقت پرواز سلب کر لیتا!

منتخب میں مرقوم ہے کہ حاملین عرش میں سے ایک ملک ہمیشہ زیارت نبی کریمؐ کا شائق رہتا تھا۔ ایک دن اس نے ذات احدیت سے روئے ارض پر جا کر حضورؐ کی زیارت کی اجازت مانگی۔

ذات احدیت نے اجازت دے دی اور فرمایا۔ جا زیارت بھی کر۔ اور میری طرف سے میرے حبیب کے نام یہ پیغام بھی لے جا۔ کہ تیرا یہ بیٹا تیرے بعد پیاسا اور مظلوم شہید ہوگا۔

آنحضورؐ فرمایا کرتے تھے جب یہ ملک روانہ ہوا تو دل میں سوچا کرتا تھا کہ کاش میں نے زیارت کی اجازت نہ لی ہوتی اب میں کیسے بتاؤں گا کہ آپ کا نواسہ اور فرزند مظلوم شہید ہوگا۔

اسی فکر اور پرواز کے دوران اسے ندائے قدرت آئی کہ تیرا کام کچھ نہیں۔ تیرا کام اطاعت حکم ہے۔

وہ ملک آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شوقِ زیارت پورا کرنے کے بعد عرض کیا۔

قبلہ! اگر اللہ میرے پر و بال سلب کر لیتا تو مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی ذات احدیت کا یہ پیغام دینے میں ہورہی ہے کہ آپ کا حسینؑ میدان کربلا میں تین دن کا تشنہ و گرسنہ بے یار و مددگار پس گردن سے شہید ہوگا۔ اس کے قاتل جہنم کے اس طبقہ میں رہیں گے جس سے تمام طبقات جہنم گرم کیے جائیں گے۔

۵۔ امین وحی جبرئیل!

بحار میں جناب ام المومنین ام سلمہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریمؐ میرے حجرہ میں تشریف لائے ان کے پیچھے پیچھے امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ تشریف لائے۔

آپ نے امام حسنؑ کو دائیں زانو پر اور امام حسینؑ کو بائیں زانو پر بٹھایا کبھی آپ حسنؑ کا منہ چومتے اور کبھی حسینؑ کا گلا چومتے۔

جبرئیل آیا۔ اور عرض کی۔ قبلہ یہ دونوں آپ کو بہت عزیز ہیں!

آپ نے فرمایا۔ جبرئیل وہ کون شخص ہے جسے اپنے دل اور آنکھوں سے محبت نہ ہو۔ اگر ان دونوں کو میں دل کہوں تو ایک دل ہے اور دوسرا دھڑکن ہے۔ اگر ان کو آنکھوں سے تشبیہ دوں تو ایک داتیں اور دوسرا بائیں آنکھ ہے۔ بھلا کون ایسا انسان ہے جو دل کے بغیر زندہ رہ سکے اور آنکھوں کے بغیر کچھ دیکھ سکے۔

جبرئیل نے عرض کیا۔ قبلہ میں اللہ کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ کیا پیغام ہے۔

جبرئیل نے عرض کیا۔

ذات احدیت کا درود و سلام کے بعد ارشاد ہے کہ حسنؑ کو تیری امت زہر سے اور حسینؑ کو بے دردی سے پیاسا پس گردن سے شہید کرے گی۔

آپ نے فرمایا۔ جبرئیل! اگر اللہ مجھے بھی اپنے دین پر قربان کر دے تو میری جان حاضر ہے۔ جب یہ بھی میری طرح دو دل ہیں تو یہ کیسے دین کی خاطر کسی قربانی سے دریغ کریں گے۔ یا میں کیسے انکار کروں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ جیسے بھی شہید ہوں گے دین خدا کی خاطر شہید ہوں گے۔ اور مجھے سب کچھ قبول ہوگا۔

اللہ کی طرف سے نبی کونین کو حضرت علیؑ، جناب زہراؑ

اور

جناب حسینؑ کی پیشگوئی شہادت

۱۔ اجر زیارت جنت:

کامل الزیارت میں جناب امام باقرؑ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریمؐ خانہ اہل بیت میں تشریف لائے۔
جناب ام المومنین ام سلمہ کا ہدیہ کردہ دودھ، مکھن۔ اور کھجوریں رکھے تھے۔ آل محمدؐ نے آپ کو پیش کیے حضورؐ نے تناول فرمایا۔ اور مصروف نوافل ہو گئے۔ جب آپ نوافل سے فارغ ہوئے اور سجدہ شکر میں گئے تو بے ساختہ باآواز بلند گریہ کرنے لگے۔

سب حیرت سے دیکھتے رہے۔ کوئی پوچھ نہ سکا بالآخر کمسن حسینؑ اٹھا اور پہلو میں جا کر عرض کیا۔
نانا جان! جب آپ ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم بے حد شاداں و فرحاں ہوئے۔ لیکن آپ کے گریہ نے ہمیں بھی پریشان کر دیا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔
آپ نے سجدے سے سر اٹھایا۔ اور فرمایا بیٹے جس طرح تم مجھے دیکھ کر خوش ہوئے اسی طرح میں بھی تمہیں اکٹھے بیٹھا دیکھ کر خوش ہوا۔ لیکن ابھی جبرئیل نے مجھے آ کر یاد دلایا ہے کہ۔ تم سب تمام اہل بیت شہید ہوں گے اور ان کے مزارات ایک دوسرے سے بہت دور ہوں گے۔

امام حسینؑ نے عرض کیا۔ نانا جان! کیا کوئی ہمارے مزاروں کی زیارت کرے گا؟
آپ نے فرمایا۔ ہاں بیٹے میری امت کا ایک قلیل گروہ تمہاری زیارت کرے گا۔
امام حسینؑ نے عرض کیا۔ نانا جان! کیا ہمارے زائرین کو ہماری زیارت پر آنے کا کوئی اجر ملے گا؟
آپ نے فرمایا۔ بیٹے ان کا کم از کم اجر یہ ہوگا کہ میں تمہارے زائرین کی خصوصی شفاعت کروں گا۔ تمام کو داخل جنت کروں گا

اور وحشت قیامت سے انہیں محفوظ رکھوں گا۔

۲- انجام قاتل:

منتخب میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ میں اس قدر خشک سالی ہو گئی کہ پینے کا پانی تک نہ ملا۔ ایک دن جناب زہراؑ اپنے دونوں بچوں کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لائیں اور عرض کی۔ ابا جان! ہم تو جیسے بن رہے ہیں ویسے گزارا کر رہے ہیں۔ لیکن میرے یہ دونوں بچے پیاس برداشت نہیں کر سکتے خصوصاً حسینؑ کے متعلق تو آپ کو بھی معلوم ہے کہ اسے پانی کی طلب زیادہ ہوا کرتی ہے۔

آپ نے دونوں کو قریب بلایا۔ پہلے امام حسینؑ کے دہن مبارک میں زبان مبارک دی۔ جب امام حسینؑ سیراب ہو گئے تو پھر امام حسنؑ کے منہ میں اپنی زبان دی امام حسنؑ بھی سیراب ہو گئے۔ پھر آپ نے دونوں کو اپنی گود میں بٹھالیا اور باری باری دونوں کو بوسے دینے لگے۔ آپ غیر معمولی طور پر خوش ہو رہے تھے کہ جبریل آگئے۔

جبریل نے سلام و درود رب جلیل کے بعد عرض کیا۔ حضور! ذات احدیت کا ارشاد ہے کہ تیرے یہ دونوں بچے بنی امیہ کے ہاتھوں شہید ہوں گے۔ حسن زہر سے شہید ہو گا۔ اور حسینؑ کی گردن سے ذبح کیا جائے گا ان کے قاتل یوں تو اپنے کو آپ کی امت سے شمار کرتے ہوں گے لیکن ان کا تیری امت سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ آپ نے جبریل سے سوال کیا۔ کیا ان کے قاتلوں کو نجات ملے گی؟ جبریل نے عرض کیا۔

حبیب خدا! انہیں دنیا اور آخرت میں عذاب ہو گا۔ دنیا میں ان پر ایسے افراد مسلط ہوں گے جو ان کے کم سن بچوں تک کو قتل کر دیں گے۔ اور آخرت میں زقوم کھانے کو اور جہنم سے نکلنے والا پیپ پینے کو ملے گا۔ ذات احدیت نے انہی کے قاتلین کے عذاب پر خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔

فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین۔ ظالم قوم کی نسل ہی ختم کر دی گئی ہے رب العالمین اللہ کی حمد ہے۔

اس کے بعد آپ کبھی امام حسنؑ کی طرف اور کبھی امام حسینؑ کی طرف دیکھ کر کافی دیر تک فرماتے رہے۔

اللہ تمہارے قاتل پر لعنت کرے۔

اللہ تمہارے غاصب حقوق پر لعنت کرے۔

۳- نبی اکرم پراگندہ:

ارشاد شیخ مفید میں ام المومنین ام سلمہ سے مروی ہے کہ ایک رات سرور انبیاء گھر سے باہر تشریف لے گئے اور اسی طرح غائب ہو گئے کہ تلاش بسیار کے بعد کسی کو بھی نہ مل سکے۔ کافی دیر کے بعد رات گئے واپس تشریف لائے تو آپ کے بال خاک آلود تھے

بال پریشان تھے۔ چہرہ مغموم تھا اور آنکھیں اس طرح سرخ تھیں جیسے گریہ فرماتے رہے ہوں۔

ہم نے عرض کیا، قبلہ آپ رات کے اس وقت تنہا کہاں تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے دشمن دوستوں کی نسبت زیادہ ہیں ہم تو سخت پریشان تھے؛

آپ نے فرمایا، میرا محافظ میرے دشمنوں پر بھی غالب ہے اور میں تنہا بھی نہیں تھا۔ جبرئیل میرے ساتھ تھا۔ جبرئیل ہی مجھے ابھی یہیں سے میدان کربلا میں لے گیا تھا۔ وہاں جا کر میں نے اپنی ذریت کے مقام شہادت دیکھے۔ مقتل حسینؑ پر کافی دیر تک بیٹھ کر روتا رہا ہوں۔ یہ دیکھو خاک کربلا ہے جو میرے سر اور بالوں میں بھی موجود ہے اور میرے پاؤں بھی خاک کربلا سے آلودہ ہیں۔

یہ تیرے لیے میں کچھ خاک کربلا بھی لایا ہوں۔ پہلے تیرے پاس جو خاک کربلا ہے وہ ملائکہ دے کے گئے تھے۔ اب میں خود مقتل حسینؑ سے اٹھا کے لایا ہوں۔ اسے بھی اسی خاک میں ملا کر رکھ دے۔ جس دن یہ خاک خون ہو جائے سمجھ لینا میرا حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔

جس دن امام حسینؑ نے مدینہ چھوڑا اور عازم عراق ہوئے اس کے بعد میں روزانہ تین مرتبہ خاک کربلا کو دیکھا کرتی تھی نماز صبح کے بعد، نماز ظہرین کے بعد اور نماز مغربین کے بعد۔ یوم عاشورہ کی صبح کو خاک کربلا خاک ہی تھی لیکن جب ظہرین عاشورہ کے بعد میں نے شیشی کو دیکھا تو اس میں خاک کی جگہ خون جوش زن تھا۔ بے اختیار میرے منہ سے واحسیناہ۔ اور وا ابناہ کے بین نکلے۔ مگر میں نے فوراً اپنے اوپر اس لیے قابو پا لیا کہ اگر اعدا کو خبر ہو گئی کہ شہادت حسینؑ کا پتہ چل گیا تو وہ عید منائیں گے کم از کم میرے ذریعہ تو انہیں پتہ نہ چلے۔ میں نے وہ وقت نوٹ کر لیا۔ بعد میں جب شہادت فرزند رسول کی اطلاع ملی، تو وہ وہی وقت تھا جب خاک خون میں بدلی تھی۔

۴۔ تعزیت ملائکہ:

ارشاد میں جناب سلمان سے مروی ہے کہ ولادت امام حسینؑ کے بعد ارض و سما میں کوئی فرشتہ ایسا نہ رہا جس نے آنحضورؐ کو ولادت امام حسینؑ پر مبارکباد دینے کے علاوہ تعزیت نہ پیش کی ہو۔ فرشتے نے قاتلین امام حسینؑ پر لعنت کے ساتھ آنحضورؐ کو خاک کربلا بھی پیش کی۔ البتہ ہر فرشتہ مختلف مقام سے خاک اٹھا کے لایا تھا۔ کسی نے نعل ذوالجناح سے زمین پر آنے کی جگہ سے خاک پیش کی۔ کسی نے مقتل تک جانے کے لیے جس جگہ رکا گیا تھا ان مقامات میں سے کسی مقام کی خاک پیش کی۔ کسی نے امامؑ کی بچی کے ایڑیاں رگڑنے کی جگہ سے خاک پیش کی۔

جناب سلمان سے حدیث کرنے والا عبدالرحمن غنوی کہتا ہے کہ میں سلمان سے سنی ہوئی آنحضورؐ کی بددعا یاد کرتا تھا اور قاتلین حسینؑ کا انجام دیکھتا تھا تو مجھے حرف بحرف صداقت رسالت پر یقین ہو جاتا تھا۔

آنحضورؐ نے بددعا فرمائی تھی۔

اللھم اخذل من خذلہ۔	اے اللہ! میرے حسینؑ کی رسوائی چاہنے والے کو رسوا کر دے۔
اللھم اقتل من قتلہ۔	اے اللہ! میرے حسینؑ کے قاتل کو قتل فرما۔
اللھم اذبح من ذبحہ۔	اے اللہ! میرے حسینؑ کو ذبح کرے گا تو بھی اسے ذبح کرنا۔
اللھم لا تمتعہ بما طلب۔	اے اللہ! میرے حسینؑ کے قاتل کو اس کی خواہش سے نفع اندوز نہ فرما۔

عبداللہ کہتا ہے قسم بخدا! خدا نے قتل حسینؑ میں شریک ہونے والے ادنیٰ ترین فرد تک ہر ایک کا انجام میری نگاہوں میں ہے۔

یزید تو قتل شبیر کے بعد انتہائی کم عرصہ رہا اور عین عالم شباب میں واصل جہنم ہوا اور ابن زیاد کو تندرست سویا اور صبح کو مردہ پایا گیا۔ اس کا چہرہ اس قدر سیاہ اور مسخ ہو گیا تھا کہ پہلی مرتبہ تو پہچانا بھی نہ گیا۔ دیگر جو افراد انتقام مختار سے بچ گئے تھے وہ یا پاگل ہو گئے تھے۔ یا جذام میں مبتلا ہو گئے تھے اور یا مبروص ہو گئے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ جذام اور برص ان کی نسلوں میں وراثت بن گئی تھی۔ اور ان لوگوں کا ذریعہ تعارف یہی ہوتا تھا کہ یہ شخص فلاں قاتل حسینؑ کا بیٹا یا پوتا ہے۔

۵۔ سرخ رنگ مٹی:

امالی طوسی میں ام المومنین زینب کے غلام ربیعہ سعدی کا بیان ہے کہ مجھے ام المومنین نے بتایا ہے کہ ایک دن نبی کریمؐ میرے حجرہ میں سو رہے تھے۔ اور مجھے فرمایا تھا کہ کسی کو میرے پاس نہ آنے دینا۔

اتنے میں شہزادہ حسینؑ آ گیا۔ میں کافی دیر تک تو اسے بہلاتی رہی۔ پھر میں کسی کام میں مصروف ہوئی اور شہزادہ اندر چلا گیا جونہی مجھے احساس ہوا میں جلدی سے اندر آئی تاکہ حسینؑ کو باہر لاؤں۔ دیکھا تو حسینؑ سینہ نبیؐ پر سو رہا تھا آنحضرتؐ اسے چوم چوم کر رو رہے تھے۔ مجھے فرمایا۔

زینب میں نے تجھے یہ کب کہا تھا کہ میرے ان جگر پاروں سے بھی کوئی آئے تو اسے روک دینا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ آپ تو رو رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں زینب۔ ابھی جبریلؑ مجھے یہ خاک کربلا دے کر گیا ہے۔

میں نے دیکھا تو وہ سرخی مائل مٹی تھی۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ یہ کیسی خاک ہے۔

آپ نے فرمایا۔ زینب یہ میرے اس حسینؑ کی مقتل کی خاک ہے جو مجھے ابھی جبریلؑ دے گیا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ کیا حسینؑ شہید ہوگا۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں زینب شہید تو ہم سب ہوں گے۔ لیکن جس بے دردی سے میرا یہ حسینؑ شہید ہوگا وہ صرف

اسی کا حصہ ہے۔

میں نے عرض کیا قبلہ حسینؑ کو یہودی شہید کریں گے یا عیسائی یا مشرکین مکہ۔

آپ نے فرمایا۔ زینبؑ ظاہراً تو حسینؑ کو شہید کرنے والے مسلمان ہی ہوں گے۔ لیکن باطناً تینوں گروہوں کے وہ افراد ہوں گے جنہوں نے صرف اپنی جان اور مال کے خوف سے کلمہ پڑھا ہوگا۔ اور اسلام صرف ان کی زبانوں تک ہی محدود ہوگا۔

۶۔ خاک کربلا بدست میکائیلؑ :

امالی طوسی میں سالم ابن جعدہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میکائیلؑ نے ذات احدیت سے سرور انبیاءؐ کی زیارت کی اجازت مانگی اجازت ملی میکائیلؑ، آنحضورؐ کے پاس آکر بیٹھا باتوں کے دوران امام حسینؑ تشریف لے آئے۔ آنحضورؐ نے آگے بڑھ کر امام حسینؑ کو گلے لگایا اور اپنی گود میں بٹھا کر گلوئے حسینؑ کے بوسے لینے لگے۔

میکائیلؑ نے عرض کیا قبلہ کیا حسینؑ آپ کو بہت زیادہ عزیز ہے؟

آنحضورؐ نے فرمایا۔ میکائیلؑ اپنی جان کسے عزیز نہیں ہوتی۔

میکائیلؑ نے عرض کی۔ قبلہ میرے پاس مقتل حسینؑ کی کچھ خاک ہے اسے اپنے پاس رکھ لیں جب یہ خون بن جائے تو شہادت حسینؑ کی علامت ہوگی۔

آپ نے وہ خاک میکائیلؑ سے لے کر ام المومنین ام سلمہ کو دے دی اور فرمایا اسے محفوظ رکھنا۔ تجھے شہادت حسینؑ کی اطلاع دے گی۔

۷۔ ندائے قدرت :

کامل الزیارہ میں جابر بن عبداللہ ؓ سے منقول ہے کہ ایک دن سرور انبیاءؐ میرے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حسینؑ آپ کی گود میں تھا آپ بوسے لے رہے تھے کہ ایک دم گریہ فرما کر سجدہ میں گر گئے۔

میں نے عرض کیا۔ بابا جان خیریت تو ہے؟

آنحضرت سجدے کے بعد گریہ کیا۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹی ابھی جب میں حسینؑ کو چوم رہا تھا۔ ندائے قدرت آئی۔

ذات احدیت نے مجھ سے سوال کیا۔

اے محمدؐ! کیا حسینؑ تجھے بہت پیارا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ بارالہا۔ حسینؑ میری اولاد ہے اولاد کسے پیاری نہیں ہوتی۔

خلاق احدیت نے فرمایا

محمدؐ! تجھے تیرا یہ بیٹا مبارک ہو۔ میری تمام برکتیں، رحمتیں، اور دعائیں اس کے لیے ہیں۔ اور میری تمام لعنت
غضب، اور عذاب اس کے قاتلوں کے لیے ہے۔ اسے میں نے اولین و آخرین میں سید الشہداء بنایا ہے۔ یہ جوانان جنت
کا سردار ہے اور اس کا باپ اس سے افضل اور بہتر ہے۔ میری طرف سے اپنے حسینؑ کو بشارت دے دے۔ میں نے اسے علم
ہدایت۔ اور مینار اولیاء بنایا ہے۔ یہ میرے دین کا محافظ اور میری مخلوق کا شاہد و عادل ہے۔ یہ میرے علم کا مخزن اور جمیع اہل سماء و
ارض بشمول جن و ملک تمام کے لیے میری طرف سے حجت ہے۔

۸۔ جناب زہراؑ کو خبر شہادت:

تفسیر فرات میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ ایک دن جناب زہراؑ نے امام حسینؑ کو اٹھایا ہوا تھا۔ نبی اکرمؐ نے جناب سیدہ
سے حسینؑ لے لیا۔ آپ کے گلے کا بوسہ لیا۔ اور فرمایا۔

اللہ تیرے قاتل پر لعنت کرے۔

اللہ تیرے لباس اتارنے والوں پر لعنت کرے۔

تیرے خلاف فوج کشی کرنے والوں کو اللہ عذاب الیم سے دوچار کرے۔ تیرے قاتلوں اور ظالموں کا مقدمہ میں خود
دربار خالق میں پیش کروں گا۔

جناب سیدہ نے عرض کیا۔ بابا جان یہ آپ کیا فرما رہے ہیں!

آپ نے فرمایا۔ بیٹی مجھے وہ وقت یاد آگیا ہے جب نہ میں ہوں گا۔ نہ تو ہوگی۔ نہ علیؑ ہوگا اور نہ حسنؑ ہوگا تیرا حسینؑ
ہوگا۔ اس کے چند ساتھی ہوں گے۔ چند اقربا ہوں گے۔ اور گرد لاکھوں کی تعداد میں فوجیں ہوں گی۔ تیرے حسینؑ اور اس کے
ساتھیوں کو میدان موت کی طرف لے جایا جائے گا۔ یہ اسی طرح مینار ہدایت ہوں گے جس طرح تاریک رات میں درخشندہ
ستارے۔ میں اس وقت بھی چشم نبوت سے ان کی لشکرگاہ۔ ان کے خیام کی ترتیب اور ان کی ایڑیوں کی رگڑ سے اٹھنے والی مٹی
دیکھ رہا ہوں۔

بی بی نے عرض کیا۔ بابا جان۔ یہ جگہ ہے کہاں جس کے متعلق آپ فرما رہے ہیں۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ بیٹی اس مقام کو کربلا کہتے ہیں۔ وہ تو ہے ہی مقام کرب اور بلا۔ میری امت کے بدمعاش ان کے
خلاف خروج کریں گے۔

اگر ان لوگوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی جملہ اہالیان ارض و سماء شفاعت کریں گے تو اللہ قبول نہیں فرمائے گا
وہ لوگ ہمیشہ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

بی بی نے عرض کیا۔ بابا! کیا میرا یہ حسینؑ وہاں شہید ہوگا۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔

ہاں بیٹی تیرا یہ حسینؑ ویسے ہی شہید ہوگا۔ اور اس طرح شہید ہوگا کہ حسینؑ سے پہلے حسینؑ کی طرح کوئی شہید نہ ہوا ہوگا اور نہ کوئی بعد از حسینؑ اس طرح شہید ہوگا۔ شہادت حسینؑ پر ارض و سماوات روئیں گے۔ جن و ملک گریہ کریں گے وحوش و طیور ماتم کریں گے۔ پہاڑ اور سمندر غم زدہ ہوں گے۔

پھر اللہ ہمارے محبوں کا ایک گروہ پیدا کر دیگا کہ ارض پر سے معرفت خدا اور ہمارے حقوق کا تحفظ تمہاری ہی جماعت کرے گی۔ کہ ارض پر اس مخصوص گروہ کے سوا ہمارا ماتم کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ وہ لوگ تاریکی ضلالت میں چراغ ہدایت ہوں گے۔ ان لوگوں کو حق شفاعت ہوگا۔ کل وہی میرے کوثر سے میرے ہاتھوں پانی پی سکیں گے۔ جب میرے پاس آئیں گے تو میں ان کو پیشانی کے نور اور سینہ پر داغ ماتم کی علامت سے پہچان لوں گا۔

بیٹی اس جماعت کا کتنا مقام ہوگا کہ ہر فرد اپنے امام کی تلاش میں ہوگا۔ اور میں محمدؐ ملائکہ کے ساتھ ان کی تلاش میں ہوں گا انہی کی بدولت زمین قائم ہوگی۔ انہی کی بدولت آسمان سے بارش برسے گی۔

یہ سنکر جناب سیدہ نے اناللہ پڑھا اور ہائے بیٹا کر کے رونے لگی۔

آنحضورؐ نے فرمایا۔ بیٹی تیرا حق ہے تو روئے لیکن یہ تو تجھے معلوم ہے کہ اہل جنت میں سے افضل شہداء ہی ہوں گے۔ یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنی جان اور مال راہ خدا میں قربان کی۔ کچھ کو قتل کیا پھر خود راہ خدا میں شہید ہوئے۔

بیٹی آخر اس دار دنیا سے دار آخرت کی طرف منتقل ہونے کی خاطر کوئی صورت تو ضروری ہے۔ یا بستر کی موت۔ یا میدان جنگ کی موت۔

اے دختر نبیؐ!

وہ کتنا عظیم وقت ہوگا جب میدان محشر قائم کرے گی۔ اور تیرے ہر حکم کی اطاعت کی جائے گی

وہ کتنی عظمت کا مقام ہوگا جب تیرا یہ بیٹا حاملین عرش کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہوگا۔

تیرے لیے کتنی عزت کی گھڑی ہوگی جب آدم سے عیسیٰ تک اور میری امت کا ہر فرد تیرے باپ کے پاس شفاعت کی درخواست کریں گے مگر میں اپنے حسینؑ کے قاتلوں پر شفاعت سے انکار کر دوں گا۔

وہ کتنے فخر کا مقام ہوگا جب تیرا شوہر اپنے محبوں کو حوض کوثر سے پانی پلائے گا اور دوسروں کو پرے دھکیل رہا ہوگا۔

وہ کتنے مبارک لمحات ہوں گے جب تیرے شوہر کے حکم سے جہنم تیری ذریت کے دشمنوں کو اپنے شعلوں کی لپیٹ میں لے رہی ہوگی۔

وہ کتنے سعید لمحات ہوں گے جب اللہ تجھ سے فرمائے گا میری زہراؑ اٹھ کر اپنے محبوں اور موالیوں کو لے کر جنت میں

میں چلی جا۔

زہراؑ تو دیکھے گی کہ تیرے شوہر نے اپنا مقدمہ دائر کر رکھا ہو گا۔ اور تیرے، تیرے شوہر اور تیری ذریت کے قاتلوں کو میدان محشر میں ایک صف میں کھڑا کرے گا۔ اور مجرم وغیر مجرم ان پر لعنت کر رہے ہوں گے۔

بیٹی کتنا عظیم ہے تیرا حسینؑ جس کی شہادت پر حور و غلمان اور ملائکہ گریہ کریں گے۔

بیٹی کتنی خوش نصیب ہے تو کہ قیامت میں تیرے اور تیری ذریت کے زائرین اللہ کی ضمان اور امان میں ہوں گے

بیٹی کتنی خوش بخت ہے تو کہ تیری ذریت کے زائرین کو وہی اجر ملے گا جو بیت اللہ کے زائرین کو مل رہا ہوگا۔

بیٹی کتنی سعادت مند ہے تو کہ تیرا اور تیری ذریت کا موالی اپنے بستر پر بھی شہادت کی موت کا درجہ حاصل کرے گا۔

پھر آپ نے جناب سیدہ کی پیشانی اور سر پہ ہاتھ پھیر کر فرمایا: بیٹی۔ میں، تیرا شوہر، تو اور تیری معصوم ذریت سب ہی شہید ہوں گے اور جنت میں ایک دوسرے کے پڑوسی ہوں گے۔

بی بی نے آنسو صاف کر کے عرض کیا۔ الحمد للہ علی کل حال۔

۹۔ میری ذریت اور میری امت!

مجالس میں شیخ صدوق نے ابن عباس سے منقول روایت لکھی ہے کہ ایک دن سرور انبیاء جناب ام المومنین ام سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ شہزادہ حسنؑ آیا آپ شہزادہ کو دیکھ کر رو دیے۔ اپنی طرف بلایا۔ دائیں زانو پر بٹھایا۔ پھر شہزادہ حسینؑ آیا۔ آپ نے اسے بھی بلایا۔ اور بائیں زانو پر بٹھایا۔ پھر جناب سیدہ تشریف لائیں آپ نے انہیں بھی قریب بلایا اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔ آخر میں حضرت علیؑ تشریف لائے انہیں بھی قریب بلا کر جناب زہراؑ کے پہلو میں بٹھایا۔ جناب ام المومنین ام سلمہ فرماتی ہیں کہ اس تمام وقت میں میں دیکھتی رہی آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہتے رہے۔

جناب ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کے عرض کی۔ قبلہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آج آپ غیر معمولی انداز میں جو بھی آتا ہے اسے قریب بلا کر روتے جا رہے ہیں اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟ اسی اثنا میں چند ازواج اور ابوبکر و عمر بھی آگئے۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں بھی اسی وقت پہنچا۔

آنحضرت نے فرمایا۔ مجھے خالق اکبر کی قسم ہے کہ ارض پر اگر کوئی میرا محبوب ہے تو یہی چار ہیں۔

علیؑ: میرا بھائی بھی ہے۔ میرا جانثار بھی ہے۔ میرا یاور بھی ہے۔ میرے بعد صاحب الامر بھی ہے۔ دنیا اور آخرت میں میرا علمبردار بھی ہے میرے حوض کا ناظم بھی ہے۔ میری شفاعت کا مالک بھی ہے۔ ہر مسلمان کا مولی اور ہر مومن کا امام بھی ہے۔ ہر متقی کا قائد بھی۔ میرا وصی و خلیفہ بھی ہے۔ اس کا محب میرا محب اور اس کا دشمن میرا دشمن ہوگا۔ اس کی ولایت کی

رو سے میری امت مرحوم اور اس کی عداوت کی بدولت میری امت محروم ہوگئی۔

جب یہ آیا تو میں اسے دیکھ کر رو دیا۔ مجھے وہ وقت یاد آگیا جب میرے بعد میری امت اس سے دغا کرے گی۔ میری مسند اس سے چھین لی جائے گی۔ حالانکہ اللہ نے میرے بعد اسی کو میرا مسند نشین بنایا ہے۔ پھر اسی مظلومی میں اس وقت کا گزرے گا حتیٰ کہ اس کے سر پہ ضرب لگائی جائے گی۔ جس سے اس کی سفید ریش رنگین ہو جائے گی۔ مہینوں کے اعتبار سے وہ مہینہ دنوں کے لحاظ سے وہ دن اور مقامات کی نسبت سے وہ مقام افضل ہوگا۔ مسجد کا محراب ہوگا۔ انیس تاریخ ہوگی۔ اور ماہ رمضان ہوگا۔

یہ میری بیٹی زہراؑ ہے۔ جو نسائے اولین و آخرین کی سردار ہے۔ —— میرا حصہ ہے —— میری آنکھوں کا نور ہے —— میرے دل کا چین ہے —— میرے پہلوؤں میں دھڑکنے والے دل کی دھڑکن ہے —— انسانی حور ہے —— جب محراب عبادت میں کھڑی ہوتی ہے تو ملائکہ میں اس کا نور اس طرح درخشاں ہوتا ہے جس طرح زمین پر ستارے چمکتے ہیں۔

اس وقت اللہ جل جلالہ ملائکہ سے فرماتا ہے۔ ذرا جھک کر زمین پر دیکھو۔ میری کنیز کس طرح میری بارگاہ میں حاضر ہے اس کے جسم کا ایک ایک عضو میرے خوف سے لرز رہا ہے۔ خلوص دل سے میری بارگاہ میں حاضر ہے۔ میں تمہیں گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ میں نے تمام شیعیان زہراؑ کو آتش جہنم سے نجات دے دی ہے۔

لیکن جب مجھے وہ وقت یاد آجاتا ہے جب میرے بعد اس سے برا سلوک ہوگا۔ میں اب بھی اپنی نگاہ بصیرت سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کی چار دیواری کا حیا کیے بغیر میری امت کے کچھ لوگ اس کے گھر میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس کا حق غصب کر رہے ہیں۔ اسے میری میراث سے محروم کر رہے ہیں۔ اس کے پہلو پر تلوار کی نوک رکھ رہے ہیں۔ اس کے صرف شکم میں جو بچہ دم توڑ رہا ہے۔ وہ مدد کو پکار رہی ہے۔ وا محمداہ! لیکن کوئی فریاد رسی نہیں کر رہا۔

میرے بعد یہ ہر وقت مغموم رہے گی۔ مصیبت زدہ رہے گی۔ روتی رہے گی۔ اسے رونے سے روک دیا جائے گا۔ اس کا بیت الاحزان گرا دیا جائے گا۔ اسے وہ وقت یاد آجائے گا جب اس کے گھر نزول وحی ہوتا تھا۔ کسی وقت اسے میری جدائی یاد آئے گی اور کسی وقت میری امت کے مظالم اسے رلائیں گے۔ رات کی تاریکی میں میری آواز تلاش کرے گی لیکن اسے اپنی آہوں کے سوا کچھ سنائی نہ دے گا۔ اپنے حالات کو دیکھے گی کہ میری زندگی میں اس کا کیا مقام تھا اور میرے بعد کیا ہو گیا۔

ایسے حالات میں اللہ ملائکہ کو بھیجے گا جو اس کے مونس ہوں گے اور ملائکہ اللہ کی طرف سے اسے پیغام دیں گے۔ اے فاطمہ بنت محمدؐ اللہ نے تجھے مصطفیٰ کیا ہے۔ اللہ نے تجھے طاہرہ کیا ہے۔ اللہ نے تجھے مصطفیٰ کر کے نسائے عالمین کی سیدہ بنایا ہے۔

اے فاطمہ اللہ کے سامنے جھک۔ بارگاہ خالق میں سجدہ ریز ہو۔

اس کے پہلو پر نوک تلوار اور بیٹے جیسے درد اور اس کی قربت کا درد رفتہ رفتہ بڑھتا جائے گا حتیٰ کہ وہ صاحب فراش

ہو جائے گی۔

ذاتِ احدیت کی طرف سے مریم بنت عمران اس کی تیمارداری کرائے گی۔ اس وقت یہ دست دعا بلند کرکے عرض کرے گی۔

یا رب انی قد سئمت الحیاۃ و تبرمت باھل الدنیا فالحقنی بابی۔	اے اللہ میں زندگی سے تھک گئی ہوں، اہل دنیا سے اکتا گئی ہوں۔ مجھے میرے بابا کے پاس پہنچا دے۔

اللہ اس کی دعا قبول فرمائے گا اور میرے پاس پہنچا دے گا۔ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی میری یہی بچی ہوگی۔ میرے پاس آئے گی اس کا پہلو زخمی ہوگا۔ دل چھلنی ہوگا۔ جگر کباب ہوگا۔ آنسو بہتے ہوں گے۔ مغصوبہ ہوگی مقہورہ ہوگی۔ شہیدہ ہوگی۔ اسے دیکھ کر میں بارگاہ خالق میں عرض کروں گا۔ بارالہا! میری بیٹی کے ظالموں پر لعنت بھیج۔ اس کے غاصبوں کو عذاب فرما۔ اس کی بے حرمتی چاہنے والوں کو رسوا کر۔ اس کے پہلو زخمی کرنے والوں کو دائمی جہنم دے۔ تمام ملائکہ میری اس دعا پر آمین کہیں گے۔

یہ میرا لال حسن ہے۔ میرا بیٹا ہے ــــــ میری اولاد ہے ــــــ مجھ سے ہے۔ میری آنکھوں کا نور اور میرے دل کا سرور ہے۔ جوانان جنت کا سردار ہے۔ میری امت پر حجت خدا ہے۔ اس کا حکم میرا حکم اور اس کا قول میرا قول ہے۔ اس کا مطیع میرا مطیع ہے۔ اور اس کا نافرمان میرا نافرمان ہے۔ میں جب اسے دیکھتا ہوں تو مجھے وہ وقت یاد آجاتا ہے جو میرے بعد اس پر بیتے گا۔ یہ اس طرح سہے گا حتی کہ اس کا خاموش بیٹھنا بھی میری امت کو گراں ہوگا۔ اسے زہر جفا سے شہید کیا جائے گا۔ اس کی شہادت پر آسمان کے ملائکہ جنت کی حوریں، سمندر کی مچھلیاں اور ہوا میں پرندے گریہ کریں گے۔ اس کے غم میں آنسو بہانے والے کی آنکھ قیامت میں بینا رہے گی۔ اس کی مصیبت پر غم زدہ ہونے والا دل میدان محشر میں غم زدہ نہ ہوگا اس کے زوار کے قدم پل صراط پر نہ ڈگمگائیں گے۔

یہ میرا حسین ہے یہ مجھ سے ہے میں اس سے ہوں۔ میرا بیٹا ہے۔ بھائی کے بعد افضل الخلائق ہے۔ امت مسلمہ کا امام اور مومنین کا مولا ہے۔ میرا خلیفہ اور رب العالمین کی حجت ہے۔ فریاد کنندگان کا فریاد رس ہے۔ پناہ خواہوں کا پناہ دہندہ ہے جوانان جنت کا سردار ہے۔ امت کا باب نجات ہے۔ اس کا حکم میرا حکم اور اس کی اطاعت میری اطاعت اور اس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے۔

جب میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے وہ وقت یاد آجاتا ہے جب اسے مدینہ بدر کیا جائے گا۔ میں چشم نبوت سے دیکھ رہا ہوں۔ میرے حرم میں آیا ہے میرے مزار کو گلے لگا رہا ہے۔ میں مزار سے اٹھ کر اسے گلے لگا رہا ہوں۔ اور اسے کہہ رہا ہوں بیٹے میرے شہر سے ہجرت کر جا۔ میرے لال تیرے لیے اب میرے شہر میں امن نہیں رہا بیٹے تو کربلا چلا جا۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ میدان کربلا میں یہ تنہا ہے۔ پیاسا ہے۔ پانی مانگ رہا ہے لیکن میرے کلمہ گو اسے پانی نہیں دے رہے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ اس کے پیاس سے خشک میری بوسہ گاہ گلے تا زمیں پر شبہ۔ تیر لگا ہے۔ گھوڑے پر سنبھل نہیں پا رہا۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں جھک رہا ہے۔

سواروں سے پاؤں نکال لیے ہیں، زمین پر آرہا ہے۔ نیزوں پر تسبیح خالق پڑھ رہا ہے۔ قاتل کہ رہا ہے۔ اور اس کے پس گردن سے ذبح کر رہا ہے۔

پھر آپ اتنا روئے کہ تمام حجرہ میں گریہ کی آواز پیدا ہو گئی ہوئے تمام ازواج بے ساختہ رونے لگے۔ اس کے بعد آپ نے سجدہ میں عرض کیا۔

اللھم انی اشکو الیک ما یلقی اھلبیتی بعدی۔ اے اللہ جو کچھ میرے اہلبیت سے میرے بعد پیش آئے گا، اس کا شکوہ میں تیری ہی بارگاہ میں کرتا ہوں۔ پھر آپ مسجد میں چلے آئے

۱۰۔ تلواروں تیروں اور نیزوں کے مقامات :

کامل الزیارت میں امام باقرؑ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ کا معمول تھا کہ جب زہراؑ کے گھر تشریف لاتے۔ امام حسینؑ کو اٹھانے پر حضرت علیؑ سے فرماتے

یا علیؑ! تو حسین کو اٹھا تا کہ میں اسے چوم لوں۔

حضرت علیؑ امام حسینؑ کو اٹھاتے۔ اور آنحضورؐ پاؤں سے لے کر سر تک اسے چومتے اور روتے بھی۔

امام حسینؑ عرض کرتے۔ قبلہ آپ روتے کیوں ہیں؟

آنحضورؐ جواب میں فرماتے تھے۔ بیٹے میں تیرے جسم کے ان مقامات کو چومتا ہوں۔ جہاں تلواریں پڑیں گی۔ اور نیزے لگیں گے۔ تیر برسیں گے پتھر آئیں گے اور گھوڑوں کے سم پڑیں گے۔

امام حسینؑ عرض کرتے۔ نانا جان، کیا میں شہید ہوں گا

آنحضورؐ فرماتے۔ ہاں بیٹا۔ تو شہید ہوگا۔ میں شہید ہوں گا۔ تیری ماں شہید ہوگی۔ تیرا باپ شہید ہوگا اور تیرا بھائی شہید ہوگا۔

امام حسینؑ عرض کرتے نانا جان! ہمارے مزار کیا اکٹھے ہوں گے؟

آپ فرماتے نہیں بیٹا۔ کوئی کہیں ہوگا اور کوئی کہیں ہوگا۔

امام حسینؑ عرض کرتے۔

نانا جان! ہمارے مزاروں کی زیارت کرنے کوئی آئے گا۔

آپ فرماتے بیٹا میرے مزار کی زیارت کو تو بہت آئیں گے۔ البتہ تمہاری زیارت کو میری امت کے صرف صدیق ہی آئیں گے۔

۱۱۔ ہند مادرِ معاویہ کا خواب :

بحار میں ابن عباس سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایک دن ہند ام المومنین عائشہ کے گھر آئی اور ام المومنین سے کہا۔ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ آنحضورؐ سے اس کی تعبیر پوچھنا چاہتی ہوں۔

ام المومنین نے کہا۔ پوچھئے۔

ہند نے آگے بڑھ کر عرض کی۔ قبلہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر پوچھنا چاہتی ہوں۔

آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا۔

پوچھ کیا پوچھتی ہے۔

ہند نے کہا۔ قبلہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آسمان پر سورج چمک رہا ہے۔ اس سورج سے دو چاند نکلے ہیں۔ پھر ایک گہرا سیاہ بادل نمودار ہوا جس سے سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔ اور ہر طرف تاریکی چھا گئی۔ پھر اس بادل نے ایک چاند کو بالکل ختم کر دیا۔

پھر اس بادل سے ایک سفید و سیاہ انتہائی خوفناک اژدہا نکلا اس نے دوسرے کو نگل لیا۔ پھر چھوٹے چھوٹے سانپ ہر طرف زمین پر رینگنے لگے۔ اور تمام زمین سانپوں سے ڈھک گئی۔

آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا۔ ہند چلی جا یہاں سے۔ تو نے میرے غم تازہ کر دیئے ہیں۔ تو نے میرے زندوں کی خبر موت مجھے سنا دی ہے۔ اٹھ جا۔

جب ہند چلی گئی تو ام المومنین عائشہ نے عرض کیا۔ قبلہ کیا بات ہوئی۔ آپ نے کبھی اتنا غصہ نہیں کیا۔ اور غصہ میں روئے بھی نہیں آپ نے ہند پر غصہ بھی کیا ہے اور اب بے تحاشا رو رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا عائشہ! ہند نے جو خواب دیکھا ہے اس کا تعلق میرے اہل بیت سے ہے۔ اور بعید نہیں کہ وہ پہلے اس کی تعبیر کسی کاہن سے پوچھ کر آئی ہو اور مجھ سے صرف مجھے دکھ پہنچانے کی خاطر پوچھ رہی ہو۔

ام المومنین عائشہ نے عرض کی۔ قبلہ اب ہند تو چلی گئی ہے۔ ہمیں اس خواب کی تعبیر سنا دیں۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں تجھے بھی ضرور سنانا چاہیے۔ ہند نے جو سورج دیکھا ہے۔ یہ علیؑ ہے۔ سورج سے نکلنے والے دونوں چاند میرے حسنینؑ ہیں۔ سیاہ بادل ہند کا بیٹا معاویہ ہے۔ جو علیؑ کے حسنؑ کا قاتل ہو گا۔ بادل سے نکلنے والا سفید و سیاہ اژدہا معاویہ کا بیٹا یزید ہے۔ جو میرے حسینؑ کا قاتل ہو گا۔ اور زمین پر رینگنے والے چھوٹے چھوٹے سانپ بنی امیہ کے افراد ہیں جو اسلامی مملکت پر چھا جائیں گے۔

۱۲۔ مقام زائر :

منتخب میں مروی ہے کہ ایک دن سرور انبیاء جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف فرما تھے آپ کے گرد جناب سیدہ حضرت علیؑ اور جناب حسنینؑ بھی تشریف فرما تھے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا اے میرے اہل بیت وہ کیسا وقت ہوگا جب تم ایک ایک کر کے شہید کر دیے جاؤ گے اور تمہارے مزارات ایک دوسرے سے دور دور ہوں گے۔

امام حسینؑ نے عرض کیا قبلہ کیا ہم شہید ہوں گے!

آنحضورؐ نے فرمایا بیٹے شہید تو میں بھی ہوں گا، تیری ماں بھی ہوگی، تیرا بابا اور بھائی بھی شہید ہوں گے لیکن سب سے زیادہ مظلوم تو شہید ہوگا۔

تمہاری قبریں کرۂ ارض کے مشرق و مغرب میں بکھیر دیا جائے گا۔

امام حسینؑ نے عرض کیا۔ نانا جان! ہمیں کون شہید کرے گا۔ کیا ہمارے قاتل یہودی ہوں گے یا نصرانی یا مشرک!

آنحضورؐ نے فرمایا۔ بیٹے تمہارے قاتل ظاہراً تو میری امت کے افراد ہوں گے لیکن باطناً یہودی بھی ہوں گے یا نصرانی بھی ہوں گے اور مشرک بھی ہوں گے۔

امام حسینؑ نے عرض کیا۔ نانا جان! ہماری شہادت کے بعد کوئی ہمارے مزارات کی زیارت کو بھی آئے گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ہاں بیٹے میری امت کا ایک گروہ تمہاری زیارت کو بھی آئے گا۔ تمہارے مصائب پر روئے گا بھی۔ نوحہ خوانی اور سینہ زنی بھی کریں گے ان سب کا مقصد میری تعزیت ہوگی۔ بیٹے قیامت کے دن جب ہر مقتدی اپنے امام کو تلاش کرتا پھر رہا ہوگا۔ میں خود تمہارے سوگواروں، ماتم کرنے والوں، مصائب خوانوں اور زائروں کو تلاش کر کے انہیں ہولِ قیامت سے نجات دلا کر داخل جنت کروں گا۔

۱۳۔ عمر سعد قاتل ہوگا :

منتخب میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ ایک دن ہم مسجد نبوی میں آنحضرتؐ کے پاس بیٹھے تھے کہ قریش میں سے چند افراد داخل مسجد ہوئے۔ ان میں عمر سعد بھی تھا آپ نے جونہی عمر سعد کو دیکھا تو آپ نے منہ پھیر لیا اور بے ساختہ رونے لگے ہم نے عرض کیا قبلہ خیریت تو ہے۔ ابھی تو آپ خوش و خرم بیٹھے تھے اور اب ان لوگوں کے آنے سے آپ آبدیدہ ہو گئے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ نے مجھے اور میرے اہل بیت کو اپنی تمام مخلوق سے مصطفیٰ فرمایا ہے۔ ان قریشیوں کو دیکھ کر مجھے

وہ وقت آگیا۔ جب میرے اہل بیت سے میرے بعد برا سلوک ہوگا۔ انہیں شہید کیا جائے گا۔ در بدر کیا جائے گا۔ سب و شتم کیا جائے گا اور میرے اہلبیت سے اسلام میں پہلا سر میرے اس حسینؑ کا ہوگا جو کہ نیزہ پر بلند کیا جائے گا۔

امام حسینؑ نے عرض کیا۔ نانا جان! بھلا آپ کی امت میں سے بھی مجھے کوئی قتل کرے گا؟

آپ نے فرمایا۔ ہاں بیٹے میری امت کے لشکر متحد ہو کر تجھے قتل کریں گے جن کا عمر سعد ان کا قائد ہوگا۔

اس کے بعد اصحاب رسول جب بھی عمر سعد کو دیکھتے تو کہتے کہ وہ دیکھو قاتل شبیر آرہا ہے۔

۱۴۔ ایک زیارت نو حج؛

کامل الزیارات میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریمؐ ام المومنین عائشہ کے حجرہ میں تشریف فرما تھے کہ امام حسینؑ آگئے۔ اور آنحضرتؐ کے سینہ پر لیٹ گئے۔ آنحضرتؐ امام حسینؑ سے لپٹ کر پیار کرنے لگے۔

ام المومنین نے کہا۔ یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں۔ آپ اس بچے سے بہت زیادہ پیار کرتے ہیں

آپ نے فرمایا۔ ہاں عائشہ، یہ حسینؑ مجھ سے ہے میں حسینؑ سے ہوں۔ یہ میرے دل کا ٹکڑا ہے۔ میری آنکھوں کا نور ہے۔ میرے دین کا محافظ ہے۔ میرے بعد میری امت اسے شہید کرے گی۔ جو اس کے مزار کی زیارت کرے گا اسے ایک حج کا ثواب ملے گا۔

ام المومنین نے کہا۔ قبر حسینؑ کی زیارت کا ثواب ایک حج کے برابر؟

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ دو حجوں کے برابر ہوگا

ام المومنین نے حیرت سے کہا۔ دو حجوں کا ثواب؟

آپ نے فرمایا۔ چار حجوں کا ثواب ملے گا۔

ام المومنین کی حیرت میں اضافہ ہوگیا اور کہا۔ چار حجوں کا ثواب؟

آپ نے فرمایا۔ آٹھ حجوں کا ثواب ملے گا۔

ام المومنین نے پھر حیران ہو کر عرض کیا۔ قبر حسینؑ کی زیارت کا ثواب آٹھ حجوں کے برابر؟

آپ نے فرمایا۔ سولہ حجوں کا ثواب ملے گا۔

ام المومنین کی حیرت میں اضافہ ہوا اور کہا حد ہے قبر حسینؑ کی زیارت کا ثواب سولہ حجوں کے برابر؟

آپ نے فرمایا۔ پینتالیس حجوں کا ثواب ملے گا

ام المومنین کی حیرانی اور بڑھ گئی اور کہا یا رسول اللہ کمال ہے قبر حسینؑ کی زیارت کا ثواب پینتالیس حجوں کے برابر۔

آپ نے فرمایا۔ عائشہ میرے حسینؑ کے مزار کی زیارت کا ثواب نوے حج کے برابر ہوگا۔

۱۵۔ قاتلانِ ذریتِ رسول:

کامل الزیارات میں جابر نے محمد ابن حنفیہ سے محمد نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ ایک دن نبی اکرمؐ ہمارے گھر تشریف فرما تھے۔

آپ نے فرمایا۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میری طرح زندگی اور میری طرح موت حاصل کرے اور میرے ساتھ جنت عدن میں رہنا چاہے تو علیؑ کا موالی بنے۔ اللہ نے جن فضائل سے علیؑ کو نوازا ہے ان کا خلوص دل سے اعتراف کرے۔ علیؑ کے بعد میرے اولیاء کی معرفت حاصل کرے۔ میرے دشمنوں سے تبرا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میرا فہم، میرا علم۔ اور میرا ادراک ہی عنایت فرمایا ہے۔

یہ میری عترت ہیں۔ میرا خون ہیں۔

اے اللہ! میں ان کے دشمن کا شکوہ تیری بارگاہ میں کرتا ہوں۔ ان کے فضائل کا انکار کرنے والوں کا شکوہ تجھ سے کرتا ہوں۔ میری قطع رحمی کرنے والوں کی شکایت تجھ سے کرتا ہوں۔

بخدا! میرے اہلبیت شہید ہوں گے۔ اور قیامت کے دن ان کے قاتل میری شفاعت سے محروم ہوں گے۔

حضرت علیؑ
اور
شہادت امام حسینؑ کی پیش گوئی

۱۔ یزید اصبحی:

کامل الزیارات۔ ارشاد اور احتجاج طبرسی میں اصبغ ابن نباتہ سے مروی ہے کہ ایک دن منبر کوفہ پر حضرت علیؑ نے دوران خطبہ فرمایا۔ میرے دنیا چھوڑ جانے سے قبل جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ میں تمہیں تا قیامت جنم لینے والے اسلامی ملک اور غیر اسلامی سیاسی اور مذہبی جماعتوں، ان کے لیڈروں۔ اور ہر فرقہ و جماعت کے افراد کی تعداد تک بتا سکتا ہوں۔ یزید اصبحی کھڑا ہوا اور کہا۔ یا علیؑ! میری داڑھی میں کتنے بال ہیں؟

حضرت علیؑ نے فرمایا۔

مجھے میرے آقاؐ نے صادق اطلاع دے چکے تھے کہ تو آج کے دن اس مسجد میں مجھ سے یہی سوال کرے گا۔ انہوں نے مجھے تیرا جواب بھی بتا دیا تھا۔

تیرے سر کے ایک ایک بال پر ایک ایک ملک ہے جو تجھ پر لعنت کرتا ہے اور تیری داڑھی کے ایک ایک بال پر ایک ایک شیطان ہے جو تجھے گمراہی کی ترغیب دیتا ہے۔ تو نے کبھی یہ علم قبول کیا ہے اور نہ آئندہ کرے گا۔ جو سوال تو نے کیا ہے اس کا جواب آسان ہے لیکن اس کی وجہ اور تیرے لیے اس کی تصدیق مشکل ہے۔ البتہ تجھے ایسی بات بتاتا ہوں جس کی تصدیق ذرا دیر بعد ہو گی۔ لیکن تب تجھے یقین ہو جائے گا کہ میں نے غلط نہیں کہا۔

تیرے پہلو میں بیٹھا ہوا یہ کم سن بچہ میرے اس حسینؑ کا قاتل ہو گا۔

یہی بچہ وہ خولی ہے جس نے امام حسینؑ کے سینہ میں نیزہ مارا تھا۔ جو آپ کی پشت کی طرف سے نکل گیا تھا جس کے بعد آپ زین میں سنبھل نہ سکے تھے۔

۲۔ سعد ابن ابی وقاص!

شیخ صدوق نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ سعد ابن وقاص نے حضرت علیؑ سے عرض کیا۔ میرے سر اور داڑھی میں کتنے بال ہیں۔

آپ نے جواب دیا۔ اے ابن وقاص تو نے ایسا سوال پوچھا ہے۔ جس کی تصدیق تیرے لیے بھی اور حاضرین کے لیے بھی مشکل ہو گی۔ البتہ تجھے ایک ایسی اطلاع دیئے دیتا ہوں۔ جس کی تصدیق تو بھی کرے گا اور ان حاضرین کی اکثریت بھی میرے علم کی تصدیق کرے گی۔ اور وہ اطلاع یہ ہے کہ تیرا یہ بیٹا جو اس وقت تیری گود میں کھیل رہا ہے۔ میرے اس حسینؑ کا قاتل ہو گا۔

ویسے تجھے یہ بتا دوں کہ تیرے سر اور داڑھی کے ہر بال میں ایک شیطان رہتا ہے۔ جو تجھے ہر وقت وادیٔ گمراہی پر لگا سکتا ہے۔

۳۔ عمر ابن سعد!

منتخب میں مروی ہے کہ ایک دن عمر سعد حضرت علیؑ کے پاس آیا۔

آپ نے فرمایا۔ اے ابن سعد وہ کیا وقت ہو گا جب تجھے جنت اور جہنم میں سے کسی ایک کے انتخاب کا حق ملے گا اور تو جہنم کو ترجیح دے گا

عمر سعد نے عرض کیا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا - پھر میری بات بھی اور اپنی بات بھی یاد رکھنا -

۴۔ امام حسینؑ کا کوفیوں کو پانی پلانا :

بحار میں جید اشعبان قیس سے مروی ہے کہ میں جنگ صفین میں شامی فوج کے خلاف حضرت علیؑ کی فوج میں تھا۔ معاویہ کے حکم سے شامی فوج نے فرات پر قبضہ کر کے پانی بند کر دیا۔ حضرت علیؑ نے کافی کوشش کی لیکن معاویہ نہ مانا۔ ابو ایوب سلمی کی کمان میں معاویائی فوج تھی۔ حضرت علیؑ نے کئی سالار بھیجے لیکن سب ناکام واپس آئے۔

امام حسینؑ نے ازخود جانے کی پیش کش کی۔

حضرت علیؑ نے اجازت دے دی۔

امام حسینؑ ایک دستہ فوج لے کر گئے۔ ابو ایوب کو شکست دی اور پانی لے کر واپس آ گئے۔

جب حضرت علیؑ کو اطلاع ملی تو آپ رو دیئے۔ آپ سے وجہ پوچھی گئی۔ تو آپ نے فرمایا۔

کتنا عجیب اتفاق ہے کہ آج حسینؑ نے زندگی کی پہلی جنگ لڑی ہے۔ وہ بھی پانی لینے کی خاطر۔ اور پانی بھی اہل کوفہ کو پلایا ہے۔

اے اہل کوفہ! آج حسینؑ کا پانی پلانا یاد رکھنا۔

۵۔ حضرت علیؑ میدان کربلا میں :

مجالس میں شیخ صدوق نے ہرثمہ بن ابو سلم سے روایت کی ہے کہ جنگ صفین سے واپسی کے بعد جب ہم کربلا سے گزرے تو آپ نے وہیں قیام کیا۔ نماز صبح کا وقت تھا۔ آپ نے نماز صبح سرزمین کربلا ہی میں پڑھی۔ پھر خاک کربلا کو اٹھا کر سونگھا اور فرمایا۔ اے سرزمین کربلا! تو کتنی خوش نصیب ہے کہ تیرے دامن میں ایسے لوگ دفن ہوں گے جو بلا حساب جنت میں جائیں گے۔

میں جب گھر آیا۔ تو اپنی بیوی جو حضرت علیؑ کی خلیفہ اول اور دوم پر سول کی تھی اسے بتایا کہ۔

تیرا امام کربلا میں یہ بات کہہ رہا تھا۔ بھلا یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی کسی جگہ دفن ہونے کی وجہ سے بلا حساب، داخل جنت ہو۔

اس نے کہا۔ خدا معلوم! تجھے کیوں علیؑ سے بیر ہے۔ رہتا بھی انہی کے ساتھ ہے اور ان کی ہر بات میں شک بھی کرتا ہے؟

میں نے کہا۔ میں تو صرف اس لیے ہوں کہ ممکن ہے کبھی کسی جگہ کی حکومت مل جائے۔ مجھے علیؑ سے بیر نہیں ہے البتہ جو کچھ وہ کہتا ہے۔

اس کی باتوں پہ اعتبار نہیں آتا۔

میری بیوی نے کہا۔ بھلا انصاف سے بتا علیؑ جو کچھ کہتا ہے اس نے کبھی یہ بھی کہا ہے کہ میں اپنی طرف سے کہتا ہوں۔

میں نے کہا۔ اس نے یہ تو کبھی نہیں کہا۔ جو بھی کہتا ہے یہی کہتا ہے کہ مجھے میرے حبیب اور آقا نے یہ بات بتائی تھی۔

میری بیوی نے کہا۔ اچھا یہ بتا جو کچھ آج تک میرے مولا نے کہا ہے مثال کے طور پہ تجھے کوئی ایک بات ایسی یاد ہے جو غلط ثابت ہوئی ہو۔

میں نے کہا۔ میرے پاس ایسی مثال بھی نہیں ہے۔

میری بیوی نے کہا۔ انصاف سے بتا۔ یہ بیر نہیں تو کیا ہے۔ جو کچھ علیؑ کہتا ہے۔ اپنی طرف سے بھی نہیں کہتا۔ نبی اکرمؐ کے حوالے سے کہتا ہے اور آج تک تو ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکا جو حضرت علیؑ نے بتائی ہو اور غلط ثابت ہوئی ہو، پھر حضرت علیؑ کی ہر بات کو شک کی نگاہ سے بھی دیکھتا ہے۔

میں نے کہا۔ بھلا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی جنت میں بلا حساب چلا جائے۔

میری بیوی نے کہا۔ اگر حضرت علیؑ نے فرمایا ہے تو یقیناً ایسا ہو گا۔ مجھے یقین ہے تو میرے آقا کے اس فرمان کی صداقت دیکھ کر ہی رہے گا۔ اور میں یہ بھی یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ تو ان خوش نصیبوں سے بھی نہیں ہو گا جو بلا حساب داخل جنت ہوں گے۔

میں نے بیوی کی بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا۔

جب امام حسینؑ کربلا میں آئے اور ابن زیاد نے کوفے سے آپ کے مقابلہ میں فوجیں بھیجنا شروع کیں۔ تو میں بھی ان میں شامل تھا۔ جب میں اس مقام پر آیا۔ جہاں حضرت علیؑ نے وہ جملہ فرمایا تھا۔ تو عرصہ بعد مجھے وہ بات بھی یاد آگئی ہے۔

میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور سیدھا امام حسینؑ کے پاس گیا۔

انہیں جا کر وہ واقعہ سنایا۔

امام حسینؑ نے پوچھا یہ تو اچھا ہوا کہ تجھے یہ بات یاد ہے۔ اب یہ بتا ہمارے حق میں ہے یا مخالفت میں؟

میں نے عرض کیا۔ اگر یہ بات یاد نہ آتی تو یقیناً آپ کے مخالف ہوتا۔ اب مخالفت میں لڑوں گا نہیں۔ اور آپ کا ساتھ بھی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ میرے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں اور مجھے ابن زیاد سے خطرہ ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ ہر شخص کے تو میرے بھی چھوٹے ہی ہیں۔ اور میرے ساتھ دوسروں کے بھی چھوٹے بچے ہیں۔ لیکن تیری بیوی تجھے بہتر ہی جانتی ہے۔

میں نے عرض کیا۔ بخدا میری بیوی بھلا مجھ سے بہتر جانتی ہے۔

آپ نے فرمایا۔
تجھے یاد نہیں جب تو نے بابا کی یہی بات جو مجھے اب بتائی ہے اپنی بیوی کو واپس جاتے ہی بتائی تھی۔ اور کافی تکرار کے بعد تجھے بیوی نے کہا تھا کہ مجھے یقین ہے تو ان خوش نصیب افراد سے نہیں ہوگا جو بلا حساب داخل ہوں گے۔ واقعی تیرے نصیب ایسے ہی ہیں جیسا کہ اس نے کہا تھا۔ ہاں یہ یاد رکھنا اگر میرا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ تو کربلا میں نہ رہ۔ یوم عاشور اگر تو نے میرا استغاثہ سن لیا۔ اور میرا ساتھ نہ دیا تو پھر میرے نانا کے سامنے کوئی بھی عذر نہ کر سکے گا۔

۶۔ زعفرانی ہرنیاں:

مجالس میں شیخ صدوق نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ صفین پر جاتے ہوئے جب کربلا سے گزرے تو حضرت علیؑ نے فرمایا۔
اے ابن عباس بھلا پہچانتا ہے کہ یہ کیسی زمین ہے۔
میں نے عرض کیا۔ تبھی میں نہیں جانتا۔
آپ نے فرمایا۔ ہاں سچ ہے۔ اگر تو بھی میری طرح جانتا ہوتا تو میری طرح بلا گریہ کیے یہاں سے نہ گزرتا۔ آپ نے فرمایا۔ ابن عباس ذرا یہاں ٹھہر جا۔
ہم ٹھہر گئے۔ آپ نے وضو کیا۔ دو رکعت نماز پڑھی۔ وہیں جا نماز پر دراز ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد پریشان ہو کر اٹھے اور مجھے پکارا۔
میں نے عرض کیا۔ تبھی میں یہاں ہوں۔ اتنے میں آپ کے پاس آ گیا۔
آپ نے فرمایا۔ ابن عباس! ابھی! ابھی جو خواب میں نے دیکھا ہے تجھے سناؤں؟
میں نے عرض کیا۔ اے امیرالمومنین! اللہ آپ کو خیر ہی دکھائے فرمائیے۔
آپ نے فرمایا۔ ابن عباس! میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ سرزمین کربلا خون کا سمندر بنی ہوئی ہے اور میرا حسینؑ اس میں تیر تیر کر استغاثہ بلند کر رہا ہے لیکن اسے کوئی جواب نہیں دیتا۔ آسمان سے کچھ آوازیں آئیں۔
اے فرزند رسول صبر کر کہ ارض کے شریر لوگوں کے ہاتھوں تجھے شہادت نصیب ہو رہی ہے۔ جنت آپ کی مشتاق ہے۔
پھر میرے نام آوازیں آئیں اے بابا نے شبیر اللہ آپ کے اجر میں اضافہ فرمائے۔ صبر فرمایئے۔
ابن عباس اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔
پھر آپ اس قدر روئے کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی کافی دیر تک آپ عالم غشی میں رہے غشی سے افاقہ ہونے کے

پھر آپ نے فرمایا۔

ابن عباس! فرمایا! قریب قریب کی جگہ پر تلاش کر۔ تجھے ہرنیوں کی زرد رنگ مینگنیاں ملیں گی۔ وہ میرا بھائی عیسیٰ میرے دیکھنے کی خاطر رکھ گیا تھا۔ انہوں نے دعا کی تھی کہ یا اللہ! انہیں میری نشانی کے طور پر باقی رکھنا تاکہ اس سرزمین پر شہید ہونے والے مظلوم کا باپ ان مینگنیوں کو دیکھے اور میرا یہ سلام اس تک پہنچ جائے۔

میں اٹھا اور ادھر ادھر گھوما۔ کچھ دیر بعد میں نے ایک جگہ چند کنکریاں دیکھیں جو زعفرانی رنگ کی تھیں اور اکٹھی رکھی تھیں جب میں نے انہیں اٹھایا تو پتہ چلا یہ کنکریاں نہیں مینگنیاں ہیں۔

میں نے عرض کی۔ یا علیؑ مینگنیاں مل گئی ہیں حضرت علیؑ اٹھ کر خود وہاں تشریف لائے اور میرے ہاتھ پر مینگنیاں دیکھ کر فرمانے لگے۔ بخدا یہی وہ ہیں۔

پھر آپ نے وہ مجھے دیں اور فرمایا۔

انہیں حفاظت سے اپنے پاس رکھو۔ جس دن ان مینگنیوں سے خون ٹپکنے لگے سمجھ لینا میرا حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔

پھر تین مرتبہ فرمایا۔ مالی ولیزید مالی ولآل ابی سفیان مالی ولآل حزب الشیطان۔

یزید کو مجھ سے کیا لینا ہے۔ آل ابو سفیان نے مجھ سے کیا لینا چاہتی ہے۔ آل گروہ شیطان مجھ سے کیا لینا چاہتے ہیں۔

صبراً صبراً یا ابا عبد اللہ فقد لقی ابوک منہم مثل ما تلقی۔ اے ابو عبد اللہ صبر کر۔ تیرے باپ نے بھی ان لوگوں سے وہ تکالیف اٹھائی ہیں جو تو دیکھ رہا ہے۔

میں نے ان مینگنیوں کو اپنے پاس رکھا۔ اکسٹھ ہجری کے محرم کی یوم عاشور میں نے دیکھا تو ان مینگنیوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ فرزند رسولؐ شہید ہو گیا ہے۔

۷۔ یقیناً ایسا ہو گا!

کامل الزیارات میں جابر ابن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ نے امام حسینؑ سے فرمایا۔

بیٹے! جو کچھ ہونے والا ہے اس کے لیے اپنے ذہن کو آمادہ کر لے۔ بنی امیہ کے لشکر میدان کربلا میں تیرا خون بہائے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ لیکن وہ تجھ سے تیرا دین لے سکیں گے اور نہ تیرا ذکر مٹا سکیں گے۔

۸۔ براء ابن عازب!

ارشاد میں اسماعیل ابن زیاد سے مروی ہے کہ ایک دن مسجد کوفہ میں حضرت علیؑ نے براء ابن عازب سے فرمایا اے براء

تو نے حسینؑ کو ہر نعمت پر مسلط دیکھا ہے۔

براء نے عرض کیا۔ یا علیؑ دیکھا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تو نے آنحضورؐ سے سنا ہے الحسین منی و انا من الحسینؑ؟

براء نے عرض کی سنا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تو نے نبی اکرمؐ سے یہ سنا ہے۔ الحسن والحسینؑ سیدا شباب اہل الجنۃ؟

براء نے عرض کیا سنا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تو نے نبی عالمین سے یہ روایت سنی ہے۔ کہ حسینؑ سے جنگ مجھ سے جنگ ہے اور حسینؑ کی نصرت میری نصرت ہے۔

براء نے عرض کیا سنا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تو نے حضرت ختمی مرتبتؐ سے یہ سنا ہے اے اللہ! محب حسینؑ کو اپنا محبوب اور دشمن حسینؑ کو اپنا مبغوض بنا؟

براء نے عرض کیا سنا ہے۔

آپ نے فرمایا براء اس سب کچھ کے باوجود تجھے ایک بات بتاؤں؟

براء نے عرض کیا۔ قبلہ ضرور بتائیں۔

آپ نے فرمایا براء! فرزند رسولؐ میرا پارہ جگر۔ اور لخت دل زہراؑ یہ حسینؑ تیری زندگی میں شہید ہوگا تو مدد کے قابل ہوگا لیکن اس کی مدد نہ کرے گا۔

براء نے عرض کیا۔ یا علیؑ بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔

آپ نے فرمایا۔ یاد رکھنا۔

براء کہتا ہے کہ جب فرزند نبیؐ کربلا میں گیا۔ میں اس وقت شام میں تھا۔ لیکن اموی نوازشات کے جال میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ میرے لیے نکلنا ناممکن تھا۔ میری ساری زندگی کی حسرت اور ندامت کے لیے یہی کافی ہے کہ میں حسینؑ کی نصرت نہ کر سکا۔

امام حسنؑ اور شہادت امام حسینؑ کی پیش گوئی

۱۔ آسمان سے خون برسے گا:

مجالس میں شیخ صدوق نے امام حسینؑ سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں امام حسنؑ کے پاس گیا وہ تنہا بیٹھے تھے۔ مجھے ان کا مسموم ہونا یاد آگیا اور میں بے ساختہ رو دیا۔

انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ کیوں ابو عبداللہ کیا بات ہے۔

میں نے کہا مجھے آپ کا مسموم ہونا یاد آگیا ہے۔ جس کی وجہ سے بے ساختہ رو دیا۔

انہوں نے ٹھنڈا سرد بھر کے فرمایا۔ حسین میرا زہر سے مجھے یاد رکھا ہے کیا تجھے میدان کربلا میں اپنی تنہائی یاد نہیں آتی جب تو تنہا ہوگا۔ تیرے گرد لاکھوں کی تعداد میں دشمن کی فوج ہوگی۔ جو بظاہر ہمارے نانا کے کلمہ گو ہوں گے۔ دین اسلام کے مدعی ہوں گے لیکن تیرے قتل پر کمر بستہ ہوں گے۔ تیرے اہل بیت کو پابند رسن کریں گے۔ تیرے خیام لوٹ کر جلا دیں گے۔ اس وقت اللہ کی طرف سے بنی امیہ پر لعنت برسے گی۔ آسمان سے خون برسے گا۔ صحراؤں میں درندے۔ ہواؤں میں پرندے اور سمندر میں مچھلیاں تیری شہادت پر آنسو بہائیں گی۔

۲۔ امام حسینؑ کی اپنی پیشگوئی:

کامل الزیارات میں امام باقرؑ سے مروی ہے کہ جب امام حسینؑ احرام کو توڑ کے مکہ سے تشریف لے جانے لگے تو عبداللہ ابن زبیر نے عرض کیا۔

فرزند رسول ایام حج آرہے ہیں اور آپ یہاں سے جا رہے ہیں۔

آپ نے جواب دیا۔ اے فرزند زبیر مجھے کربلا میں شہید ہونا اس بات سے بہتر ہے کہ میری وجہ سے حرم اللہ کا تقدس پامال ہو اور میرا خون بیت اللہ میں بہا دیا جائے۔

۳۔ بنی امیہ میرے قتل کیے بغیر چین سے نہ بیٹھیں گے:

کامل الزیارات میں امام سجادؑ سے مروی ہے کہ جب امام حسینؑ سے مکہ چھوڑنے کا اصرار کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس حقیقت سے واقف ہوں کہ بنی امیہ مجھے قتل کیے بغیر بے آرام رہیں گے۔ لیکن بخدا میرے قتل کے بعد کبھی یہ آپس میں مل کر نہ بیٹھ سکیں گے

خواتین بیت المال کے لیے ایک پھوٹی کوڑی ہاتھ آئے گی۔ اہل بیت محمدؐ میں سے میں پہلا مقتول ہوں گا اور میرے اہل بیت ہوں گے جنہیں قتل کر کے یہ لوگ عید مناتے رہیں گے میرے قتل کے بعد جب مجھے نہ پا سکیں گے تو میری ذریت کو مٹانے کی کوشش کریں گے اور ان کی یہ کوشش قیامت تک جاری رہے گی۔

۴۔ سفید داغ والا کتا :

کامل زیارات میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ دوران سفر جب آپ عقبۃ البطن پر چڑھنے لگے تو اپنے صحابہ سے فرمایا میں اپنی شہادت کی اطلاع تمہیں دے رہا ہوں۔

صحابہ نے عرض کیا۔ قبلہ خیریت تو ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میری آنکھ لگ گئی تھی اور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے ہر طرف کتے ہیں جو مجھ پر حملہ کر رہے ہیں اور ان سب میں سے آگے آگے ایسا کتا ہے جس کے سینہ پر سفید داغ ہے۔

۵۔ تمہاری شہادت کا اعلان ہو گیا ہے :

کامل الزیارات میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ امام حسینؑ نے یوم عاشور جب نماز پڑھائی تو اپنے بچ جانے والے ساتھیوں سے فرمایا۔ اللہ تم پر رحم کرے۔ تمہاری شہادت کا اعلان ہو چکا ہے حوصلہ سے کام لو آگے بڑھو میں بھی تمہارے نقش قدم پر آرہا ہوں۔

۶۔ حرم کا کبوتر :

کامل الزیارات میں ابوسعید سے مروی ہے کہ جب امام حسینؑ احرام حج توڑ کے مکہ چھوڑنے لگے تو عبداللہ ابن زبیر آپ کے پاس آیا اور کافی دیر تک تنہائی میں گفتگو ہوتی رہی۔ جب ابن زبیر واپس ہوا تو امام حسینؑ نے اپنے ہی ساتھیوں سے فرمایا۔

یہ چاہتا ہے کہ میں بھی حرم کا ایک کبوتر بن جاؤں۔ لیکن اسے نہیں معلوم کہ مجھے حرم میں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ میں صحرائے کربلا میں شہید ہونا پسند کروں گا لیکن بیت اللہ کے تقدس کو پامال نہیں کروں گا۔

۱۔ ابوذر اور شہادت امام حسینؑ :

کامل الزیارات میں عروہ ابن زبیر سے مروی ہے کہ جب جناب ابوذر کو عثمان نے مدینہ بدر کیا۔ تو اصحاب رسولؐ نے ابوذر کو حدود مدینہ تک خدا حافظ کہا۔

ابوذر! جو صدمہ رکھتا۔ اللہ کی اس جزا کے مقابلے میں جو آپ کو اس مدینہ بدری کے عوض ملے گی یہ تکلیف بہت ہی کم ہے۔

جناب ابوذر نے فرمایا۔ تم نے سچ کہا ہے۔ لیکن یقین رکھو تمہارا یہ موجودہ گروہ ایک دن آنکھوں پر وہ دیکھے گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب اس مدینہ کی تمام دیواریں رنگین ہو جائیں گی۔ آسمان سے خون برسے گا کائنات عالم کی ہر چیز مصروف گریہ ہوگی۔

اے اہل مدینہ! کاش تم وہ کچھ دیکھ سکتے ہیں جو میں دیکھ رہا ہوں۔ فرزند رسول حسینؑ شہید ہوگا۔ میری مدینہ بدری اتنی اہم نہیں ہے جتنی شہادت حسینؑ اہم ہوگی۔ تم اہل مدینہ آج میری مدینہ بدری پر آنسو بہا رہے ہو لیکن کل فرزند رسول حسینؑ کی شہادت پر تمہیں آہ سرد بھی کوئی نہ بھرنے دے گا۔

۴۔ میثم تمار اور شہادت کی پیشگوئی:

شیخ صدوق نے امالی میں جبلہ مکیہ سے روایت کی ہے۔ جبلہ کہتی ہے میں نے جناب میثم سے سنا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ ـــــ یہ وہ بدنصیب امت ہے جو اپنے نبی زادے کو قتل کرے گی۔ مہینہ محرم کا ہوگا۔ اور تاریخ دسویں ہوگی۔ میثم بالآخر یہ ہوگا کہ یہی امت اپنے نبی زادے کو قتل کرکے اسی دن کو یوم عید کے طور منائے گی۔ اس دن کو انتہائی مبارک دن سمجھیں گے۔

حالانکہ شہادت حسینؑ پر ارض و سماء کے ملائکہ۔ حوران جنت۔ اور عالمین پر وحشی گریہ کریں گے۔ آسمان سے خون کی بارش ہوگی ـــــ قاتلین حسینؑ پر لعنت اس طرح واجب ہوگی جس طرح مشرکین۔ یہود۔ نصاریٰ۔ اور مجوسیوں پر واجب ہے۔

جبلہ کا بیان ہے میں نے پوچھا۔ میثم بھلا اس دن کو یہ لوگ مبارک کیسے سمجھیں گے۔

جناب میثم نے بتایا۔ اس کے دوبارہ حدیث اور ایک حدیث گھڑیں گے۔ اس حدیث میں محرم کے یوم عاشورہ کے فضائل بیان کیے جائیں گے۔

اس حدیث میں بتایا جائے گا کہ۔

محرم کا یوم عاشورہ ہی تھا جس دن حضرت آدم نے ترک اولیٰ سے توبہ کی تھی۔ حالانکہ حضرت آدمؑ نے ذی الحجہ میں توبہ کی تھی۔

اس حدیث میں کہا جائے گا کہ محرم کا یوم عاشورہ ہی تھا جس میں جناب داؤد کے ترک اولیٰ پر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تھی حالانکہ جناب داؤد کے ترک اولیٰ کی توبہ بھی ذی الحجہ ہی میں قبول ہوئی تھی۔

اس حدیث میں انہیں بتایا جائے گا کہ یہی محرم کا یوم عاشورہ ہی تھا جس میں اللہ نے حضرت یونسؑ کو شکم ماہی سے باہر نکالا تھا

حالانکہ جناب یونس ذی القعدہ میں شکم ماہی سے باہر آئے تھے۔

اسی موضوع حدیث میں بتایا جائے گا کہ محرم کا یوم عاشور ہی تھا جس میں کشتی نوح کوہ جودی پر اتری تھی حالانکہ کشتی نوح ۱۰ ذی الحجہ کو کوہ جودی پر اتری تھی۔

اسی طرح اسی حدیث میں بتایا جائے گا کہ اسی محرم کے یوم عاشورہ کے دن بنی اسرائیل کے لیے دریائے نیل میں شگاف ڈالا گیا تھا۔ حالانکہ بنی اسرائیل کے لیے دریائے نیل میں شگاف ڈالا تھا وہ ربیع الاول کا مہینہ تھا۔

اے جبلہ تو دیکھے گی کہ حسینؑ اور اس کے ساتھی شہداء کا قیامت میں کتنا مقام ہوگا۔

اے جبلہ جس دن حسینؑ ابن علیؑ شہید ہوں گے اس دن سورج خون کی طرح سرخ ہوگا۔ جس دن بھی تجھے سورج خون کی مانند سرخ نظر آئے سمجھ لینا اسی دن فرزند زہراؑ شہید ہو گیا۔

جبلہ کہتی ہے کہ میں ایک دن دوپہر کو مجھے کچھ دھندلا سی نظر آئی۔ میں حجرہ کے اندر سے نکل کر باہر آئی تو آفتاب میں تمازت نام کو بھی نہ تھی۔ جب میں نے سوئے آسمان دیکھا تو سورج کا رنگ اس طرح سرخ نظر آیا کہ معلوم ہوتا تھا۔ سورج سے خون ٹپکتا ہے۔

یہ دیکھ کر میرا دل بیٹھ گیا۔ مجھے میثم کی بات یاد آگئی اور میں نے باآواز بلند واحسیناہ کہہ کر بین شروع کر دیا لوگ کی عورتیں میرے گرد جمع ہو گئیں اور مجھ سے پوچھا۔ کیا بات ہے؟

میں نے کہا سورج کو دیکھ رہی ہو اس سے خون ٹپکتا نظر آرہا ہے۔ دن اور وقت نوٹ کر لو زہراؑ زادہ ابھی ابھی شہید ہو گیا ہے۔

بعد میں جب اطلاع شہادت آئی تو تصدیق ہوگئی۔ کہ اسی یوم عاشور میں اسی وقت فرزند رسول کو شہید کیا گیا تھا۔

۴۔ کامل اور عمر سعد:

منتخب میں مروی ہے کہ جب ابن زیاد نے فرزند رسول سے جنگ کے لیے لشکر جمع کیا اس وقت اس کی ابتدائی تعداد ستر ہزار تھی۔

ابن زیاد نے تمام لشکر کو مخاطب کر کے کہا۔

کون ہے جو فرزند رسول کو قتل کرنے پر آمادہ ہو اور جس جگہ کی حکومت چاہے ابھی اس کا معاہدہ حاصل کرے؟

ستر ہزار میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔

ابن زیاد نے خود ہی کہا۔

اے عمر سعد! میرا خیال ہے تیرے سوا اس کام پر کوئی بھی آمادہ نہ ہوگا تو خود یہ کام کر۔

عمر سعد نے کہا اے ابن زیاد۔ اگر آپ مجھے معاف کر دیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

ابن زیاد نے کہا۔ ٹھیک ہے کوئی جبر نہیں ہے۔ اب تجھے کچھ نہیں کہتے۔ البتہ رے (طہران) کی گورنری کا تحریر شدہ معاہدہ ہمیں واپس کر دے۔

یہ سن کر عمر سعد نے کہا۔ مجھے ایک رات کی مہلت دے دیں۔

ابن زیاد نے کہا۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ہمیں اتنی جلدی نہیں۔ تجھے ایک رات کی مہلت ہے سوچ لے۔

عمر سعد گھر آیا۔ اپنے اقرباء کو بلایا۔ ان سے مشورہ لیا۔ لیکن کسی نے بھی عمر سعد کو مشورہ نہ دیا۔ بلکہ ہر ایک نے شرکت جنگ سے منع کیا۔

عمر کے انہی رشتہ داروں میں کامل نامی ایک شخص تھا۔ یہ ذرا دیر سے آیا تھا۔ مشورہ تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ عمر سعد حیران بیٹھا تھا۔

کامل نے پوچھا عمر سعد خیریت کیا ہے آج تو بہت پریشان نظر آتا ہے۔

عمر نے کہا۔ کامل۔ مجھے حیرت ہے میرے ان اقرباء پر یہ لوگ میری ترقی سے جلتے ہیں۔ ابن زیاد مجھے فرزند رسولؐ کے مقابلہ میں جنگ اور فرزند رسولؐ کو قتل کرنے پر سالار لشکر بنانا چاہتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی میری حامی نہیں بھرتا۔ حالانکہ حسینؑ کے ساتھ اولاً تو کوئی ہوگا نہیں۔ اگر چند آدمی ہوں بھی سہی تو میرے نزدیک انہیں قتل کرنا ایسے ہے جیسے لقمہ توڑنا یا پانی کا گھونٹ حلق سے اتارنا۔

پھر میں نے رے (طہران) کی حکومت کا پروانہ پہلے سے حاصل کر لیا ہے۔ قتل حسینؑ کے بعد میں سیدھا چلا جاؤں گا۔ اولاً تو معاویہ نے بنی ہاشم کو بالعموم اور آل محمدؐ کو بالخصوص اتنا کچل ڈالا ہے کہ ان میں انتقام لینے کی سکت ہی نہیں ہے۔ اور اگر یہ انتقام لیں بھی تو میں یہاں سے دور رے میں حکمران ہوں گا۔ وہاں میرے پاس اپنی فوج ہو گی۔ مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

کامل حیرت سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

جب وہ خاموش رہا تو کامل نے کہا۔

اے ابن سعد کیا تو اپنے کو مسلمان کہتا ہے۔

عمر سعد نے کہا۔ تو کیا کہتا ہے۔ اگر میں مسلمان نہیں تو کیا ہوں۔

کامل نے کہا۔ تیرے اس اسلام پر تف ہے۔ تجھے معلوم بھی ہے کہ تو کس سے جنگ کی سوچ رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بخدا اگر مجھے پوری دنیا کی حکومت دی جائے اور کہا جائے اس حکومت کے عوض امت محمدؐ کے کسی بےگناہ فرد کو قتل کر دو۔ تو میں کرۂ ارض کی حکومت ٹھکرا دوں۔ لیکن امت محمدؐ کے کسی بے گناہ کو قتل نہ کروں گا اور تو حسینؑ ابن فاطمہ بنت رسولؐ کے قتل کو لقمہ توڑنے یا پانی کا گھونٹ حلق سے اتارنے کے برابر کہہ رہا ہے۔ حالانکہ اس وقت کرۂ ارض پر تنہا شخص ہے جو سید شباب اہل الجنۃ ہے۔ حسینؑ اس وقت ہمارے لیے اپنے بھائی باپ اور نانا کا قائم مقام ہے اور صاحب الامامت

ہے۔ اس وقت حسینؑ جنت کا دروازہ ہے اور یزید جہنم کا دروازہ ہے۔ جو بھی فیصلہ کرنا ذرا سوچ سمجھ کر کرنا۔ ویسے میں تجھے اتنا بتا دوں۔

میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر تو نے حسینؑ سے جنگ کی یا تو نے حسینؑ کو قتل کیا یا تو نے حسینؑ کی مخالفت کی یا قتل حسینؑ میں تعاون کیا۔ یاد رکھ قتل حسینؑ کے بعد تو اس دنیا میں بہت کم مدت ہی رہ پائے گا۔

عمر نے کہا۔ او کامل! کیا تو مجھے موت سے ڈرا رہا ہے۔ بھلا تجھے معلوم ہے جب میں قتل حسینؑ سے فارغ ہوں گا تو میری کمان میں ستر ہزار کا لشکر ہو گا اور صوبہ رے (طبرستان) کا گورنر ہوں گا

کامل نے ہنس کر کہا۔ واقعاً آج تجھے بہت بڑا لشکر نظر آ رہا ہے لیکن جب اللہ کی گرفت آتی ہے تو لشکر دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ تو تقریباً ارادہ کر چکا ہے۔ یہ بزم مشاورت تو نے صرف رسماً منعقد کی تھی۔ میں تیری نگاہ میں دوسروں سے زیادہ بہتر نہیں ہوں۔ یہ مشورہ دینا میرا فرض ہے جو میں نے تجھے دے دیا ہے۔ اب تجھے ایک بات سناتا ہوں۔ جو میری سنی ہوئی ہے اور تیرے باپ کی روایت بھی ہے۔ لیکن یہ خیال رکھنا میں نے کسی دوسرے سے سنی تھی اور نہ تیرے باپ نے کسی سے سنی تھی میری بھی آپ بیتی ہے اور تیرے باپ کی بھی آپ بیتی ہی تھی۔ ممکن ہے وہ واقعہ سن کر تو کچھ غور کرنے پر موفق ہو جائے۔

میں ایک مرتبہ تیرے باپ سعد کے ساتھ شام جا رہا تھا۔ راستے میں ایک جگہ میرا گھوڑا بدک گیا۔ اور اس نے لگام اپنے منہ میں لے لی۔ میں بے قابو ہو گیا۔ گھوڑا بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے جب اپنے ہاتھ میں لگام کو بے فائدہ دیکھا تو میں نے اپنی پوری توجہ اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر مضبوط رکھنے کی طرف کر لی۔ اور گھوڑے کو اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ کہ جب دوڑ دوڑ کر تھک جائے گا رک جائے گا۔ کافی دیر بعد گھوڑا۔ بہت دور جا کر رکا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو مجھے پتا کوئی ساتھی نظر نہ آیا۔ ایک تو میں راستہ بھٹک چکا تھا اور دوسرا پیاس سے برا حال ہو رہا تھا۔ گھوڑے کو اپنی مرضی پر چھوڑ رکھا تھا کہ جہاں چاہے جائے کچھ دیر بعد مجھے دور ایک گرجا نظر آیا۔ میں نے باگ گرجا کی طرف موڑ دی۔ گرجے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے دق الباب کیا۔ چھت پر ایک بوڑھا پادری نمودار ہوا۔

اس نے پوچھا۔ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔

میں نے کہا۔ مسلمان ہوں اور پیاسا ہوں۔

اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ اور کہنے لگا کیا اسی امت سے ہے جو اقتدار کی خاطر ایک دوسرے کا سر کاٹ رہی ہے۔

میں نے کہا۔ میں امت محمد امت محمد سے ہوں۔

اس نے کہا۔ تم بدنصیب امت ہو۔ تمہارا نبی جتنا اولوالعزم تھا تم اتنے بدبخت واقع ہوئے ہو۔ مذاہب عالم کی تاریخ چھان ڈالو، کسی نبی کی امت نے اپنے نبی کے اہل بیت کو نہیں ستایا۔ لیکن تم وہ سیاہ بخت ہو جنہوں نے اپنے نبی کی عترت کو صرف اقتدار کی خاطر دربدر کر کے قتل کر دیا۔ ہماری کتب کے مطابق تم اپنے نبی کے اہل بیت کے بدترین دشمن ہو۔

میں نے کہا۔ صاحب تو کیا کہہ رہا ہے۔

صاحب نے کہا۔ دیکھو جناب آقا زین۔ تو دیکھ رہا ہے جس جنگل میں میں رہتا ہوں یہ ایک صحرا ہے۔ یہاں تیرے جیسا کوئی پیاسا ہے جو یہاں صرف پانی کے چند گھونٹ پینے آتا ہے۔ اور پھر چلا جاتا ہے۔ میرے پاس یہاں کوئی ذریعہ اطلاعات نہیں ہے۔ میرے پاس اپنی کتابیں ہیں۔ میں پرانی کتاب (توریت) سے کر تجھ سے ایک ایک پوچھتا ہوں جو ہو چکی ہو اس کی تصدیق کر دینا۔ اگر وہ سچ ثابت ہوئیں تو پھر جو ہونے والی ہیں وہ بھی سچ ہی ہوں گی۔

میں نے کہا۔ ہاں یہ درست ہے۔

اس پادری نے انجیل یا توریت لی۔ اور مجھ سے پوچھا۔

کیا تمہارے نبی کی بیٹی ایک تھی۔؟

میں نے کہا۔ سچ ہے۔

اس نے کتاب کو بوسہ دیا۔ اور پوچھا یہ سچ ہے یا نہیں کہ نبی زادی طبعی موت نہیں مری بلکہ اس کے صدف عصمت میں بچہ تھا۔ اور امت نے نبی زادی کے گھر داخل ہونے کی خاطر اس کا دروازہ جلایا۔ جلتا ہوا دروازہ دختر نبی پر پھینکا۔ پھر اس کے پہلو کو زنگ تلوار سے مجروح کیا۔ وہ بچہ شہید ہو گیا۔ اور اسی صدمہ اور زخم کی وجہ سے نبی زادی بھی زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکی۔

میں نے کہا۔ سچ ہے۔

اس نے پھر کتاب کو بوسہ دیا۔ اور کہا۔ کیا یہ سچ ہے کہ اپنے نبی کے بھائی اور داماد کو تم لوگوں نے بحالت نماز محراب مسجد میں شہید کیا ہے۔

میں نے کہا۔ یہ بھی سچ ہے۔

اس نے کتاب کو بوسہ دیا۔ اور کہا۔ تمہارے نبی کے بڑے بیٹے کا نام شبر تھا اسے تم لوگوں نے زہر سے شہید کیا ہے کیا یہ سچ ہے؟

میں نے کہا۔ سچ ہے۔

اس نے کہا۔ اگر میری کتاب کے مطابق واقعات سچ ہیں تو پھر یہ بھی سچ ہے کہ شبر کے شبیر بھائی کو بھی تم شہید کرو گے۔ نبی زادیوں کو پابند رسن کرو گے۔ آل نبی کے خیام لوٹو گے۔

میں نے کہا صاحب بھلا یہ کام ہم مدعی کلمہ گو آل محمدؐ سے کریں گے؟

صاحب نے کہا۔ اگر دختر نبی پر مظالم کر سکتے ہو تو پھر دختر نبی کی ذریت پر ظلم کرنے سے کون سی رکاوٹ رہ جاتی ہے یاد رکھنا جس دن تم نے اس چھوٹے نبی زادے شبیر کو قتل کیا۔ اس دن ارض و سماء رو دیں گے۔ کہ وحوش آنسو بہائیں گے درندے و پرندے ماتم کریں گے۔ اور ارض و سماء میں موجود ہر مخلوق تاقیامت قاتلان شبیر پر لعنت برسائے گی۔ اور قاتل شبیر دنیا میں چند ماہ

سے زیادہ وزرہ رہ سکے گا۔

ایک شخص انتقام خونِ حسینؑ کا بہانہ کر کے قیام کرے گا اور شمر سے جنگ میں تمام شرکاء کو بہت جلد واصلِ جہنم بھی کرے گا۔

اس کے بعد راہب نے میرا چہرہ بغور دیکھا۔ اور کہنے لگا۔ تیرے چہرے سے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو قاتلِ شبیر کا قریبی رشتہ دار ہے۔ بخدا! کاش مجھے وہ وقت مل جاتا۔ میں اپنی جان فرزندِ رسول کے قدموں میں رکھ دیتا۔

میں نے کہا۔ راہب: میں تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں فرزندِ رسول کے مقابل میں آؤں۔

راہب نے کہا۔ میں نے تجھے بتا دیا ہے تو اس کا قریبی رشتہ دار ہے۔ میری کتب اور میرا علم غلط نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھنا پوری کائنات جہنم کے نصف کا عذاب اللہ نے صرف قاتلِ حسینؑ کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ قاتلِ حسینؑ کا عذاب دیکھ کر فرعون و ہامان اللہ کی حمد کریں گے کہ انہیں قاتلِ حسینؑ کے عذاب سے کم عذاب ملا ہے۔

یہ کہہ کر راہب چھت پر واپس چلا گیا۔

میں نے پانی کے لیے آواز دی۔

راہب ایک مرتبہ پھر آیا۔ اور کہنے لگا۔ اپنی راہ لے۔ تم لوگ نبی زادے کو پیاسا قتل کرو گے۔ میں نے جب سے اپنی کتاب میں یہ دیکھا ہے اس دن سے عہد کر رکھا ہے کہ کسی ایسے شخص کو پانی نہیں دوں گا۔ جو نبی زادے کے قتل میں شریک ہوگا یا قاتل کا رشتہ دار ہوگا۔

اب یہاں سے چلا جا۔ تجھے اس گرجا سے پانی نہیں ملے گا۔

اس کے بعد میں گھوڑے پر بیٹھا۔ پریشانی میں مجھے پیاس کا خیال ہی نہ رہا تھا۔ پوچھتا پاچھتا قافلے سے آملا۔

تیرے باپ نے پوچھا۔ کہاں رہ گئے تھے۔

میں نے سارے راہب کا واقعہ سنایا۔

تیرے باپ نے کہا۔ راہب کا کہا درست ہے۔

ایک مرتبہ مجھے بھی اس راہب کے پاس جانے کا اتفاق ہو چکا ہے۔ مجھے تو اس نے کھلے لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ یا تو خود فرزندِ رسول کا قاتل ہے اور یا تیرا بیٹا نبی زادے کا قاتل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ سعد نے تجھے اپنے گھر سے نکال دیا تھا اور وہ تجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔

عمر ابن سعد نے کہا۔ اپنا انجام دیکھ رے کی حکومت کا ملنا یقینی نہیں ہے۔ لیکن قتلِ حسینؑ کے بعد جہنم یقینی ہے۔

عمر سعد نے جا کر ابن زیاد کو یہ سارا ماجرا کہہ کر کامل کا تمام واقعہ سنایا۔

ابن زیاد نے کامل کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ جب کامل آیا تو ابن زیاد نے پوچھا۔

میں یہ کیا سن رہا ہوں۔

کامل نے کہا۔ جو کچھ میں نے سنا تھا وہی سنایا ہے اپنی طرف سے ایک حرف کی کمی کی ہے نہ بیشی۔

ابن زیاد نے کہا۔ ٹھیک ہے آئندہ تو کبھی یہ واقعہ کسی کو نہ سنا سکے گا۔ پھر کامل کی زبان کاٹنے کا حکم دیا۔ دو دن بعد کامل شہید کر دیا گیا۔

یوم عاشور یوم عزا کیوں؟

علل الشرائع میں عبداللہ ہاشمی سے مروی ہے کہ میں نے امام صادق کی خدمت عرض کیا۔ قبلہ
نبی اکرم کی شہادت سے امام حسینؑ کی شہادت تک ہر شہادت اپنے مقام پر بہت بڑا المیہ ہے۔ لیکن آپ لوگ سب سے زیادہ اہمیت صرف یوم عاشور ہی کو کیوں دیتے ہیں۔ اگر میدان جنگ کے شہداء اہم ہوں تو پھر جناب حمزہ، جناب عبیدہ اور جناب جعفر وغیرہ بھی میدان جنگ ہی کے شہداء ہیں ان کے ایام شہادت کو اتنی اہمیت کیوں نہیں دی جاتی؟

آپ نے فرمایا۔ عبداللہ امت محمدیہ میں شہداء کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ شہداء ہیں جو کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اور ایک وہ ہیں جو مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اب تو خود بتا۔ جو دشمن کے ہاتھ سے مارا جائے صدمہ اس کا زیادہ ہوتا ہے یا جو اپنوں کے ہاتھ سے مارا جائے اس کا صدمہ زیادہ ہوتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ واقعاً آپ کی بات درست ہے جو اپنوں کے ہاتھ سے مارا جائے اس کا صدمہ زیادہ ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔

قبلہ پھر نبی اکرم کا یوم شہادت زیادہ اہم ہونا چاہیے تھا۔

آپ نے فرمایا۔ عبداللہ! شہادت نبی اکرم کی ہو یا دختر نبی کی۔ اسی طرح شہادت برادر نبی علی کی ہو یا فرزند نبی حسن کی۔ ان افراد کے بعد ایک گونہ سکون و اطمینان تھا۔ کیونکہ امت کے پاس پانچ اصحاب کساء تھے۔ آنحضورؐ کے بعد چار ابھی باقی تھے۔

جناب سیدہ کے بعد تین باقی تھے۔ حضرت علیؑ کے بعد دو باقی تھے۔ امام حسن کے بعد ایک باقی تھا۔ اور امام حسین کے بعد تو ہی بتا کون باقی رہ گیا۔ امام حسینؑ کی شہادت سے تمام اہل کساء کی یاد مٹ گئی ہے اس لیے یوم عاشور گویا ایک امام حسینؑ کا یوم شہادت نہیں بلکہ اصحاب کساء تمام کا یوم شہادت ہے۔

یوم عاشور یوم برکت کیوں؟

میں نے عرض کیا۔ قبلہ بنی امیہ یوم عاشور کو یوم برکت کے طور کیوں مناتے ہیں؟

آپ رو دیے اور فرمایا۔ عبداللہ! جس دن فرزند رسول کربلا میں پیاسا اور بھوکا شہید ہوا۔ یزید نے اطلاع ملنے کے بعد فتح کا جشن منایا۔ امیروں سے تحفے لیے غریبوں کو انعام دیئے یزید اور بنی امیہ کے لیے واقعاً یوم عاشورا یوم عید ہے

کیونکہ ان کے بیدی انتقامات کی آگ یوم عاشور کو نبی اور آل نبی کا آخری فرد انہوں نے ختم کر دیا۔ اور ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اگر ایک طرف کچھ لوگ آل رسول کے غم میں آنسو بہانا چاہیں تو دوسری طرف سرکاری طور پر یوم عاشور یوم فتح کے طور پر منایا جائے تاکہ لوگوں کی توجہ مظلومیت آل محمد کی طرف کم سے کم ہو۔ لوگ دربار میں حاضری دیتے رہیں۔ انعامات وصول کرتے رہیں اور مظلومیت محمد و آل محمد ان کے ذہن سے صفحۂ رفتہ گشتی چلی جائے۔

ابتلاآت انبیاء :

شیخ صدوق نے سماں کے ذریعہ امام صادق سے روایت کی ہے کہ مخلوق خدا میں سے سب سے زیادہ آزمائش انبیاء پر آتی ہے۔

انبیاء کے بعد اولیاء اللہ۔ اولیاء اللہ کے بعد مومنین مبتلائے امتحان ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ اعمال کی کمی و بیشی ہوتی ہے چونکہ اللہ نے اس دنیا کو مومن کے لیے مقام آرام و سکون قرار نہیں دیا۔ اس لیے اہل ایمان میں سے جن کے اعمال سب سے زیادہ ہوں گے۔ اس کی ابتلا بھی زیادہ ہوگی۔

شیخ طوسی نے مصائب الابرار میں متصل سلسلہ سند سے جابر ابن یزید جعفی کے ذریعہ جناب سلمان سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں نے حضرت علیؑ کی خدمت میں عرض کیا۔

قبلہ آپ کب سے ہیں؟

حضرت علی نے جواب دیا۔

سلمان! یہ نہ پوچھو کہ میں کب سے ہوں۔ جب سے اللہ نے سلسلہ انبیاء جاری کیا ہے۔ میں اسی وقت سے ہوں۔ ہر نبی کا ناصر رہا ہوں۔ اور میں ہی انبیاء کی وجہ آزمائش رہا ہوں۔ اللہ نے تمام انبیاء سے نبی کریم کی رسالت کے ساتھ میری ولایت کا میثاق بھی لیا تھا۔ میں اللہ کی حجت بالغہ اور کلمہ باقیہ ہوں۔ میں سفیر السفراء ہوں۔

جناب سلمان نے عرض کیا۔

اے شبیہ محراب میرے ماں باپ قربان ہوں لوگوں کے دیوانہ اور مفتری کہنے کا ڈر نہ ہوتا۔ تو بخدا! جو کچھ میں نے صحف انبیاء میں پڑھا ہے سب لوگوں کو بتاتا۔ کہ

علی وہ امیر المومنین ہے جن کے ذریعہ آدم کی توبہ قبول ہوئی۔

علی وہ امام المتقین ہے۔ جس نے یوسف کو کنویں میں بحفاظت پہنچایا۔

علی وہ سید الاولیاء ہے جن کے نام سے اللہ نے ایوب کا امتحان ختم کیا۔

علی وہ وصی خاتم المرسلین ہے جس کی ولایت کا اقرار آدم سے خاتم تک ہر نبی سے لیا گیا ہے۔

١۔ حضرت ایوب !

ہمارے مطابق حضرت ایوب اہلِ روم سے تھے۔

جناب ایوب کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ ایوب ابن اموص ابن رزاح ابن روم ابن عیص ابن اسحاق ابن ابراہیم

آپ کی والدہ لوطؑ ابن ہاران کی اولاد سے تھی۔

ملکیت !

جناب ایوب پورے خطۂ شام کے واحد مالک تھے۔ اونٹ، گائے، بھیڑیں، بکریاں، گھوڑے اور دوسرے ہر قسم کے پالتو مویشی آپ کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ ہر مویشی کے لیے دو دو گلے تھے۔

اللہ نے آپ کو بارہ بیٹے اور بارہ بیٹیاں دی تھیں۔

صالح، متقی، یتیم پرور، مہمان نواز، مسافر نواز۔ اور نعمات الٰہیہ پر شاکر تھے۔

شیطان نے خدائے احدیت کی خدمت میں عرض کیا۔

شکرِ ایوب کا راز اس بے پناہ دولت میں مضمر ہے جو آپ نے دی گئی ہے اگر ایوب کے پاس دولت نہ ہو تو اسے شکر کرنا بھول جائے گا۔

ذاتِ احدیت نے فرمایا۔ ابلیس میں نے تجھے پہلے دن جب جنت سے نکالا تھا تو کہہ دیا تھا کہ میرے بندے تیرے ورغلانے میں نہیں آئیں گے۔ ایوب میرے ان مخلصین میں سے ہے جو میری نعمت سے ہی بازرہیں ایوب جس طرح اب شاکر ہے اسی طرح پھر بھی شاکر رہے گا۔

ابلیس نے کہا خدا ایک مرتبہ نعمت واپس لے لے پھر میں دیکھتا ہوں شکر کرتا ہے یا نہیں!

ذاتِ احدیت نے فرمایا۔ ابلیس میں باوجود یہ کہ نعمتیں واپس نہیں لیتا اگر تجھے شکرِ ایوب میں شک ہے تو جا میں نے تجھے دولتِ ایوب پر مسلط کیا جاتا ہے۔

ابلیس نے پہلے حضرت ایوب کے مویشیوں کو مارا۔ پھر زراعت کو تباہ کیا۔ پھر بیٹوں اور بیٹیوں پر مع بہوؤں اور دامادوں کے مکان گرا دیا۔

لیکن جناب ایوب کے شکر میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی۔ بلکہ اور اضافہ ہو گیا۔

شیطان نے کہا میرے اللہ اب مجھے جسمِ ایوب کو آزمانے دے۔

ذاتِ احدیت نے فرمایا۔ جا جسمِ ایوب کو بھی آزما لے۔ البتہ ذہن اور نگاہ پر میں تجھے ہاتھ نہیں ڈالنے دوں گا۔

ابلیس نے حضرت ایوب کے جسم کو زخمی کر دیا زخم بڑھتے گئے۔

جناب ایوبؑ کی بیوی رحیمہ خاتون جناب یوسفؑ کی اولاد سے تھی۔ ان کے بال جناب یوسفؑ ہی کی طرح سنہری اور حسین تھے۔

اہل شہر نے جناب ایوبؑ کو شہر سے باہر ایک جھونپڑی میں لا کر ڈال دیا۔ جناب رحیمہ روزانہ شہر میں مزدوری کرنے جاتی تھی۔ ایک دن مزدوری نہ ملی۔ مایوس ہو کر واپس آ رہی تھی۔ راستہ میں چند اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے انہوں نے کہا۔ اے زوجہ ایوب آج تیری چال سے معلوم ہوتا ہے کہ تجھے اپنے بیمار شوہر کے لیے کچھ نہیں ملا۔ اگر تو ہمیں اپنے سر کے بال دکھا دے تو ہم تجھے آج کے گزارہ کی اجرت دیئے دیتے ہیں۔

یہ سنکر جناب رحیمہ روئی۔ گھر آ کر جناب ایوبؑ کو بتایا۔ اس وقت جناب ایوبؑ نے اپنے زخمی ہاتھ بلند کیے اور عرض کی بار الٰہا۔ میں نے ہر امتحان شکر سے گزارا ہے۔ لیکن اب یہ امتحان میرے بس سے باہر ہے۔ تجھے خاتم انبیاء ایلیا کا واسطہ ہے اب میرا امتحان ختم کر دے۔

ذات احدیت نے جبرئیل کو بھیجا۔ جبرئیل نے اپنے پر جناب ایوبؑ کے جسم سے مس کیے۔ جسم تندرست ہو گیا۔ باغات ہرے بھرے ہو گئے۔

اللہ نے وہی بیٹے۔ وہی بیٹیاں۔ بہوئیں اور داماد زندہ کر دیئے۔ پہلے کی طرح پھر دولت اور مال سب کچھ جمع ہو گیا۔

عمر حضرت ایوبؑ۔ آپ نے ترانوے برس کی زندگی میں وفات پائی۔

وصی حضرت ایوبؑ۔ حضرت ایوبؑ نے اپنے بیٹے بشر کو وصیت کی۔ یہی بشر ہے جس کا لقب ذوالکفل ہے۔ اور اسی نام سے معروف ہے۔

۲۔ حضرت شعیبؑ یثرون ابن صیفون:

جناب شعیبؑ کا اسم گرامی یثرون تھا۔

آپ کے شجرہ نسب میں اختلاف ہے بعض مورخین آپ کو حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے مدین کی ذریت سے بتاتے ہیں۔ اور بعض مورخین کے نزدیک جناب شعیبؑ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت سے نہ تھے۔

دونوں مورخین کا والدہ کے سلسلہ میں اتفاق ہے کہ آپ کی نانی جناب لوطؑ کی صاحبزادی تھی۔

جناب شعیبؑ خوف خدا سے اس قدر گریہ کرتے تھے کہ تین مرتبہ آپ کی بینائی ختم ہو گئی۔ اسی لیے آپ کی قوم کا تذکرہ قرآن میں اس طرح موجود ہے کہ۔

شعیب تو ہمیں کمزور نظر آتا ہے۔

ہر مرتبہ بینائی ختم ہونے کے بعد خالق اکبر دوبارہ بینائی عطا فرما دیتا تھا۔ جب چوتھی مرتبہ بینائی ختم ہوئی تو جبرئیل نے

ذات احدیت کی طرف سے پیغام دیا کہ۔

اگر تو آتش جہنم کے خوف سے روتا ہے تو تجھے معلوم ہے کہ تو اس میں نہیں جائے گا۔

اگر جنت کے شوق میں روتا ہے تو تجھے یقین ہے کہ تو اہل جنت سے ہے۔

جناب شعیب نے فرمایا۔

جبرئیل بارگاہ خالق میں عرض کر دے کہ تو بہتر جانتا ہے جس لیے میں روتا ہوں۔ چونکہ تیری ذات کا اس سوال سے مقصد یہ ہے کہ میری امت میرا مطلب کہہ دے اس لیے میں عرض کیے دیتا ہوں۔

میری کثرت گریہ، جہنم کے خوف سے ہے نہ جنت کے اشتیاق میں ہے۔ صرف اور صرف تیری محبت میں ہے۔

دو سو چالیس برس جناب شعیب نے اپنی امت کو تبلیغ کی لیکن انہوں نے آپ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جناب شعیب کو آپ کی امت نے شہر بدر کر دیا تھا۔ قرآن میں آپ کی امت کو اصحاب الایکہ کہا گیا ہے علاوہ مدین کے بدویوں تو آپ نے اپنی امت کے پاس کافی مبلغ بھیجے تھے۔ لیکن تین مبلغین کا تذکرہ تاریخ اسلام میں ملتا ہے۔

۱۔ شعیب ابن صالح:

خرائج میں ابن بابویہ سے مروی ہے کہ سہل ابن سعید کہتا ہے کہ مجھے ہاشم ابن عبدالملک نے اپنے محل میں کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ میں نے جب دو سو ہاتھ (چار سو فٹ) تک کھود لیا تو ہمیں ایک انسانی سر نظر آیا۔ ہم نے احتیاط سے اس کے اردگرد کھودا تو ایک شخص کو پتھر پر بیٹھے آرام سے سوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے سفید لباس پہن رکھا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ پیشانی پر رکھا ہوا تھا۔ ہم نے ہاتھ کو پیشانی سے ہٹایا تو پیشانی پر زخم تھا جس سے تازہ خون بہنے لگا۔ ہم نے بہت کوشش کی لیکن خون بند نہ ہوا۔

ہم نے پھر دایاں ہاتھ پیشانی پر رکھ دیا۔ زخم بھی چھپ گیا اور خون بھی رک گیا۔ بعد میں تین چار مرتبہ ایسا کیا۔ خون بہنے لگ جاتا تھا۔ بالآخر ہم نے ہاتھ کو پیشانی پر رہنے دیا۔ اس کے لباس پر لکھا ہوا تھا۔ میں شعیب ابن صالح ہوں۔ حضرت شعیب نے مجھے اپنی قوم کو وعظ کرنے کی خاطر بھیجا تھا۔ ان لوگوں نے میری پیشانی پر پتھر مار کر زخمی کر دی۔ اور مجھے زندہ کو اس ویران کنوئیں میں ڈال کر اوپر مٹی بھر دی۔ میں نے ہاشم کو اطلاع دی۔

اس نے کہا۔ اسے ویسے ہی بند کر دو۔

۲۔ حسان ابن سنان:

کراجکی نے کنز الفوائد میں عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ ازدی سے روایت کی ہے کہ افریقہ میں اپنی بستی سے باہر ہماری مزروعہ اراضی تھی ایک دن میں چچا کے ساتھ وہاں گیا۔ ہمیں ایک کنواں کھودنے کی ضرورت تھی۔ میں نے ایک جگہ کی نشاندہی کی۔ مزدور

کھودنے لگے۔ مٹی ڈھیلی ڈھالی معلوم ہوتی تھی۔ پورا دن مزدور کھودتے رہے شام کے قریب جب ہم کام ختم کرنے والے تھے۔ ایک کمرہ نما غار سامنے آگیا۔ جب اسے احتیاط سے کھلوا دیا۔ مٹی کی دیوار کے ساتھ ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس کے لباس پر لکھا ہوا تھا: میں احسان ابن سنان ہوں۔ مجھے جناب شعیب نے ان لوگوں کو تبلیغ کے لیے بھیجا۔ ان لوگوں نے مجھے اس غار میں بند کر دیا شاید اب قیامت سے پہلے میں باہر نہ آسکوں۔

۲۔ حارث ابن شعیب:

کراجکی ہی نے کنز الفوائد میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان ابن عبد الملک وادی قریٰ سے گزرا۔ اس نے ایک مقام پر کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ کھودتے کھودتے ایک چٹان نکل آئی۔ جب چٹان کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ایک شخص سو رہا تھا۔ اس نے دو قمیص پہن رکھے تھے۔ اس کا ہاتھ سر پہ تھا۔ جب ہاتھ ہٹایا گیا تو سر میں بڑا گہرا زخم لگا ہوا تھا۔ اس سے خون ابلنے لگا۔ کافی کوشش کے بعد خون بند کیا۔ دوبارہ ہاتھ کو سر پہ رکھ دیا گیا۔ خون رک گیا۔ اس کی قمیص پر لکھا ہوا تھا۔ میں حارث ابن شعیب ہوں۔ مجھے حضرت شعیب نے اہل مدین کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے قتل کر دیا ہے۔

عذاب بر قوم شعیب:

جناب شعیب کی امت بڑی مالدار تھی۔ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان لوگوں نے تولنے کے دو قسم کے باٹ اور ماپنے کے دو قسم کے پیمانے رکھے ہوئے تھے۔ جب کوئی چیز خریدتے تھے تو مقدار سے زیادہ وزن والے باٹوں سے تولتے تھے یا پیمانوں سے ماپتے تھے اور جب فروخت کرتے تھے تو کم وزن والے باٹوں سے تول کر یا ماپ کر دیتے تھے۔ جب ان لوگوں نے جناب شعیب کو علاقہ بدر کر دیا۔ اور آپ کی طرف سے آنے والے مبلغین کو شہید کر دیا تو ذات احدیت نے ان پر گرمی مسلط کر دی۔

نو دن ایسی قیامت کی گرمی رہی کہ تمام کھیتیاں جل کر راکھ ہو گئیں۔ پانی کے کنوئیں خشک ہو گئے۔ مویشی شدت پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ انسانوں کے چہرے جھلس گئے۔ دسویں دن اللہ نے آسمان پر ایک بادل بھیج دیا۔ یہ لوگ بادل کے سایہ میں آگئے۔ جب تمام لوگ اکٹھے ہو گئے تو اس بادل سے آگ برسنے لگی۔ اس آگ نے ان تمام کو جلا کر راکھ کر ڈالا۔

قرآن میں اللہ نے اس دن کو "یوم الظلہ" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی سایہ کا دن

۲۔ حضرت زکریاؑ

جناب زکریا حضرت ہارون کی اولاد سے تھے۔ بیت المقدس مسکن تھا۔ بیت المقدس کے مولوی جناب زکریا سے جلتے تھے۔ کیونکہ بیت المقدس میں آنے والا ہر شخص جناب زکریا کا سلام کرتا تھا۔ آپ ہمیشہ تورات کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔

آپ کی زوجہ کا نام حنانہ تھا۔ جو جناب حنہ والدہ مریم کی بہن تھیں۔ ایک سو بیس برس تک آپ کے کوئی اولاد بھی نہ ہوئی۔

جب جناب مریم کی کفالت کا مسئلہ سامنے آیا تو بیت المقدس کے مولویوں نے دیکھا کہ مریم شاہی خاندان کی بچی ہے۔ اس کی کفالت جو بھی لے گا۔ اس کی پانچوں گھی میں ہوں گی۔ کیونکہ جناب مریم عمران ابن ماثان کی پوتی تھی۔ اور اس وقت ماثان خاندان بنی اسرائیل کا حکمران خاندان تھا۔ چنانچہ ہر مولوی کی خواہش تھی کہ مریم کی کفالت میں کروں۔ جناب مریم کی والدہ جناب حنہ کی خواہش تھی کہ چونکہ جناب زکریا نبی معصوم ہیں۔ اس لیے کفالت جناب زکریا کریں۔

انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ معصوم ہونے کے ساتھ ساتھ خاندانی اعتبار سے بھی جناب زکریا ماثان خاندان سے تھے اور وہ کسی دنیاوی لالچ میں ویسے بھی نہ آئیں گے۔ لیکن مولوی آمادہ نہ ہوتے۔ بالآخر قرعہ اندازی کی گئی۔ قرعہ اندازی میں جناب حنہ کی خواہش پوری ہوئی اور جناب مریم کی کفالت کا قرعہ جناب زکریا کے نام نکل آیا۔

اس سے مولوی اور جل گئے۔

جناب زکریا ایک سو بیس برس کے ہو گئے تھے لیکن اولاد نہیں تھی۔ ذات احدیت نے قرآن کریم میں جناب زکریا کی خواہش اولاد کا تذکرہ بھی فرمایا ہے بالآخر جناب یحییٰ کی نوید ملی۔ مزید کچھ حالات جناب یحییٰ کے ذیل میں ذکر کریں گے۔

اس جگہ تو جناب زکریا کے امتحان کا تذکرہ مقصود ہے۔ ایک سو بیس برس تک اولاد سے محرومی ایک بہت ہی بڑا امتحان تھی۔ دوسرا امتحان بیت المقدس کے مولویوں کی رقابت تھی جو جناب مریم کی کفالت کے بعد روز افزوں ہی ہوتی چلی گئی۔

تیسرا امتحان مولویوں نے رقابت کا اظہار جناب مریم سے متہم کرنے میں کیا۔ یہ تمام امتحانوں سے بڑھ گیا۔ بالآخر جناب عیسیٰ کی ولادت پر مولویوں کی عید بن گئی۔ جب ہر طرف سے شور برپا ہوا تو جناب زکریا بیت المقدس سے نکل کر باہر آ گئے۔

ایک باغ میں آئے۔ ایک درخت نے آواز دی۔ اے نبی خدا! آپ کے دشمن آپ کی تلاش میں ہیں۔ آپ میرے پاس آ جائیں۔

جناب زکریا درخت کے قریب آئے تو درخت کے تنا میں شگاف پڑ گیا۔ آپ اندر چلے گئے۔ درخت دوبارہ پہلے کی طرح ہو گیا۔

مولوی سپاہیوں کو لے کر باغ میں آ گئے۔ شیطان بھی ایک بزرگ شخص کا بھیس دھار کر ان کے پاس آ گیا۔ اور پوچھا۔ کیا تلاش کر رہے ہو؟

انہوں نے بتایا۔ وہ بیت المقدس میں ایک مقدس شخص رہتا تھا۔ جو دعویٰ نبوت بھی کرتا تھا اور مریم کی کفالت بھی کرتا تھا۔ اس کے سوا مریم کے پاس کوئی بھی نہ جاتا تھا۔ اب مریم کا بیٹا ہوا ہے۔

شیطان نے کہا۔ آؤ مل کر تلاش کرتے ہیں۔ جب اس درخت کے قریب آئے جس میں جناب زکریا تھے اور شیطان نے آپ کو درخت میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ شیطان نے کہا۔ میرے خیال میں وہ جادوگر بھی تھا۔ میں نے ایک آدمی کو اسی درخت میں داخل ہوتے دیکھا ہے میرا خیال ہے وہی زکریا تھا۔ میں خود حیران رہ گیا کہ درخت پھٹ کیسے گیا۔ اور پھر جڑ کیسے گیا۔

سپاہیوں نے اور مولویوں نے شیطان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ شیطان نے کہا۔ میرے قریب آؤ۔ شیطان درخت کے قریب گیا اور سینہ کے برابر اپنا کان لگا دیا۔ پھر سپاہیوں اور مولویوں سے کہا۔ تم آؤ اور اس جگہ کان لگاؤ اگر دل کے دھڑکنے کی آواز سنائی دے تو میں سچا ہوں۔ ورنہ جو چاہو سزا دے لینا۔ سب نے باری باری کان لگائے جناب زکریا کے دل کی دھڑکن کو ہر ایک نے محسوس کیا۔ اور یقین کر لیا کہ یہ بزرگ سچ کہتا ہے۔

بڑھئی بلائے گئے۔ انہوں نے درخت کی شاخیں کاٹ کر درمیان میں آرا ڈال دیا۔ جناب زکریا دو نیم ہو کر شہید ہو گئے۔

۴۔ جناب یحییٰ :

جناب یحییٰ حضرت عیسیٰ سے چھ ماہ بڑے تھے۔

جناب یحییٰ نے جناب عیسیٰ کی تصدیق نبوت دو مرتبہ کی۔ پہلی مرتبہ اس وقت کی جب جناب یحییٰ اپنی ماں جناب حنہ کے صدف عصمت میں تھے اور جناب عیسیٰ حضرت مریم کے صدف عصمت میں تھے۔

ہوا یوں کہ جناب زکریا نے جناب مریم کے لیے بیت المقدس کی چھت پر ایک کمرہ بنایا تھا۔ کوئی سیڑھی وغیرہ نہ تھی صرف کھانا دینے کی خاطر جب آتے تو سیڑھی گھر سے لے آتے۔ سیڑھی لگا کر اوپر چڑھتے کھانا اور پانی دینے کے بعد واپس سیڑھی گھر لے جاتے۔ جب جناب زکریا نے جناب مریم میں آثار حمل دیکھے تو آپ کو دل میں خطرہ محسوس ہوا کہ مولوی پہلے ہی مجھ سے جلتے ہیں اب انہیں زبان درازی کا موقع مل جائے گا۔ اور میری گواہی کا قابل قبول نہیں ہو گا۔ کیونکہ میرے بغیر مریم کے پاس جاتا ہی کوئی نہیں۔ اسی پریشانی میں گھر آئے۔ جناب حنہ سے تذکرہ کیا۔

جناب حنہ نے فرمایا۔

یہ اللہ کا کام ہے آپ کو فکر نہیں کرنا چاہیے اللہ خود ہی سنبھال لے گا۔ ویسے آپ ایسا کریں ایک مرتبہ مریم کو گھر لے آئیں تاکہ میں اسے دیکھ بھی لوں اور اس سے کچھ پوچھ بھی لوں۔ جناب زکریا آئے بیت المقدس سے جناب مریم کو گھر لے گئے چونکہ جناب حنہ عمر میں جناب مریم سے بہت بڑی تھیں اس لیے وہ اس خیال سے جناب مریم کی تعظیم کو نہ اٹھیں۔ جب جناب مریم قریب آئیں تو جناب یحییٰ نے ماں کے بطن عصمت میں جھک کر ان کو سجدہ کیا۔

یا امہ تدخل الیک سیدة نساء العالمین مشتملة علی سید رجال العالمین ولا تقومین لہا۔

اے ماں آپ کے پاس نسائے عالمین کی سردار مردان عالمین کے سردار کو مشتمل کرکے آرہی ہیں اور آپ ان کی تعظیم کو نہیں اٹھیں۔

جناب حنہ گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔ اب جناب حنہ کو نہ تو جناب مریم سے کچھ پوچھنے کی ضرورت رہی اور نہ دیکھنے کی اور دوسری مرتبہ آپ نے بعد از ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جناب مریم کی طہارت اور جناب عیسیٰ کی نبوت کی شہادت بھی دی۔

جب جناب مریم کو متہم کیا گیا تو جناب یحییٰ جن کی عمر چھ ماہ تھی نے گہوارے سے کہا تھا نہ ماں پر شک کرو نہ بیٹے پر۔ ماں طاہرہ ہے۔ اور بیٹا کلمۃ اللہ اور نبی خدا ہے۔

جناب یحییٰ بچپنے ہی میں عبادت پر حاضر رہتے۔ زہد کا یہ عالم تھا کہ خوف خدا سے گریہ میں رخساروں کا گوشت آنسوؤں کے ساتھ بہہ گیا تھا۔ آپ کے دانت نظر آتے تھے۔ مدئیں ہونے کے باوجود کبھی روئی سے بنا ہوا کپڑا تک نہ پہنا تھا۔

شہادت جناب یحییٰ!

بکار، تفسیر قرات اور کمال کے مطابق جناب یحییٰ کا واقعہ شہادت یوں ہے کہ جناب یحییٰ کے زمانہ میں جو بادشاہ تھا اس نے اپنے سے پہلے بادشاہ کی داشتہ سے شادی کر رکھی تھی۔ اس داشتہ کی سابق بادشاہ سے بیٹی تھی جب یہ بوڑھی ہونے لگی۔ تو اس نے سوچا کہ بڑھاپے میں بادشاہ کسی دوسری عورت سے شادی کرے گا اور میری حیثیت ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے اپنی بیٹی کو آمادہ کیا۔ کہ اب تو بادشاہ سے شادی کرے۔ لڑکی تیار ہو گئی۔

اس عورت نے بادشاہ کے سامنے لڑکی کو بنا سنوار کر پیش کیا۔ بادشاہ کو لڑکی پسند آگئی۔ اور بادشاہ نے پوچھا یہ کون ہے۔

اس عورت نے بتایا یہ سابق شاہ کی میرے بطن سے بیٹی ہے۔ اگر آپ کو پسند ہے تو آپ اس سے شادی کر لیں۔

بادشاہ نے کہا یہ تیری بیٹی ہے اور تو میری بیوی ہے۔ پھر میں بیوی کی بیٹی سے کیسے شادی کر سکتا ہوں۔ یحییٰ سے پوچھوں گا اگر اس نے اجازت دے دی تو شادی کر لوں گا۔

بادشاہ نے جناب یحییٰ سے پوچھا۔ آپ نے منع فرمایا۔

جب اس مکار عورت نے دیکھا کہ بادشاہ آمادہ نہیں ہو رہا تو ایک دن اس نے بادشاہ کو خوب شراب پلائی جب بادشاہ نشے میں مدہوش ہو گیا تو بیٹی کو بنا سنوار کر بادشاہ کے پاس لے آئی۔ بادشاہ نے دست اندازی کرنا چاہی تو عورت نے کہا اگر یحییٰ نے منع کیا ہے۔ یہ میری بیٹی ہے۔ آپ اسے ہاتھ نہ لگائیں۔

بادشاہ مخمور تھا۔

اس نے کہا۔ یحییٰ کون ہوتا ہے مجھے روکنے والا۔ بادشاہ میں ہوں یا یحییٰ ہے؟

عورت نے کہا۔ اگر آپ بادشاہ ہیں تو پہلے یہاں یحییٰ کا سر لایا جائے پھر یہ آپ کے پاس آئے گی۔ میں اپنے محل میں جا رہی ہوں۔ جب یحییٰ کا سر مجھے مل جائے گا تو میں بیٹی لے کر آپ کے پاس آجاؤں گی۔ یہ کہہ کر وہ مکار اٹھ کر چلی گئی اور لڑکی کو بھی ساتھ لے گئی۔

بادشاہ دیوانہ ہو گیا۔ اسی وقت وزیر کو بلایا۔ حکم دیا اسی وقت جہاں کہیں۔ یحییٰ ہو اسے فوراً یہاں لایا جائے۔

ہر طرف سپاہی پھیل گئے۔ کچھ دیر بعد جناب یحییٰ بادشاہ کے سامنے پیش کیے گئے۔

بادشاہ نے حکم دیا۔ یحییٰ کا سر قلم کر کے سنہری طشت میں رکھ کر اوپر ریشم سے ڈھانپا جائے اور میری بیوی کے محل میں اسی وقت اسے یہ تحفہ پیش کیا جائے۔

جناب یحییٰ نے فرمایا۔ بادشاہ تو نشے میں بدمست ہو رہا ہے۔ میرے قتل ہو جانے سے حرام خدا حلال نہیں ہو جائے گا۔

اتنے میں سپاہیوں نے جناب یحییٰ کو پکڑا۔ زمین پر لٹا دیا۔ طشت میں سر رکھ کر تلوار سے سر جدا کر دیا کوشش کی گئی کہ خون طشت سے باہر نہ جائے۔ لیکن ایک قطرہ خون کا اچھل کر طشت سے باہر فرش پر جا گرا اور چشمے کی طرح خون ابلنے لگا۔

طشت اس عورت کو پیش کیا گیا۔ وہ اس طشت کو ہاتھوں پر رکھ کر بیٹی کو ساتھ لائی۔ بادشاہ لڑکی کو دیکھ کر پھر دیوانہ ہو گیا۔ طشت میں کٹے ہوئے سر سے آواز آ رہی۔ بادشاہ یہ تیری بیوی کی بیٹی تیرے لیے حلال نہیں ہے۔ حرام خدا کو حلال نہ کر۔

ادھر تو سر سے مسلسل یہ آواز آ رہی تھی، دوسری طرف خون فوارے کی طرح ابل رہا تھا۔ محل کے تمام نوکر مٹی ڈال رہے تھے لیکن خون بند نہیں ہو رہا تھا۔ آخر پوری رعایا جمع ہو کر مٹی ڈالنے لگی۔ لیکن خون بند نہ ہوا۔ وہ محل کا محل زیر زمین ہو گیا۔ اس میں ہر طرف مٹی ہی مٹی کا ڈھیر بن گیا۔ بالآخر سو برس بعد بخت نصر نے اس ابلتے ہوئے خون پر ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کیا تو کہیں جا کر یہ خون بند ہوا۔

۵- حضرت یونس :

بحار اور مجمع البیان کے مطابق جناب یونس کے امتحان کی مختصر تاریخ یوں ہے۔

مناقب میں ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر جناب سجاد کے پاس آیا اور کہا۔

سجادؑ! میں نے سنا ہے تو کہتا ہے کہ چونکہ جناب یونس نے حضرت علیؑ کی ولایت قبول کرنے میں تاخیر کی تھی اس لیے اللہ نے اس کو مچھلی کے شکم میں رکھا۔

جناب سجاد نے فرمایا۔ ہاں میں نے اسی طرح کہا ہے۔

عبداللہ نے کہا۔ اگر تو سچا ہے تو دلیل پیش کر۔

جناب سجاد اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عبداللہ سے فرمایا۔ آ میرے ساتھ۔ جب بیرون مدینہ آئے تو فرمایا کہ آنکھیں بند کر لے۔

کچھ دیر بعد فرمایا۔ اب کھول دے۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں اور دیکھا تو سمندر کا کنارا ہے۔ گھبرا کر کہنے لگا۔

اے فرزند رسول! میری زندگی کا خیال رکھ۔ آپ کو اپنی جد کا واسطہ۔

آپ نے فرمایا۔ اب خاموش رہ اگر میں سچا ہوں تو تجھے اپنے دعویٰ کی دلیل دکھاتا ہوں۔ پھر آپ نے سمندر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

ایتھا الحوت اطلعی۔ اے مچھلی باہر آجا۔

ایک پہاڑ جیسی مچھلی نے سمندر سے سر نکالا اور عرض کیا۔

لبیک لبیک یا ولی اللہ۔ اے ولی خدا! میں حاضر ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ تو کونسی مچھلی ہے۔

مچھلی نے عرض کیا۔ قبلہ میں وہی مچھلی ہوں۔ جس نے جناب یونس کو اپنے شکم میں رکھا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ ذرا تفصیل سے بتا کہ یہ لوگ بہت دلیل مانگتے ہیں۔

مچھلی نے عرض کیا۔ قبلہ! اللہ نے جس بھی نبی کو مبعوث فرمایا ہے۔ بعد از بعثت آپ کی ولایت کے اقرار کرنے کا فرمایا ہے۔

جس جس نبی نے فوراً آپ کی ولایت کا اقرار کیا ہے۔ انہیں اعلیٰ مقام اور مرتبہ ملا ہے۔ اور جن انبیاء نے آپ کی ولایت کے اقرار میں توقف کیا ہے اللہ نے انہیں تنبیہ کے طور پر مبتلائے امتحان کیا ہے۔ اور جب تک آپ کی ولایت کا اقرار نہیں کیا اس وقت تک امتحان ختم نہیں ہوا۔

جناب یونس بھی انہی انبیاء سے تھے جنہوں نے آپ کی ولایت میں توقف کیا تھا۔ اللہ نے مجھے حکم دیا اور میں چالیس دن

تک اپنے شکم میں لے کر انہیں مختلف سمندروں کی سیر کراتی رہی۔ بحیرہ قلزم۔ سمندر نیل۔ اور بحیرہ طبرستان میں اس نے جناب یونس کو سیر کرائی۔ آخر میں دجلہ میں آئی۔ دجلہ سے فرات میں گئی۔ اور فرات کے کنارے حکم خدا سے انہیں اپنے شکم سے باہر نکالا۔

جناب یونس کے شکم ماہی میں رہنے کی مدت میں اختلاف ہے کم از کم تین گھنٹے اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن بتائے گئے ہیں۔

حضرت علیؑ نے ایک یہودی کے سوال کے جواب میں فرمایا ہے۔ کہ جب مچھلی جناب یونس کو زیر زمین کے پانی میں لے گئی تو قارون کے قریب سے گزری۔ حضرت موسیٰؑ کے حکم کے مطابق زمین قارون کو ایک ایک انچ کے برابر نگل رہی تھی جب قارون نے جناب یونس کی صدائے تسبیح سنی تو زمین سے درخواست کی مدت کے بعد کسی انسان کی آواز سنی ہے مجھے اتنی اجازت دے اس سے دو باتیں کر لوں۔ وہ زمین میں دھنس گیا ہے۔ زمین نے روک دیا۔

قارون نے جناب یونس سے پوچھا۔ آپ کون ہیں؟

جناب یونس نے جواب دیا۔ امتحان باری میں مبتلا یونس ہوں۔

قارون نے پوچھا۔ غضب ذوالجلال کے مظہر حضرت موسیٰ کا کیا حال ہے۔

جناب یونس نے کہا۔ وہ سب بحوالہ فوت ہو گئے ہیں

قارون نے کہا۔ رحم خالق کے نمائندہ جناب ہارون کا کیا حال تھا۔

جناب یونس نے فرمایا وہ بھی فوت ہو گئے ہیں۔

قارون نے پوچھا۔ موسیٰ و ہارون کی ہمشیرہ کلثوم میری منگیتر تھی اس کا کوئی حال۔

جناب یونس نے فرمایا۔ آج کل آل عمران سے کوئی بھی معروف آدمی ایسا نہیں رہا جس کا نام لیا جاتا ہو۔

یہ سنکر قارون کی آہ نکل گئی۔

ذات احدیت نے قارون کے آل عمران کے گمنام ہو جانے پر افسوس پر ترس کھا کے زمین کو حکم دیا۔ قارون کو مزید نگلنا بند کر دے۔

جب جناب یونس دوبارہ اپنی قوم میں واپس آئے تو سوچنے لگے کہ لوگوں کے مطابق تو مجھے مچھلی نے نگل لیا تھا اب یہ کیسے یقین کریں گے کہ میں ہی یونس ہوں۔ شہر سے باہر آئے دیکھا تو ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔

آپ نے اس سے فرمایا۔ جا شہر والوں کو بتا یونس واپس آگیا ہے اور شہر سے باہر موجود ہے۔

چرواہے نے کہا۔ جا جا تو کون ہے یونس بننے والا شاید تجھے معلوم نہیں کہ یونس کو دریا میں مچھلی نگل گئی تھی ابھی تک تو وہ لوگ خود موجود ہیں جنہوں نے یونس کو مچھلی کے منہ میں ڈالا تھا۔ انہیں تو مر کے دیا ہوتا۔ پھر یہ دعویٰ کرتا تو کوئی مان بھی لیتا۔

جناب یونس نے پہلے تو اور علامات بتائیں۔ لیکن چرواہے نے جب کسی بھی علامت پہ یقین نہ کیا۔ تو ایک بکری کی طرف

اشارہ کرکے فرمایا۔

تجھے معلوم ہے میں نبی خدا یونس ہوں۔ اور تو دیکھ رہی ہے کہ تیرا چرواہا میری بات نہیں مان رہا تو گواہی کیوں نہیں دیتی۔ اللہ نے بکری کو قوت گویائی سے نوازا۔

بکری نے جناب یونس کو سلام کیا۔ پھر چرواہے سے کہا۔ یہی جناب یونس ہیں۔ اللہ نے تم پر انہیں دوبارہ بھیجنے کی نوازش فرمائی ہے چل مجھے ساتھ لے جا۔ میں شہر میں گواہی دوں گی کہ ہمارا نبی واپس آگیا ہے۔

چرواہا بکری کو ساتھ لے کر شہر گیا۔ جب اس نے بتایا تو شہر والے اسے مارنے کو دوڑے۔

چرواہے نے کہا ذرا ٹھہرو جلد بازی نہ کرو۔ میں اپنا گواہ ساتھ لایا ہوں۔

انھوں نے کہا۔ کہاں ہے تیرا گواہ؟

چرواہے نے بکری کی طرف اشارہ کیا۔

بکری نے اللہ کی عنایت کردہ قوت گویائی سے شہر والوں کو بتایا کہ جناب یونس بیرون شہر کھڑے ہیں۔

یہ سنتے ہی سب شہر والے دوڑتے دوڑتے آئے جناب یونس کے قدم بوسی کرتے اور احترام سے شہر لے گئے۔

۶۔ جناب جرجیس :

بحار میں شیخ صدوق کے حوالے سے ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت احدیت نے جناب جرجیس کو شام کے داذانہ نامی بت پرست بادشاہ کو تبلیغ کے لیے بھیجا۔

جناب جرجیس نے داذانہ سے فرمایا۔ تو کتنا بڑا حکمران ہے۔ کتنا دانش مند ہے۔ بھلا کبھی کوئی دانشمند اپنے ہاتھ سے تراشے گئے پتھر کی بھی عبادت کرتا ہے!

اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اسی کی عبادت کیا کرو۔ بت پرستی چھوڑ دو۔

داذانہ نے پوچھا۔ تو کہاں کا رہنے والا ہے!

جناب جرجیس نے فرمایا۔ میرا اصل وطن تو روم ہے لیکن آج کل قیام فلسطین میں ہے۔ اللہ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔

داذانہ نے حکم دیا کہ اللہ کے اس بھیجے ہوئے کو زندان میں ڈال دو۔

جب جناب جرجیس زندان میں بھی تبلیغ سے نہ رکے۔ تو بادشاہ نے لوہے کی کنگھیاں بنوائیں اور غلاموں کو حکم دیا کہ اس نبی کا گوشت ان لوہے کی کنگھیوں سے نوچ ڈالو۔ غلاموں نے جناب جرجیس کا گوشت لوہے کی کنگھیوں کے ذریعہ ہڈیوں سے جدا کر دیا۔ ہڈیوں پر سرکہ چھڑکا گیا۔ اور پھر اون کا لباس پہنایا گیا۔ لوہے کی سلاخیں گرم کرکے ان سے جناب جرجیس کا جسم داغا گیا۔ پھر لوہے کی میخیں جناب جرجیس کے کانوں، گھٹنوں اور پاؤں میں نصب کی گئیں۔

آخر میں لوہے کے کیل گرم کر کے آپ کے سر میں نصب کیے گئے اور اوپر سے سیسہ پگھلا کے ڈال دیا گیا۔ اور زندان میں ایک ایسی چٹان رکھی تھی جسے اٹھارہ آدمی مل کر اٹھاتے تھے۔

جناب جرجیس کو سلا کر وہ چٹان الٹ دی گئی جب وہ لوگ ایک طرف ہٹے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک ملک آیا اور کہا۔

جرجیس اللہ جل جلالہ کا پیغام ہے کہ یہ لوگ تجھے چار مرتبہ شہید کریں گے تو گھبرانا مت۔ میں ہر مرتبہ تجھے زندہ کروں گا۔

جب صبح ہوئی تو بادشاہ نے غلام بھیجے کہ جاؤ وہ نبی اپنے اللہ کے پاس پہنچ گیا ہو گا۔ اسے زندان سے اٹھا کر باہر دفن کر دو۔

جب غلاموں نے آکر دیکھا تو جناب جرجیس اسی چٹان پر بیٹھ کر ذکر خدا میں مصروف تھے۔

سب گھبرا کر بادشاہ کے پاس آئے اور اسے بتایا کہ نبی صاحب تو چٹان پر بیٹھ کر اپنے اللہ کے نام کی تسبیح پڑھ رہے ہیں۔

ذاذانہ نے کہا۔ اسے جلدی میرے پاس لے آؤ۔ غلام آپ کو لے کر گئے۔ آپ نے فرمایا۔ ذاذانہ جس اللہ نے تجھے اتنا اقتدار دیا ہے اس کی نعمت کا شکریہ ادا کر اور سرکشی چھوڑ دے۔

ذاذانہ نے وزیروں سے مشورہ کیا۔ اور کہا۔ مجھے ایسے لگتا ہے کہ یہ شخص جادوگر ہے۔ جاؤ کوئی اچھا سا قابل جادوگر تلاش کر دو وہی اس کا مقابلہ کرے گا۔

ماہر جادوگر تلاش کیا گیا۔ اس نے آکر اپنا ہر کرتب آزمایا۔ لیکن جناب جرجیس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ تنگ آکر جادوگر نے آپ کو زہر کھلا دیا۔

آپ نے زہر لیا اور بسم اللہ الذی یضل عند صدقہ کذب الفجرۃ وسحر السحرۃ پڑھ کر زہر کھا لیا۔ آپ کو کچھ بھی نہ ہوا۔

جادوگر آپ کے قدموں میں گر گیا۔ اور کہنے لگا۔ آپ حق ہیں۔ آپ کا معبود حق ہے۔ اگر اس زہر کا سوواں حصہ میں ہزار آدمی کو کھلاتا تو ان کے جگر کباب ہو کر باہر آجاتے۔ لیکن آپ پر اثر ہی نہیں ہوا۔ مجھے اپنے معبود کا کلمہ پڑھائیں۔

جناب جرجیس نے کلمہ پڑھایا۔ اور بادشاہ نے اس جادوگر کے قتل کا حکم دیا۔ جادوگر قتل کر دیا گیا اور جناب جرجیس کو دوبارہ زندان میں بھیج دیا گیا۔

ہر قسم کی اذیت پہنچانے کے بعد جناب جرجیس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک مٹکے میں ڈال کر اسے بند کر دیا گیا ذاذانہ اپنے وزیروں اور مشیروں کے ساتھ آکر دسترخوان پر بیٹھا تاکہ جشن منائے۔

اللہ نے ایک سیاہ بادل بھیجا جس کی گرج۔ چمک اور کڑک سے یہ لوگ دہشت زدہ ہو گئے۔ زمین میں زلزلہ آگیا۔

انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا۔

اللہ نے میکائیل کو بھیجا۔ جا میرے جرجیس سے کہہ۔ اٹھ اور تبلیغ کر۔ میکائیل نے ملبے کے قریب کھڑے ہو کر جناب جرجیس کو وفات احییت کا پیغام دیا۔

جناب جرجیس بسم اللہ پڑھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور دستر خوان پر بادشاہ کے سامنے آ کر فرمایا۔ بادشاہ اللہ نے تجھے مہلت دیا ہے۔ بہت دی ہے۔ اپنی ہمت کو پتھر کے قدموں میں ضائع نہ کر۔ ایک اللہ کو معبود مان لے۔

جب پولیس انچارج نے جناب جرجیس کو دیکھا تو اسی وقت آپ کے قدموں میں گرا اور عرض کی۔ مجھ سے جو غلطی ہوئی ہے۔ آپ معاف فرمائیں آپ کو دو مرتبہ قتل کرنے کے بعد بھی زندہ دیکھ کر آپ کے اللہ کو نہ ماننا بہت بڑی خیانت ہے اور اتنی بڑی خیانت کم از کم میں نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ چار ہزار اور آدمی بھی مسلمان ہو گئے۔

فاذانز نے حکم دیا تمام مسلمانوں کو قتل کر دو۔ شاہی حکم سے ان تمام کو قتل کر دیا گیا۔

فاذانز نے حکم دیا اب میں دیکھتا ہوں تو کیسے اٹھتا ہے اور تیرا اللہ کیسے تجھے زندہ کرتا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ تانبے کی ایک چادر کو آگ میں سرخ کیا جائے۔ جب وہ سرخ ہو گئی تو جناب جرجیس کو اس پر لٹا دیا گیا۔ سیسہ پگھلا کر جناب جرجیس کے دہن مبارک میں ڈال گیا۔ آنکھوں اور سر میں گرم میخیں گاڑی گئیں۔ آخر میں اوپر لکڑیاں ڈال کر آگ لگا دی گئی۔ نبی خدا کی راکھ لکڑیوں کی راکھ میں مل گئی۔ اس نے حکم دیا کہ اس راکھ کو ہوا میں بکھیر دو۔

ادھر اللہ نے ہوا کو حکم دیا کہ میرے نبی کی راکھ کو ایک جگہ جمع کر۔ جب راکھ جمع ہو گئی۔ تو اللہ نے جبرئیل سے فرمایا۔ جا اور میرے نبی سے کہہ۔ اٹھ اور جا کر فاذانز کو تبلیغ کر۔

میکائیل نے راکھ پر کھڑے ہو کر اللہ کا پیغام سنایا۔ اللہ کا نبی بسم اللہ پڑھ کر اٹھ کھڑا ہوا فاذانز کے پاس آئے وہ اپنے وزیروں اور مشیروں کے درمیان بیٹھا گپیں ہانک رہا تھا۔

جرجیس کو دیکھ کر تمام انگشت بدنداں ہو گئے۔

ایک وزیر نے کہا۔ جرجیس تو دیکھ رہا ہے ہم جن منبروں پر بیٹھے ہیں۔ یہ سب لکڑی کے بنے ہوئے ہیں۔ اگر واقعی تیرا خدا سچا ہے تو اسے کہہ جس جس درخت کی یہ لکڑیاں ہیں ابھی ابھی اسی جگہ ہری ہو جائیں اور پھل دیں۔ تو ہم تجھے نبی اور تیرے خدا کو اپنا معبود مان لیں گے۔ اور بت پرستی چھوڑ دیں گے۔

جناب جرجیس نے دعا کی۔ اسی وقت وہاں باغ لگ گیا۔ اور پھل پک گئے۔

یہ دیکھ کر فاذانز نے حکم دیا کہ اسے پکڑ کر اسی جگہ پیٹ کے بل لٹا دو۔ جناب جرجیس کو پیٹ کے بل لٹا کر آرے سے چیر دیا گیا۔

ایک بڑی دیگ چولہے پر چڑھا کر اس میں گندھک سیسہ اور تارکول ڈال کر انہیں کھولایا گیا جب یہ کھول گئے تو جناب جرجیس کا گوشت اٹھا کر دیگ میں ڈال دیا گیا۔

اس وقت کرہ ارض پر تاریکی چھا گئی۔ اسرافیل نے ایک ایسی آواز دی جس سے تمام لوگ اوندھے منہ گر گئے۔ اسرافیل اس دیگ کے قریب آیا اور کہا۔

اے نبی خدا! حکم خدا ہے اٹھ اور میری توحید کی تبلیغ کر۔ جناب جرجیس اٹھے اور بادشاہ فاذانہ کے سامنے آ کر کہا۔ ابھی تک تو میرے معبود کو تسلیم نہیں کر رہا۔ اپنی کوشش بھی دیکھ اور میرے معبود کی قدرت بھی دیکھ۔

تمام شہر والے یہ دیکھ کر گھبرا گئے۔

ایک عورت نے آ کر جناب جرجیس سے کہا۔ اے بندہ خدا! میرا ایک بیل تھا جو مر گیا ہے۔ ہمارا ذریعہ معاش تھا۔ اب ختم ہو گیا ہے۔

جناب جرجیس نے فرمایا۔ جا بیل سے کہہ۔ تجھے اللہ کا نبی جرجیس حکم دیتا ہے اب اٹھ جا۔

عورت نے جا کر بیل کو کہا۔ بیل زندہ ہو گیا۔

تمام شہر والے جمع ہو گئے۔ فاذانہ نے کہا اب اسے تلواروں سے ختم کر دو۔ جناب جرجیس نے فرمایا۔ مجھے اپنے اللہ سے ایک مرتبہ دعا مانگ لینے دو۔ وہ رک گئے۔ جناب جرجیس نے عرض کیا۔

بار الہا تو دیکھ رہا ہے یہ لوگ اب ایمان نہیں لائیں گے۔ مجھے اگر تیری راہ میں ہزار دفعہ بھی موت آئے تو میں گوارا کر لوں گا لیکن یہ قطعاً ایمان نہیں لائیں گے۔

اس کے بعد وہ لوگ تلواروں سے پل پڑے۔ انہوں نے آپ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ واپس شہر میں آئے تو اللہ نے ان پر عذاب نازل کیا۔ تمام شہر جل کر بھسم ہو گیا۔

عشرۂ محرم

۱۔ ماہ محرم میں جنگ کفار بھی نہیں کرتے تھے!

امالی میں ابن بابویہ نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ امام رضاؑ نے فرمایا۔ ماہ محرم وہ مہینہ ہے جس میں زمانہ جاہلیت کے کفار بھی جنگ کو حرام سمجھتے تھے لیکن امت مسلمہ نے اسی ماہ میں ذریت نبی کا خون بہانا حلال سمجھ لیا۔

اسی ماہ خیمۂ نبی کے حرم لوٹ کر جلائے گئے۔

اسی ماہ رسول زادیوں کو رسن بستہ کیا گیا۔

مسلمانوں نے نہ جاہلیت کے رواج کو سامنے رکھا اور نہ حرمت نبویہ کا لحاظ کیا۔

یوم عاشور نے آل محمدؐ کی آنکھیں زخمی کر دی ہیں۔ ہمارے آنسو نہیں تھمے۔ قیامت تک ہم کربلا کو نہیں بھول سکتے۔

اگر کوئی رونا چاہے تو ہمارے مصائب کو یاد کر کے آنسو بہائے۔ مصائب حسینؑ پر گریہ سے گناہان کبیرہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ میرے بابا کو پہلے عشرۂ محرم میں کبھی کسی نے مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ یوم عاشورہ تو بار بار غش کر جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ یہی وہ دن ہے جس میں صاحب دوش رسول اور پسر دو شہ آغوش بتول بے گور و کفن اور پیاسا شہید ہوا۔

۲۔ زیارت حسینؑ مظلوم اور آپ پر گریہ:

عیون میں ریان ابن شبیب سے مروی ہے کہ میں محرم کی پہلی کو امام رضاؑ کے پاس گیا۔ آپ نے فرمایا۔

اے پسر شبیب تجھے معلوم ہے کہ ماہ محرم زمانۂ جاہلیت میں بھی محترم ہوتا تھا۔ اور مشرکین و کفار کا کوئی بھی فرقہ اس ماہ نہ جنگ کرتا تھا۔ اور نہ کسی پر ظلم و زیادتی کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے انتقام بھی اس ماہ میں بھول جاتے تھے۔ لیکن امت مسلمہ نے ذریت رسول کے معاملہ میں نہ جاہلیت کے رواج کی پابندی کی نہ اسلامی احترام کا پاس کیا۔ اور نہ ہی احترام نبوی کا خیال کیا۔ اسی ماہ آل محمدؐ کے بے گناہ خون بہائے گئے۔ غارت گری کی گئی۔ خیام کو نذر آتش کیا گیا۔ رسول زادیوں کو پابند رسن کر کے کوچہ کوچہ گلی گلی اور شہر بشہر تشہیر کیا گیا۔

اے پسر شبیب اگر کبھی کسی چیز پر رونا چاہے تو مظلومیت حسینؑ پر رویا کر۔ مظلوم زہراؑ کو پس گردن سے ذبح کیا گیا ہے۔ آل محمدؐ کے اٹھارہ ایسے جوان خاک و خون میں غلطاں کیے گئے کہ ارض و سما میں ان کا نظیر کوئی نہ تھا۔ شہادت شبیرؑ پر آسمان و زمین نے آنسو بہائے ہیں۔

چار ہزار ملک قیامت تک مزار حسینؑ پر نالاں و گریاں رہے گا۔

اے پسر شبیب مجھے اپنے آباؤ اجداد سے یہ روایت موصول ہوئی ہے کہ یوم عاشور شہادت حسینؑ کے بعد آسمان سے خون اور سرخ رنگ مٹی کی بارش ہوئی تھی۔

اے پسر شبیب اگر غم حسینؑ میں اس قدر رو لو کہ تمہارے آنسو تمہارے رخسار تک بہہ جائیں تو اللہ تیرا ہر کبیرہ و صغیرہ گناہ معاف فرما دے گا۔

اے پسر شبیب اگر تو چاہتا ہے کہ کسی گناہ کے بوجھ کے بغیر دربار خالق میں پیش ہو تو پھر غم حسینؑ میں رویا کر۔

اے پسر شبیب اگر تو جنت میں نبی اکرمؐ کا پڑوسی ہونا چاہتا ہے۔ تو قاتلان حسینؑ پر لعنت کیا کر۔

اے پسر شبیب اگر تو جنت میں انصار حسینؑ سے محشور ہونا چاہتا ہے تو جب کبھی تجھے یاد حسینؑ آجائے تو کہا کر۔

یا لیتنی کنت معکم فافوز فوزاً عظیما۔

اے پسر شبیب اگر تو قیامت میں ہمارے علم کے سایہ میں رہنا چاہتا ہے تو ہمارے غم میں مغموم اور ہماری خوشی میں مسرور ہوا کر یقین رکھ اگر کوئی شخص پتھر سے بھی محبت رکھتا ہو گا تو اللہ اسے قیامت کے دن پتھر کے ساتھ محشور کرے گا۔

مصباح میں شیخ طوسی نے عبداللہ ابن سنان سے روایت کی ہے کہ یوم عاشور میں امام صادقؑ کو تعزیت کرنے کی خاطر حاضر ہوا اور عرض کی قبلہ! یہ یوم عاشور کے روزہ کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اے عبداللہ! اس دن روزہ کہاں ہے۔ عصر کے ایک گھنٹہ بعد فاقہ سے افطار کر لیا کرو یہ وہی وقت ہے جب ایک طرف زہرا زادیوں کے سامنے صحرا کی گرم ریت پر ان کے عزیز و اقارب کے ٹکڑے ٹکڑے پامال ہوئے لاشے پڑے تھے۔

ایک طرف جلے ہوئے خیام تھے اور دوسری طرف بی بی زادیوں کو تین دن بعد پانی ملا تھا۔ پھر آپ اس قدر روئے کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

یوم عاشور کسب معاش!

شیخ صدوق نے امالی میں امام رضاؑ سے روایت کی ہے امام رضاؑ نے فرمایا ہے جو شخص یوم عاشور کسب معاش کے پیچھے نہ جائے اللہ دنیا و آخرت میں اس کی ضروریات پوری فرمائے گا۔ جو شخص یوم عاشور کو غم و مصیبت میں گزارے گا اللہ قیامت کے دن اسے فرحت و مسرت میں رکھے گا۔

جو شخص یوم عاشور کو یوم کسب معاش اور روز برکت جانے گا۔ یوم عاشور ایک پیسہ بھی کما کر گھر لائے گا اس کے رزق میں برکت نہیں ہو گی اور قیامت کے دن۔ ابن زیاد۔ ابن سعد اور یزید کے ساتھ محشور ہو گا۔

یوم عاشور کا روزہ حرام ہے!

کافی میں عبدالملک نے روایت کی ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے نویں اور دسویں محرم کے روزہ کا پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔

یہ دونوں دن آل زیاد اور آل ابو سفیان کے لیے خوشی کے دن ہیں۔ نویں کے دن پہلی مرتبہ انہوں غریب زہراؑ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ ہر طرف سے ناکہ بندی کی مدد انہیں یقین ہو چکا تھا کہ اب کسی طرف سے فرزند رسولؐ کو کوئی امداد نہیں ملے گی۔ اور یوم عاشور تو ان کے لیے عید کا دن تھا۔ رب کعبہ کی قسم ان دونوں دنوں کا روزہ رکھنا شریعت محمدیہ میں حرام ہے۔

ایک طرف آدم سے لے کر خاتم تک تمام انبیاء تمام ملائکہ عرش روتا اور تمام کائنات مغموم اور گریاں تھی۔ دوسری طرف

آل زیاد اور آل ابو سفیان جشن فتح منایا کرتی تھی کہ جو شخص روز عاشورہ کو مبارک سمجھے گا یا اس دن روزہ رکھے گا۔ وہ مسخ شدہ دل کے ساتھ روز حشر آل زیاد کے ہمراہ محشور ہوگا۔ جو شخص روز عاشورہ کسب معاش کرے گا۔ اس کے دل میں نفاق پیدا ہوگا جو تادم مرگ اس کے ساتھ رہے گا۔ اس کے رزق سے برکت سلب ہو جائے گی اور شیطان اس کے مال اور اولاد میں بھی حصہ دار ہوگا۔

ناصرین غریب زہراؑ!

منتخب میں مروی ہے کہ محرم کا چاند نظر آتے ہی امام صادقؑ کے گھر صف ماتم بچھ جاتی تھی۔ مجلس عزا برپا ہوتی تھی۔ ہر طرف سے لوگ آپ کو پرسہ دینے آتے تھے۔ گریہ و بکا اور نوحہ خوانی و سینہ زنی ہوتی تھی۔ بعد از مجلس عزا آپ فرماتے تھے۔

امام حسینؑ شہید ہیں۔ شہید زندہ ہوتے ہیں۔ امام حسینؑ سالانہ میدان کربلا میں پہلے اپنے خیام، پھر اپنے اعزا کے وہ مقامات جہاں سب ایک ایک کرکے گھوڑوں سے گرتے تھے اور آخر میں اپنی مقتل دیکھتے ہیں۔ پھر سارے عالم میں اپنے ناصرین، اپنے عزاداروں اور اپنے غم میں گریہ کرنے والوں کو دیکھتے ہیں۔ امام حسینؑ کے پاس ان کے عزاداروں کی فہرست جاتی ہے۔ وہ خود بھی اپنے عزاداروں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ نبی اکرمؐ، جناب سیدہ، حضرت علیؑ اور امام حسنؑ سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ میرے عزاداروں کیلئے آپ بھی استغفار کریں۔

عزائے مظلوم زہراؑ میں رونے رلانے

اور

رونے کی شکل بنانے کا ثواب

نوٹ از مترجم: صاحب وسائل نے اکثر روایات مع سلسلہ سند لکھی ہیں۔ لیکن ترجمہ میں ہم نے سلسلہ سند چھوڑ دیا تھا لیکن اس عنوان میں پیش کردہ روایات کے ترجمہ میں ہم سلسلہ سند بھی پیش کر رہے ہیں۔ کیونکہ عصر حاضر میں کچھ افراد عزاداروں کو یہ کہہ کر عزاداری سے پیچھے ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ثواب عزاداری کے سلسلہ میں مروی روایات غیر مستند ہیں۔ (مترجم)

کامل الزیارات میں محمد ابن مسلم نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے امام باقرؑ نے امام سجادؑ سے روایت کی ہے کہ۔
غم شہادت حسینؑ میں اگر کسی مومن کی آنکھ سے آنسو نکل کر اس کے رخسار پر آجائے تو اللہ اسے داخل جنت کرے گا۔
ہمیں دشمنوں سے پہنچنے والی کسی بھی تکلیف پر اگر کسی مومن کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں تو اللہ جنت میں صادقین کے ساتھ اسے جگہ دے گا۔

ہماری عزاداری کے سلسلہ میں اگر کسی مومن کو ایسی تکلیف پہنچے جس سے اپنی تکلیف کی وجہ سے مومن کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلیں، تو اللہ اسے قیامت کے ہولناکیوں سے محفوظ رکھے گا۔

کامل الزیارات میں محمد حمیری نے اپنے باپ سے۔ محمد کے باپ نے علی ابن محمد ابن سالم سے۔ علی نے محمد ابن خالد سے خالد نے عبد اللہ ابن حماد سے۔ عبد اللہ نے عبد اللہ ابن عبد الرحمن ... سے۔ عبد اللہ نے مسمع ابن عبد الملک کردین بصری سے روایت کی ہے کہ۔

مسمع کہتا ہے کہ مجھے امام صادقؑ نے فرمایا۔

اے مسمع تو عراق کا باشندہ ہے کیا کبھی غریب زہراؑ کی زیارت کو کربلا گیا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کو معلوم ہے کہ زیارت غریب زہراؑ سرکاری طور پر منع ہے۔ اور میں ایک انتہائی معروف آدمی ہوں مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں گیا تو یقیناً میری چغلی کھائی جائے گی۔ اور میں زیر عتاب آجاؤں گا۔

آپ نے فرمایا۔ کیا مصائب غریب زہراؑ یاد کرتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ بالکل کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ مصائب یاد کرنے کے بعد کیا سینہ زنی کرتا ہے!

میں نے عرض کیا۔ قبلہ اس کی تصدیق تو میرے اہل خانہ بھی کریں گے کہ میں مصائب مظلوم زہراؑ یاد کر کے کتنا روتا ہوں اور کتنی سینہ زنی کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ مجھ سے کھانا چھوٹ جاتا ہے۔ اور میرا جسم میرے عزادار ہونے کی غمازی کرتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ تیرے آنسوؤں پر رحم فرمائے۔ تو قیامت میں ہمارے غم میں سینہ زنوں کے گروہ سے محشور ہوگا۔ تو ان لوگوں میں شامل ہوگا جو ہماری خوشی میں مسرور اور ہمارے غم میں غمزدہ رہتے ہیں۔ اس گریہ و سینہ زنی کی قیمت کا تجھے اس وقت پتہ چلے گا جب تو سکرات موت میں ہوگا

حضور آبائی لک ووصیتھم ملک الموت وما یلقونک بہ من البشارۃ۔	میرے آباء تیرے پاس حاضر ہوں گے ملک الموت کو تیرے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کریں گے اور تجھے بشارت جنت دیں گے

ملے۔ کلام معصوم میں لفظ حضور قابل توجہ ہے معصوم نے رویت نہیں فرمایا۔ حضور فرمایا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ مومن صرف حضرت علیؑ اور نبیؐ کو خواب میں دیکھے گا نہیں۔ بلکہ وہ چل کر مومن کے ہاں بنفس نفیس تشریف لائیں گے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

ان کے غم کے بعد ملک الموت تیرے لیے تیری ماں سے بھی زیادہ شفیق ہوگا۔

یہ فرما کر آپ رو دیئے، میرے بھی آنسو بہنے لگے۔

پھر فرمایا: اے مسمع! اللہ کی حمد ہے جس نے ہم پر اپنی رحمتیں نازل کی ہیں۔ اور ہمیں بھی صفت رحمت سے ہی نوازا ہے۔

اے مسمع! جب سے امیر المومنین شہید ہوئے اس دن سے ارض و سما مصروف گریہ ہیں۔

مسمع! جو شخص بھی ہماری مظلومیت پر اشک بار ہوتا ہے اس کا آنسو ٹپکنے سے پہلے رحمت خدا کا شمول ہو جاتا ہے۔

مسمع! ہماری مظلومیت پر بہنے والا اگر ایک آنسو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے تو آتش جہنم خاموش ہو جائے گی۔

مسمع! ہمارے غم میں رونے والا مرگ جب ہمیں اپنے سرہانے دیکھے گا تو اسے ہر غم بھول جائے گا۔ اور یہ خوشی ہمارے پاس حوض کوثر پہنچنے تک برقرار رہے گی۔

مسمع! جب ہمارے محب حوض کوثر پر پہنچیں گے تو کوثر فرط مسرت سے چھلک جائے گا۔

مسمع! حوض کوثر سے پیا گیا ایک جام ہمیشہ کے لیے کافی ہوگا۔ حوض کوثر کافور کی طرح ٹھنڈا، مشک کی طرح خوشبودار اور زنجبیل کے ذائقہ کا حامل ہوگا۔ آنسو سے زیادہ صاف، مکھن سے زیادہ نفیس اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا۔

اے مسمع! تو بھی ان افراد میں شامل ہوگا جو حوض کوثر سے سیراب ہوں گے۔

مسمع! ہمارے غم میں رونے والی آنکھ پر اللہ کی یہ عنایت ہوگی کہ وہ حوض کوثر کو دیکھ سکے گی۔

مسمع! حوض کوثر پر امیر المومنین ہوں گے اور اپنے اعداء کو حوض کوثر کے قریب تک نہ آنے دے گا۔

مسمع! حوض کوثر پر آنے والے ایسے افراد جو ہمارے غم میں اشک نہیں بہاتے۔ جب آئیں گے اور جناب امیر المومنین انہیں دور بھگائیں گے۔ تو وہ عرض کریں گے۔

یا علیؑ۔ ہم اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ پڑھتے رہے ہیں۔

حضرت علیؑ جواب دیں گے مجھے معلوم ہے کہ تم پڑھتے رہے ہو۔ آج بات شہادتین کی نہیں ہے شفاعت کی ہے جاؤ جن کو امام مانتے تھے ان سے مانگو۔

وہ عرض کریں گے۔ آج ہمارے وہ امام تو ہم سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔

آپ فرمائیں گے جا انہیں تلاش کر۔ تیرے نزدیک تو وہ افضل مخلوق تھے۔ اور افضل مخلوق کی شفاعت اللہ مسترد نہیں کرتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) موت سے ہم کلام ہو کر بشارت جنت دیں گے اور ملک الموت کو نرمی کی وصیت فرمائیں گے۔ لہٰذا حضورؐ کے حاضر و ناظر ہونے کے لیے کافی ہے۔

وہ عرض کرے گا۔ قبلہ! میرا پیاس سے برا حال ہے

حضرت علیؑ فرمائیں گے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ مجھے تو اللہ کی طرف سے صرف انہی کو کوثر پلانے کا حکم ہے جو دنیا میں صرف ہماری وجہ سے مظلوم رہے ہیں۔

منتخب میں پورے سلسلہ سند کے ساتھ امام صادقؑ سے منقول ہے آپ نے فرمایا ہے۔

جس شخص کے سامنے ہماری مظلومیت بیان کی جائے اور اس کی آنکھ سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آئے تو اللہ اس کے تمام گناہ معاف فرما دے گا خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

اللہ ہمارے شیعہ پر رحم فرمائے کہ وہ تاریخ کے طویل ترین غم حسینؑ میں ہمارے شریک غم ہیں۔

جو شخص ہمارے غم میں خود بھی روئے اور سو افراد کو رلائے وہ داخل جنت ہوگا۔

جو شخص ہمارے غم میں خود روئے اور پچاس افراد کو رلائے داخل جنت ہوگا۔

جو شخص ہمارے غم میں خود روئے اور تیس آدمیوں کو رلائے وہ داخل جنت ہوگا۔

جو شخص ہمارے غم میں خود روئے اور دس آدمیوں کو رلائے داخل جنت ہوگا۔

جو شخص ہمارے غم میں خود روئے اور ایک آدمی کو رلائے داخل جنت ہوگا۔

جس شخص کے آنسو نہیں بہتے اگر رونے کی شکل ہی بنائے تو داخل جنت ہوگا۔

میرے نانا سے مروی ہے کہ شہادت حسینؑ کے بعد کوئی شخص غم حسینؑ میں صرف اتنا روئے کہ مکھی کا پر تر ہو جائے تو اس کا اجر اللہ اپنے ذمے لے گا اور اللہ جنت سے کم اجر نہیں دے گا۔

بحار میں مروی ہے کہ جب سرور انبیاءؐ نے جناب سیدہؑ کو شہادت حسینؑ کی اطلاع دی تو دختر رسولؐ کافی وقت تک گریہ فرماتی رہیں۔

پھر عرض کیا۔ بابا! میرا حسینؑ کب شہید ہوگا؟

آپ نے فرمایا۔ بیٹی اس وقت شہید ہوگا جب نہ میں ہوں گا۔ نہ تو ہوگی۔ نہ علیؑ ہوگا اور نہ حسنؑ ہوگا۔

یہ سن کر بی بی کا گریہ بڑھ گیا۔ اور عرض کیا۔ بابا جان۔ کیا میرے حسینؑ کو کوئی رونے والا بھی ہوگا۔

سرور انبیاءؐ نے فرمایا۔ ہاں بیٹی اللہ میری امت سے ایک گروہ پیدا کرے گا جو ہر سال تیرے حسینؑ کی یاد تازہ کریں گے گریہ کریں گے۔ نوحہ خوانی کریں گے اور سینہ زنی کریں گے اور یہ سلسلہ ان کی نسلوں میں جاری رہے گا ان کے مرد ہمارے مردوں کے غم میں اور ان کی عورتیں ہماری عورتوں کی مظلومیت پر آنسو بہائیں گی۔

قیامت کے دن تو بھی عزاداران حسینؑ کی شفاعت کرے گی اور میں بھی عزاداروں کی شفاعت کروں گا۔ بیٹی قیامت کے دن ہر آنکھ اشکبار ہوگی لیکن جو آنکھ غم حسینؑ میں روئی ہوگی وہ مسرور و شاداں ہوگی۔

غریب زہرا کی عزاداری میں شعر لکھنا

شیخ صدوقؒ نے امالی میں اور ابن قولویہ نے کامل الزیارات میں اپنے سلسلہ سند کے ساتھ ابو عمارہ شاعر کے ذریعہ امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے مجھے فرمایا۔

اے ابو عمارہ مجھے مظلومیت حسینؑ کے چند اشعار سناؤ۔

میں نے ایک مرثیہ سنایا۔ آپ نوٹ کر روتے۔ میں چپ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں ابو عمارہ تو مرثیہ خوانی کرتا رہ۔ اور میں ایک کے بعد دوسرا مرثیہ پڑھتا رہا۔ اور امام صادقؑ دھاڑیں مار کر روتے رہے حتیٰ کہ پس پردہ سے بھی رونے کی آوازیں آنے لگیں۔

آپ نے فرمایا۔ ابو عمارہ جو غم مظلوم کربلا میں شعر لکھ کر پچاس آدمیوں کو رلائے وہ داخل جنت ہو گا۔

جو غم حسینؑ میں شعر لکھ کر تیس آدمیوں کو رلائے وہ داخل جنت ہو گا۔

جو غم حسینؑ میں شعر لکھ کر دس آدمیوں کو رلائے وہ داخل جنت ہو گا

جو غم حسینؑ میں شعر لکھ کر ایک آدمی کو رلائے داخل جنت ہو گا۔

جو غم حسینؑ میں شعر لکھ کر خود روئے داخل جنت ہو گا۔

جو غم حسینؑ میں شعر لکھ کر رونے کی شکل بنائے داخل جنت ہو گا۔

کامل الزیارات میں ابو ہارون مکفوف سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کے پاس گیا۔ امام حزیں تھے آپ اور آپ کے گرد بیٹھنے والے تمام صحابہ مغموم تھے۔

آپ نے مجھے فرمایا۔ ابو ہارون غم مظلوم کربلا میں اشعار سنا۔

میں نے یونہی تحت اللفظ شعر پڑھا۔

آپ نے فرمایا۔ اس طرح نہیں۔ بلکہ جس طرح تم اپنی مجالس عزا میں سوز خوانی کرتے ہو اسی طرح سنا۔

میں نے ایک مرثیہ پڑھا۔ آپ نے دوسرے کا حکم دیا۔ میں نے دوسرا مرثیہ پڑھا۔ آپ خود روتے رہے۔ پس پردہ سے صدائے گریہ بلند ہوئی۔

جب مستورات کی آواز بلند ہوئی تو آپ نے فرمایا۔

اے ابو ہارون۔ جو شعر لکھ کر دس آدمیوں کو رلائے داخل جنت ہو گا۔ جو ایک کو رلائے داخل جنت ہو گا اور جو خود روئے

داخلِ جنت ہوگا۔

منتخب میں دعبل خزاعی سے مروی ہے کہ میں ایامِ عزا میں امام رضاؑ کے پاس گیا۔ مجھے آتا ہوا دیکھ کر آپ نے فرمایا۔

مرحبا بک یا دعبل — دعبل خوش آمدی

مرحبا بناصرنا بیدہ و لسانہ — اپنے ہاتھ اور زبان سے ہماری مدد کرنے والے خوش آمدی۔

آپ نے مجھے اپنے قریب بیٹھنے کو جگہ دی اور فرمایا۔ دعبل تجھے معلوم ہے آج کل ایامِ عزا ہیں۔ مرثیہ خوانی کرتا کہ پھر آنسو بہہ جائیں۔

دعبل یہ وہ دن ہیں جو آلِ محمد کے لیے باعثِ غم اور دشمنانِ آلِ محمد کے لیے بالعموم اور بنی امیہ کے لیے بالخصوص ایامِ مسرت ہیں۔

دعبل جو شخص ہمارے غم میں روئے یا رلائے اس کا اجر اللہ اپنے ذمے لیتا ہے۔

دعبل جو شخص ہماری مظلومیت پر آنسو بہائے وہ قیامت میں ہمارے ساتھ محشور ہوگا۔

دعبل جو شخص غریب زہراؑ کے غم میں روئے گا اللہ لامحالہ اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔

پھر فرمایا۔ ہاں دعبل اب مرثیہ خوانی کر۔ تو جب تک زندہ ہے ہماری مدح سرائی اور مرثیہ خوانی کرتا رہے گا کبھی اس سے غفلت نہ کرنا۔

پھر میں نے دو مرثیے پڑھے۔ امام رضاؑ پس پردہ اہلبیت نے بے تحاشا گریہ کیا۔

منتخب میں زید شحام سے مروی ہے کہ ہم اہلِ کوفہ کا ایک اچھا خاصا گروہ امام صادقؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ جعفر ابن عفان آگیا۔

آپ نے جعفر کو اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا۔

جعفر میں نے سنا ہے تو مظلومیت غریب زہراؑ پر شعر کہتا ہے اور اچھے کہتا ہے؟

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! جہاں تک شعر کہنے کا تعلق ہے تو وہ میں کہتا ہوں جہاں تک اچھے اشعار کہنے کا تعلق ہے تو میں کچھ عرض کر نہیں سکتا۔ ویسے لوگ کہتے ہیں کہ اچھے اشعار کہتا ہوں۔ قبلہ اگر اچھے ہوں بھی سہی تو لوگوں کے لیے ہوں گے۔ آپ کے سامنے میرے اشعار کی کیا حیثیت ہے۔

آپ نے فرمایا۔ بھلا کوئی مرثیہ سنا۔

جعفر نے مرثیہ پڑھا۔ ہم نے دیکھا کہ آنسو آپ کے رخساروں پر بکھر رہے ہیں بلکہ گر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ بخدا! تیرے اس ذکرِ حسینؑ کو ملائکہ نے بھی سنا ہے اور وہ ہم سے زیادہ روئے ہیں۔ اللہ نے تیرے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ اور تیرے لیے جنت واجب کر دی ہے۔

جعفر! جو بھی غریب زہراؑ کی مظلومیت پر ایک شعر کہہ کر ایک شخص کو بھی رلا دے اللہ اس کے لیے جنت واجب قرار

سے دیتا ہے۔

ہر یوم عاشورا آسمان سے ملائکہ نازل ہوتے ہیں ان کے پاس شیشیاں ہوتی ہیں۔ ہر گھر میں اور ہر مجلس عزا میں جا کر ان شیشیوں کو عزاداروں کے آنسوؤں سے پر کرتے ہیں۔ قیامت کے دن جب لوگ پل صراط سے گزریں گے اور عزاداران حسینؑ کے گناہوں کی وجہ سے آتش جہنم کے شعلے عزاداروں کی طرف لپکیں گے تو ملائکہ انہی آنسوؤں کے چھینٹے آتش جہنم پر ماریں گے آتش جہنم ساٹھ ہزار فرسخ کے فاصلہ تک دور چلی جائے گی۔

قتیل العبرۃ

کامل الزیارات میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ نے امام حسینؑ کی طرف دیکھا اور فرمایا اے ہر مومن کے آنسو۔

کامل ہی میں ابو عمارہ سے مروی ہے کہ جس دن امام صادقؑ کے سامنے امام حسینؑ کا نام لے لیا جاتا تھا۔ اس دن نام لیے جانے کے بعد کبھی کسی نے امام صادقؑ کو مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ فرمایا کرتے تھے حسینؑ ہر مومن کا آنسو ہے۔

کامل الزیارات میں ابو بصیر سے مروی ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا ہے۔ امام حسینؑ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ میں کشتۂ عبرت ہوں۔ جو مومن بھی میرا نام لے گا یا سنے گا اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو ٹپک پڑیں گے۔

کامل الزیارات میں ہارون ابن خارجہ سے مروی ہے کہ ایک دن امام صادقؑ کے پاس بیٹھے تھے۔ امام حسینؑ کا تذکرہ چل نکلا تھا۔

امام صادقؑ گریہ فرمانے لگے۔ ہم بھی رونے لگے پھر آپ نے فرمایا۔ امام حسینؑ فرمایا کرتے تھے۔ میں کشتۂ عبرت ہوں۔ جو کوئی بھی میرا نام سنے گا یا میرا نام لے گا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑیں گے۔

کامل الزیارات میں ہارون ابن خارجہ ہی سے مروی ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا ہے۔ امام حسینؑ بالعموم فرمایا کرتے تھے۔ میں کشتۂ عبرت ہوں۔ میں کشتۂ عبرت ہوں۔ میں انتہائی غربت اور بے کسی میں شہید کیا جاؤں گا۔ میرا حق ہے کہ جب بھی میرے پاس کوئی بھی مصیبت کا مارا آئے میں اسے واپس خوشحال و خرم لوٹاؤں۔

عزاداری غریب زہراؑ میں خرچ !

منتخب طریحی میں مروی ہے کہ جناب موسیٰؑ نے ایک مرتبہ مناجات میں عرض کیا۔ بار الہا! تو نے امت محمدؐ کو کس بنا پر دیگر امتوں سے افضل قرار دیا ہے۔

ذات احدیت نے یہ جواب دیا کہ۔ امت محمدؐ کے پاس دس ایسی خصوصیات ہوں گی جو اور کسی نبی کی امت میں ہی نہیں ہیں۔

جناب موسیٰؑ نے عرض کیا۔ وہ دس خصوصیات کون سی ہیں!

ذات احدیت نے فرمایا۔

۱۔ نماز۔ ۲۔ زکوٰۃ۔ ۳۔ روزہ۔ ۴۔ حج۔ ۵۔ جہاد۔ ۶۔ جمعہ۔ ۷۔ جماعت۔ ۸۔ قرآن۔ ۹۔ علم۔ ۱۰۔ عاشورہ۔

جناب موسیٰؑ نے عرض کیا۔ بار الہا! دوسری نو چیزوں سے تو میں متعارف ہوں۔ لیکن یہ عاشورہ کیا ہے۔

ذات احدیت نے فرمایا۔ عاشورہ سبط محمدؐ پر رونا اور رلانا، فرزند مصطفیؐ کے غم میں نوحہ اور ماتم کرنا ہے۔

موسیٰؑ! اس زمانہ میں میرے بندوں میں سے جس نے بھی ذریت محمدؐ کے غم میں سوگ منایا۔ صف ماتم بچھائی۔ اور نوحہ و بکا کیا میں اسے بلا حساب داخل جنت کروں گا۔

موسیٰؑ! امت محمدؐ میں سے جس نے فرزند مصطفیؐ کے غم میں کسی کو کھانا کھلایا یا مراسم عزا میں ایک درہم خرچ کیا۔ میں دنیا میں اس کے مال میں ستر گناہ برکت دوں گا۔ بلا حساب داخل جنت کروں گا اور اس کے تمام گناہ معاف کر دوں گا۔

موسیٰؑ! مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے اگر فرزند مصطفیؐ کے غم میں یوم عاشورہ یا سال کے کسی دن کسی نے ایک آنسو بھی بہایا میں اسے سو شہید کا ثواب دوں گا۔

منتخب طریحی میں مدینہ کی ایک طوائف اور اس کے پڑوسیوں سے منقول ہے کہ میں پیشہ ور طوائف تھی اور میرے پڑوس میں ایک شیعہ عزادار کا گھر تھا۔ عزادار کے مکان میں بالعموم صف ماتم کا انتظام رہتا تھا۔ گرمی کے موسم میں ایک ایسا ہی دن تھا عزادار کے مکان میں صف ماتم بچھی تھی۔ باہر سے آئے ہوئے چند شعراء و ذاکر مصائب پڑھ رہے تھے۔ صاحب خانہ نے ان ذاکروں اور مجلس عزا میں شریک افراد کے لیے نیاز پکانے کا حکم دے رکھا تھا۔ نیاز کی دیگ چولہے پر تھی اور وہ مصروف عزاداری تھے۔ مجھے آگ کی ضرورت ہوئی میں آگ لینے کی خاطر عزادار کے گھر آئی۔ دیکھا تو آگ تقریباً بجھ چکی تھی۔ میں نے چنگاریوں کو پھونکنا شروع کیا۔ میرے منہ اور سر پر دھواں پڑا میرے ہاتھ سیاہ ہو گئے۔ آگ جل گئی۔ میں آگ لے کر چلی گئی۔ دیگ کے نیچے آگ جل رہی تھی۔

میں نے گھر آ کر اپنا کام کیا۔ اور دوپہر کو قیلولہ کے لیے سو گئی۔ عالم خواب میں میدان محشر دیکھا ہر طرف العطش العطش

کی صدائیں تھیں۔ پھر ملائکہ آئے انہوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑا اور جہنم کی طرف لے جانے لگے۔ میں فریاد کرنے لگی۔ لیکن وہاں میری فریاد سننے والا کون تھا۔ جب وہ ملائکہ جہنم کے کنارے پر پہنچ گئے۔ تو پیچھے سے ایک آواز آئی ٹھہر جاؤ اسے جہنم میں نہ ڈالنا۔

ملائکہ رک گئے۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک انتہائی حسین و جمیل اور خوش پوش شخص دوڑتا آ رہا تھا۔ ملائکہ نے عرض کیا کہ۔

اے فرزند رسولؐ! کیا آپ نے اس کی شفاعت کی ہے؟

اس نے کہا۔ ہاں کی ہے۔

ملائکہ نے کہا۔ کیا شفاعت قبول ہو گئی ہے۔

اس نے کہا۔ کیا شفاعت قبول ہونے کے بغیر میں تمہیں روک سکتا ہوں۔

ملائکہ نے عرض کیا۔ قبلہ! ہمیں بتانے کی ضرورت تو نہیں کہ یہ عورت کون ہے۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ آپ نے اس کی شفاعت کیوں کی۔

اس نے کہا۔ تم اس کے ہاتھ دیکھو راکھ سے سیاہ ہیں۔ اس کا سر دیکھو راکھ سے اٹا ہوا ہے۔ اور اس کا چہرہ دیکھو راکھ سے آلودہ ہے۔

ملائکہ نے عرض کیا۔ قبلہ یہ سب کچھ تو ہے لیکن اس کا اس کی شفاعت سے کیا تعلق ہے۔

اس نے کہا۔ اس کے پڑوس میں میرے غلام عزادار کا مکان ہے۔ آج اس نے صف ماتم بچھا رکھی تھی۔ اور نیاز پکا رہا تھا۔ وہ میرے ماتم میں مصروف ہو گئے اور آگ بجھ گئی۔ نیاز ابھی تک پکی نہ تھی۔ اس کو آگ کی ضرورت ہوئی یہ آگ لینے کی خاطر پڑوسی عزادار کے گھر گئی۔ اس نے آگ دوبارہ جلائی۔ اس کے آگ جلانے سے نیاز میں جو خامی تھی وہ پوری ہو گئی۔ اگرچہ اس نے آگ اپنی خاطر جلائی تھی لیکن میرے نام پکنے والی نیاز کو فائدہ ہوا ہے وہ اسی کی آگ جلانے سے ہوا ہے اور میں کسی کا قرض نہیں رکھتا ہوں۔

یہ سن کر ملائکہ نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں اس شخص سے مخاطب ہوئی اور عرض کیا آپ نے اس کڑے وقت میں مجھ پر احسان کیا ہے۔ آپ کون ہیں۔

اس نے کہا میں کشتہ حضرت علی ابن ابیؑ کا فرزند حسین مظلوم ہوں۔

میں اسی وقت آپ کے قدموں میں گر گئی اور عرض کی۔ قبلہ جو بدکاری کر چکی ہوں۔ وہ آج آپ نے معاف کرا دی ہے آج کے بعد میں بدکاری سے توبہ کرتی ہوں۔ کیونکہ آپ جیسے کریم کی زیارت کے بعد کسی بدمعاش سے بات کرنا بھی میری توہین ہوگی۔ میں نیند سے بیدار ہوئی۔ دیکھا تو ابھی تک مجلس عزا بحال تھی۔ میں فوراً وہاں آئی اور ان سوگواروں کو تمام واقعہ سنایا۔ گریہ اور نوحہ دوبالا دو چند ہو گیا۔ پھر میں نے ان تمام کے سامنے اپنے جرم بدکاری سے توبہ کی۔

بحار میں سید حسینی سے مروی ہے کہ میں ایک دوست کے ساتھ مشہد میں امام رضاؑ کے پڑوس میں رہ رہا تھا۔ محرم کے ایام تھے۔ روزانہ مجلس عزا ہوتی تھی۔ میرے ہی ساتھیوں میں سے ایک شخص ذاکر تھا جو مجلس پڑھتا تھا۔ یوم عاشور اس ذاکر نے امام باقرؑ کی یہ روایت پڑھی کہ۔

عزائے مظلوم زہراؑ میں اگر مچھر کے پر کے برابر بھی آنسو آ جائے تو اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی ہوں گے انشاءاللہ معاف فرما دے گا۔

میرے انہی ساتھیوں میں ایک مولوی تھا۔ جو صرف و نحو تو شاید بہت پڑھا ہوا تھا لیکن معرفت سے خالی تھا۔ اس نے کہا۔ کہ یہ روایت خلاف عقل ہے۔ میں نہیں مانتا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ اتنے بڑے گناہ صرف ایک آنسو سے ہی معاف ہو جائیں۔

ہماری کافی بحث و تکرار ہوئی۔ لیکن وہ نہ مانا۔ ہماری مجلس عزا محفل تکرار بن گئی۔ سب لوگ بے لطف ہو کر اٹھ گئے شام کے وقت وہی عالم نما جاہل قیام گاہ پر آ گیا۔ اور ہم سب سے اس نے پہلے فرداً فرداً اپنی اس غلطی کی معافی مانگی پھر بارگاہ خالق میں توبہ کی۔

ہم نے پوچھا۔ آخر وجہ کیا ہے؛ صبح تو اتنا گرم تھا کہ راوی اور روایت کو دیوار پہ مار رہا تھا اور اب اتنا نرم ہے کہ ہم سے بھی معافی مانگتا ہے اور دربار خالق میں بھی توبہ کرتا ہے۔

اس نے کہا۔ جب مجلس برخاست ہوئی۔ آپ لوگوں کی طرح میں بھی پریشان تھا۔ آپ لوگ میرے انکار سے پریشان تھے اور میں آپ کے اس اصرار سے پریشان تھا۔ میں اٹھا اور حرم امام رضاؑ کے باہر فلاں جگہ تنہائی دیکھ کر لیٹ گیا۔ مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ مجھے نیند آ گئی۔

عالم خواب میں میں نے دیکھا محشر بپا ہے۔ بڑا وسیع میدان ہے۔ ایک طرف آگ دہک رہی ہے۔ اس پر ایک پل بنا ہے ایک طرف میزان نصب ہے۔ لوگوں کے نامہ اعمال تل رہے ہیں۔ ہر ایک پیاس سے بدحال ہے۔ میں بھی پیاس سے جاں بلب تھا۔ کہیں پانی نظر نہ آ رہا تھا۔ بہت دور سے مجھے ایک جگہ پانی کی چمک دکھائی دی۔ میں اس طرف دوڑا جب قریب گیا تو ایک بہت بڑا حوض تھا۔ اس پر دو مرد اور ایک پردہ پوش مستورہ تھی۔

میں نے کسی سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟

اس نے جواب دیا۔ یہ حوض کوثر ہے اور یہ حضرت رسول اکرمؐ اور حضرت علیؑ ہیں۔ اور یہ مستورہ دختر رسولؐ ہیں۔

یہ سن کر میں خوش ہو گیا۔ جب حوض کے قریب گیا تو دیکھا حضرت نبی اور حضرت علیؑ کے لباس سیاہ تھے۔ اور ان کی صورت ایسی پر ہیبت تھی کہ مجھے ان سے پانی مانگنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ میں نے سر جھکا کے۔ جناب سیدہؑ کی خدمت میں عرض کی۔ بی بی مجھے ایک گھونٹ پانی پلا دو۔ میں بہت پیاسا ہوں۔

دختر رسولؐ نے فرمایا۔ مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے بی بی رو رہی ہوں ـــــــ جب تو اس بات سے انکار

کرتا ہے کہ حسینؑ پر گریہ کے ایک آنسو کے عوض اللہ جنت نہیں دیتا تو پھر یہ پانی کس بات پر مانگتا ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ حسینؑ مجھے کتنا عزیز تھا۔ حسینؑ رسول عالمینؐ کو کتنا پیارا تھا۔ اور حسینؑ علیؑ کا کتنا محبوب تھا تو میرے حسینؑ کی مظلومیت اپنی عقل پہ تولتا ہے

اور میرے حسینؑ کے ماتم داروں پر طعنہ کرے۔ تجھے کیا معلوم کہ میرا حسینؑ کس غربت۔ کس بے کسی اور کس مظلومیت سے شہید ہوا ہے۔

تو کیا جانے کہ میرے حسینؑ پر گریہ کرنے کے کتنا ظالموں نے کتنی پابندیاں لگائی ہیں۔ یاد رکھ میرے حسینؑ پر رونا ہر عمل سے افضل و اشرف ہے اور آئندہ میرے مظلوم بیٹے کے گریہ کو کسی عمل سے تولنے کی کوشش نہ کرنا۔

یہ سنکر میں گھبرا گیا۔ اور گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ جب سے وہاں بیٹھ کر اپنی فکر پر پشیمان ہو رہا ہوں۔ استغفار پڑھ رہا ہوں۔ اور اب آپ کو اپنی توبہ کا گواہ بنانے آیا ہوں۔

اصحاب مظلوم کربلا!

علل الشرائع میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ عمارہ نے آپ سے پوچھا۔ قبلہ آج تک جتنے بھی واقعات کربلا جن سے بھی سنے ہیں سب یہی بتاتے ہیں کہ۔ اصحاب امام حسینؑ شہادت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے نہ انہیں تیروں سے خوف آتا تھا۔ نہ تلواروں سے ڈرتے تھے۔ آخر اس کی وجہ کیا تھی؟

آپ نے فرمایا۔ شب عاشور جب امام حسینؑ نے ان سے فرمایا۔ کہ دیکھو بنی امیہ صرف اور صرف میرے دشمن ہیں۔ تم اس رات کی تاریکی میں میدان چھوڑ کر چلے جاؤ۔ تمہیں کوئی بھی کچھ نہیں کہے گا

سب نے عرض کی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مصیبت کی اس گھڑی میں ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔

آپ نے سب سے فرمایا۔ پھر میری انگلیوں کے درمیان دیکھو۔ جب انہوں نے دیکھا تو انہیں جنت میں اپنے اپنے محلات نظر آئے۔ امام حسینؑ ایک ایک کو فرماتے تھے یہ تیرا مکان ہے۔ یہ فلاں کا مکان ہے۔ چونکہ وہ جنت میں اپنے محلات دیکھ چکے تھے۔ اس لیے بروز عاشور ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ میں جلد از جلد اپنے مقام پر جاؤں۔

خصال صدوق میں ثمالی سے مروی ہے کہ ایک دن امام سجادؑ نے عبیداللہ ابن عباس کو دیکھا اور رو دیئے۔ آپ نے آہ سرد بھر کے فرمایا۔

آل محمدؐ پر تین دن سب سے زیادہ سخت گزرے۔

پہلا دن جب جناب حمزہ شہید ہوئے۔

دوسرا دن جب جناب جعفر طیار شہید ہوئے۔

اور تیسرا یوم عاشور کا دن تھا جب جناب عباس شہید ہوئے۔

لیکن یہ تیسرا دن بہت سخت تھا کیونکہ جناب حمزہ اور جناب جعفر کی شہادت کے بعد آل محمد کے پاس بہت کچھ بچا ہوا تھا لیکن جناب عباس کی شہادت کے بعد آل محمد کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

جناب حمزہ اور جناب جعفر کی شہادت کے وقت مستورات آل محمد اپنے گھروں میں محفوظ تھیں لیکن جناب عباس کی شہادت کے وقت ذریت رسول لق و دق صحرا میں بے سہارا تھی۔

تفسیر امام حسن عسکری میں مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم نے صحابہ سے فرمایا۔ کہ جب اللہ نے یہودیوں سے یہ عہد لیا تھا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ گے۔ اور انہوں نے عہد کرکے اسے توڑ دیا۔ رسول خدا کی تکذیب کی۔ اولیائے خدا کو شہید کیا۔

اگر چاہو تو میں تمہیں اپنی امت کے یہودیوں سے بھی آگاہ کر دوں۔

صحابہ نے عرض کیا۔ تو مزید آگاہ فرما دیں۔

آپ نے فرمایا۔ میری امت سے ایک گروہ ایسا ہوگا جو میرا کلمہ پڑھیں گے۔ لوگوں کو دھوکا دیں گے کہ ہم امت محمد سے ہیں لیکن میری ذریت کے فاضل ترین اور میری نسل کے پاکیزہ ترین افراد کو بے گناہ شہید کریں گے۔ میری سنت اور شریعت کو بدل ڈالیں گے۔ میرے حسینؑ کو شہید کریں گے۔ اللہ ان پر اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح زکریا اور یحیٰی کے قاتلوں پر لعنت کرتا ہے۔ اللہ ان کی بقیہ نسل کے لیے میرے حسینؑ کی ذریت سے مہدیؑ بھیجے گا۔ اللہ قاتلین حسینؑ، محبین قاتلین حسینؑ، انصار قاتلان حسینؑ اور قاتلان حسینؑ پر لعنت کرنے میں خاموش رہنے والوں پر لعنت کرے۔ اللہ محبان حسینؑ، عزاداران حسینؑ اور لعنت کرنے والوں، ان کے محبوں اور محبان حسینؑ پر رحمت نازل کرے۔ یقین رکھو قتل حسینؑ پر راضی ایسے ہوں گے جیسے قتل حسینؑ میں شریک ہوں۔ قاتلان حسینؑ اور ان کی طرف داری کرنے والے دین خدا سے بری ہیں ان پر اللہ ملائکہ اور تمام مخلوق کی لعنت ہوگی۔

اللہ ملائکہ کو حکم دے گا کہ عزاداران حسینؑ کے آنسو جمع کرکے حوض کوثر میں ڈالیں۔ اس سے حوض کوثر کے پانی کی شیرینی نفاست اور لذت میں ہزار گنا اضافہ ہوگا۔

اور ملائکہ کو حکم دے گا کہ قتل حسینؑ پر خوشی کرنے والوں اور قتل حسینؑ پر خاموش رہنے والوں کے آنسو جمع کرکے جہنم میں ڈالو۔

جب وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو آتش جہنم میں اضافہ ہوگا۔

محمد بن شہویہ سے ... داؤد ابن سلیمان القرا ... نے امام رضاؑ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم نے فرمایا ہے۔ قاتل حسینؑ کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر آگ کے تابوت میں ڈالا جائے گا۔ تمام اہل جہنم کا نصف عذاب قاتل حسینؑ پر ہوگا۔

کامل الزیارات میں خالد ربعی نے کعب سے روایت کی ہے کہ۔

سب سے پہلے قاتل حسینؑ پر جناب ابراہیم نے لعنت کی ہے پھر انہوں نے اپنی اولاد سے تاکید کی تا قاتل حسینؑ پر

لعنت کرنے کا عہد لیا ہے۔

دوسرے نمبر پر حضرت موسیٰؑ نے خود بھی قاتل حسینؑ پر لعنت کی ہے اور اپنی امت کو بھی قاتلان حسینؑ پر لعنت کرنے کا حکم دیا ہے۔

تیسرے نمبر پر حضرت داؤدؑ نے قاتلان حسینؑ پر لعنت کی ہے اور بنی اسرائیل کو بھی قاتلان حسینؑ پر لعنت کرنے کا حکم دیا ہے۔

پھر انہیں فرمایا۔ اگر اللہ تمہیں وہ زمانہ نصیب کرے تو نصرت حسینؑ میں غفلت یا کوتاہی نہ کرنا۔ یقین رکھو کہ حسین ابن علیؑ کے ساتھ شہادت میں وہی مرتبہ ہو گا جو کسی نبی کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے شہادت میں پائے گا۔ میں اپنی چشم نبوت سے اس وقت بھی بنی فاطمہ حسینؑ ابن فاطمہؑ کو تنہا صحرائے کربلا میں زخموں سے چور پانی مانگتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

کوئی نبی ایسا نہیں جس نے کربلا کی زیارت نہ کی ہو۔ اور مقتل حسینؑ سید شہداءؑ پر کھڑے ہو کر گریہ نہ کیا ہو۔ کیونکہ سرزمین کربلا تو وہ مقدس اور مبارک مقام ہے جس کے دامن میں فرزند زہراؑ کا پاک قیام کرے گا۔

کامل الزیارات میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ جناب یحییٰ کا قاتل ولد الزنا تھا۔ امام حسینؑ کا قاتل ولد الزنا تھا ہر معصوم کا قاتل ولد الزنا ہی ہوتا ہے۔ البتہ آسمان صرف انہی دو کی مظلومانہ شہادت پر رویا ہے۔

حسن ابن زیاد کہتا ہے تو آسمان کیسے روتا ہے؟

آپ نے فرمایا۔ گریہ آسمان کی علامت یہ ہے کہ سورج خون میں ڈوب کر چڑھتا ہے اور خون میں ڈوب کر ہی غروب بھی ہوتا ہے۔

کامل الزیارات میں ہے کہ امام صادقؑ سے کسی نے پوچھا۔ تو فرعون جناب موسیٰؑ کا سخت ترین دشمن تھا۔ مگر پھر بھی فرعون نے کبھی حضرت موسیٰؑ کو نہ قتل کی دھمکی دی تھی اور نہ ہی قتل کی کوشش کی تھی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ نے فرمایا۔ انبیاء اور اولیاء کو قتل صرف وہی بدنصیب کرتے ہیں جو ولد الزنا ہوتے ہیں۔ فرعون کافر تھا۔ مشرک تھا، مدعی خدائی تھا لیکن ولد الزنا نہ تھا۔

عقاب الاعمال میں بحار ابن احمد سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مجھے مکہ سے مدینہ تک امام صادقؑ کے ساتھ آنے کا اتفاق ہوا۔ ہم معمول کی سواری سے ہٹ کر غیر معروف راستہ پر آ رہے تھے۔ راستہ میں ایک عسفان نامی جگہ پر قیام کیا۔ دوسرے ہی دن ہم ایک پہاڑ کے قریب سے گزرے جو راستے کے بائیں جانب تھا۔ یہ پہاڑ بہت وحشتناک اور سیاہ تھا۔ اسے دیکھ کر ڈر لگتا تھا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ دوسرے بھی کافی لوگوں نے محسوس کیا ہے اور میں بھی محسوس کرتا ہوں کہ پہاڑ اپنی نوعیت کا پہلا پہاڑ ہے۔

مجھے کسی پہاڑ سے گزرتے ہوئے خوف یا ڈر محسوس نہیں ہوا لیکن اس پہاڑ کے قریب سے گزرتے ہوئے خوف ہراس

اور وحشت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کی سواریاں اس پہاڑ کے قریب سے گزرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ اور یہاں سے دور بھاگ جاتی ہے۔

اور اس وحشت کو بھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔ ہم سنتے ہیں کہ ایک زمانہ میں یہ پہاڑ بڑا سرسبز و شاداب تھا لیکن اب تو اس میں نہ گھاس اگتی ہے اور نہ کوئی پرندہ رہتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں! تو نے سچ کہا ہے۔ اس پہاڑ کا نام کتب انبیاء میں کمد ہے۔ یہ پہاڑ جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی پر ہے۔ اگر کبھی اس کے قریب سے گزرا کرو تو اللہ سے پناہ مانگ کے گزرا کر۔ اس پہاڑ میں قاتلان حسینؑ کو رکھا گیا ہے۔

اس کے نیچے آب جہنم کی نہریں۔ «زوجر»۔ ابلتا ہوا پانی بہتا ہے۔ آتش جہنم کے اٹھنے والے شعلوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔ غسلین۔ صلد۔ سقر۔ جحیم۔ ہاویہ۔ خبال اور سعیر یہ جہنم کے سات طبقات ہیں اور ان میں سے جو بھی غبار اٹھتے ہیں وہ سب جمع ہو کر اس کوہ کمد پر پڑتے ہیں۔

میں ہمیشہ جب بھی کمد آتا ہوں واپس اسی راہ سے آتا ہوں۔ مجھے قاتلان حسینؑ اس میں جلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہیں آتش جہنم میں تڑپتا دیکھ کر دل کو کچھ تسکین ہوتی ہے۔ اور میں انہیں مخاطب کر کے کہتا ہوں۔ جو کچھ تم نے کیا تھا یہ سب اسی کا پھل ہے۔ اب کھاؤ اور ختم نہ ہونے والی زندگی میں ہمیشہ کھاتے رہو۔ تم نے ذریت رسولؐ پر ترس نہیں کھایا تھا۔ اب کون تم پر ترس کھائے گا۔

صفوانی نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ گھریلو کبوتر اپنے گھروں میں رکھا کرو۔ یہ قاتلان حسینؑ پر لعنت کرتے ہیں۔

داؤد ابن فرقد کہتا ہے کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ کہ کبوتر منڈیر پر آ بیٹھا۔ اور کافی دیر تک قرقر کرتا رہا۔

آپ نے فرمایا۔ داؤد تمہیں پتہ ہے کبوتر کیا کہہ رہا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ نہیں اگر ہم پرندوں کی زبان سمجھ لیتے تو پھر ہم بھی حجت خدا ہوتے۔

آپ نے فرمایا۔ قاتلان حسینؑ پر لعنت کر رہا ہے۔ اپنے گھروں میں یہی کبوتر رکھا کرو یہ قاتلان حسینؑ پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔

داؤد رقی سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ آپ نے پانی پیا۔ میں نے دیکھا تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ پھر فرمایا۔ اللھم العن قتلۃ الحسین! ۔ پھر مجھے فرمایا۔ داؤد جو مومن بھی پانی پینے کے بعد قاتلان حسینؑ پر لعنت کرے گا اللہ اس کے نامہ اعمال سے سو گناہ مٹائے گا۔ سو نیکیاں درج کرے گا۔ اور سو درجہ بڑھا دے گا۔

بحار میں حسن ابن ابو فاختہ سے مروی ہے کہ میں نے امام صادق کی خدمت میں عرض کیا تبھی کبھی خلوت میں یاد حسینؑ آجاتی ہے۔

اگر یاد حسین آجائے تو میں کیا کہوں۔

آپ نے فرمایا۔ تین مرتبہ صلی اللہ علیک یا ابا عبد اللہ ۔ کہا کر۔

عیون میں ریان ابن شبیب سے مروی ہے کہ امام رضا نے مجھے فرمایا۔ اے ابن شبیب اگر جنت الفردوس میں رہنا چاہتا ہے تو قاتلان حسین پر لعنت کیا کر۔

اے ابن شبیب۔ اگر انصار حسین کے ساتھ محشور ہونا چاہتا ہے تو جب بھی یاد حسینؑ آئے کہا کر۔

ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس۔

نقل ہے امام رضا سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جب کبھی شطرنج یا قمار کو دیکھا کر تو یزید اور زیاد پر لعنت کیا کر اگر تیرے گناہ آسمان کے ستاروں کے برابر بھی ہوں گے تو اللہ معاف فرما دے گا۔

طوسی نے منتخب اور علامہ مجلسی نے بحار میں کعب الاحبار سے روایت کی ہے جب کعب الاحبار عمر میں مسلمان ہوا تو صحابہ اس سے آنے والے حالات پوچھنے لگے۔ اور کعب بتانے لگا۔

کعب نے کہا کہ زمین پر بہت بڑے فسادات ہو چکے ہیں اور بہت بڑے ہونے والے ہیں۔ جو ہو چکے ہیں ان میں عظیم تر ظلم قابیل نے کیا تھا۔ کہ اس نے اپنے بھائی ہابیل کو بے گناہ شہید کر دیا۔ اور جو ہونے والے ہیں ان میں عظیم تر فساد وہ ہے جس کا تذکرہ اللہ نے قرآن میں ان لفظوں سے کیا۔ ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس۔ لوگوں کے اپنے کرتوتوں کی بدولت بحر و بر میں فساد رونما ہو گیا ہے۔ اور یہ فساد تمہارے زمانے کے بالکل قریب ہے۔ ممکن ہے تم میں سے کچھ افراد اس فساد کے وقت زندہ موجود ہوں۔

صحابہ کا شوق بڑھ گیا۔

انہوں نے پوچھا۔ بھلا یہ فساد کیا ہو گا؟

کعب نے کہا۔ یہ فساد قتل حسین ابن زہراؑ کا ہو گا۔ اس دن آسمان خون روئے گا۔ جس دن آسمان پر سرخی چھائی ہوئی دیکھ لینا۔ فرزند زہرا شہید ہو گیا ہے۔

صحابہ نے کہا۔ کعب اتنے بڑے بڑے انبیاء شہید ہوئے ہیں ان کی شہادت پر تو آسمان نہیں رویا۔ بھلا شہادت حسینؑ پر آسمان کیوں خون روئے گا۔

کعب نے کہا۔ جس نبی کو بھی شہید کیا گیا ہے وہ اپنی امت کے ہاتھوں شہید نہیں ہوا۔ اسے نہ ماننے والوں نے شہید کیا تھا اور جو نہ ماننے والے ہوں ان سے ہر ظلم کی توقع کی جا سکتی ہے۔ جب کہ حسین کو دن دھاڑے۔ اس کے نانا کے کلمہ گو بھوکا اور پیاسا شہید کریں گے۔

قاتلانِ حسینؑ نہ تو سرورِ انبیاء کے ارشادات دیکھیں گے اور نہ نبی کریم کی وصیت ان کے پیشِ نظر ہوگی۔ ان کی نگاہوں میں صرف اور صرف انتقام ہوگا۔ بھلا خود بتاؤ۔ کسی نبی کو کسی کافر کے خون کے انتقام میں کسی کی امت نے شہید کیا ہے۔

جب کہ حسینؑ سے کفر و بدر کے خون کا انتقام کو گویا لینے والے ہوں گے حالانکہ حسینؑ کے متعلق ارشادِ نبوی ہے۔ حسین منی وانا من الحسین۔ جس ذات کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے اس کی قسم! شہادتِ حسینؑ پہ ملائکہ روئیں گے۔ اور تا قیامت روتے رہیں گے۔

سرزمینِ کربلا میں دفن ہوگا۔ تمام انبیاء غمِ حسینؑ میں روئیں گے۔ زیارتِ حسینؑ کو آئیں گے۔ روزانہ جن و ملک کربلا میں قبرِ حسین کی زیارت کو آئیں گے۔ ہر شبِ جمعہ نوے ہزار فرشتے شام سے صبح تک غریبِ زہرا کی قبر پہ رونے آئیں گے۔

آسمان میں حسین کو حسینؑ ذبیح کہا جائے گا اور زمین پہ حسین کو حسین مقتول کہا جائے گا۔ بخدا شہادتِ حسینؑ پر سورج گرہن لگے گا۔ تین دن تک لوگ تاریکی میں ڈوبے رہیں گے۔ آسمان سے خون کی بارش ہوگی پہاڑ لرز جائیں گے۔ سمندروں میں طغیانی و طوفان ہوگا۔

اگر حسینؑ کے ماننے والے چند افراد نے نہ بچنا نہ ہوتا۔ اور اگر انہی نے حسینؑ کا انتقام اور عزاداری نہ کرنا ہوتی تو اللہ آسمان سے آگ نازل کرکے کرۂ زمین کو جلا ڈالتا۔

تم حیران ہو کر میرا منہ دیکھ رہے ہو۔ حالانکہ اللہ نے قیامت تک ہونے والے واقعات جس طرح حضرت موسیٰ کو بتا دیئے تھے اور انہوں نے اپنے وصی کو بتائے اور وہ سینہ بسینہ منتقل ہوتے ہوتے مجھ تک پہنچے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے قیامت تک ہونے والے تمام واقعات نبی اکرم کو بھی بتا دیئے تھے۔ انہوں نے بھی بعض افراد کو ان تمام واقعات سے آگاہ فرما دیا تھا لیکن تم ان افراد کے قریب نہیں جاتے۔ بلکہ تمہیں جانے نہیں دیا جاتا۔

مدینہ سے روانگی

بحار۔ امالی بابویہ۔ تکلم الزہراؑ۔ طبری۔ ارشاد اور کامل الزیارات سے جو کچھ طلب ہے اس کے مطابق امام حسینؑ کے مدینہ چھوڑنے کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

سنہ ۶۰ھ جب کہ شام میں معاویہ کا دنیا میں آخری دن اور آخرت کا پہلا دن تھا جب معاویہ کا آخری وقت آیا تو اس نے یزید کو وصیت کی۔

دیکھو یزید میں نے اپنی زندگی بھر کی مشقت سے پورے عالمِ اسلام کو زیر کرکے تیرے قدموں میں ڈالا ہے۔

نہ جھکنے والی گردنوں میں سے پورا گروہ ہے پوری طاقت سے ختم کر دیا ہے۔ کچھ کو خوف سے کچھ کو لالچ سے
خاموش کر دیا ہے اور بکنے والوں کو خرید لیا ہے۔ چند ضدی ہیں اور میں نہیں چاہتا تھا میں نے اتنی مہلت
ہی نہیں چھوڑی کہ وہ زبان تک ہلا سکیں۔ پوری اسلامی مملکت کا بلا شرکت غیرے تو تنہا حکمران ہے۔ اس سلسلہ
میں اگر تجھے کسی سے خطرہ ہے تو وہ صرف تین آدمی ہیں جو اگر لوگوں کو اکٹھا کرنا چاہیں تو لوگ ان کے گرد جمع
ہونے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

ایک عبداللہ ابن عمر ہے۔ اس سے تجھے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تیرا ساتھ دے گا۔ دوسرا
عبداللہ ابن زبیر ہے۔ یہ شخص شیر کی طرح بہادر اور لومڑی کی طرح مکار ہے۔ موقع ملنے پر شیر کی طرح حملہ کرے
گا۔ اور ویسے لومڑی کی طرح دھوکا دے گا۔ اس پر جب بھی موقع ملے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا ایک شخص کی بھی
حضور نانا خیر النبیینؐ ابن علیؑ ہے۔ اس کی رگوں میں علیؑ کا خون ہے۔ اور اس کے خون میں لعاب رسولؐ اور شیر بتولؑ
شامل ہے۔ میں نے اپنی سیاست سے اسے خاموش کیے رکھا۔ لیکن میرے بعد اس کا خاموش رہنا مشکل ہے
تیری سیاہ کاریوں کا یہ بہت بڑا چیلنج ہے۔ مرد میدان کا زاہد بھی ہے اور زمانے کے قرآن کا بیٹا بھی ہے۔ اس کے اثرات
ناقابل انکار ہیں۔ اسے اپنے راستے سے ہٹانے میں جلد بازی نہ کرنا۔ ابھی لوگوں کے دلوں میں نبی اکرمؐ سے عقیدت اور
محبت باقی ہے۔

اہل عراق اگر روز گورنر بدلنے کا مطالبہ کریں تو پورا کیے رکھنا۔ اگر حسینؑ کو تیرے سامنے آنے پر کسی
نے آمادہ کیا تو وہ صرف اہل عراق ہوں گے۔ اگرچہ میں نے اپنے طور پر کوفہ اور بصرہ میں کوئی مشہور زندہ نہیں
چھوڑا لیکن پھر بھی تیرے اعمال کو بہانہ بنا کر لوگوں کو تیری مخالفت اور حسینؑ کی حمایت پر آمادہ ہی کرنا
آسان ہوگا۔

اس کے بعد معاویہ خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ہمیشہ کے لیے اپنے دائمی مقام کی طرف منتقل ہو گیا۔
یزید نے حاکم مدینہ ولید ابن عتبہ کو خط لکھا۔ کہ بالعموم تمام اہل مدینہ سے اور بالخصوص عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر اور حسینؑ
ابن علیؑ سے میری بیعت لے۔

رات کا کافی وقت گزر چکا تھا۔ جب ولید کا قاصد امام حسینؑ کو بلانے آیا۔ امام حسینؑ مسجد نبوی میں مصروف عبادت
تھے۔ عبداللہ ابن زبیر بھی مسجد ہی میں بیٹھا تھا۔ جب قاصد نے آ کر ولید کا پیغام دیا تو دونوں نے کہا تو چل ہم آ رہے ہیں۔
جب قاصد واپس چلا گیا تو عبداللہ ابن زبیر نے پوچھا۔
رات کے اس وقت ہمیں کیوں بلایا گیا ہے؟
امام حسینؑ نے فرمایا۔ معاویہ مر گیا ہوگا۔ یزید تخت نشین ہوا ہوگا۔ اور یزید کی بیعت لینے کی خاطر ہی ہمیں بھی بلایا
جا رہا ہوگا۔

عبداللہ نے کہا۔ اگر یہ بات ہے تو پھر میں نہیں آؤں گا۔

امام حسینؓ نے فرمایا۔ میں چونکہ وعدہ کر چکا ہوں اس لیے میں تو ضرور جاؤں گا۔

عبداللہ ابن زبیر اسی وقت اٹھ کر گیا۔ ہتھیار لگائے اور گھوڑے پر بیٹھ کر مکہ کی راہ لی۔

امام حسینؓ گھر تشریف لائے۔ بنی ہاشم کو جمع کیا۔ اور انہیں بتایا کہ ولید نے اس وقت بلایا ہے۔ اور شاید مجھ سے یزید کی بیعت لینا چاہتا ہے۔ جبکہ میں یزید کی بیعت پر آمادہ نہیں ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو۔ دروازہ پر باہر رک جانا۔ اندر میں تنہا جاؤں گا اگر وہاں کسی نے شرارت کی تو میں تکبیر کہوں گا تم اندر آجانا۔ اگر خاموشی سے گفتگو ہو گئی تو میں بھی واپس آجاؤں گا۔

ان ہاشمی جوانوں نے خنجر کمر سے لگائے اور آپ کے ساتھ چلے گئے۔ جب دربار میں پہنچے تو تمام ہاشمی نوجوان دروازہ پر رک گئے۔ امام حسینؓ تنہا اندر گئے۔ ولید نے اٹھ کر استقبال کیا۔ پھر حضرت معاویہ کی اطلاع دی۔ اور یزید کا خط آپ کے سامنے رکھ دیا۔

آپ نے خط کو پڑھ کر فرمایا۔

ولید پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اہل بیت نبوت اور معدن رسالت سے ہیں۔ یزید ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا رہتا ہے۔ میرے جیسا شخص یزید جیسے کی بیعت کیسے کر سکتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ میری رات کی تاریکی میں بیعت کو کون پسند کرے گا۔

ولید نے کہا۔ یہ تو درست ہے۔ میری خواہش ہوگی کہ آپ دربار میں لوگوں کے سامنے بیعت کریں۔

امام حسینؓ نے فرمایا۔ پھر ٹھیک ہے صبح ہو لینے دو دیکھیں گے۔

ولید نے کہا۔ جیسے آپ کی مرضی۔

امام حسینؓ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مروان جو خاموش بیٹھا تھا اس نے کہا۔

ولید اگر حسینؓ اس وقت بیعت نہیں کرتا تو اسے اپنے پاس نظر بند کرلے۔ صبح بیعت کے بعد گھر جانے کی اجازت بھی دے دینا۔

اگر بغیر بیعت آزادی حسینؓ اب گھر چلا گیا تو پھر کبھی تم لوگ حسینؓ سے بیعت نہ لے سکو گے۔ بہت سی خونریزی کے بعد بھی یہ بیعت ناممکن ہو جائے گی۔

اگر تیری جگہ میں ہوتا تو اسی وقت بیعت یا سر لینے کا فیصلہ کرتا۔

امام حسینؓ نے فرمایا۔ یا ابن الزرقاء انت تقتلنی ام ھو۔ اے نیلی آنکھوں والی ماں کے بیٹے مجھے تو قتل کرے گا یا یہ!

یہ کہہ کر آپ اٹھے۔ مروان نے تلوار نکال لی۔ اور ولید سے کہا۔ اپنے جلاد کو حکم دے کہ اسے ابھی اور یہیں

قتل کر دے۔

امام حسینؑ نے صدائے تکبیر بلند کی اور دروازے پر کھڑے ہوئے ہاشمی جوان خنجر بکف اللہ اکبر کہتے ہوئے جب اندر داخل ہوئے تو مروان کے ہوش اڑ گئے۔ سب کے سب جاں نثار تھے۔

آپ تیم کرکے واپس آئے۔ مروان نے ولید سے کہا۔ دیکھا تو نے میری بات نہیں مانی اب یہ بیعت کتنی خونریزی سے ہو گی اس کا اندازہ تجھے نہیں۔

ولید نے کہا۔ مروان تو بھی سچ کہتا ہے۔ لیکن کیا میں فرزند رسول کو صرف اس لیے قتل کر دیتا کہ اس نے بیعت یزید سے انکار کر دیا ہے۔ اگر مجھے پوری دنیا کی حکومت دی جائے اور اس کے عوض مجھ سے سر حسینؑ کا مطالبہ کیا جائے تو میں دنیا کی حکومت کو ٹھکرا دوں گا۔ لیکن فرزند زہراؑ کو قتل نہیں کروں گا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص پوری دنیا کے گناہ کر جائے اور اس کے مقابلہ میں ایک شخص صرف قتل حسینؑ کا جرم کر جائے۔ تو قاتل حسینؑ کے جرم کا وزن پوری دنیا کے گناہوں کے وزن سے زیادہ ہو گا۔

مروان نے کہا۔ اگر یہ بات تھی تو پھر تو نے درست کیا ہے۔

دوسری صبح امام حسینؑ گھر سے باہر آئے تاکہ حالات معلوم ہوں مروان سے ملاقات ہو گئی۔ مروان نے کہا۔ حسینؑ یزید کی بیعت کر لے۔ دین و دنیا ہر دو اعتبار سے بہتر ہو گا۔

امام حسینؑ نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا۔ مروان میں اس اسلام کو سلام کرتا ہوں۔ جس کا نگہبان یزید ہو۔

بھلا کیا تو اسی دین کی بات کرتا ہے جو نبی خدا محمد لائے ہیں یا اور کسی دین کی!

مروان نے کہا۔ اور کون سا دین ہو گا۔ وہی دین جو آپ کا نانا لایا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تو نے میرے نانا نبی کا یہ فرمان سنا ہے۔ ان الخلافۃ محرمۃ علی آل ابی سفیان۔ خلافت آل ابو سفیان کے لیے حرام ہے۔

مروان یہ سن کر غصے سے پیر پٹختا ہوا چلا گیا۔

۴ رجب ۶۰ھ کی رات امام حسینؑ مزار رسولؐ پر آئے۔ مزار رسولؐ کو گلے لگایا اور عرض کیا۔

نانا میں آپ کا حسینؑ ہوں۔ میں آپ کا سبط ہوں۔ میں آپ کی لخت جگر زہراؑ کا جگر گوشہ ہوں۔ نانا آپ کی امت مجھ سے آپ کا جوار چھینا چاہتی ہے۔ آپ گواہ رہیں۔

پھر آپ مصروف عبادت ہو گئے۔

ساری رات مزار رسولؐ کے جوار میں بیٹھ کر عبادت میں گزاری۔ صبح کو واپس گھر تشریف لائے۔ دن گھر میں گزارا۔ ثانی زہراؑ کے ساتھ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

۲۸ رجب ۶۰ھ کی رات پھر روضۂ رسول پر آئے۔ روضۂ رسول کے گلے لگ کر اپنے نانا کی امت کا شکوہ کیا۔

پھر عرض کیا۔

اے اللہ! تجھے معلوم ہے حالات میرے بابا اور بھائی کے وقت سے کتنے بدل چکے ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ نانا، میری ماں، میرے بابا اور میرے بھائی کے دین پر پڑے ہوئے تاریکیوں سے پردہ اٹھایا جائے۔ اس خوابیدہ امت محمدی کی آنکھیں کھول دی جائیں۔ انہیں خواب خرگوش سے بیدار کیا جائے تو بہتر جانتا ہے کہ اگر اب یہ کام نہ ہوا تو پھر قیامت تک کبھی نہ ہو سکے گا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی محنت تا قیامت تاریکی کی گرد میں دب کر رہ جائے گی۔ اس وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علاوہ تیری توحید اور میرے نانا کی تجدید تبلیغ کی جتنی ضرورت ہے اس سے تو آگاہ ہے۔ اگر یہ کام میرے حصے میں ہے تو مجھے تو ہی صراحت سے بتا تاکہ میں اسے انجام دینے کی فکر کروں۔ تو ہی موفق اور علام الغیوب ہے۔

آپ نے تمام رات مزار رسول کے گلے لگ کر گزاری۔ طلوع صبح کے قریب اسی حالت میں آپ کی آنکھ لگ گئی۔

آپ نے عالم خواب میں دیکھا کہ نبی کریمؐ مزار سے باہر آ گئے۔ انہوں نے آپ کو سینے سے لگایا پہلے منہ چوما پھر گلے کا بوسہ لیا اور فرمایا۔ حسینؑ! بیٹے رو نہیں۔ میں تو پہلے ہی تیرا گریہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اب مجھ سے تیری آنکھوں میں آنسو کیسے دیکھے جائیں گے۔

میرے پیارے تیرے لیے اللہ نے جنت میں جس جگہ کا انتخاب کیا ہے وہ تیری ہی ملکیت ہے خواہ تو اب آ جائے یا شہید ہو کر آئے۔ لیکن بیٹے جیسا کہ تجھے معلوم ہے میری تیئس برس کی محنت تیرے بابا کی پچیس برس کی کوشش اور تیرے بھائی کی دس برس کی تبلیغ اسی وقت کامیاب ہوگی جب تو اس سوتی ہوئی میری غافل امت کو جگائے گا۔ حسینؑ! بیٹے زمین کربلا خاک شفا بننے کی خاطر تیری منتظر ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں تو کربلا میں پانی مانگ رہا ہے۔ تیرے بچے پیاس سے بلک رہے ہیں۔ لیکن جواب میں میری امت تجھے تیر اور تلواریں پیش کر رہی ہے۔

میرے بچے اللہ تعالیٰ ظالموں کو میری شفاعت نصیب نہ کرے گا۔ تیری ماں۔ تیرا باپ۔ تیرا بھائی جنت میں تیرے منتظر ہیں۔

آپ بیدار ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ نماز صبح سے فارغ ہوئے۔ گھر تشریف لائے تمام بنی ہاشم کو جمع کیا اور انہیں خواب سنایا۔

بنی ہاشم کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔

آپ سے محمد حنفیہ نے عرض کیا۔ آپ میرے بھائی بھی ہیں اور واجب الاطاعت امام بھی ہیں۔ میں اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ آپ کو کوئی مشورہ دوں۔ صرف دل میں ایک خواہش ہے اگر اجازت دیں تو پوری کروں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ بھیا ہر خواہش پوری کرو۔

جناب محمد نے عرض کیا۔ آپ ایسا کریں پہلے مکہ تشریف لے جائیں۔ اللہ کا گھر ہے آپ ہر قسم کے ہر خطرہ سے باہر رہیں گے۔ اگر خدانخواستہ وہاں کوئی خطرہ پیش آ جائے تو آپ یمن چلے جائیں وہاں محبانِ اہلبیت کی کمی نہیں ہے۔ اگر یمن میں بھی امن نہ ہو تو آپ صحراؤں میں چلے جائیں۔

امام حسین نے فرمایا۔ بھیا! آپ بیمار ہیں۔ آپ تو یہیں مدینہ میں قیام فرمائیں۔ میں آپ کو مختصر سی بات بتا دوں کہ میں کسی قیمت پر یزید کی بیعت نہیں کروں گا۔ اور یزید کسی قیمت پر بیعت کے بغیر آرام سے نہ بیٹھے گا۔ اگر میں کسی پہاڑ کی غار میں بھی جا کر چھپ جاؤں تو وہ میری اس خاموشی کو بھی برداشت نہیں کرے گا۔ اور بنی امیہ مجھے قتل کیے بغیر نہ چھوڑیں گے اب وقت ہے کہ میں اپنی قربانی دے کر توحید و رسالت کے علاوہ نانا۔ ماں۔ بابا۔ اور بھائی کے قاتلوں کو بے نقاب کروں فی الحال تو میں مکہ ہی جا رہا ہوں۔ پھر دیکھیں گے کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے قلم دوات اور کاغذ منگا کر وصیت لکھی۔ محمد حنیفہ کے سپرد کی۔

وصیت یہ ہے۔

یہ وہ وصیت ہے جو حسین ابن علی ابن ابی طالب نے مدینہ سے روانگی کے وقت محمد ابن حنیفہ اپنے بھائی سے کی ہے۔ میں توحیدِ خدا کی گواہی دیتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کا رسول اور خاتم الانبیاء ہے۔ جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے لائے دین حق ہے۔ جنت حق ہے۔ جہنم حق ہے۔ قیامت حق ہے۔ اللہ قبروں میں سے ہر ایک کو اٹھا کر حساب و کتاب کے لیے محشور کرے گا۔ میں کسی تخریب کاری کی غرض سے مدینہ نہیں چھوڑ رہا۔ نہ میں کسی فتنہ و فساد کے ارادہ سے مدینہ سے باہر جا رہا ہوں میرا مقصد صرف اور صرف اصلاحِ امت ہے۔ توحید و رسالت کا تحفظ ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میرا نصب العین ہے میں اپنے نانا۔ بابا اور بھائی کے نقشِ قدم پر چل کر زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ اگر لوگوں نے میری حق بات کو قبول کر لیا۔ تو ٹھیک ورنہ ہر مصیبت اور دکھ میں صبر کروں گا اللہ میرے اور نانا کی امت کے مابین بہترین ثالث ہے وہی فیصلہ فرمائے گا۔

یہ وصیت لکھ کر آپ نے مہر ثبت کی اور جناب محمد کے سپرد کی۔ اور اعلان کوچ کر دیا۔ جب ام المومنین ام سلمہ نے سنا تو آپ کو اپنے پاس بلا بھیجا۔

آپ تشریف لائے۔ بی بی نے فرمایا۔ بیٹے اور جس طرف بھی جا ہو جاؤ لیکن عراق نہ جانا میں نے جس وقت سے سنا ہے آپ جا رہے ہیں اسی وقت سے میرے دل میں ہول اٹھ رہے ہیں۔ آپ کے نانا کی ایک ایک بات یاد آ رہی ہے عراق میں کربلا نامی ایک علاقہ ہے۔ نبی کریمؐ فرمایا کرتے تھے میرا حسین کربلا میں بے یار و مددگار شہید ہوگا۔

آپ نے فرمایا۔ نانی اماں۔

میں اسی مقام کو ہی جا رہا ہوں جہاں مجھے دفن ہونا ہے۔

میں ان افراد کے نام بھی جانتا ہوں، جو میرے ساتھ شہید ہوں گے۔
میں اپنے قاتل اور اس کے نام کو بھی جانتا ہوں۔
اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اپنا مدفن اور اپنی مقتل دکھا دوں۔ آپ نے اشارہ انگشت کیا۔ زمین کربلا بلند ہو گئی۔ درمیانی فاصلہ سمٹ گیا۔ اب آپ نے انگلی کے اشارے سے ایک ایک جگہ بتانا شروع کی۔ ہمارے یہاں خیام ہوں گے یہاں عباس کا ایک بازو قلم ہو گا۔ یہاں دوسرا بازو قلم ہو گا۔ یہاں شبیہ پیمبر زین سے زمین پر آئے گا۔ پھر آپ نے مٹھی میں خاک کربلا اٹھائی اور جناب ام المومنین ام سلمہ کو دے کر عرض کی۔
اسے اس خاک کے ساتھ رکھ دیں جو نانا نے آپ کو دی تھی۔ جس دن یہ مٹی خون بن جائے سمجھ لینا آپ کا حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔

۲۸ رجب ۶۰ھ کی رات ہو چکی تھی۔ آپ روضہ رسول پر آئے۔ کافی دیر تک مزار رسول کو گلے لگا کر الوداع کرتے رہے پھر مزار زہراؑ پر آئے۔
آخر میں مزار امام حسنؑ پر آئے ہر ایک سے الوداع کی۔
ادھر ثانی زہراؑ نے بھی ہاشمی مستورات کے حلقے میں ایک ایک مزار سے الوداع کہی۔ اسی رات کی تاریکی میں مدینہ کو الوداع کہہ کر عازم مکہ ہوئے۔
پورے مدینہ میں کہرام ماتم بپا ہوا تھا۔ مورخین کے بقول شہادت رسولؐ عالمین کے دن اور عاشقی فرزند رسولؐ کے دن مدینہ میں جتنا گریہ و ماتم ہوا نہ پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ پھر کبھی ہو گا۔

مدینہ سے مکہ میں:

ارشاد و بحار کے مطابق۔ آپ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ کی عمومی راہ پر روانہ ہوئے آپ کے بعض ساتھیوں نے یہ مشورہ دیا کہ ابن زبیر کی طرح ہمیں بھی خفیہ راستے سے چلنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ ولید ہماری تلاش میں ہی فوج بھیج دے۔
آپ نے فرمایا میں ہرگز نہ کسی خفیہ جگہ قیام کروں گا اور نہ ہی کسی خفیہ راستے سے چلوں گا۔ میرا نصب العین صرف اپنے قاتل کو بے نقاب کرنا نہیں میرا مقصد تمام اہل بیت کے قاتلوں کو بے نقاب کرنا ہے۔
راستہ میں آپ کے پاس ملائکہ کی فوج آئی اور انہوں نے عرض کیا۔ فرزند رسولؐ! اس وقت آپ، نانا، بابا اور بھائی کے بعد کرۂ ارض پر حجت خدا ہیں اللہ نے جس طرح کئی مقامات پر آپ کے نانا کی ہمارے ذریعہ امداد فرمائی تھی اسی طرح اللہ نے ہمیں آپ کی نصرت کی اجازت دی ہے۔
آپ نے فرمایا۔ یہاں نہیں۔ کربلا میں یوم عاشور آ جانا۔ اگر میں نے ضرورت محسوس کی تو تم سے مدد لوں گا۔

ملائکہ نے عرض کیا۔ حضور! ہمیں آپ کی اطاعت کا حکم ہے۔ جیسے ارشاد ہو ہم حاضر ہیں۔ اگر راستے میں کوئی خطرہ ہو تو ہم آپ کے ساتھ ہی رہیں۔

آپ نے فرمایا۔ نہیں! مجھے معلوم ہے یہ لوگ اور کسی بھی جگہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔

ایک دن جنات کا لشکر آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی۔

حضور! آپ واپس مدینہ تشریف لے جائیں۔ آرام سے گھر بیٹھیں ہم آپ کے دشمنوں کو ان کے گھروں میں ایک ایک کر کے اپنے انجام کو پہنچا دیں گے۔

آپ نے فرمایا۔

کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا۔ اینما تکونوا یدرککم الموت ۔ جہاں بھی رہو موت تمہیں آکر رہے گی۔ پھر ارشاد رب العزت ہے۔ لبرز الذین کتب علیہم القتل الی مضاجعہم۔ جن کی شہادت جہاں ہے وہ اپنی مقتل کی طرف خود چل کر آتے ہیں۔

اگر آپ میرے دشمنوں کو ان کے گھروں میں مار دیں۔ تو بعد میں آنے والی نسلوں کو کیسے پتہ چلے گا حق پر کون تھا اور باطل پر کون تھا۔

اس خواب غفلت میں محو امت کو کیسے پتہ چلے گا کہ سلطان الانبیاء کو کس نے اور کب شہید کیا۔

انہیں کیسے معلوم ہوگا کہ دختر رسول کے قاتل کون ہیں!

انہیں کیسے پتہ چلے گا کہ امیر المومنین کے اصل قاتل کون خارجی تھے۔

انہیں کیسے معلوم ہوگا کہ سید شباب اہل الجنۃ حسن ابن علیؑ کے قاتل کون ہیں!

اللہ نے کربلا کو میرے لیے اسی دن سے منتخب کر لیا تھا جس دن زمین کو بچھایا۔ آدم سے لے کر عیسیٰؑ تک سبھی نے میرے مقتل کی زیارت کی ہے۔

میرا مدفن میرے شیعوں کا مرکز ہوگا۔

وہاں ہمارے شیعوں کی دعائیں قبول ہوں گی۔

میرا مدفن دنیا اور آخرت میں ہمارے شیعوں کے لیے جائے امان ہوگی

یوم عاشور کربلا میں آجانا۔ اگر مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو تم سے مدد لے لوں گا۔

سردار جنات نے عرض کیا۔

قبلہ اگر آپ کی اطاعت فرض نہ ہوتی تو ہم ضرور آپ کی مخالفت کر کے آپ کے دشمنوں کو ہلاک کر ڈالتے لیکن مجبوری ہے۔ جیسے آپ ارشاد فرمائیں ہمارے سر تسلیم خم ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ جیسی مدد تم کرنا چاہتے ہو۔ اگر میں چاہوں تو اس سے بھی زیادہ پر قادر ہوں۔ لیکن مصلحت الٰہیہ

ایسی ہے کہ زندہ رہنے والے باحمیت ہو کر زندہ رہیں اور مرنے والے باحمیت ہو کر مریں ۔

شب جمعہ ۳ شعبان سنہ ۶۰ھ آپ پانچویں دن مدینہ سے مکہ میں پہنچے۔ اہلیان مکہ اور حج پر آنے والے اطراف و اکناف سے لوگ جیسے جیسے سنتے گئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے گئے۔ ہر دوسرے دن عبداللہ ابن زبیر بھی آپ کے پاس آتا تھا۔ آپ کا مکہ میں قیام سب سے زیادہ عبداللہ ابن زبیرؓ کے لیے بوجھ تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ فرزند رسول کی موجودگی میں میری بیعت کوئی بھی نہ کرے گا۔

اہل کوفہ کے خطوط :

جب اہل کوفہ کو پتہ چلا کہ معاویہ مر گیا ہے اور فرزند رسول حسینؑ نے بیعت یزید سے انکار کر دیا ہے اور مدینہ چھوڑ کر مکہ آ گئے ہیں۔ تو سلیمان ابن صرد خزاعی کے گھر جمع ہوئے اور باہمی صلاح مشورہ کیا۔ طے یہ پایا کہ فرزند رسول کو کوفہ آنے کی دعوت دی جائے ۔

سلیمان ابن صرد خزاعی نے کھڑے ہو کر کہا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ معاویہ اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے اور یزید تخت حکومت پر بیٹھ گیا ہے۔ اور یہ بھی سن چکے ہو کہ فرزند رسول نے بیعت یزید سے انکار کر کے مدینہ کو چھوڑ کر مکہ میں ٹھکانا بنا لیا ہے۔ میں کافی دیر سے تمہاری باتیں سن رہا ہوں تم فرزند رسول کو کوفہ میں بلانا چاہتے ہو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت کوفہ میں شیعیان علی میں سے ابن زیاد نے کسی کو نہیں چھوڑا۔ اکثریت شہید ہو چکی ہے اور کچھ پس دیوار زندان موت کے منتظر ہیں۔ تم لوگ صرف یزید سے نفرت کی بنا پر یہ چاہتے ہو کہ فرزند رسول کو دعوت دی جائے۔ اپنی حیثیت کو دیکھ لو۔ اگر تو اس کی مدد کر سکو تو انہیں دعوت دو۔ اور اگر وہ آجائیں اور تم خوف یا لالچ میں آ کر اسے تنہا چھوڑ دو تو پھر وہ جہاں ہیں ٹھیک ہیں۔ اور نہ انہیں بلاؤ اور تنہائی دو۔

سب نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں تنہا چھوڑ دیں گے۔ جب بلائیں گے تو پھر ہر لحاظ سے ان کا ساتھ دیں گے۔

سلیمان نے کہا۔ میں یہ صرف اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مجھے آج بالکل نئے چہرے نظر آ رہے ہیں۔ جو لوگ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے ساتھ مخلص ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک فرد بھی مجھے نظر نہیں آیا۔ اگر آپ ناراض نہ ہوں۔ تو تم میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے خلاف برسر پیکار رہے۔ بلکہ پھر گھروں میں دبک کے بیٹھے رہے ہوں

سب نے کہا۔ وہ اور وقت تھا اب بھلا یزید کی بیعت کیسے کی جا سکتی ہے۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد آپ کو دعوت دینے کا فیصلہ ہو گیا۔

اور یہی خط جو لکھا گیا وہ یہ تھا۔

اللہ کی حمد ہے کہ اس نے آپ کے جابر دشمن کو اپنے پاس بلا لیا ہے۔ وہ جابر جس نے امت محمدیہ کے ہر نیک کو شہید کیا تھا۔ اور ہر برے کو مقرب بارگاہ بنایا تھا۔ مال خدا کو اپنی جاگیر سمجھ رکھا تھا۔ اس وقت ہم بلا امام ہیں ہمارا کوئی راہنما نہیں۔ ہم نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ اگر ہمیں آپ کی آمد کا یقین ہو جائے تو ہم عامل یزید نعمان ابن بشیر کو نکال باہر کریں گے۔

یہ خط عبداللہ ابن مسمع ہمدانی اور عبداللہ ابن وال کو دے کر روانہ کیا۔ یہ پہلا خط امام حسینؑ کو مکہ میں دس ماہ رمضان کو موصول ہوا۔ اس کے بعد خطوط کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ عبداللہ ابن مسمع کی روانگی کے دو دن بعد ایک سو پچاس خط قیس ابن مسہر صیداوی کو، عبدالرحمن ابن شداد ارحبی۔ اور عمارہ ابن عبد سلولی کو دے کر بھیجا گیا۔ یہ سلسلہ شروع رہا۔ ایک ایک دن میں چھ چھ سو خطوط بھی آپ کو موصول ہوئے۔

وفد شبث ابن ربعی۔ حجار ابن ابجر، یزید ابن حارث، عروہ ابن قیس، عمرو ابن حجاج زبیدی اور محمد ابن عمر تیمی پر مشتمل تھا مجموعی طور پر بارہ ہزار خطوط پہنچ گئے۔ آخری وفد ہانی ابن ہانی اور سعید ابن عبداللہ حنفی کا تھا۔ آپ نے ان تمام خطوط کو سنبھال کر رکھنے کا حکم دیا۔

اہل کوفہ کو اس مضمون پر مشتمل خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین ابن علی کی طرف سے مومن شریف کوفہ کے نام آپ کی طرف سے میرے پاس آنے والوں میں سے ہانی اور سعید آپ کے آخری نامہ بر ہیں۔ جو کچھ تم نے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم بلا امام ہیں۔ آپ تشریف لے آئیں۔ ہم آپ کے منتظر ہیں۔ اگر آپ نہ آئے تو روز حشر ہمارے اعمال کے آپ ذمہ دار ہوں گے ہم نے اتمام حجت کر دیا ہے۔

چونکہ تم لوگوں نے اتمام حجت کی بات کی ہے اس لیے اللہ کی طرف سے مجھ پر واجب ہو جاتا ہے۔ کہ تمہاری دعوت کو قبول کروں۔ میں پیش بینی کے طور پر بھائی۔ اپنا چچا زاد۔ اور اپنا معتمد خاص اپنے اہل بیت سے مسلم ابن عقیل تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ اگر مسلم نے مجھے لکھا کہ جو کچھ تم نے لکھا تھا تم اس پر قائم ہو تو میں بہت جلد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔

والسلام

جناب مسلم کوفہ میں!

ارشاد اور بحار کے مطابق!۔

امام حسینؑ کے حکم سے جناب مسلم قیس ابن مسہر اور عمارہ ابن عبداللہ کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوئے۔ مدینہ آئے۔

جن افراد سے ملا تھا۔ انھیں میں سے قیس سے دو راہنما لیے اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ پوشیدہ راہ پر سفر کرنا تھا۔ اس لیے عام راستے سے ہٹ کر سفر شروع کیا۔ دونوں راہنما راستہ بھٹک گئے موسم گرمی کا تھا۔ پیاس کی شدت سے دونوں جاں بلب ہو گئے اور مرتے مرتے انھوں نے جناب مسلم کو ایک جانب سفر جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

جناب مسلم بڑی مشکل سے مقام مضیق پر پہنچے۔

آپ نے قیس ابن مسہر کو خط دے کر ایک مرتبہ پھر مکہ واپس بھیجا۔ امام حسینؑ کو لکھا۔ آپ کے حکم کے مطابق میں مدینہ سے کوفہ کی طرف دو راہنماؤں کی راہنمائی میں جا رہا تھا۔ راہنما راستہ بھٹک کر دم توڑ گئے۔ ممکن ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ رکاوٹ اس بات کا اشارہ ہو کہ میں کوفہ نہ جاؤں۔ جواب آنے تک میں مقام مضیق پر مقیم ہوں۔ جیسے حکم ہو گا۔ ویسے میں عمل کروں گا۔

جب قیس نے مکہ پہنچ کر امام حسینؑ کو خط دیا۔ تو آپ نے جواب میں لکھا۔ پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کا نام لے کر سفر جاری رکھو۔

جواب پہنچنے کے بعد جناب مسلم نے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ کوفہ پہنچ گئے۔ مختار کے گھر قیام کیا۔ یہی وہ گھر ہے۔ جو اس وقت مسلم ابن مسیب کے گھر کے نام سے معروف تھا۔

اہل کوفہ آنے لگے۔ جناب مسلم بیعت لینے لگے۔

جب اٹھارہ ہزار افراد بیعت کر چکے۔ تو جناب مسلم نے امام حسینؑ کو کوفہ آنے کے لیے لکھا اور تمام حالات سے بھی آگاہ کیا۔

شیعیان معاویہ کی یزید کو اطلاع:

جب نعمان ابن بشیر گورنر کوفہ کو جناب مسلم کی آمد اور لوگوں کے بیعت کرنے کا علم ہوا تو اس نے فوراً اہل کوفہ کو خطبہ دیا۔

دیکھو اختلاف کی کوشش نہ کرو۔ میں جنگ کی ابتداء نہ کروں گا۔ جو مجھ سے برسرپیکار نہ ہو گا۔ میں اسے کچھ بھی نہ کہوں گا۔

اگر تم نے فتنہ اٹھایا تو پھر مجھے بھی مجبوراً طاقت استعمال کرنا پڑے گی۔

عبداللہ ابن مسلم ابن ربیعہ حضرمی نے اٹھ کر کہا۔

گورنر صاحب آپ کی پالیسی درست نہیں ہے۔ اس طرح تو کام خراب ہو جائے گا اور حکومت برباد ہو جائے گی۔

نعمان نے جواب دیا۔ اطاعت خدا میں کمزوری کو میں اللہ کی نافرمانی کی طاقت سے بہتر سمجھتا ہوں۔ اور معصیت خالق میں عزت کو اطاعت الہٰی میں ذلت سے بدتر سمجھتا ہوں۔

یہ کہہ کر نعمان منبر سے نیچے آ گیا۔

عبداللہ ابن مسلم فوراً گھر آیا۔

اور یزید کو خط لکھا

مسلم ابن عقیل کوفہ میں آ چکا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے والد نے کوفہ میں کوئی بھی شیعہ علی نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن اب وہ تمام افراد جن سے تیرے والد نے علی اور حسن کے خلاف کام لیا تھا۔ آل محمد کی حمایت میں کہہ رہے ہیں۔ تمام شیعیان معاویہ مسلم کے پاس جمع ہو رہے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ یونہی رہا تو چند دنوں میں کوفہ تیرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ نعمان نہایت کمزور آدمی ہے۔ اگر کوفہ کی ضرورت ہے تو کسی اور مضبوط آدمی کو بھیج۔

دوسرا خط عمارہ ابن عقبہ نے اور تیسرا خط عمر ابن سعد نے لکھا۔ جب یزید کو یہ خطوط موصول ہوئے تو اس نے معاویہ کے غلام خاص یہودی المسلک سرجون سے مشورہ کیا۔

چونکہ یزید کی ابن زیاد سے ان بن تھی۔ اس لیے سرجون نے براہ راست ابن زیاد کا نام لینے کی بجائے معاویہ کے حوالے سے یوں بات کی۔

اگر آج معاویہ زندہ ہوتا اور وہ تجھے اس وقت کوئی مشورہ دیتا تو اس کا مشورہ قبول کرتا۔

یزید نے کہا۔ یقیناً قبول کرتا۔

سرجون نے کہا۔ معاویہ کو پہلے سے اہل کوفہ کے متعلق کچھ شبہات تھے کہ وہاں نعمان کی گرفت ڈھیلی ہے۔ اس لیے اس نے مرنے سے صرف دو دن پہلے ابن زیاد کے نام بصرہ کے ساتھ کوفہ کی گورنری کا حکم بھی لکھ دیا تھا۔ لیکن شدت مرض کی بدولت وہ یہ حکم بھیج نہ سکا یہ دیکھو یہ حکم نامہ لکھا ہوا ہے۔ اس پر مہر بھی ثبت ہے تو اس مہر کے ساتھ ہی اپنی مہر بھی لگا دے۔

اور یہی حکم نامہ ابن زیاد کو بھیج دے۔ نعمان کو معزول کر دے۔ ابن زیاد کوفہ کو کنٹرول کرے گا۔

یزید نے سرجون سے کہا۔ ٹھیک ہے تو اسی وقت یہ حکم نامہ بصرہ بھیجنے کا انتظام بھی کر۔ اور ساتھ ہی ایک خط بھی لکھ دے۔

سرجون نے مسلم ابن عمرو باہلی کو بلایا۔ اور اسے معاویہ کے حکم نامے کے ساتھ حسب ذیل مضمون کا خط دیا۔ اور اسے بصرہ بھیج دیا۔

یزید ابن معاویہ کی طرف سے گورنر بصرہ ابن زیاد کی طرف۔ بصرہ سے ہمارے مخلص شیعوں کی اطلاع کے مطابق مسلم ابن عقیل حسین ابن علی کی نمائندگی کے لیے کوفہ پہنچ چکا ہے۔ اور ہمارے سادہ لوح شیعوں کو ورغلا کر حسینؑ کے لیے بیعت لے رہا ہے۔ اس حکم کے پہنچتے ہی تو کوفہ روانہ ہو جا۔ اور مسلم

گرفتار کر کے قتل کر دے یا قید کر دے یا کوفے سے نکال دے۔ اور یہ سب ہی تیری صواب دید پر ہے
مسلم ابن عمرو باہلی یہ خط لے کر بصرہ روانہ ہوا اور جونہی بصرہ پہنچا۔ ابن زیاد نے فوراً تیاری کا حکم دیا۔ اپنے بھائی
عثمان ابن زیاد کو بصرہ میں نائب بنایا اور خود کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

امام حسینؑ کی طرف سے اہل بصرہ کو خط:

جناب مسلمؑ کو کوفہ روانہ کرنے کے بعد امام حسینؑ نے اشراف بصرہ کے نام خط لکھا۔ مورخین کو جن افراد کے نام معلوم ہو سکے
ہیں وہ یہ افراد ہیں۔

بنی نہشل سے یزید ابن مسعود اور بنی عبدالقیس سے منذر ابن جارود۔

آپ نے اہل بصرہ کے یہ خطوط اپنے غلام سلیمان جس کی کنیت ابورزین تھی کو دے کر بصرہ روانہ کیا۔ ابورزین نے
پہلے یزید ابن مسعود نہشلی کو خط پہنچایا بعد میں منذر ابن جارود کے پاس خط لایا۔

چونکہ منذر ابن زیاد کا سسر تھا۔ اور اس کے مظالم سے خائف رہتا تھا اس لیے منذر نے اس خیال سے کہ ممکن ہے
یہ شخص ابن زیاد ہی کا جاسوس ہو۔ ابورزین اور خط دونوں کو ابن زیاد کے پاس لے آیا۔ ابن زیاد نے خط پڑھ کر پھاڑ دیا
اور ابورزین کے قتل کا حکم دے دیا۔

اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ کربلا کا پہلا شہید ابورزین ہے۔

یزید نے بنی تمیم۔ بنی حنظلہ اور بنی سعد کو بلایا۔ اور ان سے کہا۔

پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ تم لوگ مجھے کیا سمجھتے ہو۔

تینوں قبیلوں کے افراد نے کہا۔ آپ ہمارے سردار ہی ہیں۔ اور ہم آپ کے پسینہ پر خون گرانے کو اپنی سعادت
سمجھتے ہیں۔

یزید نے کہا۔ دیکھو معاویہ مر گیا ہے۔ جو کچھ ظلم و ستم اس نے کیا وہ اس کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ ہر ایک کے سامنے ہے مرتے مرتے
شرابی۔ رئیس الفجور۔ یزید کی بات مسلمانوں کے سر تھوپ گیا ہے۔ جس میں نہ حلم ہے، نہ علم۔ نہ حق آشنا ہے اور نہ حق جو۔ میں اللہ
کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ یزید سے جہاد مشرکین کے جہاد سے افضل ہے۔

اس کے مقابلہ میں حسینؑ ابن علیؑ موجود ہیں۔ آلِ شجرِ رسالت کا پھل ہے۔ صاحب حسب و نسب ہے۔ علم کا سمندر اور
حلم کا کوہ گراں ہے۔ ہر وہ صفت جو کسی انسان میں ہونا چاہیے فرزند رسولؐ میں موجود ہے۔ تم حق سے روشنی حاصل کرو۔
اور قیس ابن مسعر نے جنگ جمل میں مخالفت علیؑ میں بڑھ کر جو حصہ لیا تھا اس داغ کو دھو ڈالو اور حسینؑ کی ندا پر
لبیک کہو۔

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے زرہ پہن لی ہے۔ ترکش سنبھال لیا ہے۔ تلوار کمر سے لٹکا لی ہے۔ یقین رکھو

جو قتل ہونے سے بچ جاتے ہیں موت سے ہرگز نہیں بچتے ۔ جو میدان جنگ سے بھاگ جاتے ہیں موت انہیں بھی پکڑ ہی لیتی ہے۔

اللہ آپ پر رحم کرے ۔ اچھا اور مناسب جواب دو۔

بنی سعد نے کہا ۔ آپ ہمارے سردار ہیں ۔ آپ کی بات ہم ٹال نہیں سکتے ۔ لیکن جنگ جمل سے شکست کے بعد قیس ابن مخرمہ نے ہمیں مرتے وقت وصیت کی تھی کہ ہمیشہ جنگ سے دور رہنا جب سے ہم نے قیس کی وصیت پر عمل شروع کیا ہے ۔ آرام سے کھا رہے ہیں اور وقت اطمینان سے پاس ہو رہا ہے ۔

یزید نے کہا ٹھیک ہے کوئی حرج نہیں ۔ لیکن میری بات یاد رکھنا آج کی اس جنگ سے تو بچ جاؤ گے ۔ لیکن تمہاری تلوار کبھی نیام میں نہیں جائے گی ۔

بنی حنظلہ اور بنی تمیم نے جواب دیا ۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ جنگ کریں اور ہم ان سے گھروں میں بیٹھے رہیں ۔ بسم اللہ جہاں آپ قدم رکھیں گے وہاں ہمارے سر ہوں گے ۔ صرف ہمیں تیاری کے لیے کچھ مہلت دے دیجئے ۔

پھر یزید نے امام حسینؑ کو خط لکھا ۔ بسم اللہ آپ جہاں فرمائیں بنی تمیم اور بنی حنظلہ کے سر آپ کے قدموں میں ہوں گے اس وقت آل محمدؐ میں سے ایک آپ ہی تو ہیں تو ہمارا سرمایہ اور جنت خدا ہیں ۔ ہم انشاء اللہ جنگ جمل کا داغ بھی دھو ڈالیں گے ۔

جب امام حسینؑ کو یزید کا خط ملا ۔

تو آپ نے محبت سے فرمایا ۔

یزید ! تو میری مدد کو پہنچ تو نہیں پائے گا ویسے تیری اس نصرت کا میں ، میرا بابا ۔ اور میرا نانا ممنون ہیں ۔ اللہ تجھے قیامت کے ہول سے محفوظ رکھے ۔ اللہ تجھے پیاس کے دن سیراب کرے ۔ اور اللہ تجھے عزیز رکھے ۔ تیری لبیک میری حوصلہ افزائی ہے اور تیرے خلوص کی علامت ہے ۔

ابن زیاد نے قاصد امام حسینؑ کو سولی پر چڑھانے کے بعد منبر پر جا کر خطبہ دیا ۔ اہل بصرہ کو نصرت آل محمدؐ سے باز رکھنے کی خاطر خوب ڈرایا اور دھمکایا ۔ ساتویں رات تیاری کی اور صبح کو کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا ۔

ابن زیاد کوفہ میں

ابن زیاد کوفہ میں رات کے وقت داخل ہوا ۔ اس کے ساتھ اپنے اہل خانہ اور خاص لوگوں کے علاوہ مسلم ابن عمرو باہلی اور شریک ابن اعور حارثی تھے ۔

ابن زیاد نے سیاہ عمامہ سر پر رکھا ہوا تھا ۔ منہ چھپایا ہوا تھا ۔ لوگوں نے سمجھا فرزند رسول آ گیا ہے ۔ دیکھتے

غالباً اس نے فرزندِ رسول کی حیثیت سے مرحبا بک یا ابن رسول اللہ۔ کہہ کر استقبال کیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور سیدھا دار الامارہ گیا۔

نعمان ابن بشیر نے دار الامارہ کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ دار الامارہ کی چھت سے نعمان نے کہا۔

اے فرزندِ رسول! نہ تو میں آپ سے جنگ کی خواہش رکھتا ہوں۔ اور نہ ہی یہ امانت آپ کے سپرد کر سکتا ہوں۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔

کافی دیر بعد اسے پتہ چلا کہ فرزندِ رسول نہیں بلکہ ابن زیاد ہے اس نے دروازہ کھولا۔ ابن زیاد اندر آیا۔ رات آرام سے گزاری۔ صبح الصلوۃ جامعہ کی منادی کرائی۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہو گئے تو اس نے یہ خطبہ دیا۔

اما بعد! مجھے یزید نے تمہارے اس شہر کا گورنر بنایا ہے۔ تمہاری سرحدوں کی حفاظت اور بیت المال کی نگرانی میرے سپرد کی ہے۔ میں مظلوم سے انصاف کروں گا۔ محروم پر نوازش کروں گا۔ ہر اطاعت شعار کے ساتھ مہربان باپ کا سا سلوک کروں گا۔

ہاں میرا کوڑا اور میری تلوار فقط ایسے افراد کے خلاف ہوں گے جو میرے حکم کی نافرمانی کریں گے۔ تمہیں اپنی زندگی سے محبت ہونا چاہئے اپنی جان کے دشمن نہ بنو۔ میں صرف دھمکیاں دینے کا قائل نہیں ہوں۔ میں اپنے قول کی صداقت اپنے عمل سے پیش کروں گا۔

تم سب میرے معتمد ہو۔ ہر شخص مجھے ایسے افراد کے نام اور ٹھکانے بتلائے جو یزید کے باغی ہیں۔ جو جو شخص ایسے افراد کے نام اور ٹھکانے بتاتا جائے اپنا اپنا وظیفہ ابھی آ کر لیتا جائے اور اب میں اس وظیفہ کو دوگنا کر رہا ہوں۔ جن لوگوں نے ایسے افراد کے نام اور ٹھکانے نہ بتلائے یا جن لوگوں نے ایسے افراد کو اپنے ہاں پناہ دی ان کے نام وظیفہ خواروں کی فہرست سے ہمیشہ کے لیے خارج کر دیے جائیں گے۔

اب جاؤ اور جو میں نے کہا ہے اس پر عمل کرو۔

ابن زیاد نے اپنے غلام معقل کو بلایا اسے تین ہزار درہم دیئے اور کہا جا کر مسلم ابن عقیل کا کھوج لگا۔

جب جناب مسلم کو پتہ چلا کہ ابن زیاد نے آتے ہی ان کی تلاش شروع کر دی ہے۔ تو انہوں نے جناب مختار کا مکان چھوڑ کر جناب ہانی کے مکان کو اپنا ٹھکانا بنایا۔

ابو ثمامہ صیداوی آپ کی طرف سے ہتھیار جمع کرنے پر مامور تھا۔ جب پچیس ہزار افراد نے بیعت کر لی تو جناب مسلم نے ابن زیاد کے خلاف جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

جناب ہانی نے مشورہ دیا کہ ابھی آپ جنگ شروع نہ کریں۔ ابن زیاد نے آج صبح جو تقریر کی ہے۔ اور لوگوں کے وظیفے دگنا کرنے کا لالچ بھی دیا ہے ساتھ ہی نافرمانی سے دھمکایا بھی ہے اس کا رد عمل دیکھ لیں۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کوفہ میں شیعیان علی صرف چند افراد ہیں جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ یہاں اکثریت شیعیان معاویہ کی ہے۔ یہ لوگ صرف معاویہ اور یزید

کے گورنروں سے تنگ تھے۔ ان کے دل میں محبت آج بھی معاویہ اور یزید سے ہے۔

جناب مسلم ابن عوسجہ جناب مسلم ابن عقیل کی طرف سے بیعت لیتے تھے۔ ابن عوسجہ مسجد کوفہ میں بیٹھے تھے کسی نے دوسرے سے کہا۔

یہ شخص ابن عقیل کے لیے بیعت لے رہا ہے۔

معقل غلام زیاد نے یہ بات سن لی۔

ابن عوسجہ کے قریب آیا۔ اور کہنے لگا۔ اے سردار کوفہ میں شام سے آیا ہوں۔ سنا ہے فرزند رسول تشریف لائے ہیں۔ اللہ نے محبت آل محمد کا انعام کیا ہے۔ میں بھی فرزند رسول کی جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ میں کوئی ایسا آدمی تلاش کر رہا تھا لیکن کوئی مجھے سفیر حسین کی نشاندہی نہ کر پا رہا تھا۔ ابھی مسجد میں میں نے آپ کے متعلق سنا ہے کہ آپ سفیر حسینؑ کی طرف سے بیعت لے رہے ہیں۔

مجھ سے یہ تین ہزار درہم لے لیں۔ انہیں ہتھیاروں میں خرچ کریں اور مجھ سے بیعت بھی ابھی لے لیں۔ جب مناسب سمجھیں تب مجھے صرف ایک مرتبہ سفیر حسین کی زیارت کرا دیں۔

ابن عوسجہ نے بیعت لے لی اور فرمایا۔ درہم اپنے پاس رکھو۔ میں سفیر حسینؑ سے اجازت لے لوں۔ اگر انہوں نے تیری ملاقات کی اجازت دے دی تو پھر درہم ان کو دینا جس کام وہ فرمائیں۔

معقل نے بیعت کر لی۔ دو دن بعد معقل جناب مسلم کے پاس پہنچ گیا۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک یہ کمینہ ابن زیاد کے خلاف ہر منصوبہ میں پیش پیش رہتا تھا۔ جب بھی وقت ملتا تھا ابن زیاد کو رپورٹ پہنچا دیتا تھا۔ جناب مسلم کے حکم سے اس نے وہ تین ہزار درہم ابو ثمامہ صائدی کے حوالہ کر دیئے تھے۔

شریک ابن اعور حارثی بصرہ سے ابن زیاد کے ساتھ آیا تھا۔ لیکن شیعیان آل محمد سے تھا۔ کوفہ پہنچ کر بیمار ہو گیا جناب ہانی کے گھر قیام کیا۔

ابن زیاد اس کی عیادت کو آیا۔ شریک نے جناب مسلم سے کہا کہ ابن زیاد میری عیادت کو آ رہا ہے۔ جب وہ آ جائے تو اسے قتل کر دینا۔ جب میں موقع سمجھوں گا تو میں پانی مانگوں گا۔ میرا پانی مانگنا اس بات کی علامت ہو گی۔ کہ وقت مناسب ہے۔

ابن زیاد شریک کی عیادت کو آیا۔ شریک نے پانی مانگا۔ لیکن کسی نے نہ دیا۔ جب اس نے اصرار کیا اور کوئی بھی پانی دینے نہ آیا تو شریک پریشان ہو گیا۔

ابن زیاد بھی سمجھ گیا۔ ابن زیاد فوراً اٹھ کر واپس چلا گیا۔

ابن زیاد کے جانے کے بعد جب جناب مسلم شریک کے پاس آئے تو شریک نے پوچھا۔ کیا ہوا آپ نے کیوں اس خبیث کو قتل نہیں کیا۔

جناب مسلم نے فرمایا۔ ہم آل محمد فرامین نبوی پر عمل کرتے ہیں۔ نبی عالمین کا ارشاد ہے کہ مومن کسی کو دھوکا نہیں دیتا ویسے میں خود بھی آمادہ نہیں تھا۔ لیکن جب ابن زیاد آگیا۔ تو زوجہ ہانی کو بھی آپ کے منصوبہ کا علم تھا۔ میرے قدموں پر گر گئی۔ اور مجھے نبی اکرم کا واسطہ دے کر کہنے لگی کہ آپ ہمارے گھر میں اسے نہ ماریں۔

یہ سنکر جناب ہانی نے فرمایا۔ اللہ عورتوں کو عقل دے۔ جس بات سے وہ ڈرتی ہے اسی میں گر گئی ہے۔ اس نے اپنا گھر تباہ کر دیا ہے۔ اور مجھے قتل کر دیا ہے۔

جناب ہانی کی شہادت

بحار کے مطابق جناب مسلم نے امام حسینؑ کو کوفہ آنے کیلیے خط لکھ دیا تھا۔ ادھر ابن زیاد کو معقل کی طرف سے مسلسل تازہ اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔

ابن زیاد نے محمد ابن اشعث۔ اسماء ابن خارجہ۔ اور عمرو ابن حجاج زبیدی سے جناب ہانی کے متعلق پوچھا کہ اس وقت رؤسائے کوفہ میں سے ہانی مجھے ملنے نہیں آیا۔

عمرو نے کہا۔ وہ بیمار ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ بیمار نہیں ہے۔ اب وہ تندرست ہے اور روزانہ گھر کے دروازہ پر بیٹھ کر منصوبہ بندی کرتا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ بیمار ہے تو میں اس کی عیادت پر بھی چلا جاؤں۔

یہ تینوں افراد ہانی کے پاس آئے اور اسے بتایا کہ ابن زیاد کو آپ ملنے نہیں گئے۔ وہ پوچھ رہا تھا۔

ہانی نے کہا۔ میں کچھ بیمار ہوں۔

انہوں نے کہا۔ اسے بیماری کا بھی علم ہے۔ اور بیماری کے بعد تندرستی کا بھی علم ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔

جناب ہانی نے لباس بدلا اور اپنے خچر پر سوار ہو کر ابن زیاد کی طرف روانہ ہو گئے۔ دارالامارہ کے دروازہ پر پہنچ کر ہانی نے حسان ابن خارجہ سے کہا۔

میری چھٹی حس کہتی ہے کہ مجھے اس خبیث سے خطرہ ہے۔ بھلا نہ جاؤں تو بہتر ہے۔ اگر میں اس کے سامنے پہنچ گیا تو پھر تم بھی بے بس ہو جاؤ گے۔

حسان نے کہا۔ آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

جناب ہانی ابن زیاد کے پاس آئے۔

ابن زیاد نے دیکھ کر کہا۔ اکثر اوقات ہر خائن کو اس کی اپنی ٹانگیں ہی کھینچ کر لاتی ہیں۔ پھر ابن زیاد نے قاضی شریح جو اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا کی طرف متوجہ ہوا اور کہا۔ کتنے تعجب کی بات ہے میں جس شخص کی زندگی کا خواہشمند ہوں وہ میری موت کی تجویزیں کرتا پھرتا ہے۔

ہانی نے کہا۔ اے امیر! آپ کیا کہتے ہیں۔

ابن زیاد نے کہا۔ ہاں تو جو کچھ کرتا پھر رہا ہے کیا میری زندگی کے لیے کر رہا ہے؟ تو نے مسلم ابن عقیل کو اپنے گھر چھپا رکھا ہے۔ لوگ تیرے گھر آتے جاتے ہیں۔ جنگ کے منصوبے بنتے ہیں۔ اسلحہ جمع ہو رہا ہے۔ حسینؑ کو خط لکھ دیا گیا ہے اور اب اس کی آمد کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ بھی معلوم نہ ہوگا۔

ہانی نے کہا۔ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں ان میں سے میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

ابن زیاد نے کہا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تو اس سے بھی زیادہ کر رہا ہے۔

ہانی نے پھر کہا۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

ابن زیاد نے معقل کو بلایا۔ جب جناب ہانی نے معقل کو دیکھا تو وہ سب کچھ سمجھ گئے کہ یہ شخص ابن زیاد کا جاسوس تھا۔ جو ہم میں شامل رہا ہے۔ اور یہ ہمارے تمام رازوں سے واقف ہے۔ اب چونکہ انکار کی کوئی صورت نہ تھی اس لیے ہانی نے کہا۔

میں نے نہ تو مسلم ابن عقیل کو دعوت دی ہے اور نہ اسے بلایا ہے۔ مسلم نے مجھ سے پناہ مانگی اور میں نے عرب دستور کے مطابق اسے پناہ دی ہے۔

آپ اگر اجازت دیں تو میں ابھی جا کر اسے گھر سے نکال دیتا ہوں۔ اور اسے کہہ دیتا ہوں کہ جہاں چاہیں چلے جائیں میری پناہ ختم ہو جائے گی۔

ابن زیاد نے کہا۔ اب تو اسی وقت جائے گا جب مسلم میرے حوالے کر دے گا۔

ہانی نے کہا۔ یہ تو بڑا مشکل ہے کہ میں آپ کو اپنا مہمان اپنے ہاتھوں لا کر اس لیے دے دوں کہ آپ اس کو قتل کر دیں۔

ابن زیاد نے کہا۔ بخدا تجھے لانا ہوگا۔

ہانی نے کہا۔ بخدا میں اسے تیرے حوالے نہ کروں گا۔

جب بات گرم ہو گئی تو مسلم ابن عمرو باہلی نے ابن زیاد سے کہا۔ آپ ذرا مجھے اس سے علیحدگی میں بات کرنے دیں

ابن زیاد نے کہا۔ اسے لے جا اور سمجھا۔ یہ اپنی زندگی کو خطرے میں نہ ڈالے۔

مسلم نے ہانی کو ایک طرف لے جا کر کافی کوشش کی کہ آپ مسلم ابن زیاد کے سپرد کر دیں۔

ہانی نے ایک جواب دیا۔ مسلم اگر میرا پاؤں آل محمد میں سے کسی فرد کے اوپر ہو اور مجھے کہہ دیا جائے کہ پاؤں ہٹا لے تا کہ آل محمد کے فرد کو نکال کر قتل کر دیا جائے۔ تو میں پاؤں کٹوا تو گوارا کر لوں گا لیکن قدم نہ ہٹاؤں گا۔ جب تک میں زندہ ہوں میں مسلم ابن زیاد کے حوالہ نہیں کر سکتا۔

ابن زیاد نے یہ بات سن لی۔ اس نے حکم دیا۔ ہانی کو میرے قریب لاؤ۔ ہانی کو ابن زیاد کے قریب لایا گیا۔ اس ظالم

نے جناب ہانی کے چہرہ پر چھڑی مارنا شروع کی۔ جناب ہانی کے رخساروں سے گوشت گرنے لگا۔ اور ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

جب تک چھڑی نہ ٹوٹی یہ مارتا رہا۔ تمام کپڑے لہولہان ہو گئے

جناب ہانی کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا گیا۔

مشہور ہو گیا کہ ہانی شہید ہو گئے۔

جب عمرو ابن حجاج کو شہادت ہانی کی اطلاع ملی تو اس نے بنی مذحج کو تیار کیا۔ اور مسلح ہو کر دارالامارہ کا گھیراؤ کر لیا۔

جب ابن زیاد کو علم ہوا تو اس نے قاضی شریح سے کہا۔ جا ہانی کو دارالامارہ کی چھت سے جا اور بنی مذحج کو دکھا دے کہ ہانی زندہ ہے۔ قاضی شریح جناب ہانی کو چھت پر لے گیا۔ اور دارالامارہ کی چھت سے دکھایا۔ بنی مذحج واپس ہو گئے

شہادت جناب مسلم

امالی صدوق، لہوف، ارشاد مفید اور تحفہ کے مطابق جناب مسلم کو جب ہانی کی اطلاع ملی۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ چند افراد نے ساتھ دیا۔ انہیں لے کر آپ نے دارالامارہ پر حملہ کر دیا۔ ابن زیاد نے دارالامارہ کا دروازہ بند کر دیا۔ غروب آفتاب تک گھیراؤ جاری رہا۔

ابن زیاد کے ملازمین دارالامارہ کی چھت سے ان لوگوں سے کہتے رہے۔

آج تمہیں کیا ہو گیا ہے ابن زیاد نے تمہارا وظیفہ دگنا کر دیا ہے۔ بھلا تم مٹھی بھر افراد کیا کر سکو گے۔ کل تک تم علیؑ اور حسنؑ کے خلاف معاویہ کا ساتھ دیتے رہے ہو۔

دوسری طرف لوگ آنے لگے۔ عورت آکر بیٹے سے کہتی اتنے سارے لوگ موجود ہیں۔ اگر تو نہ لڑا تو کونسا پہاڑ ٹوٹ جائے گا۔ چل میرے ساتھ۔ بھائی بھائی کو لے گیا۔ باپ بیٹے کو لے گیا۔ جب شام کا اندھیرا چھایا تو جناب مسلم کے ساتھ صرف دس آدمی رہ گئے۔ آپ مسجد میں آئے نماز پڑھی۔ جب فارغ ہوئے۔ تو وہ دس بھی جا چکے تھے آپ تنہا گلیوں میں چلنے لگے۔ ایک مقام پر آپ کو پیاس لگی ایک دروازہ پر کھڑے ہو کر پانی مانگا۔ طوعہ نامی عورت نے آکر پانی دیا۔ آپ پانی پی کر وہیں بیٹھ گئے۔

اس نے کہا۔ بندہ خدا! آپ نے پانی پی نہیں لیا۔

آپ نے فرمایا۔ پی لیا ہے۔

طوعہ نے کہا۔ جب پانی پی لیا ہے تو گھر کی راہ لیں میرے دروازہ پر نہ بیٹھیں۔

آپ نے سر جھکا لیا اور فرمایا میرا یہاں نہ گھر ہے اور نہ قبیلہ۔

طوعہ نے کہا۔ تو کون ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میں مسلم ابن عقیل ہوں۔

طوعہ نے کہا اگر آپ مسلم ہیں تو پھر باہر نہ بیٹھیں اندر تشریف لائیں۔

آپ اندر تشریف لے گئے۔ اس نے علیحدہ کمرہ میں بٹھایا۔ اور عرض کی اے آلِ رسولؐ آپ ان میں کیسے پھنس گئے۔

میں محنت مزدوری میں بہت کچھ سنتی رہی ہوں۔ یہ لوگ تو آپ کے دشمن ہیں۔ معاویہ نے پورے کوفہ سے چن چن کر شیعیانِ علی کو شہید کرا دیا تھا اکثر لوگ تو کوفہ چھوڑ کر ترکِ وطن کر گئے ہیں۔ یہ لوگ دل و جان سے شیعیانِ معاویہ ہیں صرف معاویہ کے گورنروں سے نالاں ہیں اور یزید کو سمجھ رہے ہیں کہ ہم اس کی تو مخالفت بھی کر سکتے ہیں ان لوگوں نے تمہارا اچھا لیا ہے۔ پورے کوفہ میں گنتی کے چند افراد کے سوا آلِ محمد کا کوئی بھی خیر خواہ نہیں۔ اور جو آپ کے شیعہ ہیں وہ بھی ابھی تک چھپے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کو ان پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ مسلم ابن عوسجہ اور ابو ثمامہ صیداوی کے سوا آپ کے ساتھ کوئی بھی مخلص نہیں ہے۔ لیکن یہ دو آپ کی کیا مدد کریں گے اور کہاں تک مدد کریں گے ان کے جیسے معاویہ کے وظیفہ خوار ہیں۔

جناب مسلم نے فرمایا۔ تو ٹھیک کہتی ہے۔ اس کے بعد آپ مصروفِ عبادت ہو گئے۔

طوعہ کا بیٹا محمد ابن اشعث کے دستہ میں سپاہی تھا۔ رات گئے گھر آیا اور سو گیا۔ صبح کو جب اس نے ماں کو دوسرے کمرے میں مہمان نوازی کرتے دیکھا تو اس سے پوچھا۔ بیان کرو؛

طوعہ نے پہلے تو انکار کیا۔ لیکن جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو قسم لے کر اسے بتا دیا۔ وہ خبیث چپ کر کے باہر آیا اور محمد کو بتا دیا۔

ادھر ابن زیاد نے حصین ابن نمیر جو پولیس انچارج تھا کو سختی سے حکم دیا کہ کوفہ کے ہر کوچہ میں پہرہ بٹھا دے مسلم اگر کوفہ سے نکل گیا تو تیری خیر نہیں۔ تجھے وسیع اختیارات ہیں۔ جس گھر پر تجھے شک ہو اہلِ خانہ سے اجازت لیے بغیر اندر چلا جا۔ صبح کو طوعہ کے بیٹے نے اس وقت محمد کے کان میں آ کر اطلاع دی جب محمد ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا۔ ابن زیاد نے اندازہ لگا لیا کہ مسلم ہی کی اطلاع ہے۔

ابن زیاد نے محمد سے کہا۔ ابھی جا اور مسلم کو گرفتار کر کے لا۔

محمد پانچ سو کا دستہ لے کر جناب مسلم کی گرفتاری کے لیے چلا گیا۔

طوعہ نے جناب مسلم سے پوچھا میں دیکھتی ہوں کہ آپ ساری رات مصروفِ عبادت ہی رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا تھوڑی دیر کے لیے سویا تھا۔ آنکھ لگ گئی تھی۔ حضرت علیؑ نے خواب میں فرمایا ہے۔ مسلم ہم تیرا انتظار کر رہے ہیں جلدی آ۔

میرا اندازہ ہے کہ بس آج میری زندگی کا آخری دن ہے۔ یہ بات کر رہے تھے کہ باہر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز

آ گئے آپ اٹھے۔

طوعہ نے فرمایا۔ آپ کے بیٹے نے اطلاع دے دی ہے اور اب ابن زیاد کے سپاہی آپ کو گرفتار کرنے کی خاطر آ رہے ہیں۔

آپ نے فوراً زرہ پہنی۔ تلوار میان سے نکالی اور گلی میں آ گئے۔ کئی مرتبہ آپ نے ان کا حملہ کو پسپا کیا۔ بکر ابن حمران کی ایک ضرب آپ کے چہرہ پر لگی جس سے آپ کا ایک ہونٹ اور دو دانت کٹ گئے۔ دوسری ضرب وہ لگانا چاہتا تھا کہ آپ نے اسے واصل جہنم کر دیا۔ آپ ایک ایک کو اٹھا کر پھینکتے تھے۔ مکانوں کی چھتوں کے اوپر سے ہو کر دوسری جانب جا گرتے تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ یہ قابو میں نہیں آ رہا۔ تو انہوں نے چھتوں پر سے آگ اور پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ آپ نے کافی یزیدیوں کو واصل جہنم کیا۔

جب محمد ابن اشعث ابو بکر کے جانب نے دیکھا کہ میرے سپاہی کم ہو گئے ہیں تو اس نے ابن زیاد کو کمک بھیجنے کا پیغام بھیجا۔

ابن زیاد نے جواب میں کہا۔

تجھے شرم نہیں آ رہی ہے۔ تنہا ایک آدمی ہے اور تیرے ساتھ پانچ سو ہے۔

محمد نے جواب دیا۔ کیا تو مسلم کو کوفہ کا سبزی فروش سمجھ رہا ہے۔ یہ محمد ابن عبداللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔

ابن زیاد نے اور کمک بھیجی۔

اس اثنا میں جناب مسلم کو دم لینے کا موقع مل گیا تھا۔ آپ نے ایک مرتبہ پھر زرہ درست کی۔ اور تلوار لے کر پھر ان پر حملہ کیا۔ جناب مسلم کا جسم تیروں سے چھلنی ہو گیا تھا۔ جب دوسری کمک بھی ناکام ہوئی تو محمد نے تیسری مرتبہ پھر مدد مانگی۔

ابن زیاد نے تیسری مرتبہ کمک بھیجنے کے ساتھ محمد کے نام پیغام بھیجا۔ ظالم یہ تو کیا کر رہا ہے لڑنے والے تو وہی ہیں جو تو مسلم کے ہاتھوں مروا دے گا حسین اور جاسوں سے کون لڑے گا۔ مسلم کو فریب دے۔ محمد نے جناب مسلم کو امان کی پیشکش کی۔ لیکن عبیداللہ ابن عباس سلمی نے کہا۔ مسلم امان کی بات انہی سے کرنا میں کوئی ذمہ داری قبول نہیں کروں گا۔

جناب مسلم نے محمد سے فرمایا۔

تو مجھے دھوکا سے گرفتار کرنا چاہتا ہے بخدا جب تک میری جان میں جان ہے میں اس وقت تک اپنا ہاتھ کسی فاسق کے ہاتھ میں نہیں دوں گا۔

اور اس وقت تمہارے ہاتھ آؤں گا جب کوفہ کے ہر محلوں میں میرے ہاتھ سے مقتول کی صف ماتم بچھی ہو گی۔ یہ کہہ کر آپ نے پھر حملہ کر دیا۔

آخر محمد نے جب دیکھا کہ جنگ سے قابو میں نہیں آئیں گے۔ ایک کوچہ میں گڑھا کھدوایا۔ اور پھر اسے ڈھانپ دیا اور جناب مسلم کو دوسری طرف سے گھیر کر اس کوچہ میں لانے کی کوشش کرنے لگے جب جناب مسلم اس کوچہ میں آئے تو لڑتے لڑتے اچانک گڑھے پر آ گئے۔ اور گڑھے میں گر گئے

اب ان لوگوں نے جناب مسلم کو گھیر لیا۔ محمد نے آگے بڑھ کر آپ کے چہرہ پر تلوار سے وار کیا۔ پھر گرفتار کر لیا۔ اور ساتھ ہی امان کا وعدہ بھی کیا۔

جب گرفتار کر کے آپ کو دار الامارہ کے دروازہ پر لا کر بٹھایا گیا، سامنے ایک پانی کا مشکیزہ رکھا تھا۔ آپ نے بیٹھے ہوئے فرمایا۔

پانی تو پلا دو۔

مسلم ابن عمرو باہلی نے کہا۔ مسلم پانی تو بڑا ٹھنڈا ہے لیکن تجھے نہ ملے گا۔

جناب مسلم نے فرمایا۔ آج تک کسی ماں نے تجھ سے زیادہ سنگدل بچہ نہ جنا ہو گا۔ اور محمد نے ابن زیاد سے اجازت مانگی۔

اتنے میں اجازت مل گئی۔

جناب مسلم کو ابن زیاد کے سامنے لے جایا گیا۔ آپ خاموش ہو کر کھڑے ہو گئے۔

ایک غلام نے کہا۔ مسلم امیر کو سلام تو کر لیا ہوتا۔

جناب مسلم نے فرمایا۔ جب میں نے اسے امیر بنایا ہی نہیں تو سلام کاہے کو کروں۔

ابن زیاد نے کہا۔ سلام کرو یا نہ کرو۔ تو قتل سے نہیں بچ سکتا۔

جناب مسلم نے فرمایا۔ اگر زندگی اور موت تمہارے بس میں ہوتی تو شاید میں پہلے مر چکا ہوتا۔

ابن زیاد نے کہا۔ یہ تو نے کیا کیا ہے۔

جناب مسلم نے کہا۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

ابن زیاد نے کہا۔ یہ حسین کے لیے بیعت لیتا پھرتا ہے یہ کیا بات ہے۔

جناب مسلم نے فرمایا۔

اس کا جواب میرے متعلق تو نہیں تھا۔ لیکن میں تجھے بتائے دیتا ہوں کہ ان لوگوں نے فرزند رسول کو خطوط لکھے کہ آپ آئیں ہم اموی مظالم سے تنگ آ چکے ہیں۔ اور شریعت محمدیہ کے مطابق عدل و انصاف کریں۔

ابن زیاد نے حکم دیا۔ یہ ہاشمی ہے ہاتھ کی طرح ان کی زبان بھی تیز ہوتی ہے اسے کسی صورت دو کر اسلام میں

پہلے کبھی کسی کو لکھ دی گئی ہو۔

جناب مسلم نے فرمایا۔ تو نے سچ کہا ہے۔ اسلام میں ایجاد بدعت تجھے ہی زیب دیتی ہے اور کون ہے جو اسلام میں کسی بدعت کو رائج کر سکے۔

محمد نے جنگ کا تمام واقعہ سنایا۔ یہ بھی بتایا کہ بکر ابن حمران نے پہلا وار کیا تھا۔ اور میں نے بھی مسلم سے امان کا وعدہ بھی کیا ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ تیرا امان سے کیا تعلق ہے۔ میں نے تجھے مسلم کی گرفتاری کی خاطر بھیجا تھا یا امان دینے کی خاطر جا اپنا کام کر۔

پھر بکر ابن حمران سے کہا۔ چونکہ مسلم پر پہلا کامیاب وار تو نے ہی کیا تھا اس لیے آخری وار بھی تو ہی کر۔ اسے دارالامارہ کی چھت پر لے جا اور منڈیر پر کھڑا کر کے پہلے سر زمین پر پھینک پھر جسم۔

جناب مسلم نے فرمایا۔ اگر اجازت ہو تو میں وصیت کر لوں۔

ابن زیاد نے کہا وصیت کر لے۔

جناب مسلم نے ابن زیاد کے حاشیہ نشینوں میں دیکھا تو عمر سعد بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اے عمر مجھے وصیت کرنا ہے لیکن علیحدگی میں کروں گا۔

عمر نے کہا۔ مجھے آپ سے کیا تعلق ہے۔ اور اگر وصیت تجھے کرنا ہی ہے تو یہیں ابن زیاد کے سامنے ہی کر دے۔

ابن زیاد نے کہا۔ عمر جا اور اس کی وصیت سن لے۔

عمر سعد اٹھا جناب مسلم اسے ایک طرف لے گئے۔ اور فرمایا۔ جب میں کوفہ میں آیا ہوں۔ تو سات سو درہم کا مقروض ہوا ہوں۔

میری تلوار اور زرہ فروخت کر کے میرا قرض ادا کر دینا۔

میری شہادت کے بعد میرا جسم ابن زیاد سے لے کر دفن کر دینا اور میں نے فرزند رسول کو کوفہ آنے کے متعلق لکھا تھا میری طرف سے اسے خط لکھ کر بھیج دینا کہ وہ نہ آئیں۔

یہ کہہ کر آپ گریہ کرنے لگے۔

عبداللہ ابن عباس سلمی نے کہا۔ مسلم آپ جیسے بہادر موت کا شکوہ کرتے نہیں ہیں آپ کیوں رو رہے ہیں۔

جناب مسلم نے فرمایا۔

میں اپنی موت پر ذرا بھی نہیں رو رہا ہوں تو گھر سے موت کے لیے تیار ہو کر چلا تھا۔ میں صرف اس لیے رو رہا ہوں کہ میں نے فرزند رسول کو کوفہ آنے کا لکھ دیا تھا۔ اور ان کے ساتھ مخدرات رسول ہیں۔

بکر آپ کو دارالامارہ کی چھت پر لے گیا۔

اس نے تلوار بلند کی۔ فضا میں لہرائی اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔

ابن زیاد نے دوسرا آدمی بھیجا وہ مر گیا۔

پھر تیسرا آدمی بھیجا اس نے آپ کو شہید کیا۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ جب چھت پر لے جا رہے تھے تو کیا کہتا تھا۔

قاتل نے بتایا۔ جب میں نے پہلا وار کیا۔ تو مسلم نے کہا۔

الحمد للہ کتنی باعزت اور قابل فخر موت ہے۔

جناب مسلم کی شہادت کے بعد محمد نے ابن زیاد سے کہا۔ ہانی کو میں لے آیا تھا۔ وہ خود نہیں آتا تھا۔ آپ ہانی کو میری خاطر چھوڑ دیں۔

ابن زیاد نے کہا۔ تو وہ بات کیوں کرتا ہے۔ جس کا تجھے اختیار نہیں ہوتا۔ تو اپنی نوکری کر اور تنخواہ لے۔ امان وغیرہ کے چکروں میں نہ پڑنا۔ ورنہ اپنا سامنہ لے کر رہو گے۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ ہانی کو بازار میں لے جا کر قتل کر دو۔

جناب ہانی کو رسن بستہ بازار لے گئے ۔ اور کہا گردن آگے کر۔

جناب ہانی نے فرمایا میں اس معاملہ میں کبھی کسی کا نہیں رہا۔ بالآخر ان لوگوں نے جناب ہانی کو شہید کر دیا۔ اور سواران زیاد کے پاس لے آئے۔ ابن زیاد نے جناب مسلم اور جناب ہانی دونوں کے سر یزید کو بھیجے۔ ساتھ کوفہ پر کنٹرول کا لکھا۔ اور مزید ہدایات مانگیں۔

یزید نے جب دونوں سر دیکھے تو خوش ہوا۔ اور جواب میں ابن زیاد کی حوصلہ افزائی کے علاوہ اسے لکھا کہ میں نے سنا ہے حسین بھی کوفہ کی طرف آ رہا ہے۔ اور اس سے باخبر رہ۔ مجھے مطلع کرتا رہ۔ اور جب بھی موقع ملے اسے قتل کر دے۔

جناب ہانی اور جناب مسلم کے لاشے پاؤں میں رسی ڈال کر کوفہ کی گلی بازاروں میں تشہیر کرائے گئے۔ جب بنی مذحج کو جناب ہانی کی شہادت کی اطلاع ملی تو وہ آئے۔ دونوں لاشے لیے اور دفن کر دیا۔

۹ ذی الحج۔ بروز بدھ ۶۰ھ کو جناب مسلم اور جناب ہانی دونوں شہید ہوئے۔

فرزندانِ جنابِ مُسلم

امالی صدوق، بحار، اعلام الوریٰ، ارشاد و مفید کے مطابق جناب مسلم کے کوفہ میں شہید ہونے والے دونوں بچوں میں بھی اختلاف ہے۔

بعض مورخین کے بقول دونوں بچے جناب مسلم کے ساتھ آئے تھے۔

اور بعض کے بقول روزِ عاشور جب تاراجی خیام ہوئی اس وقت دونوں بچے خیام سے باہر بھاگے۔ راستہ بھٹک گئے تھے۔

پھر فوجِ یزید کے ہاتھ آئے ابن زیاد نے دونوں کو قید کر دیا۔

دونوں قسم کی روایات میں واقعہ شہادت ایک جیسا ہے۔

جو روزِ عاشور گرفتاری کہتے ہیں ان کے مطابق جناب مسلم کا اس مشکل سفر میں دو کم سن بچوں کو ساتھ لانا بھی ناممکن ہے۔

جو یہ کہتے ہیں کہ جناب مسلم کے ساتھ تھے ان کا استدلال یہ ہے کہ۔

اولاً۔ تو قافلہ اہل بیت جب کم و بیش بعد از عاشورہ ایک ماہ تک کوفہ میں رہا اس وقت ان بچوں کو اس قافلہ میں شامل کیوں نہ کیا گیا۔

ثانیاً۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ دونوں بچے قافلہ اہل بیت کے شام کی طرف جانے کے بعد ابن زیاد نے قید کیے تھے تو پھر ابن زیاد نے انہیں شام کیوں نہ بھیجا۔

بہرصورت میری تحقیق کے مطابق دونوں روایات میں سے جو روایت بھی پڑھ لی جائے گی۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (نثار جعفری)

ابن زیاد نے داروغہ زندان کو ہدایت کی کہ دونوں بچوں کو نہ ٹھنڈا پانی دینا اور نہ پیٹ بھر کھانا دینا۔ جتنا ہو سکے قید میں سختی کرنا۔ کم و بیش ایک برس اسی حالت میں گزر گیا۔

ایک دن چھوٹے شہزادے نے کہا۔ بھیا ہمیں ایک برس ہو گیا ہے اور لگتا ہے شاید ہماری ساری زندگی اسی زندان میں گزر جائے آج داروغہ کو اپنا تعارف تو کرا دیں۔ ممکن ہے اس کے دل میں رحم آ جائے۔ جب شام کو حسبِ معمول ایک سوکھی روٹی اور ایک جام گرم پانی کا لایا۔

تو بڑے شہزادے نے کہا۔ اے بندۂ خدا! ایک برس ہو گیا ہے۔ آپ نے ہم پر بہت سختی کر لی ہے لیکن تجھے معلوم ہے ہم نے کبھی شکوہ نہیں کیا۔

داروغہ نے کہا۔ تم سچ کہتے ہو۔ میں خود بھی کبھی سوچتا ہوں کہ آخر تم دونوں کون ہو۔ تمہارا کیا قصور ہے کہ ابن زیاد نے تم پر اس قدر سختی کرنے کو کہا ہے۔

شہزادے نے کہا۔ کیا تو محمد ابن عبداللہ کو پہچانتا ہے؟

داروغہ نے کہا۔ بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ اسی کا تو میں کلمہ پڑھتا ہوں۔

شہزادے نے کہا۔ کیا جعفر ابن ابی طالب کو بھی پہچانتا ہے۔

داروغہ نے کہا۔ اسے بھی پہچانتا ہوں۔ اسے جنت میں بازوؤں کے عوض پر ملے ہوئے ہیں اسی لیے طیار بھی کہتے ہیں۔

شہزادے نے کہا۔ کیا علی ابن ابی طالب کو بھی پہچانتا ہے؟

داروغہ نے کہا۔ علی کو پہچانتا ہوں۔ وہ نبی اور پیغمبرِ رسول تھا۔

شہزادے نے کہا۔ شاید تجھے معلوم نہیں کہ ہم ذریت محمد۔ اولاد مسلم اور علی کے نواسے ہیں۔

داروغہ یہ سنتے ہی دونوں کے قدموں میں گر گیا۔ اٹھا اور قید خانہ کا دروازہ کھول کر کہنے لگا یہ دروازہ کھلا ہے۔

میں اپنی سزا بھگت لوں گا لیکن آج کے بعد تمہیں اپنی قید میں نہیں رکھ سکتا۔ ویسے کوشش کرنا رات کو سفر کرنا اور دن میں چھپ رہنا۔

دونوں شہزادے عشا کا نام لے کر زندان سے نکلے۔ لیکن کمسنی اور ناواقفیت کی وجہ سے کوئی راستہ تلاش نہ کر سکے۔ چل چل کے جب تھک گئے تو ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

اندر سے ایک بڑھیا نکلی۔

اس نے پوچھا۔ کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔

شہزادوں نے کہا۔ ہم کمسن مسافر ہیں۔ ہمارا سفر لمبا ہے۔ صرف آج کی رات گزارنا چاہتے ہیں۔ اگر مہربانی کریں گے۔

بڑھیا نے کہا۔ تمہارے جسم سے عجیب قسم کی خوشبو مہک رہی ہے ایسی خوشبو میں نے کبھی نہیں سونگھی تم اپنا تعارف کراؤ کون ہو۔؟

شہزادوں نے بتایا۔ ہم ذریت رسول سے مسلم ابن عقیل کی اولاد ہیں۔

بڑھیا نے کہا زمانہ تمہارا دشمن ہے۔

میرا داماد حارث ہے۔ اگر اس کو پتہ چل گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میرے ہی گھر میں شہید کر دیے جاؤ۔ میرا گھر میرا نہیں تمہارا ہے آؤ بسم اللہ

دونوں شہزادے اندر داخل ہوئے۔ بڑھیا نے کھانا پیش کیا۔ شہزادے کھانا کھا کے اور پانی پی کے سو گئے۔ سوتے وقت چھوٹے شہزادے نے کہا۔

بھیا مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے یہ رات ہماری زندگی کی آخری رات ہو۔ آ میرے سینے سے لگ جا۔ تو مجھے گلے لگا لے میں تجھے گلے لگا لوں۔ پھر ممکن ہے قیامت کو ملاقات ہو۔ دونوں شہزادے ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں حمائل کرکے سو گئے۔

نصف شب کے قریب بڑھیا کا دق الباب ہوا۔ اس نے پوچھا کون ہے۔

جواب ملا میں آپ کا داماد ہوں۔ تھکن سے برا حال ہے۔ دروازہ جلدی کھول۔

بڑھیا نے کہا۔ یہ کہاں رات کو مارا مارا پھر رہا ہے۔ یہ بھی کوئی وقت ہے آنے کا۔ نہ خود آرام کیا اور نہ دوسروں کو آرام کرنے دیا۔

بڑھیا نے دروازہ کھولا۔ داماد داخل ہوا۔ شہزادے اسی ہی کمرے میں سو رہے تھے۔

اس نے چراغ جلانے کا کہا۔

بڑھیا نے جواب دیا نہ آگ ہے اور نہ تیل ہے۔

بڑھیا نے کھانا دیا۔ یہ کھا پی کر سو رہا۔

بڑھیا نے کہا۔ یہ کہاں پھر رہا ہے۔

اس نے کہا۔ زمانہ سے ابن زیاد کے دو قیدی بھاگ گئے ہیں۔

ابن زیاد نے اعلان کیا ہے کہ اگر کوئی ایک کو لائے گا تو ایک ہزار درہم اور اگر کوئی دو کو لائے گا تو دو ہزار درہم انعام دے گا

بڑھیا نے کہا یہ قیدی کون ہیں؟

اس نے کہا۔ مسلم کے کمسن بچے ہیں۔

بڑھیا نے کہا تجھے شرم نہیں آتی۔ حشر کو کیا جواب دے گا۔ ان بچوں کو قتل کرا کے تجھے کیا مل جائے گا۔

اس نے کہا۔ لیکن تجھے علم تو نہیں ہے۔ باتیں تو ایسے کر رہی ہے جیسے تجھے معلوم ہو۔

بڑھیا نے کہا۔ بڑبڑ کر اب سونے دے۔

جب خاموشی ہوئی تو اسے محسوس ہوا کہ بڑھیا کے علاوہ بھی کوئی سانس لے رہا ہے۔ یہ چپکے سے اٹھا اور اندھیرے میں دیوار کا سہارا لے کر ٹٹولنے لگا۔ اچانک اس کا ہاتھ چھوٹے شہزادے کے بالوں میں جا اٹکا۔ اس نے جھٹکا دے کر پوچھا

کون ہے؟

شہزادے نے بھائی کو جگایا۔ اور کہا۔ بھیا اب اٹھ جاگئی سو چکے۔ دوسرا شہزادہ بھی جاگ گیا۔ اس نے دوسری مرتبہ پوچھا کون ہے؟

شہزادہ نے کہا اگر سیدھی بات بتاویں تو امان ہے۔

اس نے کہا۔ امان ہے۔

شہزادے نے کہا۔ اللہ اور رسول کی امان؟

اس نے کہا۔ اللہ اور رسول کی امان۔

شہزادے نے کہا۔ محمد ابن جعفر اس امان کے گواہ ہیں۔

اس نے کہا۔ محمد گواہ ہے۔

شہزادے نے کہا۔ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس کا وکیل اور شاہد ہے؟

اس نے کہا۔ ہاں اللہ شاہد ہے۔

شہزادے نے کہا۔ ہم عترت نبی۔ اولاد علی اور فرزندان مسلم ہیں۔

یہ سنتے ہی یہ ظالم پھر گیا اور کہنے لگا میں تمہاری خاطر کہاں کہاں مارا مارا پھرا ہوں۔ شکر ہے کہ پھر بھی تم مجھے ہی مل گئے ہو اور انعام میرا ہی مقدر ہے۔

اس نے دونوں کے بالوں میں ہاتھ ڈالا اور اتنا تشدد کیا کہ دونوں کے رخساروں سے خون بہنے لگا۔ پھر اس نے دونوں شہزادوں کے دونوں ہاتھ پس گردن باندھے اور ستون کے ساتھ کڑا کر کے باندھ دیا۔ اور رات تڑپتے ہوئے گزر گئی۔

صبح ہو گیا تھا۔ دونوں کو ساتھ لیا۔ بڑھیا نے چھڑانے کی کوشش کی اس نے تلوار ماری وہ وہیں اللہ کو پیاری ہو گئی پھر اس نے اپنے غلام سے کہا۔ ان دونوں کو دریا کے کنارے لے جا قتل کر کے لاشیں دریا میں ڈال دینا اور سر میرے پاس لے آنا۔

جب غلام دونوں شہزادوں کو لے کر چلا۔ تو بڑے شہزادے نے کہا۔ تیرا رنگ ہمارے نانا کے غلام بلال جیسا ہے کیا تجھے ڈر نہیں لگتا کہ جہنم میں جائے۔

اس نے پوچھا۔ آپ کون ہیں۔

شہزادوں نے کہا۔ تیرے نبی کی عترت۔ علی کے نواسے اور مسلم کے بیٹے ہیں۔

یہ دونوں کے قدموں میں گر گیا۔ پاؤں کو چوم کر تلوار دور پھینک دی اور عرض کیا۔ نام محمد پر میری جان قربان ہو میں آپ کے خون سے ہاتھ رنگین نہیں کرتا۔ اس نے دریا میں چھلانگ لگائی اور دور چلا گیا

حارث نے کہا۔ تو نے غلام ہو کے میری نافرمانی کی ہے اچھا نہیں کیا۔

غلام نے کہا۔ جب تک تو اللہ کی اطاعت میں تھا۔ اس وقت تک میں آپ کا مطیع تھا۔ اب جب کہ آپ نے اللہ کی اطاعت چھوڑ دی ہے تو میں دنیا اور آخرت میں تجھ سے بری ہوں گا۔

پھر اس نے بیٹے سے کہا۔ تو جا اور جا کر ان کو قتل کر دے تاکہ میں ابن زیاد سے انعام لے آؤں۔ حارث کا بیٹا دونوں کی طرف چلا۔

شہزادوں نے کہا۔ تو کتنا حسین ہے اور کتنا جوان ہے۔ کتنا افسوس ہوگا جب تیرا یہ حسین جسم آتش جہنم کے شعلوں میں جلے گا۔

اس نے پوچھا تم کون ہو۔

شہزادوں نے کہا۔ ہم نبی مصطفیٰ کی ذریت علی کے نواسے اور مسلم کے بیٹے ہیں۔

اس نے بھی تلوار پھینک دی اور شہزادوں سے معافی مانگ کر دریا میں کود گیا۔ حارث نے کہا بیٹا ہو کر تو بھی نافرمانی کرتا ہے۔

اس نے جواب دیا۔ تیری نافرمانی کر کے اللہ کی اطاعت کر لینا اس بات سے بہتر ہے کہ اللہ کی نافرمانی کر کے تیری اطاعت کی جائے۔

حارث نے کہا مجھے نظر آ رہا ہے کہ میرے بغیر تمہیں کوئی بھی قتل نہ کرے گا۔ اس نے تلوار اٹھائی اور دونوں کو لے کر دریائے فرات پر آیا۔ اور تلوار میان سے نکالی۔

جب دونوں شہزادوں نے برہنہ تلوار دیکھی تو دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور دونوں نے کہا۔ ایسا کر ہمارے خون سے ہاتھ مت رنگ۔ تجھے دولت کی ضرورت ہے ہمیں غلام بنا لے۔ بازار میں جا کر ہمیں فروخت کر دے۔ تجھے دو ہزار درہم سے زیادہ مل جائیں گے۔ محمد کو قیامت میں اپنا دشمن نہ بنا۔

اس نے کہا۔ میں تمہیں قتل کر کے دو ہزار درہم ابن زیاد سے انعام لینا چاہتا ہوں۔

دونوں شہزادوں نے کہا۔ کیا تجھے ہماری قرابت نبیہ کا خیال نہیں آ رہا۔

حارث نے کہا تمہارا رسول سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔

شہزادوں نے کہا۔ اچھا ایسا کر ہمیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے جا جیسے وہ مناسب سمجھے گا۔ وہ خود فیصلہ کرے گا۔

حارث نے کہا۔ مجھے ابن زیاد کے دربار میں جو تقرب تمہارے سر لے جانے سے حاصل ہوگا وہ زندہ لے جانے میں نہیں ہوگا۔

شہزادوں نے کہا۔ ہماری کمسنی پر ترس کر۔

حارث نے کہا۔ میرے دل میں تمہارے لیے رحم پیدا ہی نہیں ہوا۔

شہزادوں نے کہا۔ اگر تو خواہ مخواہ ہمیں قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو پھر ہمیں چند رکعت نماز پڑھ لینے دے۔

حارث نے کہا۔ اگر تمہیں نماز فائدہ دیتی ہے تو بے شک پڑھ لو۔

دونوں شہزادوں نے چار رکعت نماز پڑھی اور یہ دعا مانگی۔

یا حی یا حکیم یا احکم الحاکمین احکم بیننا وبینہ بالحق فاستوت حقنا منہ فی الدنیا والآخرۃ۔

حارث نے بڑے شہزادے پر وار کیا۔ اس کا سر قلم کر کے تھیلے میں رکھا اور لاشہ دریا میں ڈال دیا۔ اس نے دیکھا کہ لاشہ دریا کی سطح پر اس طرح رک گیا جس طرح زمین پر رکا ہو۔

پھر وہ چھوٹے شہزادے کے پاس آیا۔ دیکھا تو شہزادہ اپنے بھائی کے خون سے اپنے بالوں کو رنگین کر رہا تھا اس ظالم نے ارادے سے تلوار کو لہرایا۔ شہزادے نے بھائی کا سر سینے سے لگا رکھا تھا۔

شہزادے نے کہا۔ مجھے اپنے معبود کا واسطہ ہے مجھے اپنے بھائی کا خون اپنے چہرے پر مل لینے دے۔

حارث نے کہا۔ اس سے تجھے کیا فائدہ ہوگا۔

شہزادے نے کہا۔ میری خواہش ہے کہ میں اسی طرح نانا کے پاس جاؤں۔

شہزادہ بھائی کے سر پر جھکا ہوا تھا۔ حارث نے ایک دو مرتبہ کہا۔ شہزادے نے سر نہ اٹھایا تو اس نے شہزادہ کو پس گردن سے شہید کر دیا۔ شہزادے کے ہاتھوں سے بھائی کا سر چھوٹ گیا۔ اس نے دونوں سر اٹھا کر تھیلے میں ڈالے چھوٹے شہزادے کا لاشہ بھی دریا میں ڈالا۔ دونوں لاشے ایک دوسرے کی طرف چل کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق پانی میں غائب ہو گئے۔ اور ایک روایت کے مطابق شمال کی جانب بہنے لگے۔

اس نے دونوں سر اٹھائے۔ ابن زیاد کے پاس آیا۔ دونوں سر تھیلے سے نکال کر ابن زیاد کے سامنے رکھے۔

جب ابن زیاد نے سروں کو دیکھا تو فرط جذبات سے تین مرتبہ کرسی سے اٹھا اور بیٹھا اور پوچھا۔

یہ کن کے سر ہیں؟

حارث نے کہا۔ مسلم کے بچوں کے جو قید سے بھاگ گئے تھے۔

ابن زیاد نے کہا۔ میں نے پہلے بھی دونوں کے چہرے دیکھے تھے۔ چاند کی طرح تھے لیکن اب ان پر یہ نیلے داغ کیسے ہیں؟

حارث نے کہا۔ چونکہ میں کل ان کی تلاش میں پھر پھر کے تھک گیا تھا اس لیے جب مجھے ملے تو میں نے اپنا غصہ ان کے چہروں پر ٹھنڈا کیا۔

ابن زیاد نے کہا۔ ظالم تو نے کتنی بے دردی سے طمانچے مارے ہیں۔ تجھے کہاں ملے تھے۔

حارث نے کہا۔ میری ساس کے مہمان تھے۔

ابن زیاد نے کہا۔ تو نے حرب مہمان نوازی کا پاس نہ کیا۔

حارث نے کہا۔ وہ بڑھیا مہمان نوازی کے پاس میں میرے ہاتھوں ماری گئی ہے۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ شہزادوں نے تجھے کچھ کہا بھی تھا۔

حارث نے کہا۔ ہاں انہوں نے کہا تھا۔ ہمیں قتل کرکے محمد کا اپنا ملک نہ بنا بازار میں لے جاکر فروخت کردے تجھے دولت مل جائے گی۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ تو نے کیا کہا؟

حارث نے جواب دیا۔ میں نے انہیں یہی کہا کہ جو لعنت مجھے ابن زیاد سے ملنے والے انعام میں نصیب ہوگی۔ وہ تمہاری قیمت میں کب ہوگی۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ پھر انہوں نے کیا کہا۔

حارث نے جواب دیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہمیں ابن زیاد کے پاس زندہ لے جا جو چاہے وہ فیصلہ کرے۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ تو نے کیا کہا۔

حارث نے کہا۔ میں نے کہا۔ کہ جو تقرب مجھے تمہارے سر لے جانے سے حاصل ہوگا وہ تمہارے زندہ لے جانے سے نہیں ہوگا۔

ابن زیاد نے کہا۔ اگر تو زندہ لاتا تو میں تجھے چار ہزار درہم انعام دیتا۔

حارث نے کہا۔ اگر مجھے علم ہوتا تو میں ضرور زندہ لاتا۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ انہوں نے پھر کیا کہا۔

حارث نے کہا۔ انہوں نے کہا۔ ہمارے نبی اکرمؐ سے رشتہ کا لحاظ کرے۔

ابن زیاد نے کہا۔ تو نے کیا کہا؟

حارث نے کہا۔ میں نے کہا۔ تمہارا رسول اللہ سے کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ ظالم تو نے رسول سے رشتہ کی کیسے نفی کی ہے۔ حالانکہ دنیا کو معلوم ہے کہ وہ رسول کے فرزند تھے۔ پھر انہوں نے کیا کہا۔

حارث نے کہا۔ انہوں نے کہا۔ ہماری کمسنی پر ترس کر۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ تو نے کیا کہا۔

حارث نے کہا۔ میں نے کہا۔ تمہارے لیے میرے دل میں رحم پیدا ہی نہیں ہوا۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ پھر انہوں نے کیا کہا۔

حارث نے کہا۔ انہوں نے کہا۔ اگر تو ہمیں قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو ہمیں چند رکعت نماز پڑھ لینے دے۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ تو نے کیا جواب دیا۔

حارث نے کہا۔ میں نے ان سے کہا۔ اگر نماز تمہیں فائدہ دیتی ہے تو پڑھ لو۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ پھر انہوں نے کیا کیا۔

حارث نے کہا۔ پھر انہوں نے دریائے فرات سے وضو کی اجازت مانگی۔ لیکن میں نے اجازت نہ دی۔ انہوں نے وہیں تیمم کیا اور چار رکعت نماز پڑھی۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ نماز کے بعد انہوں نے کیا کہا۔

حارث نے کہا۔ نماز کے بعد انہوں نے دعا مانگی۔ اے حی۔ اے دانا۔ اے حاکم اللہ۔ ہمارے اور اس کے درمیان تو ہی فیصلہ فرما۔ اور ہمارا آخرت میں ہمارا حق اس سے وصول فرما۔

ابن زیاد نے کہا۔ ان کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ پھر اس نے اپنے اردگرد بیٹھے والوں کو دیکھا ایک شامی شیعہ میں بیٹھا تھا۔ اس سے کہا۔ اسے لے جا اور جہاں اس نے شہزادوں کو شہید کیا ہے۔ وہیں اسے واصل جہنم کر۔

اس مومن کا بیان ہے کہ اگر اس دن ابن زیاد میرے لیے ایک طرف تخت شام اور دوسری طرف حارث کا قتل رکھ کر مجھے حق انتخاب دیتا تو بھی میں تخت شام ٹھکرا کر بھی قتل حارث کو ترجیح دیتا۔ میں اتنا خوش ہوا جس کی حد نہیں۔

جب میں حارث کو لے کر جانے لگا۔

تو ابن زیاد نے کہا۔ ایک بات کا خیال رکھنا۔ اس کے نجس خون کو ان کے پاکیزہ خون میں نہ ملنے دینا۔

میں اسے لے گیا۔ راستہ میں حارث نے مجھ سے کہا۔ ایسا کر مجھ سے دس ہزار دینار لے لے اور مجھے چھوڑ دے میں چھپ جاؤں گا۔

میں نے کہا۔ ظالم تو دس ہزار دینار کی بات کرتا ہے اگر اس وقت کوئی مجھے تیرے عوض کرہ ارض کی حکومت دے تو بھی میں اسے ٹھکرا دوں۔

میں اسے لے کر دریائے فرات پر آیا۔ وہاں چند لوگ پہلے سے جمع تھے۔ میں نے دیکھا وہاں ایک عورت کی لاش پڑی تھی۔

میں نے ان سے پوچھا۔ یہ کس کی لاش ہے۔

حارث نے کہا۔ یہ میری ماں کی لاش ہے۔ جو ان کی میزبان تھی۔

میں نے اسے قتل کیا۔ اور لاش کو دریا میں پھینکا۔ دریا نے لاش کو باہر پھینک دیا۔ میں نے تین مرتبہ لاش کو دریا میں پھینکا۔ اور ہر مرتبہ دریا نے لاش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

میں نے ابن زیاد کو اطلاع دی

اس نے حکم دیا کہ اسے زمین میں دبا دو۔ دوسرے چند افراد کی مدد سے میں نے گڑھا کھودا۔ جب لاشہ کو گڑھا میں رکھا تو زمین نے باہر اگل دیا۔ تین چار مرتبہ ایسے کیا مگر ہر مرتبہ زمین نے باہر اگل دیا۔

میں نے پھر ابن زیاد کو اطلاع دی۔ اس نے حکم دیا کہ اسے جلا ڈالو۔ چنانچہ ہم نے لکڑیاں جمع کیں اس کی لاش پر ڈھیر کر دیا اور آگ لگا دی۔

ابن زیاد کے حکم سے میں نے شہزادوں کے سر دریا میں ڈالے۔ کافی آدمی کھڑے ہوئے تھے تمام نے دیکھا کہ دونوں شہزادوں کے لاشے پانی سے باہر آئے اپنے اپنے سر کے ساتھ لگے اور پھر غائب ہو گئے

میں واپس آیا تو ابن زیاد نے مجھے دس ہزار درہم دیئے

میں نے کہا۔ اگر امیر ناراض نہ ہو تو میں اس غلام کے قتل کے عوض ایک کوڑی بھی قبول نہ کروں گا۔ میرے لیے آپ کی یہ عنایت کیا کم ہے کہ آپ نے مجھے اس ظالم کو کیفر کردار تک پہنچانے کی سعادت بخشی ہے۔ امیر آپ یقین کریں میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں آپ کی اس نوازش کا شکریہ ادا کروں۔

ابن زیاد نے کہا۔ یہ معاوضہ نہیں بلکہ اس عطا کے بعد دوسری عطا ہے۔ اپنے پاس رکھو۔

مکہ سے کربلا

۳ شعبان ۶۰ھ مکہ میں آئے تھے۔ ۸ ذی الحج ۶۰ھ مکہ سے کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔ اگر مدینہ آمد اور مدینہ روانگی سے ہٹ کر حساب لگایا جائے تو فرزند رسول نے مکہ میں چار ماہ اور چار دن قیام کیا۔ جس دن سفیر حسین کوفہ میں مصروف پیکار تھے اسی دن یعنی ۸ ذی الحج کو امام حسینؑ مکہ سے سفر کی تیاری میں مصروف تھے۔

ارشاد مفید، منتخب، لہوف، مقاتل الطالبین، مثیر الاحزان اور امالی صدوق کے مطابق مکہ سے روانگی کے حالات اس طرح ہیں

مکہ میں دوران قیام امام حسین کو دو اطلاعات موصول ہوئیں۔

۱۔ عمرو سعید کی طرف سے سپہ سالار بن کر آیا اور اسے حکم تھا کہ جیسے بھی ہو فرزند رسول کو زندہ گرفتار کیا جائے اور اگر گرفتاری کا موقع نہ ملے تو قتل کیا جائے

۲۔ تیس اموی لشکروں کو احرام حج میں بھیجا گیا جن کے لباس احرام میں تلواریں چھپی تھیں کہ جہاں موقع ملے خواہ دوران

علاوہ کعبہ کے اندر کر دیا جائے اور فرزند رسول کو قتل کیا جائے

ان اطلاعات کے بعد امام حسینؑ کا مکہ میں مزید ٹھہرنا ممکن ہو گیا تھا چنانچہ آپ نے حج کو عمرہ میں بدلا۔ احرام حج توڑ دیا اور عراق کی طرف کوچ کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ تیاری مکمل ہونے کے بعد آپ نے خطبہ دیا۔

الحمد لله وما شاء الله ولا حول ولا قوة الا بالله وصلى الله على رسوله خط الموت على ولد آدم مخط القلادة على جيد الفتاة وما اولهني الى اسلافي اشتياق يعقوب الى يوسف وخيرلي مصرعاً انا لاقيه كاني باوصالي تقطعها عسلان الفلوات بين النواويس وكربلا فيملان في اكراشاً جوفا واجربة سغبا لا محيص عن يوم خط بالقلم رضى الله رضانا اهلبيت نصبر على بلائه ويوفينا اجر الصابرين لمنا من لحمه يفعل بنا ما صنع به معه نجتمع في حظيرة القدس يقربهم عينه و ينجز بهم وعده -
من كان باذلاً فينا مهجته وموطنا على لقاء الله نفسه فليرحل معنا فاننا نراحل غداً انشاء الله -

مشیت خالق پر جو سب اللہ کے سوا کوئی قوۃ نہیں رسول خدا پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ کہ تمے انسان میں موت کو اس طرح پہنایا گیا ہے جس طرح لڑکی کے گلے میں مالا ہوتا ہے کیا اپنے چلے جانے والوں کی ملاقات کا اس طرح مشتاق ہوں جس طرح یعقوب یوسف کا مشتاق تھا ہر ایک کی طرح میرے لیے بھی اللہ نے مدفن مقرر فرمایا ہے اور میری منزل آگئی ہے۔ میں آج بھی دیکھ رہا ہوں کہ نواویس اور کربلا کے مابین بھوکے بھیڑیے میرے جسم کو تیروں اور تلواروں سے اس طرح بھنبھوڑ رہے ہیں جس طرح بھوکے بھیڑیے گوشت نوچتے ہیں۔ اور میرے قتل کے انعام سے اس طرح گھر بھر رہے ہیں جس طرح بھوکے درندے اپنا خالی پیٹ بھرتے ہیں۔ موت کا مقررہ دن ہے۔ ہم اہلبیت رضائے خدا پر راضی ہیں۔ اس کے امتحان میں صبر کریں گے اور وہ ہمیں صبر کا اجر دے گا۔ ہم نبی کریم کا گوشت پوست ہیں اور جو سلوک ان سے ہوا ہے وہی ہم سے ہونا ہے۔ جنت الفردوس میں ہمیں انہی کے ساتھ رہنا ہے۔ ہمیں دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ جس نے ہمارے ساتھ قربانی دینا ہو اور بارگاہ خالق میں حاضری چاہتا ہو وہ سمجھتا ہو ہمارے ساتھ چلے ہم انشاءاللہ صبح کو جا رہے ہیں

ابو محمد واقدی اور زرارہ نے عرض کیا۔ فرزند رسول آپ کہاں تشریف لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ عراق۔

انھوں نے عرض کیا، عراق میں آپ کے شیعہ کہاں رہ گئے ہیں۔ آپ کو بھی معلوم ہے اور ساری دنیا جانتی ہے کہ معاویہ نے زیاد کے ذریعہ کوفہ اور بصرہ میں آپ کا ایک بھی شیعہ نہیں چھوڑا۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ کو کوفہ والوں نے آنے کی دعوت دی ہے۔ لیکن ان میں آپ کے شیعوں کی تعداد چند افراد پر مشتمل ہو گی۔ کچھ شیعہ تو ہمیں معلوم ہیں لیکن وہ ان دعوت دینے والوں کا ساتھ نہیں دیں گے کیونکہ ان میں کوئی بھی بھروسہ کا آدمی نہیں ہے۔ دعوت دینے والوں میں مسلم ابن عوسجہ۔ اور ابو ثمامہ صائدی کے علاوہ چار یا پانچ آدمی مخلص ہیں۔ دیگر تمام وہ افراد ہیں جو اس وقت بھی معاویہ کے وظیفہ خوار تھے۔ جب حضرت علیؑ کی حکومت تھی اور آج بھی معاویہ کے وظیفے پاتے ہیں۔ چونکہ حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے وقت معاویہ نے ان سے جو کام لینا تھا لے لیا تھا اس لیے کام نکل جانے کے بعد معاویہ نے ان کے وظائف کم کر دیے تھے۔ اب وہ لوگ بھی آپ کو دعوت دے کر صرف اپنے وظائف میں اضافہ کرانا چاہتے ہیں اور بس۔

آپ نے فرمایا، تمہیں معلوم ہے کہ میں فرزند رسول ہوں۔

انھوں نے کہا، معلوم ہے۔

آپ نے فرمایا، یہ بھی جانتے ہو کہ میں طریقہ رسول پر چلا ہوں۔

انھوں نے کہا، جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا، تم نے سنا ہے کہ خاتم الانبیاء نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرمایا تھا کہ، ہم جوانان جنت کے سردار ہیں۔

انھوں نے کہا، سنا بھی ہے اور لوگوں کو سناتے بھی رہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا، یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ میں علم نبی کا وارث بھی ہوں۔

انھوں نے کہا، معلوم ہے۔

آپ نے فرمایا، کوفہ سے میرے پاس بارہ ہزار خط آئے ہیں اور ہر خط پر خط لکھنے والے کے علاوہ کم و بیش چار چار پانچ پانچ آدمیوں کے دستخط ہیں۔ اور انھوں نے یہ لکھا ہے کہ، اگر آپ نے ہماری دعوت قبول نہ کی تو کل بروز محشر ہم دربار خالق میں آپ کے نانا سے احتجاج کریں گے۔ کہ ہم نے حسینؑ کو بلایا تھا۔ حسینؑ نے ہماری دعوت قبول نہیں کی تھی اگر ہمارے اعمال پر یزیدیت کی چھاپ لگی ہوئی ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ اب ان خطوط کے بعد دنیاوی فکر سے ہٹ کر تم بتاؤ شرعاً میرا کیا فریضہ ہے۔

انھوں نے کہا، ظاہر ہے شرعاً تو آپ کا فریضہ یہی ہے کہ آپ وہاں تشریف لے جائیں کیونکہ ان لوگوں نے تحریری طور پر اتمام حجت کر دیا ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ اگر آپ کی نظروں میں میرا شرعی فریضہ یہی ہے تو پھر ہر صاحب سند بھی کہے گا کہ میرا شرعی فریضہ یہی ہے۔

انھوں نے کہا۔ بے شک آپ درست فرماتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ میں صرف اور صرف اپنے نانا کی طرف سے عائد ہونے والے فریضہ کی انجام دہی کے لیے جا رہا ہوں۔ مدینہ میں اس وقت گھر میں بیٹھ کر نہیں جانتا ہوں کہ وہ لوگ میرا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ میرے خلاف نبرد آزما ہوں گے۔ اور میرے ساتھ جتنے افراد بھی ہوں گے وہ سب شہید ہو جائیں گے۔ میری اپنی اولاد میں سے صرف میرا علیؑ بیٹا بچ جائے گا۔

ذرا سر اٹھا کر دیکھو۔

انھوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو آسمان کے صف بستہ کھڑے ہوئے تھے۔ اور سب کے سب امام حسینؑ سے اذن جہاد مانگ رہے تھے۔

آپ نے فرمایا۔ تم نے دیکھ لیا ہے۔ اگر میرا مقصد جنگ برائے جنگ اور حصول اقتدار ہوتا تو مجھے کوفہ جانے کی ضرورت تھی نہ کہ آنے کی مدینہ میں بیٹھ کر ان کو تباہ کر سکتا تھا لیکن ایسا کرنے سے ایک تو سلسلہ جزا و سزا ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور دوسرے قیامت تک آنے والی نسلوں کے سامنے میرے نانا اور میری ماں کی شہادت چھپی رہے گی میرے بابا کے قاتلوں کا پتہ نہ چلے گا۔ نہ میرے بھائی کے قاتل طشت از بام ہوں گے تمہیں معلوم ہے کہ اصحاب تطہیر میں سے میں آخری فرد ہوں۔ چار شہید ہو گئے ہیں مگر آج تک امت کو معلوم نہیں ہے کہ وہ شہید ہوئے بھی ہیں یا نہیں۔ اور اگر شہید ہوئے ہیں تو ان کے قاتل کون ہیں۔

جہاں اہل کوفہ کے خطوط کا ظاہری تقاضا ہے کہ میں وہاں جاؤں۔ وہاں میرے نانا میری ماں میرے بابا اور میرے بھائی کی مظلومانہ شہادت کا بھی تقاضا ہے کہ ان کے قاتل طشت از بام ہوں۔ اور کم از کم آنے والی نسلوں کو علم ہو سکے کہ ان کس کا قاتل ہے۔

محمد حنفیہؒ

جناب محمد حنفیہ کے سامنے طشت رکھا تھا۔ آپ اس وقت وضو کر رہے تھے جب آپ کو اطلاع ملی کہ امام حسینؑ نے کربلا جانے کا اعلان کر دیا ہے۔ وضو چھوڑ دیا اور امام حسینؑ کے پاس آ کے عرض کیا۔

بھیا آپ بیت اللہ جو جائے امن ہے کو چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ محمد! بیت اللہ جائے امن تھا لیکن اب بالخصوص ہم اہل بیت کے لیے بیت اللہ جائے امن نہیں رہا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اموی مجھے دھوکا سے بیت اللہ ہی میں شہید نہ کر دیں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تقدس کعبہ کو کوئی نقصان پہنچے۔

جناب محمد نے عرض کیا۔ اگر بیت اللہ میں اس قسم کا کوئی خطرہ ہے تو پھر آپ یمن چلے جائیں۔ یا پھر صحرا میں

چلے جائیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے اس سلسلہ میں میں غور کروں گا۔

محمد واپس چلا گیا۔

دوسری صبح جب محمد کو اطلاع ملی کہ امام حسینؑ نے سامان بندھوا لیا ہے۔ مستورات کجاووں میں بیٹھ گئی ہیں۔ اور امام حسینؑ سوار ہو چکے ہیں۔ جناب محمد حنفیہ سے آئے۔ گھوڑے کی باگ پر ہاتھ رکھا اور عرض کی۔ کہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا پھر اتنی جلدی کیوں؟

امام حسینؑ نے فرمایا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے وعدہ کیا تھا۔ لیکن آپ کے جانے کے بعد جب میں سویا اور میری آنکھ لگی تو نانا نے مجھے فرمایا۔

بیٹے شہادت تیری منتظر ہے۔

محمد نے عرض کیا۔ اس عالم کے باوجود آپ ان مستورات کو ساتھ لے جارہے ہیں۔ آپ انہیں تو واپس مدینہ بھیج دیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ یہ بھی نانا کا حکم ہے کہ یہ میرے ساتھ جائیں گی۔ میری بے گناہ شہادت کو چھپانے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ مستورات رسن بستہ ہو کر کوفہ سے شام تک میری بے گناہی اور خوابیدہ امت محمد کو بیدار کریں گی۔

عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن زبیر۔

جب آپ تیار ہو چکے تو عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن زبیر نے آکر مشورہ دیا کہ آپ کوفہ نہ جائیں بیت اللہ ہی میں لگے رہیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ عبداللہ ابن زبیر تجھے میرے نانا کی پیش گوئی یاد ہے انہوں نے فرمایا تھا کہ بیت اللہ کا تقدس ایک قریشی کے خون سے پامال ہوگا۔

عبداللہ ابن زبیر نے کہا۔ یاد ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میرے لیے کربلا کے صحرا میں دفن ہونا اس بات سے بہتر ہے کہ میری وجہ سے کعبہ کا تقدس پامال ہو

پھر ابن عباس سے فرمایا۔

مجھے نانا نے حکم دیا ہے اور میں ان کے حکم کی تعمیل ہر صورت کروں گا۔

ابن عباس نے یہ سنکر واحسرتاہ اور واحسیناہ کر کے گریہ کیا۔

عبداللہ ابن عمر :

عبداللہ ابن عمر نے بھی آکر مشورہ دیا کہ اس وقت بدمعاشوں کا غلبہ ہے آپ کہیں بھی نہ جائیں۔ اور مکہ میں ہی قیام رکھیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا اے ابو عبدالرحمن! تجھے معلوم ہے کہ دنیا کتنی ظالم اور بے انصاف ہے کہ یحییٰ ابن زکریا جیسے زاہد اور پاکباز نبی کا سر بنی اسرائیل کی ایک بدکار اور طوائف کی خواہش پر ایک شرابی، زناکار اور فاجر بادشاہ کو تحفہ پیش کیا گیا تھا۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ بنی اسرائیل شام سے لے کر صبح تک ستر ستر نبی کو شہید کر دیتے تھے۔ اور پھر سارا دن بازاروں اور دکانوں میں اسی اطمینان سے خرید و فروخت کرتے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ لیکن اللہ نے ان پر عذاب میں جلدی نہیں کی۔

اے ابو عبدالرحمن! میں تجھے دعوت دیتا ہوں میری نصرت سے دور نہ رہ اور میری مدد کر۔

عبداللہ ابن عمر آگے بڑھا۔ گلوئے امام حسینؑ کا بوسہ لیا اور کہنے لگا۔

اے فرزند رسول آپ کو شہادت مبارک ہو۔

فرزدق :

عرب کے مشہور شاعر فرزدق کا بیان ہے کہ میں اپنی ماں کو حج کرانے کی خاطر مکہ لا رہا تھا میں جب مکہ کے قریب آیا تو ایک قافلہ کو مکہ سے باہر نکلتے دیکھا

میں نے پوچھا یہ مکہ سے باہر کون جا رہا ہے۔

مجھے بتایا گیا۔ فرزند رسول حسینؑ ابن علیؑ ہے۔

میں نے کہا۔ حسینؑ تو ہمیشہ حج کر آیا کرتا تھا اور آج عین وقت حج پر مکہ سے باہر جا رہا ہے کیا وجہ ہے میرے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی۔ میری ماں ناقہ پر تھی۔ میں قریب گیا۔ سلام کیا اور عرض کیا فرزند رسول ان دنوں آپ مکہ سے باہر جا رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں! تقدس بیت اللہ کا تحفظ ضروری ہے۔

میں نے عرض کیا۔ آپ کے حج کرنے سے تقدس کو کیا خطرہ تھا۔

آپ نے فرمایا۔ کچھ حاجی صاحبان احرام کے لباس میں مجھے حرم خدا میں قتل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ اب کہاں کا ارادہ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ فی الحال تو عراق کا ارادہ ہے۔
میں نے عرض کیا۔ قبلہ عراق میں مجھے تو نظر نہیں آتا کہ آپ کا کوئی معاون ہو۔
آپ نے فرمایا۔ تجھے کیا نظر آیا ہے۔
میں نے عرض کیا۔ وہی جو ہر ایک کو نظر آتا ہے۔ اہل عراق کی زبانیں آپ کے ساتھ ہیں۔ دل بنی امیہ کے ساتھ ہیں
الفاظ آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔
آپ نے فرمایا۔ یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔ ویسے تیرا تجزیہ بڑا اچھا صاف ستھرا اور بے لاگ ہے۔
مجھے کچھ حج کے مسائل پوچھنا تھے میں نے وہ پوچھے۔ آپ نے بتایا۔ اس سے زیادہ مجھ سے کوئی بات نہیں ہوئی میں
نے معانقہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔

عبداللہ ابن جعفر طیار اور یحییٰ ابن سعید۔

جب آپ بیرون مدینہ آئے۔ جناب عبداللہ کو علم ہوا تو انہوں نے اپنے عون و محمد کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اور
پیغام بھی دیا۔ قبلہ اگر آپ عراق نہ جائیں تو بہتر ہوگا۔ آپ کے بعد روئے ارض فرزند ہدایت سے خالی ہو جائے گا۔ اگرچہ میں
سخت مریض ہوں۔ لیکن کوشش کرکے آپ کی خدمت میں پہنچوں گا ضرور۔
اس کے بعد جناب عبداللہ مکہ آئے۔ وہاں سے عمرو ابن سعید سے ایک معاہدہ لکھوایا۔ عمرو کے بھائی یحییٰ کو ساتھ
لے کر امام حسینؑ کو اس وقت آکر ملا جب آپ مدینہ سے عازم عراق ہو چکے تھے۔
جب جناب عبداللہ اور یحییٰ ابن سعید آپ کو ملے۔ اور جناب عبداللہ نے اصرار کیا کہ آپ عراق نہ جائیں واپس
مکہ تشریف لے جائیں۔
تو امام حسینؑ نے فرمایا۔
عبداللہ! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں آپ کو نظر نہیں آرہا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بنی امیہ لاکھ امان دیں ان کی امان
ویسی ہوگی جیسی معاویہ نے امام حسنؑ کو دی تھی۔ یہ مجھے اس طرح قتل کریں گے جس طرح پہلے میرے بزرگ شہید کر چکے
ہیں۔ اور آج تک امت کو پتہ بھی کہ ان کا اصل قاتل کون ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے نانا نے خواب میں جو
حکم دیا ہے میں بہر صورت اس پر عمل کروں گا
جناب عبداللہ نے عرض کیا۔ قبلہ ہمیں بھی تو وہ حکم بتا دیں۔
آپ نے فرمایا۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔
میں نے نہ پہلے کسی کو بتایا ہے اور نہ اب بتاؤں گا۔
جب جناب عبداللہ مایوس ہو گئے تو انہوں نے عون و محمد سے فرمایا۔ فرزند رسول کا ساتھ نہ چھوڑنا مجھے افسوس ہے

کہ آج میری صحت میرا ساتھ نہیں دے رہی۔ مجھے امید ہے کہ اگرچہ تم کمسن ہو لیکن میری نیابت کرو گے۔ اگر ضرورت پڑ جائے تو فرزند رسول کے ساتھ ایسا جہاد کرنا کہ تمہارا جہاد تاریخ کا حصہ بن جائے

۲۔ ذات عرق:

مکہ سے روانگی کے بعد آپ کا پہلا قیام بیرون مدینہ تھا۔ مدینہ سے روانگی کے بعد دوسرا قیام ذات عرق میں ہوا۔ اس جگہ آپ کو بشر ابن غالب عراق سے آ کر ملا۔

آپ نے پوچھا سنا عراق میں کیا حال ہے۔

بشر نے عرض کی۔ فرزند رسول اہل عراق میں جو آپ کے شیعہ تھے وہ تو معاویہ نے زیاد کے ذریعہ چنوا دیے تھے اب صرف وہی لوگ ہیں جن کی زبانیں آپ کے ساتھ اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تو نے بالکل مناسب تجزیہ کیا ہے۔

۳۔ ثعلبیہ:

ذات عرق کے بعد تیسرا قابل ذکر مقام ثعلبیہ ہے۔ جہاں آپ نے قیام کیا۔ اس جگہ ابو ہرہ ازدی نے آ کر سلام کیا اور عرض کی کہ آپ نے اپنے نانا کا حرم کیوں چھوڑ دیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ بنی امیہ نے ہمارے مال پر قبضہ کر لیا ـــ ہم نے صبر کیا۔ بنی امیہ نے ہمیں منبروں پر سب وشتم کیا ہم نے برداشت کی۔ بنی امیہ نے ہمارے شیعوں کو علی الاعلان قتل کیا ہم خاموش رہے۔ بنی امیہ نے ہمیں ایک ایک کر کے فریب سے شہید کیا۔ پہلے تو ہم برداشت کرتے رہے لیکن اب فریب سے قتل میں برداشت نہیں کر سکتا میری کوشش یہی ہو گی کہ جنگ نہ کرنا پڑے۔ میں نے آبادیاں چھوڑ دی ہیں۔ صحراؤں میں وقت گزار رہا ہوں۔ اہل کوفہ نے دعوت دی ہے وہاں جا رہا ہوں۔

امکانی حد تک میں لڑائی سے گریز کروں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ لوگ میرے قاتل ہیں اور میرے قتل کے بعد یہ لوگ ذلیل ہوں گے۔

۴۔ عذیب:

ثعلبیہ کے بعد تیسری منزل عذیب ہے جہاں آپ نے قیام کیا۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے سوئے۔ پھر بیدار ہو کر اٹھے اور گریہ فرمانے لگے۔

شہزادہ علی اکبر نے عرض کی۔ بابا جان خیریت تو ہے کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا بیٹے ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے ایک ہاتف غیبی آواز دے رہا تھا یہ قافلہ آگے چل رہا ہے اور موت اس قافلہ کی طرف آ رہی ہے۔

شہزادہ نے عرض کیا یا ابتاہ السنا علی الحق بابا جان کیا ہم حق پر نہیں ہیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا بلی نحن علی الحق بیٹا ہم ہی تو حق پر ہیں۔

شہزادہ نے عرض کیا۔ بابا جان اذن لا نبالی وقعنا علی الموت ام الموت وقعت علینا بابا اگر ہم حق پر ہیں تو پھر کوئی پرواہ نہیں، ہم موت کے پاس جائیں یا موت چل کر ہمارے پاس آئے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ جزاک اللہ احسن الجزاء بما یجزی الولد عن والدہ بیٹے اللہ جو جزائے خیر کسی باپ کی طرف سے بیٹے کو دیتا ہے۔ تجھے اللہ عنایت فرمائے۔

اسی منزل پر طرماح ابن حکم سے روایت ہے کہ میں کوفہ کچھ سودا سلف خریدنے کی خاطر جا رہا تھا۔ راستہ میں میں نے خیمے نصب دیکھے۔

میں نے ایک شخص سے پوچھا یہ کس کے خیمے ہیں۔

اس نے کہا۔ حسینؑ ابن علیؑ کے۔

میں نے پوچھا۔ حسینؑ ابن علیؑ و فاطمہ بنت رسول اللہ کے؟

اس نے کہا ہاں۔

میں فرزند رسول کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام عرض کیا۔ قبلہ آپ کوفہ ہرگز نہ جائیں۔ میں کبھی کبھی وہاں جاتا رہتا ہوں۔ وہاں ہر شخص آپ کا دشمن ہے۔ اگر آپ کو اور کہیں تحفظ نہیں تو آپ ہمارے پاس کوہ آجاہ میں آجائیں۔ وہاں ہماری بستی سے آنے والا کبھی جان سلامت لے کر واپس نہیں گیا۔ میرا تمام قبیلہ آپ کے قدموں پر سر رکھنے کو فخر سمجھے گا۔

آپ نے فرمایا۔ طرماح اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں وعدہ کر چکا ہوں، اور عہد شکنی مجھے پسند نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ میرے پاس سامان ہے جو مجھے گھر پہنچانا ہے۔ انشاء اللہ یہ سامان گھر پہنچانے کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ میں انتہائی سرعت سے کوفہ گیا۔ سودا سلف خریدا۔ اور واپس کوہ آجاہ میں گھر پہنچایا۔ اور واپس آ گیا۔ ابھی راستہ میں تھا سماعہ ابن بدر راستہ میں ملا اور اس نے بتایا کہ فرزند رسول شہید ہو گیا ہے۔

ولید ابن عتبہ کا ابن زیاد کو خط

جب امام حسینؑ ابھی سفر میں تھے ولید جو حاکم مدینہ تھا کو اطلاع ملی کہ امام حسینؑ عازم عراق ہیں۔ ولید نے ابن زیاد

کو خط لکھا۔

میرے معلومات کے مطابق حسینؑ عراق کی طرف متوجہ ہے۔ تجھے علم ہے کہ حسینؑ فاطمہؑ کا بیٹا ہے اور فاطمہ رسول اللہ کی بیٹی ہے۔ ابن زیاد خیال رکھنا کہیں تیرے ہاتھ سے حسین کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ورنہ تیرے اور پورے بنی امیہ کے لیے ایک ایسی آفت کھڑی ہو گی جسے دنیا کی کوئی طاقت دور نہ کر سکے گی۔ اس نقصان کو نہ ہمارے دوست برداشت کریں گے اور نہ دشمن۔ رہتی دنیا تک نہ ختم ہونے والی لعنت بنی امیہ اور تیرے سر رہے گی۔

ابن زیاد نے خط کو پڑھ کر ایک طرف رکھ دیا اور کوئی پرواہ نہ کی۔

اسی اثنا میں ابن زیاد نے اپنے پولیس انچارج حصین ابن نمیر کو حکم دیا کہ کوفہ کی تمام راہیں اس طرح بند کرے کہ کوفہ کا کوئی باشندہ قادسیہ سے باہر نہ جا سکے۔ اور نہ ہی اس طرف سے کوئی شخص کوفہ میں آ سکے۔

چنانچہ حصین ابن نمیر نے قادسیہ سے خفان تک اور قادسیہ سے قطقطانیہ تک ناکہ بندی کر دی۔ اور اعلان عام کر دیا کہ حسین ابن علیؑ کوفہ جانا چاہتا ہے نہ کوئی اسے جا کر ملے اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی کسی کو جا کر ملے اگر ایسا کوئی آدمی پکڑا گیا تو اس کا قتل حکومت کے لیے جائز ہو گا۔

۴۔ حاجز۔

عذیب سے چل کر آپ حاجز پر تشریف لائے اسی جگہ سے آپ نے قیس ابن مسہر صیداوی کو اہل کوفہ کے نام خط لکھ کر دیا۔

قیس قادسیہ کی سرحد پر گرفتار ہو گیا۔ حصین ابن نمیر اسے ابن زیاد کے پاس لایا۔ راستہ میں حصین نے قیس کی تلاشی لی تو قیس سے امام حسینؑ کا لکھا ہوا خط نکل لیا۔

جب ابن زیاد کو پیش کیا گیا تو۔

ابن زیاد نے پوچھا۔ تو کون ہے؟

قیس نے کہا۔ امیر المومنین علیؑ کے شیعوں سے ہوں۔

ابن زیاد نے کہا۔ تو نے خط کیوں غائب کر دیا ہے۔

قیس نے کہا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے اس لیے غائب کیا ہے تاکہ جو کچھ اس میں لکھا ہے۔ تجھے اس کا پتہ نہ چلے۔

ابن زیاد نے کہا۔ خط کس کا تھا اور کس کے نام تھا۔

قیس نے کہا فرزند رسول کی طرف سے تھا اور اشراف کوفہ کے نام تھا۔

ابن زیاد نے کہا۔ کن کے نام تھا۔ ان کے نام بتا دو یا منبر پر جا کر حسین اور ان کے باپ پر سب کر

قیس نے کہا۔ جہاں تک ناموں کا تعلق ہے تو وہ قطعاً نہ بتاؤں گا۔ جہاں تک منبر پر جا کر سب کرنے کا تعلق ہے تو میں ابھی کیے دیتا ہوں۔

ابن زیاد نے لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے۔ تو ابن زیاد نے قیس سے کہا جا منبر پر چڑھ کر سب کر۔

قیس منبر پر گیا۔

اور کہا۔ کم و بیش اس وقت اس مجمع میں ایسے افراد موجود ہیں جنہوں نے فرزند رسول کو یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ میں انہی کی طرف سے آپ لوگوں کے پاس قاصد ہوں۔ وہ تشریف لا رہے ہیں۔ اپنا وعدہ پورا کرو اور فرزند رسول نے تمہاری دعوت پر یہاں کی ہے تو اب تم بھی ان کی دعوت پر لبیک کرو۔

اس کے بعد قیس نے بنی امیہ، معاویہ، یزید، ابن زیاد اور آل زیاد پر لعنت کی۔

ابن زیاد نے حکم دیا۔ اس کے ہاتھ پس گردن باندھ دیں دار الامارہ کی چھت پر لے جاؤ اور وہاں سے نیچے گرا دو

چنانچہ قیس کو اسی طرح شہید کیا گیا۔

نمبر کے لحاظ سے قیس کربلا کا چوتھا شہید ہے۔ پہلا ابو رزین جو بصرہ میں شہید ہوا تھا۔ دوسرا جناب مسلم۔ تیسرا جناب ہانی۔ اور چوتھا قیس ابن مسہر صیداوی۔

۵۔ چاہ عرب:

حاجر کے بعد آپ نے پانچواں قیام ایک عرب کے کنویں پر کیا۔ یہاں عبداللہ ابن مطیع عدوی آپ سے ملا اور اس نے کہا فرزند رسول آپ بنی امیہ کے تصادم سے بچیں۔ ان کے حجاب ختم ہو چکے ہیں۔ اگر تصادم ہو گیا تو آپ یقیناً شہید ہو جائیں گے اور جب آپ شہید ہو گئے۔ تو پھر ان کی جھجک نکل جائے گی۔ اور کوئی مظلوم نہ بچے گا۔ ہر طرف اموی ظلم کی تلوار کا خوف و ہراس ہو گا۔ اور مظلوموں کی آہیں ہوں گی۔

امام حسین نے فرمایا۔ عبداللہ! تو بھی سچ کہہ رہا ہے۔ لیکن میں اب مجبور ہوں۔ آج تک ہمارے جتنے بھی اموی ہاتھوں سے قتل ہوئے ہیں وہ پوشیدگی کے بند میں دب کر رہ گئے ہیں۔ اب میں بھی چاہتا ہوں کہ میرے قتل کے ساتھ کم از کم میرے آباء کے قاتل بھی تو واضح ہوں۔

اسی جگہ چند بدوی عربوں نے بتایا کہ کوفہ کی طرف ناکہ بندی ہو چکی ہے۔ واقصہ سے شام کی راہ اور قادسیہ سے بصرہ کی راہ سب بند ہے۔ نہ کوئی اندر جا سکتا ہے اور نہ کوئی باہر آ سکتا ہے۔

زہیر ابن قین کی شمولیت:

بنی فزارہ اور بنی بجیلہ کے افراد نے بتایا ہے کہ حج سے واپسی پر ہم زہیر ابن قین کے ساتھ تھے۔ چونکہ جہت سفر ایک تھی اس لیے امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ ہی چل رہے تھے۔ لیکن ہماری کوشش ہوتی تھی کہ جہاں حسینؑ کے خیام ہوں ہم وہاں سے کافی فاصلے پر خیمہ زن ہوں۔

ہم سفر حسین پر تبصرے بھی کرتے تھے۔ اور آپس میں کہتے تھے کہ دیکھیں اس سفر کا کیا انجام ہو۔ اسی مقام پر ایک دن ہم نے دسترخوان بچھایا۔ کھانے پر بیٹھے کہ ایک شخص نے آکر کہا۔

زہیر آپ کو فرزند رسول نے بلایا ہے۔

یہ پیغام سنتے ہی ہمارے تو ہاتھ پاؤں بے سے شل ہو گئے۔ ہم میں سے کسی میں جواب دینے کی سکت نہ تھی۔ زہیر کی زوجہ دیلم نے زہیر سے کہا۔

زہیر کیا تیرا خون سفید ہو گیا ہے۔ تو پہلے تو کبھی ایسا نہ تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ فرزند رسول تجھے بلاتا ہے اور تو جواب تک نہیں دیتا۔ وہ تجھے وہاں باندھ کر تو نہ رکھیں گے۔ بات سن لینے میں کیا حرج ہے۔

زہیر یہ سن کر اٹھا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا۔ مسکرا رہا تھا۔ اپنے ساتھیوں سے کہا۔ دیکھو میں فرزند رسول کے ساتھ جا رہا ہوں۔ اگر تم میں سے کوئی میرا ساتھ دینا چاہے تو میرے ساتھ آ جائے ورنہ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے واپس اپنے اپنے گھر کو جا سکتے ہو۔

پھر اپنے ایک رشتہ دار سے کہا۔ میری بیوی کو گھر آرام سے پہنچا دینا۔

ہم نے پوچھا۔ زہیر آخر یہ بات کیا ہے کہ پہلے تو صرف بات سننے پر آمادہ نہیں تھا۔ اور اب تو ساتھ بھی جا رہا ہے۔

زہیر نے کہا۔ بھلا ہو میری بیوی دیلم کا۔ جس نے مجھے فرزند رسول کی بات سننے کی ترغیب دلائی ہے۔ جب میں گیا تو فرزند رسول نے مجھے ایک ایسی بات یاد دلا دی ہے جو میں بھول چکا تھا۔ اس بات کے یاد دلانے سے ایک تو میری اس لیے آنکھیں کھل گئی ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ فرزند رسول ہی امام حق ہے کیونکہ اس وقت فرزند رسول نہیں تھا جب بات ہوئی تھی اور دوسرا میری خواہش بھی یہی ہے کہ میں فرزند رسول کے ساتھ ہوں۔

ہم نے پوچھا۔ ایسی کون سی بات ہے جو آپ بھول چکے تھے اور فرزند رسول نے آپ کو یاد دلائی ہے۔

زہیر نے بتایا کہ ایک مرتبہ ایک جنگ میں ہمیں فتح ہوئی تو اس میں سلمان فارسیؓ بھی موجود تھا ہمیں بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا تھا۔ اور ہم بہت خوش تھے۔

سلمان نے وہاں کہا تھا۔ کیا اللہ کی اس فتح پر بہت خوش ہو۔

ہم نے کہا تھا سلمان بحمداللہ کی اتنی عظیم نعمت پر کون خوش نہیں ہوگا۔

سلمان نے کہا۔ اگر یاد رکھو تو ایک دن اس سے بھی زیادہ خوشی کا وقت تمہیں بتاؤں۔

ہم نے کہا۔ سلمان ضرور بتا۔

سلمان نے کہا تھا۔ اگر کسی دن سید شباب آل محمد کے ساتھ جنگ کا موقع مل جائے تو اس جنگ میں شرکت پر زیادہ خوش ہونا کیونکہ فرزند رسول کے ساتھیوں کی فہرست بڑی مختصر ہے جسے موقع مل جائے وہ اپنے کو دنیا کا خوش نصیب ترین فرد سمجھے۔

یہی بات مجھے غریب زہیرؑ نے یاد دلائی ہے۔

اس کے بعد زہیر نے ہم سے الوداع کیا۔ زہیر کی بیوی دیلم نے زہیر سے کہا۔ زہیر ممکن ہے تجھے مجھ سے پہلے خدمت رسول میں پہنچنے کا موقع مل جائے تو ایک تو میرا تذکرہ بھی آنحضور سے کر دینا۔ اور دوسرے قیامت میں مجھے بھول نہ جانا۔

۶۔ خزیمیہ :

چاہ عرب کے بعد آپ نے مقام خزیمیہ پر قیام فرمایا۔ یہاں بنت زہراؑ نے ایک ہولناک خواب دیکھا امام حسینؑ کو بتایا، دونوں بہن بھائی تنہا بیٹھ کر کافی دیر تک روتے رہے۔

شہادت جناب مسلم کی باقاعدہ اطلاع

بمطابق ارشاد، منتخب، کامل الزیارات، بحار، امالی صدوق اور منتہی الآمال کے مطابق۔

۷۔ زرود :

جب امام حسینؑ خزیمیہ سے چل کر مقام زرود پر پہنچے اور قیام کا حکم دیا تو عبداللہ ابن سلیمان اور منذر ابن مشمعل دونوں حجاج بیت سے تھے۔ اور حج سے فارغ ہو کر انتہائی سرعت سے آ رہے تھے ان کا مقصد بھی فقط یہ دیکھنا تھا کہ فرزند رسول کے معاملہ کی انتہا کہاں تک پہنچتی ہے۔ مقام زرود پر پہنچ گئے۔

انہوں نے دیکھا کہ کوفہ سے ایک ناقہ سوار آرہا ہے۔ جب وہ خیام امام حسینؑ کے قریب آیا تو اس نے وہ راہ چھوڑ دی اور ایک طرف ہو گیا۔

دونوں اسدیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ شخص کوفہ سے آرہا ہے اس کے پاس کوئی حال ہوگا چل کر پوچھیں۔ یہ دونوں اس کے قریب گئے۔ اور پوچھا۔

کیا کوفہ سے آرہا ہے۔

اس نے کہا۔ تم کون ہو اور کیوں پوچھتے ہو۔

انہوں نے کہا۔ ہم بنی اسد سے ہیں۔ حج سے فارغ ہو کر آرہے ہیں۔ ہم نے اندازہ کیا ہے کہ تو کوفہ سے آرہا ہے تیرے پاس کوئی تازہ اطلاع ہوگی۔

اس نے کہا۔ اگر تم بنی اسد سے ہو تو پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کیونکہ میں بھی بنی اسد سے ہوں۔ میرے پاس واقعاً نئی خبر ہے۔

جب میں کوفہ سے نکلا اس وقت جناب مسلم اور ہانی شہید ہو چکے تھے۔ اور دونوں کے لاشے پاؤں میں رسی سے باندھ کر بازار میں تشہیر کیے جا رہے تھے۔

یہ بتا کر وہ چلا گیا۔

ہم رات کے وقت امام حسینؑ کے پاس آئے اور عرض کیا۔

اے فرزند رسول ہمارے پاس کوفہ سے نئی خبر ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو ان تمام کے سامنے وہ بتائیں۔ اگر پسند فرمائیں تو تنہائی میں سن لیں۔

آپ نے پہلے اپنے ارد گرد دیکھا۔ پھر ہمیں دیکھ کر فرمایا۔ ان سے میرا کچھ پردہ نہیں ہے۔ جو بھی خبر ہے ہم سب سننے کے لیے تیار ہیں۔ سب کے سامنے بتا دو۔

انہوں نے بتایا کہ آج جو ناقہ سوار جا رہا تھا۔ اور اس نے آپ کے خیام دیکھ کر راستہ چھوڑ دیا۔ وہ کوفہ سے آرہا تھا۔

بنی اسد سے ہے۔ ہم نے اس سے جا کر حالات دریافت کیے ہیں۔ اس نے بتایا ہے کہ جب وہ کوفہ سے چلا اس وقت جناب مسلم اور ہانی دونوں شہید ہو چکے تھے۔ اور ان کے لاشے بازار میں پھرائے جا رہے تھے۔

یہ اطلاع سن کر پہلے تو سناٹا چھا گیا۔ امام حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ تین مرتبہ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔

پھر تمام حاضرین رونے لگے۔

امام حسینؑ بنی عقیل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ میرا خیال ہے تمہاری صرف میں ایک قربانی کافی ہے تم ایسا

کر واپس چلے جاؤ۔

بنی عقیل نے عرض کیا۔ اگر آپ حکم نہیں دے رہے اور ہماری مرضی پہ چھوڑ رہے ہیں تو ہم آپ کو چھوڑ کر ہرگز نہ جائیں گے۔

ہم آپ سے بہتر نہیں ہیں۔ ہماری وہ زندگی کس کام کی ہوگی جو آپ کے بغیر گزرے گی۔

پھر آپ اپنے خیام میں گئے۔ جناب سکینہ زہراؑ فرماتی ہیں کہ آپ کا چہرہ اداس تھا۔ آپ جناب مسلمؑ کی بیٹی کے خیمہ میں آئے۔ جناب مسلمؑ کی بچیوں کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ چھوٹی بچی نے عرض کیا۔ آقا! آج تو آپ ایسے سلوک کر رہے ہیں جیسے یتیموں سے کیا جاتا ہے۔ کہیں ہم یتیم تو نہیں ہو گئے!

آپ برداشت نہ کر سکے بے ساختہ رونے لگے اور بچیوں کے سر چوم کر فرمایا۔ آج کے بعد میں تمہارا باپ ہوں اور سکینہ و فاطمہ تمہاری بہنیں ہیں۔

۸۔ وادی زبالہ

زرود سے چل کر آپ وادی زبالہ میں آئے۔ وادی زبالہ میں آپ کو جناب قیس ابن مسہر صیداوی کی شہادت کی اطلاع ملی۔

آپ نے وہاں اپنے ساتھ آنے والوں کو جمع کیا اور فرمایا۔

آپ لوگ سن چکے ہیں کہ حالات بدل گئے ہیں۔ مسلم۔ ہانی اور قیس شہید ہو گئے ہیں۔ اب ہمارے ساتھ وہی رہے جو شہادت کو پسند کرتا ہو۔ میری طرف سے تم سب کو اجازت ہے اگر جانا چاہو تو چلے جاؤ۔

جب آپ نے یہ فرمایا۔ تو آپ کے ساتھ آنے والوں کی اکثریت ادھر ادھر ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ اپنی اپنی راہ سدھارنے لگے۔

۹۔ بطن عقبہ

وادی زبالہ کے بعد آپ نے بطن عقبہ میں قیام کیا۔ یہاں عمرو ابن لوذان سے ملاقات ہوئی۔ عمرو نے عرض کیا۔ تبدآپ کوفہ کیوں جا رہے ہیں۔ قسم بخدا جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے وہ صرف یزید سے اپنا وظیفہ دگنا کرانا چاہتے ہیں۔ وہ آپ سے مخلص نہیں ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے سب معلوم ہے لیکن ایک وعدہ جو مجھے ہے چارہ ہے۔ میں اس حد تک جانتا ہوں کہ بنی امیہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے۔ جب تک میرے سینہ سے میرا دل نکال نہ لیں گے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ

میرے قتل کرنے کے بعد یہ لوگ ایسی ذلت سے دوچار ہوں گے جو قیامت تک ان سے زائل نہ ہوگی۔

امام حسینؑ نے اپنے صحابہ سے فرمایا۔ کہ مجھے اپنی شہادت کا یقین ہے۔

صحابہ نے عرض کیا۔ قبلہ وہ کیسے۔

آپ نے فرمایا۔ جو خواب میں پہلے ایک مرتبہ دیکھ چکا ہوں وہی خواب یہاں بھی دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہر طرف سے بھونکتے کتوں نے مجھے گھیر رکھا ہے۔ اور میرا جسم مجروح ہے ان میں سب سے زیادہ سفید داغ والا ایک کتا ہے جو بڑھ بڑھ کر حملہ آور ہوتا ہے۔

۱۰۔ وادی شراف اور آمدِ حر

وادی عقبہ سے چل کر آپ منزل شراف میں آئے۔ آپ نے اپنے غلاموں اور جوانوں کو حکم دیا کہ یہاں سے پانی کا جتنا ممکن ہو سکے ذخیرہ کر لو۔ جب پانی کا ذخیرہ ہو گیا تو آپ نے کوچ کا حکم دیا۔ کافی دن چڑھ گیا۔ دوران سفر آپ کے ساتھیوں میں سے ایک نے باآواز بلند۔ اللہ اکبر کہا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ واقعاً۔ اللہ اکبر۔ ہی ہے۔ لیکن اس وقت اس تکبیر کا مقصد کیا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ مجھے وہ دور کھجوریں نظر آ رہی ہیں۔

تمام صحابہ نے گردنیں اٹھا کر اس طرف دیکھا پھر دوسرے صحابہ نے کہا۔ آج تک ہم نے اس جگہ کھجور کا کوئی درخت نہیں دیکھا۔

فرزند رسول نے پوچھا۔ تمہیں کیا نظر آتا ہے۔

انہوں نے جواب دیا۔ ہمیں تو نیزوں کی انیاں اور گھوڑوں کی کنوتیاں معلوم ہوتی ہیں۔

فرزند رسول نے فرمایا۔ مجھے تمہارا اندازہ ہی درست نظر آتا ہے۔ بھلا یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں ہم پناہ لے سکیں۔ اور آنے والے کا مقابلہ صرف ایک طرف سے کیا جا سکے؟

صحابہ نے عرض کیا۔ آپ کے پہلو میں کوہ ذو حسم ہے۔ آپ بائیں طرف مڑ کے چلیں اگر ہم ان سے پہلے پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ہمیں ہر طرف سے خطرہ نہیں رہے گا۔

آپ نے گھوڑوں اور سواریوں کی رفتار تیز کرنے کا حکم دیا۔ ہم راستے سے مڑے ہی تھے کہ آنے والے سپاہیوں کے اگلے حصے کے گھوڑے بالکل قریب پہنچ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ ہم نے راستہ چھوڑ دیا ہے تو وہ بھی راستہ چھوڑ کر ہمارے پہلو بہ پہلو چلنے لگے۔ ان کے نیزے بانس اور علم پرندوں کے پروں کی طرح لہرا رہے تھے۔ ہم کوہ ذی حسم کے دامن میں ان سے پہلے پہنچ گئے

۱۱۔ کوہ ذی جشم :

فرزندِ رسولؐ نے خیام لگانے کا حکم دیا۔ ہمارے خیمے لگ گئے تو تقریباً ایک ہزار سوار بھی پہنچ گیا۔ جن کی قیادت حر کر رہا تھا۔

یہ اپنے لشکر سمیت کڑکتی دھوپ میں امام حسینؑ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ تمام سپاہیوں نے سروں پر خود پہن رکھے تھے اور تلواریں کمر سے لٹکا رکھی تھیں۔

امام حسینؑ نے دیکھا کہ لشکرِ حر پیاس سے بے تاب ہے۔ آپ نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ انہیں اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلاؤ۔

تمام سپاہیوں اور گھوڑوں کو جب پانی پلایا جا چکا۔

علی ابن طعان کا بیان ہے کہ میں بھی لشکرِ حر میں تھا۔ مگر شدتِ پیاس سے اگرچہ میں خود بھی بے حال تھا لیکن میرا اونٹ مجھ سے بھی بدحال تھا۔ اس لیے سب سے آخر میں پہنچنے والا میں ہی تھا۔

جب امام حسینؑ نے مجھے اور اونٹ کو پیاس سے بے حال دیکھا۔ خود میرے قریب آئے اور فرمایا۔

بیٹے اونٹ بٹھا۔

میں نے اونٹ بٹھایا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ پانی پی لے۔

میں آگے بڑھا۔ پانی پینے لگا۔ لیکن مشکیزہ میرے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ پانی میرے منہ سے کبھی دائیں اور کبھی بائیں بہہ جاتا تھا۔

امام حسینؑ آگے بڑھے۔ مشکیزہ اٹھایا۔ اور میرے منہ سے لگایا۔ میں نے پانی پیا۔ (اگرچہ ابن طعان نے بتایا تو نہیں ہے لیکن ممکن ہے امام حسینؑ نے فرمایا ہو۔ کل کا دن یاد رکھنا۔ کبھی مجھے پانی کی ضرورت ہو اور تیرے بس میں ہو تو مجھے دے دینا۔ مترجم)۔

ابن زیاد نے حر کو قادسیہ سے بھیجا تھا۔ اور قادسیہ پر حصین ابن نمیر کا پہرہ لگا رکھا تھا کہ نہ تو کسی کو کوفہ آنے دیا جائے اور نہ ہی کوفہ سے کسی کو باہر جانے دیا جائے۔

جب نمازِ ظہر کا وقت ہوا تو آپ نے حجاج ابن مسروق کو اذان کہنے کا حکم دیا۔ جب اقامت کا وقت ہوا تو امام حسینؑ عبا و ردا پوش ہو کر خیمہ سے باہر آئے۔

حمد و ثنائے الٰہی کرنے کے بعد فرمایا۔

تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں یہاں از خود نہیں آیا۔ تم نے مجھے بلایا ہے۔ تم نے خطوط لکھے ہیں۔ اپنی طرف

سے اتمام حجت کیا ہے۔ اگر آج بھی تم اپنی اسی دعوت پر قائم ہو تو میں آگیا ہوں۔ اور اب تم اپنا عہد اس طرح پورا کرو کہ میں مطمئن ہو جاؤں۔ اگر میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں واپس جہاں سے آیا ہوں چلا جاتا ہوں۔

ان لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور خاموش رہے۔

آپ نے اقامت کہنے کا حکم دیا۔ جب اقامت ہو گئی تو۔

آپ نے حر سے فرمایا۔ کیا تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھنا پسند کرے گا یا پھر ہمارے ساتھ ہی شامل ہو گا؟

حر نے کہا۔ ہم آپ کے ساتھ ہی نماز پڑھیں گے۔

امام حسینؑ نے نماز پڑھائی۔ تمام لشکر حر نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔

آپ کے اصحاب اپنے اپنے خیام میں اور حر اپنے لشکر سمیت اپنی جگہ کی طرف چلے گئے۔

لشکر حر کے پاس چونکہ خیام نہیں تھے۔ اس لیے صرف حر اپنے خیمہ میں چلا گیا۔ اور بقیہ لشکر والے اپنے اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑ کر ان کے سایہ میں بیٹھ گئے۔

عصر کے وقت آپ نے کوچ کا حکم دیا اور لشکر حر کی طرف مخاطب ہو کر حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا۔

اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو۔ اور اہل حق کو پہچان لو تو خوشنودی خالق اسی میں ہے۔ ہم اہلبیت محمدؐ ہیں۔ امامت ہمارا حق ہے۔ جو لوگ اس وقت تم پر مسلط ہیں یہ نہ تو امامت کے حق دار ہیں اور نہ ہی تم سے عدل و انصاف کرتے ہیں۔ اگر ہم تمہیں ناگوار ہوں۔ تم ہمارا حق نہ پہچانو۔ اور اگر اب تمہاری رائے بدل گئی ہے اور وہ نہیں رہی جو تم نے اپنے خطوط میں لکھی تھی۔ اور جن خطوط کی وجہ سے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ تو میں واپس پلٹ جاؤں گا۔

حر نے کہا۔ بخدا! مجھے ان خطوط کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔

امام حسینؑ نے عقبہ ابن سمعان سے فرمایا۔ خطوط سے پُر دونوں تھیلے لاؤ۔

عقبہ دونوں تھیلے لے آگیا۔ امام حسینؑ نے دونوں تھیلوں سے خطوط نکال کر ان کے سامنے پھیلا دیئے۔

حر نے کہا۔ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے آپ کو کوئی خط لکھا ہو کر ہمیں تو ابن زیاد کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ ہم جونہی آپ سے ملیں اس کے بعد اس وقت تک آپ سے جدا نہ ہوں۔ جب تک کوفہ میں آپ کو ابن زیاد کے پیش نہ کر دیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ بہت دور کی بات ہے جو کر رہا ہے مجھے تو اس وقت کی نسبت موت تیرے زیادہ قریب نظر آ رہی ہے۔

پھر آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا۔ اٹھو اور سوار ہو جاؤ

سب اٹھے۔ خود سوار ہوئے اور دختران رسول کے سوار ہونے کا انتظار کیا۔ جب تمام مستورات سوار ہو گئیں تو آپ نے فرمایا۔

واپس پلٹو۔

جب قافلہ مظلوم واپس پلٹنے پر آمادہ ہوا تو لشکر حر درمیان میں حائل ہو گیا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے حر تیری ماں تیرے ماتم میں روئے تو مجھ سے کیا چاہتا ہے۔

حر نے کہا۔ اگر عرب کا کوئی باشندہ ایسی حالت میں جس میں آپ ہیں میری ماں کا نام لیتا تو جواباً میں بھی ویسے ہی کہتا لیکن میں آپ کی دختر رسول والدہ کا نام کسی بھی مقام پر نہیں لے سکتا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ بھلا تو مجھ سے کیا چاہتا ہے۔

حر نے کہا۔ میں صرف آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ اس صورت میں تو میں کبھی تیری پیروی نہیں کروں گا۔

حر نے کہا۔ پھر میں بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔

یہی تکرار تین مرتبہ ہوا۔

حر نے کہا۔ مجھے آپ سے جنگ کا حکم نہیں ہے مجھے صرف یہی حکم ہے کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جاؤں اگر آپ ابن زیاد کے پاس نہیں چلتے تو پھر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ایسی راہ پر چلیں جو نہ کوفہ جاتی ہو اور نہ واپس مدینہ۔ میں ابن زیاد کو اس صورت حال سے آگاہ کرتا ہوں۔ جو حکم دے گا پھر اس پر ویسے ہی عمل کروں گا۔ ممکن ہے اللہ مجھے آپ کے معاملے میں کوئی عافیت دکھا دے۔

امام حسینؑ بائیں ہاتھ پر عذیب اور قادسیہ کی راہ سے ہٹ کر روانہ ہوئے حر بھی ایک طرف ہو کر آپ کے ساتھ چلنے لگا۔

راستہ میں حر آپ سے کہتا رہا۔ اے فرزند رسولؐ! اگر آپ نے جنگ کی تو یقیناً آپ شہید ہو جائیں گے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ حر! تو میں کسی بھی مقام پر آغاز جنگ نہ کروں گا۔ اگر جنگ کی گئی تو دفاع کروں گا جہاں تک موت کا تعلق ہے اس سے مجھے کوئی خوف ہے اور ڈر ویسے یاد رکھو اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو قیامت تک تمہیں بھی چین نصیب نہ ہوگا۔

پھر امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔ تم میں سے کوئی اور راہ جانتا ہے۔

طرماح ابن عدی نے عرض کیا قبلہ میں جانتا ہوں۔ طرماح نے رہنمائی شروع کر دی۔ عذیب الہجانات تک پہنچ گئے۔

۱۲۔ عذیب الہجانات:

عذیب الہجانات پر تھوڑا سا قیام کیا۔ اور وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

۱۳۔ قصر بنی مقاتل:

عذیب الہجانات سے چل کر آپ قصر بنی مقاتل پہنچے۔ وہاں پہلے سے کسی کے خیمے لگے ہوئے تھے۔

آپ نے پوچھا یہ کس کے خیام ہیں۔

بتایا گیا۔ عبیداللہ ابن حر جعفی کے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ذرا اسے بلا کر تو لاؤ۔

قاصد نے جا کر کہا۔ آپ کو فرزند رسول نے بلایا ہے۔

عبیداللہ نے پیغام سنتے ہی کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون میں کوفہ سے نکلا ہی اس لیے تھا کہ جب فرزند رسول کوفہ میں آئے تو میں وہاں موجود ہی نہ ہوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرا فرزند رسولؐ سے آمنا سامنا ہو۔

قاصد نے آکر امام حسینؑ کو اطلاع دی۔

یہ جواب سن کر امام حسینؑ خود اٹھے اور عبیداللہ کے پاس اس کے خیمہ میں آئے۔ اس نے استقبال کیا آپ کو بٹھایا۔

امام حسینؑ نے عبیداللہ کو اپنے ساتھ شمولیت کی دعوت دی۔ عبیداللہ نے وہی بات دہرائی جو قاصد سے کہی تھی اور معذرت کی کہ میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ دیکھو عبیداللہ اگر تو ہمارا ساتھ نہیں دیتا تو تیری مرضی۔ لیکن ہمارے خلاف لڑنے والوں میں شامل نہ ہونا۔ جس نے بھی ہماری مظلومیت کی فریاد سنی اور فریاد رسی نہ کی۔ اس کی نجات کی کوئی بھی راہ نہ بچ سکے گی

عبیداللہ نے کہا۔ میں جب آپ کا ساتھ نہیں دے رہا تو آپ کے خلاف کیوں لڑوں گا۔ اگر میں آپ کے ساتھ ہوتا تو آپ کے قدموں میں اول مقتول میں ہی ہوتا۔ آپ میرا یہ گھوڑا لے جائیں اس نے کسی بھی مقام پر کبھی بھی مجھے مایوس نہیں کیا۔

امام حسینؑ نے رخ پھیر لیا اور فرمایا۔ مجھے تیرے گھوڑے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں کسی گم کردہ راہ کو مددگار نہیں بنانا چاہتا۔

شیخ صدوق کی کتاب الاعمال کے مطابق عمرو ابن قیس مشرقی سے مروی ہے کہ میں اور میرا چچازاد قصر بنی مقاتل میں امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی ریش مبارک سیاہ تھی۔

میرے چچازاد نے پوچھا۔

کیا یہ آپ کے بالوں کا حقیقی رنگ ہے یا خضاب!

آپ نے فرمایا۔ خضاب ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہم بنی ہاشم کے بال جلد سفید ہو جاتے ہیں میرے زمانے کے بعد آپ نے ہمیں اپنے ساتھ دعوت شمولیت دی۔

میں نے عرض کیا۔

میں سن رسیدہ، کثیر المال اور کثیر العیال ہوں۔ میرے پاس بہت سے لوگوں کی امانتیں رکھی ہیں۔ خدا معلوم آپ کے ساتھ دینے کا کیا انجام ہو میں نہیں چاہتا کہ لوگوں کی امانتیں ضائع ہوں۔ میرے چچازاد نے بھی یہی جواب دیا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ اچھا ایسا کرو۔ یہاں سے جلدی سے دور چلے جاؤ۔ نہ ہماری مظلومیت دیکھنا اور نہ ہماری صدائے استغاثہ سننا۔ اگر ہماری مظلومیت دیکھ کر یا ہمارا استغاثہ سن کر جس نے بھی ہماری مدد نہ کی اسے قیامت کے دن اللہ منہ کے بل جہنم میں داخل کرے گا۔

۱۴۔ نینوا میں نزول :-

شیخ مفید کے مطابق قصر بنی مقاتل پر دوران قیام ایک رات کے آخری حصے میں آپ نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ پانی کا ذخیرہ کرو۔ جب پانی بھر لیا گیا تو آپ نے کوچ کا حکم دیا۔ عقبہ ابن سمعان سے مروی ہے کہ دوران سفر آپ کی گھوڑے پر آنکھ لگ گئی۔ پھر آنکھ کھولی اور فرمایا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون والحمد للہ رب العالمین۔

یہ سن کر آپ کا فرزند علی اکبر آپ کے قریب آیا۔ اور عرض کی۔ بابا جان! آپ نے پہلے انا للہ پڑھا ہے پھر حمد خدا کی ہے۔

کوئی خاص وجہ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹے! گھوڑے کی پشت پر آنکھ لگ گئی تھی ایک سوار کو دیکھا ہے جو کہہ رہا تھا یہ لوگ آگے چل رہے ہیں اور موت ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔

علی اکبر نے عرض کیا۔ ابا جان! اللہ آپ کو کبھی ناپسندیدہ معاملات سے دوچار نہ فرمائے کیا ہم حق پر نہیں!

آپ نے فرمایا۔ بیٹے! مجھے اس اللہ کی قسم ہے جو مرجع مخلوق ہے ہم ہی حق پر ہیں۔

علی اکبر نے عرض کیا ابا جان! اگر حق پر ہیں موت آبھی جائے تو کیا پرواہ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹے! اللہ تجھے بہترین جزائے خیر دے جو ایک صالح بیٹے کو باپ کی طرف سے ملتی ہے۔

آپ کوشش کر رہے تھے کہ بائیں ہو کے پیچھے جائیں۔ جب کہ حر کی کوشش تھی کہ آپ کو کوفہ کے قریب سے قریب تر کیا جائے اس خاموش اور صبر و مزاحمت میں بعض اوقات فریقین کی سواریاں ایک دوسرے سے ٹکرا بھی جاتی تھیں۔ حتی کہ آپ نینوا تک پہنچ گئے۔ اور نینوا ہی میں خیام لگانے کا حکم دیا۔

کوفہ کی طرف سے ایک سانڈنی سوار آتا دکھائی دیا جس نے نیزہ و عرضار کھا ہوا تھا۔ سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ جب وہ قریب آگیا تو اس نے حر اور لشکر حر کو سلام دیا۔ فرزند رسول کو سلام تک نہ دیا۔ اور ابن زیاد کا خط حر کو دیا خط میں حر کے نام یہ حکم تھا۔

حسین کو بے آب و گیاہ جگہ پر گھیرنے کی کوشش کر۔ میں نے قاصد کو حکم دیا ہے۔ کہ یہ تیرا نگران رہے گا اور دیکھے گا۔ کہ تو نے میرے حکم کی تعمیل کی ہے یا نہیں پھر یہ مجھے بھی اطلاع دے گا۔

امام حسینؑ کے ساتھیوں میں سے ابن جابر کندی نے ابن زیاد کے قاصد کو دیکھا اور پہچان لیا۔ پھر اس سے کہا۔

تیری ماں تیرے غم میں روئے تو کیا لایا ہے۔

اس نے کہا۔ میں نے اپنے امام کی اطاعت کی ہے اور بیعت کو پورا کیا ہے۔

ابن جابر نے کہا۔ اللہ تجھے ہدایت دے۔ واقعا تو نے اپنے امام کی اطاعت کی ہے۔ لیکن یہ بھی سوچا ہے کہ اس امام کی اطاعت سے اللہ کی ناراضگی خریدی ہے اپنے کو اہل جہنم بنایا ہے۔ بیشک کی لعنت خریدی ہے تیرا امام بدترین امام ہے۔ اگر تو نے قرآن پڑھا ہے تو قرآن کی یہ آیت تجھے یاد ہونا چاہیے۔

جعلنا هم ائمة يدعون الى النار و يوم القيامة لا ينصرون ۔ ایسے اکثر بھی ہیں جو جہنم کی دعوت دیتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی۔

تیرا امام بھی انہی میں سے ہے۔

حر نے اپنے سپاہیوں کو اسی جگہ قیام کا حکم دیا۔ یہ چٹیل صحرا تھا۔ نہ اس جگہ سبزہ تھا اور نہ پانی۔

امام حسین نے فرمایا۔ جانے دیا کہ ہمیں غاضریہ یا شفیہ میں اترنے دے۔

حر نے کہا۔ اب تو ایسا نہیں ہو سکتا آپ دیکھ رہے ہیں نگران میرے سر پر مسلط ہے۔

زہیر ابن قین نے عرض کیا۔ فرزند رسول! آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت ان مٹھی بھر افراد سے لڑنا ہمارے لیے آسان ہے لیکن جب اور لشکر آگئے تو ہمارے لیے معاملہ مشکل ترین ہو جائے گا۔ اس لیے اگر حکم دیں تو ابھی ان سے دو دو ہاتھ کر لیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ زہیر بات ہمارا یا ان کو کی نہیں ہے بات آغاز کی ہے۔ ہم اپنی طرف سے آغاز جنگ نہیں کریں گے۔

جب کوئی ملے گا تو دفاع کریں گے اگر یہ لوگ ابتدا کریں تو ہماری بھی ہوگی۔

یہ دو محرم بدھ کا دن سنہ ۶۱ھ ہجری تھا۔ امام حسینؑ نے اسی صحرا میں خیام لگوائے۔ اور کھڑے ہو کر اس طرح خطبہ دیا۔

حمد وثنائے الہٰی اور درود بر محمدؐ و آل محمدؐ کے بعد آپ نے فرمایا۔

حالات دگرگوں ہیں جو تم لوگ بھی دیکھ رہے ہو زمانے کے بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اپنے بیگانے ہو جاتے ہیں۔ اب وقت بدل چکا ہے، اچھائی کو برائی کہا جانے لگا ہے اور برائی کو نیکی بنا دیا گیا ہے۔ نیکی تو اب تلچھٹ کی طرح کہیں کہیں نظر آتی ہے۔ آج کل کمینوں کی باتیں چل رہی ہیں۔ حق کو باطل سمجھ کر چھوڑا جا رہا ہے اور باطل کو حق سمجھ کر رائج کیا جا رہا ہے۔ ان حالات میں ہر مومن کا حق ہے کہ وہ حق پرست ہو کر دربار خالق میں پیش ہونے کی کوشش کرے جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں شرافت کی موت کو حرمت اور ظالمین کے ساتھ زندگی کو بدنصیبی سمجھتا ہوں۔

زہیر ابن قین نے کھڑے ہو کر عرض کی۔

فرزند رسولؐ! ہم نے آپ کی بات سننے کے ساتھ ساتھ سمجھ بھی لی ہے۔ آپ یقین کریں۔ اگر ہمیں کبھی نہ مرنے کا یقین ہوتا اور اس وقت بھی آپ کے ساتھ موت کا موقع مل جاتا تو بھی ہم آپ کے قدموں میں موت کو دائمی زندگی پر ترجیح دیتے۔ اب جب کہ ہمیں یقین ہے کہ آج نہیں تو کل بہر صورت مرنا تو ہے ہی۔ پھر ہم اس چند روزہ زندگی کو کب تک بچائے رکھیں گے۔

ہلال ابن نافع بجلی نے کھڑے ہو کر کہا۔

بخدا! ہم نے زندگی بھر ایک لمحے کے لیے بھی دربار خالق میں حاضری کو ناگوار نہیں سمجھا۔ ہم نے اپنی بصیرت اور خلوص کے ساتھ آپ کا ساتھ دینے کا انتخاب کیا ہے۔ ہم آپ کے دوست کو اپنا دوست اور آپ کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

بریر ابن خضیر نے کھڑے ہو کر اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا۔

فرزند رسولؐ! ہماری خوش نصیبی ہے کہ اللہ نے ہمیں آپ کی قیادت نصیب فرمائی ہے۔ آپ کی قیادت میں اگر ہمارے اجسام کے ٹکڑے بھی کر دیے جائیں تو ہماری خوش قسمتی ہوگی کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ دنیا کے بعد ہم آپ کے جد امجد کے روبرو سرخرو ہو کر جائیں گے۔

زہیر ابن قین نے عرض کیا۔

قبلہ ہمیں بہر صورت کربلا میں پہنچنا چاہیے کیونکہ ہمارے ساتھ مستورات اور بچے ہیں۔ ہمیں دشمن کی نسبت پانی کی

زیادہ سہولت رہے گی۔ اور اگر کربلا میں ہم پانی کے قریب ہوں گے۔ ہمیں جنگ کا سامنا بھی ہوا تو تشنگی پر پانی سے ہمیں وہاں سہولت ہو گی۔

سماوی کے مطابق کربلا کا نام سن کر امام حسینؑ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ اور فرمایا۔

میں مصائب اور تکالیف میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ اشراف کوفہ کے نام خط لکھا۔ حر نے اپنے ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ آپ کے سامنے ہی پڑاؤ ڈال دیا۔

فرزند رسولؐ نے اپنے تمام اقرباء کو جمع کیا اور دست دعا بلند کر کے یوں دعا مانگی۔

اللهم انا عترة نبيك محمد صلى الله عليه وآله قد اخرجنا وطردنا وازعجنا عن حرم جدنا وتعدت بنو امية علينا الغذ لنا بحقنا وانصرنا على القوم الظالمين۔

اے اللہ! ہم تیرے نبی محمدؐ کی عترت ہیں۔ ہمیں اپنے جد امجد کے حرم سے ڈرا دھمکا اور خوفزدہ کر کے نکالا گیا ہے۔ بنی امیہ کی جیرہ دستیاں حد سے تجاوز کر چکی ہیں۔ تو ہی ہمارا انتقام لے اور ظالمین کے خلاف ہماری مدد فرما۔

پھر آپ اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

آپ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ دنیا کے بندے ہیں۔ دین کو صرف زبانی چٹخارے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے دین کو ذریعہ معاش بنایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب دین پر کوئی حادثہ ہوتا ہے تو متدین افراد خال خال نظر آتے ہیں۔

آپ نے پھر پوچھا۔ کیا یہی کربلا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا۔ ہاں فرزند رسولؐ یہی کربلا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں اسی جگہ ہمارا پڑاؤ ہو گا۔ اسی سرزمین پر ہمارے جوان بچے۔ اور بوڑھے شہید ہوں گے۔ اور اسی جگہ ہمارا خون بہے گا۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق آپ وادی نینوا سے چلے۔ جب سرزمین کربلا پر آئے تو آپ کا گھوڑا رک گیا آپ اس گھوڑے سے اترے دوسرے پر سوار ہوئے لیکن وہ بھی نہ چلا۔ آپ نے سات گھوڑے بدلے لیکن کوئی گھوڑا بھی قدم آگے بڑھانے پر راضی نہ ہوا۔

جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ نے صحابہ سے پوچھا

اس سرزمین کا نام کیا ہے۔

صحابہ نے عرض کیا۔ غاضریہ۔

آپ نے فرمایا۔ صرف غاضریہ ہے یا کوئی اور نام بھی۔

صحابہ نے عرض کیا۔ اسے نینوا بھی کہا جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ غاضریہ اور نینوا کے علاوہ بھی کوئی نام ہے؟

صحابہ نے عرض کیا۔ قبلہ! اسے شطِ فرات بھی کہا جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ غاضریہ، نینوا اور شطِ فرات کے علاوہ بھی کوئی نام ہے؟

صحابہ نے عرض کیا۔ قبلہ اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔

آپ نے ایک آہ سرد بھری۔ اور فرمایا۔ ہاں یہی سرزمین ہی مصائب اور امتحان کی سرزمین ہے۔ اس سے آگے ایک قدم بھی نہ اٹھانا۔ بس یہیں! بس اسی جگہ ہمارے خیام نصب ہوں گے۔ یہی سرزمین ہمارے خون کی منتظر ہے۔ اسی زمین کا آسمان ہی نبی زادیوں کو بے مقنع و چادر دیکھے گا۔ اسی زمین کو علی کے کمسن بچوں کے خون کی ضرورت ہے۔ اسی جگہ ہمارے زائرین آئیں گے یہی خاک خاکِ شفا بنے گی۔ مجھے میرے نانا نے اسی زمین کے متعلق بتایا تھا۔ اور یہ فرما کر آپ گھوڑے سے اترے۔

حر نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ فرزند رسولؐ نے کربلا میں خیام لگا دیے ہیں۔

ابن زیاد نے امام حسینؑ کو یہ خط لکھا۔

اما بعد! یا حسینؑ! فقد بلغنی نزولک بکربلاء ۔ وقد کتب الی امیر .... یزید ان لا اتوسد الوثیر ولا اشبع من الخمیر او الحقک باللطیف الخبیر او ترجع الی حکمی و حکم یزید بن معاویہ۔

اے حسین۔ آپ کے کربلا میں نزول کی اطلاعات مجھے مل چکی ہے اور ساتھ ہی امیر . . . . . . یزید کا یہ حکم بھی مل چکا ہے کہ میں آپ کو لطیف و خبیر اللہ کے دربار میں پہنچانے تک نہ تکیہ پر سر رکھوں اور نہ پیٹ بھر کر شراب پیوں۔ یا آپ میری اور یزید ابن معاویہ کی اطاعت قبول کریں۔

جب یہ خط امام حسینؑ کو ملا تو آپ نے اسے پڑھ کر ایک طرف رکھ دیا اور فرمایا۔

وہ قوم کبھی بھی نجات حاصل نہیں کر سکتی جو رضائے الٰہی کے عوض انسانوں کی خوشنودی حاصل کرنے پر تل جائے۔

قاصد نے عرض کی۔ فرزند رسولؐ! خط کا جواب۔

آپ نے فرمایا۔ بھلا اس خط کا کیا جواب ہے۔ اس میں تو صرف مجھے قتل کی دھمکی دی گئی ہے۔ اور ابن زیاد نے یزید اور اپنی اطاعت کا لکھا ہے۔ جب میں نے اطاعت یزید نہیں کی تو میں ابن زیاد کی اطاعت کیسے کر سکتا ہوں۔

جب ابن زیاد کو قاصد نے جا کر بتایا تو اس کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے عمر سعد سے کہا۔

سے بعد میں جا کر پہلے فرزند رسول سے جنگ کرے۔
عمر سعد نے کہا۔ آپ اس جنگ سے مجھے معاف رکھیں۔
ابن زیاد نے کہا کوئی حرج نہیں ہے۔ حکومت رے کا پروانہ مجھے واپس کر دے۔
عمر سعد نے کہا۔ مجھے سوچنے کی مہلت دو۔
ابن زیاد نے کہا۔ جا سوچ لے۔
عمر سعد کو کامل کی نصیحت اور کامل کی زبان کا کنایہ۔ تفصیل سابقہ اوراق میں کی جا چکی ہے۔
امام حسینؑ نے کربلا سے جناب محمد حنفیہؑ کو یہ خط لکھا۔
من کربلا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من الحسین ابن علی الی محمد ابن علی ومن قبلہ من بنی ھاشم
اما بعد فکان الدنیا لم تکن وکان الاخرۃ لم تزل۔ والسلام۔
سرزمین کربلا سے۔ حسین ابن علی کی طرف سے۔ محمد ابن علیؑ اور دیگر بنی ہاشم کو۔
گویا دنیا کبھی آئی نہ تھی اور آخرت کبھی گئی نہ تھی۔
والسلام

ابن زیاد کی جنگی تیاریاں

جب عمر سعد نے حامی بھرلی تو ابن زیاد نے عمر سعد کو فرزند رسول کے مقابلہ میں فرستادہ لشکر کا امیر اور سالار مقرر کر دیا۔
۲ محرم کو عمر سعد چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ میدان کربلا میں آ گیا۔
ارشاد شیخ مفید کے مطابق امام حسینؑ کے پاس عروہ ابن قیس احمسی کو عمر سعد نے یہ پوچھنے کو بھیجا کہ آپ کربلا میں کس لیے آئے ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟
عروہ چونکہ ان افراد سے تھا جنہوں نے امام حسینؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ اور خط لکھا تھا۔ اس لیے عروہ نے عمر سعد سے معذرت کی۔ عمر سعد نے پہلے تو تمام ان افراد سے کہا۔ جنہوں نے امام حسینؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی لیکن ان سب نے معذرت کر لی۔
کثیر ابن عبداللہ شعبی نے اپنے کو پیش کیا۔ یہ شخص انتہائی بے باک اور تند مزاج تھا کہنے لگا۔ انہیں کیوں تنگ کر رہا ہے۔ اگر کوئی پیغام دینا ہے یا پیغام کے بہانہ سے فرزند رسول کو قتل کرنا ہے۔ تو تو مجھے بتا تیرا ہر مقصد

پیدا ہو جائے گا۔

عمر سعد نے کہا اس وقت میرا صرف ایک مقصد ہے اور وہ یہ کہ فرزند رسولؐ سے یہاں آنے کی وجہ اور مقصد پوچھا جائے۔

کثیر وہاں سے چلا۔ جب ابو ثمامہ صیداوی اور اسے جاننے والے دیگر اصحاب امام حسینؑ نے آتے ہوئے دیکھا۔ تو امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا۔

قبلہ اس وقت باشندگان روئے ارض سے بدترین۔ نڈر اور بے باک شخص آپ کے پاس آ رہا ہے۔

یہ کہہ کر جناب ابو ثمامہ اٹھے۔ خیمہ کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ جب یہ وہ خیمہ تک پہنچا تو۔

جناب ابو ثمامہ نے فرمایا کس لیے آیا ہے۔

کثیر نے کہا۔ عمر سعد کا پیغام لے کر آیا ہوں۔

جناب ابو ثمامہ نے فرمایا۔ تلوار یہاں رکھ دے۔ پھر اندر چلا جا۔

کثیر نے کہا۔ یہ تلوار مرنے کے بعد ہی میرے جسم سے جدا ہوگی۔

جناب ابو ثمامہ نے کہا۔ اگر تو خیمہ میں جانا چاہتا ہے تو پھر اس کا قبضہ میں پکڑ لیتا ہوں۔

کثیر نے کہا۔ آج تک میرے ہاتھ کے علاوہ کسی نے اس کا دستہ نہیں پکڑا۔ میں صرف پیغام لے کر آیا ہوں اگر سن لو تو ٹھیک ہے ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا۔

جناب ابو ثمامہ نے فرمایا۔ اگر صرف پیغام ہی پہنچانا ہے تو مجھے بتا دے میں پیغام پہنچا دوں گا لیکن تجھے مسلح فرزند رسولؐ کے قریب نہیں جانے دوں گا۔ تو خبیث فطرت ہے۔ مجھے اعتماد نہیں ہے۔

کثیر نے کہا۔ مجھے امیر لشکر کی طرف سے کسی اور کو پیغام میں واسطہ بنانے کی اجازت ہوتی تو ضرور ایسا کرتا۔ اب واپس جاتا ہوں اور سالار لشکر کو سب کچھ بتا دیتا ہوں۔

یہ کہہ کر کثیر واپس چلا گیا اور عمر سعد کو جا کر تمام صورت حال سے مطلع کر دیا۔

عمر سعد نے قرہ ابن قیس حنظلی کو بھیجا۔ اور کہا کہ۔ جا کر فرزند رسولؐ سے پوچھ۔ آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟

جب امام حسینؑ نے قرہ کو آتے دیکھا تو صحابہ سے فرمایا۔

اسے پہچانتے ہو۔ کون ہے؟

جناب حبیب نے فرمایا۔ قبلہ بنی تمیم سے ہے ہمارا بھانجا ہے۔ بندہ بڑا راست دین اور دانا تھا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ بھی بنی امیہ کا ساتھ دے گا۔ خدا معلوم اسے کیا ہو گیا ہے۔

قرہ نے آ کر امام حسینؑ کو سلام کیا۔ اور عمر سعد کا پیغام دیا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ عمر سعد سے جا کر کہہ دے۔

میں خود سے نہیں آیا۔ اہل کوفہ نے مجھے آنے کو لکھا تھا میں آگیا ہوں سو اگر اب بھی تمہیں میرا آنا ناگوار ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔

جناب حبیب نے فرمایا۔ قرہ! تجھے کیا ہوا ہے۔ بنی امیہ جیسے ظالموں کا ساتھ دے کر تجھے کیا ملے گا۔ فرزند رسولؐ کی نصرت کیوں نہیں کرتا۔ یہی وہ گھر ہے جس کی بدولت اللہ نے ہمیں اسلام کی ظلمت سے نوازا ہے۔

قرہ نے کہا۔ حبیب تجھے معلوم ہے اس وقت میں عمر سعد کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ یہ جواب پیغام پہنچانے کے بعد میں غور کروں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔

قرہ نے جا کر عمر سعد کو بتایا۔ عمر سعد کہنے لگا۔ امید ہے کہ میں فرزند رسولؐ کی جنگ سے بچ جاؤں گا۔

عمر سعد نے ابن زیاد کو یہ خط لکھا۔

اما بعد! کربلا آنے کے بعد میں نے فرزند رسولؐ کے پاس قاصد بھیجا تھا۔ تا کہ جا کر پوچھے کہ وہ کیوں آئے ہیں۔ اور کیا چاہتے ہیں۔ امام حسینؑ نے جواب دیا ہے کہ مجھے اہل کوفہ نے صرف یہاں آنے کی بذریعہ خطوط دعوت دی ہے بلکہ کافی افراد خود بھی میرے پاس گئے تھے اور مجھے یہاں آنے کی دعوت دی ہے۔ اب اگر وہ میرا آنا گوارا نہیں کرتے اور ان کی رائے تبدیل ہو گئی ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔

حسان ابن فائد عبسی کا بیان ہے کہ جب عمر سعد کا خط ابن زیاد کے پاس آیا۔ میں اس وقت ابن زیاد ہی کے پاس بیٹھا تھا۔ جب اس نے خط پڑھا تو کہنے لگا۔

اب کہاں واپس جائے گا۔ اب تو ہمارے قابو میں آیا ہے۔

پھر اس نے عمر سعد کو لکھا۔

اما بعد! مجھے تیرا خط ملا ہے۔ جو کچھ تو نے لکھا ہے میں نے اسے پڑھ بھی لیا ہے۔ اور سمجھ بھی لیا ہے۔ فرزند رسولؐ سے کہو کہ اپنے تمام ساتھیوں سمیت یزید کی بیعت کرے۔ جب بیعت کرے گا تو پھر ہم سوچیں گے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ والسلام۔

جب عمر سعد کو جواب ملا تو کہنے لگا۔ مجھے ڈر ہے کہیں جنگ ناگزیر ہی نہ ہو جائے۔ کیونکہ ابن زیاد بیعت سے کم پر راضی نہ ہوگا۔ اور فرزند رسولؐ آمادہ بیعت نہ ہوگا۔

علامہ مجلسی کے مطابق عمر سعد کو چونکہ یقین تھا کہ کچھ بھی ہو جائے فرزند رسولؐ یزید کی بیعت نہیں کرے گا اس لیے اس نے ابن زیاد کی طرف سے بیعت کا مطالبہ فرزند رسولؐ کو سنایا ہی نہیں۔

عمر سعد کو حکم بیعت دینے کے بعد ابن زیاد نے منادی کا حکم دیا کہ تمام اہل کوفہ کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دے منادی نے اہل کوفہ کو ابن زیاد کا حکم سنایا۔ جب تمام اہل کوفہ مسجد میں جمع ہو گئے۔ تو ابن زیاد نے منبر پر آکر یہ خطبہ دیا۔

لوگو! تم نے آلِ ابوسفیان کی حکومت کو کیسا پایا اور دیکھا ہوا ہے۔ معاویہ کے بعد اس کا بیٹا یزید تمہارا حکمران ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے وظائف کو دگنا کر دوں اور اضافی رقم اسی وقت نہیں دے دوں۔ یزید کا دشمن تمہارے پڑوس میں مقیم ہے۔ اپنا اپنا اضافی وظیفہ وصول کرتے جاؤ اور دشمنِ یزید سے جنگ کی تیاری کرتے عمر سعد کی نصرت کے لیے کربلا روانہ ہوتے جاؤ۔

اس اعلان کے بعد ابن زیاد منبر سے اترا اور اندر چلا گیا۔ لوگ وظائف وصول کرنے لگے

شمر بن ذی الجوشن چار ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا۔

یزید ابن رکاب کلبی دو ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا۔

حصین ابن نمیر چار ہزار کا لشکر لے کر چلا۔

حجار ابن ابجر تین ہزار کا لشکر لایا۔

نصر دو ہزار کا لشکر لے کر آیا۔

جب قبائل سے بیس ہزار کی فوج میدانِ کربلا میں جمع ہو گئی تو ابن زیاد نے شبث ابن ربعی کو پیغام بھیجا کہ فرزندِ رسول سے جنگ کی خاطر کربلا جا۔

شبث نے بیماری کا بہانہ بنایا۔

جب ابن زیاد کو پتہ چلا۔ تو اس نے شبث کو لکھا

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو نے بیماری کا صرف بہانہ بنایا ہے۔ میرے خیال میں تیرا ظاہر و باطن ایک نہیں ہے۔ تو ایک طرف آلِ محمد کا طرف دار ہے اور دوسری طرف آلِ ابوسفیان کو بھی خوش رکھنا چاہتا ہے۔ اب یہ بہانے چھوڑ دے اگر تو ہمارے ساتھ ہے تو میرا خط ملتے ہی فوراً چلا آ۔

شبث رات کے وقت آیا۔ تاکہ بیماری کا راز نہ کھلے۔

ابن زیاد نے کہا: میں چاہتا ہوں تو جنگ میں عمر سعد سے تعاون کر۔

شبث نے کہا: میں ضرور کروں گا

چنانچہ شبث بھی آ گیا

ابن زیاد لشکر کے بعد لشکر بھیجتا رہا۔ حتیٰ کہ تیس ہزار تک تعداد پہنچ گئی۔

ابن زیاد چھ محرم سے ہی عمر سعد کو جنگ پر آمادہ کر رہا تھا لیکن عمر سعد ٹال مٹول کرتا جا رہا تھا۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق فرزندِ رسول کی جنگ کے لیے فوج یزید سے جو پہلا علم برآمد ہوا وہ چھ ہزار کا لشکر تھا۔

دوسرا لشکر شبث ابن ربعی کا تھا۔ جس کے زیرِ کمان چار ہزار فوجی تھے

تیسرا لشکر عروہ ابن قیس کی زیر سرکردگی بھیجا اس کے پاس بھی چار ہزار سپاہی تھے
چوتھا گروپ سنان ابن انس نخعی کا اسے بھی چار ہزار کا سالار بنایا گیا تھا۔
اسی طرح یکے بعد دیگرے سرداران قبائل کو سالار لشکر بنا کر بھیجتا رہا۔ حتیٰ کہ اسی ہزار یزیدی فوج جمع ہو گئی۔

یہ خیال رہے کہ اسی ہزار صرف عراقی فوج تھی۔ شامی اور حجازی فوجیں ان کے علاوہ تھیں۔
بحار کے مطابق جناب حبیب نے فرزند رسولؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہاں قریب ہی بنی اسد کی ایک شاخ رہتی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں جا کر انہیں آپ کی نصرت پر آمادہ کروں۔ اگر وہ مان گئے تو آپ کی عسکری تعداد میں بھی کچھ تو اضافہ ہو جائے گا؟

فرزند رسولؐ نے فرمایا۔ حبیب تجھے اجازت ہے۔
جناب حبیب رات کی تاریکی میں مخفی طور پر ان کے پاس گئے۔ جب انہوں نے آپ کو پہچان لیا تو پوچھا۔ کیسے آئے ہیں؟
جناب حبیب نے فرمایا۔
جس طرح کسی قوم کا کوئی خیرخواہ اپنی قوم کے پاس دنیا و آخرت کی فلاح لے کے جاتا ہے۔ اسی طرح میں بھی تمہارے پاس فلاح دنیا و آخرت لے کر آیا ہوں۔
انہوں نے پوچھا ذرا تفصیل سے بتائیں۔
جناب حبیب نے فرمایا۔ تمہارے پڑوس میں دختر رسولؐ کا فرزند خیمہ زن ہے۔ اس کے ساتھ اہل ایمان کی ایک مختصر سی تعداد ہے۔ لیکن ہر مومن ایک ہزار پر بھاری ہے۔ ان میں سے کوئی بھی انہیں چھوڑ کر جانے والا نہیں ہے دوسری طرف سے فوج یزیدی نے آپ کو گھیر رکھا ہے۔ آپ میرا قبیلہ اور میری قوم ہیں میری بات مانیں اور فرزند رسولؐ کا ساتھ دیں۔
تم لوگوں میں سے جو بھی فرزند زہراؑ کے قدموں میں قربان ہو گیا دنیا و آخرت کے شرف سے مشرف ہو گا۔ اور آخرت میں جوار نبیؐ میں ہو گا
ان لوگوں میں سے عبداللہ ابن بشیر نے رجز پڑھتے ہوئے جناب حبیب کی دعوت پر لبیک کہی۔ اور جوان بھی ساتھ دینے لگے۔ نوے آدمی ہو گئے۔
جناب حبیب انہیں لے کر چلے۔
اسی قبیلہ کا ایک بدنصیب تھا اور عمر سعد کو جا کر مطلع کر دیا۔ عمر سعد نے ازرق نامی شخص کو پانچ سو سوار دے کر ان کے مقابلہ میں بھیجا۔ یہ لوگ لشکر فرزند رسولؐ میں شمولیت کی خاطر آ رہے تھے۔ کہ ازرق راستے میں حائل ہو گیا دونوں

گروہ آپس میں مصروفِ پیکار ہو گئے۔

جب بنی اسد نے دیکھا کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تعداد میں یہ لوگ زیادہ ہیں۔ اگر انہیں بھگا بھی دیں تو انہیں نئی کمک مل جائے گی۔ تو انہوں نے پسپائی اختیار کر لی۔ جناب حبیبؓ نے ازرق سے فرمایا بھی کہ ظالم تو کیوں درمیان میں حائل ہو رہا ہے۔

ہٹ جا ہمیں آگے جانے دے۔

لیکن ازرق نے سختی سے انکار کر دیا۔ اور کہا۔ میں اپنے امیر کی بہر زدتا اطاعت کروں گا۔ اور ایک آدمی کو بھی فرزند رسولؐ کے پاس نہیں جانے دوں گا۔

جب بنی اسد واپس چلے گئے تو جناب حبیبؓ نے آ کر فرزند رسولؐ کو تمام واقعہ کہہ سنایا۔

آپ نے فرمایا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

علامہ مجلسی نے بحار میں لکھا ہے کہ اس کے بعد ابن سعد نے دریائے فرات پر پہرہ بٹھا دیا۔ تاکہ خیام آل رسولؐ میں پانی نہ جائے۔ جب خیام خدیت رسولؐ میں پانی ختم ہو گیا تو امام حسینؑ دختر زہراؑ کے خیمہ کی پشت پر گئے وہاں سے انیس قدم گئے۔ اور کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ کچھ فاصلہ پر پانی نکل آیا۔ امام حسینؑ نے خود بھی پیا اپنے صحابہ کو بھی پلایا۔ تمام خیام میں بھی بھجوایا۔

پھر وہ کنواں غائب ہو گیا۔

جب ابن زیاد کو اطلاع ملی تو اس نے عمر سعد کو لکھا کہ۔

میں نے سنا ہے حسینؑ کنواں کھود کر پانی پی رہا ہے۔ میرے اس خط کے بعد پانی پر پہرہ بھی سخت کر دے اور فرزند رسولؐ کو کنواں وغیرہ کھودنے سے روک دے۔

چنانچہ سات محرم کو عمر ابن سعد نے عمرو ابن حجاج زبیدی کو پانچ سو سپاہیوں کے ہمراہ فرات پر متعین کر دیا۔

ارشاد شیخ مفید کے مطابق اس نئی صورت حال کے بعد خدیت رسولؐ کے خیام میں شدت پیاس بڑھ گئی اور سات محرم کے بعد سے عصر عاشور تک خیام حسینؑ میں پانی کا ایک قطرہ تک موجود نہ تھا۔ عبد اللہ ابن حصین ازدی نے باواز بلند پکار کر کہا۔

اے فرزند رسولؐ دیکھ رہے ہو یہ پانی کتنا حسین اور پیارا ہے۔ لیکن خدیت رسولؐ اس میٹھے پانی کا ایک قطرہ تک نہیں چکھ سکتی۔ یا حکم امیر ان کو سدرہ پیاس سے موت کا انتظار کرو۔

فرزند رسولؐ نے اس کی یہ بات سن کر دست دعا بلند کر کے عرض کیا۔ اللھم اقتلہ عطشا ولا تغفر لہ، بار الٰہا! اسے پیاس کی موت سے دوچار فرما اور کبھی معاف نہ فرما۔

حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ یہ دعا سننے کے بعد میں نے عبداللہ کو اپنی نگاہوں میں رکھا۔ مجھے لاشریک معبود کی قسم ہے میں نے اسے اس طرح پیاسا دیکھا کہ وہ پانی پی پی کر کپا بن جاتا تھا پانی اس کے منہ سے بہنے لگتا تھا لیکن اس کی پیاس ختم نہیں ہوتی تھی۔ اور اسی حالت میں ہی اس کا پیٹ پھٹ گیا تھا۔ اور وہ یوں واصل جہنم ہوا۔

علامہ مجلسی کے مطابق آٹھویں محرم کی شب امام حسینؑ نے جناب عباس کو تیس آدمیوں کے ساتھ بیس مشکیزے دے کر پانی لانے کو بھیجا۔

جناب عباس جب دریائے فرات پر پہنچے تو عمرو ابن حجاج نے پوچھا۔ کون ہو۔؟

جناب عباس کے ساتھیوں میں سے ہلال ابن نافع بجلی نے کہا۔ ہمیں پیاس نے ستایا ہوا ہے۔ پانی پینے آئے ہیں۔

عمرو نے کہا۔ آؤ بے شک پی لو۔

ہلال نے کہا۔ ظالم تجھے شرم نہیں آتی۔ تو ہمیں تو اجازت دے رہا ہے۔ لیکن فرزند رسول سے تو پانی روک رکھا ہے۔

عمرو نے کہا۔ تیری بات درست ہے۔ لیکن ہماری مجبوری ہے۔ ہم حکم کے بندے ہیں۔ اور ہمیں ہر صورت تعمیل حکم کرنا ہے۔

جناب عباس نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔ جاؤ مشکیزے پر کرو۔

جناب عباس کے اشارہ سے آپ کے ساتھی دریا میں کود گئے۔

دوسری طرف سے عمرو نے اپنے سپاہیوں کو مقابلہ کا حکم دیا۔ جناب عباس کے ساتھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے کچھ نے فوج یزید کا مقابلہ جاری رکھا اور کچھ نے مشکیزے پر کرنا شروع کر دیئے۔ جب مشکیزے پر ہو گئے۔

تو ہلال نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اب آجاؤ۔ ہم نے پانی لے لیا ہے۔ یہ لوگ پانی لے کر آگئے۔ جب پانی خیام امام حسین میں پہنچ گیا۔ اسی وقت سے جناب عباس کو سقائے حسین کہا جانے لگا۔

پھر امام حسین نے عمر سعد کے نام پیغام بھیجا کہ میں تجھ سے علیحدگی میں ملنا چاہتا ہوں۔ دونوں لشکروں کے مابین ملاقات کر لیتے ہیں۔

عمر سعد اپنے ساتھ بیس سپاہی لے کر آیا۔ امام حسین بھی اپنے ساتھ بیس صحابی لے کر آئے۔ دونوں لشکروں کے درمیان ایک ٹیلے پر پہنچ کر امام حسینؑ نے جناب عباس اور ہم شکل نبی فرزند کے علاوہ دوسرے صحابہ سے فرمایا کہ آپ ایک طرف علیحدہ بیٹھ جائیں۔ عمر سعد نے بھی اپنے غلام اور بیٹے حفص کے علاوہ دیگر سپاہیوں کو علیحدہ کر دیا۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔

اے عمر سعد کیا تجھے خوف خدا نہیں ہے یعنی تو مجھ سے جنگ لڑے گا؟ جب کہ تجھے معلوم ہے کہ میں کس کا بیٹا ہوں میرا ساتھ دے۔ میرا ساتھ تجھے بارگاہ خالق کے قریب کرے گا

عمر سعد نے کہا۔ مجھے ڈر ہے کہیں آپ کا ساتھ دینے سے ابن زیاد میرا گھر ہی نہ پھونک دے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی تعمیر میرے ذمہ ہے۔

عمر سعد نے کہا۔ مجھے اپنی جائیداد کے ضبط ہو جانے کا خطرہ ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ حجاز میں اپنی جائیداد سے تجھے اس جائیداد کی نسبت زیادہ دوں گا۔

عمر سعد نے کہا مجھے اپنی اولاد پر ابن زیاد کے تشدد کا خطرہ ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ تیری کسی اولاد پر تشدد کا انتقام اللہ لے گا۔

عمر سعد نے کوئی جواب نہ دیا۔

امام حسینؑ نے حسرت سے فرمایا۔

عمر سعد خدا معلوم تجھے کیا ہو گیا ہے۔ اللہ تجھے تیرے بستر پر خنجر سے ذبح کروائے اور تجھے کبھی معاف نہ فرمائے ویسے میں دیکھ رہا ہوں کہ تو زیادہ دیر تک عراق کی گندم نہ کھا سکے گا۔

عمر سعد نے مذاق کے انداز سے کہا۔ اگر گندم نہ ملی تو جو پر گزارہ کروں گا۔

شیخ مفید کے مطابق عمر سعد واپس اپنے خیام میں پلٹ کے آگیا۔

اور ابن زیاد کو یہ خط لکھا۔

اما بعد! جہاں تک میں کہتا ہوں۔ صلح کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔ اور خداوند عالم بھی نواسہ رسولؐ کی جنگ سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ۔

فرزند رسولؐ نے میرے سامنے تین باتیں پیش کی ہیں۔

۱۔ وہ جہاں سے آئے ہیں واپس وہیں جانے دیا جائے۔

۲۔ اسے کسی دور افتادہ سرحدی مقام پر جانے کی اجازت دی جائے وہ کسی قسم کی بھی سیاست میں حصہ نہیں لے گا۔

۳۔ اسے یزید کے پاس جانے دیا جائے۔ جو سلوک یزید چاہے کرے۔

میرا خیال ہے ان تین باتوں میں سے ہم کسی ایک بات کو منتخب کر سکتے ہیں۔ حق انتخاب آپ کو ہے۔ جو بات آپ پسند کریں۔ مجھے لکھیں تا کہ میں فرزند رسولؐ کو اس سے آگاہ کروں۔

جب ابن زیاد نے خط پڑھا کہنے لگا۔ اگر حسینؑ ان باتوں میں سے کسی ایک پر راضی ہو کر عراق چھوڑ دیتا ہے

تو چاہتا ہے۔

شمر نے کھڑے ہو کر کہا۔ ویسے آپ کی مرضی ہے۔ آپ امیر ہیں۔ میرے خیال میں تو یہ قطعاً درست نہیں ہے کیونکہ۔

اس وقت فرزند رسولؐ آپ کے علاقہ میں ہے۔ آپ کے قبضہ میں ہے۔ صرف آپ سے جان چھڑانا چاہتا ہے سرزمین عراق پر آپ حاکم ہیں۔ اگر حسینؑ اس علاقہ میں آپ کی اطاعت نہیں کرتا تو پھر یہاں سے نکل کر وہ کسی ایسی جگہ جائے گا جہاں سے وہ دوسری مرتبہ ایسی مکمل تیاری کے ساتھ آئے گا کہ حالات موجودہ صورت حال کے برعکس ہو جائیں گے۔

اس وقت آپ مضبوط ہیں اور حسینؑ کمزور ہیں۔ دوسری مرتبہ جب آپ کی حسینؑ سے ملاقات ہوگی تو وہ مضبوط ہوگا اور آپ کمزور ہوں گے۔ حق تو یہ ہے کہ اس وقت حسینؑ اپنے تمام ساتھیوں سمیت آپ کی بیعت کرے۔ اگر آپ سزا دینا چاہیں تو اسے قبول کرے اور اگر معاف کرنا چاہیں تو اس کا شکریہ ادا کریں۔

ابن زیاد نے کہا۔ آپ کا مشورہ بہت عمدہ ہے۔ اور میں اسی پر عمل کرتا ہوں۔ جا کر تیاری کر۔ میں عمر سعد کے نام تجھے خط دے کر بھیجتا ہوں جس میں لکھوں گا کہ۔

حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کو کھلے لفظوں میں کہہ دے کہ اگر وہ میری اطاعت کریں تو بلا جنگ انہیں میرے پاس بھیج دے۔

اور اگر انکار کریں تو ان سے جنگ کر۔

اگر عمر سعد میرے اس حکم کی تعمیل کرے تو تو اس کے ماتحت رہے گا۔ اور اگر وہ تعمیل حکم نہ کرے تو میری طرف سے تو سالار لشکر ہوگا اور عمر سعد کا سر مجھے بھیج دینا۔

چنانچہ ابن زیاد نے عمر سعد کو یوں خط لکھا۔

اما بعد۔ میں نے تجھے حسینؑ کے مقابلے میں نہ تو اس لیے بھیجا ہے کہ تو ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ جا۔ نہ اس لیے بھیجا ہے کہ تو اسے زیادہ سے زیادہ مہلت دے۔ نہ اس لیے بھیجا ہے کہ اسے سلامتی کی امید دلا نہ اس لیے بھیجا ہے کہ تو حسینؑ کی طرف سے کوئی معذرت کر۔ اور نہ ہی اس لیے بھیجا ہے کہ تو حسینؑ کا سفارشی بن جا۔ سیدھی سی بات ہے اگر حسینؑ میری اطاعت قبول کرتا ہے تو بصد عزت اسے مع اس کے چند ساتھیوں کے میرے پاس بھیج دے۔ اگر میری اطاعت سے انکار کرتا ہے۔ تو جنگ کر۔ جنگ کے بعد ان کی لاشوں کا مثلہ کر۔ قتل حسینؑ کے بعد لاشہ حسینؑ کو گھوڑوں سے پامال کر۔ میرے خیال میں ہمیں ان کاموں کے لیے قیامت وغیرہ جیسے کسی وہم سے خائف نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی اگر تو اسے قتل کرنے پر کامیاب ہو جائے تو ایسا ضرور کرنا۔

اگر تو نے ہمارے اس حکم کی اطاعت کی تو ہم تجھے وہی جزا دیں گے جو ایک اطاعت شعار کو دی جاتی ہے اور اگر تجھے تعمیل حکم سے انکار ہو تو پھر اپنے کو معزول سمجھ۔ شمر امیر لشکر ہوگا۔ اور وہی کرے گا جو حکم ہم نے اسے،

دے دیا ہے۔

والسلام

جب شمر نے خط عمر سعد کو دیا اور عمر سعد نے اسے پڑھا تو شمر سے کہا۔

اللہ تجھے برباد کرے۔ یہ تو نے کیا کیا ہے۔ اللہ تجھے تیرے اس خط کے ساتھ ذلت سے دوچار کرے۔ بخدا! مجھے یقین ہے کہ جو کچھ میں نے ابن زیاد کو لکھا تھا تو نے ہی اس پر عمل کرنے سے روک دیا ہے۔ اور جس چیز کی مجھے امید تھی تو نے اسے برباد کر دیا ہے۔ میں جانتا ہوں، حسین کی رگوں میں اپنے باپ کا خون ہے وہ کبھی بیعت نہیں کرے گا جو ابن زیاد چاہتا ہے۔

شمر نے کہا زیادہ باتیں نہ بنا۔ مجھے تو یہ بتا کہ کیا تو اپنے امیر کے حکم کی اطاعت کرنے پر آمادہ ہے یا نہیں۔ اگر آمادہ ہے اور اس کے دشمن سے جنگ کرتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ایک طرف ہو جا۔ حسین جانے اور میں جانوں۔

عمر سعد نے کہا۔ تو سالاری لشکر کے خواب دیکھ کر آیا ہے میں تیرا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہونے دوں گا۔ میں خود ہی لڑوں گا۔ اِن پیادہ کی کمان تو سنبھال لے۔

نظم الزہراؑ میں منقول ہے کہ عمر سعد سے حکومت رے کا معاہدہ ہوا تھا۔ جب یہ آمادہ جنگ ہوا تو اس نے یہ اشعار کہے۔

(۱) فوالله ما ادری وانی لحائر
افکر فی امری علی خطرین۔

(۲) أأترک ملک الری والری منیتی
ام ارجع مأثوما بقتل حسین۔

(۳) وفی قتله النار التی لیس دونها حجاب و
ملک الری قرة عینی۔

(۱) خدایا! مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا اور میں خود حیران ہوں میں اپنے بارے میں دو باتوں میں سے ایک کے بارے میں سوچ رہا ہوں

(۲) بھلا حکومت رے کو جو میری دیرینہ آرزو ہے کو چھوڑ دوں! اور کیا قتل حسینؑ کی لعنت لے کر واپس پلٹ جاؤں۔

(۳) اس کے قتل میں یقیناً جہنم ہے جس میں کوئی شک نہیں جبکہ حکومت رے بھی میری آنکھوں کا نور ہے۔

شیخ مفید کے مطابق عمر ابن سعد نو محرم بروز خمیس آمادہ جنگ ہو گیا۔ اس کے بعد شمر نے خیام امام حسینؑ کے باہر آ کر آواز دی۔

جناب عباسؑ، جعفر، عثمان اور عون باہر آئے اور پوچھا۔ کیا بات ہے۔

شمر نے کہا۔ تم میرے قبیلہ کی بیٹی کی اولاد ہو میں تمہارے لیے ابن زیاد سے امان لایا ہوں۔

جناب عباسؑ نے فرمایا۔ ظالم اللہ تجھ پر لعنت کرے۔ تو اپنے قبیلہ کی بیٹی کی اولاد کو امان دیتا ہے اور فرزند رسولؐ کے لیے امان نہیں ہے۔ ہم ایسی امان پر اور امان لانے والے دشمن خدا پر لعنت بھیجتے ہیں۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ ہم تیری پناہ میں آ کر زندہ رہ جائیں اور اپنے آقا و سردار اور بھائی کو تجھ جیسے ملعونین کے درمیان میں تنہا

چھوڑ دیں۔

اس جواب پر شمر غصہ سے باہر ہو کر واپس پلٹ گیا۔

اس کے بعد عمر ابن سعد نے اپنی فوج کو مخاطب ہو کر کہا اے شہسوارو ذریت رسولؐ سے دو دو ہاتھ کر لو۔

یزیدی مسلمان گھوڑوں پر سوار ہوئے اور خیام آلِ محمدؐ کی طرف بڑھے۔

مظلوم کربلا قبضہ تلوار کا سہارا لیے در خیمہ پر بیٹھے تھے۔ آپ کو اونگھ آ گئی۔ بنت زہراؑ نے جب گھوڑوں کی ٹاپیں سنیں تو بے ساختہ آ کر اپنے وارث نبی کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور عرض کیا۔

بھیا دشمن کی فوج تو خیام کے قریب آ گئی ہے۔

آپ نے آنکھ کھولی اور آہ حسرت بھر کے کہا۔

بہن! ابھی ابھی اونگھ میں نانا رسول اللہ، بابا علیؑ، ماں زہراؑ اور بھائی حسنؑ کو دیکھا ہے وہ کہہ رہے تھے۔ حسینؑ کل تو ہمارے پاس ہو گا۔ ہم تیرے انتظار میں ہیں۔

یہ سنتے ہی بنت زہراؑ نے اپنے چہرہ پر طمانچے مارے اور کہا

بھیا! کیا بہن کو خبر موت دے رہے ہو۔

انہی باتوں میں جناب عباسؑ نے بھی آ کر آپ کو نئی صورت حال سے مطلع کیا۔

آپ نے فرمایا عباس جاؤ۔ ان سے پوچھو کہ جب سلسلہ گفتگو چل رہا تھا تو پھر اچانک یہ کیا ہو گیا ہے؟ کس لیے آ رہے ہیں۔ اور کیا چاہتے ہیں؟

جناب عباسؑ بیس سواروں۔ جن میں جناب زہیر ابن قین اور حبیب ابن مظاہر بھی تھے کو ساتھ لے گئے۔ اور یزیدی فوج سے پوچھا۔ کیا بات ہوئی ہے۔

انہوں نے جواب دیا کہ۔ ہمیں حکم امیر ابن زیاد ہے یا اس کی اطاعت کرو اور یا جنگ کرو۔

جناب عباسؑ نے فرمایا۔ کچھ دیر کے لیے مہلت دو۔ میں فرزند رسولؐ کو مطلع کر دوں۔ جو فرمائیں گے۔ تمہیں آ کر بتائے دیتا ہوں۔

یزیدی فوج رک گئی۔

جناب عباسؑ نے آ کر فرزند رسولؐ کو اطلاع دی۔

آپ نے فرمایا۔ ایک دفعہ پھر جاؤ اور عمر سعد سے کہو کہ ہمیں کل تک کی مہلت دے دیں۔ تاکہ آج کی رات ہم عبادت خدا اور تلاوت قرآن کریں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ مجھے عبادت اور تلاوت سے کتنا پیار ہے۔

جناب عباسؑ نے جا کر عمر سعد سے کہا۔

عمر سعد نے مہلت دینے میں تامل کیا۔

عمرو ابن حجاج زبیدی نے کہا۔ اے پسر سعد! تجھے کس بات میں تامل ہے بخدا اگر ترک و دیلم کے لوگ بھی ہم سے ایک رات کی مہلت مانگتے تو ہم دیدیتے یہ تو فرزند رسولؐ ہے۔

عمر سعد نے جناب عباسؑ کے ساتھ اپنا غلام بھیجا کہ جا کر فرزند رسولؐ سے کہہ دے کہ۔

ہم نے تمہیں ایک رات کی مہلت دی ہے تاکہ تم مزید سوچ لو اگر تم نے اطاعت ابن زیاد قبول کرلی تو ہم آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جائیں گے۔ اور اگر اطاعت قبول نہ کی تو پھر کوئی مہلت نہیں دیں گے۔

دوسری طرف سے عمر نے اپنی فوج میں منادی کرادی کہ ہم نے آل محمدؐ کو ایک رات کی مہلت دی ہے کل ان سے جنگ ہوگی لہٰذا اپنی اپنی سواریاں باندھ دو۔

مجلس

شب عاشور

ارشاد مفید۔ امالی صدوق اور لہوف کے مطابق نماز عشاء کے بعد امام حسینؑ نے اپنے اہل بیت اور انصار کو یوں خطبہ دیا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔
اثنی علی اللّٰہ احسن الثنا واحمدہ علی السراء والضراء۔ اللھم انی احمدک علی ان اکرمتنا بالنبوۃ وعلمتنا القرآن و فھمتنا فی الدین وجعلت لنا اسماعا و ابصارا وافئدۃ فاجعلنا من الشاکرین۔ اما بعد فانی لا اعلم اصحابا اوفی ولا خیرا من اصحابی ولا اھلبیت اوفی و ابر من اھل بیتی

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اچھی سے اچھی تعریف خدا کی کرتا ہوں۔ مصائب اور خوشی ہر حالت میں حمد خدا ہے۔ اے اللہ! اس بات پر تیری تعریف کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت سے نوازا ہے۔ فہم القرآن دیا ہے اور تعلیم دین دے کے بینا بنایا ہے۔ ہمیں سننے والے کان دیکھنے والی آنکھیں اور سوچنے والے دل دیئے ہیں۔ ہمیں اپنے شکر گزاروں سے قرار دے۔ اما بعد مجھے آج تک اپنے صحابہ سے بہتر اور اصحاب نظر نہیں آئے۔ اور نہ ہی میں نے اپنے اہل بیت سے زیادہ وفادار اور خیر خواہ کسی کے اہلبیت کو دیکھا ہے اللہ تم کو میری طرف سے جزائے خیر دے میرا خیال ہے

فجزاكم الله عني خيراً وانه يوماً لنا من هؤلاء ألا واني قد اذنت لكم فانطلقوا جميعاً في حل ليس عليكم حرج مني ولا ذمام هذا الليل قد غشاكم فاتخذوه جملاً وتفرقوا في سواده فان القوم انما يطلبوني ولو ظفروا بي لذهلوا عن طلب غيري۔

ان لوگوں کی طرف سے ہمارے پاس صرف آج کا دن ہے میں آپ کو اجازت دیتا ہوں چلے جاؤ میری طرف سے تم پر کوئی زور زبردستی نہیں اور نہ ہی آپ کسی معاہدے کے پابند ہیں رات کی تاریکی چھا چکی ہے جو تمہارے پردہ بن جائے اس تاریکی میں بکھر جاؤ یہ لوگ صرف مجھے تلاش کرتے ہیں جب میں انہیں مل جاؤں گا تو پھر یہ کسی اور کو تلاش نہیں کریں گے۔

سب سے پہلے جناب عباس نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

آپ کو جو کچھ فرمانا تھا فرما چکے۔ آپ کا حق بھی یہی تھا جو آپ نے ادا کر دیا ہے۔ اب میری درخواست یہ ہے کہ آپ ہمیں بحیثیت امام کے جانے کا حکم نہ دیں۔ ہماری مرضی پر چھوڑ دیں۔ جہاں تک ہم بھائیوں کا تعلق ہے ہماری آرزو یہ ہے کہ آپ کے قدموں پر سر رکھ کر قربان ہو جائیں۔

ہم شکل نبی شہزادہ علی اکبر نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

ابا جان! بھلا وہ اولاد زندہ رہ سکتی ہے جو زندہ ہو؟ جیسے باپ کو دشمنوں میں چھوڑ کر اپنی جان بچا کر چلی جائے اگر یہ یقین بھی ہوتا کہ کبھی نہ مریں گے پھر بھی آپ کو چھوڑ کر نہ جاتے۔

اب جب کہ یہ یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن مر ہی جانا ہے۔ اگر آج نہیں تو کل پھر اس عارضی زندگی کا بوجھ کب تک اٹھائے پھرتے رہیں گے۔

اس کے بعد فرزند امام حسن یعنی جناب حسن مثنیٰ نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

چچا! بھلا یہ ممکن ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی آپ کو چھوڑ کر چلا جائے۔ میں یہ تو عرض نہیں کر سکتا کہ ہم کیا کریں گے کیونکہ یہ سب کچھ قبل از وقت ہو گا۔

بہر صورت وقت بتائے گا کہ ہم کیا کریں گے۔

جناب عون و محمد نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

چچا! آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں ہمارے بابا جان نے اس وقت آپ کی خدمت میں دیا تھا جب آپ مکہ سے واپس عراق ہو رہے تھے۔ ہمیں تو ہمارے بابا نے یہی فرمایا تھا کہ بیٹو! میں بیمار ہوں ورنہ میں خود تمہارے ماموں پر جان قربان کرتا اگرچہ تم دوسروں کی نسبت کم سن ہو لیکن پھر بھی اس قابل ضرور ہو کہ میری نیابت کر سکو۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہماری جگہ ہمارے بابا ہوتے اور وہ آپ کو اس حال میں دیکھتے تو کیا وہ آپ کو یوں تنہا چھوڑ کر چلے جاتے۔ پھر ہم آپ کی اس بہن کا دودھ پی کر جوان ہوئے ہیں جو مدینہ سے یہاں تک تنہا آپ کے ساتھ رہی ہیں اور ہم نے اکثر اوقات دیکھا ہے کہ دوران گفتگو آپ ہماری ماں کا سر اور ہاتھ چومتے رہے اور ہماری ماں آپ کا گلا چومتی رہی۔ اب ہمیں بھی سب کچھ

بجز آسماں ہے۔ اور ہم آپ کو ان دشمنان دین کے نرغہ میں تنہا چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتے۔

صحابہ میں سے مسلم ابن عوسجہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

فرزند رسول! اگر ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو بھلا ہم خدا کے ہاں کس منہ سے جائیں گے اور آپ کے ادائے حق کا کیا معذرت کریں گے۔

بخدا اس وقت تک یہ لوگ آپ کے قریب نہیں آئیں گے جب تک میرے ہاتھ میں نیزہ رہے گا اور میں نیزہ زنی کرتا رہوں گا۔ جب نیزہ ٹوٹ جائے گا تو میں تلوار سے آپ کا دفاع کروں گا۔ جب تلوار ٹوٹ جائے گی اور کوئی ہتھیار نہ رہا تو میں ان پر سنگباری کروں گا۔

اس وقت تک ہم آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے جب تک خالق کونین کیلئے اس وفاداری کا ثبوت پیش نہ کر دیں۔ جب تک ہمارے نامہ اعمال میں یہ نہیں لکھ دیا جاتا کہ ہم نے ذریت نبویہ کے تحفظ میں اپنی جان قربان کر کے نبی کونین کو راضی کر دیا ہے۔ بخدا! اگر مجھے یقین ہو کہ آل محمد کی محبت میں مجھے قتل کیا جائے گا۔ پھر مجھے جلایا جائے گا۔ پھر زندہ کر کے قتل کیا جائے گا اور جلا کر میری راکھ ہواؤں میں بکھیر دیا جائے گا۔ اور ستر مرتبہ میرے ساتھ یہی سلوک ہو گا تو بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔

اس کے بعد دیگر صحابہ نے بھی اسی قسم کی گفتگو کر کے اپنی وفا کا یقین دلایا۔

سید نے روایت کی ہے کہ محمد ابن بشیر حضرمی کو اطلاع ملی کہ تیرے بیٹے کو سرحد پر قید کر لیا گیا ہے۔ تو محمد نے کہا اگر اسے قتل کر دیا گیا تو میری زندگی مشکل ہی سے گزرے گی۔

جناب سید الشہداء نے محمد کو بلا کر فرمایا۔ تیرا بیٹا! گرفتار ہے۔ میں اپنی بیعت تجھ سے اٹھاتا ہوں تو چلا جا اور بیٹے کو آزاد کرا لے۔

محمد نے کہا میرا گوشت درندوں کی غذا بن جائے اگر میں آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ میرا بیٹا ہے فرزند رسول تو نہیں ہے۔ مجھ کو کیا فائدہ ہو گا اگر میں فرزند رسول کو دشمنوں میں چھوڑ کر اپنے بیٹے کی فکر آزادی کروں گا۔

سید کے مطابق آل محمد نے تمام رات پیاسے لبوں سے عبادت خدا اور تلاوت قرآن میں گزار دی۔

تفسیر امام عسکری میں ہے کہ جب امام حسین کے مقابلے میں فوج یزید آ گئی تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔ آپ لوگ میری طرف سے آزاد ہیں۔ میں اپنی بیعت تم سے اٹھاتا ہوں۔ اپنے اپنے گھروں اور قبیلوں میں واپس چلے جاؤ۔ پھر بنی ہاشم سے فرمایا میری طرف سے تمہیں بھی اجازت ہے۔ تمہاری تعداد اتنی نہیں جو کہ یزیدی مسلمانوں کا مقابلہ کر سکے۔ اور نہ ہی وہ لوگ میرے علاوہ کسی اور سے لڑیں گے ان کا مقصود و مطلوب صرف اور صرف میں ہوں۔ مجھے ان میں تنہا چھوڑ دو۔ اللہ میرے ساتھ ہے۔ اور جس طرح اللہ نے ہمارے اسلاف کو تنہا

نہیں چھوڑا اسی طرح مجھے بھی اب بہلا نہیں کرے گا۔

اکثر سپاہی تو یہ بات سن کر ایک ایک اور دو دو کر کے اٹھ کر جانے لگے لیکن مخلص صحابہ اور بنی ہاشم نے جانے سے انکار کر دیا۔

اور عرض کیا۔ ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ اگر رہیں گے تو بھی اکٹھے اور اگر چلیں گے تو بھی ایک ساتھ۔ ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے قدموں میں ہمیں جو قرب الٰہی حاصل ہو رہا ہے وہ آپ سے علیحدہ کر کے ہمیں حاصل ہوگا اور نہ کسی اور کو۔

یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا۔

اگر تم اس بات پر آمادہ ہو جس پر میں آمادہ ہو چکا ہوں تو پھر یقین رکھو۔ اللہ علو مرتبہ برداشت مصائب کے مطابق دیتا ہے۔

اگرچہ ذات احدیت نے مجھے اپنے تمام اسلاف کی نسبت کچھ خصوصیات سے مخصوص کیا ہے۔ اور میں نہیں بھی اپنی ان خصوصیات سے چند ایک ایسی کرامات عنایت کروں گا جو تمہارے سوا کسی بھی نبی یا ولی کے صحابہ میں نہیں ہوں گی۔

جناب سکینہ بنت الحسین سے مروی ہے کہ شب عاشور میں بھی اگرچہ کم سن تھی۔ لیکن چونکہ میں دختر حسین تھی اس لیے تمام دوسرے بچے مجھ ہی سے پانی مانگتے تھے۔ بچوں کے اس مطالبہ سے تنگ آ کر میں اپنے بابا کے خیمہ کی پشت کے سایہ میں بیٹھ گئی۔ میں نے سنا میرے بابا اپنے صحابہ کو جانے کی چھٹی دے رہے تھے۔ جونہی میرے بابا نے چھٹی دی میں نے دیکھا میرے بابا کے خیمہ سے دس دس اور بیس بیس کے گروہ میں صحابہ نکل کر جانے لگے۔

یہ منظر دیکھ کر میں گھبرا گئی۔ اور بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ میں اس جگہ سے اٹھی اور اپنی پھوپھی ام کلثوم و زینب کے خیمہ کی طرف دوڑی تاکہ ان کو صورت حال سے انہیں آگاہ کروں۔

جونہی میں خیمہ کے دروازہ پر آئی پھوپھی پسے۔ کہ در خیمہ پر کھڑی ہوئی تھیں۔ میں نے خیمہ میں قدم رکھا تو پھوپھی نے آگے بڑھ کر میرے آنسو پونچھے اور پوچھا۔ بیٹی کیا بات ہے؟

کیا پیاس زیادہ ستا رہی ہے؟

میں نے عرض کی۔ پھوپھی جان۔ پیاس تو جیسے تیسے گزر رہی تھی۔ اب تو ہمیں ہمارے ساتھی چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ پھر میں نے تمام واقعہ سنایا۔

بنت زہراؑ نے اسی وقت واجداہ، وا ابتاہ، وا علیاہ، وا حسناہ، وا حسیناہ۔

واقعہ تا صحراء کے بین سنے اور فرمایا:

اب ہم زہراؑ زادیاں کہاں جائیں گی۔ کاش یہ لوگ مجھ سے فرزندِ رسولؐ کا فدیہ لیتے میں اپنے تمام زیورات اور بابا کی دی ہوئی ساری جہیز میں دے دیتی۔ ہم تو نانا کا مزار چھوڑ کر دور کے سفر پہ ہیں۔

میرے بابا نے جب صدائے نوحہ بکا سنی تو خیمے سے باہر آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟

دخترِ زہراؑ نے پوچھا۔ اے فرزندِ زہراؑ میں یہ کیا سن رہی ہوں!

آپ نے فرمایا۔ کیا پوچھنا چاہتی ہو۔

بی بی نے پوچھا۔ کیا یہ سچ ہے کہ کل جنگ ہوگی۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں ہوگی۔

بی بی نے پوچھا اس جنگ کا انجام کیا ہوگا؟

آپ نے فرمایا۔ وہی انجام ہوگا جو قلت و کثرت اور حق و باطل کا ہوتا ہے۔

کیا آپ شہید ہو جائیں گے؟

آپ نے فرمایا۔ صرف سجادؑ اور باقرؑ بچ جائیں گے۔

بنتِ زہراؑ نے عرض کیا۔ کیا آپ ہمیں حرمِ رسولؐ تک پہنچا سکتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اب تو مشکل ہے۔ کیونکہ میرے وعدہ کا دن ہی کل ہے۔ میں تمہیں صبر کی وصیت کرتا ہوں۔

ارشاد میں شیخ مفید نے روایت کی ہے کہ۔ ہلال ابن نافع سے مروی ہے۔ شبِ عاشور امام حسینؑ بیرونِ خیمہ نکل کر صحرا کے ٹیلوں میں گئے۔ میں اس خیال سے کہ کہیں دشمن موقع پا کر وار نہ کرے۔ میں بھی آپ کے پیچھے چلا گیا۔ آپ کافی ٹیلوں کے اردگرد پھرے۔ میرا پاؤں ایک جگہ ٹکرا گیا۔ آپ نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور پوچھا۔ کیا ہلال ہے؟

میں نے عرض کیا۔ ہاں قبلہ۔ آپ نے میرا بایاں ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا۔ ہلال میں چاہتا ہوں کہ اطمینان کر لوں۔ تاکہ کہیں دشمن ٹیلوں میں چھپے ہوئے نہ ہوں۔ اور کل جب ہم سامنے کی طرف سے مصروف ہوں۔ تو یہ عقب سے وار نہ کردیں۔

اطمینان کے بعد جب واپس آنے لگے تو راستہ میں مجھ سے فرمانے لگے۔

ہلال میری خواہش تھی کہ تو اس وقت رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اپنے بچوں میں نکل جاتا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ اگر میں اس وقت آپ کو چھوڑ جاؤں۔ بھلا مجھ جیسا بدنصیب بھی کوئی ہوگا؟ کہ فرزندِ رسولؐ کو نرغۂ اعداء میں تنہا چھوڑ کر اپنے گھر چلا جاؤں۔

انہی باتوں میں ہم خیام تک پہنچ گئے۔ آپ بنتِ زہراؑ کے خیمہ کے اندر چلے گئے۔ کافی دیر تک تو اندر سے

سے کوئی آواز نہ آئی۔ بعد میں دختر زہراؑ کے پیچھے گریہ کرنے اور پھر چند سوالات کی آوازیں میں نے سنی۔

بی بی نے کہا۔ حسینؑ! کیا میں کل تیری لاش دیکھ سکوں گی؟

کیا میں ان یتیم بچیوں اور بیوہ مستورات کو سنبھال لوں گی؟

کیا میں ان جوانوں کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھوں گی۔

کیا یہ ہاشمی چاند کل پیاسے خاک و خون میں نہا جائیں گے۔

بھیا! کیا آپ نے اپنے بچ رہنے والے ساتھیوں کو آزما لیا ہے؟

کیا یہ سب مکمل وفادار ہیں۔

ہلال کہتا ہے کہ میں نے جونہی یہ بات سنی میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور میں جلدی جلدی جناب حبیب کے خیمہ میں گیا۔ مجھے رات کے اس حصہ میں روتا دیکھ کر حبیب پریشان ہوا اور پوچھا۔

ہلال۔ کیا کوئی نیا واقعہ ہوا ہے؟

میں نے پورا واقعہ حبیب کو سنایا۔ حبیب فوراً اٹھا۔ تمام انصار کو جمع کیا۔ ان میں بنی ہاشم بھی تھے۔

حبیب نے بنی ہاشم سے کہا۔ تم سب واپس چلے جاؤ۔ مجھے غیر ہاشمیوں سے ایک بات کرنا ہے۔ تمام بنی ہاشم ایک طرف ہو گئے۔

حبیب نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھے ہلال نے یہ بات بتائی ہے کہ عقیلہ بنی ہاشم اور والدۂ مستورات آپ لوگوں سے مطمئن نہیں ہے۔ دختر ابن زہراؑ کو فکر ہے کہ کہیں   ہم لوگ کل جنگ کے وقت نواسہ رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر نہ چلے جائیں۔

تمام انصار نے یک زبان کہا۔

حبیب۔ اگر آقا اجازت دیں تو ہم اپنا سر ان کے قدموں پر اسی وقت رکھ کر اپنے ہاتھ سے قربان کر دینے کو تیار ہیں۔ یہ سر آل محمدؐ کا صدقہ ہیں۔ چاہیں تو اسی وقت لے لیں اور چاہیں کل لیں۔

بحار میں مروی ہے کہ شب عاشور وقت سحر امام حسینؑ نے کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر دیں۔ پھر آنکھیں کھول کر۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پڑھا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ قبلہ خیریت تو ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ مجھ پر کئی کتوں نے حملہ کیا ہے۔ اور ایک سفید و سیاہ کتا ہے جو سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر مجھ پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرا قاتل مبروص شخص ہو گا۔ کچھ دیر بعد مجھے اپنے چند صحابہ کے ساتھ میرا نانا ملے۔ اور انہوں نے فرمایا۔ حسینؑ ہم تیرے انتظار میں ہیں آج افطار ہمارے ہاں کرنا۔

ذرا جلدی کر اب دیر نہ کر۔ یہ ملک ہے جسے اللہ نے تیرا خون ایک شیشی میں لانے پر موکل کیا ہے۔

خواب کے ان دونوں واقعات سے میں سمجھتا ہوں کہ میرا اور میرے ساتھیوں کا وقت کوچ اب قریب تر ہو چکا ہے۔

یوم عاشور

صبح عاشورا

شیر الاحزان کے مطابق فرزند رسولؐ کے ساتھ بتیس شہسوار اور چالیس پیادے تھے۔ آپ نے اپنی مختصر سی سپاہ کو یوں مرتب کیا۔

جمعہ یوم عاشور ۶۱ ھ

زہیر ابن قین کو میمنہ کا سالار بنایا۔

حبیب ابن مظاہر کو میسرہ کا سالار مقرر کیا۔

قلب لشکر حضرت عباسؑ کے سپرد کیا اور علم بھی انہیں دیا۔

خیام کے سامنے حسینی سپاہ تیار ہوئی یعنی دختران الزہراؑ کے خیام حسینی سپاہ کی پشت پر تھے۔

دوسری طرف یزیدی مسلمان کے سالار اعلیٰ عمر ابن سعد نے جس کے لشکر کی تعداد ابو مخنف کے مطابق اسی ہزار تھی اپنے لشکر کو یوں مرتب کیا۔

میمنہ شمر کو دیا اور اسے بیس ہزار سوار دیا۔

میسرہ پر بیس ہزار سوار کے ساتھ خولی کو مقرر کیا۔

قلب لشکر پر بقیہ فوج کو متعین کیا

امام سجادؑ سے مروی ہے کہ جب فرزند رسولؐ نے اپنے اور اپنی مختصر سی فوج کو مرتب کر لیا تو دست دعا بلند کرکے یہ دعا مانگی۔

اللهم انت ثقتي في كل كرب، ورجائي في كل شدة، وانت لي في كل امر نزل بي ثقة وعدة، كم من كرب يضعف فيه الفؤاد وتقل فيه الحيلة ويخذل فيه الصديق ويشمت فيه العدو، انزلته بك وشكوته اليك رغبة مني اليك عمن سواك ففرجته وكشفته، وانت ولي كل نعمة وصاحب كل حسنة ومنتهى كل رغبة۔

اس کے بعد یزیدی مسلمانوں نے خیام قدسیت رسول اللہؐ کو گھوڑوں کے ذریعہ گھیرنا شروع کیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ فرزند رسولؐ نے تین طرف سے خندق کھود کر اس میں آگ جلا رکھی ہے اور صرف ایک طرف خالی ہے اور اسی طرف

قریب حسین ہے۔ تو شمر، غضب ناک ہو کر کہنے لگا۔

اے فرزندِ رسولؐ! کیا آخرت سے پہلے دنیا ہی میں آگ تاپنے کا انتظام کر لیا ہے؟

آپ نے اپنے افراد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا یہ شمر تو نہیں ہے۔

انہوں نے عرض کیا۔ قبلہ شمر ہی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ظالم، تو مرنے کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ آتشِ آخرت کس کا مقدر ہے۔ ویسے آتشِ آخرت تیرا ہی مقدر ہے۔

جناب مسلم ابن عوسجہ نے دیکھا کہ یہ تیر کی زد میں ہے، چلۂ کمان میں تیر چڑھا کر نشانہ لینے لگا۔

امام حسینؑ نے فرمایا: مسلم یہ کیا کر رہے ہو۔

مسلم نے عرض کیا۔ قبلہ! میرے تیر کی زد میں ہے۔ اجازت دے دیں اس دشمنِ خدا اور رسولؐ سے تو نجات حاصل کر لیں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ نہیں مسلم۔ ابتدا قطعاً ہماری طرف سے نہیں ہو گی۔

اسی اثناء میں عمر سعد اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ سوار ہو کر سپاہِ حسینؑ کے قریب آیا۔ امام حسینؑ نے بریر ابن خضیر سے فرمایا۔

بریر ان سے ایک مرتبہ پھر بات کرو۔

جناب بریر نے یزیدی مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اے لوگو! خاتم الانبیاء محمدؐ کی ذریت تمہارے سامنے ہے۔ دخترانِ مصطفیٰؐ ان خیام میں موجود ہیں۔ اور فرزندِ مصطفیٰؐ تمہاری دعوت پر آیا ہے۔ بتاؤ ان جنگی ارادوں سے تم کیا چاہتے ہو؟ اللہ سے ڈرو۔ اگر ان کی امداد نہیں کر سکتے تو کم از کم ان سے جنگ ترک کرو۔

ان لوگوں نے کہا۔ ہمارا صرف ایک مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم انہیں بہرصورت اپنے امیر ابن زیاد کے پیش کریں۔ وہ جو چاہے ان سے سلوک کرے۔

جناب بریر نے فرمایا۔ کیا تم ان کا یہ مطالبہ نہیں مانتے کہ ان کی راہ سے ہٹ جاؤ۔ تاکہ یہ لوگ جہاں سے آئے ہیں وہیں واپس چلے جائیں۔

اے اہلِ کوفہ! تم اپنے وہ خطوط بھول گئے ہو جو تم نے فرزندِ رسولؐ کو لکھے تھے۔ اور جن میں قسمیں کھا کھا کر وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنا خون آپ کے قدموں میں گرا دیں گے۔ تم وعدے اور قسمیں بھی بھول گئے ہو۔ جب فرزندِ رسولؐ تمہارے وعدوں اور قسموں پر اعتبار کر کے تمہارے پاس آگیا ہے تو اب تم ابن زیاد کے سپرد کرنا چاہتے ہو۔ تم نے دریائے فرات کا پانی تک ان سے روک دیا ہے۔ اللہ تمہیں یومِ قیامت پانی سے محروم رکھے۔ تم لوگوں نے ذریتِ رسولؐ

سے کتنا بدترین سلوک کیا ہے۔

چند لوگوں نے کہا۔ بریر ہمیں تو کچھ بھی معلوم نہیں ہے تو کیا کہہ رہا ہے۔

جناب بریر نے فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے متعلق میری بصیرت کو روشن کر دیا ہے۔ اے اللہ! میں ان لوگوں کے عمل سے اعلانِ برات کرتا ہوں۔

اے اللہ! انہیں ایک دوسرے سے مشغول فرما دے۔ اے اللہ! جب یہ لوگ تیرے حضور پیش ہوں تو تیرا غضب ان پر نازل ہو۔

ان لوگوں نے جناب بریر پر تیر اندازی شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر جناب بریر پیچھے ہٹ کر امام حسینؑ کے پاس آ گئے۔

امام حسینؑ خود آگے بڑھے اور یزیدی سپاہیوں کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھا۔ یہ لوگ سیلاب کی مانند آگے بڑھنے کو بے چین ہیں۔ عمر سعد سالے کوفہ کے درمیان کھڑا تھا۔

آپ نے فرمایا۔

اے اہل عراق! جلدی نہ کرو۔ میری بات سن لو۔ میں اپنا فرض ادا کر لوں۔ تمہارا ہر قسم کا عذر ختم کر دوں۔ اگر تم نے میرے ساتھ انصاف کیا تو تم سعادت مند کہلاؤ گے۔ اور اگر انصاف نہ کیا تو کم از کم معاملہ تمہارے سامنے پوشیدہ نہ رہے گا۔ پھر جو چاہو کرو۔ میرا ولی وہ اللہ ہے جس نے قرآن نازل کیا ہے۔ وہی ولی صالحین ہے۔ حمد و ثنائے الٰہی اور محمد و آل محمد پر درود کے بعد آپ نے فرمایا۔ اما بعد۔

دیکھو پہلے میرا نسب یاد کرو۔ پھر اپنے گریبان میں جھانکو اور سوچو کیا تمہارے لیے مجھ سے جنگ جائز ہے؟ کیا میری ہتک حرمت کا جواز ہے؟ کیا میں تمہارے رسولؐ اور رسولؐ کے وصی کا بیٹا نہیں ہوں۔ جس نے سب سے پہلے تصدیق رسولؐ کا شرف حاصل کیا۔ کیا حمزہ سید الشہداء میرا دادا نہیں ہے کیا جعفر طیار میرا چچا نہیں ہے؟ کیا تم نے حدیث رسولؐ نہیں سنی کہ حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔

اگر جو کچھ میں نے کہا۔ تم اس کی تصدیق کرتے ہو۔ اور یقیناً کرو گے کیونکہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں حق ہے۔ بخدا جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے آج تک جھوٹ نہیں بولا۔ اگر تم کو میری بات میں شک ہو تو تم میں ایسے افراد موجود ہیں۔ جنہوں نے اپنے کانوں سے نبی اکرمؐ سے سنا ہے اور اگر تم ان سے پوچھو تو وہ میری باتوں کی تصدیق ضرور کریں گے۔

اگر وہ تصدیق کر دیں۔ تو تمہارے لیے مجھ سے جنگ لڑنا جائز نہیں ہوگا۔

شمر نے کہا۔ حسینؑ تو جو کچھ بھی کہہ رہا ہے ہمارے پلے کچھ نہیں پڑ رہا۔

جناب حبیب نے فرمایا۔

شمر میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ حسین کہہ رہا ہے تو اس سے ناواقف ہے کیونکہ تو نے کبھی اسلام کو بطور دین کے محمد کو بطور نبی کے اور قرآن کو بطور کتاب خدا کے نہیں دیکھا۔

امام حسین نے فرمایا۔ اگر تمہیں اس میں شک ہو تو کم از کم اس بات کا تو تمہیں یقین ہے کہ اس وقت کرۂ ارض پر میرے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو نواسۂ رسول ہونے کا دعویٰ کر سکے۔

بھلا مجھے یہ بتاؤ کہ۔

کیا تم مجھ سے کسی ایسے قتل کا قصاص لینا چاہتے ہو جو میں نے کیا ہو۔

یا کیا میں نے کسی کا مال غصب کیا ہے۔ جس کا تم مجھ سے مطالبہ کرنے آئے ہو۔

یا میں نے کسی کو کوئی زخم لگایا ہے جس کا بدلہ چکانے آئے ہو۔

اس کے بعد آپ نے نام لے کر فرمایا۔

اے شبث ابن ربعی۔ اے حجار ابن ابجر۔ اے قیس ابن اشعث اے یزید ابن حارث کیا تم نے مجھے خط نہیں لکھے کہ میں کوفہ آؤں۔

قیس ابن اشعث نے کہا۔ اے فرزند رسول! پرانی باتیں بھول جائیں اب ابن زیاد کا حکم ماننا ہے تو ہم جنگ سے دست کش ہوتے ہیں ورنہ جنگ ناگزیر ہے۔

امام حسین نے فرمایا۔ ابن زیاد جیسے کی اطاعت وغلامی تو تم جیسے ہی کر سکتے ہیں۔ اے بندگان خدا! میں اپنے اور تمہارے رب کی، ہر متکبر اور ایسے جابر سے پناہ مانگتا ہوں جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

اس کے بعد آپ نے اپنی ناقہ کو بٹھایا اور عقبہ ابن سمعان کو حکم دیا کہ اسے باندھ دے

سبط ابن جوزی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس کے بعد یزیدی سپاہیوں نے آپ کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا جب فرزند رسول نے انہیں اپنے قریب تر ہوتے ہوئے دیکھا تو۔

آپ نے قرآن کریم کھول کر اپنے سر پر رکھا۔ اور فرمایا۔

اے لوگو! میرے اور تمہارے درمیان یہ کتاب خدا اور میرے نانا محمد مصطفیٰ ہیں۔ مجھے اتنا بتا دو کہ کس بنا پر تم میرا قتل جائز سمجھتے ہو؟

کیا میں تمہارے نبی کی اکلوتی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں۔ کیا تم نے اپنے نبی کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔

شمر نے کہا حسین! اب جنگ کے لیے تیار ہو جا۔ ان باتوں کو چھوڑ۔

امام حسین نے فرمایا۔ اللہ اکبر۔ مجھے میرے نانا نے خبر دے رکھی ہے کہ میرے اہل بیت کے خون میں ایک سفید و سیاہ کتا ملوث ہوگا۔ میرا خیال ہے تو ہی وہ ہے۔

پھر آپ نے فرمایا۔ عمر سعد کہاں ہے۔ اسے بلاؤ تاکہ میں اس سے ایک بات کروں۔ عمر سعد ناچاہتے ہوئے بے بسی سے آپ کے سامنے آیا۔

آپ نے فرمایا۔ اے فرزند سعد! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ ناجائز باپ کا ناجائز بچہ تجھے رے اور جرجان کی حکومت دے دے گا۔ بخدا ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میری بات یاد رکھنا۔ تجھے ایک دن کے لیے بھی یہ حکومت نصیب نہ ہوگی۔ میرے بعد تو ایک دن بھی چین سے نہ رہ سکے گا۔ نہ دنیا میں امن سے رہے گا۔ اور نہ آخرت میں تجھے سکون میسر آئے گا۔ میں اس وقت چشم امامت سے دیکھ رہا ہوں کہ تیرا سر کوفہ میں نیزہ پر سوار ہے جسے کوفہ کے بچے پتھر مار رہے ہیں۔

عمر یہ سن کر غصہ میں بھر گیا۔ امام حسینؑ سے منہ پھیر لیا۔ کمان میں تیر رکھا اور فرزند رسولؐ کی طرف تیر چلا کر اپنی فوج سے کہا۔

ابن زیاد کے سامنے گواہی دینا کہ فرزند رسولؐ پر پہلا تیر میں نے چلایا تھا۔ اور ہاں دیکھو اب دیر نہ کرو یہ مٹھی بھر افراد تمہارے سامنے زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ آگے بڑھو۔ ان کا کام تمام کر دو۔ تاکہ جلد از جلد فارغ ہو کر ہی اپنے گھروں کو جائیں۔

امام حسینؑ نے حکم دیا کہ میرے نبی اکرمؐ کا گھوڑا مرتجز لایا جائے۔ آپ مرتجز پر سوار ہوئے۔

امالی صدوق کے مطابق۔ ابن ابی جویریہ مزنی نے جب خیام آل محمدؐ کے گرد خندق اور اس میں آگ دیکھی تو تالی بجا کر کہنے لگا۔

اے کوفیو! مبارک ہو۔ امام حسینؑ نے دنیا میں ہی آگ کا انتظام کر لیا ہے۔

امام حسینؑ نے جب یہ بات سنی تو پوچھا۔ یہ کون ہے؟

انصار نے عرض کیا۔ قبلہ! ابن ابی جویریہ مزنی ہے۔

آپ نے دست دعا بلند کر کے فرمایا۔ بار الہا! اسے آخرت سے قبل دنیا ہی میں عذاب آتش سے دوچار فرما۔

ابن ابی جویریہ کا گھوڑا بدکا۔ اور یہ ملعون اسی خندق میں گرا اور جل کر راکھ ہو گیا۔

فوج یزید سے تمیم ابن حصین نے آگے بڑھ کر۔

امام حسینؑ کو مخاطب کیا۔ اور کہنے لگا۔

اے فرزند رسولؐ! دیکھ رہا ہے یہ آب فرات کتنا ٹھنڈا اور میٹھا ہے۔ لیکن یاد رکھو تمہیں یہ نہیں ملے گا اسی طرح موت ہی تمہارا نصیب ہے۔

امام حسینؑ نے یہ سن کر دست دعا بلند کر کے عرض کیا۔ بار الہا! اسے پیاسا ہی موت سے دوچار فرما۔

خداوند عالم نے دعائے فرزند رسولؐ قبول کی۔ اسے پیاس لگی۔ پانی پیتے پیتے تھک گیا۔ لیکن پیاس ختم نہ ہوئی

گھوڑے سے گرا اور پیر الجھ رہا۔ گھوڑے اسے کھلاتا ہوا لے گیا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں نے کچل کر رکھ دیا۔

اوبجر کا بھانجا محمد ابن اشعث آگے بڑھا اور کہنے لگا۔ اے حسین ابن فاطمہ! علاوہ دوسرے لوگوں کی نسبت وہ کونسی چیز ہے جو تجھ میں اضافی ہو اور دوسرے لوگوں میں نہ ہو۔

آپ نے فرمایا۔ قرآن کی اس آیت میں میرا امتیاز موجود ہے اور خاص نسبت ہے ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین ذریۃ بعضھا من بعض۔ محمد آل ابراہیم سے تھے۔ اور میں بھی آل محمد سے ہوں۔

اس خبیث نے کہا۔ یہ کون سی فضیلت ہے۔

امام حسین نے اپنے انصار سے فرمایا۔ یہ محمد ابن اشعث تو نہیں؟

انصار نے عرض کیا۔ قبلہ وہی ہے۔

آپ نے دست دعا بلند کر کے فرمایا۔ میرے اللہ! اسے ایسی ذلت سے دوچار فرما کہ یہ اس بھرے لشکر میں عبرت بن جائے۔

محمد کو پیشاب کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لشکر سے الگ پیشاب کرنے بیٹھا تو مقام مخصوص پر بچھو نے ڈس لیا۔ اسی درد میں مبتلا ہو کر برہنہ حالت میں واصل جہنم ہو گیا۔

امالی صدوق کے مطابق یزید ابن حسین ہمدانی نے عرض کیا۔ فرزند رسولؐ اجازت دیں میں بھی ان سے دو باتیں کر لوں۔ آپ نے اجازت دے دی۔

یہ آگے بڑھے اور فرمایا۔

اے لوگو! اللہ نے محمد کو اپنا نبی بنا کر اپنی مخلوق میں بھیجا اس محمد کے طفیل ہمارا قوم عالم میں سربلند ہے۔ اور یہ حسین اسی محمد کا بیٹا ہے۔ آج تم نے بہتے ہوئے دریا کے کنارے اسے پانی سے محروم کر رکھا ہے۔

یزیدی مسلمانوں نے کہا۔

اے فرزند حسین! یہ باتیں ہم بہت سن چکے ہیں۔ دریائے فرات یونہی بہتا رہے گا لیکن آج حسین اس کی ذریت اور اس کے انصار کو ایک قطرہ بھی اس سے نصیب نہ ہو گا۔

یہ سنکر امام حسین نے تلوار کا سہارا لیا اور یزید سے فرمایا۔ اب واپس آ جاؤ۔ یزید واپس ہوا۔ آپ خود آگے بڑھے اور فرمایا۔

میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے پہچانتے ہو کہ میں فاطمہ بنت محمد نبی کا بیٹا ہوں۔

سب نے کہا۔ پہچانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تمہیں اللہ کی قسم! کیا مجھے پہچانتے ہو کہ میں علی ابن ابی طالب کا بیٹا ہوں۔

سب نے کہا۔ ہم پہچانتے ہیں۔ آپ علیؑ کے بیٹے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

تمہیں اللہ کی قسم! یہ بتاؤ کہ اسلام کی خاتون اول خدیجہ بنت خویلد میری نانی ہے۔

سب نے کہا۔ ہم پہچانتے ہیں۔ آپ خدیجہ کے نواسے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

تمہیں اللہ کی قسم! یہ بتاؤ کہ کیا مجھے پہچانتے ہو کہ میں فاطمہ بنت اسد کا پوتا ہوں۔

سب نے کہا۔ پہچانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تمہیں اللہ کی قسم! کیا تمہیں معلوم ہے کہ سید الشہداء حمزہ میرے باپ کا چچا ہے!

سب نے کہا۔ پہچانتے ہیں کہ حمزہ آپ کے باپ کا چچا سید الشہداء ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تمہیں اللہ کی قسم! کیا مجھے پہچانتے ہو کہ جعفر طیار کا بھتیجا ہوں!

سب نے کہا۔ پہچانتے ہیں۔ جعفر طیار آپ کا چچا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ تمہیں اللہ کی قسم! سچ سچ بتاؤ۔ جو تلوار میں نے حمائل کر رکھی ہے یہی تلوار رسولؐ ہے!

سب نے کہا۔ ہم پہچانتے ہیں یہی تلوار رسولؐ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تمہیں اللہ کی قسم ہے میرے سر پر عمامہ دیکھ کر بتاؤ کہ کیا یہی وہ عمامہ نہیں جسے تم نے نبی اکرمؐ کے سر پر دیکھا تھا!

سب نے کہا۔ ہاں ہم پہچانتے ہیں یہ وہی نبوی عمامہ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تمہیں اللہ کی قسم! مجھے بتاؤ کہ میرا باپ علیؑ نہ تھا جو اول المسلمین تھا۔ علم میں محور صحابہ تھا اور حلم میں بے مثال تھا! ہر مومن اور مومنہ کا ولی تھا!

سب نے کہا۔ ہمیں معلوم ہے یہ تمام اوصاف آپ کے باپ میں تھے۔

آپ نے فرمایا۔ تمہیں اللہ کی قسم۔ کیا کفیل رسولؐ ابو طالب میرا دادا تھا!

سب نے کہا۔ ہمیں معلوم ہے آپ ابو طالب کے پوتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تمہیں اللہ کی قسم اب یہ بتاؤ کہ کس بنیاد پر میرے قتل کو جائز سمجھتے ہو۔ جب کہ تمہیں یقین ہے کہ کل روز محشر حوض کوثر میرے باپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور علم لوا میرا ہی باپ ہوگا۔

سب نے کہا۔ تمہیں! ہمیں یہ سب کچھ معلوم ہے۔ لیکن ہم اس وقت تک نہ تو تجھے ایک گھونٹ پانی دیں گے اور نہ ہی تیرے ساتھ جنگ سے دست بردار ہوں گے جب تک تو اطاعت ابن زیاد کا اعلان نہیں کرتا۔

آپ نے اپنا بایاں ہاتھ اپنی ریش مبارک پر رکھا، دایاں ہاتھ موڑے آسمان تک بلند کیا۔ اور فرمایا۔

لوگو! تمہیں معلوم ہے جب عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو فرزند خدا کہا۔ نصاریٰ پر غضب الٰہی نازل ہوا۔ جب یہودیوں نے جناب عزیر کو فرزند خدا کہا۔ غضب خدا یہودی قوم پر نازل ہوا۔ جب مجوسیوں نے آتش پرستی شروع کی غضب الٰہی ان پر نازل ہوا۔ اور نبی کو شہید کیا گیا اس وقت امت پر غضب خالق نازل ہوا۔ اور اب جب بلا جرم و خطا تم فرزند نبیؐ کے درپے قتل ہوئے صرف اس لیے کہ وہ ایک فاسق و فاجر کی اطاعت سے انکار کر رہا ہے تو غضب خدا تم پر نازل ہوگا۔

جب آپ نے یہ خطبہ دیا۔ آپ کی صدائے خطبہ خیام میں پہنچی تمام مخدراتِ عصمت نے گریہ شروع کیا اور رونے کی آواز خیام سے باہر تک آگئی۔

آپ نے جناب عباس اور ہم شکل نبی حضرت علی اکبر کو بھیجا۔ اور فرمایا۔ جاکر انہیں بتاؤ کہ ہماری زندگی تک نہ روئیں۔ انہیں بہت طویل عرصہ رونا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا۔ بخدا! جو کچھ تم چاہتے ہو۔ وہ میرے بس سے باہر ہے۔ میں اپنی خون آلودہ ریش کے ساتھ بارگاہ خالق میں پیش ہوں گا۔

ابن طاؤس نے لکھا ہے کہ اس خطبے کے بعد فرشتے، جنات کی طرف سے نصرت کی پیشکش کی گئی کہ اگر ملاقات خالق چاہو تو شہادت سامنے ہے اور اگر دشمنان دین کے خلاف نصرت کی ضرورت ہو تو وہ بھی حاضر ہے۔

امام حسینؑ نے ملاقات خالق کو نصرت پر ترجیح دی۔

انصار حسینؑ کی شہادت

فضائل جہاد:

امام صادقؑ نے نبی اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ صرف مجاہدین کے لیے مخصوص ہوگا۔ اس کا نام بھی باب المجاہدین ہے۔ اور تمام مجاہدین اسی دروازے سے داخل جنت ہوں گے ان کی تلواریں ان کے گلے میں حمائل ہوں گی۔

ملائکہ درِ جنت پر ان کے استقبال کی خاطر کھڑے ہوں گے۔ جو شخص جہاد سے کنی کترائے گا اللہ اس کے رزق میں تنگی اور دین سے بے نیازی سے دوچار کرے گا۔

وسائل میں امام باقرؑ سے مروی ہے کہ مجھے میرے بابا جناب سجادؑ نے اپنے بابا کے واسطے سے نبی اکرمؐ سے روایت سنائی ہے کہ سب سے زمین پر گرنے والے قطرات میں سے بارگاہ خالق میں عزیز ترین وہ قطرہ خون ہے جو جسم مجاہد سے گرتا ہے۔

وسائل ہی میں آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ شہید راہ خدا میں سات خصوصیات ایسے ہوتے ہیں جو کہ اور کسی میں نہیں ہوتے۔

۱۔ جسم شہید سے گرنے والے پہلے قطرہ خون سے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

۲۔ شہید کا سر دنیا ہی میں اپنی زوجہ حور العین کی آغوش میں ہوتا ہے۔ وہی اس کے چہرے سے غبار صاف کر کے شہید کو خوش آمدید کہتی ہے۔

۳۔ شہید کو قبر میں لباس جنت پہنا دیا جاتا ہے۔

۴۔ رضوان جنت، جنت سے ہر قسم کی خوشبو شہید کے پاس لے کر حاضر ہو جاتا ہے۔

۵۔ شہید قبل از پرواز روح دنیا میں ہی اپنی منزل جنت دیکھ لیتا ہے۔

۶۔ جنت میں روح شہید سے کہہ دیا جاتا ہے کہ جس جنت میں چاہے سکونت اختیار کرے۔

۷۔ شہید ایسی رحمت کے پاس مخصوص سایہ میں قیام کرتا ہے جس میں انبیاء ہوں گے۔

وسائل میں نبی کریمؐ سے مروی ہے کہ ہر نیکی کے اوپر دوسری نیکی ہوتی ہے۔ لیکن جب ایک شخص مقام شہادت حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس سے اوپر کوئی نیکی نہیں ہوتی۔

جب امام حسینؑ نے آخری مرتبہ اتمام حجت کر لیا۔ مرتجز پر سوار ہو گئے۔ ادھر عمر سعد نے پہلا تیر مارا۔ اس کے بعد یزیدی مسلمانوں کی طرف سے تیروں کی برسات شروع ہو گئی۔

امام حسینؑ نے اپنے انصار سے فرمایا۔

اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ اٹھو! اس موت حاصل کرو جو ہر زندہ کا آخری انجام ہے۔ یہ تیر آپ کے لیے دربار خالق میں حاضری کے پیغام ہیں۔

ہماری طرف سے اتمام حجت ہو چکا ہے۔ اور ان کی طرف سے ابتداء ہو چکی ہے اب ہمارے لیے صرف بارگاہ موت ہی کی راہ ہے۔

بحار کے مطابق یزیدی مسلمانوں کی اس پہلی تیر اندازی میں انصار فرزند رسولؐ میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچا جو تیر سے گھائل نہ ہوا ہو۔ یہ تیر اندازی اتنی شدید تھی کہ اسی میں پچاس انصار حسین واصل بحق ہو گئے۔

آمد جناب حرؓ

جب عمر سعد نے امام حسینؑ کی طرف سے صلح کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اور جنگ کو ضروری بنا دیا۔ اور حر نے دیکھ لیا کہ یہ لوگ نواسہ رسولؐ کے قتل سے کم پر راضی نہیں ہو رہے تو۔

حر نے عمر سعد سے پوچھا۔

کیا تو فرزند رسولؐ سے ضرور جنگ کرنا چاہتا ہے۔

عمر سعد نے کہا۔ ہاں خدا! ایسی جنگ جس کا کم از کم انجام یہ ہوگا کہ اس میں سر کٹ کر گریں گے اور ہاتھ اڑیں گے۔

حر نے کہا۔ حسینؑ نے تو ہر بات ایسی کی ہے جس میں مصالحت ہے تم اس کی کوئی بات بھی ماننے پر آمادہ نہیں ہو؟

عمر سعد نے کہا۔ اگر معاملہ میرے بس میں ہوتا تو کئی دن پہلے سے صلح ہو چکی ہوتی اور ہم بلا جنگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکے ہوتے۔ لیکن تجھے معلوم ہے کہ معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے ابن زیاد کے ہاتھ میں ہے۔ اور جس طرح تو ابن زیاد کے حکم سے فرزند رسولؐ کو گھیر کر لانے کا پابند تھا۔ اسی طرح میں بھی اب فرزند رسولؐ سے جنگ پر مجبور ہوں۔

عمر سعد کا یہ جواب سن کر حر لوگوں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ حر کے ساتھ قبیلہ حر سے قرہ ابن قیس نامی ایک شخص بھی تھا۔

حر نے قرہ سے پوچھا۔ کیا آج تو نے گھوڑے کو پانی پلا لیا ہے۔

قرہ نے کہا۔ نہیں۔

حر نے کہا۔ کیا تو گھوڑے کو پانی نہیں پلائے گا۔

قرہ کہتا ہے میں نے دیکھا حر انتہائی پریشان اور حیران تھا۔

میں نے حر کی گفتگو سے اندازہ لگایا کہ وہ اس جنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا نہیں چاہتا بلکہ ایک طرف ہٹ کر بیٹھ جانا چاہتا ہے۔

میں نے کہا۔ پہلے تو مجھے بھی خیال نہ تھا اب آپ نے یاد دلایا ہے تو پانی پلانے جاتا ہوں۔

ابو مخنف کے مطابق حر نے قرہ سے کہا۔

اے چچا زاد! وہ آواز کن رہا ہے؟

میں نے پوچھا۔ کونسی۔

حر نے کہا۔ فرزند رسولؐ کہہ رہا ہے ہے کوئی جو میری مدد کرے ہے کوئی جو دختران زہراؑ کے پردہ کا

مدد کرے۔

لیکن کوئی بھی نواسہ رسولؐ کی امداد نہیں کر رہا۔

میں نے کہا: یہ آواز تو سن رہا ہوں۔

حر نے کہا: تیرے دل میں یہ خیال نہیں آ رہا کہ اس وقت فرزند رسولؐ اس قابل ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔ اس نے جنگ ٹالنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ لیکن یزیدی مسلمانوں نے اس کی ہر مصالحانہ کوشش کو رد کر کے جنگ اس پر مسلط کر دی ہے۔ مجھے معلوم ہے یہ دنیا چند روزہ ہے۔ اس کی ہر نعمت فانی ہے۔ اگر ہم نے حسینؑ کا ساتھ دیا تو یقیناً ہم درجہ شہادت پر فائز ہو کر آخرت کی سعادت سے مشرف ہو جائیں گے۔

قرہ نے کہا: حر مجھے اس شہادت کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد حر وہاں سے چل کر اپنے بیٹے کے پاس آیا۔ اور اس سے کہا۔

بیٹے! میں آتش جہنم اور غضب الٰہی کی تاب نہ لا سکوں گا۔ اور نہ ہی میں اپنے نبیؐ کو زین کی مخالفت کا بوجھ برداشت کر سکتا ہوں۔

بیٹے نے عرض کیا۔ ابا جان! کوئی بھی یہ چیزیں برداشت نہیں کر سکتا۔

حر نے کہا۔ بیٹے، فرزند رسولؐ کو جب بلاوجہ اور بلا جرم و خطا قتل کیا جائے گا اور ہم اس قتل میں شریک ہوں گے تو بھلا ان چیزوں سے کیسے بچ سکتے ہیں۔

بیٹے نے عرض کیا۔ ابا جان! میں تو صرف آپ کی وجہ سے یہاں رکا ہوا ہوں ورنہ میں تو اس وقت سے نصرت حسینؑ کا ارادہ کر چکا ہوں۔ جب سے ابن زیاد نے فرزند رسولؐ سے اپنی اطاعت کا بھی مطالبہ کیا ہے۔

حر نے کہا۔ بیٹے پھر کیا خیال ہے، میرے ساتھ فرزند رسولؐ کے پاس چلو گے۔ تاکہ ان کے قدموں میں اپنا سر قربان کر کے نبی کریمؐ کے سامنے سرخرو ہو جائیں۔!

بیٹے نے عرض کیا۔ ابا جان! اگر آپ چلتے ہیں تو میرے لئے اس سے زیادہ اور خوش قسمتی کیا ہو گی۔ بسم اللہ ارشاد فرمائیے مطابق حر آہستہ آہستہ فوج فرزند رسولؐ کے قریب ہونے لگا۔

مہاجر ابن اوس نے کہا۔ حر کیا حملہ کرنا چاہتا ہے۔

حر نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔

حر کا جسم لرز رہا تھا۔

مہاجر نے کہا۔ حر آج مجھے مشکوک نظر آ رہا ہے۔ تجھ جیسے بہادر کو میں نے کبھی میدان جنگ میں اس طرح کانپتے نہیں دیکھا۔

حالانکہ اگر مجھ سے پورے کوفے کے متعلق پوچھا جائے کہ اس پورے کوفہ میں بہادر ترین شخص کون ہے تو میں تیرے علاوہ کسی کا نام نہ لوں

حر نے کہا۔ چاہے واقعات ایسے ہی ہیں۔ لیکن آج میں اپنے کو دو راہے پر کھڑا دیکھ رہا ہوں اور اس چیز نے مجھے حیران کر رکھا ہے۔ مجھ سے یہ فیصلہ نہیں ہو رہا کہ میں کیا کروں۔ اور مجھے فرزند رسولؐ کی طرف دائمی جنت اور عمر سعد کی طرف دائمی جہنم نظر آ رہی ہے۔ اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ان میں سے کس کا انتخاب کروں۔

یہ کہہ کر حر نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھے۔ اور گھوڑے کو ایڑ لگائی اور فوج مظلوم حسینؑ کی طرف نکل گیا۔

جب لشکر حسینؑ کے قریب آیا تو اس وقت حر یوں کہہ رہا تھا۔

اللھم الیک ابنت فتب علی فقد ارعبت قلوب اولیائك و اولاد بنت نبیك۔

اے اللہ میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں میری توبہ قبول فرما۔ میں نے تیرے اولیاء اور بنت رسولؐ کی اولاد کو بہت پریشان کیا ہے۔

جب لشکر حسینؑ میں پہنچ گیا۔ تو فرزند رسولؐ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

اے فرزند رسولؐ آپ کا وہ مجرم ہوں۔ جس نے آپ کی واپسی کو ناممکن بنایا۔

میں وہ بدنصیب ہوں۔ جس نے آپ کی راہ روکی۔

میں وہ سیاہ بخت ہوں۔ جس نے آپ کو حرم رسولؐ نہ جانے دیا۔

میں وہ تیرہ بخت ہوں جس نے آپ کو بے آب و گیاہ صحرا میں آنے پر مجبور کیا۔

مجھے تیری اس مظلومیت کی قسم! مجھے یہ خیال تک نہ تھا کہ یہ لوگ اس حد تک آگے بڑھ جائیں گے۔ اور آپ کی ہر مصالحانہ کوشش کو مسترد کریں گے۔

اگر مجھے سر مو بھی یہ گمان ہو جاتا کہ ان کا مقصد صرف اور صرف آپ کا قتل ہے تو کم از کم میں آپ کو یہاں آنے پر مجبور نہ کرتا۔

میں بارگاہ خالق۔ اور آپ کے حضور اپنے بہت بڑے جرم کی امید توبہ کر رہا ہوں۔ کیا میرے لیے بھی کوئی گنجائش ہے۔

فرزند رسولؐ نے فرمایا۔ حر کبھی تو نے دیکھا ہے کہ مجرم ہمارے پاس آیا ہو۔ ہم نے اسے مایوس کیا ہو۔ جب ہم اللہ کے نائبین ہو کر اتنی قلبی وسعت رکھتے ہیں۔ تو خود خالق کتنا کریم ہے اس کا اندازہ تو خود کر سکتا ہے۔ تو نے بروقت اقدام کیا ہے۔ اللہ یقیناً تیری توبہ قبول کرے گا۔ اب جب آ ہی گیا ہے تو گھوڑے سے اتر آ۔

حر نے عرض کیا۔ قبلہ! اگر میری توبہ قبول ہے تو پھر میرا گھوڑے پر سوار رہنا اترنے کی نسبت زیادہ بہتر ہے میں درخواست کروں گا کہ آپ مجھے اجازت دیں۔ تاکہ میری توبہ کا عرق ندامت خشک ہونے سے قبل ہی میں عملاً ثبوت توبہ پیش کر دوں۔

فخر الاحزان میں ابن نما نے روایت کی ہے کہ اس کے بعد حر نے عرض کی۔ قبلہ جب میں ایک ہزار کا سالار بن کر آپ کی راہ روکنے کی خاطر گھر سے نکلا تو میرے عقب سے ایک آواز آئی

ابشر یا حر بخیر۔ اے حر تجھے جنت کی بشارت ہو۔

میں نے ہر طرف دیکھا لیکن مجھے کوئی آواز دینے والا نظر نہ آیا۔ میں حیران رہ گیا کہ میں تو فرزند رسولؐ کے مقابلے میں جا رہا ہوں اور جنت کی بشارت کیسی! یہ بات اس دن سے رات تک میں سوچتا رہا۔ اب مجھے سمجھ آ رہی ہے کہ جنت کی بشارت حق تھی۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق اس کے بعد حر نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔ بیٹا آگے بڑھ اور میرے سامنے فرزند رسولؐ پر اپنی جان قربان کر دے۔

حر کے بیٹے نے حملہ کیا۔ ستر یزیدیوں کو فی النار کر کے شہادت حاصل کی۔ حر یہ دیکھ کر فرط مسرت سے جھوم اٹھا اور بیٹے سے کہا۔

الحمد للہ الذی رزقک الشہادۃ بین یدی مولانا الحسین۔ اس اللہ کی حمد ہے جس نے تجھے آقا حسین کے قدموں میں شہادت سے نوازا ہے۔

اس کے بعد حر نے فرزند رسولؐ سے اجازت مانگی۔ جب اجازت مل گئی تو یزیدی مسلمانوں کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا۔

تمہاری مائیں تمہارے ماتم میں بیٹھیں۔ تم نے اس نبی زادے اور اللہ کے اس نیک بندے کو قسمیں کھا کھا کر بلایا۔ تم نے اس سے وعدہ کیا کہ ہم اپنا سر آپ کے قدموں میں قربان کریں گے۔ اب جب وہ آ گیا۔ تو تم نے اسے تنہا چھوڑ دیا۔ اس کے قتل کی خاطر اب سوار اور پیادہ بن کر جمع ہو گئے ہو۔ ہر طرف سے اسے گھیر لیا ہے۔ اسے نہ اپنے گھر واپس جانے دیتے ہو اور نہ کسی دوسری جگہ جانے دیتے ہو۔ تم نے اسے گھیر کر اپنا قیدی بنا لیا ہے۔ اور وہ آب فرات جس سے یہودی۔ مجوسی۔ نصرانی اور جنگل کا ہر حیوان پی رہا ہے۔ فرزند رسولؐ کے لیے بند کر رکھا ہے۔ جب کہ ان کے ساتھ ذریت رسول کی مخدرات عفت اور کمسن بچے بھی ہیں۔ آل محمدؐ کا ہر ذی روح پیاس سے جاں بلب ہے۔ بخدا! کسی نبی کی امت نے اپنے نبی کی ذریت سے ایسی بدسلوکی نہیں کی جو تم کر رہے ہو۔ اللہ تمہیں قیامت کے دن سیراب نہ کرے۔

جواب میں یزیدی مسلمانوں نے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ جناب حر واپس امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

امام حسینؑ نے اپنے انصار سے فرمایا۔ ان سے مبارزہ طلبی کرو۔

چنانچہ انصار نے مبارزہ طلبی کی۔

زیاد کا غلام یسار میدان میں آیا۔ اس کے مقابلہ میں فوج حسینؑ سے عبداللہ ابن عمیر باہر آیا۔

یسار نے کہا۔ آپ کون ہیں اپنا نسب بتائیں۔

جناب عبداللہ نے اپنا نسب بتایا۔

یسار نے کہا۔ میں آپ کو نہیں پہچانتا میرے مقابلہ میں زہیر یا حبیب کو بھیجو۔

جناب عبداللہ نے کہا۔ اے نا تحقیق لطفے! بھلا تو بھی اس قابل ہے کہ اپنے مد مقابل کا انتخاب کرے۔ یہ کہہ کر اس پر تلوار سے وار کیا۔ یہ گھوڑے سے گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔ آپ اسی میں مشغول تھے کہ جناب عبداللہ پر ابن زیاد کے غلام سالم نے حملہ کر دیا۔

انصار حسینؑ نے پکار کر کہا۔ اے ابن عمیر اس غلام نے اچانک حملہ کر دیا ہے۔ ذرا بچ کے رہنا۔ جناب عبداللہ نے اس کا وار روکنے کی خاطر اپنا ہاتھ سامنے کیا۔ اس سے آپ کی انگلی کٹ گئی۔ پھر آپ نے اسے واصل جہنم کر دیا۔

عمرو ابن حجاج زبیدی جو یزیدی فوج کے میمنہ پر تھا نے فرزند رسولؐ کے میمنہ پر حملہ کیا۔ انصار حسینؑ نے ان لوگوں کو اپنے قریب آنے دیا۔ جب بالکل قریب آ گئے تو انہوں نے گھوڑوں کے سامنے نیزے کر دیئے۔ نیزوں کی بدولت گھوڑے آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے کو ہٹنے لگے جب گھوڑے پیچھے کو ہٹے تو انصار حسینؑ نے تیر اندازی شروع کر دی۔

بحار میں محمد ابن ابوطالب سے مروی ہے کہ جناب حر نے فرزند رسولؐ کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی تھی۔

چونکہ سب سے پہلے میں نے ہی جسارت اور گستاخی کی ہے اس لیے میری خواہش ہے کہ مبارزہ طلبی کرنے والوں میں سے سب سے پہلے اذن جنگ مجھے ہی کو دیا جائے۔ تاکہ آپ کے جد امجد سے ملاقات کر کے اپنے گناہ کی معافی مانگ لوں۔

جب جناب حر فوج یزید سے نکل کر فرزند رسولؐ کے ساتھ آ ملے تو فوج یزید کے ایک سالار یزید ابن سفیان تمیمی نے کہا۔

اگر حر مجھے مل جائے تو میں اسے اپنے نیزہ کا مزہ چکھا دوں

جب جناب حر جنگ کر رہے تھے، آپ کے گھوڑے کی کان اور آنکھیں تلک زخمی ہو چکی تھیں۔ فرزند رسولؐ کے سامنے یزید آگیا۔

آپ نے فرمایا، یزید تیری خواہش تھی کہ اگر حر مل جاتا تو اسے نیزے سے درجہ شہادت دیتا۔ وہ دیکھ حر تیرے سامنے ہے۔ یزید یہ سن کر صف میں پھر گیا اور جناب حر پر حملہ آور ہوا جناب حر نے اسے واصل جہنم کیا۔ پھر خود بھی چالیس سواروں کو واصل جہنم کر کے جام شہادت نوش فرمایا۔

انصار حسینؑ لاشہ حر کا تھا کہ امام حسینؑ کے سامنے لائے۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے غبار صاف کیا اور فرمایا۔

انت الحر کما سمتك امك انت الحر فی الدنیا انت الحر فی الاخرة۔	آپ کی ماں نے آپ کا نام درست رکھا تھا۔ تو دنیا میں بھی حر تھا اور آخرت میں بھی حر ہی رہے گا۔

پھر آپ نے لاشہ حر پر یہ مرثیہ پڑھا۔

(۱) لنعم الحر حر بنی ریاح صبور عند مختلف الرماح	(۱) بنی ریاح سے حر ہی بہترین حر تھا جو نیزوں کی بوچھاڑ میں صابر تھا۔
(۲) ونعم الحر اذ نادی حسینا فجاد بنفسه عند الصباح۔	(۲) جب فرزند رسولؐ نے صدا دی تو حر نے لبیک کہی اور صبح اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

تمام مورخین نے لکھا ہے کہ انصار امام حسینؑ میں سے جو بھی میدان جنگ میں جاتا تھا۔ فرزند رسولؐ سے اجازت لے کر اور الوداع کر کے ہی جاتا تھا۔ فرزند رسولؐ جانے والے مجاہد کے سلام کا جواب دے کر اس آیت کی تلاوت کرتے تھے۔

نحن خلفك۔ بسم اللہ قدم بڑھاؤ ہم آپ کے پیچھے ہیں۔
اس کے بعد آپ اس آیت کی تلاوت فرماتے۔

فمنھم من قضی نحبه ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا۔	کچھ تو ایسے ہیں جو اپنی باری بھگت چکے ہیں۔ کچھ باری کے انتظار میں ہیں۔ ان لوگوں نے دین میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی۔

انصار فرزند رسولؐ میں سے پچاس تو یزیدیوں کے پہلے حملہ میں شہید ہو گئے تھے۔ جو بعد میں جنگ کر کے شہید ہونے والوں میں سے پہلا جناب حر تھا۔

۲۔ بریر ابن خضیر ہمدانی:۔

جناب حر کے بعد جناب بریر میدان جنگ میں آئے۔ اہل کوفہ میں جناب بریر قاری کوفہ کے نام سے معروف تھے۔

ان کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی ان کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ یہ اپنے گھوڑے کو جولان دے کر فرمانے لگے۔

اے مومنین کے قاتلو، ادھر میرے قریب تو آؤ۔

اے اصحاب بدر کی اولاد کے قاتلو! میرے قریب آؤ۔

اے ذریت رسول عالمین کے قاتلو! میرے قریب آؤ۔

اس جولان میں آپ نے تیس سوار واصل جہنم کیے۔ فوج یزید میں سے یزید ابن معقل نامی شخص نے آگے بڑھ کر کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو گمراہ کنندگان میں سے ہے۔

جناب بریر نے فرمایا۔ اگر ایسی بات ہے تو آ مباہلہ کر لیتے ہیں۔ ہم میں سے جو جھوٹا ہے اس پر اللہ لعنت کرے اور ہم میں سے جو حق پر ہے وہ باطل نواز کو قتل کر دے۔

دونوں میں مقابلہ ہوا۔ پہلا وار یزید نے کیا۔ جناب بریر نے اسے روکا۔ دوسرا وار جناب بریر نے کیا۔ جو یزید کے سر میں شگاف کر کے دماغ تک پہنچا۔ اور وہ واصل جہنم ہو گیا۔

یزیدی فوج میں سے کعب ابن اوس نے جناب بریر پر حملہ کر کے آپ کو شہید کیا۔ پہلے تو اس نے بڑا فخر کیا بعد میں بحیر کے چچا زاد نے جب اسے یاد دلایا کہ ظالم تو نے قاری کوفہ اور اپنے استاد کو قتل کیا ہے۔ اور اب فخر کر رہا ہے۔ اسے جب اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ پشیمان ہوا اور پھر اپنی پشیمانی کا اظہار اشعار میں کیا۔ اور پوری زندگی جناب بریر کے شہید کرنے پر کف افسوس ملتا رہا۔

۳۔ وہب ابن عبداللہ کلبی:۔

وہب مذہباً عیسائی تھا۔ اپنی ماں اور بیوی کے ساتھ سسرال سے آ رہا تھا دوران سفر امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے وہب کو معجزہ دکھایا۔ وہب نے صداقت اسلام کو دیکھ کر امام حسینؑ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور آپ کے ساتھ رہا۔

یوم عاشور وہب کی ماں جس کا نام قمر تھا نے کہا۔ بیٹے! دیکھ نہیں رہا کہ فرزند رسول پر ہر ایک شخص قربانیاں پیش کر رہا ہے تو کب تک کھڑا دیکھتا رہے گا۔

وہب نے عرض کیا۔ ماں! انشاء اللہ آپ کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ جیسے ہی اجازت ملتی ہے۔ میں میدان میں چلا جاؤں گا۔

جناب بریر کے بعد فرزند رسولؐ نے جناب وہب کو اجازت دی۔ اس خوش نصیب نے چوبیس شہسوار اور بارہ پیدل یزیدی واصل جہنم کیے۔ خود گرفتار ہوگیا۔

جب عمر سعد کے پیش کیا گیا تو اس نے کہا۔

اے وہب تیرا حملہ بڑا جاندار ہوتا تھا اب بتا کیا سزا دوں۔

وہب نے کہا۔ اگر تین دن کی پیاس نہ ہوتی تو پتہ چلتا۔ بہر صورت اب بھی مجھے افسوس نہیں ہے کیونکہ میرے ہی نہیں جانے سے ایک گھر میں ماتم ہوگا۔ اور میں نے کم از کم چوبیس گھروں کو ماتمی کیا ہے۔

عمر سعد نے جلاد کو حکم دیا۔ جلاد نے جناب وہب کا سر قلم کر دیا۔

عمر کے حکم سے جلاد نے جناب وہب کا سر ان کی ماں کے سامنے ڈال دیا۔ اس مخدومہ نے سر گود میں لیا پھر بوسہ دیا اور ایک یزیدی پر سر سے حملہ کر کے اسے واصل جہنم کر دیا۔

پھر خیمہ کی چوب لی اور یزیدیوں پر حملہ کر دیا۔ فرزند رسولؐ نے فرمایا۔

اے قمر! اللہ آپ کو میری طرف سے جزائے خیر دے۔ واپس پلٹ آؤ عورتوں پر جہاد نہیں ہے۔ اتنی دیر میں یہ مخدومہ دو یزیدیوں کو واصل جہنم کر چکی تھیں۔ بحکم امام سنکر واپس آگئیں۔

زوجہ جناب وہب نے سر اٹھا کر اپنی گود میں لیا اور غبار صاف کر رہی تھی کہ شمر نے اپنے ایک غلام کو بھیجا جس نے ایک ہی وار سے اس مخدومہ کو شہید کر دیا۔ میدان کربلا میں پہلی خاتون شہیدہ زوجہ وہب ہی ہے۔

۴۔ عمرو ابن خالد ازدی:

جناب وہب کے بعد عمرو ابن خالد ازدی کو اذن ملا۔ انہوں نے بھی کافی سے زیادہ یزیدیوں کو واصل جہنم کر کے مقام شہادت حاصل کیا۔

۵۔ خالد ابن عمرو ازدی:

عمرو کے بعد ان کے بیٹے خالد نے اذن جہاد مانگا۔ متعدد تعداد کو واصل جہنم کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔

۶۔ عمیر ابن عبداللہ مذحجی ۔

عمیر ابن عبداللہ نے رجز خوانی کرتے ہوئے فوج یزید پر حملہ کیا۔ بہت سے یزیدیوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد مسلم ضبابی اور عبداللہ بجلی کے ہاتھوں واصل بحق ہوئے۔

۷۔ مسلم ابن عوسجہ ۔

عمیر کے بعد جناب مسلم ابن عوسجہ میدان میں آئے۔ رجز خوانی کی مبارز طلبی کی۔ لیکن مقابلہ پر کوئی نہ آیا۔ حملہ کیا یزیدیوں کی تعداد کثیر کو جہنم رسید کر کے زین سے زمین پر آئے۔ جناب سید الشہداء اور حبیب ابن مظاہر یک وقت پہنچے مظلوم کربلا نے مسلم کے چہرے سے غبار صاف کیا۔ اور فرمایا۔ مسلم اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ اور ہم بھی ساتھ آرہے ہیں۔

آپ ایک طرف ہوئے تو جناب حبیب نے آگے بڑھ کر جناب مسلم کا سر گود میں لیا اور کہا۔
مسلم میرے بھیا تجھے اس حالت میں تڑپتے دیکھنا انتہائی شاق ہے اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ میں بھی تیرے بعد آرہا ہوں تو تجھ سے تیری وصیت کے بارے پوچھتا اور تیری ہر وصیت پورا کرتا اگرچہ یہاں ہم پھر بھی اگر تو کوئی وصیت کرے تو میں اسے پورا کرنا سعادت سمجھوں گا۔

جناب مسلم نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا۔ حبیب اوصیک بھذا الرجل۔ حبیب میں تجھے فرزند زہراؑ کی وصیت کرتا ہوں اسے تنہا نہ چھوڑنا۔ ان کے قدموں پر قربان ہونا۔
جناب حبیب نے فرمایا مسلم۔ تجھے اس سلسلہ میں مطمئن ہو کر جانا چاہیے اور میری طرف سے تجھے کبھی مایوسی نہ ہوگی۔

اس کے بعد روح مسلم قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔
جناب مسلم کی ایک کنیز نے یوں فریاد کیا۔ یا سیداہ یا ابن عوسجاہ۔
یہ نوحہ سن کر یزیدی فوج خوشی سے تالیاں بجا کر کہنے لگی۔ ہم نے ابن عوسجہ کو قتل کر دیا ہے۔
شبث ابن ربعی نے انہیں جھڑک کر کہا۔ ظالمو حیا کرو۔ مسلم جیسے شخص کے قتل پر فخر کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے بخدا میں نے زندگی بھر کبھی مسلم کو شکست کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور اس کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ جنگ قادسیہ میں اسلامی سپاہ ابھی تک تیار ہو رہی تھی کہ مسلم نے چھ مشرکین کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا بڑے دکھ میں مسلم جیسا کریم شخص دنیا سے جا رہا ہے۔

۸- ہلال ابن نافع بجلی :-

جناب مسلم کے بعد ہلال ابن نافع بجلی میدان میں آئے۔ اور رجز پڑھا۔ مقابلہ میں مزاحم ابن حریث آیا اس نے رجز میں اپنے دین کا اعلان کیا۔ کہ میرا دین یہ ہے۔ کیونکہ ہلال نے اپنے رجز میں یہ کہا تھا۔ کہ میں دین احمد نبی پر ہوں۔

جواب میں مزاحم نے دین احمد کے مقابلہ دین یزید کا نام لیا۔ اور ہلال پر حملہ کیا۔ ہلال نے اس کا حملہ روک کر جوابی حملہ کیا اور اسے واصل جہنم کر دیا۔

یہ دیکھ کر عمرو ابن حجاج نے چیخ کر کہا۔

اے احمقو! تمہیں معلوم ہے کہ کس سے جنگ ہے۔ اگر ایک ایک جاتے رہے ہو گے تو سب کے سب مارے جاؤ گے۔ یہ سب جان بیچ کر میدان میں آئے ہیں۔ موت ان کی تمنا ہے اور جو مرنے کی خاطر لڑتے ہیں ان کے ہاتھوں سے بچ نکلنا ممکن نہیں ہوتا۔

یہ کہہ کر عمرو ابن حجاج سپاہ ظلوم کربلا کے قریب آیا۔ اور فوج یزید سے کہنے لگا۔ اے یزیدیو! آگے بڑھو اپنے امام کے مخالفین کے قتل میں کسی قسم کا شک نہ کرو۔ تم اپنے دین پر قائم ہو۔

امام حسین نے فرمایا۔ اے ابن حجاج کل میدان محشر میں پتہ چل جائے گا کہ دین پر ثابت قدم کون تھا۔

عمرو ابن حجاج نے فرزند رسولؐ کے میمنہ پر حملہ کر دیا۔ لیکن اس قلیل فوج کے قدم نہ اکھڑ سکے ایک گھنٹہ کے اس حملہ سے جب عمرو پیچھے ہٹا اور غبار چھٹا تو اسے فوج حسینی میں صرف چند افراد زخمی نظر آئے جب کہ اس کی اپنی فوج کی لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔

اس کے بعد شمر نے میسرہ پر حملہ کیا۔ میسرہ میں صرف بتیس سوار باقی تھے شمر کا بیس ہزار کا لشکر ان تیس جانبازوں کے قدم نہ اکھاڑ سکا۔

آخر کار عمر سعد نے تیر اندازوں سے کہا کہ تم ان کے گھوڑوں کو تیر اندازی کا نشانہ بناؤ۔ کئی ہزار تیر اندازوں نے یک وقت تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی تیروں کی اس برسات میں تمام گھوڑے کام آ گئے۔ اور حسینی سپاہی پیدل ہو گئے۔

عمر سعد نے حکم دیا کہ ان کے سامان کو آگ لگا دو۔

انصار حسینؑ نے اپنے سامان کے تحفظ کی طرف توجہ کی۔ تو امام حسین نے فرمایا۔ اللہ آپ پر رحم کرے۔ کس سے تحفظ کرتے ہو۔ انہیں جلانے دو۔ ان کی لگائی ہوئی آگ خود تمہارا تحفظ کرے گی۔ اور یہ لوگ تم تک نہ پہنچ پائیں گے۔ آگ لگانے دو۔

جب انصار حسین کے سامان کو آگ لگا دی گئی۔ تو اس تدبیر سے سپاہ یزید خود محصور ہو گئی۔ اب ان کے لیے آگے بڑھنے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔

پھر ہر طرف سے حملہ شروع ہو گیا۔ لیکن ان لوگوں کی جلائی گئی آگ کی وجہ سے وہ صرف ایک طرف سے حملہ کرنے پر مجبور تھے۔

امام حسین کے انصار میں سے ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کرنے لگے۔ چونکہ ان کی تعداد میں نمایاں فرق تھا۔

اس لیے اگر لشکر حسین میں سے ایک بھی کم ہوتا تھا تو اس کی کمی محسوس کی جاتی تھی لیکن فوج یزید سے سو بھی داخل جہنم ہوتے تھے۔ تو ان کی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔

جب ان ملاعین کا گھیرا اور تنگ ہو گیا۔ تو ابو ثمامہ صیداوی نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ قبلہ ان لوگوں کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ جب تک ہمارے جسم میں روح ہے اس وقت تک یہ لوگ آپ کے قریب نہ آسکیں گے میرا دل چاہتا تھا کہ آج کی آخری نماز آپ کی اقتداء میں پڑھ کر دربار خالق میں پیش ہوں۔

آپ نے سوئے آسمان دیکھا۔ اور فرمایا۔ تو نے نماز یاد کی ہے اللہ تجھے نمازیوں سے محشور کرے۔ یہ نماز کا اول وقت ہے۔

ان سے مہلت مانگو تا کہ ہمیں نماز پڑھ لیں۔

جناب حبیب نے نماز کا وقفہ کرنے کی رخصت مانگی۔

حصین ابن نمیر نے کہا۔ بھلا تمہاری نماز بھی قبول ہو گی۔

جناب حبیب نے فرمایا۔ اے فاجرہ ماں کے بیٹے! فرزند رسولؐ کی نماز قبول نہیں ہو گی۔ تو تیری قبول ہو گی۔ حصین نے آپ پر حملہ کر دیا۔ جناب حبیب نے حصین کے گھوڑے کے منہ پر وار کیا۔ گھوڑا بدک گیا۔ حصین گر گیا۔

حصین کے سپاہیوں نے آکر اسے اٹھا لیا۔

فرزند رسول نے زہیر ابن قین اور سعید ابن عبداللہ سے فرمایا۔ تم میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ تا کہ میں نماز ادا کروں۔ یہ دونوں کھڑے ہو کر تیروں کو اپنے جسم پر لینے لگے۔ فرزند رسول نے نماز خوف ادا کی۔ جب آپ نے سلام پڑھا۔ تو سعید ابن عبداللہ نیزوں، تلواروں کے علاوہ تیرہ تیر سینہ پر کھا کر آپ کی آغوش میں آگرا۔ دم توڑتے ہوئے عرض کیا۔

یا بن رسول اللہ هل وفیت ۔ اے فرزند رسول! کیا میں نے وفا کی ہے۔

آپ نے جھک کر سعید کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا۔ سعید اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ میرا نانا اور میرا بابا تیرے

استقبال کی خاطر موجود ہیں۔

جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے آگے بڑھو۔ اور حرم رسول کا دفاع کرو۔

۹۔ عبدالرحمن ابن عبداللہ مزنی :۔

جب فوج یزید اپنے ان تین پے در پے حملوں میں بھی اس پیاسی فوج کو ختم نہ کر سکی۔ اور نماز کی اجازت نہ دی۔ پھر یہ بھی دیکھ لیا کہ فرزند رسولؐ نے بھاری مزاحمت کے باوجود نماز ادا کر لی ہے۔ تو اپنی فوج کو تازہ دم کرنے کی خاطر کچھ دیر کے لیے پیچھے ہٹ گئے۔ اس دوران جناب عبدالرحمن ابن عبداللہ مزنی رجز خوانی کرتے ہوئے میدان میں آکر مبارز طلبی کی۔ مقابلہ میں کوئی بھی نہ آیا۔ آپ نے حملہ کر دیا۔ لاتعداد یزیدیوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔

۱۰۔ عمرو ابن قرظہ انصاری :۔

جناب عبدالرحمن کے بعد عمرو ابن قرظہ انصاری میدان میں آئے۔ فوج یزید کی طرف سے نیزہ زنی اور تیر اندازی شروع ہو گئی۔ اس نے جو کمی لڑائی لڑ کر اپنے جسم کو فرزند رسولؐ کی ڈھال بنا دیا۔ جو تیر آیا اس نے اپنے جسم پر لیا۔ جو نیزہ آیا اس نے اپنے جسم پر لیا۔ حتیٰ کہ زخموں سے چھلنی ہو کر زمین پر گرا۔ اور عرض کیا۔

اے فرزند رسولؐ! میری قربانی قبول ہے؟

آپ نے فرمایا اے عمرو تیری قربانی دنیا میں تاریخ کا حصہ اور آخرت میں قابل رشک رہے گی۔ بسم اللہ جنت تیری منتظر ہے نانا کو سلام عرض کرنا اور بتا دینا کہ ہم بھی آیا ہی چاہتے ہیں۔

عمرو نیا جذبہ لے کر ایک مرتبہ پھر اپنے قدموں پر کھڑا ہوا۔ اور مصروف جہاد ہو گیا۔ بے شمار یزیدیوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد آغوش شہادت میں سکون سے سو گیا۔

۱۱۔ جون حبشی :۔

عمرو کے بعد جون اجازت کی خاطر سامنے آیا اور اذن جہاد مانگا۔

فرزند رسولؐ نے فرمایا جون تو ہمارے ہاں سکون کی خاطر آیا تھا۔ ہماری اس آزمائش میں اپنے کو نہ ڈال تجھے میری طرف سے اجازت ہے جہاں جانا چاہے جا۔ بچا کر چلا جا۔ تجھے کوئی بھی کچھ نہیں کہے گا۔

جون نے آنسو بہا کر عرض کیا۔ قبلہ جاہلیت اور غیرت اسی کا نام ہے کہ خوشحالی میں آپ کی کاسہ لیسی کروں اور

مصیبت کے وقت آپ کو چھوڑ کر جان بچا جاؤں۔ میرے آقا! میں جانتا ہوں، میرے پسینہ سے بو آتی ہے۔ اور نسباً میں غلام ہوں۔ اور میرا رنگ بھی کالا ہے۔ شاید آپ یہ گوارا نہیں فرماتے کہ میرا سیاہ خون آپ کے مقدس خون میں مل جائے۔ یا آپ کے حسین لاشوں میں میرا سیاہ جسم پڑا ہو۔ اور آپ کے خوشبودار جسموں میں میرا یہ بدبودار جسم شامل ہو۔

میری درخواست ہے آپ مجھے جنت سے محروم نہ کریں مجھے اجازت دیں تاکہ میرے پسینہ کی بدبو جنت کی خوشبوؤں میں تحلیل ہو جائے۔ میرے کردار کی بلندی میرے نسب کی پستی پر چھا جائے۔ میرا کالا رنگ جنت کی فضاؤں میں گورا ہو جائے اور میرا سیاہ خون اسی مٹی میں مل جائے جس میں آپ کا نورانی خون شامل ہو رہا ہے۔

امام حسینؑ نے اٹھ کر جون کو گلے لگایا۔ اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور فرمایا۔ جون دل چھوٹا نہ کر۔ تیری زندگی شاہد ہے کہ ہم نے کبھی تجھ سے تیرے رنگ، نسب اور پسینہ کی بو کے پیش نظر کوئی سلوک نہیں کیا۔ تیرا دل منور ہے تیری فکر روشن ہے۔ اور تیرا کردار شاندار ہے۔ جا۔ بسم اللہ۔ اللہ تیرے پسینہ کو معطر، تیرے رنگ کو منور۔ اور تیرے نسب کو اعلیٰ فرمائے گا۔

جون فرط مسرت سے جھوم اٹھا۔ فرزند رسولؐ کے قدموں میں جھک کر بوسہ دیا۔ اور میدان جہاد میں آیا، رجز خوانی کی۔ اور فوج یزید پر حملہ کر دیا۔

یزیدی ملاعین کی بھی خاصی تعداد کو واصل جہنم کرنے کے بعد راہی جنت ہوا۔

فرزند رسولؐ نے جون کی لاش پر کھڑے ہو کر ایک مرتبہ پھر دست دعا بلند کیے اور عرض کی۔ بارالہا۔ جون کا چہرہ سفید کر دے۔ جون کے جسم کو خوشبودار بنا دے۔ جون کو زمرہ ابرار سے محشور فرما۔ جون کو قیامت کے دن آل محمدؐ سے متعارف فرما۔

امام باقرؑ سے مروی ہے کہ جون کی لاش دس روز بعد ملی تھی۔ اس سے کستوری کی طرح خوشبو مہک رہی تھی۔

۱۲۔ عمرو ابن خالد صیداوی۔

جون کے بعد عمرو ابن خالد صیداوی فرزند رسولؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کی، قبلہ! ایک طرف بچھڑ جانے والے ساتھیوں کی کشش کہتی ہے کہ جلد از جلد ان سے جا ملوں اور دوسری طرف آپ کی تنہائی کہتی ہے کہ کیسے فرزند رسولؐ کو نرغہ اعداء میں اکیلا چھوڑ دوں۔

آپ نے فرمایا۔ بسم اللہ آگے بڑھو۔ بس اب ہمارا بھی تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔ ہم عنقریب تم سے آ ملیں گے۔

اجازت لے کر عمرو میدان میں آیا رجز خوانی کر کے مصروف جہاد ہوا۔ بہت سے یزیدیوں کو واصل جہنم کر کے جام

شہادت سے سرشار ہو گیا۔

۱۴۔ حنظلہ ابن سعد شامی:

عمرو ابن خالد کے بعد جناب حنظلہ نے اپنے کو امام حسینؑ کی ڈھال بنا دیا اور تیروں، نیزوں، تلواروں اور پتھروں کو اپنے جسم پر لینے لگا۔

اسی اثنا میں فوج یزید سے مخاطب ہو کر کہا۔

اے لوگو! مجھے ڈر ہے کہیں تم پر یوم احزاب جیسا عذاب نازل نہ ہو جائے۔

اے لوگو! مجھے ڈر ہے کہیں تم قوم نوح، قوم عاد اور ثمود جیسے عذاب سے دوچار نہ ہو جاؤ۔

اے لوگو! مجھے خطرہ ہے کہیں دیگر امتوں کی طرح معذب نہ ہو جاؤ۔ ویسے یقین رکھو اللہ بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔

اے لوگو! فرزند رسولؐ کو قتل نہ کرو۔ عذاب خدا سے بچو۔

علامہ مجلسی کے مطابق فرزند رسولؐ نے فرمایا۔ اے ابن سعد یہ لوگ مستحق عذاب ہو چکے ہیں۔ یہ تو اسی وقت سے عذاب کے حق دار ہو چکے ہیں جب پہلی مرتبہ تم نے انہیں دعوت دی تھی اور ان لوگوں نے تمہیں گالیاں دی تھیں اور تمہارا مذاق اڑایا تھا۔

اب تو ان کے ہاتھوں سے تیرے ساتھیوں کا خون ٹپک رہا ہے اب کیا ہو گا۔ اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا اب یہ لوگ اپنا انجام نہیں بدل سکتے۔

حنظلہ نے عرض کیا۔ فرزند رسولؐ آپ سچ فرما رہے ہیں۔ آقا کیا اجازت ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کے پاس بارگاہ خالق میں چلا جاؤں۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔

بسم اللہ آگے بڑھو اس سمت قدم اٹھاؤ جو تیرے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

حنظلہ نے قدم میدان کی طرف بڑھا لیے اور عرض کیا السلام علیك یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیك وعلی اهلبیتك اللہ مجھے اور آپ کو جنت میں ایک جگہ رکھے۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ آمین۔

جناب حنظلہ میدان میں گئے اور اس شدت سے جنگ لڑی کہ جس طرف رخ کرتے تھے فوج یزید بکریوں کی طرح آگے بھاگتی پھرتی تھی۔ دور دور سے تیر اندازی کرتے تھے۔ کوئی قریب نہ آتا تھا بالآخر جناب حنظلہ نے جام شہادت پیا۔

۱۴۔ سوید ابن عمرو۔

جناب حنظلہ کے بعد جناب سوید ابن عمرو میدان میں گئے۔ اور لڑ کر جنگ کی زخموں سے چور ہو کر ایک جگہ گھوڑے سے زمین پر آ گئے۔ اٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ اسی طرح زخموں سے نڈھال پڑے تھے کہ یک لخت زمین کربلا میں زلزلے آنا شروع ہو گئے۔ فضا تاریک ہو گئی۔ آندھیاں چلنے لگیں۔ یزیدی ایک دوسرے کو مبارکبادیاں دینے لگے اور گلے مل کر کہنے لگے قتل حسین مبارک ہو۔

جناب سوید نے جب سنا کہ فرزند رسول شہید ہو گیا ہے تو اپنی ٹانگ کے ساتھ بندھے ہوئے خنجر کو جیسے تیسے کھولا۔ اور ایک مرتبہ پھر یزیدیوں پر پل پڑے۔ اسی عالم میں شہید ہو گئے۔

۱۵۔ یحییٰ ابن سلیم مازنی۔

جناب سوید کے بعد یحییٰ ابن سلیم مازنی میدان میں گئے اور حق جہاد ادا کر کے مقام شہادت حاصل کیا۔

۱۶۔ قرہ ابن ابو قرہ غفاری۔

جناب یحییٰ کے بعد جناب قرہ میدان میں آئے اور فوج یزید کو واضح نقصان پہنچانے کے بعد شہادت کی آغوش میں سو گئے۔

۱۷۔ انس ابن حارث کاہلی۔

انس نے اٹھارہ سواروں کو تہ تیغ کیا۔ اور شہید ہو گئے۔

۱۸۔ عمرو ابن مطاع جعفی۔

انس ابن حارث کے بعد عمرو میدان میں آیا۔ شجاعت کے جوہر دکھا کر درجہ شہادت حاصل کیا۔

۱۹۔ مؤذن سبط پیغمبر حجاج ابن مسروق۔

عمرو ابن مطاع کے بعد حجاج میدان میں آیا داد شجاعت دے کر شہادت کی سعادت حاصل کی۔

۲۰۔ زہیر ابن قین :

حجاج کے بعد زہیر ابن قین میدان میں رجز خوانی کرتے نکلا۔ ایک سو بیس یزیدیوں کو اپنے کیفر کردار تک پہنچا کر کثیر ابن عبد اللہ اور مہاجر ابن اوس کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ جناب سید الشہداء نے زہیر کی لاش پر کھڑے ہو کر کہا۔ زہیر تو ہمیشہ ہمارے قریب رہے گا۔ اللہ تیرے قاتل پر لعنت کرے۔

۲۱۔ حبیب ابن مظاہر :

جناب زہیر کے بعد جناب حبیب ابن مظاہر میدان جنگ میں آئے رجز خوانی کی۔ باسٹھ یزیدیوں کو فی النار کیا ایک تمیمی کے نیزہ سے زمین پر گرے۔ اٹھنا چاہتے تھے کہ سر پر حصین ابن نمیر نے تلوار سے وار کیا۔ پھر ناقہ کے بدیل ابن حریم نے آپ کا سر کاٹ کر گھوڑے کے گلے میں لٹکایا۔ جب یہ شخص اسی حالت میں کوفہ آیا۔ تو جناب حبیب کے نوخیز بچے نے گھوڑے کے گلے میں اپنے باپ کا سر دیکھ کر پہچان لیا۔ بدیل کے ساتھ ہو گیا۔ کئی دن بعد اسے موقع ملا۔ اور بدیل کو واصل جہنم کر کے باپ کا سر لے لیا۔

۲۲۔ ہلال ابن نافع :

یہ ماہر تیر انداز تھا۔ حضرت علیؑ نے اس کی تربیت کی تھی۔ جناب حبیب کے بعد ہلال میدان میں آیا۔ اور تیر اندازی شروع کی۔ ہلال ہمیشہ اپنے ہر تیر پر اپنا نام لکھا کرتا تھا۔ اس نے اپنی تیر اندازی سے ستر شہسوار کو واصل جہنم کیا جب اس کا ترکش خالی ہو گیا تو اس نے تلوار اٹھا کر کے تلوار سے جنگ شروع کر دی۔ تلوار سے تیرہ یزیدیوں کو واصل جہنم کیا۔

۲۳۔ ایک نوخیز :

جناب ہلال کے بعد ایک ایسا نوخیز لڑکا میدان میں آیا۔ جس کا باپ پہلے شہید ہو چکا تھا۔ پس امام حسینؑ نے فرمایا۔

بیٹے باپ کے بعد تو ہی ماں کا سہارا ہے واپس چلا جا۔

اس نے عرض کیا۔ تلوار یہ تلوار میرے گلے میں میری ماں ہی نے ڈالی ہے۔ اور اسی نے بڑی آرزو سے مجھے میدان میں بھیجا ہے۔

آپ میری ماں کا دل نہ توڑیں اور مجھے شہادت سے محروم نہ کریں۔ مجھے دعا فرمائیں۔

یہ کہہ کر اس بچے نے رجز خوانی کی اور میدان میں کود گیا۔ اپنی عمر سے زیادہ مادرِ شجاعت دے کر شہید ہوا۔ یزیدیوں نے اس کا سر کاٹ کر خیام آلِ محمد کی طرف اچھال دیا۔

اس کی ماں در خیمہ پر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ آگے بڑھی۔ بیٹے کا سر اٹھایا۔ بوسہ دیا۔ اور کہا بیٹے تم نے ماں کو سرخرو کر دیا ہے۔

سر کو زمین پر رکھ دیا اور خیمہ کی چوب لے کر یزیدیوں پر حملہ کر دیا۔ جب تک سید الشہداء اسے واپس کرتے اس وقت تک وہ دو یزیدیوں کو واصلِ جہنم کر چکی تھی۔ پھر حکمِ امام سے واپس خیام میں چلی گئی۔

۲۴۔ جابر ابن عروہ غفاری ؓ

یہ صحابیٔ رسول تھا بدری صحابہ سے تھا۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں آپ کے ساتھ رہا۔ آپ کے بعد حضرت علیؑ کے ساتھ رہا۔ بڑھاپے نے اس کی کمر کو جھکا دیا تھا۔ اور بھویں آنکھوں پر گر چکے تھے۔ اس مردِ خدا نے کمر کو پٹکا سے باندھا۔ اور بھووں کو پٹی سے اوپر باندھا۔ مظلومِ کربلا نے دیکھ کر فرمایا۔

شکر اللہ سعیک یا شیخ۔ اے بزرگ اللہ تیری اس سعی کا شکریہ ہو گا۔

پھر رجز خوانی کر کے فوجِ یزید پر حملہ کیا۔ ساٹھ یزیدیوں کو واصلِ جہنم کر کے شہید ہوا۔

۲۵۔ مالک ابن داؤد ؓ

جابر کے بعد مالک ابن داؤد میدان میں آئے چند سواروں کو جہنم رسید کرنے کے بعد شہید ہو گئے۔

۲۶۔ طرماح ابن عدی ؓ

مالک کے بعد طرماح ابن عدی ابن حاتم طائی آئے انہوں نے بھی فوجِ یزید سے اپنا وافر حصہ وصول کیا زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے زمین پر آئے۔

۲۷۔ جنادہ ابن حارث انصاری ؓ

جنابِ طرماح کے بعد جنادہ انصاری آئے یزیدیوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد شہید ہوئے۔

۲۸۔ عمرو ابن جنادہ ؓ

جنابِ جنادہ کے بعد ان کا بیٹا عمرو ابن جنادہ میدان میں آیا۔ اور کافی تعداد کو جہنم پہنچا کر شہید ہوئے۔

۲۹۔ عبدالرحمن ابن عروہ۔

جناب عروہ کے بعد عبدالرحمن نے میدان سنبھالا اور داد شجاعت دے کر راہی جنت ہوگئے۔

۳۰۔ عابس ابن شبیب شاکری۔

جناب عبدالرحمن کے بعد عابس نے گھوڑے کو آگے بڑھایا۔ ان کا غلام تھا۔ جس کا نام شوذب تھا۔ آپ نے غلام سے پوچھا۔

آج کیا کرنے کا ارادہ ہے؟

غلام نے عرض کی۔ دل تو چاہتا ہے کہ انشد زندگی اتنی دے دے کہ فوج یزید کا ایک سپاہی بھی میدان میں باقی نہ رہے۔

عابس نے کہا۔ مجھے ہمیشہ تجھ سے یہی امید رہی ہے۔ آمیرے ساتھ۔ آج یوم حساب ہے۔ اور آج یوم کسب ثواب ہے۔

عابس آگے بڑھا۔ فرزند رسول کو سلام کر کے عرض کیا۔

میرے آقا! روئے زمین پر دور و نزدیک میں سے مجھے ایسی کوئی ذات نظر نہیں آتی آپ کے سوا جس پر میں اپنی جان اور خون قربان کروں۔ جذبات تو چاہتے ہیں کہ اس وقت جسم میں جان رہ جائے جب تک اس صحرا میں ایک بھی یزیدی سانس لے رہا ہے۔ دیکھے مقدر کتنے تک ساتھ دیتا ہے۔ اگر میرے پاس میری جان سے زیادہ کوئی بھی عزیز متاع ہوتی تو آپ سے دفاع میں وہ بھی قربان کرتا۔ لیکن میری جان کے سوا اور کوئی ایسی متاع عزیز نہیں ہے یہ جان حاضر ہے۔

السلام علیک یا ابا عبد اللہ، اشھد انی علی ھدی الشھد ی ابیک۔ — اے ابو عبد اللہ میرا سلام ہو۔ گواہ رہنا میں آپ کی اور آپ کے والد کی ہدایت پر ہوں۔

اس کے بعد وارد میدان ہوا۔

ربیع ابن تمیم کہتا ہے کہ میں نے جب عابس کو میدان میں آتے ہوئے دیکھا چونکہ میں اسے پہچانتا تھا اس لیے میں نے فوج یزید کو مطلع کر دیا اور کہا۔ لوگو! یہ کے رہنا شبیب کا سپوت آ رہا ہے۔ جو شیروں کا شیر ہے کوئی تنہا اس کے مقابلہ میں جانے کی غلطی نہ کرے۔

میری یہ بات سنکر عمر سعد نے حکم دیا کہ اسے دور سے پتھروں سے نشانہ بناؤ۔ جب عابس کے مقابلہ میں کوئی نہ آیا۔ تو کافی دیر تک ایک جگہ کھڑے ہو کر کہتا رہا۔ کیا تم میں کوئی مرد نہیں ہے؟ ہر طرف سے سنگباری

شروع کی تھی، جب عابس نے دیکھا کہ کسی طرف سے کوئی نہیں آتا۔ تو اس نے زرہ اتار پھینکی اور تلوار سے کاٹنا شروع کر دیا۔

حمید! میں دیکھ رہا تھا دو دو سو کا جتھا ہر جسم عابس کے آگے یوں دوڑتا تھا جیسے بھیڑیے کے آگے بکریاں دوڑتی ہیں۔ اسی حالت میں زخموں سے چور ہو کر عابس زمین پر آیا۔ پھر تو قریب آ آ کر نیزوں سے اس بہادر کا پورا جسم چھلنی کر دیا گیا۔

ایک کہتا تھا میں نے عابس کو شہید کیا ہے اور دوسرا کہتا تھا میں نے کیا ہے۔ جب تنازع بڑھنے لگا۔ تو عمر سعد نے کہا۔ بک بک نہ کرو میں بھی موجود تھا اور تمہاری جواں مردی دیکھ رہا تھا۔ کسی ایک نے عابس کو شہید نہیں کیا بلکہ ہر شخص خون عابس میں شریک ہے۔

۲۱۔ شوذبؒ

عابس کا غلام تھا۔ اور جناب عابس ہی کے ساتھ داد شجاعت دے کر شہید ہوا۔

۲۲،۲۳۔ عبداللہ اور عبدالرحمن غفاریؒ

جناب عابس و شوذب کے بعد یہ دونوں بیک وقت امام حسینؑ کی خدمت میں آئے اور دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ آپ نے دونوں کو اپنے پاس بلایا اور

پوچھا۔ اگر واپس جانا چاہو تو میری طرف سے اس وقت بھی اجازت ہے جا سکتے ہو۔

دونوں نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

قبلہ! ایسی بات نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ پھر کس بات پر رو رہے ہو۔

دونوں نے عرض کیا! آقا رو تو صرف اس لیے رہے ہیں کہ ہم نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن آپ کا دفاع نہیں کر سکے۔

ہمیں تو صرف ہمارے بعد آپ کی تنہائی اور دختران رسول کی بے یاوری اور بے چارگی رلا رہی ہے کاش ہمارے بس میں کچھ ہوتا۔

آپ نے فرمایا۔ مت گھبراؤ۔ بہت کم وقت رہ گیا ہے میں بھی تمہارے ساتھ آ ملوں گا۔ دختران رسولؐ کا بھی اللہ حافظ ہے۔

بسم اللہ آگے بڑھو۔ اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ تمہارے بس میں جو کچھ تھا تم نے کیا ہے۔

دونوں نے عرض کی۔ السلام علیک یا ابا عبداللہ! پھر میدان میں آ کر فوج یزید میں گھس گئے اور اپنا حصہ وصول کرکے جام شہادت نوش کیا۔

۳۴۔ ترکی غلام:

دونوں غفاری بھائیوں کے بعد امام حسینؑ کا یہ ترکی غلام میدان میں آیا۔ مدینہ کا معروف قاری تھا۔ رجز خوانی کی۔

داد شجاعت دے کر گھوڑے سے زمین پر آیا۔ امام حسینؑ اس کے قریب آئے۔ ابھی رمق جان باقی تھی آپ اس کے قریب بیٹھ گئے۔ اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ غلام نے آنکھ کھولی، مسکرایا اور پھر جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

۳۵۔ یزید ابن زیاد شعثا:

ترکی غلام کے بعد یزید ابن زیاد میدان میں آیا۔ یہ بھی تیر انداز تھا۔ اسے صرف آٹھ تیر چلانے کی فرصت ملی ان آٹھ تیروں سے میں ایک بھی خالی نہ گیا۔ پھر یزیدی فوج نے یلغار کردی اور یہ مجاہد راہ خدا راہی جنت ہوا۔

۳۶۔ ابو عمرو نہشلی:

یزید کے بعد ابو عمرو نہشلی میدان میں آئے۔ داد شجاعت دے کر عامر ابن نہشلی کے ہاتھوں جام شہادت پیا۔

۳۷۔ سیف ابن حارث:

۳۸۔ مالک ابن عبداللہ:

ابو عمرو کے بعد سیف اور مالک دونوں چچازاد بھائی ایک ساتھ میدان میں آئے اور داد شجاعت دیکر راہی جنت ہوئے

صرف اولاد ابو طالب

ان کے بعد انصار حسینؑ کربلا میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔ صرف ذریت رسول رہ گئی۔

بحار کے مطابق انصار حسین کربلا کے بعد صرف آپ کے اقرباء ہی میدان میں بچ گئے۔ اقرباء میں یہ تین خاندان تھے۔

۱۔ اولاد حضرت علیؑ ۔ اولاد امام حسنؑ ۔ اولاد امام حسینؑ اور دیگر اولاد حضرت علیؑ ۔
۲۔ اولاد جعفر طیار ۔
۳۔ اولاد عقیل ۔

گویا اب دین کے لیے صرف اور صرف اولاد ابو طالب رہ گئی تھی ۔

ان میں کچھ نوجوان تھے ۔ کچھ نوخیز تھے ۔ اور کچھ کمسن تھے ۔ یہ سب ایک دوسرے کو گلے مل مل کر ایک دوسرے سے الوداع کرنے لگے ۔ اور باری باری کا میدان میں آنے لگے ۔

۱۔ عبداللہ ابن مسلم ابن عقیل :

کربلا کا شہید اول جناب مسلم کا فرزند تھا ۔ جناب رقیہ بنت علیؑ کا لخت جگر تھا ۔ میدان جہاد میں آکر لڑا اور بے دینوں کو واصل جہنم کیا ۔ ایک ظالم نے تیر مارا ۔ جس کا نشانہ شہزادے کی پیشانی تھی ۔ شہزادے نے تیر کو روکنے کی خاطر ہاتھ کو سامنے کیا ۔ تیر اس شدت سے آیا تھا کہ تیر ہاتھ سے گزر کر پیشانی میں پیوست ہو گیا ۔ اور ہاتھ بھی پیشانی پر تیر کے ساتھ چپک گیا ۔ شہزادہ ہاتھ علیحدہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھا کہ ایک ظالم نے دل کا نشانہ لیکر نیزہ مارا ۔ اور شہزادہ گھوڑے پر نہ سنبھل سکا ۔ تیر مارنے والا عمرو ابن صبیح صیداوی تھا ۔

۲۔ محمد ابن مسلم :

عبداللہ کے بعد اس کا بھائی اور جناب مسلم کا دوسرا بیٹا محمد میدان میں آیا ۔ اس کی والدہ ام ولد تھیں ۔ وافر مقدار میں بے دینوں کو قتل کیا ۔ بالآخر ابو جرہم اسدی ۔ اور لقیط ابن ایاس جہنی کے ہاتھوں شہید ہوا ۔

۳۔ جعفر ابن عقیل :

محمد کے بعد جناب جعفر ابن عقیل میدان میں گئے ۔ پندرہ بے دینوں کو اپنے کیفر کردار تک پہنچا کر عروہ ابن عبداللہ خثعمی کے ہاتھوں شہید ہوئے ۔ آپ کی والدہ عامر عامری کی بیٹی ام الثغر تھیں ۔

۴۔ عبدالرحمن ابن عقیل :

محمد کے بعد ان کا بھائی عبدالرحمن ابن عقیل میدان میں گیا ۔ سترہ بے دینی ان کے ہاتھوں جہنم پہنچے اور عثمان ابن خالد جہنی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا ۔

۵۔ عبداللہ ابن عقیل ۔

جناب عبدالرحمن کے بعد عبداللہ اکبر ابن جناب عقیل میدان میں آئے داد شجاعت دے کر خالد ابن ہشم جہنی اور بشر ابن حوط قانضی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۶۔ محمد ابن ابوسعید ابن عقیل ۔

جناب عبداللہ کے بعد محمد ابن ابو سعید میدان میں آئے فوج یزید سے کافی حصہ مقابلہ کرکے لقیط ابن یاسر جہنی کے ہاتھوں شہید ہوئے

۷۔ جعفر ابن محمد ابن عقیل ۔

جناب محمد کے بعد جناب جعفر ابن محمد میدان میں آئے اور یزیدیوں سے اپنی شجاعت کا لوہا منوا کر شہید ہوئے۔

۸۔ محمد ابن عبداللہ ابن جعفر طیار ۔

جناب جعفر کے بعد محمد ابن عبداللہ میدان میں آئے دس یزیدیوں کو واصل جہنم کرکے عامر ابن نہشل تیمی کے ہاتھوں شہادت کی سعادت حاصل کی۔

۹۔ عون ابن عبداللہ ابن جعفر طیار ۔

محمد کے بعد شہزادہ عون ابن عبداللہ میدان میں آیا تین سواروں اور اٹھارہ پیادوں کو واصل جہنم کیا۔ اور عبداللہ ابن بطہ طائی کے ہاتھوں سے شہید ہوئے۔

۱۰۔ عبیداللہ ابن عبداللہ ابن جعفر ۔

جناب عون کے بعد عبیداللہ ابن عبداللہ میدان میں گئے اور داد شجاعت دے کر شہید ہوئے۔
جب اولاد جعفر و عقیل شہید ہو گئی تو مقتب کے مطابق مظلوم کربلا نے دائیں بائیں دیکھا اور فریاد کی۔
هل من ناصر ۔ واقعہ ناصرا

أما من معین یعیننا اما من ناصر ینصرنا ۔ أما من خائف من عذاب اللہ فیذب عنا ۔

کیا کوئی بھی ایسا نہیں جو ہماری اعانت کرے ایک کوئی بھی ایسا نہیں جو ہماری مدد کرے ؟ کیا کوئی بھی ایسا نہیں جو عذاب خدا سے خوف کھا کر ہماری مدد کرے۔

اس استغاثہ کے بعد بیک وقت دو شہزادے خیام سے اس طرح باہر نکلے جس طرح چاند طلوع کرتا ہے۔

۱۱۔ احمد ابن حسنؑ

عمر سولہ برس۔ عبداللہ ابن عقبہ غنوی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

یہ شہزادہ امام حسینؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کی قبلہ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں۔ امام حسینؑ نے شہزادہ کو گلے لگایا اور بہتے آنسوؤں سے رخصت کیا۔ شہزادہ میدان جنگ میں آیا۔ مبارزطلبی کی لیکن مقابلہ میں کوئی نہ آیا ہر طرف سے تیروں اور پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ شہزادہ فوج یزید میں گھس گیا اور یزیدی ادھر اُدھر دوڑنے لگے تیروں اور پتھروں کی اس برسات میں شہزادہ گھوڑے سے زمین پہ آیا اور سوئے خیام منہ کر کے عرض کی۔ علیک السلام یا عماہ۔ چچا میرا سلام قبول کرنا۔

خدا حافظ۔

۱۲۔ قاسم ابن حسنؑ

احمد ابن حسن کے بعد شہزادہ قاسم میدان میں آیا۔ ابوالفرج۔ محمد ابن ابوطالب۔ منتخب اور کامل کے مطابق شہزادہ قاسم ابھی کمسن تھے۔ جب اجازت کی خاطر غریب زہراؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے شہزادہ کو گلے لگایا۔ چچا بھتیجا دونوں اس قدر روئے کہ غش کھا گئے۔

کافی دیر کے بعد جب غش سے افاقہ ہوا تو شہزادہ نے اذن جہاد مانگا۔ مظلوم کربلا نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

شہزادہ نے اپنا سر مظلوم حسینؑ کے قدموں پہ رکھ کر قدموں کو بوسے دینے شروع کر دیئے۔ جناب سیدالشہداء شہزادہ کے چہرہ کو قدموں سے اٹھاتے تھے اور شہزادہ اپنی آنکھیں قدموں سے ملتا تھا۔ بالآخر آپ نے اجازت دی اور انتہائی غمزدہ لہجے سے پوچھا۔

بیٹے بھلا کیا تجھ جیسا لال بھی موت کی طرف اپنی مرضی سے چل کر جاتا ہے۔

شہزادہ نے عرض کی۔ جب آپ جیسا شریف آقا۔ شفیق امام اور مہربان چچا مظلوم اور بے یارومددگار ہو جائے تو پھر مجھ جیسوں کا اندر شہید ہو جانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

امام حسینؑ نے شہزادہ کا عمامہ اتارا اور اسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ دو عرب کی خدمت کی بدولت ایک حصہ شہزادے کے سر پہ باندھا۔ دوسرا حصہ نقاب کی صورت میں چہرہ پر ڈالا۔ قمیص کے دونوں پہلو کفنی کی صورت میں چاک کیے اور فرمایا بیٹے جاؤ۔ خدا حافظ۔

شہزادہ جنگ سے پہلے عمر سعد کے سامنے آکر کھڑا ہوا اور فرمایا۔

کیا تجھے خوف خدا نہیں! کیا تیرے دل میں قرابت رسول کا کوئی خیال نہیں! کیا تیرے دل کے ساتھ تیری آنکھ کا پانی بھی مر چکا ہے۔

عمر سعد نے کہا۔ اگر ابن زیاد و یزید کی اطاعت کرو تو ابھی ہر سہولت میسر ہوگی۔

شہزادہ نے کہا۔ اللہ تجھے جنت کے خیر سے محروم رکھے۔ تو جس نبی کی نبوت کا کلمہ پڑھتا ہے اسی نبی کی آل پیاس سے جاں بلب ہے اور پھر بھی تو کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔

یہ کہہ کر شہزادہ وسط میدان میں آکھڑا ہوا اور مبارز طلبی کی۔

مقابلہ میں ایک ہزار سے تنہا لڑنے والا شام کا معروف جنگجو آیا۔ شہزادے نے جنگی حکمت عملی کی اس کے گھوڑے کے منہ پہ ایک ایسا گھونسا مارا کہ گھوڑے پر نہ سنبھل سکا۔ شہزادے نے جھٹ سے اس پر وار کر کے فی النار کر دیا۔ پھر فوج یزید پر حملہ کیا۔ کئی کو واصل فی النار کیا۔ جب تھک گئے تو واپس پلٹنا چاہا۔ لیکن ازرق راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ شہزادے نے ازرق کو بھی واصل جہنم کیا۔ اور ان دو گرامی پہلوانوں کے قتل ہونے سے میدان کربلا میں بھی تہلکہ مچ گیا۔ ہر طرف شہزادہ کی شجاعت کے قصے ہونے لگے۔ اور ساتھ ہی یزیدی فوجوں میں آتش انتقام بھڑک اٹھی۔

شہزادہ نے خیام سے باہر آکر عرض کیا۔

یا عماہ العطش العطش ادرکنی	چچا جان! پیاس نے مار ڈالا ہے کاش ایک گھونٹ
بشربة من الماء۔	پانی مل جاتا۔

مظلوم کربلا نے فرمایا۔ بیٹا صبر کرو۔ آپ کا بابا۔ دادا۔ اور نبی کوثر جام دست تیرے انتظار میں ہیں۔

شہزادہ واپس میدان میں آیا اور اپنا نصب العین یزیدی علمبردار کو بنا کر اسی کی طرف رخ کیا۔ جونہی شہزادہ علمبردار کے سر پہ پہنچا۔ ہر طرف سے تیروں کی ایسی بارش ہوئی کہ شہزادہ کے لیے آگے کسی طرف بھی نکلنا ممکن نہ رہا۔

حمید ابن مسلم کا بیان ہے کہ میں آج بھی آئینہ تصور میں جب میدان کربلا کو دیکھتا ہوں تو سب سے پہلے جس شخص کا عکس نظر آتا ہے وہ امام حسن کا لال ہے۔ جس کے بائیں جوتے کا تسمہ ٹوٹ چکا ہے اور وہ انتہائی بے نیازی سے دادِ شجاعت دے رہا ہے۔

عمر ابن سعد ازدی میرے پہلو میں کھڑا تلملا رہا تھا۔ کہنے لگا اس بچے نے فوج کا ستیاناس مار دیا ہے۔ میں اس سے انتقام ضرور لوں گا۔

میں نے کہا۔ تو کتنا سنگدل ہے۔ یہ بچہ تو اپنا دفاع کر رہا ہے۔ بخدا! اگر میں اس کے مقابلہ میں ہوتا تو اس کی

کمسن کے پُرجوش تلوار کا بھر وار برداشت کر لیتا لیکن اس پر ہاتھ نہ اٹھاتا۔ اتنی فوج ہے نمٹ لیں گے۔ تو اس پیاسے کمسن کے معصوم خون سے ہاتھ سرخ نہ کر۔

اس ملعون نے کہا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہے مجھے ضرور موقعہ کی تلاش میں رہنا چاہیے۔ جو بھی موقعہ ملا میں ہاتھ سے جانے نہ دوں گا۔

اس ظالم نے چھپ کر شہزادے کے سر کا نشانہ لیا۔ تلوار کا اچانک حملہ تھا۔ شہزادہ گھوڑے پر نہ سنبھل سکا۔ منہ کے بل زمین پر آیا۔ زمین پر تڑپتے کمسن کو شیبہ ابن سعد شامی نے پشت میں نیزہ مارا جو سینہ کی طرف سے باہر نکل آیا۔ اس کے بعد یہ ملاعین اپنا غصہ نکالتے رہے۔ ۲۵ تیر شہزادہ کے جسم میں پیوست ہو گئے۔ سعید ابن عمرو نے تین دن کے بھوکے اور پیاسے شکم میں نیزہ مارا جس سے شکم دو نیم ہو گیا۔ پھر یحییٰ ابن وہب نے دائیں پہلو میں اس زور سے نیزہ مارا جو بائیں طرف سے نکل آیا۔

شہزادہ صرف اتنا کہہ سکا۔ ادرکنی یا عماہ۔ چچا امداد فرمایئے۔ اس کے بعد شہزادہ کی آواز تیروں، نیزوں، تلواروں اور گھوڑوں کے سموں میں دب کر رہ گئی۔

جب غبار چھٹا اور امام حسینؑ نے شہزادہ کی لاش دیکھی تو کئی حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔

مظلوم زہراؑ نے فرمایا۔ بیٹے کتنا ہے کہ بہت تیرا چچا کر تو جانے اور میں تیری امداد نہ کر سکوں۔

تیری آواز کا جواب دوں لیکن نصرت نہ کر سکوں۔

تیری نصرت کرنا چاہوں لیکن وقت گزر چکا ہو۔

حمید کہتا ہے میں نے دیکھا مظلوم کربلا نے بڑی مشکل سے لاشہ قاسمؑ کے ٹکڑوں کو جوڑ کر چادر میں جمع کیا اور اس خیمہ میں لائے جہاں دیگر اہل بیت کے لاشے رکھے تھے۔

۱۳۔ محمد اکبر ابن علیؑ :۔

اولاد حضرت علیؑ سے پہلا اور بنی ہاشم سے تیرہواں شہید ہے۔ یزیدیوں کی خاصی مقدار کو فی النار کرنے کے بعد زجر ابن بدر نخعی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۱۴۔ عمرو ابن علیؑ :۔

محمد اکبر کے بعد عمرو ابن علیؑ میدان میں آئے پہلے اپنے بھائی کے قاتل زجر کو واصل جہنم کیا۔ پھر دوسرے یزیدیوں کے خون سے تلوار کو سیراب کیا اور شہید ہو گئے۔

۱۵۔ عثمان ابن علیؑ:

جناب ام البنین کا فرزند ہے۔ اکیس برس کا سن تھا رجز خوانی کر کے فوج یزید پر حملہ آور ہوئے بے شمار یزیدیوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد خولی کے تیر سے گھائل ہو کر گھوڑے سے زمین پر آئے ابان ابن حازم نے سر کاٹ لیا۔

۱۶۔ جعفر ابن علیؑ:

عثمان کے بعد جعفر ابن علی میدان میں آئے یہ بھی ام البنین کے فرزند تھے۔ ان کا سن انیس برس تھا۔ وافر مقدار میں یزیدیوں کو واصل جہنم کیا اور شہید ہوئے۔ انہیں بھی خولی کے تیر نے شہید کیا ہے۔ جو دائیں آنکھ میں پیوست ہو گیا تھا۔

۱۷۔ عبداللہ ابن علیؑ:

ان کا سن پچیس برس تھا۔ یزیدی فوجات سے خاصی تعداد کو فی النار کر کے ہانی ابن شبیب حضرمی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۱۸۔ محمد اصغر ابن علیؑ:

اپنے بھائی عبداللہ کے بعد میدان میں آئے رجز خوانی کی یزیدی فوج میں سے کوئی بھی تنہا مقابلہ پر نہ آیا تیروں کی بارش میں گھوڑے سے زمین پر آئے۔ ابان ابن حازم کے ہاتھوں راہی جنت ہوئے۔

۱۹۔ ابراہیم ابن علیؑ:

محمد اصغر کے بعد جناب ابراہیم میدان جہاد میں آئے داد شجاعت دے کر شہید ہوئے۔

۲۰۔ عبیداللہ ابن علیؑ:

جناب ابراہیم کے بعد عبیداللہ میدان میں آئے یزیدیوں کی متعدد تعداد کو واصل جہنم کرنے کے بعد راہی جنت ہوئے۔

۲۱- عباس ابن علیؑ

عمر ۳۴ برس۔

بحار کے مطابق اولاد حضرت علیؑ سے آخری وہ شہید ہے جس نے فرزند رسولؐ پر اپنی جان قربان کی۔

جب جناب عبداللہ ابن علی شہید ہوئے تو جناب ابا الفضل غریب زہراؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کی۔

ھل لی من رخصۃ۔

آقا کیا مجھے بھی اجازت مل جائے گی۔

امام حسینؑ نے فرمایا۔ عباس تجھے معلوم ہے کہ تو میرا علمبردار ہے۔ جب کسی فوج کا علمبردار چلا جاتا ہے تو سپاہ کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔

جناب عباس نے مڑ کر دائیں بائیں اور آگے پیچھے دیکھا آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور عرض کی۔

آقا۔ علمبردار تو موجود ہے۔ لیکن اس وقت وہ فوج کہاں ہے۔ جس کا میں علمبردار ہوں۔ آقا مجھ سے نہ تو یہ لاشے دیکھے جاتے ہیں اور نہ خیام سے بچوں کی صدائے العطش سن سکتا ہوں۔ آپ ایک مرتبہ اجازت دے دیں تاکہ میں اپنا انتقام لے سکوں۔

مظلوم کربلا نے فرمایا۔ عباس! ایسا کرو۔ اس وقت انتقام کا خیال چھوڑ دو۔ اگر ہو سکتا ہے تو بچوں کے لیے پانی لا دو۔

جناب عباس نے ایک نیزہ اٹھایا۔ تین دن کا خشک مشکیزہ لیا اور فرات کا رخ کیا۔ مقابلہ میں چار ہزار یزیدیوں نے راستہ روکا۔ لیکن جناب عباس نے راستہ صاف کر لیا اور دریائے فرات میں گھوڑا ڈال دیا۔ چلو میں پانی پینے کو لیا۔ لیکن جب خیام اہل بیت میں صدائے العطش کا خیال آیا تو فوراً دریا میں پھینک دیا اور مشکیزہ پر کیا۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اور راستہ صاف کرتے ہوئے خیام کی طرف روانہ ہوئے۔

لیکن مقابلہ میں چار ہزار تھے۔ اس طرف ایک تھا مگر یہاں بھی کسی کو قریب آنے کی ہمت نہ ہو رہی تھی۔ زید ابن ورقا نے ایک ٹیلے کے دامن میں چھپ کر وار کیا۔ جس سے آپ کا دایاں بازو جدا ہو گیا۔ آپ نے علم بائیں ہاتھ میں لیا اور آگے بڑھے۔ حکیم ابن طفیل نے چھپ کر دوسرا وار کیا۔ جس سے بایاں بازو جدا ہو گیا۔ جناب عباس نے مشکیزہ کو دانتوں میں لیا مشکیزہ کی ڈھال اپنے سینہ کو بنایا۔

یزیدی فوج کی طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ ایک تیر مشکیزہ میں آ کر لگا۔ پانی بہہ گیا۔ ایک تیر سینہ و دل میں آ کر پیوست ہو گیا۔ آپ گھوڑے پر نہ سنبھل سکے جونہی زمین پر آئے ایک ظالم نے سر پر گرز کا وار کیا۔

امام حسینؑ نے جب دیکھا کہ علم جھک گیا ہے میدان میں تلاش کرتے ہوئے آئے دریا کے قریب ہی شہزادہ خاک و خون میں غلطاں تڑپ رہا تھا۔

سید الشہداء نے ارادہ کیا کہ لاشہ عباس کو خیام میں لے چلیں۔ لیکن جناب عباس نے عرض کیا۔ آقا اگر بچوں نے پوچھ لیا یا سکینہ نے پانی مانگ لیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ علاوہ ازیں میرا یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ میرا لاشہ اٹھا کر تکلیف کریں۔

۲۲۔ ہمشکل پیمبر شہزادہ علی اکبرؑ

عمر اٹھارہ برس۔

بحار۔ بیع الاحزان۔ لہوف اور مقتل ابی مخنف کے مطابق۔

لیلیٰ بنت عروہ کے اٹھارہ سالہ نوجوان ہمشکل نبی نے اس وقت جنگ کی اجازت مانگی جب جناب عباس شہید ہو گئے۔ ویسے اکثر مورخین اور شہزادہ کی زیارت کے مطابق بنی ہاشم میں سے اول شہید جناب لیلیٰ کا یہ لال ہے۔ تمام اہل مدینہ جب زیارت پیمبر کے شائق ہوتے تھے تو در حسینؑ پر آ کر اس شہزادہ کی زیارت کرتے تھے۔

بڑی مشکل سے جناب سید الشہداء نے اجازت دی۔ جب شہزادہ میدان میں جانے لگا تو جناب سید الشہداء نے دونوں ہاتھوں کی انگشت شہادت سوئے آسمان بلند کر کے عرض کیا۔

اللھم اشھد علی ھؤلاء القوم فقد برز الیھم غلام اشبه الناس خلقاً و خلقاً و منطقاً برسولك كنا اذا اشتقنا الی رسولك نظرنا الی وجھه اللھم امنعھم بركات الارض و فرقھم تفريقاً و مزقھم تمزيقاً واجعلھم طرائق قددا ولا ترض الولاة عنھم ابدا فانھم دعونا لينصرونا ثم عدوا علينا يقاتلوننا۔

اے اللہ گواہ رہنا اب ان کے سامنے وہ جوان جا رہا ہے جو بھری دنیا میں بصورت، سیرت اور گفتگو میں تیرے نبی کے مشابہ ہے۔ ہم جب بھی تیرے نبی کی زیارت کے شائق ہوتے تھے اس کا چہرہ دیکھ لیتے تھے۔ اے اللہ اس قوم کو زمین کی برکتوں سے محروم فرما۔ ان کی جماعت کو پراگندہ کر۔ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ ان کے راستوں کو پارہ پارہ کر دے ان کے حکام کبھی ان پر خوش نہ رہیں۔ ان لوگوں نے ہمیں بلایا اور وعدہ کیا کہ ہماری مدد کریں گے۔ جب ہم آگئے تو اب ہمیں قتل کر رہے ہیں۔

اس کے بعد فرزند رسولؐ نے عمر سعد سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

اے پسر سعد تجھے کیا ہو گیا ہے۔ اللہ تیری رحم کو قطع کرے۔ اللہ تیرے معاملات سے برکت اٹھائے۔ اللہ تجھ پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو میرے بعد تجھے تیرے بستر پر ذبح کر دے۔ تو نے میری قرابت نبویؐ کا بھی خیال نہیں رکھا۔

شہزادہ میدان میں آیا۔ ایک سو بیس یزیدی سواروں کو واصل جہنم کیا۔ واپس آئے اور عرض کیا۔

بابا جان! شدت پیاس سے سینے کی رگیں جلی جا رہی ہیں اور اسلحے کے اس بوجھ نے بہت تکلیف دے رکھی ہے۔ کاش ایک گھونٹ پانی مل جاتا۔

امام حسینؑ نے قریب بلایا۔ گلے لگایا، پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور فرمایا بیٹے اپنی زبان میرے منہ میں رکھو۔ جونہی شہزادہ نے اپنی زبان مظلوم کربلا کے منہ میں رکھی۔ فوراً پیچھے ہٹے۔

مظلوم کربلا نے پوچھا۔ بیٹے کیا ہوا!

شہزادے نے عرض کیا۔ بابا جان! آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔ شہزادہ پھر واپس میدان میں گیا اور یزیدیوں کو فی النار کیا۔ مسلسل حملے کر رہے تھے کہ مرہ ابن منقذ عبدی نے چھپ کر دل کا نشانہ لیا اور پوری قوت سے نیزہ اچھال دیا۔ نیزہ کی انی خود سے پار ہو کر ہم شکل نبی کے دل میں پیوست ہو گئی۔

انی ٹوٹ گئی۔ شہزادہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکا۔ دونوں بازو گھوڑے کے گلے میں حمائل کر دیئے۔ یزیدیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور گھوڑے کی زین پر جھومتے ہوئے شہزادہ ہم شکل نبی پر تلواروں، نیزوں اور تیروں سے ٹوٹ پڑے۔

جب شہزادہ نے دیکھا کہ اب خیام تک نہیں پہنچ سکتا زخموں کی کثرت سے آہستہ آہستہ ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے۔ تھوڑا سا سر اٹھا کر خیام کی طرف رخ کیا۔ اور عرض کیا۔

علیک السلام یا ابتاہ ادرکنی۔ بابا میرا آخری سلام ہو۔ بیٹے کی امداد کیجئے۔

حمید کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا۔ مظلوم کربلا بیٹے کی لاش پر آنے کی خاطر قدم قدم پر ڈگمگا رہے تھے۔ اور خیام سے ایک مستورہ باہر آئیں جن کی جان ان کے قدموں سے الجھ رہی تھی۔ مظلوم کربلا سے پہلے لاشہ شہزادہ پر پہنچی جب جناب سید الشہداء پہنچے اور دیکھا تو کہا۔

زینب میری بہن جی تو اندر خیام سے باہر۔

اس مخدرہ نے کہا۔ حسینؑ آپ تو خیام سے باہر تھے۔ تمام بی بیاں در خیمہ پہ کھڑی ہیں۔ اور ہر بی بی باہر آنے کو بے تاب ہے۔ میں سب کی نیابت سے آئی ہوں۔ تاکہ تو اپنے بیٹے کا غم بھول کر میری طرف متوجہ ہو جائے۔

جناب سید الشہداء نے اس مخدرہ کے بازو سے پکڑا اور خیام میں چھوڑ کر آئے۔ پھر بیٹے کے سرہانے بیٹھ گئے سر اٹھا کر آغوش میں لیا۔ چہرہ کو اپنی عبا کے دامن سے صاف کیا۔ پھر اٹھے بیٹے کو اس طرح اٹھایا کہ ہم شکل نبی کا سینہ اپنے سینے سے لگایا۔ ایک ہاتھ سر کے نیچے دوسرا کمر کے نیچے رکھے ہوئے خیام چلے۔ تمام فوج دیکھ رہی تھی کہ حسینؑ کس عزم اور ہمت سے اپنے جوان بیٹے کا لاشہ اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ ہم دیکھ رہے تھے کہ شہزادہ کے قدم زمین چھوتے جا رہے تھے۔

۲۳۔ کمسن بچہ:۔

بحالے مطابق خیام سے ایک کمسن بچہ باہر آیا جو سہما ہوا تھا۔ ڈر سے اس کا چہرہ زرد تھا۔ بھوک اور پیاس وہ دے محسوس ہو رہی تھی۔ دونوں کانوں میں مرکیاں چمک رہی تھیں۔ میدان میں دائیں بائیں دیکھتا ہوا نامعلوم منزل کی طرف بڑھ رہا تھا اور کسی کو تلاش کر رہا تھا کہ ہانی ابن بعیث نے آگے بڑھ کر اس شہزادے کا سر قلم کر لیا۔

۲۴۔ شیر خوار کی شہادت:۔

جب امام حسینؑ تنہا رہ گئے تو خیام سے ایک شیر خوار اٹھا کر لائے اور یزیدیوں سے کہا میرے ۲۲ جوان و کمسن تم نے پیاسے شہید کر دیئے ہیں میں نے کسی کے بیٹے سے پانی نہیں مانگا۔ یہ شش ماہا کمسن ہے۔ اس کی ماں کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔ اسے پانی کا ایک قطرہ پلا دو۔

عمر سعد کے کہنے سے حرملہ نے کمسن کے گورے نازنین کا نشانہ لے کر سہ شعبہ تیر چلایا۔ تیر سے کمسن کا گلا کٹ گیا اور شہزادہ علی اصغر باپ کے بازو سے پیوست ہو گیا۔

جنگ مظلوم کربلا

مناسب ہو گا اگر اس جگہ ہم اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے ایک اہل سنت محقق کے الفاظ کا ترجمہ پیش کر دیں:

مطالب السئول کے مصنف محمد ابن طلحہ شافعی شہادت مظلوم کربلا کے ابتدائیہ میں رقم طراز ہیں۔

یہ وہ بیان ہے جس کے مضمون سے آنسو ٹپک ٹپک جاتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غم واندوہ کے سبب بادل چھا جاتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحبان ایمان کے دلوں کو آتش حسرت کباب کیے دیتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آخر یہ کیفیت کیوں ہوتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس حالت کا سبب بد ذاتی کی وہ گستاخانہ جرات ہے جو انہوں نے اذیت پہنچا کر کی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس دن فطرت افزا نے آل نبی کے بے گناہ خون بہائے۔ دختران نبی کے خیام جلائے انہیں بے مقنع و چادر اس وقت جلتے خیام سے باہر آنے پر مجبور کیا جب ان کے سامنے آل نبی کے سر خاک و خون میں غلطاں تڑپ رہے تھے۔ آل نبی کے پارہ پارہ اعضاء میدان میں بکھرے ہوئے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے

ملاعین دختران رسول کا اسباب لوٹ کر، سروں سے چادریں چھین کر۔۔۔۔۔۔ کانوں سے بالیاں اتار کے۔۔۔۔۔ گلوں سے گلوبند لے کر ہاتھوں میں رسیاں ڈالیں۔۔۔۔۔ کتنے بدترین گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔۔۔۔۔ ان ظالموں نے کیسے معصوم خون بہائے۔۔۔۔۔ کتنے پیاسے بچوں کو بہتے دریا سے ایک قطرہ آب تک سے محروم رکھا۔۔۔۔۔ پھر ستم بالائے ستم محبوب رسول اور سبط پیمبر کا سر تن خنجر سے جدا کیا۔۔۔۔۔ اسے نوک نیزہ پر یوں بلند کیا جیسے غیر مسلم کا سر ہو۔۔۔۔۔ اسے یوں شہر بشہر تشہیر کیا جیسے دشمن اسلام تھا۔۔۔۔۔ ذریت نبویہ کو بے پالان کے اونٹوں پر سوار کر کے ہر شہر کے گلی کوچوں میں پھرایا۔۔۔۔۔۔ جب کہ ان ملاعین کو علم تھا کہ یہ اسی نبی کی ذریت ہے جس کے نام کا کلمہ پڑھ کر ہم مسلمان کہلاتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان ہونے کے ناطے جس قرآن پر ایمان و عمل فرض ہے۔ اسی قرآن نے اس ذریت نبویہ کی محبت فرض قرار دی ہے۔۔۔۔۔ اگر ہم سوا کمان گریہ کرتے تو تا قیامت آل رسول کی اس مظلومیت اور اسارت کے اس عالم دربدریت پر نوحہ خوانی کرتے۔۔۔۔۔ اگر کافر بھی اس شریف خاندان کو اس حال میں دیکھتے تو آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکتے۔

اگر عصر حاضر زمانہ جاہلیت کے سنگدل بھی صحرائے کربلا میں آجاتے تو ان کی مظلومیت پر مرثیہ خوانی کرتے۔۔۔۔۔۔ اگر اس دربدریت کا مشاہدہ ہانی اور جابر ذہن حکمران بھی کرتے تو ان مظلوموں کی نصرت کیے بغیر نہ رہتے ۔۔۔ ہائے افسوس اس مصیبت پر جس نے خدا پرستوں کے دل ٹکڑے کر دیئے۔۔۔۔۔ مومنین کو تا قیامت گریہ حالت میں رہنے دیا۔۔۔۔۔ ہائے افسوس! نبوی ذریت کا خون بہایا گیا۔

منتخب لہوف ارشاد۔ بحار۔ نظلم الزہرا۔ احتجاج۔ کامل۔ امالی صدوق اور مقتل ابو مخنف کے مطابق جب فرزند رسولؐ تنہا رہ گئے۔

خیمہ میں تشریف لائے۔ ام کلثوم زینب سے فرمایا۔

یا اختاہ ایتینی بثوب عتیق لا یرغب فیہ احد — بہن مجھے ایسا پرانا لباس دے جس میں کسی کو دلچسپی نہ ہو۔

شہزادی پرانا لباس لائی۔ آپ نے اسے مزید پارہ پارہ کیا۔ پرانا لباس پہن کر نبی کی زرہ پہنی۔ اور امام سجاد کے خیمہ میں آئے۔

جناب سجاد بستر مرض پر تھے۔ جب آپ نے آنکھیں کھول کر فرزند رسولؐ کے تمام جسم کو خون سے رنگین دیکھا تو عرض کیا۔

میری جان فدا ہو۔ آپ کا تمام جسم تیروں سے زخمی ہے۔ چچا عباس، بھائی اکبر کہاں گئے؟

مظلوم کربلا نے فرمایا۔ بیٹے اس وقت ان خیام میں مردوں میں سے ایک تم ہو اور ایک میں ہوں۔ میں تجھ سے آخری الوداع کرنے آیا ہوں۔ پھر آپ نے اسرار امامت جناب سجادؑ کے سپرد کیے اور بتایا بیٹے تمام تبرکات انبیاء مدینہ

روانگی سے قبل آپ نے ام المومنین ام سلمہ کے پاس رکھے تھے واپس لے کر سنبھال لیا۔

جناب سجاد سے الوداع کیا واپس اپنے خیمہ میں آئے تمام مستورات اسی خیمہ میں جمع ہو گئیں۔ خدا حافظ کہہ کر سواری کا ارادہ کیا۔ دائیں بائیں دیکھا کوئی نظر نہ آیا۔ بے ساختہ آپ کے منہ سے نکلا۔

این این یا حبیب ابن مظاهر۔ این این یا زهیر ابن قین۔ این این یا مسلم ابن عوسجه۔ این انتم یا فرسان الهیجاء انادیکم ولا تجیبون۔ اے میدان شجاعت کے سوارو! آج میں ایک ایک کا نام لے کر پکار رہا ہوں تم جواب تک نہیں دیتے۔

جناب زینب نے رکاب پکڑی اور عرض کیا۔

آقا سوار ہو جائیے۔

آپ نے پوچھا کون ہے۔

بی بی نے عرض کیا۔ آپ کے غلام کی کنیز ہوں۔

آپ سوار ہوئے۔ در خیمہ پر کھڑے ہو کر کہا۔ یا سکینہ۔ یا فاطمہ۔ یا ام کلثوم زینب۔ علیکن منی السلام۔ کمسن سکینہ نے کہا۔ یا ابتاہ استسلمت للموت بابا! کیا موت کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔

فرمایا۔ کیف لا یستسلم من لا ناصر له ولا معین۔ بھلا وہ کیسے موت کی طرف نہیں جائے گا جس کا کوئی ناصر رہا ہو نہ مددگار۔

شہزادی نے عرض کیا۔ یا ابتاہ ردنا الی حرم جدنا۔ بابا! ہمیں تو اپنے نانا رسولؐ کے حرم میں پہنچا دیں۔

فرمایا۔ بیٹی اگر نانا کی امت کے دل میں حرم رسول کا احترام ہوتا تو میں وہاں سے تمہیں ساتھ لے کر چلا ہی کیوں۔

آپ میدان میں آئے اور یوں استغاثہ بلند فرمایا۔

اللهم انك ترى ما يصنع بولد نبيك هل	اے اللہ تو دیکھ رہا ہے تیرے نبی کی ذریت سے جو سلوک کیا جا رہا ہے
من راحم يرحم آل الرسول المختار	آل رسولؐ پر ترس کھانے والا کوئی ہے
هل من ناصر ينصر الذرية الاطهار	پاکیزہ آباء و اجداد کی طاہر ذریت کی مدد کرنے والا کوئی ہے
هل من مجير لابناء البتول	اولاد بتول کو پناہ دینے والا کوئی
هل من ذاب يذب عن حرم الرسول	حرم رسول کی حفاظت کرنے والا کوئی ہے۔
هل من موحد يخاف الله	کوئی ایسا خدا پرست ہے جسے ہماری مظلومیت پر ترس آئے۔
هل من مغيث يرجو الله في اغاثتنا	کوئی فریاد رس ہے جو فی سبیل اللہ ہماری فریاد رسی کرے۔

جب جواب میں تیروں کی بارش اور سنگ باری ہوئی تو آپ آگے بڑھے اور رجز خوانی کی۔

ملائکہ کی آمد:

امالی صدوق کے مطابق منصور نامی فرشتہ کی زیر قیادت چار ہزار ملائکہ استغاثہ مظلوم زہرا سنکر مدد کو آئے منصور نے عرض کیا۔

قبلہ! اللہ کی طرف سے ہمیں آپ کی مدد کی اجازت ملی ہے۔ آپ اجازت دیں۔ تاکہ ان ظالمین کو ہم فی النار کر دیں۔

آپ نے فرمایا۔ اگر تم خدا کے ہو تو مجھ سے اجازت کی ضرورت نہیں اگر میری اجازت کی ضرورت ہے تو پھر میں نے اپنے نانا کی امت سے مدد مانگی ہے جو رمضان میں تم سے مدد کی درخواست نہیں کی جب درخواست کروں گا تو پھر آجانا۔

منصور اپنی فوج کے ساتھ چشم گریاں واپس چلا گیا۔

بعد از شہادت اسی منصور کو انہی ملائکہ کے ساتھ قبر غریب کربلا پر تا قیامت ماتم و گریہ کے لیے مقرر کر دیا گیا۔

جنات کی آمد:

ملائکہ کے بعد قوم جن نے آکر عرض کیا۔ قبلہ! ہمیں اجازت دیں تاکہ ہم ان ظالمین کو واصل جہنم کر دیں۔

آپ نے فرمایا۔ اگر میں تمہاری مدد سے نانا کی امت سے لڑنا چاہتا تو ملائکہ ہی کافی تھے۔

سردار جنات نے فرمایا۔ فرزند رسول آپ نے استغاثہ فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں استغاثہ کیا ہے۔ لیکن نانا کی امت سے۔ اللہ نے ہمیں یہ قوت دے رکھی ہے۔ اگر چاہوں تو چشم زدن میں ان تمام کو بھسم کر دوں۔ یہ ان کا بھی امتحان ہے۔ اور میرا بھی امتحان ہے۔ تم جاؤ۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق امام حسین عمر سعد کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

عمر سعد تو دیکھ رہا ہے اس میدان میں میرا ہر ناصر تہ تیغ ہو چکا ہے۔ مجھے جینے کی ضرورت ہے نہ خواہش لیکن ایک تمنا ہے کہ تم لوگ میرے قتل سے بچ جاؤ۔ دوسرا ذریت رسول کی شہزادیوں کا پردہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں تجھے ایک موقع دوں تین میں سے ایک بات مان لے۔

عمر سعد نے کہا۔ کون سی تین باتیں ہیں۔

فرزند رسول نے فرمایا۔ مجھے واپس اپنے نانا کے حرم میں جانے دے۔

عمر سعد نے کہا۔ ناممکن ہے۔

فرزند زہراؑ نے فرمایا مجھے پانی کا صرف ایک گھونٹ دے دو شدت پیاس کی وجہ سے میرا جگر کباب ہو رہا ہے
عمر سعد نے کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔
لخت دل بتولؑ نے فرمایا۔ دستور عرب کی طرح ایک ایک میرے مقابلہ میں آؤ۔
عمر سعد نے کہا۔ ہاں یہ ممکن ہے۔
پھر آپ نے فرمایا اے ابن سعد ظالم مجھے اتنا تو بتا دو کہ تم کیوں مجھے قتل کرنا چاہتے ہو۔
کیا میں نے حکم خدا سے نافرمانی کی ہے!
کیا میں نے سنت نبویہ کو ترک کیا ہے!
کیا میں نے شریعت میں کوئی تبدیلی کی ہے!
یزیدیوں نے بیک وقت کہا۔ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ ہمیں صرف اور صرف تیرے باپ کی عداوت جنگ پر آمادہ کیے ہوئے ہے۔ بدر و حنین میں تیرے باپ نے ہمارے اسلاف کو قتل کیا۔ آج آپکے باپ سے بغض کا انتقام آپ سے لیا جا رہا ہے۔
پھر آپ نے فرمایا میری مقابلہ میں ایک ایک کی پیشکش موجود ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھو کہ میں کمزور ہوں تم تازہ دم ہو۔ اور میں تین دن سے بھوکا اور پیاسا ہوں۔ پھر بھی تم سے جنگ کی تاب باقی ہے۔ ذرا میرے ایک حملہ کا مقابلہ تو کر دیکھو۔ یہ کہہ کر آپ نے حملہ کیا۔ ڈھائی ہزار یزیدیوں کو واصل جہنم کیا۔ پھر اپنی جگہ آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ عمر سعد! اب ایک ایک کو میرے مقابلہ میں بھیج۔
ایک ایک ہو کر یزیدی مقابلہ میں آنے لگے۔ اور لخت دل بتولؑ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے۔ آخر یزیدیوں میں سے کوئی بھی مقابلہ میں آنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔
لہوف میں یزیدی عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ بخدا آج تک ایسا زخمی نہیں دیکھا جس کی اولاد اور انصار ریگزار پر لیٹے ہوں۔ اور اس جرأت و ہمت سے لڑ رہا ہو کہ جس طرف حملہ کرتا تھا یزیدی سپاہی اس طرح بھاگتے تھے جس طرح شیر کے سامنے بکریاں بھاگتی ہیں۔
حمید ابن مسلم لکھتا ہے کہ تیروں کی برسات کی وجہ سے فرزند رسولؐ کا جسم نظر نہیں آتا تھا۔ جسم مقدس سے نکلنے والے خون سے ذرہ پر ایک تہہ جم چکی تھی۔
منتخب کے مطابق جب شمر نے دیکھا کہ جو بھی مقابلہ میں جاتا ہے قتل ہو جاتا ہے۔ عمر سعد سے کہا۔ جناب اس صورت حال میں تو اگر پورا خطہ عرب بھی آ جائے تو یہ تمام کو فنا کر دے گا۔ تجھے معلوم تو ہے کہ اس کی رگوں میں علیؑ کا خون اور بنت رسولؐ کا دودھ ہے۔ کبھی میمنہ پر حملہ کرتا ہے کبھی میسرہ کو تتر بتر کر دیتا ہے اب تک ہمارے ہزاروں سپاہی ہلاک ہو چکے ہیں۔

عمر سعد نے کہا۔ پھر کیا کریں؟

شمر نے کہا۔ تمام فوج کو حکم دے کہ چاروں طرف سے گھیر لے۔ ہمارے پاس چار ہزار تیر انداز ہیں وہ تیر اندازی کریں۔ تیر اندازی سے کمزور ہوگا۔ جب زین پر بیٹھنے کے قابل نہیں رہے گا تو پھر تمام فوج نیزوں اور تلواروں سے حملہ آور ہو جائے گی۔ جتنے اس کے بہتر جاں نثاروں نے مارے ہیں ان سے زیادہ یہ تنہا مار چکا ہے۔ وہ میدان میں دیکھو لاشیں ہی لاشیں نظر آتی ہیں۔ دس ہزار سے اوپر کو مار تو یہ چکا ہے زخمی ان کے علاوہ ہیں۔

عمر سعد نے کہا۔ ٹھیک ہے ایسا ہی کرتے ہیں۔

اس نئی جنگی تدبیر سے چار ہزار تیر اندازوں کو حکم دیا گیا کہ تیر برسائیں۔ تیروں کی بارش میں ایک طرف سے سوار آگے بڑھے اور ان سواروں نے مظلوم زہرا کو خیام سے کاٹ دیا۔

فرزند رسول نے باواز بلند فرمایا۔ اگر تمہیں قیامت کا خوف نہیں اور دین کو کچھ نہیں سمجھتے تو کم از کم اپنی عرب حمیت کا ساتھ نہ چھوڑو۔

شمر نے کہا۔ اے فرزند زہرا کیا کہہ رہے ہو۔

آپ نے فرمایا۔ میں تم سے جنگ لڑ رہا ہوں مستورات خیام کے اندر ہیں۔ اپنے وظیفہ خواروں سے کہو جب تک میں زندہ ہوں اس وقت خیام کی طرف نہ جائیں۔

شمر نے حکم دیا کہ خیام کی طرف مت جاؤ۔ مردوں کی طرح اس تنہا کا مقابلہ کرو۔

فرزند رسول دریائے فرات پر جانا چاہتے تھے۔ لیکن درمیان میں یزیدی ٹڈی دل حائل ہو جاتا تھا بالآخر آپ نے عمرو ابن حجاج اور اعور جو چار ہزار کے ساتھ دریائے فرات پر مامور تھے۔ حملہ کر کے کنارہ خالی کیا۔ اور گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔ جب گھوڑے نے پانی کی خنکی محسوس کی تو پانی پینے کو سر جھکایا۔

امام حسین نے گھوڑے سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ انا عطشان وانت عطشان واللہ لا ذقت الماء حتی تشرب تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں۔ لیکن جب تک تو پہلے نہیں پئے گا میں نہیں پیوں گا۔ ذوالجناح نے زبان حال سے سر ہلا کے اشارہ کیا۔

جب تک آقا نہیں پئے گا میں منہ تک نہ لگاؤں گا۔

چنانچہ آپ نے چلو میں پانی لیا۔ اور پینے کے لیے چلو کو منہ کے قریب کیا۔ حصین ابن نمیر نے نشانہ لے کر تیر مارا۔ جو آپ کے دائیں رخسار میں پیوست ہو گیا پانی ہاتھ سے گر گیا آپ نے اسی ہاتھ میں رخسار سے بہتا ہوا خون لیا اسے آسمان کی طرف اچھال کر کہا۔ بارالہا! گواہ رہنا ان لوگوں نے مجھے پانی نہیں پینے دیا۔ آپ نے پھر دوسری مرتبہ چلو میں پانی لیا۔

عمر سعد نے سپاہیوں سے کہا۔ تمہیں بیعت یزید کی قسم ہے اگر حسین نے پانی کا ایک گھونٹ بھی پی لیا تو پھر

تم یہاں سے پلٹ کر گئے زندہ نہ چھوڑے گا۔

چنانچہ خولی نے کہا۔ حسین تو پانی پی رہا ہے اور سپاہیوں نے تیرے خیام کو آگ لگا دی ہے۔ آپ نے پانی پھینک دیا۔ اور جلدی سے باہر آئے۔ خیام پر پہنچے دیکھا تو خیام سالم تھے جونہی بچوں نے آپ کو دیکھا سب سے پہلے دیکھا سمجھے پانی لائے ہیں دوڑ کر در خیام پر آئے لیکن جب زخمی رخسار دیکھا تو بچوں کی چیخیں نکل گئیں۔ مستورات نے گریہ کرنا شروع کیا۔

فرزند رسولؐ نے فرمایا۔ اب خاموش ہو جاؤ رونے کا وقت بہت ہے۔

دختر زہراؑ نے سوال کیا۔ بھیا کیا آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہو چکا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ زینب میں شہادت کا یقین لے کر ہی مدینہ سے چلا تھا اور اب تو حالات آپ کے سامنے ہیں جس شخص کا نہ کوئی ناصر ہو اور نہ مددگار۔ دشمن سامنے ہو پھر کیسے یقین نہیں ہو گا

بی بی نے عرض کیا۔ بھیا ہمیں واپس مدینہ کون لے جائے گا۔

آپ نے فرمایا۔ بہن مدینہ تمہیں سجاد لے جائے گا۔ میں چشم امامت سے دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے سروں پر چادریں نہیں۔ تمہارے ہاتھوں میں رسیاں ہیں اور کربلا سے کوفہ۔ اور کوفہ سے شام تک تمہیں بے پالان کے اونٹوں پہ لے جایا رہا ہے۔ تمہیں شہر بشہر تشہیر کیا جا رہا ہے۔ یہ سن کر بنت زہراؑ نے بین کیے سر اور منہ پر طمانچوں سے بھی ماتم کیا۔

آپ نے صبر کی تلقین کی اللہ کے سپرد کیا۔ اور الوداع کر کے رخصت ہوئے۔ میدان میں آئے۔ شمر سے پانی مانگا۔

شمر نے کہا۔ حسین تمہارے بقول تیرا بابا ساقی حوض کوثر ہے۔ اب یہ دنیا کا پانی پی کر کیا کرو گے۔ اب کوثر پینا۔

ابو الحتوق جعفی نے آپ کو تیر مارا۔ جو پیشانی میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے خون پورے چہرے پر مل دیا۔ اور عرض کیا۔

بار الہا! جو کچھ تیرے نبی کی ذریت سے ہو رہا ہے تو اچھی طرح واقف ہے۔

اس کے بعد آپ نے یزیدیوں پر حملہ کر دیا۔ جو بھی تلوار کی زد میں آ جاتا تھا۔ واصل جہنم ہوتا تھا۔ یزیدیوں کی طرف سے تیروں کی موسلا دھار بارش تھی جو آپ اپنے سینہ پہ لے کر آگے بڑھتے تھے اور فرماتے تھے۔

اے بدترین امت۔ کسی نبی کی امت نے اپنے نبی کے اہل بیت سے یہ سلوک نہیں کیا جو تم عترت مصطفیٰ سے کر رہے ہو۔

یاد رکھو! میرے قتل کے بعد تم لوگ کسی کا قتل کرتے قیمت نہیں سمجھو گے۔ قتل کا ایسا باب کھلے گا جو تا قیامت رہیگا

اور خدا تجھ سے میرا انتقام اس طرح لے گا کہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

اس اثنا میں آپ کا جسم زخموں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ ایک ہزار نو سو زخم تیر سے لگا تھا۔ علامہ مجلسی نے زخموں کی تعداد یوں لکھی ہے۔

- تیروں کے زخم چار ہزار۔
- نیزہ و تلوار کے زخم ایک سو اسی تھے۔ ابو مخنف نے نیزہ کے ایک سو چالیس زخم۔ اور تلوار کے ۳۳ زخم بتلائے ہیں۔

امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ آپ کے جسم پر تیروں کے چار ہزار زخموں کے علاوہ تین سو ساٹھ زخم نیزوں کے تھے زخموں کی تعداد میں اختلاف کے باوجود اس بات میں اتفاق ہے کہ جتنے بھی زخم تھے سب کے سب جسم کے سامنے والے حصہ پر تھے جو پیشانی سے پاؤں تک تھے۔ پشت پر ایک زخم بھی نہ تھا۔

آپ کچھ دیر سستانے کے لیے کھڑے ہوئے ایک ظالم نے پتھر مارا۔ جو پیشانی پر تیر کے زخم کے دائیں لگا۔ خون بہنے لگا۔ آپ دامن عبا سے خون صاف کر رہے تھے کہ ایک سہ شعبہ زہر آلود تیر آپ کے سینہ میں آ پیوست ہوا۔

اس وقت آپ نے کہا۔ بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ آپ نے رخ سوئے آسمان کیا اور عرض کیا۔

بار الہا! تجھے معلوم ہے کہ سیاہ بخت اس شخص کے درپے قتل ہیں کہ روئے زمین پر اس کے سوا تیرے نبی کی دختر کا فرزند اور کوئی نہیں ہے۔

پھر آپ نے وہ تیر پشت کی طرف سے نکالا۔ خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ آپ نے دائیں ہاتھ پر خون لیا اور سوئے آسمان اچھال دیا۔ اس خون سے ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرا۔ پھر آپ نے دوسرا چلو خون سے بھرا اور اپنے سر اور ریش مبارک پر مل دیا اور فرمایا۔ اپنے نانا، بابا، ماں اور بھائی سے اسی حالت میں ہی ملاقات کروں گا۔

آپ یونہی کھڑے تھے کہ ایک کندی نے آ کر آپ کے سر پر تلوار سے وار کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ظالم اللہ تجھے اس ہاتھ سے کھانا پینا نصیب نہ کرے۔ اس کے دونوں ہاتھوں سے سردیوں میں خون ٹپکتا تھا اور گرمیوں میں لکڑی کی مانند خشک ہو جاتے تھے۔

جب آپ اسی حالت میں کھڑے تھے شمر نے فوج کو آواز دی۔ اب کیا کھڑے دیکھ رہے ہو۔ زخموں سے نڈھال ہو چکا ہے۔

آگے بڑھو۔ تاکہ فارغ ہو کر اور کام کریں۔ ہر طرف سے ظالم آگے بڑھنے لگے۔ حصین ابن نمیر نے دہن مبارک کا نشانہ لے کر تیر مارا۔

ابوایوب غنوی نے حلقوم مبارک کا نشانہ لے کر تیر مارا۔ اس وقت آپ نے کہا۔ بسم اللہ و باللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ یہ رضائے خدا میں شہادت ہے۔

زرعہ ابن شریک نے آپ کے بائیں کندھے پر تلوار سے وار کیا۔

عمر ابن خلیفہ جعفی نے دائیں کندھے پر تلوار لگائی۔

سنان ابن انس نخعی نے سینہ میں تیر مارا۔

صالح ابن وہب مزنی نے کمر میں نیزہ مارا۔

اس نیزہ کے بعد آپ زین ذوالجناح پر نہ سنبھل سکے۔ آپ زمین پر دائیں رخسار کے بل آئے۔ اور پڑھا۔

بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ۔

پھر آپ اٹھ کر بیٹھے حلقوم مبارک سے تیر نکالا۔ اس سے بہنے والا خون ہاتھوں میں لے کر اپنے سر اور ریش مبارک پر خضاب کر لیا۔

حمید ابن مسلم کہتا ہے کہ اس عالم میں خیام سے ایک مستور بڑی تیزی سے باہر آئی۔ اس کے پاؤں چادر میں الجھ رہے تھے۔

فریاد کر رہی تھی۔ واحسیناہ۔ واھل بیتاہ۔ لیت السماء اطبقت علی الارض آسمان گر کیوں نہیں جاتا۔

لیت الجبال تدکدکت علی السھل پہاڑ ریزہ ریزہ کیوں نہیں ہو جاتے؟

بحار کے مطابق اس مخدرہ نے عمر سعد سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

یا ابن سعد یقتل ابو عبد اللہ و انت تنظر الیہ۔ — اے سعد! اے ابو عبداللہ کس بے دردی سے شہید ہو رہا ہے اور تو دیکھ رہا ہے۔

عمر سعد نے رخ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

اس مخدرہ نے تمام یزیدیوں سے فرمایا۔

ویحکم اما فیکم مسلم۔ — افسوس تمہیں رسوا کرے کیا تم میں کوئی ایک مسلمان نہیں۔

اس کا بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ میں نے یزیدیوں سے پوچھا یہ کون مستورہ ہے؟ ایک نے کہا۔ اس بی بی کا لہجہ حضرت علیؑ سے ملتا جلتا ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ یہی علیؑ کی بڑی بیٹی اور جعفر طیار کی بہو ہے۔

لہوف میں سید نے آپ کے ذوالجناح سے زمین پر آنے کے بعد کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

شمر نے بآواز بلند کہا۔ ذلیل ہو جاؤ۔ اب کس بات کا انتظار کر رہے ہو۔ اب تمہیں کس بات کا ڈر ہے اب تو فرزند زہراؑ لڑنے کے قابل نہیں رہا۔

شمر کی یہ آواز سن کر تمام فوج آگے بڑھی۔

زرعہ ابن شریک نے آپ کے کندھے پر تلوار سے وار کیا دوسرا وار بائیں کندھے پر کیا۔ آپ اٹھتے تھے پھر سنبھل نہ سکتے تھے۔ چند قدم اسی طرح چلے گرا سامنے سے سنان ابن انس نے ہنسلی پر نیزہ مارا۔ وہاں سے نیزہ نکال کر دوسرا نیزہ سینہ میں مارا۔ نیزہ نکال کر پھر حلق مبارک میں تیر مارا۔ اس تیر کے بعد آپ سنبھل نہ سکے اور گر گئے۔ پھر اٹھ کر بیٹھے حلق سے بہنے والا خون دونوں ہاتھوں میں بھر کر سر اور ریش پر خضاب کیا اور فرمایا۔ اسی حالت میں نانا بابا، بھائی اور اماں سے ملنے بارگاہ خالق میں جاؤں گا۔

پھر آپ بیٹھے بھی نہ رہ سکے۔ غش کھا گئے۔ کافی دیر تک عالم غش میں رہنے کے بعد اٹھ کر بیٹھے۔ پھر اٹھنے کا ارادہ کیا لیکن نہ اٹھ سکے۔ اس وقت بے ساختہ کہا۔ وا جداہ۔ وا محمداہ۔ وا ابتاہ۔ وا علیاہ۔ پھر بیٹھے نہ رہ سکے غش کھا گئے تین گھنٹے مسلسل غش میں رہے۔

غش سے افاقہ ہوا۔ اٹھ کر بیٹھے قبضہ تلوار کا سہارا لیا پیشانی قبضہ تلوار پہ رکھی۔ بعض روایات کے مطابق اس وقت کمسن سکینہ دوڑ کر آئی اور سلام کیا۔

آپ نے سر اٹھا کر فرمایا۔ سکینہ اس وقت کہاں آئی ہو!

شہزادی نے عرض کیا۔ لا تزد دمنك في آخر وقتك۔ أذنت لي ان اعانقك آپ کے اس آخری وقت کی دل میں تصویر بسانے آئی ہوں۔ اجازت دیں تاکہ ایک مرتبہ گلے لگا لوں۔

آپ نے اجازت دی۔ بچی نے کوشش کی لیکن گلے نہ لگا سکی۔

مظلوم کربلا نے فرمایا۔ بیٹی کیا بات ہے گلے کیوں نہیں لگاتی۔

بچی نے عرض کیا۔ بابا۔ کوشش کر رہی ہوں۔ لیکن کیا کروں، میرے ہاتھ چھوٹے ہیں اور تیر لمبے ہیں۔ ہاتھ نہیں پہنچ رہے۔

آپ نے جسم سے تیر نکالے۔ گود خالی کی۔

بچی کو گود میں بٹھایا۔ سر چوما۔

اتنے میں شمر آیا اور کہا۔ حسین بچی کو الگ کر دے۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹی اب خیام میں چلی جا میرے شیعوں کو میرے سلام کہہ دینا اور انہیں بتلا دینا۔

ان ابی مات غریبا فاندبوہ ۔ — میرا بابا مسافر شہید ہوا ہے اس کا ماتم کرو۔

ان ابی مضی شہیداً فابکوہ ۔ — میرا بابا شہید ہوا ہے اس پر گریہ کرو۔

کیفیتِ شہادت

ارشادِ شیخ مفید کے مطابق بچی کی واپسی کے بعد شمر بھی واپس ہوا۔ کچھ دیر ان ملاعین نے انتظار کیا۔ پھر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔

اسی اثنا میں امام حسنؑ کا گیارہ سالہ عبداللہ ابن حسن خیام سے دوڑ کر آیا۔ امام مظلوم کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے پیچھے ایک مستورہ شکستہ صورت سے آئی۔ چادر اس کے پاؤں میں الجھ رہی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی گر جائے گی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کون ہے؟

اس وقت پتہ چلا کہ جعفر طیار کی بہو ہے۔ جب امام مظلوم کے قریب آئی شہزادہ کے ہاتھ سے پکڑا اور مظلوم کربلا نے فرمایا۔ یا اختی ارجعی۔ بہن اسے واپس لے جا۔

لیکن بچے نے واپس جانے سے انکار کر دیا اور کہا۔ پھوپھی۔ بخدا! میں اپنے آقا کو چھوڑ کر ہرگز نہ جاؤں گا۔

اسی دوران ابحر ابن کعب نے تلوار بلند کی۔

بچے نے اسے دیکھ کر کہا۔

یا بن الخبیثہ اتقتل ابن رسول اللہ خبیث ماں کے بیٹے کیا فرزندِ رسولؐ کو قتل کرتے ہو۔

اس ظالم نے تلوار ماری۔ بچے نے ہاتھ آگے کر دیا۔ کلائی سے ہاتھ کٹ گیا۔ بچے نے بے ساختہ وااماہ کہا امام حسینؑ کی گود میں گر گیا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹے صبر کر۔ آپ ابھی بچے کو تسلی دے رہے تھے کہ حرملہ نے تیر مارا مظلوم کربلا کی گود میں بچے کے سینے سے پار ہو گیا۔ بچہ تڑپ کر مظلوم زہراؑ کے سینے سے چمٹ گیا۔ اور روح نے قفسِ عنصری کو چھوڑ دیا۔

بحار کے مطابق شمر نے پھر آواز دی۔

ظالمو! کیا دیکھ رہے ہو جلدی قصہ ختم کرو۔

زرعہ ابن شریک نے تلوار سے وار کیا۔ جس سے آپ کی بائیں کلائی سے بایاں ہاتھ جدا ہو گیا۔ پھر اس ظالم نے آپ کے بائیں بازو پر دوسرا وار کیا۔ اس کے بعد یکسر تمام یزیدی سب ہٹ گئے۔ اور مظلوم زہراؑ کی قوت اور [illegible] ٹوٹنے لگی۔

آپ اٹھتے تھے پھر گر جاتے تھے اٹھتے تھے پھر گر جاتے تھے۔ بعض محدثین کے مطابق اس حالت میں آپ نے اللہ کو سجدے کیے۔

ابو مخنف کے مطابق تین گھنٹے قریب شہزادہ اسی عالم میں رہے آسمان دیکھتے رہے اور فرماتے رہے۔

صبراً علی قضائك یارب لا اله سواك اے فریاد کنندگان کے فریاد رس تیرے سوا کوئی معبود نہیں
یاغیاث المستغیثین۔ تیری قضا پر صبر کروں گا۔

عمر سعد نے کہا۔ ظالمو اب جلدی کرو اور سر کاٹ لو۔

سب سے پہلے شبث ابن ربعی سر کاٹنے کو آگے بڑھا جونہی آپ کے قریب آیا۔ آپ نے اس کی طرف ایسے انداز میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور یہ بھاگ گیا۔

پھر سنان ابن انس۔ آگے بڑھا۔ یہ بھی جب قریب آیا اور آپ نے دیکھا تو تلوار پھینک کر بھاگ گیا۔

عمر سعد نے کہا۔ جو سر حسینؑ کاٹے گا اسے خصوصی انعام دیا جائے گا۔

شمر نے کہا۔ اگر یہ بات ہے تو پھر میں خود ہی یہ کام کروں گا۔

عمر نے کہا۔ آگے بڑھ۔ جلدی کر۔ تجھے خصوصی انعام دلاؤں گا۔

بحار کے مطابق شمر اور سنان دونوں ایک ساتھ آئے۔ دیکھا تو امام حسینؑ زبان کو تالو سے چھڑانے کی کوشش میں مصروف تھے کیونکہ شدت پیاس سے زبان چپک گئی تھی۔ دونوں کچھ دیر تک کھڑے دیکھتے رہے۔ پھر شمر نے آپ کو سیدھا کیا اور سینے پر بیٹھ گیا۔

مظلوم کربلا نے فرمایا۔

من انت فلقد ارتقیت مرتقاً عظیماً۔ تو کون ہے۔ بڑی عظیم جگہ پر انتہائی جسارت سے آ کر بیٹھا ہے

شمر نے کہا۔ میں شمر ہوں۔

مظلوم کربلا نے فرمایا۔ مجھے پہچانتا ہے کہ میں کون ہوں؟

شمر نے کہا۔ حسینؑ بھلا تجھے کون نہیں پہچانتا۔ تو فاطمہؑ کا بیٹا ہے۔ محمدؐ کا نواسہ ہے۔ اور تو علیؑ کا لخت جگر ہے۔

مظلوم کربلا نے فرمایا۔ جب تو میرا حسب نسب جانتا ہے پھر مجھے قتل کیوں کرتا ہے؟

شمر نے کہا۔ اگر تجھے قتل نہ کروں تو پھر یزید سے انعام کیسے لے گا۔

مظلوم زہراؑ نے فرمایا۔ تجھے انعام زیادہ عزیز ہے یا میرے نانا کی شفاعت

شمر نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

یہ تو نے کیا کہہ دیا ہے۔ میری نگاہ میں انعام کی ایک کوڑی تیری ذات اور تیرے نانا کی ذات سے کہیں افضل ہے۔

مظلوم کربلا نے فرمایا۔ اگر ارادہ ہے مجھے قتل کرنا ہی ہے تو ایک گھونٹ پانی ہی پلا دے۔۔

شمر نے کہا۔ کیا تمہارا یہ ایمان نہیں کہ تیرا بابا حوض کوثر کا ساقی ہے اور اپنے محبوں کو حوض کوثر سے سیراب کرے گا۔

بس تھوڑا صبر کرے پھر حوض کوثر سے جا کے پی لینا

غریب زہراؑ نے فرمایا۔ ذرا اپنا چہرہ اور سینہ تو دکھا۔

شمر نے چہرے سے کپڑا اٹھایا۔ پھر سینہ خالی کیا۔

مظلوم کربلا نے فرمایا۔ صدق جدی رسول اللہ۔ نانا نے سچ فرمایا تھا۔

شمر نے پوچھا۔ آپ کے نانا نے کیا کہا تھا۔

غریب کربلا نے فرمایا۔ میرے نانا نے میرے بابا کو بتایا تھا۔ یا علیؑ تیرے اس بیٹے کا قاتل ابرص ہوگا اس کے سینہ پر برص کا داغ ہوگا اور اس کا چہرہ کتے اور خنزیر سے مشابہ ہوگا۔

شمر نے غصہ میں آکر کہا۔

تو نے مجھے کتے اور خنزیر سے تشبیہ دی ہے اب میں تجھے پس گردن سے ذبح کروں گا۔ چنانچہ اس نے مظلوم کربلا کو اوندھے منہ لٹایا۔ دائیں جانب بیٹھ گیا۔ اور کند خنجر سے وار کرنا شروع کیے۔ ایک ایک کر کے رگ ہائے گلو کاٹنے لگا۔ ہر رگ کٹنے پر مظلوم کربلا ہائے نانا۔ ہائے بابا۔۔ ہائے عباس اور ہائے غربت کا بین کرتے۔ تیرہویں ضرب سے سر جدا کر کے اس ظالم نے صدائے تکبیر بلند کی۔

شمر کی صدائے تکبیر سن کر پورے یزیدی لشکر نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہا۔

زمین کربلا میں زلزلہ آگیا۔ پوری فضا تاریک ہوگئی۔ ہر شخص تھر تھر کانپنے لگا۔ سورج گہنا گیا۔ اور ستارے نکل آئے تھے۔

لوگوں نے سمجھا کہ قیامت آگئی۔ عرش الہی کانپ گیا۔ ستارے ٹوٹنے لگے۔ ملائکہ سے عبادت چھوٹ گئی۔ حوروں نے سنگار چھوڑ دیا۔ ایک گھنٹہ تک یہی کیفیت رہی۔ تمام یزیدی کانپ گئے۔ اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔

ایک گھنٹہ کے بعد جب حالات معمول پر آنے لگے۔ یزیدیوں کے حوصلے پھر بلند ہوگئے۔ اور لاشہ مظلوم کربلا لوٹنے کی خاطر دوڑ پڑے۔

اسحاق حضرمی نے قمیص اتار لیا۔ اس پر سو سے اوپر تیروں کے سوراخ تھے۔ تلواروں کی ضربات تھیں۔ اور نیزوں کے چھید تھے۔

ابحر ابن کعب نے چادر لے لی۔

اخنس نے عمامہ لے لیا۔

مالک ابن یسر کندی نے عمامہ لے لی۔
اسود ابن خالد نے نعلین لیں۔
انگوٹھی بجدل ابن سلیم انگلی کے ساتھ لے گیا۔
تلوار جمیع ابن خالق ازدی نے لی۔

ذوالجناح

جب ذوالجناح نے اپنے سوار کو سر بریدہ دیکھا تو اپنی پیشانی خون مظلوم سے سرخ کی۔ الظلیمۃ الظلیمۃ کی دلدوز آواز بلند کرتا ہوا خیام آل محمد کی طرف آیا۔ جب مخدرات عصمت نے گھوڑے کی آواز سنی تو در خیمہ پر آئیں لیکن جب بی بیوں نے دیکھا کہ زین خالی ہے۔ اور گھوڑے کی پیشانی خون آلود ہے اور گھوڑے کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

بی بیوں کو یقین ہو گیا کہ اب وہ شہسوار اب کبھی نہیں آئے گا۔ اتنے میں جبریل نے آسمان و زمین کے ما بین ندا دی۔

الا قد قتل الحسین بالعراق

بنت زہراؑ نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھے اور بین کیا۔

وا محمداہ ھذا الحسین بالعراق — اے نانا۔ اپنے حسین کو صحرا میں جا کر دیکھیں جن کا سر بریدہ

مسلوب العمامۃ والرداء۔ — لاشہ سے عمامہ اور چادر بھی اتارے گئے ہیں۔

جب تمام بی بیاں بصورت حلقہ ذوالجناح کے گرد کھڑی تھیں تو ان میں سے بی بی سکینہ نے آگے بڑھ کر دونوں بانہیں گھوڑے کے گلے میں حائل کر کے پوچھا۔ یا مرکب ابی ھل سقی ام قتل عطشانا۔ اے گھوڑے مجھے تو صرف یہ بتا دے کہ میرے بابا کو مسلمانوں نے پانی دیا تھا یا فرزند رسول پیاسا شہید ہوا ہے۔ گھوڑے نے گردن ہلا کے بتایا کہ غریب ہر پیاسا ہی شہید ہوا ہے۔

اطلاع دینے کے بعد ذوالجناح واپس میدان میں آیا تمام شہداء کے لاشوں پر آیا ایک ایک لاشہ کے قریب کھڑا ہو کر اسے دیکھتا تھا۔

پھر وہ شہیدوں کے لاشہ پر آ جاتا تھا سب سے آخر میں غریب مقتول کے لاشہ پر آ کھڑا ہوا عمر سعد نے اپنے سپاہیوں سے کہا جاؤ نبی کی زین کی سواری ہے پکڑ لاؤ۔

جب ذوالجناح نے دیکھا کہ سوار میری طرف بڑھ رہے ہیں — جو بھی قریب آئے کسی کو سر سے کسی کی گلی ٹانگ سے اور کسی کو پچھلی ٹانگوں سے واصل جہنم کرنے لگا چالیس سوار اور دس گھوڑے جب ذوالجناح کے ہاتھوں مر چکے

تو عمر سعد نے کہا، یہ تمہیں پکڑائی نہیں دے گا۔ چھوڑ دو۔ اور دیکھیں کہ یہ کیا کرتا ہے۔

جب ذوالجناح نے دیکھا کہ اب تمام لوگ دور جا کر کھڑے ہیں تو اس نے اپنا منہ لاشۂ غریب پر رکھا اور اس کی غضب سے دریا کی آنکھوں سے سیل اشک بہنے لگا۔ تمام یزیدی حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

اس کے بعد ذوالجناح نے دریائے فرات کا رخ کیا۔ یزیدیوں نے سمجھا کہ پیاسا ہے پانی کی خاطر جا رہا ہے تمام نے راستہ دے دیا۔ سب نے دیکھا کہ ذوالجناح نے اپنے کو دریا میں ڈالا۔ پانی پیئے بغیر تیرتا چلا گیا۔ اور پھر غائب ہو گیا۔

تاراجی خیام

منتخب کے مطابق جناب فاطمہ صغریٰ بنت امیر المومنین سے منقول ہے کہ جب مظلوم کربلا کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے ارضی و سماوی آثار کر چکے یزیدی نئے حوصلے کے ساتھ خوشی منانے لگے۔ میں در خیمہ پر کھڑی اپنے بھائیوں اور اقرباء کے لاشے دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اب یہ ظالمین کیا سلوک کریں گے کیا ہمیں بھی قتل کیا جائے گا۔ یا قید کیا جائے گا۔

میں کھڑی سوچ ہی رہی تھی کہ میدان کی طرف سے گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز آئی۔ چاروں طرف سے ہمارے خیام کو گھیر لیا گیا۔

پھر عمر سعد نے آواز دی جو کچھ ان خیام میں ہے لوٹ لو اور خیام کو آگ لگا دو۔ حکم سنتے ہی یزیدی ہمارے خیام میں داخل ہو گئے۔ جسے جو کچھ ملا اس نے اٹھا لیا۔ پھر انھوں نے ہمارے سروں سے چادریں اتارنا شروع کیں۔ میں دیکھ رہی تھی خولی نامی ظالم نے پہلے میری بہن زینب کے سر سے چادر چھینی پھر گوشوارے اس طرح کھینچے کہ خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ میں ڈر کے مارے دوسرے خیمہ کی طرف کو دوڑی وہ ظالم میرے تعاقب میں آیا۔ آخر میں زیادہ دیر نہ دوڑ سکی اور زمین پر بیٹھ گئی۔ وہ قریب آیا میرے پاؤں سے کڑے اتارنے لگا۔

میں نے دیکھا وہ رو رہا تھا۔

میں نے پوچھا روتا کیوں ہے۔

اس نے کہا۔ تمہاری غربت اور بے کسی پر روتا ہوں۔

میں نے کہا۔ اگر غربت پر روتا ہے تو پھر لوٹتا کیوں ہے۔

کہنے لگا لوٹتا اس لیے ہوں کہ اگر میں نہ لوٹوں تو کوئی اور لوٹ لے گا۔

پھر اس نے میرے گوشوارے بھی اسی بے دردی سے چھینے۔ اگر وہ کہہ دیتا کہ مجھے اتار دے تو بھی میں انکار نہ کرتی۔ لیکن اس نے ظلم سے دونوں گوشواروں میں ہاتھ ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ میرے دونوں کان پھٹ گئے۔ میں غش کھا گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو میری بہن میرے سرہانے بیٹھی رو رہی تھی۔

بہن جب اٹھو ذرا چل کے سجاد کا پتہ کریں۔ تمام خیام کو آگ لگی ہوئی ہے۔

میں نے کہا۔ میرے سر پہ چادر نہیں ہے۔ بی بی نے فرمایا۔ خواہر! میرا سر بھی دیکھو اس وقت تمام زہراؑ زادیاں بے چادر ہیں۔

امالی صدوق میں جناب فاطمہ بنت حسینؑ سے مروی ہے جب غارت گری میں زہرا زادیوں نے رونا شروع کیا تو عمر سعد نے آواز دی۔ جلدی کرو۔ اور خیام کو آگ لگا دو۔

انہی یزیدیوں میں سے ہی ایک شخص نے عمر سعد سے کہا کیا تجھے ذریت رسولؐ کا قتل کافی نہیں اب خیام میں بچ جانے والے بچوں اور مستورات کو بھی جلانا چاہتا ہے تو کیا چاہتا ہے کہ اسی کربلا ہی میں غضب خدا نازل ہو اور ہم میں سے کوئی بھی گھر زندہ نہ جا سکے۔

دختر زہراؑ سے مروی ہے کہ میں خیمہ سجادؑ میں کھڑی تھی کہ ایک نیلی آنکھوں والا شخص آیا۔ پہلے اس نے میرے سر سے چادر چھینی پھر میرے گوشوارے اس طرح چھینے کہ میرے دونوں کان زخمی ہو گئے۔

اس کے بعد بیمار کے قریب آیا جس فرش پر سو رہا تھا وہ فرش اس زور سے کھینچا کہ بیمار خاک کربلا پر الٹ گیا میں نے بے ساختہ کہا۔

اللہ تیرے دونوں ہاتھ اور پاؤں قطع کرے۔ اللہ تجھے آخرت کی آگ سے پہلے دنیا کی آگ نصیب کرے۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق اس وقت تو پتہ نہ چل سکا کہ یہ ظالم کون تھا۔ بعد میں جب مختار نے خولی کو گرفتار کیا اور اس سے پوچھا کہ کربلا میں تو نے کون سے مظالم کیے تھے تو اس نے من جملہ دیگر مظالم کے دختر زہراؑ کے سر سے چادر اور کانوں سے گوشوارے چھینے کا واقعہ بتایا تو پتہ چلا کہ یہ ظالم خولی ہی تھا۔

مختار نے پوچھا۔ اس مخدومہ نے کیا کہا تھا۔

خولی نے جب بی بی کی بددعا بتائی تو جناب مختار نے کہا۔

بخدا میں اس مظلومہ کی دعا پوری کروں گا پھر خولی کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ جب کٹ چکے تو ابلتے ہوئے گرم تیل میں ڈالنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد جناب سجادؑ کو گرفتار کیا گیا۔ حمید ابن مسلم کی روایت ہے کہ شمر نے جناب سجادؑ کے قتل کا حکم دیا۔ جونہی اس نے یہ حکم دیا میں نے دیکھا ایک سر برہنہ خاتون آئی۔ اور بیمار کے اوپر گر گئی۔ اور کہا۔ اسے اس وقت قتل

کیا جائے گا جب پہلے مجھے قتل کیا جائے گا۔ میں نے شمر سے کہا۔ ظالم بھلا اس بچارے تیمیں کی خطا ہے۔ اسے چھوڑ دو ورنہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے قتل سے تمیں کئی ایک مستورات کو بھی قتل کرنا پڑے گا۔ شمر نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

حمید ابن مسلم ہی سے روایت ہے کہ جب خیام اہل بیت لوٹے جا رہے تھے اس وقت بنی بکر ابن وائل کی ایک خاتون جو یزیدی لشکر میں اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہوئی تھی نے خیمہ کی چوب اٹھائی اور کہنے لگی۔

اے آل بنی بکر ابن وائل اتنی اندھیر نگری بھی ہو رہی ہے۔ کہ پہلے ذریت رسول کے مردوں کو بھوکا اور پیاسا شہید کیا گیا۔ اب دختران زہراؐ کے سروں سے چادریں تک اتاری جا رہی ہیں کیا تمہاری عرب حمیت اس حد تک ختم ہو چکی ہے کم از کم جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہو اسی کا حیا ہی کرو۔

جب اس کے شوہر کو پتہ چلا تو وہ آیا اور اس کے ہاتھ سے چوب خیمہ لے کر پھینک دی اور اسے پکڑ کر اپنے خیمہ میں لے گیا۔

لوف کے مطابق تمام ہی خیام اور خیام کو نذر آتش کرنے کے بعد عمر سعد نے اپنے سپاہیوں سے پوچھا۔ ہے کوئی جو لاشہ حسین کو پامال سم اسپاں کرنے کی ذمہ داری قبول کرے۔ دس آدمیوں نے کہا اگر ہمیں اجازت مل جائے تو یہ کام ہم کر دیں گے۔

۱۔ اسحاق ابن بحریہ۔
۲۔ اخنس ابن مرثد
۳۔ عمرو ابن صبیح۔
۴۔ حکیم ابن طفیل
۵۔ مرو ابن منقذ
۶۔ سالم ابن خیثمہ
۷۔ صالح ابن وہب
۸۔ واخط ابن ناعم
۹۔ ہانی ابن ثبیت
۱۰۔ اسید ابن مالک

ان لوگوں نے گھوڑوں کے سموں سے فرزند رسولؐ کے لاشہ کو پامال کر دیا۔

جب ابن زیاد کے پیش ہوئے تو اسید ابن مالک نے اپنا تعارف یوں کرایا

نحن رضضنا الصدر بعد الظھر بکل — ہم نے نبیؐ کے پارہ جگر کے سینہ اور پشت کو اپنے

یعبوب شدید الاسمر۔ تیز رو گھوڑوں کے سموں سے روند ڈالا تھا۔

ابن زیاد نے پوچھا تم کون ہو؟

ان سب نے جواب دیا۔ ہم وہ ہیں جنھوں نے فرزند رسول کے سینہ کو گھوڑوں سے پیسا تھا۔

ابن زیاد نے بہت معمولی سا انعام دیا۔

ابو عمرو زاہد کہتا ہے کہ جب ہم نے ان دس کے حالات کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ سب کے سب معروف ولدالزنا تھے۔

بعد میں جناب مختار نے ان دسوں کی ایک تعداد میں لشکران کے ہاتھوں اور پاؤں میں کیل لگوائے اور ان پر گھوڑے دوڑانے کا حکم دیا۔

کافی میں ادریس اودی سے مروی ہے اگرچہ روز عاشورہ لاشہ مظلوم کربلا کو پامال سم اسپاں کیا گیا تھا لیکن ابن زیاد کا حکم تھا کہ حضرت حسین کا نام و نشان تک نہ رہنا چاہیے۔

چنانچہ جب ان دس ظالمین نے لاشہ پر گھوڑے دوڑائے اور عمر سعد نے آکر دیکھا تو اس نے کہا۔ حکم امیر کی حقہ تعمیل نہیں ہوئی۔ لاشہ ٹکڑے ٹکڑے تو ہو گیا ہے لیکن ختم تو نہیں ہوا۔ ابن زیاد کا حکم یہ ہے کہ لاشہ حسین کا نام و نشان تک باقی نہیں رہنا چاہیے۔ پھر ایک مرتبہ گھوڑے دوڑائے جائیں۔

جب بنات رسول کو معلوم ہوا کہ کل پھر گھوڑے دوڑائے جائیں گے تو جناب فضہ نے دختر زہراؑ کی خدمت میں عرض کیا۔

بی بی۔ آپ کے نانا کا غلام سفینہ جب راستہ بھٹک گیا تھا تو اس نے ایک شیر کو ابو الحارث کہہ کر اس سے مدد مانگی تھی۔ اور شیر نے اپنی پشت پر اٹھا کر راستہ پر چھوڑ دیا تھا۔ رات میں نے یہاں شیر کی دھاڑ سنی ہے میرا خیال ہے یہیں کہیں قریب ہی شیر رہتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں شیر کو تلاش کر کے اس سے مدد طلب کروں تاکہ کم از کم فرزند زہراؑ کا لاشہ دوسری پامالی سے تو بچ جائے۔

بی بی نے اجازت دی۔ جناب فضہ صحرا میں آئیں ایک ٹیلے کے سایہ میں شیر کو بیٹھے دیکھا۔ اور مخاطب ہو کر کہا۔ اے ابو الحارث تجھے معلوم ہے کہ فرزند رسولؐ کے لاشہ کا نام و نشان مٹانے کی خاطر کل دوسری مرتبہ گھوڑے دوڑائے جائیں گے۔

یہ سنتے ہی شیر اٹھ کھڑا ہوا اور میدان کا رخ کیا۔ اپنے دونوں ہاتھ لاشہ جناب شبیر پر پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے دن جب یہ ظالمین گھوڑے لے کر آئے اور شیر کو دیکھا کہ لاشہ کی نگرانی کر رہا ہے۔ تو عمر سعد نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب اس طرف رخ کرنا۔ فتنہ کو جگانا ہے۔ واپس آجاؤ۔

جناب فاطمہ صغریٰ کو مدینہ میں اطلاع :-

عوالم اور بحار میں ہے علی ابن احمد عاصمی نے اسماعیل ابن احمد بیہقی سے اسماعیل نے اپنے باپ احمد سے۔ احمد نے ابو عبداللہ حافظ سے ، ابو عبداللہ نے یحییٰ ابن محمد علوی سے۔ یحییٰ نے حسین ابن محمد علوی سے۔ حسین نے ابو علی طوسی سے ابو علی نے حسن ابن علی حمدانی سے۔ حسن نے علی ابن ہمیرہ سے۔ علی نے اسحاق ابن عباد سے۔ اسحاق نے مفضل ابن عمر جعفی سے مفضل نے امام جعفرؑ سے امام جعفرؑ نے امام باقرؑ سے۔ امام باقرؑ امام سجادؑ سے روایت کی ہے کہ جب کربلا میں نواسہ رسولؐ کی شہادت ہو گئی تو میدان کربلا میں ایک کوا آیا۔ اس نے اپنے پروں کو خون شبیرؑ سے رنگین کیے۔ اڑ کر مدینہ آیا۔ امام حسینؑ کے مکان کی منڈیر پر بیٹھا اس گھر میں تنہا فاطمہ صغریٰ بنت حسینؑ رہتی تھی۔

شہزادی کو اس کے پروں سے ٹپکنے والے خون سے اپنے بابا کی خوشبو آئی۔ اور بے ساختہ رو دی اور ساتھ ہی یہ مرثیہ پڑھا۔

نعب الغراب فقلت من	کوے نے خبر موت دی میں نے پوچھا
تنعاہ ویلک یا غراب	اے کوے کس کی خبر موت دینے آیا ہے۔
قال الامام فقلت من	کوے نے کہا امام کی خبر شہادت ہے میں نے پوچھا کون امام
قال الموفق للصواب	کوے نے کہا وہی جو ہمیشہ راہ حق کا سالک رہتا تھا
ان الحسین بکربلا بین	کربلا میں حسینؑ نیزوں اور تلواروں میں تقسیم ہو گیا ہے
الاسنۃ والضراب	حسینؑ پر آنسو بہائے
فابکی الحسین بعبرۃ	ثواب کے ساتھ اللہ سے امید رحمت بھی ہے۔
ترجی الالٰہ مع الثواب	میں نے کہا۔ کیا حسینؑ شہید ہو گیا ہے۔
قلت الحسین فقال لی	کوے نے کہا حقیقت یہی ہے کہ حسینؑ خاک و خون
حقا وقد سکن التراب	میں غلطاں ہو چکا ہے۔
ثم استقل بہ الجناح فلم یطق رد الجواب	پھر اس نے پر پھڑ پھڑانے اور مزید جواب نہ دے سکا

جناب ام سلمہ کا خواب :-

سرکار طوسی نے امالی میں جناب ابن عباس سے روایت کی ہے کہ میں اپنے گھر لیٹا ہوا تھا کہ ام المومنین ام سلمہ کے گھر سے گریہ و ماتم کی بہت اونچی آواز سنی میں اپنے غلام کو ساتھ لے کر بی بی کے گھر آیا۔ میری طرح مدینہ کی تمام عورتیں اور مرد بھی آ رہے تھے۔

میں نے کہا: ام المومنین! اس گریہ و ماتم اور آہ و فریاد کا کیا سبب ہے۔

بی بی نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ ہاشمی مستورات کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: اے عبدالمطلب زادیاں! آؤ میرے ساتھ نوحہ و بکا اور ماتم میں تعاون کرو۔

بخدا! تمہارا آقا شہید ہو گیا ہے۔ سید شباب اہل جنت مارا گیا ہے۔ سبط پیمبر کو قتل کر دیا گیا ہے حسین ہم سے جدا ہو گیا ہے۔

ان ہاشمی مستورات نے سوال کیا۔

اے ام المومنین! آپ کو کیسے پتہ چل گیا ہے۔

بی بی نے بتایا۔ میں نے ابھی ابھی نیند میں سرور انبیاء کو دیکھا ہے۔ ان کا گریبان چاک تھا سر میں خاک تھی اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا۔

میرے آقا! یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ام سلمہ! میں نے تجھے کچھ خاک دے رکھی تھی اور تجھے بتایا تھا کہ اسے دیکھتی رہنا جس دن یہ خاک خون میں تبدیل ہو جائے سمجھ لینا میرا حسین شہید کر دیا گیا ہے۔ لیکن تو اسے بھول گئی۔ میرا حسین تمام انصار اور اقرباء کے ساتھ میدان کربلا میں تین دن کا پیاسا انتہائی بربریت سے شہید کر دیا گیا ہے۔ میں ابھی کربلا سے آ رہا ہوں۔ ان کی قبریں کھودتا رہا ہوں۔

میں پریشان ہو کر اٹھی اندر گئی وہ شیشی اٹھائی جس میں میں نے نبی کریم کی دی ہوئی خاک رکھی ہوئی تھی اسے دیکھا تو میرا کلیجہ پھٹ گیا۔ تمام خاک خون بن کر اس طرح ابل رہی تھی جس طرح آگ پر پانی ابلتا ہے۔

پھر ام المومنین نے اس شیشی سے خون ہاتھ پر لیا اور اپنے سر اور چہرہ کو خضاب کیا اور مصروف ماتم و نوحہ ہو گئیں۔

اس کے بعد جب مدینہ میں شہادت حسین کی اطلاع آئی تو پتہ چلا کہ ام المومنین ام سلمہ کا خواب بھی درست تھا۔

مثیر الاحزان میں ابن نما اور لہوف میں سید نے روایت کی ہے کہ۔

عصر عاشور کو تاراجی خیام اور شہیدوں کے لاشوں کی پامالی سے فارغ ہونے کے بعد عمر سعد نے شمر، قیس ابن اشعث اور عمرو ابن حجاج زبیدی کو سر فرزند زہرا دے کر ابن زیاد کے پاس کوفہ روانہ کیا اور اپنی فوج سے دیگر شہداء کے سر جمع کرنے کو کہا۔ جب سر جمع ہو گئے اور انہیں شمار کیا گیا تو ستاسی سر تھے۔

کسی نے کہا۔ ایک سر کم ہے۔

عمر سعد نے کہا۔ کس کا سر نہیں ہے۔

اس نے کہا۔ میرا خیال ہے جن کو حسینؑ دم آخر پانی پلانا چاہتے تھے۔ اور حرملہ نے اسے تیر سے ذبح کیا تھا۔ اس شیر خوار کا سر نہیں ہے۔

عمر سعد نے کہا۔ وہ کہاں گیا ہے۔

اس نے کہا۔ میں نے حسینؑ کو دیکھا تھا وہ اسے ایک ٹیلے کے دامن میں تلوار سے قبر کھود کر دفن کر رہے تھے۔

عمر سعد نے حکم دیا۔ کہ علی اصغر کا لاشہ تلاش کر کے سر لایا جائے۔

یزیدی نیزہ بدست ہو کر تمام صحرا میں پھیل گئے اور زمین کربلا میں نیزوں سے تلاش شروع کر دی۔ بالآخر ایک غلام نے جب نیزہ اوپر اٹھایا تو لاشۂ شیر خوار کے ساتھ برآمد ہوا سر قلم کر کے عمر سعد کے پاس لایا گیا۔

شہزادہ علی اصغر کا سر مل جانے کے بعد سروں کی تعداد اکہتر ہو گئی۔ ان سروں کو ابن زیاد اور یزید سے تقرب کی خاطر جنگ کربلا میں شریک قبائل کے مابین یوں تقسیم کیا گیا۔

بنی کندہ تیرہ سر۔ اشعث ابن قیس ان کا سالار تھا۔

بنی ہوازن بارہ سر۔ شمر ذی الجوشن ان کا سردار تھا۔

بنی تمیم کو سترہ سر ملے

بنی اسد کو سولہ سر ملے

بنی مذحج کو سترہ سر ملے۔

دیگر شرکائے جنگ کے حصے میں تیرہ سر آئے۔

اخبار المنتخب کے مطابق جب شمر سر مظلوم لے کر کوفہ میں آیا تو دیر ہو چکی تھی دار الامارہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ چنانچہ اپنے گھر آیا۔ سر کو مٹی پر رکھ کر اسے طشت سے ڈھانپ دیا اور سو گیا۔

اس کی بیوی نے اسے دیکھا تو پوچھا۔ بڑے دن باہر رہ کر کیا لائے ہو کچھ لایا۔ کچھ ہے یا نہیں؟

اس نے کہا۔ ہاں بہت کچھ لایا ہوں۔ صبح دے دوں گا۔

یہ کہہ کر سو رہا۔ رات کے کسی وقت ندوہ زوجہ شمر اٹھی تو اسے اپنے گھر میں غیر معمولی روشنی نظر آئی۔ اس نے دیکھا تو معلوم ہوا رکھے ہوئے طشت کے نیچے سے نور کی ایک کرن پھوٹ کر سوئے آسمان جا رہی تھی۔ حیرت و تعجب سے ندوہ زوجہ شمر طشت کے قریب آئی۔ دیکھا تو وہیں طشت سے گریہ کی آواز آ رہی تھی۔ یہ طشت کے قریب بیٹھ گئی۔

اسے محسوس ہوا کہ طشت کے نیچے کچھ ہے۔ واپس آئی شمر کو جگایا۔ اور اسے پورا واقعہ سنا کر پوچھا طشت کے نیچے کیا ہے۔

شمر نے کہا۔ ایک خارجی کا سر ہے امام سے لڑنے والے۔

بیوی نے شمر سے پوچھا۔ اس کا نام کیا ہے۔

شمر نے کہا۔ حسین نام تھا۔

بیوی نے پوچھا۔ اس کے باپ کا کیا نام ہے۔

شمر نے کہا۔ علی

بیوی نے کہا۔ تجھ پر اللہ کی لعنت ہو فرزند علی کو خارجی کہتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی۔ یہ کہتے ہی غش کھا کر گر گئی جب افاقہ ہوا تو نوحہ کرنے لگی۔

اے بدبخت کیا سب سے بدتر انسان تجھے اس نبی سے حیا نہ آئی جس کے نام کا کلمہ پڑھتا ہے۔ اس کے بیٹے کو تو خارجی کہتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھی۔ طشت کے قریب آئی۔ سر کو اٹھایا۔ گود میں رکھا۔ سینے سے لگایا۔ بوسے لیے۔ پھر پڑوس کی عورتوں کو بلایا۔ ان کو انہیں تمام واقعہ سنایا۔ تمام نے قاتلین حسین پر لعنت کی اور گریہ و بکا بھی شروع کر دیا۔

زوجہ شمر کا بیان ہے کہ جب رات کا کافی حصہ گزر گیا تو میں نے محسوس کیا جیسے میرے گھر کی دیوار میں شگاف ہو گیا ہے۔ کچھ مستورات اس گھر میں آئیں۔ وہ بیبیاں سیاہ لباس میں ملبوس تھیں۔ ایک نے بڑھ کر میرے ہاتھ سے سر لیا۔ میں نے ایک عورت سے پوچھا یہ کون ہے؟

اس نے بتایا۔ یہ ام المومنین خدیجہ ہے اور اس کے ساتھ ان کی نواسی زینب کی ماں دختر رسول زہراؑ ہے۔

پھر کچھ مرد آئے ان کے درمیان میں ایک نہایت حسین و وجیہ شخص تھا۔ جس کا گریبان چاک تھا۔ سر میں خاک تھی اور ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے۔

زوجہ شمر نے کسی سے پوچھا۔ یہ کون ہے۔

اسے بتایا گیا۔ درمیان میں سرور انبیاؐ ہیں دوسرے جناب حمزہؓ۔ جعفرؓ، علیؑ اور حسنؑ ہیں۔ انہوں نے بھی باری باری سر کو اٹھایا۔ بوسے لیے۔ اور کافی دیر تک روتے رہے۔

اس کے بعد جناب خدیجہ میرے قریب آئیں اور فرمایا۔ بی بی! جو مانگنا ہے مانگ تو نے ہم پر احسان کیا ہے۔ اگر جنت میں ہمارے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو تیار ہو جا ہم تیرا انتظار کریں گے۔

میں بیدار ہوئی دیکھا تو سر حسینؑ میری گود میں تھا۔

شمر اٹھا اس نے مجھ سے سر مانگا اور کہا صبح ہونے والی ہے میں ابن زیاد کے پاس سر لے جاؤں گا۔

میں نے کہا۔ ظالم تو یہودی ہے پہلے مجھے طلاق دے۔ پھر دوسری بات ہو گی۔ اب میں تیرے ساتھ بھی نہیں رہ سکتی۔

شمر نے فوراً طلاق دے دی۔ پھر سر مانگا۔

اس مخدرہ نے کہا۔ اب تو مجھے طلاق دے چکا ہے تیرا اور میرا کیا رشتہ۔ اب میں یہ سر تجھے نہ دوں گی۔ مجھے قتل کر کے ہی یہ سر لے سکتا ہے۔

اس ظالم نے تلوار سے وار کر کے اس مخدرہ کو شہید کر دیا۔

ابو مخنف نے فزاری ابن عدی سے روایت کی ہے کہ گیارہ محرم کی رات میں مقتولوں کے چند لاشوں میں پڑا تھا کہ میں سوار آئے میں بچا۔ ابن زیاد اپنی فتح کا یقین کرنے آیا ہے۔ یہ سب سوار تھے۔ جب لاشۂ مظلوم کربلا کے قریب آئے تو پیدل ہو گئے۔

ایک شخص لاشۂ مظلوم کے قریب آیا۔ ساتھ بیٹھ گیا۔ اپنے ہاتھوں سے بے سر لاشہ کو سہارا دے کر بٹھایا۔ پھر کوفہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے دیکھا تو اس کے ہاتھوں پر سر مظلوم تھا۔ اس نے سر کو جسم سے جوڑا۔ مظلوم نے عرض کی نانا میرا سلام۔ میں سمجھ گیا کہ نبی اکرمؐ ہیں۔

آپ نے مظلوم کربلا کو گلے لگایا۔ اور فرمایا۔

بیٹا ان ظالموں نے تجھے بے دردی سے قتل کیا ہے۔ بیٹے انہوں نے تجھے دم آخر پانی تک نہیں دیا۔ بیٹے کیا مجھے پہچانتے نہ تھے بیٹے کے عضو انہوں نے کتنی بڑی جرأت کی ہے۔۔۔ پھر ساتھ والوں سے فرمایا۔ اے بابا ابراہیم اے باپ اسماعیل۔ بھائی موسیٰ عیسیٰ دیکھو ان ظالموں نے کس طرح میرے لخت جگر کو شہید کیا ہے پھر تمام انبیاء نے باری باری پرسہ دیا۔

بعد از شہادت معجزات

اس سلسلہ میں یوں تو اس قدر معجزات اور کرامات منقول ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب مرتب ہو۔ ہم بطور نمونہ صرف چند ایسے واقعات پیش کر رہے ہیں جن میں عظمت مظلوم کربلا کے علاوہ عبرت کے نمونے بھی ہیں۔

اب پرندے روضۂ رسول پر آکر پرسہ دیتے ہیں۔

علامہ مجتبیٰ اور بحار کے مطابق۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فضائے کربلا پر سکوت طاری ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عصر کا وقت ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک طرف چند لٹی ہوئی مستورات اور ظلم و بربریت سے سہمے ہوئے چند بچے خاموش بیٹھے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کے سامنے کسی کے باپ۔ ۔ ۔ ۔ کسی کے بھائی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کسی کے چچا۔ ۔ ۔ ۔ کسی کے ماموں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کسی کے چچا زاد کے مظلوم لاشوں کے بکھرے ہوئے بے گور و کفن کشتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ دوسری طرف دنیائے نفرت کے کتوں میں عید کا سماں ہے جشن کی کیفیت ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ڈھول ہیں۔ ۔ ۔ باجے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ بھانڈ ہیں۔ ۔ ۔ ۔ قہقہے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شراب ہے۔ ۔ ۔ ۔ شباب ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نغمے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ اور خوشیاں ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ہوا ایک ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ زمین ایک ہے۔ ۔ ۔ ۔ فضا ایک ہے۔ ۔ ۔ ۔ آسمان کی چھت ایک ہے۔ ۔ ۔ ۔ لیکن زیر چھت دو متضاد حالات کی آمیزش ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مظلوم کی فریاد سننے والا کوئی نہیں ہے اور ظالم کو پوچھنے والا کوئی نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مظلوموں کے خیام جلنے کا ابھی تک کچھ کچھ دھواں اٹھ رہا ہے۔ آگ کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ظالم ابھی تک اپنی بربریت پر سیر نہیں ہوئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نئی ترکیبیں سوچی جا رہی ہیں۔

اسی آمیزۂ فضا میں ایک سفید رنگ پرندہ آتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ دونوں طرف دیکھتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ خوشی کی انتہا ہے غمی کی حد ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دونوں کیفیات کے درمیان لاشوں کے ٹکڑے جا بجا بکھرے پڑے ہیں۔ کسی جگہ بازو ہیں کہیں ہاتھ پڑے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ کہیں سر ہے۔ کہیں سینہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ سفید رنگ پرندہ پرواز ہوا جاتا ہے۔ اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہیں کوئی دوسرا پرندہ نظر نہیں آتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آہستہ آہستہ نیچے آتا ہے۔ مظلوموں کے قریب اترتا ہے۔ مظلوموں کو دیکھتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ دبی دبی سسکیاں ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دبی دبی آہیں ہیں۔ ۔ ۔ ۔ اور گھٹے گھٹے آنسو ہیں۔ ۔ ۔ ۔ اگر کسی بچے کے رونے کی آواز بلند ہوتی ہے تو نگران ان کو تازیانے کرتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ اگر کسی مستور کی صدائے گریہ بلند ہوتی ہے تو نگران کے نیزہ کی انی برہنہ سر کو زخمی کر دیتی ہے۔

پرندہ یہ کیفیت دیکھ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ پرندہ کو دیکھ کر ایک مستور کا دل بھر آتا ہے اور بے ساختہ اس کے منہ سے واحسیناہ۔ ۔ ۔ ۔ واحمداہ۔ ۔ ۔ ۔ واعلیاہ۔ ۔ ۔ ۔ واعباساہ کی دلدوز فریاد نکل جاتی ہے۔ پرندہ سب کچھ سمجھ جاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ وہاں سے اڑ کر لاشوں میں آتا ہے۔ ۔ ۔ ایک لاش کے قریب جا کر بیٹھتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پاک خون سے اپنا جسم مل جاتا ہے۔ ۔

... ... لختِ دلِ زہراؑ کی لاش کے ٹکڑوں کے درمیان آ کر گر جاتا ہے ... ... اور وہ تڑپنا شروع کر دیتا ہے ... ... جب تمام پر سرخ ہو جاتے ہیں ... ... فوراً فضا میں بلند ہوتا ہے ... ... کافی فاصلہ پار کر کے دوسرے پرندے چہچہاتے نظر آتے ہیں ... ... درختوں کے اسی جھنڈ کی طرف جاتا ہے۔ ... ... تمام پرندے اپنی مستی میں مست ہیں ... ... خوش ہیں ... ... گیت گا رہے ہیں ... ... قریب جا کر اپنے رنگین پروں کے ساتھ ایک ایسی تنہا شاخ تلاش کرتا ہے جس پر بیٹھا تمام پرندے دیکھ لیں ... ... یکایک اس نئے آنے والے مہمان کو جب ان پرندوں نے دیکھا تو انہیں چپ سی لگ گئی ... ... کچھ وقت کے لیے سب پر وحشت چھا جاتی ہے ... ... پھر سبھی پوچھتے ہیں ... ... نئے آنے والے یہ کیا شکل بنا رکھی ہے ... ... غم و اندوہ کی تصویر کیوں بنا ہوا ہے ... ... اداسی کا مرقع کیوں ہو گیا ہے ... ... وہ کونسی مصیبت ہے جس نے تجھے یوں کر دیا ہے ... ... پرندہ بہتے ہوئے آنسوؤں سے بتاتا ہے ... ... میں تو ایک مسافر ہوں مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ تم اسی صحرا کے مکیں ہو اور تمہیں یہ علم ہی نہیں کہ تمہارے اس علاقہ میں آج کیا قیامت گزر گئی ہے ... ... جس نبیؐ کے صدقہ کائنات بنی ہے اسی کی ذریت کو آج انسان نما درندوں نے بھوکا پیاسا تڑپا تڑپا کر انتہائی سفاکی سے قتل کر دیا ہے ... ... دخترِ رسولؐ کے خیام تک جلا ڈالے ہیں ... ... بی بیوں کو رونے بھی کوئی نہیں دیتا ... ... جاؤ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لو ... ... میں جو دیکھ آیا ہوں وہ بیان نہیں کر سکتا ... ... یہ سنتے ہی سب پرندے اڑے ... ... میدانِ کربلا میں آئے ... ... جو کچھ ہو چکا تھا سب کچھ دیکھ لیا ... ... فرزندِ رسولؐ کے لاشہ سے اپنے پروں کو رنگین کیا ... ... واپس ہوئے ... ... اس پرندہ کے پاس آئے اور پوچھا ... ... اب ہمیں کیا کرنا چاہیے ... ... اس نے کہا ... ... کرنا کیا ہے ... ... دنیا خوابِ غفلت میں پڑی سو رہی ہے ... ... جو لوگ مرگِ رسولؐ نہ منا سکے تھے انہوں نے بھلا شہادتؑ کو پرسہ دیا ہو گا۔ اگر میری مانو تو سب سے پہلے مدینہ چلیں وہاں نبیؐ کو ان کا پرسہ دیں۔ بعد میں شہادت خبرِ فرزندِ رسولؐ پہنچا کر عارض پر سے جائیں۔

تمام پرندے اڑے مدینہ آئے ... ... مزارِ رسولؐ کے گرد طواف کرنے لگے ... ... اس علاقہ کے تمام پرندے بھی جمع ہو گئے ... ... ان پرندوں نے وہاں پر موجود اس علاقہ کے پرندوں کو فرزندِ رسولؐ کی خبرِ شہادت سنائی وہ سفید پرندہ مزارِ رسولؐ پر بیٹھ گیا ... ... اپنے پر پھڑپھڑا کر خونِ مظلوم کے قطرے مزارِ رسولؐ پر گرائے۔ دوسرے پرندے طواف کر کے رونے لگے۔

اے نبیؐ کونین آپ کا نواسہ وہ تشنہ لب پیاسا ذبح کر دیا گیا ... ... آپ کا حسینؑ مظلوم شہید ہو گیا ... ... آپ کی بیٹیاں صحرائے کربلا میں بے یار و مددگار بے مقنع و چادر روتے کرتی رہی ہیں۔

اہل مدینہ وحشت زدہ ہو گئے۔ کہ یہ پرندے کیا کہہ رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگرچہ انہیں سمجھ کچھ بھی نہ آ رہا تھا لیکن انہیں یہ یقین ہو گیا کہ کچھ ہو گیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پرندوں کی غیر معمولی چیخیں سن کر مدینہ کا ہر باسی بے ساختہ آبدیدہ ہو گیا۔

بعد میں شہادت شبیرؑ کی اطلاع اہل مدینہ پہنچی تو اہل مدینہ کو پتہ چلا کہ مزار رسولؐ کا طواف کرنے والے پرندے بھی کربلا کا پرسہ دے رہے تھے۔

دختر یہودی کی شفایابی:

انہی پرندوں میں سے ایک پرندہ بیرون مدینہ ایک باغ میں آیا اور وارد ہو گیا۔ یہ باغ مدینہ کے ایک یہودی کا تھا پرندہ ایک درخت پر بیٹھ کر حسینؑ کے غم میں با آواز بلند رونے لگا۔

اس یہودی کی ایک لڑکی تھی جو آنکھوں، کانوں، پاؤں اور ہاتھوں سے محروم تھی۔ پورے جسم پر جذام نے قبضہ کر رکھا تھا۔ یہودی نے اہل شہر کے اصرار پر اپنی لڑکی کو بیرون مدینہ اسی باغ میں رکھا ہوا تھا۔ دن کے وقت وہ شہر میں کاروبار میں مصروف رہتا۔ رات کے وقت اسی باغ میں بیٹی کے پاس آ جاتا تھا۔ اتفاقاً اسی رات یہودی بچی کے پاس نہ آ سکا۔ جب بچی باپ سے مایوس ہو گئی تو اداسی نے اسے ستایا۔ وہ زمین پر لیٹ کر کمرے سے باہر آئی۔ اس نے اپنے قریب ہی درخت سے کسی پرندہ کی نہایت غمزدہ آواز سنی۔ لڑکی اسی طرح لیٹی ہوئی اس درخت کے نیچے آ گئی۔ اور پرندے کی غمزدہ نوحہ خوانی سننے لگی۔ پرندے کے پر خون شبیرؑ سے تر تھے۔ پروں سے خون کا ایک قطرہ ٹپکا۔ جو اس لڑکی کی آنکھ میں گرا۔ لڑکی بینا ہو گئی۔ اس نے پہلے تو ادھر ادھر دیکھا۔ پھر حیرت سے اوپر دیکھا پرندہ خون سے تر بتر تھا۔ اور سر جھکا کر مصروف گریہ تھا۔ بچی نے جب بینا آنکھوں پر ہاتھ لگا کر دیکھا تو اسے سرخی سی محسوس ہوئی۔ اس نے سمجھ لیا کہ اسی پرندہ سے خون کا قطرہ ٹپکا ہے۔ جس سے میری بینائی لوٹ آئی ہے۔ اب تو وہ قطرے ٹپکنے کا انتظار کرنے لگی۔ دوسرا قطرہ ٹپکا اس نے ہاتھ پر مل لیا۔ ہاتھ تندرست ہو گیا۔ اسی طرح جیسے جیسے قطرات ٹپکتے گئے وہ اپنے جسم پر ملتی گئی اور شفایاب ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ اس کا پورا جسم تندرست ہو گیا۔ وہ اٹھ کر چلنے لگی اتنے میں صبح بھی ہو گئی۔ جب یہودی باغ میں آیا تو پہلے تو سیدھا لڑکی کے کمرے میں گیا جب وہاں لڑکی کو نہ دیکھا تو باہر آیا۔ دیکھا ایک لڑکی باغ میں ٹہل رہی ہے۔ اس کے قریب آیا اور پوچھا کہ کمرے میں میری ایک ناقابل علاج بیمار بیٹی رہتی تھی جو یہاں نظر نہیں آ رہی۔

لڑکی نے جونہی سنا دوڑ کر باپ کے گلے لگ گئی۔ اور کہنے لگی بابا میں ہی آپ کی وہ خوش نصیب لڑکی ہوں۔ یہودی نے ماننے سے انکار کر دیا۔ جب لڑکی نے یہودی کو تمام واقعات بتائے نشانیاں بتائیں تو یہودی کے پاس ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

یہودی نے پوچھا۔ نشانیاں تو تو نے ایسی دی ہیں کہ مجھے یقین کرنا پڑتا ہے کہ تو ہی میری بچی ہے۔ لیکن میں کیسے مان لوں۔ میں نے اپنے مکان سے بھی زیادہ قابل حکماء سے تیرا علاج کرایا ہے اور سب نے جواب دے دیا تھا تو لاعلاج تھی اور لاعلاج مرض ایک رات میں کیسے ختم ہو جاتا ہے۔

لڑکی نے اس پرندے کی تمام داستان سنائی باپ کو لے کر اس درخت کے نیچے آئی باپ کو دکھایا۔ یہ ہے وہ پرندہ جس کے پروں سے ٹپکنے والے خون کے قطرات نے مجھے شفا دی ہے۔

یہودی نے کہا۔

اے پرندے میں تجھے تیرے خالق کا واسطہ دے کر کہتا ہوں مجھ سے بات کر اور مجھے بتا کہ یہ کیسا خون ہے پرندے نے بہتے ہوئے آنسوؤں سے اپنی تمام داستان سنائی اور شہادت مظلوم کربلا کا واقعہ سنا کر بتایا کہ میں دوسرے پرندوں کے ساتھ مولا کو زمین پر سر دیئے پایا تھا۔ چونکہ رات ہو گئی تھی واپس اپنے علاقہ میں نہیں جا سکتا تھا اس لیے تیرے مکان پر قیام کر لیا۔

یہودی اپنی لڑکی کو لے کر شہر میں آیا۔ اور اپنی تمام برادری کو جمع کر کے تمام واقعہ بھی سنایا اور لڑکی بھی دکھائی۔

یہ معجزہ خون مظلوم دیکھ کر پانچ سو یہودی مسلمان ہو گئے۔

۲۔ سرِ بریدہ کا کلام۔

شرح شافیہ میں بحوالہ ابن معاویہ مروی ہے کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے توبڑے میں سر مظلوم زہراؑ کا لٹکا رکھا تھا۔ سر سے آواز آ رہی تھی۔ جو میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے اور آج تک میرے ذہن میں گونج رہی ہے میں مرتے دم تک نہ تو وہ آواز بھول سکتا ہوں اور نہ وہ منظر بھول سکتا ہوں۔

فرقت بین رأسی و جسدی فرق الله بین لحمك و عظمك و جعلك اية و نكالا للعالمین۔

تو نے میرے سر اور جسم میں جدائی ڈالی ہے۔ اللہ تیرے گوشت اور ہڈیوں کو ایک دوسرے سے جدا کرے اور تجھے عالمین کے لیے عبرت بنائے۔

اس نے سر کو توبڑے سے نکالا زمین پر رکھا اور چابک لے کر سر پر برسانا شروع کیے۔ اس نے تین چابک برسائے کہ سر خاموش ہو گیا۔

پھر میں نے اسی شخص کو مختار کے سامنے دیکھا۔ مختار نے حکم دیا کہ اس کے زندہ جسم سے گوشت جدا کیا جائے اور کتوں کے آگے ڈال دیا جائے۔

جب بھی اس سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا جاتا تھا وہ چیخ کر بے ہوش ہو جاتا تھا۔ مختار کہتا تھا اسے ہوش

میں آنے دو پہر کا تھا۔ جب ہوش میں آتا تھا تو پھر ٹکڑا کاٹا جاتا تھا حتیٰ کہ اس کے جسم میں صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئیں۔ پھر مختار نے حکم دیا کہ اب اس کے جسم کے جوڑ جدا کیے جائیں۔ جب وہ مر گیا تو میں نے مختار کو اس ظالم کا وہ کرتوت بتایا جو اس نے سر سے کیا تھا۔

۴۔ سرِ مظلوم اور شمر:۔

شرح شافیہ میں حمیری سے مروی ہے کہ میں نے بعض قابلِ اعتماد راویوں سے سنا ہے کہ جس دن امام حسینؑ کو شہید کیا گیا اس دن امام حسینؑ کے سر کے اردگرد اتنی بلند آواز سے بے شمار رونے کی آوازیں سنی گئیں کہ آج تک تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی۔

جب شمر نے سرِ مظلوم جدا کیا تو سرِ مظلوم نے فرمایا۔

یا شمر یا شقی الاشقیاء، یا عدو الله ورسوله فرقت بین رأسی وجسدی فرق الله بین لحمك وجسدك وجعلك نكالا للعالمین۔

اے شمر! اے بدنصیبوں کا بدنصیب! اے دشمنِ خدا و رسول! تو نے میرے سر اور جسم کو جدا کیا ہے اللہ تیرے گوشت اور ہڈیوں کو جدا کرے اور تجھے عالمین کے لیے عبرت بنائے۔

یہ آواز سن کر اس ظالم نے چابک ہاتھ میں لیا اور سرِ غریب پر برسانا شروع کیے اس وقت تک چابک مارتا رہا جب تک سرِ مظلوم خاموش نہ ہو گیا۔

میں نے لاحول ولا قوۃ پڑھا۔ اور دل میں کہا۔

اب کیا کروں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے کہ اس ظالم سے انتقام لوں پھر میں یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ احکم الحاکمین ہی اس سے انتقام لے گا۔

بہرحال ابن سلیم کا معروف واقعہ بھی انہی عبرت ناک واقعات میں سے ایک ہے۔

دفنِ شہدائے کربلا:۔

بعض معتبر ترین کتب میں میں نے دیکھا ہے کہ جب ابن سعد دخترانِ آلِ محمدؐ کو رسن بستہ کر کے اور سرہائے شہداء کو لے کر کوفہ چلا گیا۔

تو بنی اسد کا جو قبیلہ شبِ عاشور ابن زیاد کے خوف سے وہ جگہ چھوڑ گیا تھا۔ دوبارہ اپنی جگہ آ کر آباد ہو گیا مردوں نے خیمے نصب کیے۔ عورتیں دریائے فرات سے پانی لینے آئیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اولادِ رسول کے لاشے بے گور و کفن پڑے ہیں تو پانی لیے بغیر روتی ہوئی ماتم کرتی ہوئی واپس آ گئیں۔ مردوں نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔ اور

پوچھا کیا بات ہے۔

عورتوں نے کہا۔ ہتھیار رکھ دو۔ جب وقت تھا اس وقت بھاگ گئے تھے۔ اب ہتھیار اٹھا کر کیا کرو گے۔

مردوں نے پوچھا تم اس قدر ماتم کیوں کر رہی ہو۔ کچھ تو ہمیں بتاؤ۔

عورتوں نے کہا۔ تم مسلمان کہلاتے ہو۔ اور جس کا کلمہ پڑھتے ہو اس کا فرزند تمہارے پڑوس میں شہید ہو گیا۔ اس وقت تم نے اس کی کوئی امداد نہ کی اب اس کا بے گور و کفن لاشہ خاک و خون پر پڑا ہے۔ تمام آلِ محمد کے لاشے بے گور و کفن ہیں۔ آخر مرنے کے بعد محمد عربی کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ یزیدیوں نے تو اپنے لاشے دفن کر دیئے ہیں۔ لیکن نواسۂ رسول کے مظلوم لاشے یونہی پڑے ہیں۔

مردوں نے کہا۔ ہمیں ابن زیاد سے خطرہ ہے۔ اگر اسے پتہ چل گیا تو وہ ہمیں نہ چھوڑے گا۔

عورتوں نے کہا۔ تمہیں ابن زیاد سے ڈر ہے اور نبی کریم سے شرم نہیں آتی تو ہمیں نہ ابن زیاد سے ڈر ہے اور نہ ہم اس حالت میں بروزِ حشر و نشر نبی کے سامنے جانا چاہتی ہیں۔ ہم خود دفن کرتی ہیں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

یہ کہہ کر عورتوں نے شکنجے رکھے اور گورکنی کے لیے بیلچے وغیرہ اٹھائے۔ جب مردوں نے دیکھا تو ان کی حمیت جوش میں آ گئی اور انہوں نے عورتوں سے کہا۔

ٹھہرو ہم خود جاتے ہیں۔

انہوں نے پہلے منصوبہ بندی کی۔ کہ کچھ آدمی راستہ پر مقرر کر دو جو نگرانی کریں تاکہ اگر یزیدیوں سے کوئی آئے تو ہم مطلع ہو کر دور چلے جائیں۔

اس مشورہ کے بعد تمام مرد ضروری سامان لے کر میدان میں آئے صرف لاشۂ مظلوم کربلا ایسا تھا جو سر نہ ہونے کے باوجود بھی قابلِ شناخت تھا کیونکہ ہر عضوِ بدن سے نور کی ایک کرن پھوٹ کر آسمان تک جا رہی تھی۔ ان لوگوں نے قبر کھودی اور لاشہ کو اٹھانے کی خاطر جمع ہوئے لیکن کوشش کے باوجود تمام مل کر بھی لاشہ کو اٹھا نہ سکے۔

پھر بیٹھ کر مشورہ کیا کہ شاید مظلوم کربلا یہ نہیں چاہتے کہ اپنے انصار اور اعزا سے پہلے مجھے دفن کیا جائے اس لیے آپ پہلے دوسروں کو دفن کریں بعد میں غریب زہراؑ کو دفن کریں گے۔

اس مشورہ کے بعد کسی نے کہا۔

اگر ان کو دفن کرو گے اور بعد میں کسی نے پوچھا کہ کونسی قبر کس شہید کی ہے تو کیا بتاؤ گے۔ کسی لاش کے سر تو ہے نہیں اور سر کے بغیر شناخت ناممکن ہوتی ہے۔

اسی فکر و تردد میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک عرب سوار ان کے سامنے آ گیا۔ وہ عرب سوار کو ابن زیاد کا جاسوس

بھاگ کر گھبرا گئے۔

اور ایک طرف ہٹ گئے۔ وہ سوار اشخاص سے کافی فاصلہ پر گھوڑے سے اترا۔ اور لاشۂ مظلوم کربلا کی طرف متوجہ ہو کر چلا جیسے جیسے لاشے کے قریب آتا گیا وہ جھکتا گیا۔ جب لاشہ پر آگیا اپنے کو لاشہ پر گرا دیا۔ لاشہ کو گلے لگا کر بے تحاشہ رویا۔ پھر سر اٹھا کر بنی اسد سے پوچھا۔

تم یہاں کیوں جمع ہو؟

انھوں نے بہانہ بنایا۔ کہ ہم تفریح کے لیے یہاں آئے تھے۔

اس نے کہا۔ جس مقصد کے لیے آئے تھے وہی بتاؤ۔

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہنے لگے اگرچہ ہم تجھے نہیں پہچانتے۔ ہمیں سچ کی جو سزا بھی ملے گی ہم بھگت لیں گے۔

لیکن حقیقت بتاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہم ان لاشوں کو دفن کرنے آئے تھے۔ لیکن مظلوم کربلا ہزار کوشش کے باوجود ہم سے اٹھ نہ سکے اور دوسری لاشوں کی عدم شناخت کی وجہ سے ہم حیران تھے کہ کیا کریں۔ اسی فکر و پریشانی میں بیٹھے تھے کہ آپ آ گئے۔

وہ جوان اٹھا۔ ایک جگہ نشان لگا کر کہا۔ اس جگہ کو کھود دو۔ بنی اسد نے وہ جگہ کھود دی۔ اس نے حکم دیا کہ یہ سترہ لاشے اس ایک قبر میں دفن کر دو۔ بنی اسد نے وہ سترہ لاشے دفن کیے۔ پھر دوسری جگہ نشان لگایا۔ اور کہا یہاں کھود دو۔ بنی اسد نے وہ جگہ کھود دی۔ اس نے حکم دیا کہ باقی تمام لاشے اس ایک قبر میں دفن کر دو۔ بنی اسد نے تمام لاشے اس ایک قبر میں دفن کر دیے۔

پھر اس نے حکم دیا کہ اب اس جگہ کھود دو۔ ہم نے تیسری جگہ قبر کھود دی۔ اس نے کہا کہ اس قبر میں صرف یہی ایک لاشہ دفن کیا جائے گا۔

بنی اسد آگے بڑھے تاکہ اس کی مدد کریں۔ اس نے کہا نہیں میں تنہا دفن کروں گا۔

بنی اسد نے کہا۔ ہم سب نے مل کر کوشش کی اور کسی ایک عضو کو بھی نہ اٹھا سکے۔ آپ تنہا کیسے دفن کریں گے۔

اس نے کہا۔ تم پریشان نہ ہو۔ میرے ساتھ وہ حضرات ہیں جو میری مدد کریں گے۔

پھر اس نے تمام ٹکڑے ایک بوریا پر جمع کیے اور اٹھا کر بڑی آسانی سے جوڑ کر رکھ دیے۔ جب وہ تمام ٹکڑوں کو ترتیب سے رکھ چکا تو اس نے اپنا داہنا رخسار اس مظلوم کے سینہ پر رکھا اور بے ساختہ رویا اور کہا۔

بسم اللّٰہ و باللّٰہ و فی سبیل اللّٰہ و علیٰ ملۃ رسول اللّٰہ۔

ھذا ما وعدنا اللّٰہ و رسولہ و صدق اللّٰہ و رسولہ۔

ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

طوبیٰ لارض تضمنت جسدک الشریف
اما الدنیا فبعدک مظلمۃ واما
الاخرۃ فبنورک مشرفہ۔

خوش نصیب ہے وہ سرزمین جو آپ کے پاکیزہ جسم کی امین ہے۔ دنیا آپ کے بعد تاریک اور آخرت آپ کے نور سے منور ہو گی۔

اما الحزن فسرمد واللیل فسھد
حتی یختار اللہ لی دارک التی انت
مقیم بھا فعلیک منی السلام یا ابن رسول اللہ۔

یہ غم دائمی ہو گا۔ اور راتیں جاگ کر گزریں گی۔ حتیٰ کہ اللہ میرا بھی فیصلہ صادر فرمائے اور آپ کی جائے قیام دیکھوں۔ اے فرزندِ رسول میرا آخری سلام ہو۔

پھر مٹی ڈالی۔ قبر کے تعویذ پر انگلی سے لکھا۔

ھذا قبر حسین ابن علی ابن ابی طالب
الذی قتلوہ عطشانا غریبا۔

یہاں حسین ابن علی ابن ابی طالب کا مزار ہے جسے سفر میں پیاسا شہید کیا گیا۔

پھر آنسوؤں سے کھڑا ہوا اور ہم سے پوچھا۔ کیا اور بھی کوئی لاش ہے۔

بنی اسد نے عرض کیا۔ ہاں دریا کے کنارے تین لاشے پڑے ہیں۔ ایک تو اس قدر زخمی ہے کہ ہم اگر ایک طرف سے اٹھاتے ہیں تو دوسری طرف زمین پر سے جا لگتا ہے۔

اس نے کہا۔ چلو وہاں چلتے ہیں۔ جب وہاں گئے۔ جونہی اس کی نظر پڑی بے ساختہ لاشہ پر گر گیا اور لاشہ کو چوم چوم کر کہنے لگا۔

علی الدنیا بعدک العفا یا قمر بنی ہاشم
فعلیک منی السلام۔

اے قمر بنی ہاشم میرا آخری سلام ہو آپ کے بعد اب دنیا میں خاک ہی خاک ہے۔

بنی اسد کو حکم دیا کہ قبر کھودیں۔ جب قبر کھد چکی تو اسے اپنے ہاتھوں سے تنہا سپرد قبر کیا۔ اس کا تعویذ قبر بنا کر بنی اسد کو ایک اور قبر کھودنے کا حکم دیا۔ اور اس میں ان دو لاشوں کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ جب دونوں لاشے دفن ہو چکے۔ تو اپنے گھوڑے کی طرف چلا۔

تمام بنی اسد پیچھے گئے اور عرض کیا۔ پہلے تو آپ اپنا تعارف کرائیں کہ کون ہیں۔ پھر ہمیں بتائیں کہ ان مزارات میں کون کون ہیں تاکہ اگر ہم سے کوئی پوچھے تو ہم جواب تو دے سکیں۔

اس نے کہا۔ فرزندِ رسول کا مزار تو تمہیں معلوم ہے۔ دوسرا مزار جس میں سترہ شہید دفن کیے ہیں وہ شہدائے بنی ہاشم ہیں۔ تیسرا مزار جس میں دیگر شہداء دفن کیے ہیں وہ انصار غریب کربلا ہیں۔ فرزندِ رسول کے مزار میں پاؤں کی طرف جو مدفون کیے ہیں دائیں طرف ہمشکل نبی علی اکبر اور بائیں طرف شیر خوار علی اصغر ہے۔

دریائے فرات کے کنارے جو تنہا مزار ہے وہ سقائے سکینہ کا ہے اور جس مزار میں دو رکھے ہیں یہ دونوں

فرزندان علیؑ ہیں۔

اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ امام اسیر ابن زیاد علی ابن حسین ہیں، یہ کہہ کر وہ ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔

ابن قولویہ نے کامل الزیارات میں زائدہ سے روایت کی ہے کہ

میں امام سجادؑ کی زیارت کو گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔

زائدہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تو کبھی کبھار فرزند رسول کے مزار کی زیارت کو کر جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ یہ اطلاع درست ہے۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ تو ایسا خطرہ کیوں مول لیتا ہے جب کہ تیرے دربار میں کافی اچھے مراسم ہیں اور حکمران ہماری محبت، ہمارا ذکر، ہمارے فضائل اور ہمارے ساتھ ہر حق واجب کو ناپسند کرتے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! میں جو کچھ کرتا ہوں صرف خدا و رسول کی خوشنودی کی خاطر کرتا ہوں اور اس سلسلہ میں مجھے کسی اور کی ناراضگی یا رضامندی کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اور نہ میں نے کبھی ایسی باتوں کو اپنے ذہن پر مسلط کیا ہے کیونکہ اس سلسلہ میں پہنچنے والی ہر تکلیف اور اذیت کے لیے میں نے اپنے ذہن کو تیار کر رکھا ہے۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ کیا واقعاً ایسے ہی ہے جیسے کہہ رہا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! بالکل ایسے ہے۔

آپ نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا اور میں نے تین مرتبہ یہی جواب دیا۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ اے زائدہ تجھے بشارت ہو۔ تجھے بشارت ہو۔ تجھے بشارت ہو۔ اس کے بعد آپ نے بنت زہراؑ کی روایت سے ایک طویل حدیث سنائی جو آنحضرتؐ نے ختمی امت کی زبانی سنائی تھی۔ اس میں رحمت امت نے فرمایا ہے کہ۔

حسین اور اس کے انصار و اقربا کے مزارات اہل حق کی علامت، مومنین کی کامیابی و کامرانی کا باعث ہوں گے آسمان سے ایک لاکھ ملک نازل ہو کر ان مزارات کا طواف کریں گے۔ نوحہ و بکا کریں گے۔ حسین اور اس کے ساتھی شہداء پر درود و سلام بھیجیں گے۔ زائرین حسین کے لیے استغفار کریں گے۔ تیری امت سے جو بھی ان کی زیارت کرے گا ان کے نام درج کریں گے۔ ان کے آباء اور ان کے تمام اقرباء کے نام لکھیں گے۔ ان کی پیشانی پر علامت لگائیں گے۔ قیامت کے دن وہ علامت اس تحریر میں بدل جائیں گے۔ ھذا زائر قبر خیر الشھداء و ابن خیر الانبیاء قیامت کے دن زائرین حسین کا نور اس طرح چمکے گا کہ اہل محشر کی آنکھیں خیرہ کریں گی۔ اسی نور سے ان کا تعارف ہوگا۔

کربلا میں شہدائے اہلبیت

بحار اور ابن شہر آشوب کے مطابق چوبیس شہدائے اہلبیت ہیں۔
بنی عقیل سے سات

۱۔ جناب مسلم ابن عقیل
۲۔ جعفر ابن عقیل۔
۳۔ عبدالرحمن ابن عقیل
۴۔ محمد ابن مسلم ابن عقیل
۵۔ عبداللہ ابن مسلم ابن عقیل
۶۔ جعفر ابن محمد ابن مسلم ابن عقیل
۷۔ محمد ابن ابو سعید ابن عقیل۔

ابن شہر آشوب نے مزید دو بھی لکھے ہیں۔

۸۔ عون ابن عقیل۔
۹۔ محمد ابن عقیل۔

جناب جعفر طیار کی اولاد سے تین شہدائے کربلا ہیں۔

۱۔ محمد ابن عبداللہ ابن جعفر
۲۔ عون اکبر ابن عبداللہ ابن جعفر
۳۔ عبداللہ ابن عبداللہ ابن جعفر

اولاد امیرالمومنین میں سے نو شہدائے کربلا ہیں۔

۱۔ حسین ابن علی
۲۔ عباس ابن علی
۳۔ محمد ابن عباس ابن علی۔
۴۔ عمرو ابن علی۔
۵۔ عثمان ابن علی۔

٦۔ جعفر ابن علی۔

٧۔ ابراہیم ابن علی۔

٨۔ عبداللہ اصغر ابن علی

٩۔ محمد اصغر ابن علی۔

امام حسن کی اولاد سے چار شہدائے کربلا ہیں۔

١۔ محمد ابن حسن۔

٢۔ عبداللہ ابن حسن

٣۔ قاسم ابن حسن

٤۔ عمرو ابن حسن

امام حسینؑ کے نو فرزند میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

١۔ علی اکبر ابن حسینؑ

٢۔ ابراہیم ابن حسینؑ

٣۔ محمد ابن حسینؑ

٤۔ حمزہ ابن حسینؑ

٥۔ علی اصغر ابن حسینؑ

٦۔ جعفر ابن حسینؑ

٧۔ عمر ابن حسینؑ

٨۔ زید ابن حسینؑ

٩۔ عبداللہ رضیع ابن حسین

اولاد اور ازواج غریب کربلا۔

ازواج:

١۔ جناب شہربانو یا شاہ زنان بنت کسریٰ۔

٢۔ ام لیلیٰ بنت ابو مرہ ابن عروہ ابن مسعود ثقفی۔

٣۔ رباب بنت امرؤالقیس

٤۔ ام اسحاق بنت طلحہ ابن عبداللہ۔

بیٹیاں:

۱۔ فاطمہ کبریٰ یا زینب۔

۲۔ فاطمہ صغریٰ۔

۳۔ رقیہ

۴۔ سکینہ

نوٹ از مترجم ——— جناب سیدہ اور خود اکثر تمام آئمہ اہل بیت بشمول سید الانبیاء کی اولاد کا مسئلہ تاریخ میں بڑا پیچیدہ ہے۔ امت مسلمہ سے آج تک بنات رسول کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ ایک تھی یا چار۔ اسی طرح حضرت علی سے لے کر امام حسن عسکری تک تمام آئمہ اہل بیت کی ازواج اور اولاد میں اس قدر شدید اختلاف ہے کہ حقیقت تلاش کرتے ہوئے سر چکرا جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی تشنگان علم کا پیاسہ آتش تحقیق بجھانے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

وجہ واضح ہے کہ جب خود نبی کریم کی کردار کشی میں امت رسول نے اتنا کام کیا ہے۔ ماجپال اچاریہ اور سلمان رشدی جیسے دریدہ قلم مصنفین کو ایسا مواد دستیاب ہو گیا جسے بنیاد بنا کر ان جیسے تیرہ بختوں نے آنحضرت کے خلاف وہ زہر اگلا جس سے امت مسلم کی پیشانی سے عرق شرم و کرم ٹپکنے لگا۔ کسی نشان کی ضرورت نہیں صحاح ستہ ہی کافی ہیں۔

پھر جس کتاب کو قرآن کے بعد دوسرا مقام دیا گیا ہے۔ اس بخاری شریف کا مطالعہ کر کے ہی ہمارے دعویٰ کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ اس میں سرخیل انبیا کی سیرت و کردار کی جو تصویر کشی کی گئی ہے۔ اسے دیکھ کر کوئی غیر مسلم تو خیر دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی کیا جرأت کرے گا خود مسلمان کے لیے اپنا اسلام بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔

جس امت اہل بیت کے حسن اخلاق اور کردار اسلام کے محمدی نقطہ اپنے نبی کا کردار اور سیرت نہ بخشی ہو۔ اس امت سے اسی نبی کے اہل بیت کے سلسلہ میں کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ امت مسلمہ نے اہل بیت رسول کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اور یہ کوشش آج تک بدستور جاری ہے۔

شیعیان اہل بیت کو نابود کرنے کی کوشش کا مقصد ہر دور میں یہی رہا ہے کہ اہل بیت کا نام لینے والا کوئی نہ رہے بہر صورت یہ ایک الگ موضوع ہے۔ چونکہ تاریخ ہر دور میں درباری وظیفہ خواروں نے لکھی ہے۔ اس لیے ہر مورخ نے اپنے وظیفہ کو بحال رکھنے یا وظیفہ میں مزید اضافہ کی خاطر اور دربار سے مکمل وابستگی کے اظہار کے طور تاریخ آل محمد کو مسخ کرنے پر زور دیا۔ اور اس کوشش میں وہ کامیاب بھی رہے۔

ان حقائق کے پیش نظر آل محمد کے سلسلہ میں تاریخی مواد غائب ہیں اور کبھی کوئی بات مستند کے صحیح حالات

سے آگاہ نہیں کیا گرتا۔ وفات رسولؐ سے لے کر بنی عباس کے دورِ اقتدار کے خاتمہ تک کا عرصہ جو کم و بیش پانچ صدیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ آل محمدؐ اور شیعیان آل محمدؐ کو ختم کرنا ہی اسلام کا مرکزی نقطہ رہا ہے۔ لہٰذا کسی ایک تاریخ کو حتمی ماننا اور دوسری کو یکسر سے ٹھکرا دینا انصاف کے قتل کے مترادف ہوگا۔ البتہ کچھ واقعات ایسے ہیں جو مسلم ہیں:

ان سے انکار بدیہیات سے انکار ہوگا۔

ان حالات میں حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ جو واقعات تمام مورخین کے نزدیک مسلم ہیں انہیں زیر موضوع بنایا جائے اور جن میں ان میں شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں مثلاً نبی اکرمؐ کی ایک بیٹی۔ حضرت علیؑ کی معروف اولاد امام حسنؑ کی معروف اولاد۔ امام حسینؑ کی معروف اولاد علیٰ ہذا القیاس۔

سابق شہدائے اہل بیت کے زیر عنوان امام حسینؑ کے نو بیٹے میدان کربلا میں شہید بتائے گئے ہیں۔ اگر اس تعداد کو درست مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام حسینؑ کے دس بیٹے تھے۔ نو میدان کربلا میں شہید ہوئے اور دسواں امام سجادؑ جو زندہ رہا۔

لیکن جو مسلم ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے تین بیٹے۔ علی اوسط۔ جو کربلا میں شہید ہونے والے علی نام کے دو بیٹوں سے بڑا تھا۔ اس لیے اس مناسبت سے علی اکبر مشہور ہوگیا۔ علی اصغر اور عبداللہ رضیع۔ دیگر بیٹے جن میں مورخین کا اتفاق نہیں ہو سکا ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔

اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ امام سجادؑ جناب شہربانو یا شاہ زنان کے بطن مبارک سے تھے۔ میدان کربلا میں شہید ہونے والے علی اکبر کی ماں ام لیلیٰ ثقفیہ تھیں۔ علی اصغر رباب بنت امرء القیس کے بطن سے لخت جگر تھے اور نو مولود۔ عبداللہ رضیع کی والدہ ام اسحاق تھیں۔ اس کے علاوہ واللہ عالم بالصواب۔

جہاں تک بیٹیوں کا تعلق ہے ان کے معاملہ میں تو تاریخ بہت زیادہ الجھ کر رہ گئی ہے۔ جناب فاطمہ صغریٰؑ کے متعلق اگرچہ اور کچھ نہیں ملتا۔ لیکن اتنا ضرور ملتا ہے کہ مدینہ میں سب سے پہلے خبر شہادت ام المومنین ام سلمہ اور فاطمہ صغریٰ بنت حسینؑ کو ہوئی۔ جناب ام المومنین ام سلمہ کو خواب میں نبی کریمؐ کے ذریعہ اور جناب فاطمہ صغریٰ کو پرندے کے ذریعہ خبر شہادت موصول ہوئی۔

اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جناب فاطمہ صغریٰؑ بہر صورت دختر حسینؑ تھیں اور مدینہ میں رہ گئی تھیں۔

اب یہ سوالات کہ کیوں رہ گئی تھیں! یہ ہماری اپنی فکری اختراع ہے جسے روایت یا درایت کے نام سے ناآشنائے تاریخ افراد پر مسلط کیا جاتا ہے۔ جو قطعاً خلاف انصاف ہے۔

کیونکہ خود ساختہ دلائل دونوں طرف موجود ہیں۔ جب کہ جناب فاطمہ صغریٰ کے مدینہ رہ جانے کے قائل افراد کے پاس دیگر دلائل کے علاوہ تاریخ بھی ہے اور ان کے مقابلہ میں اس واقعہ سے انکار کرنے والوں کے پاس صرف اپنے

ذہنی قیاسی اور خانہ ساز دلائل کے علاوہ کچھ نہیں۔

ہاں اس سلسلہ میں جناب فاطمہ صغریٰ کے مدینہ میں رہ جانے کے خلاف جو دلائل دیے جاتے ہیں ان میں ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے۔ کہ فاطمہ صغریٰ بنت حسین کے نام سے کوفہ سے شام تک خطبات موجود ہیں جو اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ جناب فاطمہ صغریٰ مدینہ میں رہ گئی تھیں۔

لیکن وہ لوگ دوسری طرف اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ مخدرات آل محمد میں سے ایک سے زیادہ خواتین کے نام فاطمہ تھے۔ اور فاطمہ نامی کافی خواتین میدان کربلا میں موجود تھیں۔ فاطمہ بنت علیؑ بھی تھی۔ اب ظاہر ہے فاطمہ بنت علی کے ہوتے ہوئے جو فاطمہ بھی ہوگی خواہ وہ فاطمہ دختران امام حسینؑ میں سے فاطمہ کبریٰ ہی ہو۔ فاطمہ بنت علی کے مقابلہ میں فاطمہ صغریٰ ہی کہلائے گی۔

اسی طرح جناب سکینہ بنت الحسینؑ کے متعلق جو مسلم ہے وہ یہ ہے کہ یہ بی بی جناب رباب کی بیٹی تھی۔ مورخین کا اس میں اختلاف ہے کہ زندان شام میں امام حسینؑ کی جو بچی فوت ہوئی ہے۔ وہ سکینہ بنت حسین تھی یا رقیہ بنت حسین تھی۔

یہ تو متفقہ ہے کہ نام جو بھی تھا وہ تھی دختر حسین۔ بقول سید العلماء علامہ علی نقی شام میں جو بچی بھی فوت ہوئی ہے وہی سکینہ تھی۔ اس کو موضوع بحث بنا کر کسی کو جاہل اور کسی کو محقق اعظم کہنا بھی ہے۔ خون انصاف ہے۔

صاحب روضۃ الانساب نے اولاد امام حسینؑ کے سلسلہ میں متعدد روایات پیش کر کے کسی بھی روایت کو ترجیح نہیں دی۔

اسی لیے ہمیں آپ کا وقت لینا پڑا اور یہ چند سطور لکھ دی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جناب سکینہ کی وفات زندان شام میں پڑھتا ہے تو جو افراد اس کے قائل نہیں ہیں انہیں اس کے خلاف اصول شریعت کے مطابق کسی قسم کا فتویٰ دینے کا حق نہیں ہے۔ اگر وہ حضرات ان روایات کو ترجیح دے سکتے ہیں جو روایات جناب سکینہ کے زندان شام میں وفات کے خلاف ہیں تو ان کا شرعی وظیفہ ہے کہ وہ ان دوسرے افراد کو بھی یہ حق دیں کہ وہ اپنی تحقیق کے مطابق ان روایات کو ترجیح دیں جن میں جناب سکینہ کی وفات زندان شام میں بتائی گئی ہے

اولاد امام حسینؑ کے سلسلہ میں نسابقا پیش کردہ دیگر روایات کے علاوہ یہ بھی مسلم ہے کہ امام حسینؑ کا سلسلہ نسل صرف اور صرف جناب سجادؑ سے چلا ہے۔ اور آپ کا کوئی ایسا بیٹا زندہ نہیں بچا تھا جس سے سلسلہ نسل چلا اور نہ ہی کسی بیٹے کی اولاد باقی تھی جس سے سلسلہ نسب چلتا۔

کوفہ میں داخلے سے شام روانگی تک :-

لہوف کے مطابق جب اسیران آل محمد کا قافلہ کوفہ کے قریب پہنچا تو ابن زیاد اور عمر سعد کی منصوبہ بندی کے مطابق اس قافلہ کا استقبال کرنے کی خاطر کوفہ اور اطراف کوفہ کے رہنے والے تمام تماش بین جمع ہو گئے۔ اس قافلہ میں امام سجادؑ کے علاوہ کچھ بچے بھی تھے۔ امام محمد باقرؑ، زید ابن حسنؑ، عمر ابن حسن اور ان میں سے بڑے حسن مثنیٰ ابن حسن۔ جب قافلہ بازار میں آیا۔ تو چھت سے ایک عورت نے پوچھا۔

من ای الاساری انتن — تم کس علاقہ اور قبیلہ کی قیدی عورتیں ہو۔

ایک بی بی نے جواب دیا۔

من اساری آل محمد — ہم آل محمد کی قیدی بیٹیاں ہیں۔

وہ عورت یہ سنکر جلدی سے نیچے اتری چادریں لائیں اور چھت پر آ کر مخدرات عصمت میں تقسیم کیں۔ ابھی تک بی بیوں نے چادریں سروں پر نہیں لی تھیں کہ شمر نے سپاہیوں کو حکم دیا جنھوں نے نیزوں سے چادریں چھین لیں۔

اہل کوفہ آل محمد کی یہ مظلومی دیکھ کر رونے لگے۔

جناب سجادؑ نے اہل کوفہ سے فرمایا۔

تعجب ہے کل ہمیں قتل کرنے میں پیش پیش تھے اور آج رونے میں بھی پیش پیش ہو اگر ہمیں تم نے قتل نہیں کیا تو پھر کس نے کیا ہے۔

اگر تم ہی نے قتل کیا ہے تو اب روتے کس بات پر ہو۔

احتجاج میں حذیم ابن بشیر اسدی سے مروی ہے کہ جب اسیران آل محمد کا قافلہ وسط بازار میں پہنچا تو دختر علیؑ نے اپنے مجبور ہاتھوں سے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

پھر فرمایا۔

ایھا الناس اُسْکُتُوْا — لوگو! خاموش ہو جاؤ۔

حذیم کہتا ہے۔ بخدا! میں نے کسی بے بس، مجبور اور ستم رسیدہ عورت کو بھی اس جرأت اور ہمت سے خطبہ دیتے نہیں دیکھا جس ہمت سے بنت علیؑ نے خطبہ دیا۔

مجھے حیرت ہے کہ جونہی اس محسنہ نے ... چپ ہو جاؤ۔ کہا ایسے معلوم ہوا کہ علیؑ منبر کوفہ پر آ گئے ہیں اور اس آواز میں اتنا رعب تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پوری کائنات پر سناٹا چھا گیا ہو۔

کسی ذی روح کے تنفس کی آواز تک نہیں آ رہی تھی حتیٰ کہ اونٹ کے گلے میں لٹکی گھنٹیوں کی آواز تک ختم ہو گئی۔

حمد و ثنائے الٰہی اور صلوٰت بر محمد و آل محمد کے بعد۔

بی بی نے فرمایا اما بعد۔

اے بدنصیب کوفیو! اے غدار کوفیو! اے ذلیل کوفیو! اے فریب کار کوفیو! اب نہ تو تمہاری آنکھوں سے آنسو کبھی خشک ہوں گے اور نہ ہی تمہاری آہیں ختم ہوں گی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم اس عورت کی مانند ہو جو سارا دن سوت کات کر شام کو کاتے ہوئے کے ٹکڑے کر دے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے پاس خوشامد، چاپلوسی، اور یاوہ گوئی کے سوا کیا ہے! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جھوٹ تمہارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کنیزوں جیسی جی حضوری تمہارا سرمایہ حیات ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم طوطا چشم ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم گندگی کے ڈھیر پر اُگنے والی سبزی کی مانند ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بخدا! تم نے آخرت کے لیے انتہائی بدترین سامان کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم اللہ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا آج میرے بھائی کے غم میں روتے ہو! ۔ ۔ ۔ ۔ ہاں روؤ، تمہیں یہی رونا چاہیے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم نے ایسی لعنت لی ہے۔ ۔ ۔ ۔ تم نے ایسی ذلت خریدی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم نے ایسا داغ لیا ہے جو قیامت تک زائل نہیں ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھلا خاتم الانبیاء کے فرزند۔ ۔ ۔ ۔ کان رسالت کے گوہر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جوانان جنت کے سردار۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایام جنگ میں تمہارا سہارا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے گروہ کا حامی۔ ۔ ۔ ۔ تمہاری صلح کا مرکز۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہر غریب کا غم گسار۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مصائب کے وقت جائے امن۔ ۔ ۔ ۔ وقت قتال مقام پناہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہاری دلیلوں کا محور۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور تمہاری راہ کے چراغ کا قتل کیسے بھلایا جا سکتا ہے۔ اور تمہارے دامن سے یہ داغ کیسے دھل سکتا ہے۔ اپنی قیامت کے لیے تم نے بہت برا کاشت کیا ہے۔ تف ہو تم پر۔ ۔ ۔ ۔ تف ہو تم پر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لعنت ہو تم پر۔ ۔ ۔ ۔ بار بار لعنت ہو تم پر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم نے بہت گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم نے غضب الٰہی کو دعوت دی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمیشہ کی ذلت اور رسوائی کو اپنا مقدر بنا لیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ رسوا ہو جاؤ کس وقت سوچا بھی ہے کہ تم نے اپنے نبی کا جگر پارہ کیسے ٹکڑے ٹکڑے کیا! ۔ ۔ ۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے کون سا کیا ہوا وعدہ توڑا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا جانتے ہو کس کی بیٹیوں کو بے مقنع و چادر کر کے تشہیر کر رہے ہو۔ ۔ ۔ ۔ تم نے ایسی سیاہ بختی کا مظاہرہ کیا ہے جس سے آسمان لرز گئے۔ زمین کانپ گئی۔ پہاڑ دہل گئے۔ کیا اس بات پر حیران ہو کہ آسمان سے خون کی بارش ہوتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ قیامت کا عذاب بہت سخت ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ اس مہلت کو غنیمت نہ سمجھو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ جلد بازی نہیں کرتا۔ ۔ ۔ ۔ اور نہ ہی تاخیر سے اسے انتقام کے فوت ہو جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ یقین رکھو اللہ ہمارا اور تمہارا سب کا نگران ہے۔

اشعار کا ترجمہ۔

اس وقت کیا جواب دو گے جب نبی کریمؐ نے تم سے پوچھا کہ تم تمام امتوں کی نسبت آخری امت تھے۔

تم نے میرے اہل بیت سے کیا سلوک کیا۔ میری اولاد کو ذبح کیا۔ میری بیٹیوں کو بے مقنع و چادر کرکے رسن بستہ کیا۔

اگر میں تمہیں اپنے اہل بیت سے بدسلوکی کی وصیت کر جاتا تو کیا اس سے بڑھ کر بھی کچھ کر سکتے تھے حالانکہ میں نے حسن سلوک کی منتیں کی تھیں۔

اس کے بعد امام سجادؑ نے فرمایا۔ پھوپھی اماں اتنا ہی کافی ہے۔ خدا کا شکر ہے آپ عالمۂ غیر معلمہ ہیں۔ یہ سنتے ہی دختر زہراؑ خاموش ہو گئیں۔

حذام کہتا ہے کہ میرے پہلو میں ایک بوڑھا کھڑا ہے تھا جو سن رہا تھا اس نے دونوں ہاتھ سوئے آسمان اٹھائے تھے اور گریہ کر رہا تھا۔

میرے ماں باپ تمہارے قدموں پر نثار ہوں۔ تمہارے بوڑھے بوڑھوں سے۔ جوان جوانوں سے۔ اور عورتیں عورتوں سے افضل ہیں۔

احتجاج ہی میں زید ابن موسیٰؑ نے اپنے باپ کے ذریعہ امام سجادؑ سے روایت کی ہے کہ اس کے کچھ دیر بعد دوسری جگہ جناب فاطمہ صغریٰ نے خطبہ دیا۔

اس سے اگلے چوک پر پھر جناب ام کلثوم زینبؑ نے خطبہ دیا۔

حذام ابن بشیر سے احتجاج میں مروی ہے کہ آخر میں امام سجادؑ نے خطبہ دیا۔

مقتل کی بعض معتبر کتب میں میں نے دیکھا ہے کہ سہل ابن سعید شہرزوری سے مروی ہے کہ بد قسمتی سے میں اس دن کوفہ میں تھا جس دن اسیران آل محمدؐ کا قافلہ داخل کوفہ ہوا۔

میں نے خواتین کوفہ کو نوحہ بکا اور ماتم کرتے دیکھا۔ میں نے ایک بوڑھے سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے کچھ لوگ جشن منا رہے ہیں اور کچھ نوحہ خوانی اور ماتم کر رہے ہیں۔

اس بوڑھے نے کہا۔ کہیں تو مسافر تو نہیں۔

میں نے کہا۔ اگر میں مقامی ہوتا تو مجھے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی یا جشن منانے والوں میں ہوتا یا رونے والوں میں ہوتا۔

اس نے کہا۔ وہ دیکھو فرزند رسولؐ کا سر نوک نیزہ پر سوار ہے اور بے پالان کے اونٹوں پر ذریت رسولؐ کی مستورات رسن بستہ بازار میں لائی جا رہی ہیں۔

اتنے میں سروں والے نیزے اور اونٹ قریب آگئے۔ میں نے دیکھا کسی بھی خاتون کے سر پر پردہ کی چادر تھی

اور نہ مقنع۔ ہر مستورہ کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے۔ بالوں سے پردہ بنائے ہوئے تھیں۔ کوفہ کی مستورات نے بچوں پر کھجوریں صدقہ کیں۔

ایک مستورہ نے باوازِ بلند بچوں سے کہا۔ کھجوریں پھینک دو۔

پھر ان مستورات سے فرمایا۔ صدقہ ہم پر حرام ہے۔

ایک مستورہ نے کہا۔ صدقہ تو آلِ محمد پر حرام ہے کیا تم آلِ محمد ہو۔

اس بی بی نے جواب دیا۔ کہ ہاں ہم آلِ محمد ہیں اور اس روئے زمین پر ہمارے سوا کوئی عورت یہ دعویٰ نہیں کر سکتی۔

کسی اونٹ پہ ایک کسی پر دو اور کسی پر تین تین بچیاں اور خواتین سوار تھیں۔

منتخب میں مسلم جصاص سے مروی ہے کہ مجھے ابن زیاد لعنۃ اللہ نے اس قصر کی قلعی کرنے کو کہا جس میں وہ دربار لگاتا تھا میں قلعی میں مصروف تھا کہ نعروں، ڈھولوں، گانوں اور تالیوں کا شور بلند ہوا۔ میرے ساتھ مزدور تھا میں نے اسے پوچھا معلوم ہے یہ کیا ہے۔

پھر وہ کچھ دیر کے بعد آیا۔ اور بتایا کہ لوگ کہتے ہیں یزید کے باغی کا سر ہے۔

میں نے پوچھا۔ انہوں نے باغی کا نام نہیں بتایا۔

مزدور نے کہا۔ کہتے ہیں حسین ابن فاطمہ ہے۔

یہ سنتے ہی میں نے کام چھوڑ دیا۔ روتا پیٹتا نیچے اترا۔ وہاں آیا جہاں اسیرانِ آلِ محمد کا قافلہ کھڑا تھا۔ میں نے چالیس اونٹ گنے جن پر مستورات سوار تھیں۔ نہ کسی اونٹ پہ پالان تھا اور نہ کسی بی بی کے سر پہ چادر تھی۔ ہر بی بی نے بالوں سے پردہ بنایا ہوا تھا۔

کوفی عورتوں نے چھتوں سے بچوں کو صدقہ کی کھجوریں دیں۔ ایک بی بی نے بچوں سے فرمایا۔ یہ ہمارے لیے کھانا جائز نہیں پھینک دو۔

میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ان بھوکے بچوں نے اس مستورہ کا حکم سنتے ہی کھجوریں منہ سے نکال کر بھی پھینک دیں۔ پھر اسی معظمہ نے کوفی عورتوں سے فرمایا۔ نحن آلِ محمد والصدقۃ علینا حرام۔ ہم آلِ محمد ہیں۔ ہم پر صدقہ حرام ہے۔

ابو قطان نے اپنی تالیف میں لکھا ہے کہ ایک شیعہ کا کہنا ہے کہ مجھ سے ایک ایسا جرم سرزد ہوا ہے اگر مجھے اسی جگہ معاف نہ کر دیا جاتا تو میں اپنے جہنمی ہونے میں ذرا بھی شک نہ کرتا۔

راوی نے پوچھا۔ وہ کیا جرم ہے۔

اس نے بتایا کہ میں نے کوفے میں دخترانِ علی و زہراؑ کو بے پالان کے اونٹوں پہ دیکھا ہے۔ جو ایوان کریں کوفہ

ہی میں تھا لیکن مجھے کچھ علم نہ تھا کہ فرزند رسولؐ کے ساتھ امت نے کیا سلوک کیا ہے۔ ایک دن میں بازار کوفہ میں بیٹھا تھا۔ میرا ذہن کسی غیر شعوری خوف سے سہما ہوا تھا۔ مجھے شب و روز میں بڑی تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں۔ دنیا تاریک تاریک نظر آتی تھی۔ کوفہ کی دیواریں اس طرح معلوم ہوتی تھیں جیسے ان پر خون کا پلستر چڑھا دیا گیا ہو۔ ہر شخص کا لباس ایسے نظر آتا تھا جیسے اسے خون میں ڈبو کر نکالا گیا ہے۔

ہر شخص مجھے حیران و پریشان۔ ڈرا ہوا اور سہما سہما سا نظر آتا تھا۔ ہر طرف وحشت برس رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہو گیا ہے یا ہونے والا ہے۔

اسی اثنا میں یکایک تکبیر و تہلیل کی آواز گونجی۔ پھر بہت بڑا شور و غل بپا ہو گیا۔ میں پتہ کرنے کی خاطر اٹھا کہ دیکھوں کیا ہے۔

میں نے دیکھا کچھ سر نیزوں کی نوک پر بلند تھے۔ کچھ مستورات برہنہ سر بے پالان کے اونٹوں پر تھیں ان مستورات میں بڑی بچیاں بھی تھیں اور کمسن بچیاں بھی تھیں۔ تمام مستورات نے بالوں سے منہ چھپائے ہوئے تھے۔ ان کے آگے آگے ایک نوجوان ایک موٹے تازے اونٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جوان بیمار نظر آتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔ اس کے دونوں پاؤں اونٹ کے نیچے سے بندھے ہوئے تھے اور ٹانگوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے سر پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ اور نہ ہی ٹانگوں پر کوئی کپڑا تھا۔

نیزہ برداروں میں ایک شخص کے ہاتھ میں بہت لمبا نیزہ تھا۔ اس کی نوک پر ایک سر تھا۔ سر پہ قتل وغیرہ کے کوئی آثار نہ تھے۔ نیزہ بردار بڑے فخریہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

کہہ رہا تھا۔

انا صاحب الرمح الطویل۔	میں لمبے نیزے والا ہوں۔
انا صاحب السیف الصقیل۔	میں چمکتی تلوار والا ہوں۔
انا قاتل الدین الاصیل۔	میں دین کی بنیادوں کا قاتل ہوں۔

اونٹوں پر سوار لڑکیوں میں سے ایک مستورہ نے اس ظالم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ اس کے آگے یوں بھی تو کہہ۔

من ناغاہ فی المھد جبرائیل۔	میں اس کا قاتل ہوں جسے گہوارے میں جبرئیل لوری دیتا تھا
ومن خدامہ میکائیل واسرافیل۔	میں اس کا قاتل ہوں جس کے میکائیل اور اسرافیل نوکر تھے
ومن عتقاتہ صلصائیل۔	میں اس کا قاتل ہوں کہ صلصائیل فرشتہ جس کا آزاد کردہ غلام تھا۔
ومن اھتز لقتلہ عرش	میں اس کا قاتل ہوں کہ جس کے قتل سے رب جلیل کا عرش

الجلیل۔

کانپ گیا۔

فرمایا ویلک۔ اللہ تجھ پر لعنت کرے یوں کہہ۔

انا قاتل محمد المصطفیٰ وعلی المرتضیٰ وفاطمة الزهراء وحسن المزکی و الهدیٰ وملائکة السماء والانبیاء والاولیاءؑ

میں محمد مصطفیٰ۔ علی مرتضیٰ۔ فاطمہ زہراؑ۔ حسین مجتبیٰ۔ آئمہ الٰہی۔ ملائکہ سماء۔ انبیاء اور اولیاء کا قاتل ہوں۔

میں ایک اونٹ کے قریب گیا۔ اور ایک بی بی سے پوچھا۔

یہ سر کیسے ہیں اور تم قیدی کہاں سے ہو۔

اس بی بی نے جواب فرمایا۔

تجھے شرم نہیں آتی کہ ہماری طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔

اس آواز میں اس قدر رعب تھا کہ میں غیر ارادی طور پر بیٹھ گیا۔ میرا سر چکرانے لگا۔ مجھے سنبھلنے میں کافی وقت لگا جب تک میں سنبھلتا وہ قافلہ آگے جا چکا تھا کہ میں غیر ارادی طور پر اپنے سر اور منہ پر طمانچے مارتا ہوا آگے بڑھا۔ اس اونٹ کے قریب جا کر سر جھکایا۔ اور اونٹ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں بے ساختہ دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔ اب پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔

میری صدائے گریہ سن کر اس مخدومہ نے پوچھا۔ کیوں روتا ہے؟

میں نے عرض کیا۔ آپ کی غربت۔ آپ کی مظلومیت۔ آپ کی کسمپرسی۔ اور آپ کی بے چارگی پر رو رہا ہوں لیکن مجھے معلوم نہیں کہ آپ کون ہیں؟

اور یہ سر کس کے ہیں؟

اس مخدومہ نے کہا۔ میں زینب بنت علی ابن ابی طالب ہوں۔ دیگر تمام قیدی مستورات بنات رسولؐ ہیں۔ دختران علی و زہراؑ ہیں۔ سب سے بلند نیزہ پر میرے بھائی حسین کا سر ہے جسے کربلا میں تین دن کا پیاسا ذبح کیا گیا ہے۔ دوسرے سر اہلبیت رسول کے ہیں۔ جو نصرت حسین میں پیاسے شہید کیے گئے ہیں۔ ہمارے آگے اونٹ پر جو نوجوان بیمار سوار ہے۔ وہ علی ابن حسین اور اس وقت امام وقت اور حجت خدا ہے۔

یہ سنتے ہی میں نے دیوار سے ٹکریں ماریں۔ گریبان چاک کر ڈالا۔ منہ اور سینہ پر ماتم کرنے لگا۔ اور عرض کیا۔ میری آقازادی میں نے پہلی مرتبہ ہی آپ کی غربت اور مظلومیت پر ترس کھاتے ہوئے دیکھا تھا میں آپ کے شیعوں سے ہوں۔ میرے لیے یہ سن کر زندگی بھر ماتم کرنا بھی سود مند نہیں ہوگا۔

بی بی نے فرمایا۔ اگر تو ہمارا محب ہے تو پھر ہماری مدد کیوں نہ کی۔

میں نے عرض کیا۔

بی بی میری سیاہ بختی اور بدنصیبی نے مجھے توفیق نہیں دی۔

شیخ مفید کے مطابق جب ابن سعد سر اور اسیران آلِ محمدؐ کو لے کر کوفہ پہنچا تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ آج دیر ہو چکی ہے کل صبح سر اور قیدیوں کو پیش کیا جائے۔ دوسرے دن اس خبیث نے دربار عام میں اعلان کیا۔ اور اذنِ عام دے دیا کہ جو چاہے داخل دربار ہو کسی قسم کی پابندی نہیں ہے جب دربار لگ گیا تو اس نے حکم دیا کہ غریب زہراؑ کا سر اور دیگر شہداء کے سر لائے جائیں۔

جب فرزند رسولؐ کا سر سونے کے طشت میں رکھ کر سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اپنے سامنے سر رکھا، سر دیکھ کر مسکرایا۔ اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ چھڑی مظلوم کربلا کے دندان مبارک پر مار کر کہنے لگا۔

اے ابو عبداللہ بہت جلد بوڑھے ہو گئے تھے۔

دربار میں سے ایک شخص نے کہا۔

ظالم اب بس بھی کر۔ بوسہ گاہ نبوی سے چھڑی اٹھا لے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے سرتاج انبیاءؐ کو انہی لبوں اور دانتوں کو چومتے دیکھا ہے۔

اس نے کہنے والے کی بات کی پرواہ نہ کی۔ اور اسی انداز میں چھڑی مارتے ہوئے کہنے لگا۔ یوم بیوم بدر حسینؑ بدر کے مقتولین کا بدلہ کربلا میں پورا ہو گیا ہے۔

پھر صحابی رسول زید ابن ارقم نے کہا۔

دونوں لبوں سے چھڑی اٹھا لے ظالم۔ جس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اعظمؐ کو دیکھا ہے وہ ان لبہائے مبارک کو کافی دیر تک چوم چوم کر روتے تھے۔

ابن زیاد نے کہا۔ اگر بڑھاپے نے آپ کی عقل زائل نہ کی ہوتی اور تو اپنے ہوش میں ہوتا تو میں ابھی جلاد کو تیری گردن مارنے کا حکم دیتا۔

زید ابن ارقم اٹھ کھڑا ہوا۔ دربار سے باہر جانے لگا۔ اور جاتے ہوئے کہتا رہا۔

اے لوگو! یاد رکھو تم نے فرزند زہراؑ کو قتل کر کے ابن مرجانہ کے ہاتھ میں اپنی باگ دے دی ہے آج کے بعد تم سے بدتر غلام کوئی نہ ہو گا۔ تمہارے شریفوں کو یہ قتل کرے گا اور کمینوں کو زرخرید غلام بنائے گا۔ لعنت ہے ان لوگوں پر جو اس ذلت اور رسوائی کو قبول کریں گے۔

پھر پیچھے پلٹے۔ پھر ابن زیاد کے قریب آکر میں تجھے ایک حدیث سناتا ہوں ممکن ہے تجھے ناپسند لگے اور تیرے ذہن کے لیے گراں ہو۔

ایک دن مسجد نبوی میں سرتاج انبیاءؐ تشریف فرما تھے۔ دیگر صحابہ میں امیر المومنین علیؑ بھی بیٹھے تھے۔ دونوں شہزادے آئے آپ نے اٹھ کر دونوں کو اٹھایا۔ مسند رسالت پر بیٹھ گئے۔ حسنؑ کو دائیں اور حسینؑ کو بائیں زانو پر بٹھا کر پہلے دونوں کے لب چومتے پھر دست دعا بلند کر کے عرض کیا۔

اللّٰھم انی استودعک ایاھما وصالح المومنین۔ — اے اللہ! میں ان دونوں اور ان کے باپ صالح المومنین کو بطور امانت تیرے سپرد کرتا ہوں۔

اے ابن زیاد بھلا تو خود سوچ کہ تو نے امانت نبوی سے کیا سلوک کیا ہے۔

اس کے بعد ابن زیاد نے دختران نبی کو پیش کرنے کا حکم دیا۔

ثانیہ زہراؑ بوسیدہ لباس میں تھیں۔ داخل دربار ہونے کے بعد بی بی ایک طرف خاک پر بیٹھ گئیں۔ دیگر مستورات نے ہر طرف سے گھیر لیا۔

ابن زیاد نے کہا یہ کون ہے جو دربار میں اسیر ہونے کے باوجود میری اجازت کے بغیر بیٹھ گئی ہے۔

ثانیہ زہراؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔

ابن زیاد نے دوسری مرتبہ پوچھا۔ پھر تیسری مرتبہ پوچھا۔ جب دختر علیؑ نے کوئی جواب نہ دیا تو شمر نے آگے بڑھ کر کہا یہ دختر علی زینب ہے۔

ابن زیاد نے کہا اس اللہ کی حمد ہے جس نے تمہیں رسوا کیا ہے۔ تمہیں موت سے دوچار کیا ہے اور تمہاری اسلامی بدعت کو نابود کیا ہے۔

بنت زہراؑ نے فرمایا۔ اس اللہ کی حمد ہے جس نے ہمیں اپنے نبی کی سعادت بخشی ہے اور ہمیں ہر رجس سے اس طرح پاک رکھا ہے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔ رسوا اور شرمسار ہوتے فاجر اور جھوٹے ہوتے ہیں بحمداللہ وہ ہمارے اغیار ہیں۔

ابن زیاد نے کہا۔ دیکھ لیا ہے اللہ نے تمہارے اہل بیت سے کیا سلوک کیا ہے۔

بی بی نے فرمایا۔ شہادت میرے اہل بیت کا مقدر تھی۔ وہ اپنی مقتل میں گئے شہادت کی سعادت حاصل کی۔ کل بروز محشر اللہ تجھے ان کے سامنے پیش کرے گا ان کی شہادت کا مقدمہ چلے گا۔ پھر پتہ چل جائے گا کہ اللہ نے میرے اہل بیت سے کیا سلوک کیا ہے۔

ابن زیاد غضب سے بھر گیا اس نے ارادہ قتل کیا۔

عمرو ابن حریث نے کہا۔

اے امیر یہ ایک مستورہ اور ستم دیدہ عورت ہے عورتوں کی باتوں پر ان کا مواخذہ نہیں کیا جاتا اور نہ ہی انکی مذمت کی جاتی ہے۔

ابن زیاد نے کہا تیرے سرکشوں اور تیرے اہل بیت کے قتل سے میرا دل ٹھنڈا ہوا ہے۔

یہ سنکر بنت زہراؑ کی آنکھوں کے بند ٹوٹ گئے۔ بے ساختہ رو کر بی بی نے فرمایا۔ تو نے میرے بوڑھے قتل کر دیئے۔

میری شاخیں کاٹ ڈالیں، میری بنیادیں ہلا دیں، میری خندقوں کو سر برہنہ تسخیر کر لیا اگر انہی اعمال سے تیرا دل ٹھنڈا ہونا تھا تو ہو گیا آج تیرا دل ٹھنڈا ہو گا۔

ابن زیاد نے کہا۔ یہ بڑی فصیح اور بلیغ ہے اس کا باپ بھی بڑا ادیب تھا۔

بی بی نے فرمایا۔ عورت اور قافیہ بندی کا کیا تعلق ہے۔ اس قافیہ بندی کے علاوہ میرے غم اور تفکرات بہت زیادہ ہیں۔ یہ تو دل کے پھپھولے تھے جو جل اٹھے اور میں نے کسی تکلف کے بغیر جو حقائق تھے تجھے ان سے مطلع کر دیا ہے ممکن ہے کسی وقت تجھے اس خواب غفلت سے ہوش آجائے۔

اس کے بعد جناب علی ابن حسینؑ زین العابدینؑ کو ابن زیاد کے پیش کیا گیا۔

ابن زیاد نے کہا۔ تو کون ہے؟

امام سجادؑ نے فرمایا۔ میں علی بن حسینؑ ہوں۔

ابن زیاد نے کہا۔ کیا اللہ نے علی ابن حسینؑ کو قتل نہیں کر دیا۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ میرا بھائی تھا جس کا نام علی تھا۔ اسے لوگوں نے قتل کر دیا ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ لوگوں نے نہیں اللہ نے قتل کیا ہے۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ اللہ تو اسی وقت وفات سے دوچار کرتا ہے جب کسی کی زندگی کے ایام پورے ہو چکے ہوں۔

ابن زیاد غضب ناک ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔

کیا تجھ میں یہ جرات ہے کہ مجھے ترکی بہ ترکی جواب دے۔ اور تجھ میں یہ ہمت ہے میری بات کو رد کر سکے۔ اسے ابھی لے جاؤ اور قتل کر دو۔

بنت زہراؑ نے جب ابن زیاد کا یہ حکم سنا تو اٹھ کھڑی ہوئیں اور فرمایا۔ ابن زیاد تجھے معلوم ہے کہ تو نے اس بیمار کے علاوہ میرا کوئی بھی نہیں چھوڑا اگر اسے قتل کرنا ہی ہے تو پھر تجھے اس کے ساتھ ہی مجھے بھی قتل کرنا ہوگا۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔

پھوپھی جان! مجھے اس سے ایک بات کہنے دیں۔ پھر فرمایا۔

ابن زیاد۔ کیا تو مجھے قتل کی دھمکیاں دیتا ہے۔ ابھی تک تجھے یقین نہیں ہوا کہ قتل ہماری عادت ہے اور شہادت ہمارا فخر ہے۔

بنت زہراؑ نے مجبور ہاتھوں کے باوجود جناب سجادؑ سے چمٹ گئیں اور فرمایا۔

ابن زیاد ہمارے جو قتل کر چکا ہے انہیں کافی سمجھ۔ میں مزید قتل برداشت نہیں کروں گی اور اس وقت تک

اسے نہیں چھوڑوں گی جب تک اپنا حکم واپس نہیں لے گا۔

الغرض لعین نے ایک مرتبہ بی بی کو اور دوسری مرتبہ جناب سجادؑ کو دیکھا اور کہنے لگا۔ تعجب ہے خون میں کتنی کشش ہوتی ہے مجھے یقین ہے کہ یہ عورت اپنی جان دے دے گی۔ اسے چھوڑ دے۔

منتخب اور فرحۃ شافیہ میں ہے کہ دربار میں موجود عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ اسی اثنا میں محل کے ایک طرف سے آگ کا ایک شعلہ ابن زیاد کی طرف لپکا۔ تمام دربار میں بھگدڑ مچ گئی۔ ابن زیاد منبر سے اٹھ کر اندر چلا گیا۔

سر مظلوم جو طشت میں رکھا تھا۔ اس سے آواز آئی جسے دربار میں موجود ہر شخص نے سنا۔ اے ملعون کہاں تک بھاگے گا یہ آگ تیرا مقدر ہے اب نہ بھاگ تجھے صرف تنبیہ کے طور پر آگ دکھائی گئی ہے۔ اگر اللہ چاہے تو تو بھاگ نہ سکے۔

اس کے بعد آل محمد کو زندان میں لے جانے کا حکم دیا۔ دوسرے دن ابن زیاد نے حکم دیا کہ سر مظلوم کو کوفہ کی تمام گلیوں اور کوچوں میں پھرایا جائے۔

نظم الزہرا میں حارث ابن وکیدہ سے مروی ہے کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا تلاوت قرآن کر رہا تھا۔ کہ میں نے انتہائی دلکش انداز میں ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من آیاتنا عجبا۔ کی تلاوت سنی۔ میرے دل میں شک سا گزرا کہ یہ سر کیسے تلاوت کرتا ہے کہیں کوئی چکر نہ ہو۔ اسی شک کے ساتھ ہی سر نے کہا۔

اے ابن وکیدہ آئمہ اور انبیاء کے متعلق ایسا شک جائز نہیں ہوتا۔ اللہ کی طرف سے ہمیں جو قوت زندگی میں میسر ہوتی ہے بعد از شہادت وہ سلب نہیں ہو جاتی۔ قدرت خالق کے اظہار کی خاطر اس قسم کے تصرفات کا حق ہمیں ہر وقت رہتا ہے۔

ابن وکیدہ کہتا ہے۔ میں نے کہا فرزند رسول! آپ نے درست فرمایا ہے۔ اور آپ کا قصہ اصحاب کہف سے کہیں زیادہ عجیب تر ہے۔ پھر میں نے خیال کیا کہ کسی طریقے سے سر کو ان ظالمین کے قبضے سے نکالا جائے خواہ چوری ہی کرنا پڑے۔

سر مظلوم کربلا نے فرمایا۔ ابن وکیدہ ایسا کبھی نہ کرنا۔ یہ تیرے بس کی بات نہیں ہے۔ میرے سر کی اس تشہیر کی نسبت میرا قتل زیادہ گناہ والا جرم ہے۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دے انہیں اس وقت پتہ چلے گا جب ان کے گلے میں آتشیں طوق ڈال کر انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔

لہوف میں ابن طاؤس نے لکھا ہے کہ جب سر مظلوم کو ہر گلی و کوچہ میں تشہیر کیا جا رہا تھا اسی وقت ابن زیاد منبر پر گیا اور اپنی فتح کے سلسلہ میں اپنی یزید کی اور بنی امیہ کی تعریف کرنے لگا۔ اور آل محمد کے خلاف لاف زنی کرنے لگا۔ مسجد میں عبداللہ ابن عفیف ازدی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ شخص حضرت علیؑ کے صف اول کے شیعوں سے تھا

اس کی دائیں آنکھ جنگ جمل میں اور بائیں جنگ صفین میں قربان ہو چکی تھی۔ ہر وقت مسجد اعظم میں مصروف عبادت رہتا تھا۔

جب ابن زیاد نے آل محمد کے خلاف ہرزہ سرائی کی تو ابن عفیف اٹھ کر کھڑا ہوا اور فرمایا۔

اے ابن زیاد اب خاموش بھی ہو جا۔ اولاد انبیاء کو قتل کر کے صالحین کے منبر پہ بیٹھ کر یہ لاف زنی کرتے ہوئے شرم نہیں آرہی۔

ابن زیاد نے کہا یہ کون ہے؟

جناب عفیف نے فرمایا۔ میں ہوں اے دشمن خدا و رسول اس ذریت کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں جن سے اللہ نے ہر قسم کے رجس کو دور رکھ کے اس طرح پاکیزہ رکھا جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔ کاش آج مہاجرین و انصار کی غیور اولاد ہوتی۔ وہ تجھے بتاتی کہ خدا و رسول کی زبان سے شجرہ ملعونہ کی حمایت کرنے والے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

ابن زیاد غضب سے بھر گیا۔ اس کے گلے کی رگیں پھول گئیں۔ اس نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ یزیدی سپاہی جناب ابن عفیف کو گرفتار کرنے کی خاطر آگے بڑھے۔ بنی ازد کے لوگ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے جناب ابن عفیف کو اپنی حفاظت میں لے کر ان کے گھر پہنچایا۔

کافی دیر بعد ابن زیاد نے اپنے ایک سالار کو پانچ سو سپاہی کے ساتھ بھیجا کہ جاؤ اور اس ازدی کو گرفتار کر لاؤ۔

یہ لوگ جناب ابن عفیف کے دروازہ پہ آئے اور دروازہ توڑنے کی کوشش کرنے لگے۔

جناب عفیف کی ایک نوخیز بیٹی تھی اس نے بتایا بابا جان! فوج اشقیاء آگئی ہے۔

ابن عفیف نے فرمایا۔ بیٹی پریشان نہ ہو مجھے میری تلوار دے دے میرے قریب کھڑی ہو جا اور جس طرف سے کوئی حملہ کرے مجھے بتاتی جانا۔

جناب ابن عفیف رجز خوانی کرنے لگے اور ان ملاعین سے لڑنے لگے۔ بچی بتاتی رہی ابا جان اس طرف سے حملہ ہو رہا ہے اور اس طرف سے حملہ ہو رہا ہے۔ حالانکہ متعدد یزیدیوں کو فی النار کرنے کے بعد بالآخر گرفتار ہو گئے۔ اور ابن زیاد کے پاس لائے گئے۔

ابن زیاد نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تجھے گرفتار کرا دیا ہے۔

جناب ابن عفیف نے فرمایا۔ اگر میری آنکھیں سالم ہوتیں تو تجھے پتہ چلتا کہ میں کیسے گرفتار ہوتا ہوں جیسے اب بھی اپنے سالار لشکر سے خدا پوچھے کہ ایک نابینا محب علی کو گرفتار کرنے کی خاطر کتنی لاشوں سے گزرنا پڑا۔

ابن زیاد نے کہا۔

اے دشمن خدا! بتا عثمان کے بارے تیرا کیا خیال ہے۔

جناب ابن عفیف نے فرمایا۔ اے بنی علاج کے غلام اے مرجانہ زادے تجھے عثمان سے کیا واسطہ اچھا تھا یا برا اور مصلح تھا یا مفسد اللہ اپنی مخلوق کا ولی ہے۔ وہ فیصلہ کرے گا اور جو بھی فیصلہ کرے گا۔ وہ حق ہوگا تو مجھ سے اپنے متعلق پوچھ اپنے باپ کے متعلق پوچھ۔ یزید کے متعلق پوچھ اور یزید کے باپ کے متعلق پوچھ۔

ابن زیاد نے کہا میں تجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھوں گا۔

تو اپنے انجام کے لیے تیار ہو جا۔

جناب ابن عفیف نے فرمایا۔ کس بات کی تیاری کروں گا۔ میری خواہش مجھے مل رہی ہے۔ جب تیری باندی ماں نے تجھے جنم نہیں دیا تھا میں اس وقت سے شہادت کی دعا مانگ رہا تھا۔ کہ میرے مالک مجھے اپنی مخلوق کے ملعون اور مغضوب ترین انسان کے ہاتھوں شہادت نصیب کرنا لیکن جب سے آنکھوں سے معذور ہوا تھا مایوس ہو چلا تھا۔ لیکن آج یقین ہو گیا ہے کہ اللہ نے میری دعا قبول کر لی ہے۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دو۔

جلاد نے تعمیل حکم کی۔ اور ابن عفیف شہید ہو گیا۔

عمر ابن سعد کی ندامت :-

منتخب میں ہے کہ جب ابن سعد سرہائے شہداء اور اسیران آل محمد ابن زیاد کے پیش کر چکا اور اپنے فرائض سے سبکدوش ہو گیا۔

تو ابن زیاد کے پاس آکر کہا۔ اب مجھے حکومت رے کا پروانہ بھی دیجئے اور اجازت بھی دیجئے۔

ابن زیاد نے کہا۔ پہلے میرا وہ حکم مجھے واپس کر جو حسین سے جنگ کے سلسلہ میں میں نے تجھے دیا تھا۔

ابن سعد نے کہا۔ وہ تو میں نے کہیں رکھا ہے اور اب مجھے یاد نہیں آرہا ہے کہ کہاں رکھا ہے اس کا ملنا مشکل ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ میں تجھے اچھی طرح جانتا ہوں تو نے اسے چھپا دیا ہے تاکہ قتل حسین کا داغ مجھ پر لگے جب تک وہ پروانہ نہیں لائے گا۔ اس وقت تک نہ تجھے انعام ملے گا اور نہ حکومت رے کا حکمنامہ۔ اور مجھے معلوم ہے حسین سے جنگ کے سلسلہ میں تو آخر تک کنی کتراتا رہا تو نے اپنی خوشی سے جنگ نہیں لڑی بلکہ میرے دباؤ کی بدولت قبول کی ہے۔

ابن سعد نے کہا۔ بخدا! اے امیر فرزند رسول سے جنگ کے سلسلہ میں میں نے آپ کو وہی مشورہ دیا تھا جو

مشورہ میں اپنے باپ سعد کو دیتا۔ اس سلسلہ میں میں نے کسی قسم کی غداری نہیں کی۔ لیکن آپ نے اس وقت میری بات نہ مانی اور اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبے۔

ابن زیاد نے کہا۔ گویا تم اب بھی قتل حسین پر پشیمان ہے۔

ابن سعد نے کہا۔ میں تو پہلے بھی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن میرے سر میں ایک خواہش تھی جیسے جیسے وہ ٹھنڈی پڑتی جائیگی ویسے ویسے اس بے فائدہ ندامت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور اس ندامت سے آپ بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ آپ اس حقیقت کو تسلیم کرتے جائیں گے کہ قتل حسین سے اموی حکومت کی کوئی خدمت نہیں ہوئی بلکہ اس کی چولیں ہل گئی ہیں۔

عبید اللہ نے کہا تم نے درست کہا ہے۔ عبید اللہ کے ساتھ اس کا بھائی عثمان ابن زیاد بھی بیٹھا تھا۔ اس نے کہا۔

بھیا آپ کے جبر و استبداد کی بدولت کوئی شخص آپ کے سامنے نام نہیں لیتا۔ ورنہ عمر ابن سعد کی بات درست ہے۔ فرزند رسولؐ کے قتل سے جو کلنک کا ٹیکہ ابن زیاد۔ اور بنی امیہ کی پیشانی پر لگ چکا ہے یہ کبھی زائل نہ ہوگا۔ آپ کی کوشش کے باوجود حسین نہیں مر سکا وہ آج تک بھی زندہ ہے اور جب تک دنیا ہے اس وقت تک زندہ رہے گا۔ تاریخ ہمیشہ حسین کی مظلومیت اور ہمارے ظلم کو یاد کر کے حسین پر رحمت اور ہم پر لعنت ہی کرتے رہے گی۔

ابن سعد نے کہا۔ اے امیر! میں یہ سمجھ چکا ہوں آج تک اتنا خسارے کا سودا کسی نے نہ کیا ہوگا جتنا میں نے کیا ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ وہ کیسے۔

ابن سعد نے کہا۔ میں نے ابن زیاد کی اطاعت میں اللہ و رسول کی نافرمانی کی ہے۔ فرزند رسولؐ کو رسوا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے مقابلہ میں دشمنان خدا اور رسول کی نصرت کی ہے۔ میں نے حسین سے قطع رحمی کر کے اپنے دشمن سے ناطہ جوڑا۔ اپنے اللہ کی نافرمانی کی۔

مجھے معلوم ہے کہ میں نے کتنے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور جس لالچ کی خاطر کیا ہے آپ کی باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ بھی پورا نہیں ہوگا۔

ابن سعد اپنے کو ملامت کرتا ہوا ابن زیاد کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا۔

مدینہ میں اطلاع :

لہوف میں ابن طاؤس نے لکھا ہے کہ ابن زیاد جب اپنا جشن فتح منا چکا تو اس نے عبد الملک ابن ابو الحارث

سے کہا کہ مدینہ میں جا کر عمرو ابن سعید ابن عاص کو قتل حسینؑ کی بشارت دے۔

عبد الملک کہتا ہے کہ جب میں مدینہ پہنچا تو عمرو سے پہلے ایک قریشی سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا۔ کوئی نئی بات ہے۔

میں نے کہا۔ ہاں میرے پاس بہت اہم نئی بات ہے۔

اس نے دین۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر کہا۔ تیرا انداز یہ بتا رہا ہے کہ فرزند رسولؐ کو شہید کر دیا ہے۔

میں جب عمرو ابن سعید کے پاس گیا تو اس نے پوچھا۔

کیا خبر ہے!

میں نے کہا۔ وہ خبر جس سے امیر کا دل ٹھنڈا ہو جائے۔ فرزند رسولؐ قتل ہو گیا ہے۔

عمرو نے کہا۔ جیسے یہ خوشخبری تم نے مجھے سنائی ہے۔ اہل مدینہ کو بھی تو اسی طرح سنا سکتا ہے۔ جا اور منادی کر دے۔

میں نے مدینے کی گلی کوچوں میں جب قتل حسینؑ کی منادی کی۔ تو پھر پورے مدینہ میں ماتم کا ایک طوفان اٹھا۔ ہر گھر سے نوحہ و بکا کی دلسوز صدائیں آنے لگیں۔ محلہ بنی ہاشم تو بالخصوص ماتم کدہ بن گیا۔ مدینہ کے تمام زن و مرد ام المومنین ام سلمہ اور جناب عبد اللہ ابن جعفر طیار کے پاس پرسہ کو آنے لگے۔

میں واپس عمرو کے پاس آیا۔

جب اس نے محلہ بنی ہاشم سے صدائے نوحہ و بکا سنی تو مسکرا کر کہنے لگا۔ چلو حساب برابر ہو گیا۔ جنگ بدر کے بعد ہمارے گھروں میں بھی تو ایسے ہی نوحہ و بکا ہوا تھا۔

عبد اللہ ابن صاحب نے کھڑے ہو کر کہا۔

اے عمرو اگر آج دختر رسولؐ ہوتی تو کیا کہتی۔

عمرو نے کہا۔ تجھے کیا ہے کیا کہتی۔

جنگ بدر کے بعد ہماری مستورات نے کیا کہا تھا۔ کسی کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جس طرح ہماری مستورات کو ایک وقت کے بعد صبر آ گیا تھا اسی طرح دختر رسولؐ بھی ایک عرصہ تک رو کر چپ ہو جاتی۔ ابتدا تو اسی کے باپ نے کی تھی۔ ہم نے تو اپنا بدلہ ہی لیا ہے۔

ارشاد شیخ مفید کے مطابق جناب عبد اللہ ابن جعفر کے ایک غلام ابو السلاسل نے جناب عبد اللہ کی خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

دیکھے حضور! حسینؑ کی وجہ سے ہمارے دو پیارے لال بھی ذبح ہو گئے

جناب جبلہ اشد نے جتائے کر اس کی مرمت کی اور فرمایا۔

ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے تو شریف ماں کا بیٹا نہیں ہے۔ بخدا! اگر میں حسینؑ کے ساتھ ہوتا تو میں بھی ہرگز پیچھے نہ رہتا۔ اگرچہ مجھے ایک طرف سے افسوس ہے کہ میں کیوں وہاں موجود نہ تھا۔ تو دوسری طرف سے مجھے یہ اطمینان بھی ہے کہ میرے بچوں نے میرا بھرم رکھ لیا ہے۔ اور میرا بھی حسینؑ کے ساتھ حصہ موجود ہے۔ اور کیا جا دفع ہو جا یہاں سے۔

امالی طوسی اور بحار کے مطابق یزیدی فوج نے خیام آل محمد سے جو کچھ بھی لوٹا تھا کسی کو نصیب نہ ہوا۔ جس نے کپڑے پہنے وہ پاگل ہو گیا۔ جس نے زعفران استعمال کی وہ مبروص ہو گیا۔ جس ناقہ پر سوار ہو کر امام حسینؑ نے فوج یزید کے سامنے آخری خطبہ دیا تھا۔ اس اونٹنی نے جب خیام کو جلا ہوا دیکھا تو دھاڑیں مار کر رونے لگی اپنے تمام جسم کو اپنے دانتوں سے کاٹ کاٹ کر لہولہان کر دیا۔

یزیدی سپاہی اسے پکڑنے کو آئے تو اونٹنی کو بھگانے لگے انھوں نے بہت کوشش کی کہ اپنے کیمپ میں لے جائیں لیکن اونٹنی پہلے تو خیمہ معلوم کربلا کی جگہ آئی۔ جب دیکھا کہ خیمہ جل چکے ہیں تو بیٹھ گئی۔ اس جگہ کو سونگھ سونگھ کر سر زمین پر مارنے لگی۔ اور نوحہ کرنے لگی۔ یزیدیوں نے چابکوں سے تشدد کی انتہا کر دی۔ لیکن اونٹنی نہ اٹھی۔

بالآخر اپنی مرضی سے اٹھ کر سوئے مقتل روانہ ہوئی۔ ایک ایک لاشہ کو سونگھتی ہوئی فرزند رسول کے لاشہ پر آئی۔ اور قریب بیٹھ گئی۔ اس منہ سے دھاڑیں مار کر روئی کہ پورا کربلا کانپ گیا۔ یزیدیوں نے اسی جگہ اسے نحر کیا۔ اور گوشت آپس میں تقسیم کر لیا۔ جب گوشت کو پکایا۔ اور کھانے بیٹھے۔ تو ان کے منہ میں گوشت پتھر بن گیا۔

کوفے سے سوئے شام

لہوف۔ بحار۔ ارشاد مفید۔ ایتر الذاب۔ منتخب۔ مقتل ابو مخنف اور خرائج کے مطابق ابن زیاد نے کوفہ میں تشہیر آل محمد کے دوسرے دن یزید کو فتح کی مبارک باد بھجوائی۔ اور مزید ہدایات طلب کیں۔ یزید نے جواب میں ابن زیاد کو لکھا کہ تمام شہداء کے سر اور اسیران آل محمد کو میرے پاس شام بھیج دے ساتھ ہی بد سے عرصہ میں اسیران آل محمد زندان کوفہ میں رہے[1]۔ یزید کا حکم آنے کے بعد ابن زیاد نے اسیران آل محمد کو رسن بستہ اور سرہائے شہداء کو نیزوں پر سوار کیا جناب سجاد کے ہاتھوں میں رسیاں پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق ڈال دیے اور زجر ابن قیس کو سروں کا انچارج۔ مخضر ابن ثعلبہ اور شمر کو اسیروں کا نگران بنا کر شام روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ کوفہ سے شام تک ہر جگہ ہر ممکن انتظام کرے۔

[1] اس مدت پر مفصل تبصرہ ہم نے حالات السبطین کے ترجمہ یزید میں کر دیا ہے شائقین تحقیق وہاں رجوع فرما سکتے ہیں۔ ایڈ جائسی۔

ذریت رسول کی تشہیر کرائی جائے۔

پہلی منزل پر جہاں انہوں نے قیام کیا۔ کھانے کو بیٹھے۔ ایک ویران مکان تھا۔ بوسیدہ دیوار سے ایک ہتھیلی برآمد ہوئی جس پر یہ شعر لکھا تھا۔ کیا وہ امت جس نے فرزند رسول کو شہید کیا ہے۔ جد حسین کی امید شفاعت رکھ سکتی ہے۔

بخدا ایسے ہرگز نہ ہوگا۔ یہ لوگ محروم شفاعت ہوں گے اور دائمی عذاب ان کا مقدر ہوگا۔

یہ اشعار دیکھ کر یہ گھبرا گئے۔ اور اسی وقت وہاں سے کوچ کیا۔

قادسیہ پہنچے۔ قادسیہ سے آگے تکریت آئے۔ تکریت کے حاکم خان کی خواہش کے مطابق ان کا استقبال کی تیاری کی تکریت کا ایک عیسائی کرزمین تھا۔ جب سر مظلوم کو زمین لایا گیا۔ وہ تمام حالات سے واقف تھا۔ اس نے تمام عیسائی برادری کو جمع کرکے بتایا۔

کہ جن سروں اور قیدیوں کا تماشہ کیا جا رہا ہے وہ باغی نہیں ہے بلکہ ذریت رسول ہیں۔ جب تکریت کے پادریوں کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے ناقوس بجا کر تمام عیسائیوں کو جمع کیا اور انہیں حقیقت حال سے مطلع کرکے کہا۔ کہ خبردار تم میں کوئی ذریت نبویہ کے تماشہ میں نہ جائے۔ ہم ذریت نبویہ کے قاتلوں سے اعلان برات کرتے ہیں

جب یزیدیوں کو یہ اطلاع ملی تو وہ گھبرا گئے اور تکریت میں داخل ہوئے بغیر آگے بڑھ گئے۔

تکریت سے آگے دیر عروہ پر آئے۔

دیر عروہ سے صلیتا آئے۔

صلیتا سے وادی نخلہ آئے۔

وادی نخلہ میں ایک رات قیام کیا۔ اس جگہ ساری رات جنات کی نوحہ خوانی اور فرزند رسول پر ماتم سے سو نہ سکے۔ وادی نخلہ سے چل کر یہ لوگ لینا میں آئے یہ بڑا آباد شہر تھا۔ جب یہاں کے مکینوں کو پتہ چلا تو سب گلیوں میں نکل آئے حسینؑ اور ذریت رسول پر درود و سلام اور ان کے قاتلین پر لعنت کرنے لگے اور انہوں نے یزیدیوں سے کہا اے اولاد انبیاء کے قاتلو! ہمارے قصبہ کو خراب نہ کرو یہاں سے نکل جاؤ۔

لینا سے آگے بڑھ کر کحیل آئے۔ اور کحیل سے چل کر قصبہ جہینہ سے ان لوگوں نے والی موصل کو پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس فرزند رسولؑ کا سر اور ذریت رسول کے قیدی ہیں۔ والی موصل نے چھ میل باہر جا کر ان کا استقبال کیا۔ جب اہل موصل کو پتہ چلا کہ فرزند رسولؑ کا سر اور آل محمد کے قیدی ہیں تو وہ سب جمع ہو گئے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ اگر داخل شہر ہوئے تو سر اور قیدی ان سے چھین لیں گے۔ یزیدیوں کو اہل موصل کے اس منصوبہ کا پتہ چل گیا۔

چنانچہ موصل میں آئے بغیر آگے بڑھ گئے۔

تل اعفر پر آ گئے۔ تل اعفر سے آگے جبل سنجار کے قریب سے گزرے۔ کوہ سنجار سے گزر کر نصیبین آئے۔ نصیبین کا حکمران پکا یزیدی تھا۔

اس نے یزیدیوں کو خوراک، رہائش اور دیگر ضروریات مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ اسیران آل محمد اور سروں کی تشہیر کا بھی انتظام کیا۔

نصیبین سے چل کر عین الوردہ آئے۔ عین الوردہ سے آگے۔ دعوات میں آئے۔ والی دعوات کو پہلے سے اطلاع ہو چکی تھی۔

چنانچہ اس نے جشن منایا۔ استقبال کیا۔ سر مظلوم کربلا کو ایک چوک پر نصب کرایا۔ آج تک وہ جگہ جہاں سر مظلوم نصب کیا گیا تھا زیارت گاہ بنی ہوئی ہے اور جو بھی اپنی کوئی حاجت وہاں طلب کرتا ہے اس کی ہر حاجت پوری ہوتی ہے۔ یہاں یزیدیوں نے بڑے عیاشی سے پوری طرح مخمور ہو کر رات گزاری۔

دعوات کے بعد قنسرین آئے۔ جب قنسرین کے لوگوں کو حقیقت حال معلوم ہوا تو انہوں نے شہر کے دروازے بند کر دیئے۔ شہر پناہ پر چڑھ کر ان لوگوں نے یزیدیوں کی سنگباری، لعنت اور ملامت سے تواضع کی۔ یہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ قنسرین سے باہر ایک راہب کا عبادت خانہ تھا۔ اس کے باہر انہوں نے قیام کیا۔ راہب نے چھت پر چڑھ کر دیکھا تو سر ایک صندوق سے نور کی کرن تا آسمان پھوٹتی نظر آئی۔ وہ چھت سے نیچے اترا۔ یہ لوگ مصروف مے نوشی تھے۔ وہ سر مانگنا چاہتا تھا لیکن انہوں نے دس ہزار دینار طلب کئے۔ کہنے لگے ہمارے پاس یزید کے باغی کا سر ہے اور ہمیں دشمنوں سے خطرہ ہے۔

راہب نے کہا۔ اگر اعتبار نہیں تو مجھے دے دو صبح لے لینا۔ انہوں نے سر دے دیا۔ راہب سر کو لے کر گرجا میں آیا۔

صاف جگہ پر پاکیزہ چادر بچھائی۔ اس پر رکھا اور دست بستہ ہو کر بیٹھا۔ بارگاہ خالق میں عرض کی۔ اے رب عیسیٰ مجھے حضرت عیسیٰ کا واسطہ سر کو بولنے کا یارا دے۔

سر مظلوم نے فرمایا۔ بتا کیا چاہتا ہے۔

راہب نے عرض کیا۔ مجھے اپنا تعارف کرائیں۔

سر مظلوم نے فرمایا۔

میں محمد مصطفیٰ کا بیٹا ہوں۔

میں علی مرتضیٰ کا لخت جگر ہوں۔

میں فاطمہ زہراؑ کا نور دیدہ ہوں۔

میں کربلا کا مقتول ہوں۔

یہ کربلا کا مظلوم ہے۔

یہ وہ ہے جسے پس گردن سے پیاسا شہید کیا گیا ہے۔

راہب نے اپنے شاگردوں اور دیگر افراد کو بلا کر اپنے قریب بٹھایا۔ اپنا منہ سر غریب پر رکھا اور کہنے لگا اس وقت تک سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک میرے ساتھ وعدہ شفاعت نہ کرے۔

سر مظلوم نے فرمایا۔ میری شفاعت صرف ان افراد کیلئے ہے، جو محمد رسول اللہ کے قائل ہیں اور تو نے ابھی تک کلمہ نہیں پڑھا۔

جیسے ہی راہب کے شاگردوں اور طالب نے یہ بات سنی راہب کی طرف دیکھا راہب نے ان کی طرف دیکھا اور کہا۔ اشهد ان لااله و اشهد ان محمداً رسول الله۔ راہب کے ساتھ دوسرے تمام موجود افراد نے بھی کلمہ پڑھا۔

دیر راہب سے آگے معرۃ النعمان آ گئے۔ معرۃ النعمان کے لوگ ان کے ساتھ جشن فتح میں شریک ہوئے۔ یہاں ایک دن قیام کے بعد شیزر آئے۔ شیزر کے ایک کہن رسیدہ شخص نے تمام افراد کو جمع کر کے بتایا کہ یہ یزیدی خارجی کہہ رہے ہیں فرزند رسول حسین کا سر ہے۔ شیزر کے تمام لوگوں نے اتفاق کر لیا کہ اپنے گاؤں میں انہیں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

چنانچہ یہ لوگ شیزر میں داخل ہوئے بغیر کفر طاب میں آئے۔ اہالیان کفر طاب نے اپنے دروازے بند کر دیئے۔ خولی نے ان سے پانی مانگا انہوں نے جواب دیا۔ اگر تمہارے پاس فرزند رسول کے لیے پانی نہیں تھا تو پھر ہمارے پاس تمہارے لیے بھی لعنت کے سوا کچھ بھی نہیں جاؤ بھاگ جاؤ یہاں سے۔

کفر طاب سے آگے سیبور آئے سیبور کے لوگوں کو جب پتہ چلا کہ ذریت رسولؐ کو قتل کیا گیا ہے اور دختران زہراؑ اسیر ہیں، نوجوان بپھر گئے۔ اور انہوں نے کہا۔ ہمارے گاؤں میں ان کا قدم بھی نہیں آئے گا۔ بڑے بوڑھوں نے مصلحت اندیشی کا سبق دیا کہ کوفہ سے کربلا تک ہر جگہ تشہیر ہو رہی ہے کسی جگہ کے لوگوں نے انہیں منع نہیں کیا۔ ہمیں بھی خاموشی سے وقت گزار لینا چاہیے فتنہ اچھا نہیں ہوتا۔

لیکن جوانوں نے کہا، ہرگز ایسا نہیں ہو گا۔ جوانوں نے ہتھیار لگائے شہر سے باہر خندق پر جو پل تھا اسے کاٹ دیا اور یزیدیوں پر حملہ کر دیا۔ اچھی خاصی لڑائی ہو گئی۔ یزیدیوں سے چھ سو آدمی فی النار ہو گئے۔ اہل سیبور سے پانچ آدمی شہید ہوئے۔

بنت زہرا ام کلثوم زینب نے شہر کا نام پوچھا جب بتایا گیا تو بی بی نے دل سے دعا دی۔

بارالہا! ان لوگوں نے ذریت رسول کا احترام کیا ہے۔ ان کا پانی ہمیشہ میٹھا رہے ان کے نرخ ہمیشہ ارزاں رہیں اور کبھی کوئی ظالم ان پر مسلط نہ ہو۔

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس معرکے کے بعد اگرچہ کہ وہاں پر ظلم و جور ہوتا رہا پھر بھی اہل سیبور امن سے بستے ہیں۔

سیبور سے آگے حماۃ آئے۔

اہلیان حماۃ نے شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے فصیل پر چڑھ گئے۔ اور کہنے لگے جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ ہے اس وقت تک اس شہر میں تم داخل نہ ہو پاؤ گے۔

حماۃ سے آگے حمص آئے۔

والی حمص خالد ابن نشیط نے تین میل پر جا کر استقبال کیا۔ شہر کو سجایا۔ لیکن جب اہلیان شہر کو حقیقت کا علم ہوا تو نعرے سے شہر میں داخل ہوتی ہوئی یزیدی فوج کی راہ روک دی۔ اور سنگباری شروع کر دی۔ چھبیس یزیدی اس سنگباری میں واصل جہنم ہو گئے۔ ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ خولی کو قتل کر کے سر مظلوم اس سے لے کر کربلا میں جا کر دفن کریں گے۔

یزیدی اس منصوبے سے واقف ہو گئے۔ اور وہاں سے نکل بھاگے۔

حمص سے چل کر یہ لوگ بعلبک آئے۔ بعلبک کے حکمران نے ان کا خوب استقبال کیا۔ اس جگہ ان لوگوں نے انتہائی اطمینان سے شراب خوری کی۔

جناب ام کلثوم زینب نے شہر کا نام پوچھا۔

جب بتایا گیا تو بی بی نے دست دعا بلند کر کے عرض کیا۔

بارالہا! اس شہر کو ہمیشہ ویران رکھ! انہیں آب شیریں نصیب نہ ہو۔ اور کبھی بھی ظالموں کے ہاتھوں سے نجات نہ پائیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ آج تک بعلبک کے لوگ امن کا منہ نہیں دیکھ سکے۔

بعلبک سے چل کر ایک گرجا کے قریب آئے یہاں انہیں وافر مقدار میں پانی مل گیا۔ ان لوگوں نے اسی جگہ قیام کا فیصلہ کر لیا۔

سر مظلوم کو نوک نیزہ پر بلند کر کے گرجا کی دیوار کے ساتھ کھڑا کیا۔

جب رات کافی گزر گئی تو گرجا کے پادری نے سر سے کچھ آواز سنی۔ اور پیشانی سے نور کی کرن تا آسمان دیکھی۔

پادری کو ایسے معلوم ہوا جیسے آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ملائکہ گروہ در گروہ نازل ہو کر سر کا طواف کر رہے ہیں۔

السلام علیک یا ابن رسول اللہ

السلام علیک یا ابا عبد اللہ

پادری یہ دیکھ کر رونے لگا۔ جب صبح کو قافلے نے کوچ کے لیے تیاری کی تو پادری نے چھت سے آ کر

سوال کیا۔

تم لوگ کون ہو؟

یزیدیوں نے جواب دیا ہم یزید کے سپاہی ہیں۔

پادری نے پوچھا۔ تمہارے ساتھ یہ کیا ہے؟

انھوں نے کہا۔ باغیوں کے سر اور ان کے اہل بیت قیدی ہیں۔

پادری نے کہا۔ ان کا سردار کون تھا؟

انھوں نے کہا حسینؑ تھا۔

پادری نے پوچھا اس کے باپ کا نام کیا تھا؟

کہنے لگے۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ تھا۔

پادری نے پوچھا۔ اس کی ماں کا نام کیا تھا؟

انھوں نے کہا۔ فاطمہؑ بنت محمدؐ تھا۔

پادری نے کہا۔ کیا یہ تمہارے نبی محمد مصطفیٰؐ کا چھوٹا نواسہ تھا؟

انھوں نے کہا۔ ہاں وہی ہے۔

پادری نے کہا۔ اللہ تم پر لعنت کرے۔ ہماری کتاب میں جو لکھا ہے وہ پورا ہو گیا ہے۔ اور تم بھی اس کا مشاہدہ کر چکے ہو۔

انھوں نے کہا کیا لکھا ہے۔

پادری نے کہا لکھا ہے کہ جب آخری نبی کا چھوٹا نواسہ شہید ہو گا تو آسمان سے خون کی بارش ہو گی۔ میں بھی دیکھ چکا ہوں اور تم بھی دیکھ چکے ہو کہ آسمان سے بھی خون برسا ہے اور زمین نے بھی خون اگلا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ تمہارا سردار کون ہے؟

انھوں نے کہا۔ خولی ہے

پادری نے خولی سے کہا کیا صرف ایک گھنٹے کے لیے مجھے سر دے سکتے ہو پھر واپس لے لینا۔

خولی نے کہا۔ میں یزید سے پہلے کسی کو نہیں دوں گا

یزید سے مجھے انعام ملے گا۔

پادری نے پوچھا۔ کتنا انعام ملے گا۔

خولی نے کہا۔ دس ہزار کی ایک تھیلی ملے گی۔

پادری نے کہا۔ اگر دس ہزار میں دے دوں تو؟

خولی نے کہا۔ پھر کیا ہے۔

اگر ہم دس ہزار کے لیے فرزند رسول کو قتل کر سکتے ہیں تو دس ہزار کے لیے اس کا سر صرف ایک گھنٹہ کے لیے کیوں نہیں دے سکتے۔ جلدی سے پیسے لا اور سر لے جا۔

پادری رقم لایا۔ ان لوگوں نے گنی اور سر پادری کو دے دیا۔

پادری سر کو گرجا میں لایا۔ اور سر کو سامنے رکھ کر کہنے لگا۔

اے ابو عبداللہ خدا شاہد ہے میرے لیے آپ کو اس حالت میں دیکھنا بڑا مشکل ہے۔ اور میں وہ سر دیکھ کر شرمندہ ہو رہا ہوں کہ میں اپنی جان آپ کے قدموں میں کیوں قربان نہ کر سکا۔ بہر صورت میرے نصیب ملے اپنے نانا کے سامنے شہادت دینا کہ میں پڑھ رہا ہوں۔ اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد الرسول الله واشهد ان علیا ولی الله۔ پھر پادری نے سر کو اٹھایا۔ ان ملاعین کے سپرد کیا۔ یہ لوگ وہاں سے چلے رقم کو جب تقسیم کیا تو ہر درہم پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ ظالم عنقریب دیکھ لیں گے کس انجام کی طرف بازگشت ہے۔ ان لوگوں نے وہ تمام درہم ایک جگہ دفن کر دیے اور ایک دوسرے سے کہا کہ اس واقعہ کا تذکرہ کسی کے سامنے نہ کرنا۔

ابو سعید شامی سے مروی ہے کہ میں بھی ان کمینوں کے ساتھ تھا جو سر مظلوم کو کوفہ سے شام تک لائے تھے ایک رات ہمیں اطلاع ملی نصر خزاعی نے فوج جمع کر کے تیاری کر لی ہے کہ کسی بھی مقام پر حملہ کر کے سر ہائے شہداء اور اسیران آل محمد ہمارے قبضے سے لے لے۔

ان لوگوں نے فیصلہ کیا رات کسی پر امن جگہ پر گزارنا چاہیے چنانچہ اثنائے راہ میں ایک انتہائی مستحکم گرجا آ گیا۔

انہوں نے فیصلہ کیا کہ بہت مضبوط گرجا ہے ہمارے لیے جائے پناہ بن سکتا ہے۔

شمر نے بیرون گرجا سے باواز بلند آواز دی۔ ایک بوڑھا پادری گرجا کی چھت پر آیا۔ اور پوچھا کہ کیا بات ہے۔

شمر نے کہا۔ ہم سرکاری سپاہی ہیں ہمارے ساتھ سرکاری قیدی اور کچھ باغیوں کے سر ہیں ہمیں اطلاع ملی ہے کہ دشمن ہم سے قیدی اور سر چھینا چاہتے ہیں۔

ہمیں آج رات گرجا میں پناہ دے دے۔

پادری نے کہا میرا گرجا بہت چھوٹا ہے۔ تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے۔ ایسا کرو کہ سر اور قیدی گرجا کے اندر بھیج دو۔ تم گرجا کے باہر رات گزار لو۔ اگر دشمن سے سامنا ہو جائے تو اطمینان سے مقابلہ کرو صبح سر اور قیدی لے لینا۔

انہوں نے کہا ٹھیک ہے ایسا ہی کرتے ہیں۔

چنانچہ سر اور قیدی گرجا کے اندر بھیج دیے گئے۔

پادری نے دیکھا کہ سر سے نور کی ایک کرن پھوٹ رہی ہے۔

جب سب لوگ سو گئے تو پادری اٹھا۔ اس کمرے کے دروازے کے روزن سے دیکھا جس میں سر کا صندوق رکھا ہوا تھا۔ اسے تمام کمرہ منور نظر آیا۔

پادری کا بیان ہے کہ میں کمرے کے پچھلی طرف ایک روشندان کے پاس جا کھڑا ہوا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کمرہ کی چھت میں شگاف ہو گیا ہے۔ میں نے دیکھا نور کی ایک عماری کمرہ میں آئی۔ کسی نے آواز دی۔ صاحب! آنکھیں بند کر لے ازواج انبیاء اور دختران اولیاء رسول کی دختر سیدہ عالم کو پرسہ دینے آئی ہیں۔

اس کے بعد مجھے کمرہ میں کچھ نظر نہ آ رہا تھا البتہ میں آوازیں سن سکتا تھا۔

کسی نے کہا۔ جناب حوا۔ جناب صفیہ۔ جناب ہاجرہ۔ جناب راحیل۔ جناب یوکبد۔ جناب آسیہ۔ جناب مریم اور دیگر انبیاء کی ازواج آ گئیں ہیں۔

سب سے آخر میں سر مظلوم دختر مصطفیٰ کے پاس آیا۔ کیونکہ ان کے بین سن کر پتہ چلتا ہے کہ بی بی فاطمہ زہراؑ ہے بین فرما رہی تھی۔

السلام علیک یا قتیل الام

السلام علیک یا مظلوم الام

السلام علیک یا شہید الام۔

یا بنی من ذالذی فرق بین راسک وجسدک۔	بیٹے تیرے سر اور جسم کو ایک دوسرے سے کس نے جدا کیا ہے
یا بنی من ذالذی قتلک وظلمک۔	بیٹے کس نے تجھ پر یہ ظلم کیا ہے۔ تجھے کس نے قتل کیا ہے
یا بنی من ذالذی سبی حریمک۔	بیٹے تیرے اہل بیت کو کس نے قید کیا ہے۔
یا بنی من ذالذی ایتم عیالک۔	بیٹے تیرے بچوں کو کس نے یتیم کیا ہے۔

اس ماتم پر اس کمرہ میں اتنا گریہ ہوا کہ میں غش کھا کر گر پڑا۔ جب مجھے افاقہ ہوا اور میں نے کمرہ میں دیکھا تو سر سے نکلنے والے نور کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ میں نے آ کر قفل کھولا۔ صندوق کا تالا توڑا۔ سر کو نکالا۔ اسے کافور سے غسل دیا۔ مشک و زعفران لگایا۔ اپنے سامنے رکھا۔ پھر جھک کر اسے بوسے دیے اور عرض کیا۔

یا راس من رؤس بنی آدم	اے بنی آدم میں سے کسی کے سر۔
یا کریم یا عظیم جمیع من فی العالم	اے کریم۔ اے بڑی کائنات سے عظیم تر انسان۔

میرا خیال ہے کہ آپ ان عظیم انسانوں میں سے ہیں جن کی اللہ نے توریت اور انجیل میں تعریف کی ہے کیونکہ سادات بنی آدم کی خواتین تیرا ماتم کر رہی ہیں۔

میری خواہش ہے کہ آپ اپنا تعارف کرائیں۔

قدرت خدا سے سر گویا ہوا اور کہا۔

انا المظلوم	میں مظلوم ہوں
انا المهموم	میں غمزدہ ہوں
انا المغموم	میں اندوہ رسیدہ ہوں۔
انا الذی بسیف العدوان والظلم قتلت	میں ظلم و جبر کی تلوار کا کشتہ ہوں
انا الذی بحرب اهل البغی ظلمت	میں وہ ہوں جسے باغیوں نے جبراً لڑنے پر مجبور کیا
انا الذی بلا جرم نهبت	میں وہ ہوں جسے بے جرم لوٹا گیا۔
انا الذی من الماء منعت	میں وہ ہوں جس کا پانی بند کر دیا گیا۔
انا الذی عن الاهل والاوطان بعدت	میں وہ ہوں جسے وطن سے نکال دیا گیا۔

راہب نے کہا۔ آپ کو اللہ کی قسم مزید وضاحت فرمائیں میں پہچان نہیں پایا۔

سر نے کہا۔ اگر تو میرا نسب پوچھنا چاہتا ہے تو

میں محمد مصطفیٰ کا بیٹا ہوں۔

میں علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں۔

میں فاطمہ زہراؑ کا پارہ جگر ہوں۔

میں خدیجہ الکبریٰ کا نور چشم ہوں۔

میں عروۃ الوثقیٰ کا لخت دل ہوں۔

میں شہید کربلا ہوں۔

میں مقتول کربلا ہوں۔

میں مظلوم کربلا ہوں۔

میں کربلا کا پیاسا ہوں۔

میں کربلا کا مسافر ہوں۔

میں کربلا کا تشنہ ہوں۔

میں کربلا کا تنہا ہوں۔

میں کربلا کا لٹا ہوا ہوں۔

راہب نے جب یہ تعارف سنا تو اس نے اپنے تمام شاگردوں کو جمع کیا۔ جن کی تعداد ستر تھی۔ انہیں تمام حالات سے مطلع کیا۔

سب مصروفِ گریہ و بکا ہو گئے۔ انھوں نے سروں سے عمامے اتار دیئے۔ گریبان چاک کر ڈالے۔ امام سجادؑ کی خدمت میں گر پڑا۔

اے عزیز فرزندِ رسولؐ آپ اجازت دیں ہم ان ظالمین سے لڑ کر اپنے آقا کا انتقام لیں۔

آپ نے فرمایا۔ میں پہلے بہت دکھی ہوں، مزید برداشت نہ کر سکوں گا۔

اللہ ان سے ہمارا انتقام لے گا۔

یہ قافلہ اس سے آگے بڑھا قریبی مقاتل گیا۔ دوپہر ہو گئی تھی۔ دن انتہائی گرم تھا۔ آسمان سے گرمی برس رہی تھی اور زمین آگ اگل رہی تھی۔ قافلہ کے پاس سے پانی ختم ہو گیا تھا۔ پیاس سے برا حال تھا۔ گھوڑوں کی زبانیں نکل آئی تھیں۔

شمر نے کہا کہ اب مزید چلنا موت کو دعوت دینا ہے۔ اسی جگہ قیام کرو اور کچھ لوگ جا کر پانی کی تلاش کریں۔ تپتے ہوئے ٹیلوں کے دامن میں ان ظالموں نے اپنے لیے خیمے اور چھولداریاں نصب کر لیں۔ اور ذریتِ رسول کو یونہی ٹیلوں پر بیٹھنے کو کہہ دیا۔ بنتِ زہراؑ نے جنابِ سجادؑ کو اٹھایا۔ اور ایک اونٹ کے سایہ میں لے کر آئیں۔ امام سجادؑ پیاس سے تڑپ رہے تھے۔

جنابِ سکینہؑ نے چند قدموں کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا درخت دیکھا وہاں آ گئی۔ اور مٹی سے تکیہ بنا کر سو گئی۔ کچھ دیر بعد جب قافلہ چلا تو جنابِ سکینہؑ سو رہی تھی۔ قافلہ روانہ ہو گیا۔ کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ جنابِ سید الشہداء کے سر والا نیزہ زمین میں گڑ گیا۔ ہزار کوشش کے باوجود نیزہ نہ اٹھ سکا شمر کو اطلاع دی گئی۔

شمر نے بھی اپنی طرف سے کوشش کی۔ لیکن نیزہ نہ اٹھ سکا۔ یہ ظالم چابک لے کر جنابِ سجادؑ کے پاس آیا اور وجہ پوچھی۔

جنابِ سجادؑ نے بنتِ زہراؑ سے پوچھا پھوپھی اماں کیا تمام بچیاں موجود ہیں۔ جب بی بی نے دیکھا تو جنابِ سکینہؑ نظر نہ آئی۔ بی بی والہانہ چیخ کر اونٹ سے زمین پر آ گئی اور فرمایا۔

بیٹے سکینہ نہیں ہے۔

زجر ابنِ قیس نے کہا۔ تم یہیں رکو میں اس بچی کو ڈھونڈ کر لاتا ہوں

ادھر جب جنابِ سکینہؑ کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ قافلہ نہیں ہے ریت کے گرم ٹیلوں اور کانٹوں پر ادھر ادھر دوڑ دوڑ کر فریاد کرنے لگی۔ سجادؑ بھیا میں کہاں جاؤں گی۔

ابو سعید شامی کہتا ہے کہ جب زجر تلاش میں جانے لگا تو میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ میں جانتا تھا کہ یہ خبیث بہت سنگدل ہے کہیں بچی پر ظلم نہ کرے۔ جب ہم اسی جگہ آئے تو دیکھا بچی ایک جگہ بیٹھی رو رہی تھی اس کے پاؤں

سے خون بہہ رہا تھا۔

زجر نے جونہی دیکھا جھٹکا اور طمانچہ اٹھا کے آگے بڑھا۔ میں نے زجر کو پیچھے سے پکڑ کر کہا۔ خبردار اگر تو نے بچی پر ہاتھ اٹھایا۔ ظالم تجھے حیا نہیں آتی۔ بچی نے جب سے مجھے اپنی حمایت میں دیکھا تو میرے سایہ میں آ کر کہنے لگی اب نجات سے میں پھر کبھی نہ سوؤں گی۔

پھر یہ قافلہ عسقلان آیا۔ عسقلان کے والی نے شہر کو سجانے کا حکم دیا۔ جشن فتح منایا گیا۔ عام تعطیل کا اعلان ہو گیا۔ تمام لوگوں نے فاخرہ لباس پہن لیے۔ لہو و لعب کی محفلیں ہر طرف سجی ہوئی تھیں۔

زریر خزاعی بغرض تجارت آیا ہوا تھا۔ جب اس نے یہ خوشی اور جشن دیکھا تو اس نے کسی سے پوچھا۔ یہ آج کیسی عید ہے۔

اس نے کہا۔ ایک باغی کے خلاف یزید کو فتح حاصل ہوئی ہے یہ اسی فتح کا جشن ہے۔

زریر نے پوچھا۔ وہ باغی کون تھا؟

اس نے کہا۔ حسینؑ تھا۔

زریر نے کہا۔ اس کے باپ کا نام کیا ہے؟

اس نے کہا۔ علی ابن ابی طالبؑ تھا۔

زریر نے پوچھا اور اس کی ماں کا نام کیا تھا؟

اس نے کہا۔ فاطمہ بنت محمدؐ تھا۔

زریر نے کہا۔ کیا وہ رسول کا نواسہ تھا۔

اس نے کہا۔ ہاں نواسۂ رسول تھا۔

یہ سنتے ہی زریر کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ اتنے میں سر ہائے شہداء اور اسیران آل محمدؐ آ گئے۔

زریر نے جب جناب سجادؑ کو دیکھا تو روتے ہوئے آپ کے قریب گیا اور سلام کیا۔

جناب سجادؑ نے فرمایا۔ بندہ خدا تجھے کیا ہے یہ سارا شہر جشن فتح منا رہا ہے اور تو رو رہا ہے۔

زریر نے عرض کیا۔ قبلہ! میں بدنصیب ایک تاجر ہوں۔ اتفاق سے آج یہاں آیا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آل رسول کے قتل کی خوشی منائی جا رہی ہے۔ اب میرے بس میں اور تو کچھ نہیں اگر آپ کوئی حکم کریں تو میری سعادت ہو گی۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ اگر ہو سکے تو سر کے نیزہ بردار سے کہو کہ نیزوں کو ان مخدرات سے آگے لے جائے تاکہ کچھ دیر تک سر دیکھیں تو ان مخدرات عصمت کا پردہ بچ جائے۔

نذیر نے جا کر نیزہ بردار کو کچھ رقم دی اور اس سے نیزہ آگے لے جانے کو کہا۔ اس نے رقم لے لی اور نیزہ آگے لے گیا۔

نذیر نے پھر آکر عرض کیا قبلہ کوئی اور حکم۔

آپ نے فرمایا۔ اگر تیرے پاس کچھ اور کپڑے ہوں تو ان لٹی ہوئی مستورات کو دے دے تاکہ وہ پردہ بنا لیں۔

نذیر دوڑ کر گیا۔ کچھ دیر بعد چادریں لے کے آیا۔ جونہی سپاہیوں نے مستورات کے سروں پر چادریں دیکھیں انہوں نے نیزوں سے اُلٹنا شروع کر دیں۔ نذیر یہ دیکھ کر بھڑک اٹھا۔ اور شمر سے آکر کہا۔ ظالم تجھے شرم کیوں نہیں آتی۔

ابھی تک تیرا دل نہیں بھرا۔

شمر نے کہا۔ اچھا۔ تو چادریں تو نے تقسیم کی تھیں۔ تجھے نہیں معلوم کہ یہ سرکاری قیدی ہیں۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کی خبر لو۔ بس پھر کیا تھا ہر طرف سے سپاہی بھوکے کتوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ زخموں سے چور ہو کر گر گیا۔

انہوں نے سمجھا کہ مر گیا ہے وہ چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ جب نصف شب گزر گئی تو نذیر کو ہوش آیا۔ اٹھتا بیٹھتا ایک طرف روانہ ہوا۔ بیرونِ عسقلان مسجد سلمان تھی بمشکل وہاں تک آیا۔ نذیر نے دیکھا مسجد میں کچھ لوگ پہلے سے موجود تھے اور وہ مصروفِ گریہ تھے

نذیر نے ان سے پوچھا۔ تمہیں کیا ہے۔ پورا شہر خوشی سے چمک رہا ہے اور تم یہاں بیٹھے رو رہے ہو۔ انہوں نے کہا۔ بندہ خدا تو ہمیں نہیں پہچانتا اور ہم تجھے نہیں پہچانتے۔ جو قیامت گزر گئی ہے اس کے مقابلہ میں ہر خوشی ہیچ ہے

اگر تو جاسوس ہے تو جا کر بتا دے کہ چند محبین آلِ محمد مسجد سلمان میں بیٹھے۔ آلِ رسول کے غم میں رو رہے ہیں۔ ہمیں تنگ نہ کر۔

نذیر نے کہا۔ میرے بھائیو آپ تو فقط رو رہے ہیں اور میں اپنی محبت کی کچھ قیمت بھی دے چکا ہوں۔

پھر نذیر نے انہیں تمام حال سنایا۔ اور اپنے زخم دکھائے۔ وہ سب اٹھے اور نذیر کی مرہم پٹی میں مصروف ہو گئے۔

شام میں :

بحوالہ لہوف - مقتل ابو مخنف - اخبار الذہاب اور امالی صدوق کے مطابق
عسقلان کے بعد یہ لوگ انتہائی تیز رفتاری سے چلے حتیٰ کہ شام پہنچ گئے۔ شام میں عام تعطیل تھی۔ اور بازار بھی بند تھے۔

پورا دمشق شراب میں ڈوبا ہوا نظر آتا تھا۔ یزید نے ایک سو بیس علم بنائے ہر علم کے ساتھ پانچ ہزار تماشائی تھے۔

انہیں حکم دیا کہ سر مظلوم کربلا کے استقبال کو آگے بڑھو۔

یہ تمام تکبیر بلند کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ ان کی صدائے تکبیر کے ساتھ ساتھ ایک اور آواز تھی۔ لیکن آواز دینے والا نظر نہیں آتا تھا۔

آواز یہ تھی۔

يكبرون بان قتلت وانما	اے فرزند رسول! تیرے قتل پر یہ لوگ تکبیر کہہ رہے
قتلوا بك التكبير والتهليلا۔	ہیں۔ حالانکہ انھوں نے تیرے ساتھ تکبیر و تہلیل کو بھی قتل کر ڈالا ہے۔

مذکورہ بالا معتبر اور مختلف کتب تاریخ میں واقعہ شام کی روایت کا چشم دید شاہد سہل ابن سعد ہے اور یہ تمام واقعہ اسی کی زبانی منقول ہے۔

چونکہ راوی سہل ہی ہے اس لیے جگہ جگہ سہل کا نام نہیں لیں گے۔

سہل کہتا ہے کہ میں بیت المقدس کی زیارت سے فارغ ہو کر واپس آیا۔ بدقسمتی مجھے اس دن دمشق لائی جس دن ذریت رسولؐ کو دمشق میں لایا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا جگہ جگہ ناچ ہو رہے ہیں۔ تالیاں پیٹی جا رہی ہیں۔ گانے گائے جا رہے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے کو فتح کی مبارک باد دے رہے ہیں۔ میں حیرت سے ایک ایک کا منہ دیکھتا تھا اور سوچتا تھا کہ اسلام میں کوئی ایسی عید نہیں ہے جسے میں نہ جانتا ہوں۔ خدا معلوم کہ دمشق میں کیسی عید ہے۔ اسی فکر میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ بالآخر مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے ایک شامی سے پوچھ لیا۔ مجھے بتا سکتے ہو کہ آج کیسی عید ہے؟

اس نے کہا۔ کیا تو مسافر ہے۔

میں نے کہا اگر مسافر نہ ہوتا تو تجھ سے کیوں پوچھتا۔

اس نے کہا۔ ایک باغی نے سرزمین عراق میں یزید کے خلاف بغاوت کی تھی۔ والی عراق ابن زیاد نے اس پر

فتح حاصل کرلی آج ان مقتولوں کے سر اور باغی کے قیدی اہل بیت یزید کے پاس لائے جارہے ہیں اس لیے یہ خوشی اور عید ہے۔

میں نے پوچھا۔ باغی کا نام کیا تھا؟

اس نے کہا۔ حسینؑ ابن علیؑ

میں نے کہا۔ کیا حسینؑ ابن فاطمہ بنت محمدؐ تھا؟

اس نے کہا۔ ہاں۔

میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر کہا ظالمو تمہیں شرم نہیں آتی ذریت نبی کو قتل کرنے پر تمہارا دل نہیں بھرا کہ اب کوئی اسے باغی اور کوئی خارجی کہتا ہے۔

اس نے کہا جناب اگر تجھے اس سے کوئی محبت ہے تو اپنے پر ترس کر اس محبت کو دل میں رکھ جو بھی ذریت رسول سے اظہار محبت کرتا ہے ہم نے اس کی گردن پر جلاد کی تلوار رکھی ہے۔

میں نے پوچھا کس دروازہ سے لایا جارہا ہے۔

اس نے کہا۔ باب الساعات سے۔

میں باب الساعات کی طرف گیا۔

ایک گھڑی میں ہم تھے پھر ان کے پیچھے پانچ ہزار تماشائی تھے۔ دور سے ایک بہت بلند نیزے پر سر مظلوم کربلا نظر آیا۔ جوں جوں سر قریب آتا گیا۔ شامیوں کی خوشی بڑھتی گئی۔ طبلوں کی آواز بلند ہوتی گئی عورتوں اور مردوں کے قہقہے فلک شگاف ہوتے گئے۔

تالیوں کی گونج سے کان پھٹے جارہے تھے۔

میری آنکھیں بے ساختہ برس رہی تھیں۔

سر مظلوم کربلا کا نیزہ شمر کے ہاتھ میں تھا۔

اس کے بعد سر سقائے سکینہ تھا جسے شبث ابن ربعی کلبی نے اٹھا رکھا تھا۔

اس کے بعد جعفر ابن علی کا سر تھا جسے خیر ابن ابی جوشن نے بلند کر رکھا تھا۔

اس کے بعد محمد ابن علی کا سر تھا۔ جو شمر جعفی کے ہاتھ میں تھا۔

اس کے بعد ابوبکر ابن علی کا سر تھا جس کا نیزہ قیس ابن حارث کے ہاتھ میں تھا۔

اس کے بعد شبیہ نبی کا سر تھا یہ نیزہ مرہ ابن قیس ہمدانی کے ہاتھ میں تھا۔

اس کے بعد عون ابن علی کا سر تھا جو جابر سعدی نے اٹھایا تھا۔

اس کے بعد شہزادہ قاسم کا سر تھا جسے خیر ابن حجاج نے اٹھا رکھا تھا۔

اس کے بعد یحییٰ ابن علی کا سر تھا جسے عیسیٰ ابن حجاج نے اٹھا رکھا تھا۔

اس کے بعد عبداللہ ابن عقیل کا سر تھا جسے قیس ابن مرہ خزاعی نے اٹھایا ہوا تھا۔

اس کے بعد حرؑ کا سر تھا جسے سنان ابن انس نے اٹھایا ہوا تھا۔

اس کے بعد علی اصغرؑ کا سر تھا جس کا نیزہ حرملہ کے ہاتھ میں تھا۔

ان کے بعد دوسرے سر تھے۔ ہر نیزہ ایک اونٹ کے ساتھ تھا ہر اونٹ بے پالان تھا۔ کسی پر دو کسی پر ایک اور کسی پر تین مخدرات عصمت سوار تھیں کسی کے سر پہ چادر نہ تھی۔ اور ہر مستورہ کے ہاتھ بھی پس گردن بندھے ہوئے تھے۔

جب یہ قافلہ بازار میں آیا تو مستورات کو اونٹوں سے اتار کر خچروں پر سوار کر دیا گیا۔ آگے آگے جناب سجادؑ تھے ان کے پیچھے دیگر مستورات تھیں۔

جب سر ایک مکان کے شہ نشین سے گزرے ان پر پانچ عورتیں بیٹھی تماشہ دیکھ رہی تھیں ان میں ایک انتہائی بوڑھی عورت بھی بیٹھی تھی اس کا نام ام حجام تھا۔ اس نے مظلوم کربلا کے سر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ یہ کس کا سر ہے!

ایک عورت نے اسے بتایا۔ یہ حسینؑ ابن فاطمہؑ کا سر ہے۔ اس نے خوشی سے تالی بجائی اور دوسری عورت سے کہا۔ جلدی سے ایک پتھر مجھے دے تاکہ میں اس سر کو ماروں اس کے باپ نے میرے باپ اور شوہر کو قتل کیا تھا۔

دوسری عورت نے اسے ایک پتھر دیا اس نے سر مظلوم کا نشانہ لے کر پتھر مارا جو امام حسینؑ کے چہرہ پہ پڑا۔ تازہ خون بہنے لگا۔

جونہی بنت زہراؑ نے دیکھا۔ بے ساختہ پکاریں۔ واجداہ واعلیاہ۔ پھر پوچھا یہ پتھر کس نے مارا ہے۔ کسی نے بتایا کہ ام حجام نے مارا ہے۔

اس مخدرہ نے دست دعا بلند کر کے عرض کیا۔

بارالہا! اس مکان کو گرا دے۔ اور اس عورت کو جہنم کی آگ سے پہلے دنیا کی آگ میں جلا دے۔

سہل کہتا ہے بخدا! ابھی دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ مکان دھڑام سے گرا اور اس میں آگ لگ گئی۔ اس عورت کا لاشہ بھی نہ مل سکا۔

امام حسینؑ کا نیزہ شمر کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بار بار یہ کہتا تھا۔

انا صاحب الرمح الطویل ۔ لمبے نیزے والا میں ہوں ۔

انا قاتل الدین الاصیل ۔ دین کی جڑیں کاٹنے والا میں ہوں ۔

انا قتلت ابن سید الوصیین۔ — میں نے سید الاوصیاء کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔

اتیت برأسه الی یزید۔ — میں اس کا سر یزید کے پاس ہدیہ لایا ہوں۔

بنت زہراؑ نے فرمایا۔

اے ملعون ابن ملعون جھوٹ بک رہا ہے۔ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔ کیا تو ملعون ابن ملعون کے سامنے اس کے قتل پر فخر کر رہا ہے جسے گہوارے میں جبرئیل نے لوری دی۔ جس کا نام عرش الٰہی پر لکھا ہے۔ جس کے نانا کو اللہ نے ختم الانبیاء بنایا ہے۔ جس کے بابا نے مشرکین سے کلمہ پڑھایا ہے۔ میرے نانا محمد مصطفیٰ جیسا کس کا نانا ہے میرے بابا علی مرتضیٰ جیسا کس کا بابا ہے میری ماں فاطمہ زہراؑ جیسی کس کی ماں ہے۔

غلام نے کہا اے بنت زہراؑ آپ جو کہیں آپ کا حق ہے۔ آپ بہادر باپ کی غیور بیٹی ہیں

سہل کہتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جس مستورہ بی بی کی آنکھ سے شدت غم کی بدولت ایک آنسو بھی ٹپک پڑتا تھا تو ظالم یزیدی نیزہ کی انی سے سر زخمی کر کے خاموش کراتے تھے۔

ایک مستورہ نے اپنے رسن بستہ ہاتھوں سے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔

اور یوں بین کیے۔

وا محمداه۔ وا علیاه۔ وا حسناه وا حسیناه لو رأیتم ما حل بنا من الاعداء یا رسول الله بناتك اساری کانهن بعض اساری النصاری یقرح القلوب علی امر الصغیر والشیخ الکبیر الذبوح من القفاء ومهتوك الخباء العریان بلا رداء واحزناه ولهفاه اهلبیت نعمت الله عقیب مصیبة

ہائے محمدؐ، ہائے علیؑ، ہائے حسنؑ، ہائے حسینؑ۔ کاش آپ ہمارا یہ حال دیکھتے جو دشمنوں نے کیا ہے۔ اے رسول اللہ آپ کی بیٹیاں عیسائی قیدیوں کی طرح رسن بستہ ہیں۔ ان کے دلوں میں خیر خورد کی موت شماتت کے زخم بھی ہیں اور اس ننگ منش کی شماتت سے بھی مجروح ہیں جسے پس گردن سے ذبح کیا گیا۔ جس کے خیمہ کو لوٹ کر جلا ڈالا گیا۔ اور بلا کفن چھوڑ دیا گیا۔ اس غم پر افسوس ہے جو ہم اہلبیت پر ٹوٹا ہے۔ ہم پر نبی کی مصیبت کا حزن تازہ ہو گئے ہیں۔

یہ سن کر میں اس عورت کے قریب گیا اور عرض کی۔ السلام علیکم یا آل بیت محمد۔

بی بی نے فرمایا۔ اے بندہ خدا تو کون ہے کربلا کے بعد سے آج تک ہمیں کسی نے سلام نہیں کیا۔

میں نے عرض کیا۔ بی بی میں آپ کے جد بزرگوار کا صحابی ہوں۔ میرا نام سہل ہے بیت المقدس کی زیارت کا خواہش مند تھا۔

بی بی نے فرمایا۔ اگر ہم ایسے زمانہ میں ہوتے جس زمانے کے لوگوں نے میرے نانا کو دیکھا ہوتا تو وہ بھی ہمارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتے جو ان لوگوں نے کیا ہے۔ جو میرے نانا اللہ کے دسترخوان پر پلتے رہے ہیں۔ اہل بیت کے تمام

خوردو جوان انتہائی بے دردی سے پیاسے ذبح کیے گئے ۔ان کے لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے ۔ہمارے خیام لوٹ لیے گئے ۔ہمیں رسن بستہ کیا گیا ۔ہمارے سروں سے چادریں لے لی گئیں ۔ہمیں بے پالان کے اونٹوں پر بٹھا کر شہر بشہر تشہیر کیا گیا ۔

میں نے عرض کیا بی بی میرا بس تو کچھ نہیں چلتا ۔ویسے اگر کسی خدمت کا حکم فرمائیں تو مجھے بجا لا کر شرف ہو جائے ۔

بی بی نے فرمایا اسے ابن سعد اگر ہو سکتا ہے تو میرے بھائی کے نیزہ بردار سے کہو کہ نیزہ کو ہماری سواریوں سے آگے لے جائے تاکہ لوگ میرے بھائی کی تلاوتِ قرآن کی طرف متوجہ رہیں ۔

میں نے عرض کیا بی بی میں کہتا تو ہوں ۔

چنانچہ میں اس کے پاس گیا اور اسے کہا ۔اس نے مجھے سختی سے جھڑک دیا ۔میرے ساتھ ایک نصرانی ہم سفر تھا ۔جب اس نے یہ منظر دیکھا اس کے پاس تلوار بھی تھی ۔اس کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹ گئے ۔اس نے نیزہ بردار سے کہا ۔اے پست فطرت کی اولاد ۔تجھ میں اتنی جرأت بھی نہیں کہ اپنے رسول کے ناموس کا اتنا سا تحفظ کر سکے ۔

اس نے اسے بھی جھڑک دیا ۔نصرانی نے تلوار علم کی ۔اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول پڑھ کر اس پر حملہ کر دیا ۔کافی یزیدیوں کو بازار میں واصل جہنم کر دیا اور خود شہید ہو گیا ۔جب ہر طرف شور و غل ہوا تو اسی بی بی نے مجھ سے پوچھا ۔یہ کیا تھا !

میں نے تمام واقعہ کہہ سنایا ۔

بی بی نے فرمایا ۔تعجب ہے نصرانی تو ذریت مصطفیٰ کی مظلومیت پر ترس کھاتے ہیں لیکن کوئی مسلمان اتنا غیور نہیں ہے ۔جسے آل محمد کی اس غربت پر ترس آ جائے ۔

امالی شیخ صدوق کے مطابق جب اسیران آل محمد دمشق میں پہنچے تو انہیں اس مقام پر کھڑا کیا گیا ۔جہاں غیر مسلم قیدیوں کو کھڑا کیا جاتا تھا ۔

لہوف کے مطابق ایک بوڑھا امام سجادؑ کے پاس آ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا ۔

اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں شکست دی اور یزید کو کامران کیا ۔

امام سجادؑ نے فرمایا ۔اے شیخ کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے ۔

بوڑھے نے کہا ہاں پڑھا ہے ۔

آپ نے فرمایا ۔کیا یہ آیت پڑھی ہے ۔لا اسئلکم اجراً الا المودۃ فی القربیٰ ۔

بوڑھے نے کہا ۔ہاں پڑھی ہے ۔

آپ نے فرمایا۔ کیا اس کا مصداق بھی جانتا ہے۔
بڈھے نے کہا۔ ہاں جانتا ہوں اس کا مصداق نبی اکرمؐ کے اہل بیت ہیں اور انہی کی محبت کو اللہ نے اجر رسالت قرار دیا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ وہی اہل بیت محمدؐ ہیں جن کی محبت اجر رسالت ہے۔
پھر آپ نے فرمایا۔
کیا قرآن میں یہ آیت پڑھی ہے۔
آت ذا القربی حقه۔ ذوی القربی کو ان کا حق ادا کرو ہے۔
بڈھے نے کہا۔ ہاں پڑھی ہے۔
آپ نے فرمایا۔ اس کا مصداق بھی معلوم ہے
بوڑھے نے کہا۔ ہاں معلوم ہے اہل بیت محمدؐ اس کا مصداق ہیں جن کے حق کی ادائیگی کا حکم ہے۔
آپ نے فرمایا۔ وہی اہل بیت ہم ہیں۔
آپ نے پوچھا کیا یہ آیت پڑھی ہے۔
واعلموا انما غنمتم من شئی فان الله خمسه وللرسول و لذی القربی۔ جو غنائم بھی تمہیں حاصل ہو اس سے اللہ، رسول اور ذوی القربی کا خمس ہے۔
بڈھے نے کہا۔ ہاں پڑھی ہے اور اس کا مصداق بھی جانتا ہوں۔ اقربائے نبی کریمؐ ذوی القربی اس کا بھی مصداق ہیں۔
آپ نے فرمایا۔ یہ ذوی القربی ہم ہیں۔ کیا تم نے یہ آیت پڑھی ہے۔
انما یرید الله لیذ ہب عنکم الرجس اهلبیت ویطهر کم تطهیرا۔
بوڑھے نے کہا۔ ہاں پڑھی ہے اور جانتا ہوں یہ آل محمدؐ کی تطہیر کا اعلان ہے۔
آپ نے فرمایا۔ یہ اہل بیت ہم ہی ہیں جن سے اللہ نے رجس دور کر کے ہماری تطہیر کا اعلان کیا ہے۔
بڈھے نے پوچھا کیا واقعاً آپ ہی وہی ہیں۔
آپ نے فرمایا۔ ہاں ہم ہی وہی ہیں۔ مجھے اپنے نانا کی نبوت کی قسم ہے اس کرہ ارض پر ہمارے سوا کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا۔
یہ سنکر بوڑھے نے سر سے عمامہ اتار کے پھینک دیا۔ اور دست دعا بلند کرکے عرض کیا۔
بارالہا! ایں جن وانس میں سے دشمن آل محمدؐ سے اعلان برات کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر بڈھا بے ساختہ رونے لگا اور امام سجادؑ سے پوچھا۔

هل لی من توبة ۔ کیا میری جہالت پر میری توبہ کی گنجائش ہے ۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کریم ہے اگر تو سچی نیت سے توبہ کرے تو اللہ یقیناً قبول کرے گا۔ اور تو آخرت میں ہمارے ساتھ ہوگا۔

بڈھے نے تین مرتبہ کہا۔ اللھم انی اتوب الیک ۔

اتنے میں بوڑھے کے اس تمام حالات اور توبہ کی اطلاع یزید کو ملی۔ یزید نے حکم دیا کہ بڈھے کو قتل کر دیا جائے۔

جلاد نے بڈھے کو سر دربار شہید کر دیا۔

حدائق میں منہال سے مروی ہے کہ جب سرِ غریبِ زہراؑ دمشق کے بازار میں لایا جا رہا تھا۔ ایک شخص نے سورۂ کہف کی تلاوت کی جب وہ اس آیت پر پہنچا ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من آیاتنا عجبا۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ سرِ مظلوم نے فرمایا۔ میری شہادت اور میرے سر کی تشہیر اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ عجیب تر ہے۔

سرِ مظلوم زہراؑ تختِ یزید پر ۔

ارشاد شیخ مفید کے مطابق عبداللہ ابن ربیعہ حمیری سے روایت ہے کہ میں اس وقت یزید کے پاس بیٹھا تھا۔

جب زجر ابن قیس نے آکر یزید کو سلام کیا۔

یزید نے پوچھا کیا کوئی نئی اطلاع ہے۔

زجر نے کہا۔ اے امیر مبارک ہو۔ آپ کو فتح نصیب ہوئی ہے۔ فرزند رسول ہمارے مقابلہ میں اپنے اہل بیت سے اٹھارہ اور اپنے شیعوں میں سے ساٹھ افراد لے کر آیا تھا۔

ہم نے حسینؑ سے کہا۔

یا یزید کی بیعت کرو۔

یا ابن زیاد کی اطاعت کا اعلان کرو۔

یا جنگ کرو۔

انہوں نے جنگ قبول کی۔ ہم نے سورج نکلتے ہی ان پر حملہ کر دیا۔ ہر طرف سے انہیں گھیر لیا جب ہماری تلواروں نے ان کے سروں سے کافی حصہ وصول کر لیا۔ تو پھر انہوں نے ہمارے سامنے بھاگنا شروع کر دیا۔ اور جس طرح کبوتر باز سے چھپتا ہے۔ اسی طرح ٹیلوں اور نیچی جگہوں میں چھپنے لگے۔ لیکن ہمیں صرف اتنا وقت لگا جتنا اونٹ کے نحر کرنے میں صرف ہوتا ہے یا قیلولہ میں صرف کیا جاتا ہے۔ ہم نے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ اب ان کے برہنہ جسم میدان میں پڑے ہوئے ہیں

ان کے پاس پہنچ چکے۔ ان کے رخسارے خاک آلود ہو گئے۔ سارا دن دھوپ ان کے لاشوں کو گرماتی ہے۔ آندھیوں سے بہت اثر انداز ان کے جسم پر پھیلا رہی ہے۔

ابو مخنف کے مطابق سر مظلوم کربلا اس ساعت پر تین گھنٹے تک دروازے پر رکھا گیا۔ پھر یزید کی طرف سے سر کو لانے کی اجازت ملی۔

مروان یزید کے ہی پاس بیٹھا تھا۔

جب اس نے سر مظلوم زہراؑ دیکھا تو پوچھا۔

کیسے یہ لوگ تمہارے قابو میں آ گئے۔

ان لوگوں نے کہا۔ فرزند رسولؐ اٹھارہ ہاشمی اور کم و بیش پچاس مددگاروں کے ساتھ ہمارے مقابلہ میں آیا۔ ہم نے اول سے آخر تک سب کو تہِ تیغ کیا۔

اب یہ ان کے سر ہیں اور یہ اہل بیت محمدؐ کی اسیر خواتین ہیں۔ مروان نے سر علیؑ کربلا ہاتھ میں لیا اور یہ اشعار پڑھے۔

یا حبذا بردك في اليدين
ولونك الاحمر في الخدين
شفيت نفسي من دم الحسين
اخذت ثاري وقضيت ديني

اے فرزند رسولؐ تیرے سر کی ٹھنڈک ہاتھوں کو کتنی بھلی لگتی ہے۔ اور تیرے رخساروں کی سرخی آنکھوں کو کتنی پیاری لگتی ہے۔ قتل حسینؑ سے میں نے اپنی پیاس بجھا لی ہے اپنا انتقام بھی لے لیا ہے اور اپنے قرض بھی چکا لیے ہیں۔

اسی اثنا میں فضائے دربار میں کوے کی آواز آئی۔ یزید نے کوے کو مخاطب کر کے کہا۔

یا غراب البين ما شئت فقل
انما تندب امراً قد فعل
كل ملك ونعيم زائل
وبنات الدهر يلعبن بكل
ليت اشياخي ببدر شهدوا
وقعة الخزرج مع وقع
الاسل لاهلوا واستهلوا
فرحاً ثم قالوا يا يزيد لا تشل
لست من خندف ان لم انتقم
من بني احمد ما كان فعل لعبت
بنو هاشم بالملك فلا ملك جاء

اے فراق کی اطلاع دینے والے کوے! جو جی میں آئے کہے۔ اب تو تو ایسی بات پر ماتم کر رہا ہے جو ہو چکی ہے ہر حکومت اور ہر دولت ایک دن ضائع ہو جاتی ہے اور دختران وقت ہر انسان سے کھیل لیتی ہیں۔ کاش میرے بدر کے مقتول بزرگ آج یزدوں کے ساتھ خزرجی جنگ کا مشاہدہ کرتے وہ خوشی سے اچھل پڑتے اور سب مجھے شاباش دے کر کہتے اے یزید تیرے ہاتھ کبھی کمزور نہ ہوں میں بنی خندف سے نہ ہوں اگر میں نے بنی احمد سے احمد کے تمام ان کاموں کا بدلہ نہ لیا جو اس نے کئے تھے درحقیقت بنی ہاشم کا ملک سیاسی اقتدار کا ایک کھیل تھا ورنہ نہ تو کوئی جبریل آیا تھا اور نہ ہی کوئی وحی کا سلسلہ تھا۔ ہم نے علی سے

ولادحمی نزل قد اخذ نا من علی ثارنا
وقتلنا الفارس اللیث البطل وقتلنا
القرم من ساداتہم وعدلنا ہ ببدر
فاعتدل۔

اپنا انتقام لے لیا ہے اللہ ہم نے شیرِ بیشہ بیجا بہادر کو قتل کر دیا ہے۔ ہم نے ان کے سرداروں میں سے بہت بڑے سردار کو قتل کیا ہے اگر ہم کربلا کا معاملہ بدر سے کریں تو معاملہ برابر ہے گا۔

صاحب مناقب کے مطابق جب یزید کے پاس سر مظلوم لایا گیا اس وقت یزید اپنے بیش بہا تخت پر بیٹھا تھا۔

اس کے سر پر سونے کا تاج تھا جو ہیرے جواہرات سے جڑا ہوا تھا۔ ارد گرد اکثر اموی افراد سنہری کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ سب لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ یزید نے جب مذکورہ بالا اشعار پڑھے تو سب نے یزید کو داد تحسین دی۔

یزید اپنی تعریف سن کر اور پھولا۔

اور ہاتھ میں موجود چھڑی سے بوسہ گاہ نبیؐ کو مارنے لگا۔ شامی عوام نے جب یزید کا یہ عمل دیکھا تو انہوں نے چہروں سے اظہار ناراضگی کیا۔

جسے یزید بھی تاڑ گیا۔ یزید نے اہل دربار سے کہا۔ کیا تم لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ حسینؑ نے میری بیعت سے انکار کیوں کیا تھا۔

المنتخب کے مطابق اہل دربار نے کہا۔ ہمیں تو معلوم نہیں ہے

یزید نے کہا۔ مجھے معلوم ہے حسینؑ کے انکار کی وجہ خود پسندی تھی۔ حسینؑ کے خیال میں یہ تھا کہ۔ میں یزید سے بہتر ہوں۔

میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر ہے۔ میرا نانا یزید کے نانا سے بہتر ہے۔ میرا چچا یزید کے چچا سے بہتر ہے۔ میرے ماموں یزید کے ماموں سے بہتر ہیں۔ رسولؐ نے میرے بارے میں۔ مجھے گود میں پالا ہے۔ اور مجھے مہر نبوت پر اٹھایا ہے۔ مجھے اپنے دل کا سکون کہا ہے۔ میرے جنتی ہونے کی گواہی دی ہے۔ مجھے جوانان جنت کا سردار کہا ہے۔ میرے بیٹے اور میری ذریت کے لیے دعائے خیر و برکت کی ہے۔ لہذا ان تمام خصوصیات کی وجہ سے میرا حق نہیں بنتا کہ میں یزید کی بیعت کروں۔

لیکن حسین یہ نہیں جانتا تھا کہ حکومت جسے چاہے اللہ دیتا ہے۔

بھلا کون تھا دربار میں جو یزید کو جواب دیتا۔ خاموش تو پہلے ہی تھے اسی طرح پھر بھی خاموش ہی رہے اس کے بعد یزید نے ساقی کو اشارہ کیا۔ ساقی نے جام شراب پیش کیا۔ یزید نے بھرے دربار میں اظہار مسرت کے طور پر جام شراب پیا۔ آخر میں ایک گھونٹ عمداً بچایا۔ اور اس مظلوم کربلا کے خاک و خون آلودہ بالوں پر

ڈال کر کہنے لگا۔

حسینؑ تمہارا خیال تھا اور تمہارے عقیدت مندوں کا بھی عقیدہ ہے کہ محشر میں تیرا باپ ساقی حوضِ کوثر ہوگا۔ میری بات یاد رکھنا۔ اگر کل روزِ قیامت میں تمہارے پاس حوضِ کوثر پہ پانی کے لیے آؤں تو باپ سے کہہ دینا یزید کو پانی نہ پلاؤ۔

تیرا نانا کہا کرتا تھا کہ میری امت کے مردوں کے لیے سونا پہننا اور پوری امت کے لیے سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام اور ناجائز ہیں۔ اب دیکھ سونے کے برتن کو تیرے نانا نے ناجائز کہا تھا اسی سونے کے طشت میں تیرا سر رکھا ہے۔ اور تیرا باپ فخر کیا کرتا تھا کہ اس نے جنگ بدر میں معروف امویوں کو قتل کیا تھا آج دیکھ لے مقتولین بدر کے بیٹے یزید نے بدر کا انتقام لے لیا ہے۔

ابن جوزی نے اپنی کتاب۔ الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید۔ میں لکھا ہے کہ۔
یزید کا۔ ابن زیاد۔ عمر سعد اور شمر وغیرہ کو قتل فرزند رسول کا حکم دینا، اتنا باعث حیرت نہیں ہے جتنا باعث تعجب یزید کے یہ اعمال ہیں کہ۔

یزید نے اپنے جام سے پی ہوئی شراب فرزند رسول کے خاک و خون آلود سر میں ڈالی۔
فرزند رسولؐ کے دندان مبارک سے چھڑی کے ساتھ گستاخی کی۔
ابن زیاد کو حکم دیا کہ خاندان رسولؐ کو بے پالان کے اونٹوں پر رسن بستہ کر کے شام تک تشہیر کرائے شام کے دربار میں پیش کی جائیں۔
فاطمہ بنت حسینؑ بصورت کنیز ایک شامی کو دینے کا ارادہ کیا
مقتولین بدر کے انتقام کا اشعار میں تذکرہ اور اظہار فخر
اشعار میں وحی۔ نبوت اور قرآن سے انکار
ذریت رسولؐ کے لاشوں کو جا در تن چھوڑنے کا حکم۔
فرزند رسولؐ کے لاشہ کی پامالی کا حکم۔

یہ سب ایسے امور ہیں جن کی بنا پر یزید صرف مستحق لعنت نہیں رہ جاتا۔ بلکہ اصول اسلام ہر مسلمان کو مجبور کرتے ہیں کہ ایسے شخص کو کافر کہا جائے۔ اگر دل یزید اسلام آشنا ہوتا اور بدر میں مقتول کفار کا انتقام نہ ہوتا۔ تو جب۔
اسے قتل مظلوم کی اطلاع مل گئی۔
قاتلوں کے خلاف موثر کاروائی کرتا۔
ذریت رسول کے شہداء کے دفن کا حکم دیتا۔

بنات زہراؑ کو باعزت مدینہ پہنچاتا ۔

سر مظلوم کی شراب اور چھڑی سے توہین نہ کرتا ۔

جب کہ اس کے برعکس یزید نے ابن زیاد کا شکریہ ادا کیا ۔ فرزند رسولؐ کی شہادت کے بعد اسے بیت المال سے بے شمار انعام واکرام اور تحائف دیے ۔ حتیٰ کہ اسی خوشی میں یزید نے ابن زیاد کے لیے اپنی حرم سرا کے دروازے کھول کر پردہ ختم کر دیا ۔

محفل شراب منعقد کی اور کنیز کو اس طرح مخاطب کیا ۔

سقینی شربة تروی فؤادی — مجھے ایسی شراب پلا جس سے دل ٹھنڈا ہو جائے

ثم مل فسقی ابن زیاد ۔ — پھر لبریز جام ابن زیاد کو بھی پلا ۔

صاحب السر والامانة عندی — ابن زیاد میرا رازدار اور امین ہے ۔

ولتسدید مغنمی وجهادی — میرے لشکر کا سالار اور میرے لیے دولت جمع کرنے والا ہے

قاتل الخارجی اعنی حسیناً — ابن زیاد جو قاتل حسینؑ ہے ۔

ومبید الاعداء والاضداد ۔ — میرے مخالفوں اور دشمنوں کو نابود کرنے والا ہے ۔

اس عقیدے کے مطابق یزید کو گالی دینا اور لعنت کرنا تو یقیناً ثواب ہے کیونکہ کفر یزید ثابت کرنے کی خاطر یزید کے اپنے حسب ذیل اشعار ہی کافی ہیں ۔ جن میں اس نے بد باطنی، خباثت ضمیر، الحاد اور سوء عقیدہ کا کھل کر اعلان کیا ہے ۔ سارا قصیدہ تو پیش نہیں کیا جاسکتا چند ایک اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

علیة هاتی عللینی واعلنی — اے علیہ مجھے سیراب کر اور بانگ سیراب کر ۔

بذالك انی لا احب التناجیا ۔ — مجھے چھپ چھپا کے پینا ہرگز پسند نہیں ہے ۔

اذا ما نظرنا فی امور قدیمة — جب ہم اپنے قدیم مراسم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں

وجدنا حلالاً شربها متوالیا ۔ — شراب نوشی مسلسل حلال ملتی ہے ۔

اذا مت یا ام الاحیمر فانکحی — اے ام احیمر جب میں مر جاؤں تو عیاشی کے لیے کسی اور سے نکاح کر لینا ۔

ولا تاملی بعد الفراق تلاقیا ۔ — فراق موت کے بعد کسی حشر و نشر میں ملاقات کی امید نہ رکھنا ۔

فان الذی حدثت — حشر و نشر کے متعلق جو حدیثیں بیان کی جاتی ہیں ۔

من یوم بعثنا احادیث — سب فضول اور دل کو پریشان کرنے والی احادیث

طسم تجعل القلب

ساهیا ۔ — ہیں ۔

یہ اشعار بھی یزید ہی کے ہیں۔

معشر الندمان قوموا	اے دوستو اٹھو اور
واسمعوا صوت الاغانی	گانوں کی آواز سنو
واشربوا کاس المدام	شراب کے جام لنڈھاؤ اور
واترکوا ذکر المعانی	تفسیروں کی باتیں چھوڑ دو۔
شغلتنی نغمة الـ	سارنگی کی لے نے مجھے صدائے
عیدان عن صوت الاذان	اذان سے بے نیاز کر دیا ہے۔
وتعوضت عن الحور	حوروں کے عوض مجھے
خموراً فی الدنان	مٹکوں کی شراب مل گئی ہے۔

اس کے بعد یزید نے سرِ فرزندِ رسولؐ کو فرش زمین پر رکھا اور اس کے اوپر دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ شیخ صدوق کے مطابق یزید اپنے تمام ہم پیالہ افراد کے ساتھ بیٹھ کر بے حد بادہ نوشی کرنے لگا۔ شراب سے فارغ ہونے کے بعد یزید نے اسی جگہ سرِ مبارک کے اوپر شطرنج کی بساط بچھانے کا حکم دیا۔ جب بھی کوئی بازی جیت لیتا اس خوشی میں شراب نوشی کی جاتی۔ اور بچی ہوئی شراب سے سرِ مبارک پر گستاخی کی جاتی۔

عبدالسلام ابن صالح ہروی نے امام رضاؑ سے روایت کی ہے کہ اسلام میں کھلے عام شراب سب سے پہلے یزید نے اس دن دربار میں پی۔ جس دن سرِ فرزندِ رسولؐ اسے پیش کیا گیا۔ خود بھی پیتا تھا اور دوسروں کو بھی پلاتا تھا اور کہتا تھا۔

لو آج جتنی چاہے پی لو۔ یہ بڑی مبارک شراب ہے۔

اس شراب کی برکت ملاحظہ کرو۔ ہم نے اس شراب کا آغاز ایسے وقت میں کیا ہے جب شراب ہمارے دسترخوان پر ہے اور دسترخوان ہمارے دشمن کے سر پر ہے۔ آج ہی تو ہم مزے کی شراب پی رہے ہیں۔ ہمارے دل مطمئن ہیں۔ اور [illegible] ہے۔

اسیران آل محمد دربار یزید میں

منتخب طریحی کے مطابق امام سجاد سے مروی ہے کہ ہمیں یزید کے سامنے پیش کرنے کی خاطر اس طرح قید کیا گیا کہ ایک رسی لائی گئی۔ اس کا ایک سرا میرے گلے میں، پھر ثانی زینب کے گلے میں ان کے بعد یکے بعد دیگرے دختران علی کے گلے میں ان کے بعد دختران امام حسن و امام حسین کے گلے میں ڈالی گئی۔ اور ہمیں ایک قطار میں چلنے کو کہا گیا۔ اور اس کا ایک سرا زجر بن قیس کے ہاتھ میں تھا۔ جو ہمیں دربار یزید میں لا رہا تھا۔ اگر ایک رک جاتا تو تمام کو رکنا پڑتا تھا۔

تمام مستورات کو یزید کے سامنے لا کھڑا کیا گیا۔ یزید ہر بی بی کے متعلق پوچھتا رہا۔ کمسن معصومہ جب کمسن سکینہ یزید کے سامنے گزری اور یزید نے دیکھا کہ اس بچی نے اپنی دونوں کہنیوں سے پردہ بنایا ہوا ہے اور ایڑیاں اٹھا کر چل رہی ہے۔

یزید نے زجر کو رکنے کا حکم دیا۔ اور پوچھا۔

اے بچی تو کون ہے!

کمسن شہزادی نے میری طرف دیکھا۔

یزید نے دوسری مرتبہ پوچھا۔

اے بچی تو کون ہے۔

کمسن سکینہ نے پھر میری طرف دیکھا۔

یزید غصہ میں آ گیا۔ زجر نے رسی کو ایک جھٹکا دیا۔ ہم سب اپنی جگہ سے ہل گئے

میں نے یزید سے کہا۔ ظالم اس سفاک سے کہہ کہ یوں رسی کو جھٹکے نہ دے۔

یزید نے کہا۔ یہ بچی میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتی۔

میں نے اسے بتایا۔ شاید تیری عقل کے ساتھ آنکھوں پر بھی پٹی بندھی ہوئی ہے کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ رسی کتنی تنگ کر کے باندھی گئی ہے۔ تیرے دو غلاموں نے رسی باندھتے وقت یہ بھی نہیں دیکھا کہ کس کا قد بڑا ہے اور کس کا چھوٹا ہے اس کمسن کا قد چھوٹا ہے۔ گلے میں رسی اتنی تنگ ہے کہ یہ بولنے سے معذور ہے۔ تو دیکھ نہیں رہا کہ ایڑیاں اٹھائے

پکار رہی ہے۔

یزید نے زجر کو رسی ڈھیلی کرنے کا حکم دیا۔

سکینہ وہیں تڑپ گئی۔

بی بی نے کہا۔ یہ دختر رسول ہے کسی نامحرم کو قریب نہیں آنے دے گی۔

یزید نے زجر سے کہا۔ تو بچی کے گلے سے رسی نکال دے تاکہ یہ خود ماں کی رسی ڈھیلی کرے۔

بی بی نے یزید سے کہا۔ یزید ایک بات پوچھوں گا جواب دے گا۔

یزید نے کہا۔ پوچھ۔

بی بی نے کہا مجھے صرف اتنا بتا دے اگر آج رسول خدا اس دربار میں آ جائیں اور ہمیں اسی حالت میں تیرے سامنے کھڑا ہوا دیکھیں تو وہ کیا کہیں گے۔ تجھے داد تحسین دیں گے یا کچھ اور۔؟

یزید کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ بغلیں جھانکنے لگا۔

لہوف میں ابن طاؤس کے مطابق ثانی زہراؑ نے جب یزید کی خوشی اور مسرت دیکھی تو بی بی نے پہلے تو اپنے بھائی کا مرثیہ پڑھا۔ جس سے دربار میں موجود ہر شخص بے ساختہ رونے لگا۔ پھر بی بی نے حمد و ثنائے خالق اور درود بر آل محمد بھیجنے کے بعد فرمایا۔

بیشک یہ ارشاد قدرت ہے کہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جن بدنصیب افراد نے آیات الہیہ کا مذاق اڑایا اور تکذیب کی ان کا انجام بہت برا ہو گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اے یزید جب تو نے اپنے جبر سے ہمارا عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ اور آج ہمیں اپنے دربار میں قیدی کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس جبر سے کیا تو نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بارگاہ خالق میں تو معزز اور ہم رسوا ہو گئے ہیں! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تیری ناک اونچی ہو رہی ہے اور تو بغلیں بجا رہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ زمانہ کی اس چند روزہ گرفت کو تو نے یہ سمجھا ہے کہ ہمیشہ تیری مٹھی میں رہے گا ۔ ۔ ۔ ۔ آج تو نے ہمارے منبر پر قبضہ کر لیا ہے۔ تو کیا یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ بس تو ہی سب کچھ ہے! ۔ ۔ ۔ ۔ ذرا انتظار کر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا تو نے اللہ کے اس فرمان پر کبھی غور کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کفار کی دولت و ثروت کو دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ ہم ان کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھ رہے ہیں۔ بلکہ ہماری اس ڈھیل کی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جتنے گناہ کئی سالوں میں کرنا چاہتے ہیں کثرت وسائل کے پیش نظر چند ماہ میں کر لیں۔ تاکہ ہماری حجت پوری ہو جائے۔ پھر یہ ہوں گے اور عذاب الیم ہو گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اے ہمارے آزاد کردہ ماں کے بیٹے! کیا انسانیت اسی کا نام ہے۔ ۔ ۔ ۔ تو نے اپنی عورتوں کو پس پردہ بٹھایا ہوا ہے۔ تیری کنیزیں بھی چادر کے بغیر باہر نہیں آتیں۔ اور دختران رسولؐ کو تو نے کوفہ سے شام تک شہر بشہر تشہیر کرا کے آج اس بھرے دربار میں کھلے سر پیش کر رکھا ہے! ۔ ۔ ۔ ۔ پھر تو نے بنت رسولؐ کی اہلبیت سے مقنع و چادر چھینوا کے استقبال کی خاطر شام کے

اطراف و نواح سے بلوا بلوا کر دعوت نامے جاری کر کے بلایا جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ صرف اس لیے کہ ہمارے مددگار مارے گئے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارا محافظ کوئی نہیں ہے ۔ لیکن ایسے شخص سے اور امید ہی کیا ہو سکتی ہے جو اس دادی کا پوتا ہو جس نے شہداء کے جگر چبائے ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس کا گوشت پوست شہداء کا خون پینے سے اگا ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہم اہل بیت رسولؐ سے وہ شخص کس طرح حسن سلوک کر سکتا ہے جس کے دل میں ہمارے خلاف اپنے کافر آباء کے قتل کا جوش انتقام بھرا ہوا ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارے منبر پر بیٹھ کر ہماری مسند پر بیٹھ کر کس بے شرمی سے تو اپنے مقتولین بدر کو پکار کے کہتا ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر آج وہ ہوتے تو مجھے داد تحسین دیتے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو جوانان جنت کے سردار کے دندان مبارک کی چھڑی سے گستاخی کر کے خوش ہو رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تجھے خوش ہونا چاہیے کیونکہ تو نے اولاد رسولؐ سے وہ انتقام لیا ہے جو تم خود رسولؐ سے لینا چاہتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو اپنے بزرگوں کو بلاتا ہے کیا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ تیری آواز سنتے تیرے پاس آئیں گے نہیں وہ نہیں آئیں گے تو ان کے پاس جائے گا۔ پھر وہاں جا کر تو خواہش کرے گا کہ کاش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تیرے ہاتھ شل ہوتے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کاش تیری زبان گنگ ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور تو جو اول فول آج تک بکتا رہا ہے یہ نہ بکتا ۔

اے اللہ! ہمارے ظالموں سے تو ہی بدلہ لے ۔ تو ہی ان پر اپنا غضب نازل کر جنہوں نے ذریت رسولؐ کے بے گناہ خون بہائے ہیں۔

یزید! یاد رکھ کہ تو نے ہمارے جسموں پر نہیں بلکہ اپنے ہی گوشت کو کاٹا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عنقریب تو رسول کریمؐ کے پاس جائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ذریت نبیؐ کے بے گناہ مقتولین کے خون سے تیرا دامن سرخ ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دختران رسولؐ بے ردا کرنے کا سنگین جرم تیرے سر پر ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ حاکم ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ محمدؐ کا ہاتھ تیرے گریبان میں ہوگا ۔ تیرے اپنے اعضاء تیرے خلاف گواہ ہوں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ لوگ بھی تیرے ساتھ ہمارے قتل میں شریک جرم ہوں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جنہوں نے تجھے اس منزل تک پہنچایا ہے ۔ یہ بھی مصائب زمانہ ہی میں سے ہے کہ آج مجھے تجھ سے بات کرنا پڑ رہی ہے ورنہ کہاں مخدرہ عصمت اللہ آغوش عصمت کی پروردہ اور کہاں نالی کا کیڑا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں تو تجھے آیات سنانا آیات کی توہین سمجھتی ہوں ۔ لیکن چونکہ دل کڑھتا ہے آنسو بہتے ہیں اور پھپھولے جل اٹھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کتنا حیرت کا مقام ہے حزب اللہ کے شریف اور پاکباز لوگ حزب شیطان کے کینہ فطرت لشکریوں کے ہاتھوں خاک و خون میں تڑپ جائیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے ہاتھ ہمارے خون سے سرخ ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے منہ ہمارے گوشت سے پر ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ذریت نبیؐ کے پاکباز جوانوں کے طاہر اجسام صحرائے کربلا کی دھوپ میں پڑے ہیں ۔ جن پر ہوا ریت ڈال رہی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر آج تو ہماری اسیری پر خوش ہو رہا ہے تو کل ہماری اسیری تیرے گلے میں طوق بن کر تیرے لیے وبال جان بن جائے گی ۔ ۔ ۔

۔۔۔۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ ہی کے حضور شکوہ ہے اور اسی پر بھروسہ ہے ۔۔۔۔ تجھے کھلی چھٹی ہے ۔۔۔۔ جو مکر چاہے کر ۔۔۔۔ اپنی ہر کوشش کر کے دیکھ لے ۔۔۔۔ بخدا نہ تو تو ہمارا ذکر مٹا سکے گا ۔۔۔۔ نہ ہی ہماری وحی کو نابود کر سکے گا ۔۔۔۔ نہ ہماری مدت کا سامنا کر سکے گا ۔۔۔۔ اور نہ ہی قیامت تک اپنے سے اس لعنت کو دور کر سکے گا ۔۔۔۔ تیری عقل بے ہودہ تھی ۔۔۔۔ تیرے دن گنے جا چکے ہیں ۔۔۔۔ تیری جمعیت بکھر جائے گی ۔۔۔۔ وہ دن آنے والا ہے جس دن منادی ندا کرے گا۔ الا لعنة الله على القوم الظالمين ۔۔۔ اس اللہ کی حمد ہے جس نے ہمارے اول کو سعادت اور آخر کو شہادت سے نوازا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق اسی اثناء میں یزید کے محل سے ایک زرخرید کنیز نکل کر آئی اس نے دیکھا یزید چھڑی سے دندان مظلوم کربلا کی توہین کر رہا تھا۔

اس سے کنیز نے کہا۔

اللہ تیرے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے ظالم! تو ان دانتوں پر چھڑی مار رہا ہے۔ جنہیں رسول کریم بوسے دیا کرتے تھے!

یزید نے کہا تیرا سر جاتا رہے یہ کیا بک بک کر رہی ہے۔

کنیز نے کہا: یزید! ابھی ابھی میں اپنے کمرہ میں نیند اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں تھی کہ میں نے دیکھا جیسے آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ آسمان سے نورانی سیڑھی زمین پر لگا دی گئی ہے۔ اس سیڑھی پر دو نوجوان جنہوں نے سبز لباس پہن رکھے تھے اترنے لگے۔ ان کے لیے گویا جنت کا فرش بچھایا گیا، ایک انتہائی حسین اور غمزدہ شخص اس فرش کے درمیان آ کر بیٹھ گیا۔

اور اس نے آواز دی۔

بابا آدم تشریف لائیے۔ اتنے میں ان میں سے ایک نوجوان اتر آیا۔

پھر اس نے آواز دی۔

بابا ابراہیم آپ بھی آ جائیں۔ دوسرا بھی اتر آیا۔

پھر اس نے آواز دی۔

بھائی موسیٰ آپ بھی آ جائیں۔ اسی سیڑھی پر تیسرا شخص اتر آیا۔

پھر اس نے کہا۔

بھائی عیسیٰ آپ بھی آ جائیں۔ اسی سیڑھی سے چوتھا شخص اترا۔

پھر میں نے ایک مستور کو دیکھا جس نے سر کے بال کھول رکھے تھے۔ اور کہہ رہی تھی۔

ماں حوا۔ ماں خدیجہ۔ ماں ہاجرہ۔ بی بی سارہ۔۔ بی بی مریم آ جائیں۔ میں نے دیکھا اسی سیڑھی سے مقدرات یکے بعد دیگرے اتریں اسی فرش کے ایک کنارے پر بیٹھنے لگیں۔

میں نے ایک آواز سنی مگر آواز دینے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ ہماری شفاعت کرنے والی دختر رسول۔ زوجہ علی۔ اور مادر شہید کربلا حسین فاطمہ زہرا ہے۔

پھر جناب زہرا نے با آواز بلند کہا۔

بابا جان! آپ نے دیکھ لیا ہے۔ جو کچھ آپ کی امت نے میرے حسین ؑ سے سلوک کیا ہے۔

یہ سنکر تمام انبیا رونے لگے۔

اتنے میں ایک آواز آئی۔ اس گھر کو جلا دو۔

جونہی آواز آئی۔ اسے یزید میں نے مجھے اپنے گھر سے نکلتے دیکھا ہے تو چیخ کر کہہ رہا تھا میں جل گیا۔ میں جل گیا۔

میں گھبرا کر اٹھی ادھر ادھر دیکھا کچھ نہ تھا پریشان ہو کر تجھے بتانے آئی ہوں۔

یزید نے جلاد کو حکم دیا۔ اسے اسی وقت یہیں قتل کر دے یہ دوسروں کو خراب کرے گی۔

مقتل ابو مخنف کے مطابق یزید نے جناب سجاد ؑ سے کہا۔ تیرا باپ اسی منبر کی خاطر مجھ سے لڑنا چاہتا تھا اب دیکھ یہ منبر کس کے پاس ہے؟

جناب سجاد نے فرمایا۔ بقول تیرے اگر میرے باپ کا مقصد یہی تھا تو بھی اس منبر کا زیادہ حقدار میرے باپ سے کوئی نہیں تھا۔

اللہ کسی بھی متکبر کو پسند نہیں کرتا۔

پھر آپ نے یہ مرثیہ پڑھا۔

انا دیلک یا جدا ۔ یا خیر مرسل
اے نانا! اے سید الانبیاء! میں فریاد کرتا ہوں آپ کا

حبیبک مقتول و نسلک ضائع۔
محبوب فرزند شہید ہو گیا اور آپ کی ذریت اسیر ہے۔

اقاذ دیلانی دمشق مکبلا
نانا! کاش آپ دیکھتے کہ دمشق میں میں کس طرح پابجولاں

ومالی من بین الخلائق شافع۔
ہوں اور پوری امت میں میرا کوئی غمگسار نہیں

لقد حکموا فینا اللئام و شتتوا
کمینے ہمارے حکمران ہیں اور انہوں نے ہمیں ایک ایک کر دیا

لنا شملنا من بعد ما کان جامع
ہے ہماری جمعیت بکھر گئی ہے اور ہمارا کہیں ٹھکانا نہیں۔

یہ سنکر یزید غصہ میں آ گیا۔ اور جلاد سے کہا۔ اسے قتل کر دے یہ مجھے کیا کہتا ہے۔

جونہی ثانیٔ زہرا ؑ نے سنا فرمایا۔

یزید لعنتی تجھے رسوا کرے کیا ابھی تک تو ہمارے قتل سے سیر نہیں ہوا خون اہل بیت سے تو نے کیسے ہولے کربلا کو سیراب کر دیا ہے۔

یہ ایک بیمار رہ گیا ہے اسے قتل کر کے کیا تو نسل رسول کو روئے زمین سے ختم کرنا چاہتا ہے۔ اب ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اگر اسے قتل کرنا ہے تو پھر مجھے بھی ساتھ قتل کر دے۔

یہ منظر دیکھ کر یزید کے ہم نشینوں میں سے ایک نے کہا۔ یزید اس بیمار سے تجھے کیا خطرہ ہے۔ اسے چھوڑ دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ فتنہ کی آگ بھڑک جائے۔

بحار کے مطابق امام سجادؑ نے فرمایا۔ اے معاویہ کے بیٹے۔ ہندہ و ابو سفیان کے پوتے۔ نبوت اور امامت تیری پیدائش سے پہلے میرے آباؤ اجداد میں تھی۔ وہ میرا دادا علی تھا۔ جس نے جنگ بدر و احد میں علم رسول اٹھا رکھا تھا۔ اور وہ تیرا باپ اور دادا تھے جن کے ہاتھوں میں کفار کا علم تھا۔

یزید! کاش تو جانتا کہ

تو نے کیا کر دیا ہے۔ تو نے اہل بیت رسول پر کتنے مظالم کیے ہیں۔ اگر تو جان لیتا تو تجھے کسی آبادی میں قرار نہ آتا۔

تو پہاڑوں، صحراؤں اور جنگلوں میں ماتم کرتا پھرتا۔ کتنی حیرت ہے کہ

فرزند رسول کا سر تیرے دروازہ پر نصب ہے۔ جبکہ رسول کی امانت تھی . . . . دنیا اور آخرت کی لعنت تیرا مقدر ہے۔

یزید نے اسیران آل محمد کو حکم دیا کہ وہ دربار میں بیٹھ جائیں۔

شیخ مفید کے مطابق جناب فاطمہ سے مروی ہے کہ جب ہم فرش دربار پر بیٹھ گئے۔ اہل شام میں سے احمری ایک شخص نے میری طرف اشارہ کر کے یزید سے کہا۔

یہ کنیز مجھے دے دے۔

یہ سنتے ہی میں کانپنے لگی اور پھوپھی کی طرف دیکھ کر عرض کیا۔ پھوپھی اماں کیا یتیم ہونے کے بعد ہماری یہ حالت ہو گئی ہے۔

پھوپھی نے فرمایا۔ بیٹی مطمئن رہو یہ اس کے بس سے باہر ہے۔

پھوپھی نے اس شامی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

یہ کیا بکواس کرتا ہے یہ حق نہ تجھے ہے نہ اسے۔

یزید کو یہ سن کر غصہ آیا اور کہنے لگا۔ اے بنت علی تجھے معلوم ہے کہ تم اس وقت میرے قیدی ہو اور میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔

ثانیٔ زہراؑ نے فرمایا۔ اگر تو ہمارے دین سے نکل جائے، ہمارا مذہب چھوڑ دے تو پھر ایسا ممکن ہے۔ جب تک تو میرے نانا کا کلمہ پڑھتا ہے اس وقت تک تجھے یہ حق نہیں ہے! اور جب کلمہ چھوڑے گا تو دین سے خارج ہو جائے گا۔

یزید شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔

اس شامی بدنصیب نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

ثانیٔ زہراؑ نے فرمایا۔ اے بدبخت لسان چپ رہ۔ اللہ تیری زبان قطع کرے۔ اللہ تیری آنکھیں اندھی کرے اللہ تیرے ہاتھ شل کر دے۔ جہنم تیرا ٹھکانا ہو۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ ذریت رسول کسی حرامزادے کی کنیز نہیں بنا کرتی۔

اس شامی نے پوچھا یہ مستور کون ہے!

یزید نے کہا۔ یہ بچی فاطمہ بنت حسینؑ ہے۔ اور وہ مستور زینب بنت علیؑ ہے۔

شامی نے کہا۔ کیا حسینؑ ابن فاطمہ بنت رسول اللہ!

یزید نے کہا۔ ہاں۔

شامی نے کہا۔ ظالم تو نے ظلم کی انتہا کر دی۔ ذریت رسول کو قید کر کے اس مقام پر کھڑا کیا ہے۔ جہاں ترک و دیلم کے قیدی کھڑے ہوتے ہیں۔

یزید نے جلاد کو حکم دیا اس کا کام تمام کر دے جلاد نے تلوار کے ایک وار سے اس کا سر قلم کر دیا۔

امالی صدوق کے مطابق اس کے بعد یزید نے اسیران آل محمدؐ کو خرابہ شام میں بند کرنے کا حکم دیا۔ یہ وہ مقام تھا۔ جہاں نہ گرمی سے تحفظ تھا اور نہ سردی سے۔ اس مقام میں حالات اتنا درجہ قبیح ہے کہ تمام قیدیوں کے چہرے گرمی اور سردی کی شدت سے جل گئے تھے۔

بحار کے مطابق اس خرابہ کی دیواریں اتنی بوسیدہ تھیں کہ ہر وقت ان کے گرنے کا خطرہ رہتا تھا یزید کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ مستورات ہیں انہیں قتل کرنے سے ملامت زیادہ ہو گی۔ اس لیے ایسی جگہ رکھا جائے کہ دیواریں گریں اور تمام قیدی دب جائیں۔ تاکہ کوئی بھی بچ کر زندہ نہ جائے۔

سر مظلوم کربلا کو یزید نے اپنے دروازہ پر نصب کرنے کا حکم دیا۔ اور دیگر سرہائے شہداء کو شام کے دروازوں اور دیگر چوکوں پر آویزاں کرنے کا حکم دیا۔

دربار یزید کے معروف واقعات

خطبہ خطیب یزید:

مقتل ابو مخنف کے مطابق یزید نے اپنے خطیب سے کہا۔

آ منبر پہ اور جو تیرے منہ میں آئے کہہ دے۔

خطیب یزید منبر پہ آیا۔ اور دنیا کی ہر برائی آل محمدؐ کے ایک ایک فرد کا نام لے کر ان سے منسوب کی۔ اور ہر خوبی آل ابو سفیان کے ایک ایک فرد کا نام لے کر بیان کی۔ جب وہ تھک کر منبر سے نیچے آیا تو امام سجادؑ نے فرمایا۔

یزید اب مجھے بھی اجازت دے تاکہ میں کچھ ایسی باتیں کروں جن میں اللہ اور رسول کی خوشنودی ہو۔

یزید نے کہا۔ آپ آئیں اور اس خطیب کے اعتراضات کا جواب دیں۔

جناب سجادؑ منبر پہ آئے۔ حمد و ثنائے الہی اور درود بر محمدؐ و آل محمدؐ کے بعد فرمایا۔

جو شخص مجھے پہچانتا ہے سو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ سن لے میں اسے بتا رہا ہوں کہ میں کون ہوں۔

میں علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابو طالبؑ ہوں۔ ۔ ۔ ۔ میں اس کا لخت جگر ہوں جس نے زندگی بھر پیدل حج کیے اور تلبیہ کیا۔ ۔ ۔ ۔ میں اس کا جگر پارہ ہوں جس نے سعی و طواف کیا۔ ۔ ۔ ۔ میں زمزم و صفا کا بیٹا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ میں فاطمہ زہراؑ کا بیٹا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے پس گردن سے ذبح کیا گیا۔ ۔ ۔ ۔ میں پیاسے باپ کا بیٹا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا پانی تک بند کر دیا گیا۔ ۔ ۔ ۔ میں محمد مصطفیٰؐ کا فرزند ہوں۔ ۔ ۔ ۔ میں شہید کربلا کا بیٹا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے انصار و اقربا خاک و خون میں تڑپائے گئے۔ ۔ ۔ ۔ میں اس مظلوم کا بیٹا ہوں جس کے اہل حرم کو پابند رسن کیا گیا۔ ۔ ۔ ۔ میں اس باپ کا مظلوم بیٹا ہوں جس کے بچوں کو بلا جرم و خطا پیاسا ذبح کیا گیا۔ ۔ ۔ ۔ میں اس مظلوم کا بیٹا ہوں جس کے قتل کے بعد اس کے خیمہ کو لوٹ کر نذر آتش کر دیا گیا۔ ۔ ۔ ۔ میں اس کا بیٹا ہوں۔ جس کی لاش خاک و خون میں غلطاں کی گئی اور بلا دفن صحرا میں رکھی گئی۔ ۔ ۔ ۔ میں اس غریب

کا بیٹا ہوں جس کا سر نوک نیزہ پر آویزاں کیا گیا۔۔۔۔۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا جسم صحرائے کربلا میں ہے اور سر نوک نیزہ پر ہے۔۔۔۔۔ لوگو! اللہ نے ہمیں پانچ خصوصیات سے نوازا ہے۔۔۔۔۔ اللہ نے ہمیں معدن رسالت قرار دے کر ملائکہ کا مخدوم بنایا۔۔۔۔۔ قرآن ہماری شان میں نازل ہوا اور ہم نے عالمین کو راہ ہدایت دکھائی۔۔۔۔۔ جوہر شجاعت ہم میں ہے ہم کبھی میدان سے بھاگے نہیں۔۔۔۔۔ صراط مستقیم کی ہدایت۔ علم لدنی کا سرچشمہ اور مومنین کی محبت ہم ہیں۔۔۔۔۔ اگر ہم نہ ہوتے اللہ کائنات پیدا نہ کرتا۔۔۔۔۔ ہمارا محب حوض کوثر سے سیراب ہوگا اور ہمارا دشمن روسیاہ ہوگا۔

لوگ یہ سن کر بے ساختہ دھاڑیں مار کر رونے لگے یزید انقلاب سے ڈر گیا۔ موذن سے کہا۔ جلدی اذان کہہ
موذن نے اللہ اکبر کہا۔

جناب سجادؑ نے فرمایا۔ تو نے سچ کہا ہے۔ جو ذات کبریٰ ہے اسے اکبر کہا ہے۔

موذن نے اشہدان لا الہ الا اللہ کہا۔

جناب سجادؑ نے فرمایا حق ہے۔ کوئی گواہی دے نہ دے ہم رسالت کے گواہ ہیں۔

موذن نے اشہدان محمد رسول اللہ کہا۔

آپ بے ساختہ رو دیئے اور فرمایا۔ یزید تجھے اللہ کا واسطہ بتا دے۔ یہ محمدؐ جن کی رسالت کی شہادت تیرا موذن دے رہا ہے یہ میرا دادا ہے یا تیرا!

یزید نے کہا۔ تمہارا دادا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ پھر یہ بتا اس کی ذریت کو کس جرم میں قتل و قید کیا ہے۔

یزید لاجواب ہو گیا۔ تخت سے اٹھ کر یہ کہتا ہوا اندر چلا گیا۔ اب مجھے نماز کی ضرورت نہیں۔

یہودی عالم:

دربار یزید میں ایک یہودی عالم بیٹھا تھا۔ اس نے جناب سجادؑ کا خطبہ سننے کے بعد پوچھا۔
یہ بیمار کون ہے۔

اسے بتایا گیا۔ علیؑ ابن حسینؑ ابن ابو طالبؑ ہے۔

عالم نے پوچھا۔ حسینؑ کی ماں کا نام کیا تھا!

اہل دربار نے بتایا۔ فاطمہؑ بنت محمدؐ رسول اللہ۔

یہودی عالم نے کہا۔ حیرت ہے یہ تمہاری نبی زادی کا بیٹا تھا اور تم نے اس قدر جلدی اسے شہید کر دیا۔

بخدا! جو برا سلوک تم نے اپنے نبی سے کیا ہے ایسا سلوک آج تک کسی نبی کی امت نے اپنے نبی کی ذریت سے نہیں کیا بخدا! اگر موسیٰ کا بیٹا ایک بھی رہ جاتا تو میرا خیال ہے کہ ہم اپنی عقیدت کی بدولت اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے اور تم وہ بدنصیب ہو کہ کل نبی کو دفن کیا اور آج اس کی ذریت کو بے دردی سے ذبح کر کے اس کا بچوں بیٹیوں کو اس عالم خستگی میں قید کیا۔

یزید نے غلام کو حکم دیا کہ اس کا منہ بند کرو۔

اس یہودی عالم کے منہ پر تین ضربات لگائی گئیں۔

یہودی عالم بے بسی سے اٹھ کر جانے لگا۔ اور جاتے ہوئے کہتا جا رہا تھا۔ اگر چاہو مجھے قتل کر دو۔ اگر چاہو مجھ پر تشدد کرو۔ اگر چاہو مجھے جانے دو۔ تمہاری مرضی۔ لیکن ایک بات تمہیں بتا دوں۔ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ جو لوگ ذریت نبی کے قاتل ہوں گے وہ تا قیامت ملعون رہیں گے اور بعد از مرگ بدترین جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

نصرانی عالم:

ثمرات الاحسان میں مروی ہے کہ جب سر مظلوم کربلا یزید کے سامنے پیش کیا گیا اور یزید نے چھڑی اور شراب سے سر مظلوم کی گستاخی کی اہل دربار میں ایک نصرانی بیٹھا ہوا تھا۔

نصرانی نے یزید سے کہا۔

اے عرب حکمران یہ سر کس کا ہے!

یزید نے کہا۔ تجھے اس سر سے کیا لینا ہے۔

نصرانی نے کہا۔ مجھے کیا لینا ہے۔ میں تو صرف اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ جب واپس اپنے وطن جاؤں گا اور لوگ مجھ سے یہاں کے حالات پوچھیں گے۔ اور میں انہیں دیگر حالات کے ساتھ اس سر کا بھی بتاؤں گا تو وہ مجھ سے سر کے متعلق پوچھیں گے۔ میں کیا جواب دوں گا۔

یزید نے کہا۔ یہ حسینؑ ابن علیؑ کا سر ہے۔

نصرانی نے پوچھا۔ اس کی ماں کا کیا نام ہے!

یزید نے کہا۔ فاطمہؑ بنت محمدؐ رسول اللہ

نصرانی نے کہا۔ الحمد للہ میرا دین تمہارے دین سے بدرجہا بہتر ہے۔

یزید نے کہا۔ بھلا کیسے بہتر ہے۔

نصرانی نے کہا۔ میں جناب داؤدؑ کی اولاد سے ہوں میرے اور ان کے مابین کئی پشتوں کا فاصلہ ہے۔ لیکن آج بھی نصاریٰ صرف میرے اس رشتہ کی وجہ سے جس گلی سے گزرتا ہوں میرے قدموں کی خاک تبرکاً اٹھاتے ہیں۔ اور تمہارے

اس فرزند نبی اور نبی کے مابین کوئی فاصلہ ہی نہیں اور تم نے فرزند نبیؐ سے جو سلوک کیا ہے وہ بھی میری نسبت تم بہتر جانتے ہو۔

کیا تم نے گرجائے حافر کا واقعہ سنا ہے۔

یزید نے کہا پہلے تو نہیں سنا اب تم ہی سنا دو۔

نصرانی نے کہا۔ بحر عمان اور بحر چین کے درمیان میں ایک جزیرہ جس کا نام ثمانین ہے۔ چونکہ وہ اسی اسی میل ہے اسی مناسبت سے اس کا نام ثمانین ہے۔ بڑا آباد اور زرخیز جزیرہ ہے۔ عود عنبر اس کی پیداوار ہے اور سرخ یاقوت اس کی کانیں ہیں۔ اس جزیرہ پر صرف نصرانی حکمران ہیں۔ اس جزیرہ میں گرجوں کی بہتات ہے۔ ان گرجوں میں ایک بڑا گرجا ہے جسے گرجائے حافر کہا جاتا ہے۔

اس گرجا میں ایک طاق ہے جسے سونے اور ہیرے جواہرات سے مرصع کیا گیا ہے۔ اس کے گرد سونے کا فریم ہے۔ اس میں گدھے کا ایک سم رکھا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ یہ اس گدھے کا سم ہے۔ جس پر حضرت عیسیٰ سوار ہوا کرتے تھے۔ سال میں ایک مرتبہ اس سم کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ پورا عالم نصرانیت اس تاریخ کے انتظار میں رہتا ہے۔ صاحبان حاجت اسی گرجا میں جا کر اپنی التجائیں کرتے ہیں۔

بھلا غور تو کرو کہ نصرانی تو اس سم کی عزت کرتے ہیں جو اس گدھے سے منسوب ہے۔ جس پر حضرت عیسیٰ سوار ہوتے تھے اور تم مسلمانوں نے تو دیکھا ہوگا۔ ہم نے فقط سنا ہے کہ تمہارا نبی اپنے اسی فرزند کو اپنے کندھے پر سوار کرتا تھا۔ بالفاظ دیگر جس مقتول کا یہ سر ہے یہ راکب دوش نبی تھا۔ اور تم نے اس سے جو سلوک کیا وہ امت مسلم کی تاریخ کا سیاہ باب ہے۔

اللہ تمہیں کبھی برکت نہ دے یہ کیا ظلم کیا ہے۔

یزید نے حکم دیا کہ اس نصرانی کو اسی جگہ قتل کر دو تاکہ باہر جا کر یہ دوسروں کے ذہن خراب نہ کرے۔

جب نصرانی نے دیکھا کہ مجھے قتل کر رہے ہیں تو یزید سے پوچھا۔

کیا واقعاً مجھے قتل کرو گے؟

یزید نے کہا۔ بالکل ہمیں ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔

نصرانی اٹھا سر مظلوم کربلا کے پاس آیا۔ اسے اٹھایا۔ گود میں لیا۔ سر کو بوسہ دیا۔ اور کہنے لگا۔

یزید میں حیران تھا کہ مجھے رات عالم خواب میں تمہارے نبی کی زیارت ہوئی تھی اور انہوں نے مجھے فرمایا تھا۔ تجھے مبارک ہو کل تو ہمارے ساتھ جنت میں ہوگا۔ میں سوچتا رہا کہ اگر یہ واقعاً برحق نبی ہے تو پھر میں جب اس کی نبوت کا قائل ہی نہیں ہوں مجھے کیوں جنت کی بشارت دے رہا ہے۔ اب مجھ کو پتا ہے کہ یہ نبی برحق نبی ہے۔ اور میں اہل جنت سے ہوں۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا رسول اللہ۔ و اشہد ان علیا ولی اللہ۔

جلاد نے وار کیا اور یہ خوش نصیب اسی جگہ واصل بحق ہو گیا۔

عبدالوہاب کا واقعہ:

منتخب میں مروی ہے کہ شاہ روم کا سفیر کسی سفارت کے سلسلہ میں آیا ہوا تھا۔ یزید نے جہاں دیگر زعمائے شام کو جشن فتح میں بلایا تھا۔ وہاں سفیر روم بھی مدعو تھا۔ اور یہ بھی دوسروں کی طرح سر مظلوم کے ساتھ یزید کی درندگی اور سفاکی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر تک تو سفیر روم اپنے کو ضبط کیے رہا۔ آخر اس سے ضبط نہ ہو سکا دھاڑیں مار کر رونے لگا اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

سفیر روم نے کہا۔

یزید! میں حیات نبوی کے وقت تاجر ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں مدینہ گیا۔ اخلاق اور علم رسول کے بڑے چرچے تھے۔ میں نے آپ کی زیارت کا فیصلہ کیا۔ لیکن خالی ہاتھ جانا مناسب نہ سمجھا آپ کے صحابہ سے آپ کی پسند پوچھی۔ انہوں نے بتایا۔ آپ کو خوشبو بہت پسند ہے۔

چنانچہ میں جب استعمالات مشک و عنبر لے کر آپ کی خدمت میں آیا۔ جب میں نے آپ کا حسن و جمال دیکھا تو میرا شوق محبت میں بدل گیا۔

میں نے سلام کیا۔ اور خوشبو آپ کے قدموں میں نذر کر دی۔

آپ نے فرمایا۔ یہ کیا ہے؟

میں نے عرض کیا۔ تبرک حقیر سا تحفہ ہے۔

آپ نے پوچھا۔ تیرا نام کیا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ میرا نام حبیب الشمس ہے۔

آپ نے فرمایا۔ یہ نام درست نہیں اسے بدل دے۔ میں تیرا نام عبدالوہاب رکھتا ہوں۔ اگر تو میرا اسلام قبول کرے۔ تو میں تیرا تحفہ قبول کروں گا۔

میں نے آپ کا چہرہ، پیشانی سے اٹھتی ہوئی نور کی لائیٹ دیکھی۔ انجیل کی یہ آیت یاد آ گئی۔ میں تمہیں اپنے بعد کے آنے والے نبی کی بشارت دیتا ہوں جس کا نام احمد ہو گا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ یہی محمد نبی ہے میں نے اسی وقت آپ کے ہاتھوں پہ اسلام قبول کر لیا۔

لیکن واپس روم جا کر میں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اپنے پانچ لڑکوں۔ چار لڑکیوں اور بیوی کو بھی حلقہ بگوش اسلام کر لیا۔

اس کے بعد میں ہر سال تجارت کے لیے آتا تھا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ آج میں شاہ روم کا ذی وقار

بعثت پیغمبر تیرے پاس آیا ہوں۔ لیکن اس وقت تک پوری نصرانی قوم میرے اسلام سے بے خبر ہے۔
ایک سال میں آنحضورؐ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ یہی شہزادہ جس کا سر تیرے زیر تخت ہے جس حالت میں دیکھا ہے اسے تو بہتر جانتا ہے آنحضورؐ کے پاس آیا آپ نے سر جھکایا جیسے ہی کہ دونوں بازو کھولے حسینؑ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔
سینے سے لگایا۔ کافی دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔ پھر گود میں بٹھایا اور دیر تک حسینؑ کے ہونٹ اور دندان مبارک کو بوسے لگا دیتے رہے اور روتے بھی رہے۔ ساتھ ہی فرماتے رہے۔

بعد عن رحمة الله من قتلك	تیرا قاتل رحمت خدا سے دور ہوگا۔
لعن الله من قتلك یا حسینؑ	اے حسینؑ اللہ تیرے قاتل اور تیرے قتل میں تعاون
واعان علی قتلك۔	کرنے والے پر لعنت کرے۔

دوسرے دن میں پھر مسجد میں آنحضورؐ کے پاس بیٹھا تھا کہ یہ دونوں آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کی۔
نانا جان! آپ ذرا مسجد سے باہر ہم دونوں بھائیوں کی کشتی دیکھیں اور ثالثی کریں کہ ہم میں سے کون زیادہ طاقتور ہے۔
آپ نے فرمایا۔ نہیں میرے بچو! کشتی لڑنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ تم جاؤ تختیاں لکھو۔ جس کا خط زیادہ اچھا ہوگا وہی طاقتور ہوگا۔
دونوں شہزادے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد تختیاں لکھ کر لائے اور آنحضورؐ کے پیش کیں۔
آنحضورؐ نے صرف اس خیال سے کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو کسی کے خط کو اچھا نہ کہا اور فرمایا بیٹے تم ایسا کرو اپنے بابا جان کے پاس جاؤ وہ فیصلہ کریں گے شاباش چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔
آنحضورؐ اٹھے آپ کے ساتھ ہم بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت علیؑ باغ نخلستان میں تھے وہاں گئے۔ اور حضرت علیؑ کے سامنے ماجرا پیش کیا۔
حضرت علیؑ نے دیکھا کہ آنحضورؐ کسی کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتے۔ چنانچہ انہوں نے بھی فیصلہ کیا کہ میں بھی کسی کی دل شکنی نہیں کرتا۔
انہوں نے فرمایا۔ بیٹے ایسا کرو کہ تمہاری ماں کے پاس چلتے ہیں وہ جو فیصلہ کریں گی وہی صحیح ہوگا۔
سب واپس آئے۔ دروازہ پر پہنچ کر وہ تو اندر چلے گئے اور ہم دروازہ پر رک گئے۔
کچھ دیر بعد آنحضورؐ مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ میں نے عرض کی قبلہ۔ آپ کی دختر نے کیا فیصلہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔
جب میری بیٹی کو علم ہوا کہ ہم کسی کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتے تو اس نے بھی اس خیال سے کہ کسی کی دل شکنی

تو مجھ کہا۔

بیٹے یہ تحفہ میرا ہے۔ اس میں سات دانے ہیں۔ میں انہیں زمین پر بکھیرتی ہوں۔ جس نے زیادہ دانے چن لیے اسی کا خط خوبصورت ہوگا۔

زہراؑ نے دانے بکھیرے۔ تین دانے حسنؑ نے اور تین دانے حسینؑ نے اٹھا لیے۔ ایک دانہ بچ رہا۔ ایک طرف حسنؑ نے ہاتھ بڑھایا، دوسری طرف سے حسینؑ نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے دیکھا جبرئیل آیا۔ اس نے پر سے اس دانے کو دو نیم کیا۔ ایک حصہ حسنؑ نے اور دوسرا حسینؑ نے اٹھایا۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ جو چیز ہم اہل بیت نہیں چاہتے تھے وہی اللہ کو بھی پسند تھی۔ اور اللہ نے جبرئیل کو بھیج کر دانہ کو دو نیم کرا دیا تاکہ کوئی بھی رنجیدہ خاطر نہ ہو۔

یزید اب تو خود سوچ۔ جن شہزادوں کی دل شکنی اللہ اور رسول برداشت نہیں کرتے تھے، اس حسینؑ سے جو سلوک تم نے کیا ہے وہ تیرے سامنے ہے۔ تیرے اس دین اور ایمان پر تف ہے۔

یہ کہہ کر جیسا بے تاب تھا اس نے سرِ مظلوم سینہ سے لگایا۔ پھر بوسے دیئے۔

یزید نے جلاد کو حکم دیا کہ سفیرِ روم کا سر قلم کر دے۔

چنانچہ جلاد نے تعمیلِ حکم کر کے اس کو شہید کر دیا۔

جاثلیق دربارِ یزید میں:

منتخب ابو مخنف میں سہل سے مروی ہے کہ یزید تخت پر بیٹھا تھا۔ سرِ مظلوم اس کے سامنے سونے کے طشت میں رکھا تھا اور وہ دندانِ مبارک اور لبہائے مقدس کے ساتھ چھڑی سے کھیل رہا تھا۔ سیاہ پوش جاثلیق نصرانی عصا کا سہارا لیے ہوئے آہستہ آہستہ چلتا ہوا آیا۔ یزید دیر تک جاثلیق کو گھور رہا تھا۔

یزید کے سامنے کھڑے ہو کر طشت میں رکھے ہوئے سر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

یہ کس کا سر ہے!

یزید نے کہا۔ حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ کا سر ہے۔

جاثلیق نے پوچھا۔ ان کی والدہ کا کیا نام ہے۔

یزید نے کہا۔ فاطمہؑ بنت محمدؐ رسول اللہ۔

جاثلیق نے کہا۔ اسے کس نے قتل کیا ہے۔

یزید نے کہا۔ میرے عراق کے گورنر عبیداللہ ابن زیاد نے قتل کیا ہے۔

جاثلیق نے کہا۔ اس نے اپنی مرضی سے قتل کیا ہے یا تیرے حکم سے!

یزید نے کہا۔ میرے حکم سے۔

جاثلیق نے پوچھا. تم نے اس کے قتل کا حکم کس جرم کی پاداش میں دیا تھا؟

یزید نے کہا. میری بیعت سے انکار کرتا تھا.

جاثلیق نے کہا. خدا کے لیے اب. بھی اس سر کو یہاں سے اٹھا کر اس کا احترام کر تو تباہ ہو چکا ہے میں صرف تجھے یہی اطلاع دینے آیا تھا. میں ابھی سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں آسمان کی طرف سے زمین پر ایک بہت بڑے دھماکے کی آواز سنی. دھماکے کے بعد ایک نورانی چہرے والا انتہائی حسین شخص نمودار ہوا. جس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے. اور اس کے ارد گرد بہت سے افراد تھے.

میں نے ایک شخص سے پوچھا. یہ کون ہے.

اس نے بتایا کہ آخری نبی محمد مصطفیٰ ہے.

میں نے کہا. یہ رو کیوں رہا ہے؟

اور ان کے ارد گرد دوسرے لوگ کیوں رو رہے ہیں؟

اس نے بتایا. یہ ملائکہ ہیں جو انہیں پرسہ دے رہے ہیں.

میں نے پوچھا. کس بات کا پرسہ

اس نے کہا. اس کی امت نے اس کے فرزند کو پیاسا شہید کر دیا ہے.

یزید نے کہا. اے بڈھے نصرانی تو ہمیں اپنے جھوٹے خواب سنانے آگیا ہے.

جلاد کہاں ہے.

جلاد حاضر ہو گیا یزید نے کہا. کوڑوں سے اس کی مرمت کرو. حکم ملتے ہی جلاد نے کوڑے برسانے شروع کر دیئے.

جاثلیق نے کہا.

اے ابو عبداللہ اپنے نانا کے سامنے گواہی دینا میں کلمہ اسلام پڑھ رہا ہوں. اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ. و اشھد ان علیاً ولی اللہ.

یزید اس کا کلمہ سن کر اور بھڑک گیا اور جلاد سے کہا. اور کوڑے مارو.

جاثلیق نے کہا. یزید تمہارا مارنا مجھے اپنا انجام نظر آگیا ہے. یہ میرے سامنے سید الانبیاء کھڑے ہیں. ان کے ہاتھ میں جنت کا لباس اور تاج ہے اور مجھے فرما رہے ہیں جلدی آؤ میں تیرے انتظار میں ہوں یہ لباس تیرے لیے ہی بنا گیا ہے. یہ کہتے ہی جاثلیق واصل بحق ہو گیا.

انوار نعمانیہ میں منہال سے مروی ہے کہ ایک دن میں خرابہ شام کے قریب سے گزرا۔ میں نے دیکھا جناب سجادؑ خرابہ کے دروازہ پر پابزنجیر بیٹھے تھے۔

میں نے عرض کیا۔ فرزند رسولؐ کیا حال ہے۔

جناب سجادؑ رو دیئے اور فرمایا۔ منہال اس شخص کا کیا حال ہوگا جو یزید ابن معاویہ جیسے کا قیدی ہو۔ بخدا آج تک ہماری مستورات کو نہ پیٹ بھر کھانا ملا ہے اور نہ پانی دیا جاتا ہے۔ ان کے شب و روز نوحہ و بکا میں گزر رہے ہیں۔

آج امت مسلمہ میں ہم اس طرح زندگی گزار رہے ہیں جس طرح بنی اسرائیل آل فرعون میں رہتے تھے۔ فرعون بنی اسرائیل کے مردوں کو شہید اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔

منہال عالم عرب اس بات پر فخر کرتا ہے کہ سید الانبیاء عرب سے تھے۔

قریش عربوں پر فخر کرتے ہیں کہ سید الانبیاء قریش سے تھے۔

اور آج ہم اسی محمدؐ کے اہلبیت ہیں ہمارے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ ہماری مستورات کو بے پردہ کیا جا رہا ہے۔

بخدا! جب بھی یزید کی طرف سے بلاوا آتا ہے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ کسی کو قتل کرے گا۔ ہمیں جس جگہ رکھا گیا ہے۔ ایک چار دیواری ہے نہ گرمی سے تحفظ ہے نہ سردی سے۔ دل گھٹنے لگتا ہے۔ کچھ دیر کے لیے دروازہ پر آجاتا ہوں۔

اسی دوران ایک منحوس نے آکر آواز دی۔ ذریت رسولؐ کا آخری سرمایہ تو کہاں ہے؟

جناب سجادؑ آیا بھی یہی کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔

بحار میں ہے کہ یزید جناب سجادؑ کو قتل کرنے کا بہانہ تلاش کرتا تھا۔ انتہائی درشت اور سنگدلانہ باتیں کرتا تھا تاکہ جناب سجادؑ جواب میں ایسی بات کہہ دیں جس سے اس کے قتل کا جواز پیدا ہو جائے۔ لیکن جناب سجادؑ نے کبھی بھی یزید کو ایسا موقع فراہم نہ کیا۔

آخر ایک دن تنگ آکر یزید نے دوران گفتگو کہا۔

یہ کیا ہے میں تجھ سے بات کرتا ہوں اور تو بات کے جواب کے ساتھ ساتھ ہاتھ میں تسبیح گھماتا ہے۔

جناب سجادؑ نے فرمایا۔ میں نے اپنے بابا سے سنا ہے انہوں نے نبی اکرمؐ سے حدیث بیان کی ہے کہ۔

اگر انسان صبح بیدار ہونے کے بعد ہاتھ میں تسبیح لے اور یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم انی اصبحت اسبحک واحمدک واھللک واحمدک بعدد ما ادیر بہ سبحتی اس کے بعد وہ کوئی بھی بات کرتا ہے اور تسبیح ہاتھ میں گھماتا ہے تسبیح کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔ اور اگر شام کو سوتے ہوئے

یہی دعا پڑھ کر تسبیح کو زیر تکیہ رکھ کر سو جائے تو تمام رات اس کے نامۂ اعمال میں ثواب تسبیح لکھا جائے گا۔

اس حدیث کی بنیاد پر میں اپنے آباء و اجداد کی اقتدا کرتا ہوں۔

یزید لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

جناب سکینہ کا خواب:

اخبار نعمانیہ کے مطابق جب یزید نے سکینہ بنت حسینؑ کو بہت زیادہ روتے دیکھا تو پوچھا۔ بی بی تم اتنا زیادہ کیوں روتی ہے!

شہزادی نے جواب دیا۔ میرے رونے کو کربلا ہی کافی تھا۔ اس پر مستزاد تیرے سپاہیوں نے کوڑے شام تک ہمیں بے پالان کے اونٹوں پر سوار کیے رکھا اور ہم اونٹ سے گر جانے کے خوف سے نہ سوئے۔ پھر جو سلوک تو نے باب الساعات سے دربار تک۔ اور دربار میں کیا ہے۔ میرے بابا کے سر سے جو سلوک تو نے کیا ہے۔ ان میں سے ہر بات ایسی ہے جس پر جتنا رویا جائے کم ہو گا۔ لیکن کل رات جب ہم دربار سے روتے گئے اور وہیں ہمیں رات گزارنے کو کہا گیا۔

تو میں نے ایک ایسا خواب دیکھا جس نے میرے تمام غموں کو تازہ کر دیا۔

یزید نے جس شخص کے ہاتھ میں رسی تھی اسے کہا کہ اسے کھول دے تا کہ میں یہ خواب سن لوں۔ پھر شہزادی سے کہا۔ مجھے خواب سنا۔

شہزادی نے فرمایا۔ میں نے خواب میں ایک نورانی محل دیکھا ہے۔ جس کے کنگرے یاقوت سے تھے۔ ستون زبرجد سے تھے۔ اور دروازے سونے کے تھے۔ میں اس محل کے دروازہ پر کھڑی اسے دیکھ رہی تھی کہ دروازہ کھلا اس میں سے پانچ بزرگ باہر آئے۔ ان کے آگے ایک خادم چل رہا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔

یہ محل کس کا ہے!

اس نے کہا۔ تیرے بابا حسینؑ کا ہے۔

میں نے پوچھا۔ یہ بزرگ کون ہیں!

اس نے بتایا۔ حضرت آدمؑ حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ ہیں۔

جب وہ آگے بڑھ گئے تو ان کے بعد ایک نہایت حسین نوجوان باہر آیا۔ جس نے ایک ہاتھ اپنی ریش مبارک پہ رکھا ہوا تھا اور رو رہا تھا۔ ان کے آگے بھی ایک خادم تھا۔

میں نے غلام سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟

اس نے کہا۔ کیا آپ نہیں پہچانتیں یہ آپ کے جد امجد سرکار سید الانبیاء ہیں۔

میں فوراً آگے بڑھی اور نانا سے چمٹ گئی۔ میں نے عرض کیا۔

نانا آپ کا راکبِ دوشِ پیاسا مارا گیا ہے۔

نانا آپ کا ہم شکل اکبر شہید ہو گیا۔

نانا ہمارے خیام جلا دیئے گئے۔

نانا ہمارے سروں سے چادریں چھین لی گئیں۔

نانا ہمیں کوفہ کے دربار میں بے مقنع و چادر پیش کیا گیا۔

نانا ہمیں کوفہ سے شام تک بے پالان کے اونٹوں پر سفر کرایا گیا۔

نانا آج تک ہمیں تو کوئی رونے نہیں دیتا۔

آپ نے مجھے گلے لگایا۔ میرے سر کا بوسہ لیا۔ میرے ہاتھوں کو چوما۔ میرے گلے کے بوسے لیے رو کے فرمایا۔ سکینہ بیٹی تم نے میرے زخم ہرے کر دیئے ہیں۔ بیٹی اب شام کے حالات نانا کو نہ بتا۔ میں برداشت نہیں کر سکوں گا۔

نانا نے غلام کو حکم دیا کہ میری بچی کو اندر پہنچا دے۔ غلام مجھے اندر لے گیا۔ وہاں ایک کمرہ میں پانچ مستورات بیٹھی تھیں۔ ان کے درمیان ایک مستورہ تھی۔ جس کے بال کھلے ہوئے۔ لباس سیاہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھلنی کی مانند ایک قمیص تھی۔

میں نے ایک کنیز سے پوچھا۔ یہ کون مستورات ہیں؟

اس نے بتایا۔ ایک آسیہ ہے۔ دوسری مادرِ موسیٰ ہے۔ تیسری جناب ہاجرہ ہے۔ چوتھی جناب مریم ہے پانچویں جدہ السادات خدیجہ الکبریٰ ہے۔

میں نے کہا۔ وہ جس کے ہاتھ میں خون آلود قمیص ہے وہ کون ہے۔

اس نے کہا۔ یہ آپ کی دادی فاطمہ زہراؑ ہے۔

میں آگے بڑھی اور عرض کیا۔ السلام علیک یا جدتاہ۔

بی بی نے سر اٹھایا۔ اور فرمایا سکینہ ہے۔

میں نے عرض کیا ہاں دادی یتیم سکینہ ہوں۔

اتنا کہنا تھا کہ آگے بڑھ کر مجھے گود میں لیا۔ سینہ سے لگایا۔ خاک آلود بال چومے۔ اور دونوں ہاتھوں کا بوسہ لیا۔

میں نے عرض کیا۔ دادی آپ کی زینب بے ردا ہو گئی ہے۔

بنت رسول نے فرمایا۔ بیٹی یہ دیکھ میرے ہاتھ میں کیا ہے!

میں نے عرض کیا۔ دادی جان یہ خون آلود قمیص ہے۔

دادی نے پوچھا اسے بیٹی پہچانتی کس کی ہے!

میں نے عرض کیا دادی مجھے یاد تو آرہا ہے کہ میں نے اسے دیکھا ہے لیکن یقین سے نہیں کہہ سکتی۔

دادی نے فرمایا۔ بیٹی یہ تیرے بابا کی وہی قمیص ہے جو تیری پھوپھی نے وقت آخر ان کے مانگنے پر دی تھی۔ بیٹی اب اندازہ کرسکتی ہوں میں تمہارے حالات سے بے خبر نہیں ہوں۔ مجھے ایک ایک بات کا علم ہے۔

بیٹی مجھے اپنے بھائی سجاد کا حال سنا دو کیسا ہے!

میں نے عرض کیا۔ دادی کئی مرتبہ ظالموں نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن اس کی بیماری پر ترس کھا کر چھوڑ دیا۔

دادی کاش آپ اپنے بیمار کو اس وقت دیکھتیں جب اسے پا بہ جولاں زنجیر بدست اور طوق بگردن اسیر کر کے بے پالان کے اونٹ پر سوار کیا گیا اور جب وہ خود سنبھل نہ سکتا تھا۔ تو ایک رسی سے ان کے دونوں پاؤں پشت شتر کے نیچے سے باندھ دیئے گئے اور ایک رسی اونٹ کے گلے میں ڈال کر میرے بیمار بھائی کے گلے میں باندھ دی گئی۔

ہندہ زوجہ یزید کا خواب:-

منتخب میں ہے جب آل محمد کو زندان شام میں اتنی مدت گذر گئی جس میں گرمی اور سردی کی شدت نے ان کے چہروں کے رنگ بدل ڈالے تو ایک رات ہندہ زوجہ یزید نے عالم خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ملائکہ گروہ در گروہ آسمان سے اتر کر سر مظلوم کے قریب آتے ہیں اور کہتے ہیں۔

السلام علیک یا ابا عبد اللہ۔ السلام علیک یا ابن رسول اللہ۔

اسی دوران آسمان سے ایک بادل اترا جس سے کئی حسین و جمیل افراد باہر آئے۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا سر مظلوم کو اٹھایا سینے سے لگایا، زخمی لبوں اور شکستہ دانتوں کا بوسہ لیا اور فرمایا۔

بیٹا میں تیرا نانا مصطفیٰ ہوں یہ بابا علی مرتضیٰ ہے۔ یہ تیرا بھائی حسن مجتبیٰ ہے۔ یہ تیرا چچا جعفر ہے یہ عقیل ہے اور یہ حمزہ ہے۔

ہندہ کہتی ہے یہ دیکھ کر میں گھبرا گئی۔ میں پریشان ہو کر اٹھی۔ دیکھا تو ہمارے دروازہ پر اور زندان سر مظلوم سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

میں یزید کی تلاش میں کمروں میں پھرنے لگی۔ میں ایک کمرے میں آئی دیکھا تو یزید تاریکی میں دو زانو بیٹھا ہوا حیران پریشان ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

بے دیکھ کر گھبرا گیا۔ میں نے اسے اپنا خواب سنایا۔ کہنے لگا بس اب میں تنگ آ گیا ہوں۔ کل آل محمد کو واپس بھیجتا ہوں۔

صبح کو یزید نے جناب سجادؑ کو جا کر بتایا۔ تو جناب سجادؑ نے فرمایا کہ میں شریکۃ الحسین کو جا کر بتاتا ہوں جو حکم وہ دے گی تجھے بتاؤں گا۔

ثانیٔ زہراؑ نے فرمایا یزید سے کہہ دو یوم عاشور سے آج تک ہمارے رونے پر پابندی تھی۔ جب تک ہمیں آزادی سے رونے نہیں دیا جائے گا۔ ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔ ہمیں ایک علیحدہ مکان دیا جائے۔ تمام خواتین شام کو ہمارے پاس آنے کی اجازت دی جائے۔ ہمیں سیاہ لباس دیئے جائیں۔ اور سات دن تک ہم ماتم بھی کریں گے۔

یزید نے تمام مطالبات پورے کیے شام کی ہر مسلم اور غیر مسلم خاتون نے سیاہ لباس پہن کر زہراؑ ثانی کا سات دن مسلسل پرسہ دیا۔

شعبی نے روایت کی ہے کہ:

یزید کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام ہند تھا جب اموی عورتوں کے اصرار پر دختران زہراؑ کو خانۂ یزید میں لے جایا گیا تو خواہر یزید ہند نے کہا۔

تم میں سے ام کلثوم زینب بنت علی کون ہے؟

دختر زہراؑ نے فرمایا۔ امام زکی۔ ہمام متقی۔ امیر المومنین علی جس کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اور اپنے نبی کی اطاعت کے ساتھ واجب قرار دیا ہے۔ جس کی نافرمانی کو اللہ نے اپنی نافرمانی فرمایا ہے جس کی ولایت اللہ نے شہری اور دیہاتی پر واجب قرار دی ہے۔ جس نے اپنے ہر مد مقابل کو جہنم رسید کیا۔ جس کے سر اللہ نے ہمیشہ فتح کا سہرا سجایا اور جس نے لات منات اور ہبل کے ٹکڑے ٹکڑے کیے کی بیٹی ام کلثوم زینب میں ہوں۔

ہند خواہر یزید نے کہا۔ اے ام کلثوم! یہی وہ باتیں تھیں جن کی وجہ سے تمہارا مواخذہ کیا گیا۔ وہی انتقام تھے جو تم سے لیے گئے۔ اور تمہاری توہین کی گئی۔ اے بنی عبد المطلب تمہارا کیا خیال ہے کہ ہمیں ربیعہ۔ عتبہ اور ابو جہل جیسے سرداران مکہ کے خون بھول گئے تھے۔

کیا جنگ بدر میں تیرے باپ نے جو کچھ کیا تھا وہ ہم اسے بھول سکتے تھے۔

جناب ام کلثوم زینب نے فرمایا۔ اے بدترین اولاد کی بدترین ماں اور جگر خوار ماں کی بیٹی یقیناً تجھے یہ معلوم ہوگا۔

کہ بنی ہاشم کی کوئی بھی مستور تمہاری طرح بدکرداری میں شہرت نہیں رکھتی اور نہ ہی ہمارے مرد تمہارے مردوں کی طرح اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کے سامنے بیٹھ کر ہاتھ جوڑتے ہیں۔

کیا ابوسفیان تیرا ہی دادا نہ تھا جس نے آنحضورؐ کے خلاف قدم قدم پر آتشِ جنگ سلگائی؟

کیا وہ تیری ماں نہ تھی جس نے اسد اللہ کو قتل کے عوض اپنے کو ایک وحشی غلام کے سپرد کر دیا تھا؟

کیا وہ تیری ماں ہندہ تھی جس نے اسد اللہ اور سید الشہداء کا کلیجہ چبایا تھا۔

کیا وہ تیرا باپ نہ تھا جس نے امامِ حق کے خلاف بغاوت کی تھی؟

کیا یہ تیرا بھائی نہیں ہے جس نے راکبِ دوشِ نبی کو تین دن کا پیاسا شہید کیا ہے۔

یاد رکھو! آج دنیا میں جتنا بھی تمہارے پاس ہے آخرت میں اس کی ایک دمڑی بھی تمہارے پاس نہ ہو گی۔ ہندہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی اور کوئی جواب نہ دے سکی۔

عاتکہ بنتِ یزید:

خواہرِ ہندہ کے بعد یزید کی بیٹی عاتکہ نے کہا: فاطمہ بنتِ حسینؑ کون ہے؟

جناب فاطمہ نے فرمایا: میں اس مظلوم باپ کی بیٹی ہوں جس سے بدر و حنین کے کفار کا بدلہ لیا گیا ہے۔ آج تم ہمارا مذاق اڑا رہی ہو اور ہماری اس حالت پر خوش ہو رہی ہو۔ میں اہلِ بیتِ رسولؐ سے ہوں۔ میرا دادا علیؑ تھا۔ جس سے کائناتِ عالم کا ہر ذی روح واقف ہے۔

بھلا بتا تو کون ہے؟

عاتکہ نے کہا: میں یزید جیسے صاحبِ عزت اور ذی حشمت باپ کی بیٹی ہوں۔

جناب فاطمہ نے فرمایا: ذرا انجام دیکھو۔ یہ دنیا فنا شش کا گھر ہے۔ آخرت آرام و سکون کا مقام ہے۔ بھلا تم ہمارا مقابلہ کر سکتی ہو۔ کیا وہ تیرا باپ نہیں جو آلِ محمدؐ کے قتل پر جشن منا رہا ہے۔ کیا وہ تیری ماں نہ تھی جو اپنے غلاموں کا طواف کیا کرتی تھی! تم پر اللہ کی لعنت ہو۔

ہم اہلِ بیت اعتکاف ہیں۔ ہمارے سروں کا اعتراف ہیں۔ ہم خدیجہ طیبہ شاف ہیں۔

عاتکہ ایسے خاموش ہوئی جیسے اس کے گلے میں ہڈی پھنس گئی ہو۔

ام حبیبہ زوجہ یزید:

یزید کی بیوی ام حبیبہ نے پوچھا: رباب زوجہ حسینؑ کون ہے؟

جناب رباب نے فرمایا: وہ خوش نصیب بی بی ہوں جسے اللہ نے دنیا اور آخرت کی دونوں سعادتوں سے نوازا ہے۔ دنیا میں بادشاہ عرب کی بیٹی اور سید شبابِ اہلِ جنت کی زوجہ ہوں اور آخرت میں بھی اپنے آقا کے ساتھ ہوں گی۔ میں رسولؐ کی بہو ہوں۔ میں فاطمہ بنتِ رسولؐ کی بہو ہوں۔ میں اسد اللہ علی مرتضیٰؑ کے فرزند دلبند کی بیوہ ہوں اور ہوں گی

دی چیز تھا۔

اب بتاؤ کون ہے ؟

ام حبیبہ نے کہا۔ میں حکمران وقت۔ صاحب عز و فخر یزید کی بیوی ہوں جس کے حلقہ اطاعت میں ایک دنیا موجود ہے۔

جناب رباب نے فرمایا۔ بھلا کبھی اونٹ اور گھوڑے یا ذرے بے مقدار اور آفتاب عالمتاب کا بھی کسی نے مقابلہ کیا ہے۔

میرے میکے سلاطین وقت تھے میرے سسرال طیب و طاہر سردار ہیں۔ جب کہ تیرے ایسا آتش جہنم کا ایندھن ہیں۔

کیا تو اپنے جاہل اجداد سے فخر کرے گی یا اپنی بدکردار اولاد کی بات کرے گی یا آج کے اپنے اس ظلم پر فخر کرے گی جس کا نشانہ بن کر ہم تمہارے اسیر ہیں۔

ام حبیبہ لاجواب ہو کر چپ ہو گئی۔

اسیران آل محمد کی رہائی

شبلی کے مطابق اسیران آل محمدؐ جس خرابہ میں مقیم تھے۔ اس پر اگرچہ یزید نے پہرے دار بٹھا رکھے تھے۔ اور وہ کسی کو قریب نہیں پھٹکنے دیتے تھے مگر اس کے باوجود کسی نہ کسی کو جناب سجادؑ سے بات کرنے کا موقع مل ہی جاتا تھا۔

چونکہ یزید روز اول ہی سے بوکھلا گیا تھا۔ اور اسی بوکھلاہٹ میں اس نے وقفے وقفے سے اپنے کئی افراد کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور کچھ غیر مسلم افراد دربار میں سر مظلوم کی مظلومیت اور بعض خواب میں حقیقت حال سے مطلع ہو کر آتے۔ اور یزید کو ملامت کرتے یزید ان کے قتل کا حکم دے دیتا۔

پہلے اس نے ایک بڑھے شامی کو قتل کیا۔

پھر اس نے ایک کنیز کو قتل کیا۔

اس کے بعد ایک یہودی کو قتل کیا۔

رومی کے بعد عبدالوہاب کو قتل کیا۔

عبدالوہاب کے بعد باقیوں کو کوڑے مروائے۔

یہ قتل ایک دن میں نہیں ہوئے بلکہ آلِ محمد کے شام آنے کے بعد اور رہائی سے پہلے ہوئے ہیں۔ ان مقتولین کے ورثاء یزید کے خلاف ہوتے چلے گئے اور یزید کی جیز سے قدر قتل کرتا تھا وہی خطرہ بڑھتا چلا گیا۔ رفتہ رفتہ شامی عوام کچھ مقتولین کے ورثے حالات سنکر کچھ جناب سجادؑ سے داستانِ مظلومیت سن کر کچھ مدینہ سے آنے والوں سے اطلاع پاکر اور کچھ کوفے سے آنے والوں سے حالات معلوم کرکے یزید کے مخالف ہوتے چلے گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں چہ میگوئیاں بڑھنے لگیں۔

ابتداء میں صرف دبی دبی آواز ابھری۔ آہستہ آہستہ بازار اور کانوں میں باتیں ہونے لگیں۔

یزید بھی ان حالات سے مطلع ہوتا رہا کہ قتل فرزندِ رسولؐ کا پہلا جیسے جیسے کھل رہا ہے ویسے ویسے لوگوں میں نفرت بڑھتی رہی ہے۔

چنانچہ یزید نے قرآن کریم کے پارے علیحدہ علیحدہ لکھوائے اور مسجد میں آنے والے جب نماز سے فارغ ہو جاتے تھے تو ہر ایک کے سامنے ایک پارہ رکھ دیا جاتا تھا اور انہیں حکماً "تلاوتِ قرآن" پر مجبور کیا جاتا تھا اور دوسری کسی قسم کی بات پر پابندی عائد کر دی جاتی تھی۔ لیکن یزید کا یہ حربہ کامیاب نہ رہا۔ اور لوگ قرآن ہاتھ میں لے کر واقعہ کربلا پر تبصرہ شروع کر دیتے تھے۔

یزید کو اطلاع ملی کہ اگر آلِ محمدؐ یونہی شام میں رہے تو ایک دن شام میں انقلاب آجائے گا۔ عراق میں حالات کشیدہ ہو چکے تھے۔ اطلاعات مسلسل خلاف ترتیب آرہی تھیں۔ مختار یا ثاراتِ الحسین کے نعرہ پر لوگوں کو جمع کر رہا تھا یزید کو بتایا گیا کہ آلِ محمدؐ کا شام میں رہنا انقلاب کے لیے راہ ہموار کر رہا ہے۔ اور انقلاب بھی زمین بن رہا ہے۔

چنانچہ یزید نے ایک دن بعد نماز خطبہ دیا اور اپنے سر سے قتلِ مظلوم کو ہٹانے کی خاطر دھواں دار خطبہ کہا۔

میں اہلِ شام کے تمام تبصرے سن رہا ہوں۔ قتلِ حسینؑ کا مجرم مجھے گردانا جا رہا ہے۔ حالانکہ میں نے نہ تو قتل کیا ہے اور نہ قتل کا حکم دیا ہے۔ یزید نے حکم دیا کہ جو لوگ کربلا میں قتلِ حسینؑ میں شریک تھے انہیں حاضر کیا جائے۔

جب یہ لوگ مسجد میں لائے گئے تو یزید نے

خبیث ابن ربعی سے کہا۔ کیا میں نے تجھے قتلِ حسینؑ کا حکم دیا تھا یا تو نے خود قتل کیا ہے!

شبث نے کہا۔ اللہ قاتلِ حسینؑ پر لعنت کرے۔ نہ آپ نے حکم قتل دیا تھا اور نہ ہی میں نے قتل کیا ہے۔

یزید نے کہا۔ پھر کس نے قتل کیا ہے۔
خبیث نے کہا۔ فرزند رسول کو معابر ابن رعیب نے قتل کیا ہے۔
یزید نے معابر سے کہا۔ کیا تو نے خود حسینؑ کو قتل کیا ہے یا میں نے تجھے حکم دیا تھا؟
معابر نے کہا۔ نہ میں نے قتل کیا ہے اور نہ آپ نے مجھے حکم دیا تھا۔ اللہ قاتل حسینؑ پر لعنت کرے۔
یزید نے کہا۔ کس نے قتل کیا ہے؟
معابر نے کہا۔ شمر نے قتل کیا ہے۔
یزید نے شمر سے کہا۔ کیا میں نے تجھے قتل کا حکم دیا تھا یا تو نے اپنی مرضی سے قتل کیا ہے؟
شمر نے کہا۔ اللہ قاتل حسینؑ پر لعنت کرے۔ اسے نہ تو میں نے قتل کیا ہے اور نہ آپ نے حکم دیا تھا۔
یزید نے کہا۔ کس نے قتل کیا ہے؟
شمر نے کہا۔ سنان بن انس نے کیا ہے۔
یزید نے سنان سے کہا۔ بھلا میں نے تجھے کہا تھا کہ حسینؑ کو قتل کر دے یا تو نے خود کیا ہے؟
سنان نے کہا۔ اللہ قاتل حسین پر لعنت کرے۔ نہ میں نے اسے قتل کیا ہے اور نہ ہی آپ نے حکم دیا تھا۔
یزید نے کہا۔ کس نے قتل کیا ہے۔
سنان نے کہا۔ خولی نے قتل کیا ہے۔
یزید نے خولی سے کہا۔ کیا میں نے تجھے کہا تھا حسینؑ کو قتل کر دے یا تو نے خود کیا ہے۔
خولی نے کہا۔ نہ تو نے کہا تھا۔ اور نہ میں نے قتل کیا ہے۔ اللہ قاتل حسین پر لعنت کرے۔
یزید نے کہا۔ کس نے قتل کیا ہے؟
خولی نے کہا۔ قیس ابن ربیع نے قتل کیا ہے۔
یزید نے قیس سے کہا۔ سچ سچ بتا کیا تو نے خود قتل کیا ہے یا میں نے تجھے حکم دیا تھا؟
قیس نے کہا۔ اگر میں قاتل حسینؑ بتا دوں تو مجھے امان ہوگی۔
یزید نے کہا تجھے امان ہے بتاؤ کس نے قتل کیا ہے۔
قیس نے کہا۔ وہ قاتل حسینؑ ہے جس نے حسینؑ سے جنگ کی خاطر یکے بعد دیگرے شام سے لشکر بھیجے۔ اور قتل حسینؑ کی خاطر بیت المال سے بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔
یزید نے کہا۔ وہ کون ہے؟
قیس نے کہا۔ وہ یزید ابن معاویہ ہے۔

یزید یہ سنتے ہی غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اور دانت پیستا ہوا اندر چلا گیا۔

کافی دیر بعد باہر آیا۔ جناب سجادؑ کو بلایا۔ اور کہا۔

آج سے تم آزاد ہو۔ جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ اپنی کوئی سی تین خواہشات کا اظہار کرو میں ایک ضرور پوری کروں گا۔

یزید کے مطابق آپ نے فرمایا۔

پہلی بات یہ ہے کہ مجھے اپنے بابا کا سر ایک مرتبہ دکھا دے تاکہ زیارت کروں۔

یزید نے کہا۔ یہ ممکن ہے۔

سر مظلوم زیر تخت طشت میں رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ رومال بلند ہوا۔ اور سر سے آواز آئی۔ السلام علیک یا ولدہ۔ السلام علیک یا علی

جناب سجادؑ یہ سنتے ہی دھاڑیں مار کر رونے لگے اور جواب سلام دے کر عرض کی۔

بابا جان! آپ کا بیمار بیٹا وطن تنہا واپس جا رہا ہے۔ نانا کے حرم میں جاؤں گا تو کیا کہوں گا۔ میرا آخری سلام قبول کریں۔ خدا حافظ

امام سجادؑ نے فرمایا۔ یزید دوسری بات یہ ہے کہ اگر تو نے میرے قتل کا ارادہ کر لیا ہے تو پھر کسی ایسے شخص کو مقرر کرنا جو زہراؑ زادیوں کو مدینہ پہنچا دے۔

یزید نے کہا۔ یہ کام تو ہی کرے گا۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ تیسری خواہش یہ ہے کہ کربلا میں ہمارا جو سامان لوٹا گیا ہے واپس کر دے۔

یزید نے کہا سامان کا معاوضہ جو چاہو لے لو۔

آپ نے فرمایا۔ ظالم تجھے کیا معلوم کہ ہمارے سامان میں ایسی چیزیں بھی ہیں جن کی قیمت پوری کائنات بھی نہیں ہو سکتی۔

یزید نے پوچھا۔ وہ کیا ہے!

آپ نے فرمایا۔ ایک فاطمہ بنت محمد رسول اللہ کا چرخہ ہے۔ دوسرا بنت رسول کا مقنع ہے۔ تیسرا جناب خدیجہ کا وہ ہار ہے جو اس نے اپنی بیٹی بتولؑ کے لیے منظور کر دیا تھا۔ اور چوتھا مظلوم رسول کا قمیص ہے۔

یزید نے تمام مطلوبہ سامان کو نقد اضافہ کے ساتھ واپس کیا آپ نے نقد رقم لے کر وہیں فقرائے شام میں تقسیم کر دی۔

یزید نے بشیر ابن جذلم کو کچھ سپاہی دے کر حکم دیا کہ آل محمد کو امان کے ساتھ مدینہ پہنچائے۔

مدفن سر مظلوم کربلا :

سرِ مظلوم کربلا کے سلسلہ میں اہل سنت مورخین ہوں یا اصحاب آئمہ اہل بیت ان کی روایات میں شدید اختلاف ہے اور یہ فیصلہ کرنا انتہائی مشکل ہے کہ کون سی روایت درست ہے اور کون سی غلط ہم قارئین کے سامنے ان تمام روایات میں بعض معروف ترین روایات پیش کیے دیتے ہیں۔

شام میں :

۱۔ منصور ابن جمہور سے مروی ہے کہ میں یزید کے بیت المال میں گیا۔ دیگر مخصوص اشیاء کے علاوہ میں نے ایک سرخ رنگ کا ٹوکرا دیکھا۔

اپنے غلام سلیم سے کہا۔

اسے حفاظت سے رکھنا یہ بھی ایسے کے قیمتی مال میں سے ایک ہے۔

غلام نے ٹوکرا کھولا تو اس میں غریب مدینہ جناب کا سر تھا۔

جمہور نے غلام کو حکم دیا کہ کپڑا لے آ۔

غلام کپڑا لایا۔ جمہور نے سر کو اس میں لپیٹ کر باب الفرادیس کے قریب دفن کر دیا۔ اس جگہ کو مشہد الکریم کہا جاتا ہے۔ ایام حج میں دور دور سے زائرین آتے ہیں اور اس جگہ کی زیارت کرتے ہیں۔

۲۔ ابن ابی دنیا نے بھی یہی لکھا ہے۔

۳۔ بلاذری کے نزدیک بھی سرِ مظلوم دمشق میں ہے۔

۴۔ واقدی کے مطابق بھی سرِ مظلوم دمشق میں مدفون ہے۔

۵۔ حافظ ابو العلا کے مطابق عبدالملک ابن مروان نے اپنے دورِ حکومت میں دمشق میں دفن کیا تھا۔

۶۔ التبر المذاب میں مقام دفن کا تعین تو نہیں ہے۔ البتہ عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے مروی ہے کہ جب سرِ مظلوم کربلا ابن زیاد کو پیش کیا گیا اور اس نے دیکھا کہ سر بھی طرح کٹا ہوا نہیں ہے۔ اس نے حجام کو بلا کر اسے درست کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ حجام نے کٹے ہوئے گلے کے بڑے چھوٹے مقامات کو برابر کیا۔ سرِ مظلوم سے جدا کردہ پارہ ہائے گوشت حجام نے علیحدہ جمع کیے۔

عمرو ابن حریث نے کہا۔ ابن زیاد تم نے سرِ مظلوم کے ساتھ جو سلوک کرنا تھا کر لیا۔ خدا معلوم یہ مظلوم کتنی مرتبہ شہید کیا گیا ہے۔ مجھے تو صرف اس سر کی ضرورت ہے یہ چھوٹے چھوٹے پارہ ہائے گوشت سب مجھے دے دے۔

ابن زیاد نے کہا تو کیا کرے گا۔

عمرو نے کہا۔ یہ بعد میں بتاؤں گا۔

ابن زیاد نے کہا۔ سر سے میرے کس کام کے ہیں۔

عمرو نے حرم مظلوم کے ان مکشان کو اپنی محل میں رکھا۔ گرایا۔ مشک وعنبر سے غسل دے کر اپنے گھر میں دفن کر دیا۔

مدینہ میں :-

۱۔ شعبی کے مطابق ابن مروان کہ مدینہ تھا اس نے جناب فاطمہ زہراؑ کے پہلو میں دفن کرایا۔

۲۔ ابن جوزی کے مطابق سید ابن عباس نے دختر رسول کے مزار کے ساتھ دفن کیا۔

نجف اشرف میں :-

۱۔ کامل الزیارۃ میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ نجف اشرف میں مدفون ہے۔

۲۔ فرحۃ الغری کے مطابق امام صادقؑ سے مروی ہے کہ نجف اشرف میں مدفون ہے۔

کربلا میں :-

۱۔ ابن جوزی کی ایک روایت کے مطابق کربلا میں مدفون ہے۔

۲۔ بحار میں روایت ابن مخنف کی روایت کے مطابق کربلا میں مدفون ہے۔

شام سے کربلا :-

منتخب طریحی کے مطابق ماتم کے آٹھویں دن یزید نے اسیران آل محمد کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ (یہ نکتہ بالخصوص قابل غور ہے کہ سرکار طریحی نے ماتم کے آٹھویں دن کی تعیین کی ہے۔ میرے خیال میں یہی وہ مقام ہے جہاں بعض معاصرین یا متقدمین کو یہ اشتباہ ہوا ہے کہ کل مدت زندان شام سات دن تھی اور آٹھویں دن رہائی مل گئی۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ کیونکہ صاحب ریاض الاحزان کے مطابق اسیران آل محمد شام میں پہنچے ہیں۔ ۲ ربیع الاول کو تھے۔ حقیقتاً ممکن ہے یہ آٹھواں دن ان سات دنوں کا آٹھواں ہے جو اہلبیت کے مطالبہ پر انہیں شام میں ماتم کے لیے دیئے گئے تھے۔ یہ دن قید کے کتنی مدت بعد ہے۔ اس کی تعیین احتمالات سے کی جا سکتی ہے۔ جن میں آل محمد کی کربلا میں واپسی ۲۰ صفر کو بتائی گئی ہے۔ یعنی سنہ ۶۱ھ کا ۲۰ صفر شام جاتے ہوئے کربلا میں آیا۔ اور سنہ ۶۲ھ کا ۲۰ صفر

ایک سال بعد کربلا میں آیا۔ اس کی تفصیلی بحث ہم نے معالی السبطین اور ریاض الاحزان کے ترجمہ میں کر دی ہے۔ شائقین ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ مترجم)۔

جب اسیران آلِ محمد یزید کے پیش کیے گئے تو یزید نے ثانیہ زہراؑ سے کہا۔

جو کچھ ہو چکا ہے سو ہو چکا ہے واپس نہیں پلٹایا جا سکتا۔ اب جتنی دولت چاہو میں دے دوں۔

ثانیہ زہراؑ نے فرمایا۔

یا یزید ما اقل حیاءك واصلب — اے یزید تو کتنا بے حیا اور سنگدل ہے کہ میرے بھائی
وجهك تقتل اخی و اهل بیتی وتعطینی — اور میرے اہل بیت کے خون کا عوض مجھے دولت دیتا ہے
عوضهم مالا والله لا كان ذلك ابدا۔ — بخدا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

ارشاد مفید کے مطابق اس کے بعد یزید نے بشیر ابن جذلم کو بلایا اور کہا۔ تو آلِ محمد کے ساتھ جا اور مدینہ تک پہنچا۔

بشیر ساربان کی صورت میں چلا۔ قافلہ کے آگے آگے چلتا تھا۔ جہاں قیام ہوتا وہاں اتنے فاصلہ پر دور جا بیٹھتا کہ اس کے کانوں پر مخدراتِ عصمت کی آواز نہ آئے۔

بشیر کے اس حسنِ سلوک کو دیکھ کر جناب فاطمہ بنت حسینؑ نے پھوپھی کی خدمت میں عرض کیا۔ اس کا رویہ ہمارے ساتھ اچھا ہے اسے کچھ انعام دیں۔

ثانیہ زہراؑ نے فرمایا۔ بیٹی ہمارے پاس سب کچھ لوٹ لیا گیا ہے۔ ہمیں جو اپنا تھوڑا بہت مال واپس ملا ہے اس میں چند ایک زیورات ہیں۔ یہی بشیر کو دیتے ہیں۔ چنانچہ جب بشیر کو زیورات پیش کیے گئے۔ تو بشیر نے عرض کیا میں جو کچھ کر رہا ہوں۔ صرف اور صرف اپنی آخرت کے لیے کر رہا ہوں۔ اور آپ کے جد امجد کی شفاعت چاہتا ہوں۔

ان زیورات کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔

جب قافلہ آلِ محمد اس دوراہے پر پہنچا۔ جہاں سے ایک راستہ کربلا کو اور ایک مدینہ کو جاتا تھا تو بشیر نے پوچھا کس راہ پر چلنا ہے۔

مخدراتِ عصمت نے کہا۔ پہلے کربلا جائیں گے۔ ۲۰ صفر سنہ ۶۱ھ کو قافلہ کربلا پہنچا۔ وہاں جابر ابن عبداللہ انصاری اور بنی ہاشم کے کچھ افراد موجود تھے۔ تین دن تک کربلا میں ماتم ہوتا رہا چوتھے دن روانگی ہوئی۔ ثانیہ زہراؑ نے ان اشعار سے الوداع کیا۔

الا یا کربلا نودعك جسما — اے کربلا ہم ایسے مظلوم تیرے حوالے کر کے
بلا كفن ولا غسل فيها — جا رہے ہیں جو بلا غسل و کفن دفن کیے گئے ہیں

الا یا کربلا نودعک روحا	اے کربلا! ہم اپنی روح تیرے سپرد کر کے جا رہے ہیں
لاحمد والوصی مع الامینا	جو احمد مجتبیٰ، علی مرتضیٰ اور جبرئیل امین کا سکون دل تھا۔

کربلا سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے جب مدینہ کے باہر پہنچ گئے تو امام سجادؑ نے بشیر کو خیام نصب کرنے کا حکم دیا

جب خیام نصب ہو گئے تو آپ نے بشیر سے فرمایا۔

تیرا باپ بڑا اچھا شاعر تھا تو بھی اشعار کہہ لیتا ہے!

بشیر نے عرض کی۔ قبلہ میں کچھ کچھ تک بندی کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ پھر جا کر اہل مدینہ کو ہماری آمد سے مطلع کر دے۔

بشیر کہتا ہے میں مدینہ میں گیا۔ اور اہل مدینہ کو اطلاع دیتے ہوئے روضہ رسولؐ پر پہنچا۔ وہاں کھڑے ہو کر میں نے بتایا۔

لوگو مدینہ شہر کے سردار آ گئے

شہ کربلا کے عابد بیمار آ گئے

میں نے دیکھا جوں ہی میری آواز پہنچی گلی کوچوں میں عورتیں اور مرد بچے اور بوڑھے اپنے اپنے گھروں سے نکل کر روتے پیٹتے روضہ رسولؐ پر جمع ہونے لگے۔ جب کافی لوگ جمع ہو گئے تو میں نے بتایا کہ بیرون شہر امام سجادؑ خیمہ زن ہیں۔ لوگ گروہ در گروہ بیرون مدینہ دوڑنے لگے۔ مستورات کھلے سر ننگے پاؤں اور سر پیٹتی ماتم کرتی بھاگتی آنے لگیں۔

بعض کتب کے مطابق جناب ام المومنین ام سلمہ بیمار دختر حسینؑ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئیں۔ میں دیکھ رہا تھا۔

ام المومنین نے ایک ہاتھ میں خون سے بھری شیشی تھامی اور دوسرے ہاتھ میں جناب فاطمہ صغریٰ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا

میں گھوڑے کو ایڑ لگا کر جب امام سجادؑ کے پاس آیا تو ایسے معلوم ہوا کہ پورا مدینہ خالی ہو گیا ہے۔ اور تمام اہل مدینہ مجھ سے پہلے امام سجادؑ کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ بڑی مشکل سے میں جناب سجادؑ تک پہنچا۔

جب ام المومنین ام سلمہ اور جناب فاطمہ صغریٰ ان خیام میں پہنچیں تو ماتم کا ایسا کہرام مچا کہ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے زمین کانپ رہی ہے۔

امام سجادؑ اس خیمہ سے باہر آ کر بیٹھ گئے۔ آپ کے ہاتھ میں رومال تھا جس سے آنسو خشک کر رہے تھے۔

جناب محمد حنفیہ گھوڑے پر سوار کہیں گئے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے دور سے مختصر خیام دیکھے تو سمجھ گئے کہ واپس آنے والی مستورات ہیں۔ یہ خیال کرتے ہی غش کھا کر گھوڑے سے زمین پر آنے لگے غلام نے سنبھال کر زمین پر لٹایا اور دوڑ کر جناب سجادؑ کے پاس آ کر عرض کیا۔

آقا چچا کی خبر لیجئے۔

جناب سجادؑ تڑپ کر اٹھے۔ چچا کے پاس آئے۔ پانی کے چھینٹے مارے۔ جونہی جناب محمد نے جناب سجادؑ

کو دیکھا۔ گلے سے لگایا۔ اور پوچھا کون کون آیا ہے؟

جناب سجادؑ نے فرمایا۔ چچا مردوں سے میرے سوا کوئی نہیں آیا۔ بچوں سے ایک باقرؑ اور چند دوسرے بچے رہ گئے ہیں۔

جناب محمد پر غش کی حالت طاری ہو گئی۔

جب افاقہ ہوا تو امام سجادؑ نے حوصلہ دیا۔ بہلا دے کے خیام تک لائے۔

یہاں سے قافلہ اہل محلہ اہل مدینہ کے ساتھ مدینہ میں آیا۔

مدینے کے در و دیوار کو دیکھ کر جناب ام کلثوم زینب نے ایک طویل مرثیہ پڑھا جس میں کربلا سے لے کر شام تک کے تمام واقعات دہرائے۔

تمام اہل بیت سب سے پہلے روضۂ رسول پر آئے۔ بنت زہرا دو ہاتھ پھیلا کر دیوار پر کھڑی ہو گئیں ایک ہاتھ ضریح کے دائیں جانب دوسرا بائیں جانب کیا اور عرض کیا۔

نانا دیکھا زینب آپ کے پیارے جگر حسینؑ کی خبر شہادت کے سوا کچھ نہ لا سکی۔

نانا یہ غموں کی ماری آپ کو پرسہ دینے کے لیے زندہ بچ گئی۔

اس کے بعد بی بی نے کربلا سے شام تک ایک ایک واقعہ بیان کیا۔ مزار رسول کانپ گئی۔ پھر ایک ایک بی بی آگے بڑھ کر مزار رسول کو گلے لگا کر پرسہ دینے لگی۔ آخر میں جناب سجادؑ نے مزار رسول کو گلے لگا کر پرسہ دیا۔

روضۂ رسول کے بعد اہل بیت مزار جناب زہراؑ اور مزار امام حسنؑ پر آئے۔ ہر بی بی نے اپنا دکھ سنایا اور پرسہ دیا۔

جناب رباب کو مدینہ واپسی کے بعد کسی نے سایہ میں بیٹھا ہوا نہیں دیکھا۔

تمام مرد تعزیت کے لیے امام سجادؑ، جناب عبداللہ ابن جعفر طیار اور حسن مثنیٰ کے پاس آتے تھے۔ اور خواتین مدینہ جناب ام المومنین ام سلمہ۔ جناب ام البنین۔ جناب زینب خاتون اور جناب رباب کے پاس پرسے کے لیے آتی تھیں۔

امام صادقؑ سے مروی ہے کہ جناب سجادؑ چالیس برس تک غم شہدائے کربلا میں خون کے آنسو روتے رہے۔

ارض و سما، جن و ملک اور شمس و قمر کا گریہ

کامل الزیارۃ میں زرارہ سے مروی ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا ہے کہ۔
شہادت مظلوم کربلا پر آسمان چالیس دن خون برساتا رہا ہے۔
زمین چالیس دن خون اگل کر روئی۔
سورج چالیس دن تک خون کی مانند سرخ گرہن زدہ رہا۔
چالیس دن بے نور ہو کر رویا۔
ملائکہ چالیس دن مظلوم کی قبر پر روئے۔
ہماری کسی عورت نے ابن زیاد کا سر آنے تک مہندی بالوں میں کنگھی کی اور نہ سیاہ لباس اتارا۔
نگاہ قدرت میں سب سے زیادہ وہی آنکھ محبوب ہے جو غم حسینؑ میں روئے۔
جو بھی غم حسینؑ میں روتا ہے جناب سیدہ زہراؑ اور دختر رسولؐ اسے یہ کہہ کر دعا دیتی ہیں کہ تو نے ہمارے غم کو اپنا غم سمجھا ہے۔
قیامت کے دن ہر آنکھ اشکبار ہوگی۔ لیکن غم حسینؑ میں رونے والی آنکھ خوش ہوگی۔
قیامت کے دن ہر شخص اپنے حساب کے سلسلے میں فکر مند ہوگا لیکن عزادار اپنے حساب سے مطمئن ہوں گے حتیٰ کہ جنت ان کی مشتاق ہوگی۔ ملائکہ آکر کہیں گے آئیں جنت میں
عزادار جواب دیں گے ہماری جنت تو عزاداری حسینؑ تھی۔ آج ہمیں اپنے مظلوم آقا کی زیارت کا موقع ملا ہے اور تم جنت کا نام لے کر ہمیں مجلس شبیرؑ سے محروم کرتے ہو۔
کامل الزیارۃ میں ابو بصیر سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ آپ کا ایک فرزند آیا۔ آپ نے اسے گلے لگایا اور فرمایا۔
جو تمہیں حقیر کرے گا اللہ اسے حقیر کر دے گا۔
جو تم پر ظلم کرے گا اللہ اس سے انتقام لے گا۔
جو تمہاری رسوائی کی کوشش کرے گا اللہ اسے رسوا کرے گا۔
اللہ تمہارے قاتلوں پر لعنت کرے۔
ابو بصیر جب بھی مجھے ذریت حسینؑ کا کوئی بچہ نظر آتا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے تصویر کربلا آ جاتی ہے اور میں اپنے آنسو نہیں روک سکتا۔
کامل الزیارات میں ابو عمارہ سراج سے مروی ہے کہ ہم امام صادقؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا۔ شہادت

شہادت حسینؑ پر ارض و سما جن و ملک حور و بہشت ہر ایک نے گریہ کیا ہے۔ صرف تین چیزیں امام حسینؑ پر نہیں روئیں۔

ہم نے عرض کیا قبلہ وہ کون ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ سرزمین دمشق۔ سرزمین بصرہ۔ اور بنی امیہ

کامل الزیارہ میں ابو نضرہ سے مروی ہے کہ مجھے بیت المقدس کے متعدد باشندوں نے بتایا ہے کہ جس دن امام حسینؑ شہید ہوئے ہیں ہمیں اسی دن آپ کی شہادت کا پتہ چل گیا تھا۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ عراق اور بیت المقدس میں اتنا طویل سفر ہے اور تمہیں اسی دن کیسے پتہ چل گیا تو انہوں نے بتایا کہ بیت المقدس کے پورے علاقہ کی زمین خون اگلنے لگی تھی۔

کامل الزیارۃ میں صفوان جمال سے مروی ہے کہ میں ایک سفر حج میں امام صادقؑ کے ساتھ تھا۔ آپ بڑے غمگین جا رہے تھے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ کیا وجہ ہے کہ آپ اس قدر غمگین ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ صفوان جو کچھ میں سن اور دیکھ رہا ہوں اگر تو بھی سن اور دیکھ سکتا تو بھی میری طرح ہی غمزدہ ہوتا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا۔ یہ جن و وحوش اور طیور و پرندے سب غم حسینؑ میں روتے ہیں۔ ایک دوسرے کے سامنے قتل مظلوم کربلا کا ذکر کرتے ہیں۔ ملائکہ روتے ہیں۔ زمین روتی ہے۔ درخت روتے ہیں۔ جب یہ سب کائنات میرے دادا کے غم میں سوگوار ہے اور میں سن اور دیکھ رہا ہوں۔ بھلا بتائیں کیسے خاموش رہ سکتا ہوں۔

کامل الزیارۃ میں ابو بصیر نے امام باقرؑ سے روایت کی ہے کہ مزار غریب نینواؑ پر چار ہزار ملائکہ شب و روز گریہ و بکا اور ماتم و نوحہ خوانی میں مصروف رہتے ہیں۔

جو زائر آتا ہے یہ اس کا استقبال کرتے ہیں۔

اگر کوئی مریض ہو جائے تو اس کی عیادت کرتے ہیں۔

اگر کوئی فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرتے ہیں۔

بحار میں ہند بنت جون سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ سرور انبیاء ام معبد کے پاس آئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی تھے اور اس وقت آپ کا زہر آلود بکری والا معاملہ بڑا معروف تھا کہ بکری کے گوشت نے آپ کو بتایا تھا کہ آپ مجھے نہ کھائیں میں زہر آلود ہوں۔

آنحضورؐ نے خیمے کے اندر قیلولہ کیا۔ دن بڑا گرم تھا۔ جب کچھ ٹھنڈ ہو گئی۔ آپ اٹھے پانی منگوایا۔ وضو کیا اور

وہ برکت خانوادہ کی اس جگہ ملک کا پڑھنا بڑا عجیب تھا قبیلہ کے تمام بچے ارد گرد جمع ہو کر تماشہ دیکھنے لگے کیونکہ انہوں نے پہلے یہ کام نہیں دیکھا تھا۔

جب رات گزر گئی۔ دوسری صبح آپ اٹھے خیمہ کے قریب اوجہ نامی ایک درخت تھا آپ اس کے قریب بیٹھ گئے۔ آپ نے وضو اوجہ کے پاس بیٹھ کر کیا، وضو کا تمام پانی اوجہ کے گرد جمع ہو کر اوجہ کی جڑوں میں جذب ہو گیا۔

آپ نے فرمایا۔ یہ اوجہ ایک دن بڑا ہوگا اور بہت بڑی علامت ثابت ہوگا۔

آپ چلے گئے۔ دوسرے دن ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اوجہ کا وہ چھوٹا سا درخت، ایک بہت بڑا درخت بن چکا تھا۔

اس کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جو بھی دیکھتا حیرت کے مارے پاگل ہو جاتا۔ پھر تیسرے دن اس پر پھول آگئے۔ چوتھے دن پھل بن گئے اور پانچویں دن سے پھل پک گئے۔ ہر طرف اوجہ کے قصے بیان ہونے لگے لوگ دور سے چل کر دیکھنے کو آتے تھے۔ اس کے پھل کا رنگ سرخ تھا۔ ذائقہ عنبر جیسا تھا اور شیرینی شہد جیسی تھی۔

اگر کسی بھوکے نے کھایا تو سیر ہو گیا۔

اگر پیاسے نے کھایا تو سیراب ہو گیا۔

اگر بیمار نے کھایا تو شفایاب ہو گیا۔

اگر غریب نے کھایا تو دولت مند ہو گیا

اگر صاحب حاجت نے کھایا تو حاجت پوری ہو گئی۔

بلا امتیاز حیوان و انسان جس نے بھی کھایا اس کی دنیا بدل گئی۔

ایک دن دیکھا تو اوجہ کا پھل گر گیا۔ پتے زرد ہو گئے۔ ہمیں رنج بھی ہوا اور حیرت بھی۔ چند دن بعد اطلاع آئی کہ سرور کونین وفات پا گئے ہیں۔

اس کے بعد اوجہ کے پھل کی مقدار، ذائقہ۔ اور لذت پہلے سے کم ہو گئے۔ ڈھائی ماہ گزرے تھے کہ ایک دن پھر اوجہ کی بہار خزاں میں بدل گئی۔

دو دن بعد معلوم ہو گیا کہ بنت رسولؐ شہید ہو گئی ہے

اوجہ کے پھل کے حجم، مقدار، ذائقہ اور لذت میں پھر کمی آ گئی۔ تیس برس تک یہ سلسلہ رہا۔ ایک دن پھر اوجہ خزاں رسیدہ ہو گیا۔ پھل اور پتے پہلے سے بہت زیادہ کم ہو گئے۔ کچھ دن بعد پتہ چلا کہ حضرت علیؑ شہید ہو گئے ہیں۔

دس برس بعد خزاں کا ایک اور جھونکا آیا۔ جس نے درخت کو بالکل کمزور کر دیا۔ کوئی کونپل، پتہ اور کوئی کونپل پھل نہ رہ گیا۔ پتہ چلا امام حسنؑ شہید ہو گئے ہیں۔

دس برس بعد ایک دن بعد از عصر تو بوٹے کے تمام پتے سرخ ہو گئے۔ شاخوں سے خون پھوٹنے لگا۔ تنے سے خون بہنے لگے۔ یہ دیکھ کر تو تمام قبیلہ کی جان نکل گئی کہ کوئی بہت بڑا حادثہ رونما ہو گیا ہے۔ کچھ دن بعد پتہ چلا مظلوم کربلا شہید ہو گئے ہیں۔

معذب قاتلان شبیر

بددعائے نبیؐ:

بحار، طبقات اور مسلم سے مروی ہے کہ آسمانوں کے ملائکوں میں سے کوئی ایسا ملک نہیں ہے جس نے نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو شہادت مظلوم کربلا پر پرسہ دیا ہو۔ اور ہر ملک نے آنحضورؐ کو واقعہ کربلا سنایا۔ ہر ملک کے سامنے نبی اکرمؐ نے فرمایا۔

اللھم اخذل من خذلہ۔ — اے اللہ جنہوں نے میرے حسینؑ کو دھوکا دیا ہے انہیں رسوا کر۔

واقتل من قتلہ۔ — جنہوں نے میرے حسینؑ کو قتل کیا ہے انہیں قتل کر۔

واذبح من ذبحہ — جنہوں نے میرے حسینؑ کو ذبح کیا ہے انہیں ذبح کر

لاتمتعہ بما طلب۔ — قتل حسینؑ پر جس نے جو جو انعام لیا ہے اس سے انہیں فائدہ نہ اٹھانے دے۔

لاکھوں کی تعداد میں جب نبی کریمؐ سے یہ بددعا کی تو کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ نے آپ کی اس دعا کو شرف قبولیت نہ بخشا ہو۔

یقیناً آپ کی دعا قبول ہوئی ہے اور قاتلین حسینؑ میں سے کوئی بھی زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہا۔

انجام یزید:

رات کو شراب پی کر سویا۔ صبح کو مرا ہوا پایا گیا۔ جسم یزید اس طرح سیاہ تھا جیسے تارکول کا پلستر کیا گیا ہو۔

یزید کے علاوہ بھی جتنے قاتل کربلا تھے انہیں اپنے اپنے مظالم کے مطابق سزا ملی ہے۔ بعض کی تو نسلوں تک سلسلہ سزا چلتا رہا ہے۔ یعنی کچھ ایسے بچے تھے جنہیں برص یا جذام ہوا اور پھر یہ مرض ان کی نسلوں میں منتقل ہوتا رہا۔

عبیداللہ ابن زیاد:

امالی صدوق کے مطابق۔

سینکڑوں افراد نے اس وقت ابن زیاد کا سر دیکھا جب اس کا کٹا ہوا سر رکھا تھا۔ ایک سانپ آیا۔ سانپ اگرچہ جسم میں چھوٹا تھا لیکن اس میں دہشت اتنی تھی کہ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا گیا لوگ از خود پیچھے ہٹتے گئے۔ عبیداللہ کے جسم پر پاؤں کی طرف سے چڑھا۔ جس جگہ سے گزرتا گیا وہ کوئلہ کی طرح سیاہ ہوتی گئی۔ ناک کے ایک نتھنے سے سر میں داخل ہوا اور دوسرے نتھنے سے نکل گیا۔

عمر ابن سعد:

بحار کے مطابق فرزند رسولؐ نے عمر سعد سے فرمایا تھا کہ تجھے عراق کی گندم نصیب نہ ہوگی۔ اس وقت تو عمر نے مذاق میں ٹال دیا اور کہا۔ کوئی حرج نہیں میں جو پر گزارا کروں گا لیکن جب مختار نے اسے واصل جہنم کیا تو اسے پتہ چلا کہ صادق فرزند رسولؐ نے سچ فرمایا تھا۔

مجالس میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ جب دشمن اہل بیت کا وقت وفات قریب آتا ہے تو ملک الموت کے ساتھ رسول کریمؐ بھی تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

یہ میرے اہل بیت سے بغض رکھتا تھا۔ اب اسے آخرت کے پہلے دن ہی سے بغض اہل بیت کا انجام معلوم ہو جانا چاہیے۔

چنانچہ ملک الموت آگے بڑھ کر مرنے والے سے پوچھتا ہے۔

بندہ خدا کیا تو نے برات نامہ لے لیا ہے!

کیا تو نے عصمت کبریٰ سے تمسک کیا تھا!

مرنے والا کہتا ہے وہ کیا ہے مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔

ملک الموت کہتا ہے ولایت علیؑ کا نام برات نامہ ہے۔

اب بتا کیا تو محبان علی سے تھا۔

مرنے والا کہتا ہے اگر ولایت علیؑ کا نام برات نامہ ہے تو پھر میں اس سے تہی دست ہوں کیونکہ میں تو دشمنان علیؑ سے تھا۔

ملک الموت کہتا ہے۔

اے دشمن خدا! پھر غضب جبار اور عذاب جہنم کے لیے تیار ہو جا۔ جس کی تجھے امید تھی وہ تیرے ہاتھ سے نکل گئی ہے اور جس جہنم سے ڈرتا تھا وہی تیرا مقدر ہے۔

اس کے بعد ملک الموت اس سختی سے قبض روح کرتا ہے کہ وہ تڑپ تڑپ جاتا ہے۔ داروغہ جہنم کی طرف سے سو ایسے اژدہا مقرر کر دیئے جاتے ہیں جو اس کے منہ پر تھوکتے ہیں۔ جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو جہنم کی طرف سے ایک دروازہ کھلوایا جاتا ہے۔ جس کی تپش سے یہ قبر ہی میں جلتا رہتا ہے۔

عوالم میں ہے کہ عمر سعد کو جب بعد از قتل گھر لایا گیا تو وہ بندر کی صورت میں مسخ ہو چکا تھا۔ اور گھر والوں نے اسے پہچاننے تک سے انکار کر دیا تھا۔

مناقب میں خالد سے مروی ہے کہ میں ابو جاد معاندی کے پاس بیٹھا تھا۔ باتوں باتوں میں ذکر اہل بیت چل نکلا۔ ابو جاد نے کہا ایک بات یاد رکھنا اپنی زندگی میں جب کبھی ذکر اہل بیت کرو تو اچھے الفاظ سے کرنا۔ ورنہ نہ دنیا رہے گی نہ آخرت۔

کنز المذکرین میں شعبی سے منقول ہے کہ میں بیت اللہ کی حج کو گیا۔ دوران طواف ایک شخص کو دیکھا جس نے غلاف کعبہ ہاتھوں سے پکڑا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا۔

بار الہا مجھے معاف کر دے۔ لیکن میں جانتا ہوں تو نہیں بخشے گا۔

میں نے کہا بندہ خدا کیا کہتا ہے۔ بیت اللہ ہے۔ برکت کا دن ہے۔ اور تو ایسی بے ہودہ بات کر رہا ہے؟! ایسا کون سا گناہ ہے جس کی وجہ سے تو رحمت الہیہ سے مایوس ہے؟

اس نے کہا۔ ہم پچاس آدمی سر مظلوم حسینؑ کو لے کر شام کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ بالعموم ہم شراب پی کر سر شام ہی سو جاتے تھے۔ ایک رات میں نے اتفاقاً شراب نہ پی۔ میرے دوسرے ساتھی سو گئے۔ میں جاگ رہا تھا۔ میں نے آسمان سے ایک سفید بادل اترتے دیکھا۔

اس بادل سے بہت سے لوگ نیچے اترے۔

میں نے ایک شخص سے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟

اس نے بتایا کہ تمام انبیاء نبی اکرمؐ کو شہادت حسینؑ پر تعزیت کے لیے آئے ہیں۔

میں نے کہا۔ آنحضورؐ کہاں ہیں۔

اس نے بتایا۔ وہ ابھی دوسرے بادل میں تشریف لا رہے ہیں۔

اتنے میں دوسرا بادل نازل ہوا۔ میں نے آنحضورؐ کو بادل سے اترتے دیکھا۔ آپ کا گریبان چاک تھا۔ سر میں خاک تھی آستین چڑھی ہوئی تھیں، آنسو بہہ رہے تھے آپ کے دائیں بائیں چند نورانی افراد تھے۔ اور آپ کے عقب میں ایک انتہائی ہیبت ناک شخص تھا۔

میں نے اس سے پوچھا۔ آنحضورؐ کے ساتھ کون ہیں۔

اس نے کہا۔ دائیں جبرئیل ہے بائیں میکائیل ہے اور عقب میں ملک الموت ہے۔

میرے دیکھتے دیکھتے ملک الموت نے آگے بڑھ کر میرے سوئے ہوئے انچاس ساتھیوں کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔

یہ دیکھ کر میں فورا دوڑ کر آنحضورؐ کے قدموں سے لپٹ گیا الامان الامان یا رسول اللہ کہا۔ میں نہ تو شریک قتل تھا اور نہ ہی قتل حسینؑ پر راضی تھا۔

آپ نے فرمایا۔ تجھ پر اللہ کی لعنت ہو جو کچھ میری ذریت کے ساتھ ہوتا رہا تو اسے دیکھتا تو رہا تھا۔

میں نے کہا۔ تو یہ جرم مجھ سے ہوا ہے

آپ نے ملک الموت سے فرمایا۔

اسے چھوڑ دے آخر ایک دن اسے مرنا ہی تو ہے اسے زندہ چھوڑ دے تاکہ دوسرے قاتلان حسینؑ کو جا کر بتائے کہ تیرے ساتھیوں کا کیا انجام ہوا ہے!

اب بھلا آپ خود بتائیں جسے نبی کریمؐ نے خدا ناراض کر دیا ہو اس کی بخشش کی کون سی صورت رہ جاتی ہے۔

ظرف میں ابن طاؤس نے ابی رباح سے روایت کی ہے کہ میں نے ایک شخص کو نابینا دیکھا تو اس سے وجہ پوچھی۔

اس نے بتایا کہ میں ان دس بدبختوں میں سے ہوں جنہوں نے قتل فرزند رسولؐ کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے میں نے نہ تو آپ پر تلوار سے کوئی وار کیا تھا نہ تیر و نیزہ سے۔

میں نے پوچھا۔ پھر کیا وجہ ہوئی۔

اس نے کہا کربلا سے واپسی کے بعد میں بالکل تندرست بستر پر سویا۔ عالم خواب میں ایک شخص آیا۔ اور اس نے کہا۔ چل تجھے رسول عالمینؐ بلاتے ہیں۔

میں نے کہا۔ مجھ سے رسولؐ کو کیا لینا ہے؟ مجھے کیوں بلاتے ہیں۔!

اس نے میرے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور کھینچ کر لے گیا۔

میں نے آنحضور کو دیکھا ایک صحرا میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آستین چڑھی ہوئی تھیں۔ بال پریشان تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک چھری تھی اور سامنے خون سے پر ایک طشت رکھا تھا۔ ان کے سامنے ایک ملک کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ میں نے دیکھا میرے دوسرے ساتھی تو پہلے سے آپ کے سامنے موجود ہیں۔ میرے پہنچنے کے بعد آپ نے اس ملک کو انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔ آج تک وہ دہشتناک منظر میرے ذہن سے نہیں مٹتا۔ جونہی ملک تلوار سے وار کرتا اس کے جسم سے آگ کا ایسا شعلہ لپکتا تھا جس سے مضروب جل کر راکھ ہو جاتا تھا۔

میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔

کچھ دیر بعد فرمایا۔

اے دشمن خدا! تو نے میری ذریت کو قتل کیا ہے۔ میرے حرم لوٹے ہیں۔ تجھے مجھ سے شرم تک نہ آئی۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! میں نے تیر تلوار، نیزہ اور پتھر کسی بھی چیز سے آپ کی ذریت کو اذیت نہیں دی۔

آپ نے فرمایا۔ کیا تو نے فوج یزید میں ایک آدمی کا اضافہ بھی نہیں کیا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ یہ جرم تو ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میرے قریب آ۔

میں غیر اختیاری طور پر آگے بڑھا۔

انہوں نے طشت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔

یہ دیکھ یہ میرے حسین کا خون ہے۔ پھر ایک سلائی ڈبو کر میری دونوں آنکھوں میں پھیر دی۔ جب جاگا تو یہی حالت میں تھا جو اب تم دیکھ رہے ہو۔

حکایت مروی ہے کہ ایک اندھا اور ہاتھوں سے محروم شخص غلاف کعبہ سے معلق ہو کر گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا۔

طواف کرنے والوں میں سے ایک نے اس سے کہا۔ جناب ابھی تجھے گناہوں کی معافی مانگنے کی ضرورت ہے معلوم کہ وہ کونسی قسم ہے جو تجھے نہ ملی ہو۔

اس نے جواب دیا۔ تم نے صرف میری یہ مصیبت ہی دیکھی ہے میرے کرتوت سے واقف نہیں ہو اگر تمہیں میرے گناہوں کا پتہ چل جائے تو تم خود کہو گے ابھی سزا کچھ بھی نہیں۔

بہت سے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور پوچھا۔

آخر تمہارا ایسا کون سا جرم ہے جو تو نے کیا ہے؟

اس نے جواب دیا۔ میں قاتلان فرزند رسول میں شریک کر رہا تھا۔ جب تمام لوگ فرزند رسول کے لاشہ سے لباس

اتار کرنے لگے تو میں نے دیکھا ایک بیش قیمتی ہوئی شلوار اور ایک کمربند بندھا ہوا تھا۔ کمربند کافی قیمتی تھا۔ اس میں کافی گرہیں دی گئی تھیں۔ میں نے کمربند لینے کی خاطر گرہیں کھولنا شروع کیں جب آخری گرہ کھولنے لگا تو مظلوم کربلا کا دایاں ہاتھ کمربند پر آگیا۔ پہلے تو میں نے ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی جب ہاتھ نہ اٹھا تو مجھے ایک ٹوٹا ہوا خنجر مل گیا میں نے اس کے ذریعہ بڑی مشکل سے مظلوم زہراؑ کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹ کر ایک طرف رکھا پھر میں نے کمربند کھولنا چاہا تو بایاں ہاتھ گرہ پر آگیا۔

میں نے بائیں ہاتھ پر بھی خنجر کے وار شروع کیے

جب وہ بھی کلائی سے کٹ گیا اور میں نے کمربند کھولنے کا ارادہ کیا۔ تو زمین میں زلزلہ کے جھٹکے آنے میں ذرا سا گھبرا گیا۔ پھر سیاہ آندھی چلنے لگی۔ میں پریشان ہو گیا۔ اسی اثناء میں آسمان سے کوئی چمکتی ہوئی چیز نازل ہوئی میں بھاگ کر لاشوں میں چھپ کر دبک گیا۔ میں نے دیکھا آسمان سے اترنے والا بادل نما روشن چیز سے نبی کریمؐ، حضرت علیؑ، امام حسنؑ اور ایک مستورہ جس نے سیاہ برقعہ پہن رکھا تھا، باہر آئے۔ دختر رسولؐ لاش مظلوم کے پاس آئیں۔ ایک ایک گھٹے کا بوسہ دے کر پوچھا۔

بیٹے تو اتنا غریب ہو گیا تھا کہ تجھے پانی تک کسی نے نہ دیا۔ میرے لال تجھے کس کس نے شہید کیا ہے؟

میں اپنے کانوں سے سن رہا تھا۔ امام حسینؑ نے فرمایا۔ اماں میں کس کس کا نام بتاؤں۔ کربلا میں موجود فوج یزید میں سے ہر شخص نے مقدور بھر میرے قتل میں حصہ لیا ہے۔ جس کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا اس نے تیر مارے ہیں۔ پتھر نہ مل سکا تو انہوں نے مٹی میں ریت اٹھا کر مجھ پر پھینکی ہے۔ البتہ میرا سر جسم سے شمر نے اور دونوں ہاتھ اس شخص نے ابھی ابھی جدا کیے ہیں جو ان لاشوں میں سو رہا ہے۔

بخدا! میں وہ منظر کبھی نہ بھولوں گا جب بنت زہراؑ نے منہ پر نقاب ڈال کر میری طرف توجہ کی اور انتہائی غم زدہ آواز میں کہا۔

قطع اللہ یدیک ورجلیک واعمی بصرک وادخلک النار۔

اللہ تیرے ہاتھ پاؤں قطع کرے تجھے اندھا کرے۔ اور آگ تجھے نصیب کرے۔

میرے بیٹے سے یہ سلوک تو نے کیوں کیا ہے؟

میں گھبرا گیا۔ وہ سب چلے گئے۔ میں اٹھا تو میری آنکھیں بینائی سے محروم ہو چکی تھیں۔ اسی وقت میرے دونوں ہاتھ اور پاؤں میرے جسم سے جدا ہو کر گر گئے۔

اب صرف آگ رہ گئی ہے جو بی بی کی دعا میں سے باقی ہے۔

امالی طوسی میں مروی ہے کہ حجاج کے زمانہ میں ہم چند مسافر رات کی تاریکی میں چھپ کر فرزند زہراؑ کی زیارت کو کربلا آئے۔ وہاں ابھی تک صحرا ہی صحرا تھا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ ہم سوچ رہے تھے کہ رات کہاں گزاریں گے اسی اثناء میں ایک مسافر آ گیا۔ اس نے ہماری پریشانی دیکھ کر کہا۔ دریا کے کنارے دیکھو میرا خیال ہے وہاں ایک کٹیا ہے۔

ہم رات گزار سکتے ہیں۔

اس کے کہنے پر ہم نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں دیکھا تو ہمیں ایک جھگی سی نظر آ گئی۔ ہم وہاں آ گئے۔ کچھ تیل ہمارے پاس تھا، ہم نے چراغ بنایا اور تیل ڈال کر جلا دیا۔ باتیں ہونے لگیں۔ مختلف موضوعات تھے، بالآخر موضوع قاتلانِ حسین بن گئے۔

ہم نے کہا کہ جو لوگ مختار کی تلوار سے بچ گئے تھے اللہ نے انہیں مختلف عذابوں سے دوچار کر کے ہلاک کر دیا ہے۔

اس نو وارد نے کہا۔ اتنا بڑا جھوٹ نہ بولو۔ میں بھی قاتلانِ حسین میں سے ایک ہوں اور تمہارے سامنے صحیح و سالم بیٹھا ہوں۔

اس کی یہ بیباکی دیکھ کر ہم چپ ہو گئے۔ کچھ دیر چراغ کی لو مدھم ہوئی میں درست کرنے کو اٹھنے لگا۔ اس نو وارد نے کہا۔ آپ بیٹھیں میرے قریب ہے میں درست کیے دیتا ہوں۔ جونہی اس نے ہاتھ بڑھایا اس کے ہاتھ کو آگ لگ گئی۔ اس نے بجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن آگ نہ بجھی وہ دوڑتا ہوا اٹھا اور ہاتھ کو دریا میں ڈال دیا۔ وہ تو یوں معلوم ہوا جیسے پانی نہیں تیل تھا۔ ہاتھ ڈالتے ہی جلتے چھینٹے اڑ کر اس کے جسم پر جہاں جہاں گرے وہاں وہاں آگ لگ گئی اس نے خود کو دریا میں پھینک دیا۔ ہم کنارے پر کھڑے ہو کر تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ آگ پانی پر تیرتی جا رہی تھی جب وہ غوطہ لگاتا آگ سطحِ آب پر پھیل جاتی جونہی اس کا سر یا جسم کا کوئی حصہ پانی سے باہر نکلتا آگ لپک جاتی بالآخر ہم نے دیکھا کہ وہ ملعون جل کر کوئلہ ہو گیا اور بے جان ہو کر پانی کے ساتھ بہنے لگا۔

منتخب میں سدی سے مروی ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں بڑا پریشان بیٹھا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسا آدمی مل جاتا جو اپنی باتوں سے مجھے خوش کر دیتا

اتنے میں دق الباب ہوا، میں نے دروازہ کھولا، سامنے ایک مسافر کھڑا ہوا تھا، اس نے مجھ سے رات گزارنے کی اجازت طلب کی۔

میں دروازے سے ایک طرف ہو گیا اسے اندر آنے کو کہا۔ ماحضر پیش کرنے کے بعد باتیں شروع ہو گئیں۔ باتوں باتوں میں میدانِ کربلا کا تذکرہ چل نکلا۔

میں نے ایک سرد آہ بھری اور بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے چونکہ واقعہ کربلا کو اتنا زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اس لیے محبانِ آلِ محمد کے دلوں میں صدمہ کی حرارت باقی تھی۔

اس نے کہا۔ اے سدی تجھے کیا ہو گیا ہے۔

میں نے کہا۔ تو نے ایک ایسی درد بھری کہانی چھیڑ دی ہے جس کے مقابلہ میں کرۂ ارض پر آج تک کوئی دردناک واقعہ نہیں ہوا۔

اس نے پوچھا کیا تو واقعہ کربلا میں نہیں تھا؟

میں نے کہا۔ الحمدللہ میں نہیں تھا۔

اس نے کہا۔ کس بات پر اللہ کی حمد کر رہا ہے۔

میں نے کہا۔ اس بات پر کہ میں خونِ حسینؑ میں شریک نہ ہوا۔ کیونکہ میں نے نبی اکرمؐ سے مروی حدیث صحیح میں سنا ہے کہ قیامت کے دن جس شخص سے خونِ حسینؑ کا مطالبہ کیا گیا وہ ناقابلِ شفاعت ہوگا۔

اس نے کہا۔ کیا یہ حسینؑ کے نانا کا ارشاد ہے۔

میں نے کہا۔ ہاں۔

اور آنحضورؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرا حسینؑ بیٹا مظلوم شہید ہوگا۔ اور قاتلِ حسینؑ جہنم کے ایسے تابوت میں ہوگا جہاں اسے تمام اہلِ جہنم کے عذاب کا نصف صرف اسی کو ملے گا۔ قاتلِ حسینؑ دست بستہ ہوگا۔ اس کے جسم سے اٹھنے والی بدبو سے تمام اہلِ جہنم پناہ مانگیں گے۔

قتلِ حسینؑ پر ساتھ دینے والے۔ قتلِ حسینؑ پر بیعت کرنے والے۔ قتلِ حسینؑ پر تعاون کرنے والے اور قاتلِ حسینؑ کی وکالت کرنے والے تمام ایک زمرے میں ہوں گے جہنم میں ان کا جب ایک چمڑا جل جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا چڑھا دیا جائے گا۔

جہنم کا پیپ انہیں پینے کو دیا جائے گا۔

میرے مہمان ظالم نے کہا۔ بھیا یہ صرف بنائی باتیں ہیں۔ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

میں نے کہا۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آنحضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی مجھے کبھی جھٹلایا گیا ہے۔

اس نے کہا۔ آپ نے محمدؐ کی یہ بات بھی تو سنی ہوگی کہ قاتلِ حسینؑ کی عمر گھٹ جائے گی۔ جب کہ میں تیرے سامنے تندرست و توانا بیٹھا ہوں میری عمر نوے سے بڑھ چکی ہے۔

شاید تو مجھے نہیں پہچانتا۔

میں نے کہا۔ ہاں میں نے تجھے نہیں پہچانا۔

اس نے کہا۔ میں اخنس ابن زید ہوں۔

میں نے پوچھا تو نے کربلا میں کیا کیا تھا؟

اس نے کہا میں نے کربلا میں تین کام کیے تھے

پہلا کام یہ تھا کہ میں ان دس شہسواروں کا سالار تھا جنہیں عمر سعد نے جسمِ حسینؑ پر گھوڑے دوڑانے کا حکم دیا تھا۔ اب یہ تو دیکھنے والے ہی بتا سکتے ہیں کہ ہم نے نعل بند گھوڑوں سے کس طرح نواسہ رسولؐ کے جسم کو

پامال کیا تھا۔

دوسرا کام یہ کیا تھا کہ جب ہم نے خیام کو ہر طرف سے آگ لگائی تو میں نے فرزند حسینؑ علیؑ کے نیچے سے اس طرح بستر کھینچا تھا کہ بیمار خاک کربلا پر اوندھے منہ گر گیا تھا۔

اور تیسرا کام یہ کیا تھا کہ فاطمہ بنت حسینؑ کے کانوں کو میں نے گوشوارے اتارنے کی خاطر زخمی کیا تھا۔ اور جب میں نے گوشواروں کے کنڈے کو بے دریغ کھینچا تو بس اللہ ہی جانتا ہے کہ اس بچی کا کیا حال ہوگا۔ میں تو اسے زمین پر گرا ہوا عالم غشی میں چھوڑ کر آیا تھا۔

میرا دل یہ سب کچھ سن کر رونے لگا۔ میری آنکھوں سے آنسو بے ساختہ بہنے لگے۔ دل میں اس ملعون کو واصل جہنم کرنے کا ترکیب سوچنے لگا۔ اتنے میں چراغ کی لو دھیمی ہونے لگی میں گل کاٹنے کی خاطر اٹھا تو اس نے کہا۔ آپ بیٹھیں میرے قریب ہے میں ہی کاٹ لیتا ہوں۔ اس نے ہاتھ بڑھایا۔ جونہی ہاتھ لو کے قریب ہوا چراغ سے آگ کا شعلہ لپک کر اس کے ہاتھ سے چمٹا اس نے فوراً ہاتھ مٹی میں دبا دیا لیکن آگ نہ بجھی اس نے پکار کے کہا۔ بھیا میری مدد کرنا۔ چونکہ میرا مطلب تھا نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے پانی کا گلاس اس کے ہاتھ پر انڈیل دیا۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ پر پانی نہیں بلکہ تیل انڈیل دیا ہے۔ آگ کے شعلے بلند ہوگئے

اس نے چیخ کر کہا۔ یہ کیسی آگ ہے۔ اور کیسے بجھے گی۔

مجھے احساس ہوگیا تھا کہ اللہ نے میری دعا سن لی ہے اور اسے معذب کر رہا ہے۔

میں نے کہا۔ دریا میں چھلانگ لگا دے اس نے دریا میں چھلانگ لگائی۔ دریا میں جانے کی دیر تھی پھر تو آگ نے پانی میں اسے اس طرح گھیرا جیسے خشک لکڑی کو آگ لگا دی گئی ہو۔ چند منٹ میں کوئلہ بن کر پانی پر تیرنے لگا۔

کوفی لوہار

منتخب ہی میں کوفہ کے ایک لوہار سے مروی ہے کہ جب کوفی اور شامی فوجیں میدان کربلا میں جمع ہونے لگے جنگ کو جانے لگیں تو میں بھی اپنا سامان لے کر کربلا کی طرف چل دیا میں چونکہ تیر و سنان اور نیزہ و خنجر بنانے میں کافی معروف تھا اس لیے تمام لشکر میں میری شہرت ہوگئی اور میری آمد خاصی بڑھ گئی۔

سات محرم کو عمر سعد نے ذریت رسول کا پانی بند کر دیا۔ دس محرم کو فرزند رسول اپنے تمام انصار کے ساتھ شہید ہوگیا۔ بارہ محرم کو میں بھی دوسرے جہنمی لشکر کے ساتھ واپس آیا۔ کافی دولت جمع کر کے لایا تھا۔ پھر میں نے اتنا سنا کہ یزید کا حکم آیا ہے کہ قیدی اور سر شام بھیج دیئے جائیں۔ میں اپنے کام کے امور میں مصروف ہوگیا۔ ایک رات اپنے بستر پہ سو رہا تھا کہ عالم خواب میں میں نے دیکھا قیامت آگئی ہے۔ لوگ لکڑی کی طرح سے عرش پہ بیٹھے ہوئے ہیں

ہر شخص کی زبان پیاس کے مارے منہ سے نکل ہوئی لٹک رہی تھی میرے خیال میں اس پورے میدان میں مجھ سے زیادہ پیاسا کوئی نہ ہوگا۔ کیونکہ شدت پیاس سے میرے کان بند ہو چکے تھے اور آنکھوں سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ سورج کی گرمی اتنی قریب معلوم ہو رہی تھی کہ مجھے اپنا دماغ کھولتا ہوا لگتا تھا۔ زمین تانبے کی طرح لال انگارہ تھی مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے میری دونوں ٹانگیں میرے جسم کا بوجھ اٹھانے سے جواب دے رہی ہیں۔ شدت پیاس سے اس وقت میرا یہ عالم تھا کہ ۔ اگر اس وقت مجھے یہ اختیار دیا جاتا کہ تیرے جسم سے خون نکال کر تجھے پینے کو دیا جاتا ہے یا وہ قبول کرے یا یہ پیاس برداشت کرے تو یقیناً میں اپنے خون کے ایک ایک قطرہ کو پینا قبول کر لیتا۔ میں اسی عذاب الیم میں گرفتار تھا کہ اسی اثناء میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا نور پورے عرصہ محشر پر چھا گیا۔ گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کے گرد ہزاروں کی تعداد میں انبیاء اولیاء اور شہداء جمع تھے۔ وہ اس تیزی سے گزرے جیسے تیز آندھی چلتی ہے۔ ان کے بعد ایک اور شہسوار آیا جو سفید جیسی گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کی رکاب تھام کر چلنے والے ہزاروں افراد اس طرح چل رہے تھے کہ جہاں وہ رکنے کا حکم دیتا تھا رک جاتے تھے۔ اور جہاں وہ چلنے کا حکم دیتا تھا چل پڑتے تھے۔ اس کی ہیبت اس قدر تھی کہ اسے دیکھ کر دل لرز جاتا تھا۔ میں دل میں افسوس کرنے لگا کہ جو شخص پہلے گزرا ہے اس سے کچھ پوچھ لینا چاہیے تھا۔ لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا وہ شخص رکابوں کے سہارے گھوڑے پر اٹھ کر کھڑا ہوا اور اس نے اپنے اردگرد والوں کو حکم دیا۔ اسے پکڑ لو۔

حکم سنتے ہی چند افراد میری طرف دوڑے اور میرے کندھے پر آگ سے سرخ لوہے کی زنجیر ڈال دی اور مجھے ان کے حضور پیش کرنے کے لئے چلنے لگے۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے میرا بایاں کندھا ٹوٹ رہا ہے میں نے ان کی منت کی کہ یہ بوجھ ذرا ہلکا کر دے۔

اس نے بوجھ ہلکا کرنے کی بجائے اور بڑھا دیا۔

میں نے اس سے پوچھا۔

آپ کون ہیں؟ اور مجھے گرفتار کرنے کا حکم کس نے دیا ہے؟

اس نے کہا۔ میں ایک فرشتہ ہوں اور جس نے تیری گرفتاری کا حکم دیا ہے وہ حیدر کرار ہے۔

میں نے پوچھا۔ اس سے پہلے جو ہستی گزری تھی وہ کون تھی؟

اس نے جواب دیا۔ وہ نبی کریمؐ تھے۔

میں نے کہا۔ میں نے کون سا جرم کیا ہے۔ جس کی پاداش میں مجھے گرفتار کرنے کا حکم ملا ہے۔

اس نے جواب دیا۔

اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے یہ وہی جانتے ہیں جنہوں نے حکم دیا ہے۔ میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ تیرا انجام ان لوگوں جیسا ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جا رہے ہیں۔

اب جو میں نے دیکھا تو عمر سعد اور دیگر کچھ ایسے افراد تھے جنہیں میں نہیں جانتا تھا۔ آتشیں زنجیروں میں جکڑے ہوئے لائے گئے۔

نبی اکرمؐ کرسی پر تشریف فرما تھے۔ ایک ایک کو آپ کے سامنے لایا جاتا۔ آپ اس سے پوچھتے تو نے کیا کیا تھا۔ وہ کربلا میں اپنے مظالم بیان کرتا۔ آنحضورؐ بھی روتے اور آپ کے گرد بیٹھنے والے تمام دیگر انبیاءؑ بھی روتے۔ کوئی کہتا میں نے پانی بند کیا تھا۔ کوئی کہتا میں نے چادریں چھینی تھیں۔ کوئی کہتا میں نے عباسؑ کے ہاتھ قلم کیے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر ظالم اپنا ظلم بتاتا اور آپ حکم فرماتے اسے جہنم میں لے جاؤ۔

مجھے کچھ سہارا ہو گیا کیونکہ میں نے کربلا میں ذریت رسولؐ پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔ اتنے میں ایک بڑھئی کو لایا گیا اس نے بتایا کہ میں نے حصین ابن نمیر کے خیمہ کی طرف ایک چوب درست کی تھی جو آندھی سے ٹوٹ گئی تھی۔

آپ نے فرمایا۔ اسے بھی جہنم میں لے جاؤ۔ اب میرا حوصلہ بھی پست ہو گیا۔ آخر میں آپ نے مجھے قریب کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔

مجھے معلوم ہے تو نے میری ذریت پر اور کوئی ظلم نہیں کیا البتہ تو نے لشکر یزید میں اضافہ کیا تھا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ اسے بھی جہنم میں لے جاؤ۔ جب ملائکہ مجھے جہنم لے جانے لگے میں خوف سے بیدار ہو گیا۔ میری زبان خشک ہو چکی تھی۔ جسم کا آدھا حصہ مر چکا تھا۔

پھر میں نے ہر ایک کو اپنا یہ خواب سنایا۔

ابن عباس اور یزید:

بلاذری شقیق ابن سلمہ سے مروی ہے کہ جب فرزند رسولؐ شہید ہو گئے تو مکہ میں عبداللہ ابن زبیر نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ دیگر افراد کے علاوہ ابن عباس کو بھی دعوت بیعت دی۔

ابن عباس نے ابن زبیر کی بیعت سے انکار کر دیا۔

جب یزید کو اطلاع ملی تو اس نے یہ سمجھا کہ ابن عباس میری بیعت پر آمادہ ہے اس لیے ابن زبیر کی بیعت سے انکار کر رہا ہے۔

چنانچہ یزید نے ابن عباس کو خط لکھا۔

اما بعد۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملحد ابن زبیر نے آپ کو دعوت بیعت دی ہے۔ تاکہ تو اس کے باطل میں اس کا معاون ثابت ہو۔ مگر آپ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے میں آپ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ ابن زبیر کے پاس دیہات سے آنے والے ان افراد پر کڑی نظر رکھیں جنہیں ابن زبیر نے اپنے

چادر میں جکڑ رکھا ہے۔ اور انہیں حقائق سے مطلع کرتے ہیں کیونکہ لوگ اس بے دین کی نسبت آپ کی بات سے زیادہ اثر لیں گے۔

جناب ابن عباس نے یزید کے اس خط کا جواب یوں دیا۔

اما بعد! تیرا خط موصول ہوا ہے تو نے یہ لکھا ہے کہ ابن زبیر نے مجھے اپنی بیعت کی دعوت دی ہے اور میں نے اس کی بیعت سے انکار کیا ہے۔ اور میرے اس انکار سے تو نے یہ سمجھا ہے۔ کہ شاید میں ابن زبیر پر تجھے ترجیح دیتا ہوں یا میں نے تیری خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ابن زبیر کی بیعت سے انکار کیا ہے۔ لیکن مجھے اللہ کی قسم ہے ایسی کوئی بات نہیں۔

تو نے اپنے خط میں مجھے لالچ دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یاد رکھ میں تجھے بتا دوں۔ تو اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ کر اور جو کچھ تجھ سے ہو سکتا ہے کر۔

مجھ سے کسی اچھائی کی توقع مت رکھ۔

تو کہتا ہے کہ میں لوگوں کو ابن زبیر سے منحرف کر کے تیری طرف مائل کروں۔ بھلا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ میری نظر میں ابن زبیر اور تم دونوں برابر ہو۔ البتہ تیرا پلڑا اس لیے بھاری ہے کہ تیرے ہاتھ فرزند رسولؐ کے خون سے سرخ ہیں تو نے بنی ہاشم کے کمسنوں اور نوجوانوں کو جس بے دردی سے شہید کیا ہے وہ قیامت تک تاریخ کا حصہ ہے میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ بھلا کوئی مسلمان تیرا وہ کردار بھول سکتا ہے کہ تو نے فرزند رسولؐ کو حرم رسولؐ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس نے حرم خدا میں پناہ لی۔ تو نے اسے حرم خدا چھوڑنے پر مجبور کیا۔ تو نے عراق کے کربلا میں اسے گھیرا۔ اس نے تجھ سے صلح کی ہر کوشش کی لیکن تو نے کوئی بات قبول نہ کی۔ تو میرا انتقام ہے۔ جب بھی میرا بس چلا میں انتقام لوں گا۔ ہو سکتا ہے دنیا میں میرا بس نہ چلے۔ بہر صورت آخرت میں تو تو کہیں نہ بھاگ سکے گا۔ پھر تو نے ذریت رسولؐ کی پردگان عصمت و طہارت کو کوفے سے شام تک بے مقنع و چادر جس بے حیائی سے تشہیر کرایا ہے جب کوئی غیور مسلمان تیرے اس سلوک کو نہیں بھول سکتا تو کوئی ہاشمی کیسے بھول سکتا ہے۔ ان چند روزہ اقتدار سے فریب نہ کھا۔ جتنا چاہے جی لے تیری زندگی کا ہر لمحہ تیرے نامۂ اعمال میں لعنت کے سوا کسی چیز کا بھی اضافہ نہ کرے گا۔

مختار آل محمدؐ

دشمنان آل محمدؐ نے جہاں آل محمدؐ کی ذوات طاہرہ کو مٹانے کی کوشش کی ہے وہاں انہوں نے محبان آل محمدؐ کے مٹانے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ زیاد نے حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد کوفہ میں اپنی گورنری کے زمانہ میں چن چن کر نہ صرف شیعیان آل محمدؐ کو شہید کیا بلکہ ان کے گھر بھی جلا دیئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کوفہ شیعیان آل محمدؐ سے خالی ہو چکا تھا۔ اور جب جناب مسلم کوفہ میں آئے تھے۔ تو اس وقت آپ کے ہاتھ پر امام حسینؑ کی بیعت کرنے والوں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی۔ جنہیں زیاد نے اپنے دور میں شیعیان آل محمدؐ کی نشاندہی کرنے پر ماہانہ وظائف دینے کا اعلان کیا تھا۔

اور جب معاویہ کے بعد ان کے وظائف بند کر دیئے گئے تھے تو ان لوگوں نے صرف اپنے وظائف بحال کرنے کی خاطر یزید کی مخالفت کی تھی۔ اور امام حسینؑ کو دعوت دی تھی۔

جب یزید حقیقت حال سے مطلع ہوا تھا اور اس نے ابن زیاد کو کوفہ بھیجا تھا تو ابن زیاد نے اپنے ان تمام وظیفہ خواروں کے وظائف نہ صرف بحال کر دیئے تھے بلکہ دگنے کر دیئے تھے۔ جس کا واضح نتیجہ تھا۔ ان لوگوں کو دین یا اسلام سے تعلق نہ تھا۔ انہیں اپنے وظائف سے سروکار تھا۔ جب وظائف بحال ہو گئے تو ان سب نے امام حسینؑ کی بیعت توڑ دی اور حلقہ بگوش یزید ہو گئے۔

دشمنان آل محمدؐ نے اپنی طرف سے اگرچہ محبان آل محمدؐ کو ختم کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی انہیں معلوم تھا کہ محبان آل محمدؐ زیادہ ہیں موجود ہیں۔

چنانچہ ان لوگوں نے محبان آل محمدؐ کی کردار کشی شروع کر دی۔ اور طرح طرح کی کہانیاں گھڑ گھڑ کر محبان آل محمدؐ کو متہم کیا تاکہ عوام الناس میں اتنی نفرت پیدا ہو جائے کہ کسی بھی وقت یہ لوگ محبان آل محمدؐ کے قریب نہ جائیں۔ جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

انہی بنو امیہ دسترخوان کے پلنے والے مورخین کی خانہ ساز باتوں اور تہمات کا نشانہ جناب مختار بھی بنے ہیں۔ اور آپ کو اتنا متہم کیا گیا کہ بعض شیعہ علماء بھی یہ کہتے ہیں کہ مختار کا کردار اچھا نہ تھا۔ اس سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کے جواب میں اتنا ہی کافی ہے کہ یہ روایات سب اہیات ہیں۔ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں خواہ شیعہ کتب میں موجود ہوں یا غیر شیعہ کتب میں۔

ہم ان معاملات اور الزامات کو لکھ کر اپنے اوراق کو گندا نہیں کرنا چاہتے۔ اور نہ ہی قارئین کا وقت ضائع کرنا چاہتے ہیں۔ خداوند عالم مختار اور اس کے جوانوں کے مراتب بلند فرمائے۔

ولادت جناب مختار:

سرکار علامہ جعفر ابن محمد ابن نما نے اپنے رسالہ جناب مختار کو آگ سے نکلا ہوا کندن سونا سے تعبیر کیا ہے۔
جناب مختار کی کنیت ابو اسحاق تھی۔

والدہ جناب مختار:

جناب مختار کا والد ابو عبیدہ عورتوں کے معاملہ میں بڑا حساس تھا۔ وہ کسی پاک دامن اور عفیفہ عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اسی سلسلہ میں اسے کافی انتظار کرنا پڑا۔ بنو ثقیف کے کافی گھرانے جناب ابو عبیدہ کو داماد بنانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا۔
بالآخر ایک رات عالم خواب میں ابو عبیدہ سے کہا گیا۔ حسین دومہ سے شادی کرے اس کے بارے میں تجھے کوئی غلط بات سننے کو نہ ملے گی۔
ابو عبیدہ نے اہل قبیلہ کو اپنے خواب سے مطلع کیا۔
انہوں نے کہا۔ دومہ نامی عورت سے تجھے شادی کرنے کا حکم ملا ہے۔ اور ہمیں دومہ بنت وہب ابن عمر ابن معتب ہی ایسی عورت نظر آتی ہے جو تیرے خواب کی تعبیر ہو سکتی ہے۔
چنانچہ ابو عبیدہ نے دومہ سے شادی کر لی۔

ولادت جناب مختار:

جناب مختار کی ولادت اسی سال ہوئی جس سال آنحضرتؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔
والدہ جناب مختار فرماتی ہیں کہ جب مختار میرے شکم میں آیا۔ تو ایک رات خواب میں مجھے کسی نے کہا۔
تجھے بشارت ہو۔ قادر الکلام صاحب عزم دلدادہ اور بے باک بیٹا مبارک ہو۔ جب جناب مختار کی ولادت ہو گئی تو اسی شخص نے عالم خواب میں مجھے کہا۔
تو نے ابو عبیدہ کو ایسا بیٹا دیا ہے جو آل محمد اور آل امیر کا قاتل ہو گا۔

آنحضورؐ اور مختار :-

ایک دن مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے سرورِ انبیاء نے اپنے بعد اپنی ذریت پر ہونے والے مظالم کا تذکرہ کیا اور فرمایا میری ذریت کا انتقام بنی ثقیف کا ایک شخص لے گا۔

حضرت علیؑ اور مختار :-

تفسیر امام حسن عسکریؑ میں ایک طویل روایت میں حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ میرے حسین بیٹے کا انتقام بنی ثقیف کا ایک شخص مختار ابن ابو عبیدہ لیگا۔

بحار میں اصبغ سے مروی کہ میں نے مختار کو حضرت علیؑ کے زانو پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے آپ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرماتے تھے تو زیرک و دانشمند ہوگا۔

امام سجادؑ اور مختار :-

اللہ مختار پر رحم فرمائے اس نے ہمارے گھروں کو آباد کیا۔

امام باقرؑ اور مختار :-

رجال کشی میں عبداللہ ابن شریک سے مروی ہے کہ ہم دس ذی الحجہ کو امام باقرؑ کی خدمت میں آئے آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ کوفہ سے ایک سن رسیدہ شخص آیا۔

اس نے سلام کے بعد آپ کے ہاتھ کا بوسہ لینا چاہا۔

آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔

آپ نے پوچھا۔ آپ کا نام کیا ہے۔

اس نے عرض کیا قبلہ میں ابو محمد حکم ابن مختار ابن ابو عبیدہ ثقفی ہوں۔

کافی فاصلہ پر بیٹھا تھا۔ آپ اٹھے اور آپ نے دونوں ہاتھ اس طرح بڑھائے جیسے آپ اسے گلے لگانا چاہتے ہوں۔

حکم نے عرض کیا۔ قبلہ لوگ میرے والد کے متعلق بہت کچھ کہتے ہیں۔

میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ لوگ کیا کہتے ہیں۔

علم نے عرض کی۔ قبلہ! لوگ کہتے ہیں مختار جھوٹا اور جاہ پسند تھا۔

آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ! مجھے میرے والد نے بتایا تھا کہ میری والدہ کا حق مہر اسی رقم سے ادا کیا گیا تھا جو مختار نے بھیجی تھی۔

مختار نے ہمارے وہ تمام گھر تعمیر کرائے تھے جو یزید نے گرا دیے تھے۔ مختار نے ہمارے قاتلوں کو قتل کیا ہے اللہ مختار پر رحم فرمائے۔ مختار کو برا نہ کہا کرو۔ اس نے ہماری بیواؤں کی شادیاں کرائیں تنگدستی میں ہماری خبر گیری کی اور ہمارے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا

امام صادقؑ اور مختار

رجال کشی میں جارود ابن منذر نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ واقعہ کربلا کے بعد آل محمدؐ کی مستورات میں سے کسی مستورات نے اس وقت تک سیاہ لباس نہیں بدلا سر میں کنگھی نہیں کی جب تک مختار نے قاتلان حسینؑ کے سر نہیں بھیجے۔

محقق اردبیلی اور مختار

مختار کے حسن عقیدہ میں کوئی شک نہیں۔ علامہ حلی نے مختار کو مقبولین میں سے شمار کیا ہے۔ امام محمد باقرؑ نے مختار کے لیے دعائے خیر کی ہے۔ علاوہ ازیں اگر جناب سید الشہداء کے غم میں گریہ کرنا جہنم سے نجات اور جنت کا سبب ہو سکتا۔

اگر ایسے افراد داخل جنت ہو سکتے ہیں تو پھر مختار جیسا شخص کس طرح داخل جہنم ہوگا۔ جس نے عمر سعد شمر خولی اور قیس ابن اشعث کندی جیسے ملاعین کو صرف محبت حسینؑ میں واصل جہنم کیا ہے۔

اس کے بعد سرکار محقق اردبیلی یقین کے ساتھ لکھتے ہیں۔ کہ جناب مختار درجات رفیعہ اور مراتب عالیہ کے حامل افراد سے ہیں۔

ابن نما اور جناب مختار

سرکار ابن نما نے جناب مختار کے سلسلہ میں آخر میں فرمایا ہے کہ۔ ہمارے علماء کی اکثریت ایسی ہے جو اللہ کی طرف سے اس توفیق سے محروم ہوتی ہے۔ جو الفاظ کے معانی و مفہوم معین کرنے کے کام آتی ہے اور نہ ہی ان میں ایسا ضمیر ہوتا ہے جو انہیں عام عداوتوں سے نکال کر بے داد کر سکے۔ اگر جناب مختار کے سلسلہ میں اقوال آئمہ پر تدبر کرتے تو انہیں یہ یقین کرنے میں دیر نہ لگتی کہ جناب مختار ان سابقین سے ہیں۔ جن کی اللہ نے بھی

تعریف فرمائی ہے۔ جناب سجادؑ کی مختار کے حق میں دعا اس بات کا واضح دلیل ہے کہ مختار اللہ کے نیک ترین افراد میں سے ہے۔

اگر اور کچھ بھی ہمارے پاس نہ ہو کم از کم جناب سجادؑ کی دعا ہی کو بنیاد بنا کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ۔

اگر مختار آل محمد بدعقیدہ ہوتا تو امام سجاد اس کے لیے قطعاً دعا نہ فرماتے۔

اگر جناب سجاد کی مختار کے حق میں دعا بارگاہ خالق میں قبول نہ ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ آپ کی دعا عبث اور فضول تھی۔

جب کہ کوئی بھی ذی ہوش ہمارے امام کے سلسلہ میں ایسا تصور تک نہیں کر سکتا۔

مختار آل محمد کے سلسلہ میں توہین آمیز اقوال از صرف دشمنان آل محمد نے اس غرض سے تراشے ہیں کہ شیعیان آل محمد مختار کی طرف مائل نہ ہوں۔

تفسیر امام حسن عسکری میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا جس طرح بنی اسرائیل کے بعض افراد نے اطاعت کر کے نجات حاصل کی تھی اور بعض نافرمانی کر کے جہنم کا ایندھن بنے تھے بالکل اسی طرح تمہارا حشر بھی ہوگا

آپ کے صحابہ نے عرض کی۔

قبلہ! نافرمان کون ہوں گے؟

آپ نے فرمایا۔ ایسے افراد کی کئی اقسام ہوں گی۔

ایک قسم ایسے لوگوں کی ہوگی جو ہماری اس عظمت کے منکر ہوں گے جو اللہ نے ہمیں عطا کی ہے۔

ایک قسم ایسے افراد کی ہوگی جو ہمارے حقوق واجبہ ترک کریں گے۔

ایک قسم میں ایسے افراد بھی ہوں گے جو ہمارے فضائل کا انکار کریں گے اور ہمارے حق میں مقصر بھی ہوں گے۔

اور ایک قسم ایسے افراد کی ہوگی جو ہمیں قتل کریں گے۔

صحابہ نے عرض کیا قبلہ ایسا بھی ہوگا؟

آپ نے فرمایا۔ ہاں ایسا ہوگا۔ میرے ان دونوں بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ کو ظلم و جور سے شہید کیا جائے گا اور ایسے افراد سے تو اللہ دنیا ہی میں ایسا انتقام لے گا کہ اللہ ان پر بنی ثقیف سے ایک شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں تہ تیغ کرے گا اور ان کے گھر جلا ڈالے گا۔

صحابہ نے عرض کیا۔ قبلہ ثقفی کون ہوگا۔

آپ نے فرمایا۔ مختار ابن ابو عبیدہ۔

جناب سجادؑ سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ کے اس ارشاد گرامی کے بعد مختار قاتلان حسینؑ پر مسلط ہوا تھا۔

جب حجاج ابن یوسف تک امام سجادؑ کی روایت پہنچی تو اس نے اس کی اس طرح تردید کی۔

جہاں تک نبی اکرمؐ کا تعلق ہے تو انہوں نے یہ قطعاً نہیں فرمایا۔

جہاں تک علیؑ کی روایت کا تعلق ہے کہ انہوں نے مختورہ سے کہا ہے تو مجھے اس میں شک ہے کہ علیؑ نے یہ کہا ہے یا نہیں۔

اور جہاں تک سجادؑ کا تعلق ہے تو وہ اس طرح کی بے سروپا باتیں سنا کر سادہ لوح لوگوں کے ذہن خراب کرتا رہتا ہے۔

جاؤ اور مختار کو گرفتار کر لاؤ۔

جناب مختار کو تلاش کر کے حجاج کے پاس لایا گیا۔

حجاج نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دو۔

جناب مختار کو مقتل میں بٹھا دیا گیا۔ اور غلام تلوار لینے گئے۔ ایک آتا تھا دوسرا جاتا تھا۔ ادھر ادھر بھاگ رہے تھے لیکن تلوار کوئی بھی نہیں لاتا تھا۔

حجاج نے کہا۔ کیوں دیر کر رہے ہو کیا بات ہے۔

غلاموں نے کہا۔ جس کمرہ میں تلوار رکھی ہے اس کی چابی نہیں مل رہی۔

مختار نے حجاج سے کہا نبی اکرمؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ لہٰذا تو مجھے قتل نہیں کر سکے گا اگر تم نے مجھے قتل کر بھی دیا تو اللہ پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک تم میں سے اسی ہزار تین سو تین افراد کو واصل جہنم نہ کر لوں گا۔

حجاج نے اپنے ایک باڈی گارڈ سے کہا۔ تو جلاد کو تلوار دے تا کہ اسے قتل کرے۔

اس نے تلوار دی۔ جلاد نے تلوار لی۔

حجاج نے کہا۔ جلد از جلد اس کا کام تمام کر دے۔ جلاد نے جلدی میں قدم اٹھایا۔ اسے ٹھوکر لگی اور اس انداز میں گرا کہ تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں پیوست ہو کر پشت سے نکل آئی۔ اور وہ چند منٹ میں ہی تڑپ کر ٹھنڈا بھی ہو گیا۔

حجاج نے دوسرا جلاد بلایا۔ اور اسے تلوار دے کر مختار کے قتل کا حکم دیا۔

اس نے تلوار لی اور ہاتھ بلند کیا تا کہ جناب مختار کا سر قلم کرے۔ زمین سے بچھو نکلا اور جلاد کو ڈس لیا۔ جلاد زور سے چیخ اٹھا۔ گرا اور گر کر مر گیا۔

لوگوں نے اس پتھر کو بھی مار دیا۔

مختار نے کہا۔ حجاج تو میرے قتل پر ہرگز قادر نہیں ہوگا۔ کیا تجھے وہ بات یاد ہے جو زرادہ ابن سعد نے شاپور سے کہی تھی۔

نساوس نے شاپور سے اس وقت کہی تھی جب شاپور عربوں کو قتل کر رہا تھا؟

حجاج نے کہا۔ میں نے نہیں سنی

مختار نے کہا۔ جب شاپور بے دریغ اور بلا جرم و خطا عربوں کو قتل کر رہا تھا تو نساوس نے شاپور سے پوچھا تھا کہ تو کیوں عربوں کو بے گناہ قتل کر رہا ہے۔

شاپور نے جواب دیا تھا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ عربوں میں سے محمدؐ نامی ایک نبی پیدا ہوگا۔ جو ایرانی حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ اس لیے میں عرب کا ایک بچہ بھی نہ چھوڑوں گا تاکہ کوئی عرب رہے نہ محمدؐ پیدا ہو اور نہ ہماری حکومت کو ختم کرے۔

نساوس نے کہا۔ دو ہی صورتیں ہیں یا تمہاری کتابیں جھوٹی ہیں یا سچی۔ اگر جھوٹی ہیں تو تمہیں اس جھوٹ کو بنیاد بنا کر بے گناہوں کا خون نہیں بہانا چاہیے

اور اگر وہ سچی ہیں تو پھر جو کچھ ان میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ ہونے والے نبی محمدؐ کے والدین کو ہر صورت تحفظ فراہم کرے گا۔

میں بھی تجھ سے یہی کہوں گا۔ البتہ ایک ترمیم کے ساتھ اور وہ یہ کہ نبی کریمؐ کی آج تک کوئی بات غلط ثابت نہیں ہوئی اور اس نے تعداد بتا دی ہے کہ مختار بنی امیہ اور ان کے حواریوں میں سے اسی ہزار تین سو تین کو واصل جہنم کرے گا۔ خواہ تو میرے قتل کی کوشش کر یا نہ کر۔ تو مجھے قتل نہیں کر سکے گا اور نہ ہی تو ان کو بچا سکے گا جنہوں نے میرے ہاتھ سے قتل ہونا ہے۔

حجاج نے تیسرے جلاد سے کہا۔

جلدی کر اسے قتل کر دے۔

مختار نے کہا۔ تو مجھے قتل نہ کر سکے گا۔ میری خواہش یہی تھی کہ بجائے ان غریب جلادوں کو قربانی کا بکرا بنانے کے تو خود ہی مجھے قتل کر۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ نے جس طرح اس جلاد پر پتھر مسلط کیا ہے تجھ پر اژدہا مسلط کرے گا۔

جب جلاد نے تلوار بلند کی۔ عین اسی وقت عبدالملک ابن مروان کا ایک ندیم قاصد داخل ہوا اور زور سے پکارا۔

رک جا جلاد رک جا۔ مجھے آنے دے۔

جب وہ آیا تو اس نے حجاج کو عبدالملک کا خط دیا۔ اس میں لکھا تھا۔

میں گھر بیٹھا تھا کہ ایک پرندے نے مجھے خط لا کر دیا جس میں لکھا تھا کہ تو نے مختار کو گرفتار کر لیا ہے۔ اور اسے اس لیے قتل کرنا چاہتا ہے کہ وہ بکتا پھرتا ہے کہ اسے یقین کی پیش گوئی کی گئی ہے کہ وہ بنی امیہ کے خیر خواہوں میں سے اسی ہزار تین سو تین افراد کو قتل کرے گا۔

جیسے ہی میرا خط تجھے ملے اسے آزاد کر دے اور حسن سلوک کر کے باعزت رہا کر دے۔ کیونکہ اولاً تو مختار میرے دلی بیٹے کی آیا کا شوہر ہے۔

اور ثانیاً جو کچھ وہ بکتا ہے وہ دو ہی صورتیں ہیں یا سچ ہے یا جھوٹ۔ اگر سچ ہے تو پھر اسے قتل کرنا تیرے بس سے باہر ہے۔ اور اگر جھوٹ ہے تو کسی بے گناہ کو ایک جھوٹ کی بنیاد پر قتل کرنا درست نہیں حجاج مختار کو چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

جناب مختار مقتل سے اٹھے بنی امیہ سے تبرا کرتے ہوئے چلے گئے۔ اور کہتے گئے انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب میری تلوار ہو گی اور تمہاری گردن۔ فرزند رسولؐ کا بدلہ لوں گا، [illegible] نہیں چھوڑوں گا۔ میں بنی امیہ کو اسی طرح ذلیل کروں گا جس طرح ذلیل کرنے کا حق ہے۔

دوسری مرتبہ گرفتاری:

حجاج کو اطلاع ملی کہ مختار پہلے سے بھی زیادہ اموی حکومت کے خلاف تبرا کرتا پھرتا ہے۔ حجاج نے پھر مختار کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔

جناب مختار کو دوبارہ گرفتار کر کے حجاج کے پاس لایا گیا تو حجاج نے پھر جلاد کو حکم دیا کہ اسے فوراً قتل کر دے۔

مختار نے کہا، دیکھو حجاج! اللہ سے مقابلہ اچھا نہیں۔ جب اللہ کا فیصلہ ہے کہ میں ہی قاتلان حسینؑ کا قاتل ہوں تو بار بار میرے قتل کی کوشش سے اپنے جہنمی مراتب میں کیوں اضافہ کرتا ہے۔ اگر سرور انبیاءؐ کی مستقبل سے متعلق کوئی اطلاع جھوٹی ثابت ہوئی ہو تو مجھے بھی بتا دے۔ جب ایسا نہیں ہے تو کیوں خود بھی پریشان ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی پریشان کرتا ہے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میری طرف سے مطمئن رہ میرے یقین میں کبھی تزلزل نہیں آئے گا اگر چاہے تو مجھے اسی طرح تلوار کے نیچے بٹھائے رکھو۔

حجاج نے مختار کی بات سنی ان سنی کر دی اور جلاد سے قتل کو کہا۔

ابھی تک جلاد نے تلوار بلند نہیں کی تھی کہ ایک پرندہ نے حجاج کی جھولی میں ایک رقعہ ڈالا۔ حجاج نے اسے کھولا تو وہ عبدالملک کی طرف سے تھا۔

عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ میں تجھے دوسری مرتبہ منع کر رہا ہوں مختار کو کچھ نہ کہہ۔ مختار کا ہمارے اوپر حق ہے میرے بیٹے ولید کی رضاعی ماں کا شوہر ہے۔ جب تک جرم نہیں کرے گا اس وقت تک صرف گمان کی بنا پر ہم اسے قتل نہیں کر سکتے۔ جو کچھ وہ کہتا پھرتا ہے اگر جھوٹ ہے تو ہمیں گھبرانے کی ضرورت نہیں اور اگر سچ ہے تو ہم لاکھ کوشش کریں ہم کامیاب نہیں ہو پائیں گے۔ مختار کا معاملہ بالکل ویسا ہے۔ جیسے بخت نصر کا تھا۔ بخت نصر کو جناب دانیال نے صرف اس لیے قتل ہونے سے بچایا تھا کہ اسے بنی اسرائیل سے مظلوم یحییٰ کے بے گناہ قتل کا انتقام لینا تھا۔

حجاج نے حیرت اور افسوس سے مختار کو چھوڑ دیا اور کہا۔

یاد رکھنا پھر ایسی بات نہ کرنا۔

مختار دربار سے باہر آیا اور اپنی تبلیغ میں مصروف ہو گیا۔ حجاج کو پھر اطلاع ملی کہ مختار اپنی تبلیغ میں ہی مصروف ہے۔

تیسری گرفتاری:

حجاج نے مختار کی گرفتاری کا حکم دیا۔ جناب مختار کو اطلاع مل گئی کہ گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں۔ اور پولیس تیری تلاش میں ہے۔ مختار کچھ عرصہ تک روپوش ہو گیا۔ لیکن چونکہ قاتلان فرزند رسول بے شمار تھے اور تمام نے سن رکھا تھا کہ مختار ہمیں قتل کرے گا۔ وہ سب اسی فکر میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح مختار قتل ہو جائے اس لیے مختار کے سلسلہ میں حجاج کو زیادہ جاسوسی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی کیونکہ مختار کے سلسلے میں کربلا میں لشکر یزید کا ہر سپاہی بلا تنخواہ جاسوس بنا ہوا تھا۔

جناب مختار زیادہ عرصہ روپوش نہ رہ سکے۔ گرفتار ہو گئے۔

حجاج کے پاس پیش کیے گئے۔ حجاج نے پھر قتل کا حکم دیا۔ پھر اسی طرح حجاج کو مروان کا خط موصول ہوا اب اس میں حکم مختلف تھا۔ لکھا تھا۔

حجاج تجھے مختار ہمیشہ سے نہیں بیٹھنے دے گا اگر زیادہ خطرہ ہے تو مختار کو میرے پاس بھیج دے۔

حجاج نے خط پڑھ کر جلاد کو روک دیا۔

مختار کو زندان میں لے جانے کا حکم دیا۔ اور عبدالملک کو یہ خط لکھا۔

بھلا ایسے دشمن کو میں کیسے آپ کے پاس بھیج دوں جو نہ گلی دیکھتا ہے نہ بازار۔ جہاں چند آدمی دیکھتا ہے ان کے پاس جا کر بنی امیہ کی ایسی مذمت کرتا ہے اور لوگوں کو ایسی تاریخ کے ایسے واقعات سناتا ہے کہ چار آدمیوں میں سے دو تو کم از کم اس کے ہمنوا ہی بن جاتے ہیں۔ اگر شام میں آگیا تو حکومت کا ستیاناس مار دے گا۔

عبدالملک نے جواب لکھا۔

بعض احمق انسان اقتدار ملنے سے دانا ہو جاتے ہیں اور بعض دانش مند اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر نادان ہو کر احمق ہو جاتے ہیں۔ ابھی تک تمہاری سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آسکی کہ جو کچھ مختار کہتا پھر رہا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہی ہیں۔ یا وہ حدیث جھوٹ ہو گی یا سچ۔

اگر جھوٹ ہے تو ہمیں ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر سچ ہوئی تو پھر ہمارا کردار وہی ہو گا جو فرعون کا موسیٰ کے ساتھ تھا۔ ہم پالیں گے مختار کو تاکہ ہمیں ہی قتل کرے۔

یہ خط پڑھ کر حجاج نے جناب مختار کو عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔

سرکار علماء ان زمانے جس ترتیب سے جناب مختار کی زندگی کے نشیب و فراز بیان کیے ہیں مناسب ہو گا اگر ہم اپنی اس تالیف میں انہیں ہو بہو نقل کریں۔

جناب مختار انتہائی فصیح و بلیغ تھے۔ بڑے صاحب فہم تھے۔ گفتار میں بہت کم لغزش کھاتے تھے۔ شعلہ بیان خطیب تھے۔ ان کے کلام میں سچ بندی فطری تھی۔ انتہائی مختصر مگر جامع بات کرتے تھے۔ مضبوط دل کے مالک تھے۔ اپنے وقت کے شجاع ترین افراد میں ان کا نام لیا جاتا تھا۔ ان کا ہر اندازہ ہمیشہ درست ثابت ہوتا تھا۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتے تھے ناکام کبھی نہ ہوتے تھے۔

اگر جناب مختار ان اوصاف کے حامل نہ ہوتے تو بڑے بڑے سرداران لشکر آپ کو کبھی اپنا حکمران تسلیم نہ کرتے۔ حضرت علیؑ نے آپ کے چچا کو مدائن کا گورنر بنایا۔ تو جناب مختار مدائن میں چچا کے ساتھ تھے۔

حضرت علیؑ کا کوفہ میں شہادت کے بعد جب آل محمدؐ واپس مدینہ چلے گئے اور معاویہ کی طرف سے مغیرہ ابن شعبہ کوفہ کا گورنر بن کر آیا۔

تو جناب مختار بھی کوفہ چھوڑ کر مدینہ آگئے۔

مدینہ میں آپ کی زیادہ صحبت جناب محمد حنفیہ سے رہتی تھی اور جناب محمد سے انہوں نے کافی علوم و فیوض اور احادیث کا ذخیرہ حاصل کیا۔

کچھ عرصہ مدینہ قیام کے بعد واپس کوفہ آگیا۔ اور مغیرہ ابن شعبہ کے پاس آنے جانے لگا۔ ایک دن مغیرہ اور مختار دونوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار سیر کو جا رہے تھے۔

بازار سے گزرتے ہوئے۔ مغیرہ نے کہا۔

مجھے ایک ایسا نعرہ معلوم ہے کہ اگر کوئی عام سا آدمی بھی وہ نعرہ لے کر اٹھ کھڑا ہو تو تمام اہل عجم اور کچھ عرب اس شخص کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ لیکن ہم نے ایسے افراد کی حوصلہ شکنی کی خاطر اتنا کام کیا ہے کہ وہ نعرہ لگانے کا تصور بھی کوئی نہ کرے گا۔

مختار نے کہا۔ چچا ایسا کرنا ضرور ہے۔

مغیرہ نے کہا۔ اس وقت مظلومیت آل محمدؐ ایک ایسا جذباتی نعرہ ہے کہ سادہ لوح عوام مظلومیت آل محمدؐ کے نام پر کٹ مرنے کو تیار ہو جائیں گے۔

یہ سن کر مختار خاموش ہو گیا۔ ایک دن سعید ابن خالد جدلی سے جناب مختار کی ملاقات ہوئی۔ تو جناب مختار نے کہا۔

اے سعید! اکثر الہامی کتب میں بھی ہے۔ سردار انبیاء اور حضرت علیؑ سے بھی منقول ہے کہ۔
بنی ثقیف سے ایک شخص جابر حکمران کو قتل کرے گا۔ مظلومین کا انتقام لے گا۔ اور بے چاروں کی مدد کرے گا۔

جو اوصاف ان کتب میں بیان کی گئی ہیں جب میں ان اوصاف کا موازنہ اپنے کردار سے کرتا ہوں تو مجھے وہ تمام اوصاف اپنے اندر نظر آتی ہیں۔ البتہ دو اوصاف ایسے ہیں جو مجھ میں نہیں ہیں۔

سعید نے پوچھا وہ کون سے ہیں۔

مختار نے کہا۔ الہامی کتب میں بنی ثقیف کے جوان کا تذکرہ ہے جب کہ میں تو ساٹھ برس سے بھی اوپر جا رہا ہوں۔

اور دوسرا الہامی کتب میں ثقفی جوان کی ایک آنکھ میں پھولا بتایا گیا ہے جب کہ میری دونوں آنکھیں بھی ٹھیک ہیں۔

سعید نے کہا۔ جہاں تک ثقفی جوان کی بات ہے تو یہ اہم نہیں ہے کیونکہ یہ تو یقینی نہیں ہے کہ الہامی کتب میں جوانی سے مراد عمر کی جوانی ہو یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جوانی سے مراد جذبات کی جوانی ہو اور جذبات کی جوانی کسی عمر کی پابند نہیں ہوتی۔

جہاں تک آنکھ میں پھولے کا تعلق ہے تو الہامی کتب میں یہ تو نہیں لکھا ہوا کہ پھولا مادر زاد ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ حادثات زمانہ تیری آنکھ میں وہ پھولا پیدا کر دیں۔

جناب مختار اسی فکر میں تھے حتیٰ کہ معاویہ مر گیا۔ یزید مسند نشین حکومت ہو گیا۔ فرزند رسولؐ کو مدینہ بدر ہونے پر مجبور کیا گیا۔ پھر مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔

امام حسینؑ نے کوفیوں کے اصرار پر جناب مسلمؑ کو کوفہ بھیجا۔ جب جناب مسلمؑ کوفہ آئے تو سب سے پہلا قیام جناب مختار کے گھر تھا۔ جناب مختار ہی نے سب سے پہلے جناب مسلمؑ کے ہاتھ پر امام حسینؑ کے لیے بیعت کی۔ جناب مسلمؑ کی شہادت کے بعد جناب مختار کو گرفتار کیا گیا۔

جب ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو ابن زیاد نے کہا۔ اے ابن عبید کیا تو ہمارے اعداء کی بیعت

کرنے والوں سے تھا۔

مختار نے ابھی کوئی جواب نہ دیا تھا۔

عمرو ابن حریث نے فوراً کہا۔ آپ کو کسی نے غلط بتایا ہے۔

بنی ثقیف چونکہ کافی بڑا قبیلہ تھا اور ابن زیاد کو فرزند رسولؐ کے خلاف ان لوگوں کی حمایت درکار تھی۔ اس لیے ابن زیاد اور عمرو ابن حریث کے مابین یہ فیصلہ پہلے سے ہو چکا تھا۔ چنانچہ عمرو ابن حریث کے کہنے پر ابن زیاد نے کہا۔

مختار! یاد رکھ اگر عمرو ابن حریث کی گواہی نہ ہوتی تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ پھر ابن زیاد نے چھڑی جناب مختار کی آنکھ میں گھونپ دی۔ جس سے آپ کی آنکھ زخمی ہو گئی۔ ابن زیاد نے جناب مختار اور عبداللہ ابن حارث ابن عبدالمطلب دونوں کو زندان میں ڈالے جانے کا حکم دیا۔ جب یہ دونوں زندان میں پہنچے تو جناب میثمؒ تمار پہلے ہی زندان میں موجود تھے۔

ایک دن زندان میں یہ تینوں محبان آل محمد بیٹھے تھے۔ جناب عبداللہ نے کہا۔ مجھے ڈر ہے کہیں ابن زیاد ہمیں قتل نہ کرا دے۔

دل تھا ایک مرتبہ نجات ہی کرا لیتے۔

جناب مختار نے کہا۔ ایسا نہیں ہو گا۔ ابن زیاد ہمارا قاتل نہیں ہے۔ کم از کم مجھے اور تجھے تو یہ قتل نہ کر سکے گا۔ اب تو آپ کی مصیبت کا وقت ختم ہو رہا ہے عنقریب میں آپ کو بصرے کے تخت پر حکمران دیکھ رہا ہوں۔

جناب میثمؒ نے فرمایا۔

مختار میں دیکھ رہا ہوں کہ تو قاتلان فرزند رسولؐ سے انتقام لے رہا ہے اور ابن زیاد کا سر تیرے دسترخوان پر ہے اور تو اپنا بایاں پاؤں اس کے دائیں رخسار پر رکھے ہوئے ہے

جناب مختار نے کہا۔ مجھے آپ تختہ دار پر لٹکے ہوئے فضائل مولا علیؑ بیان کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ جلاد کوڑے برسائے جا رہا ہے اور آپ برابر فضائل بیان کر رہے ہیں۔ پھر آپ کی مبارک زبان کاٹی جا رہی ہے۔ واقعاً آپ کا امتحان بہت سخت ہے۔ زندان کی تاریکی میں شب و روز گزرتے رہے۔ واقعہ کربلا ہو گیا۔ فرزند رسولؐ شہید کر دیئے گئے۔

ایک مرتبہ موقع ملا۔ جناب مختار نے اپنی بہن صفیہ بنت ابو عبیدہ جو عبداللہ ابن عمر کی بیوی تھی کو خط لکھا۔

کہ اپنے شوہر سے کہو یزید سے سفارش کر کے مجھے رہائی دلا دے۔

چنانچہ صفیہ نے عبداللہ سے کہا۔ عبداللہ نے یزید کو خط لکھا۔

یزید نے جب خط پڑھا۔ اس وقت یزید کی پھوپھی ہند بنت ابوسفیان بھی بیٹھی تھی۔ اس نے اپنے بھانجے عبداللہ ابن حارث کی سفارش کر دی۔

یزید نے ابن زیاد کو خط لکھا کہ مختار اور عبداللہ کو آزاد کر دے۔

ابن زیاد نے دونوں کو آزاد کر دیا۔ اور مختار سے شرط کی کہ تین دن کے اندر کوفہ سے نکل جاؤ ورنہ میں قتل کر دوں گا۔

مختار نے کہا میرا کوفہ میں کیا رکھا ہے اگر مجھے آج کا بھی پتہ ہو تو میں اسی وقت کوفہ سے نکل جاتا۔ تو مطلق رہ تین دن کے بعد مجھے کوفہ میں نہیں دیکھے گا۔

چنانچہ تیسرے دن مختار اپنا ضروری سامان سفر لے کر کوفہ سے حجاز کی طرف روانہ ہو گیا۔ واقصہ کے مقام پر مختار کی ملاقات صعقب ابن زہیر اسدی سے ہوئی۔

صعقب نے کہا اے ابواسحاق یہ آپ کی آنکھ کو کیا ہوا ہے۔

مختار نے کہا۔ ابن مرجانہ نے چھڑی ماری ہے۔ جس چیز سے یہ لوگ جتنا جلدی بھاگ رہے ہیں وہ چیز اتنی جلدی ان کے گرد گھیرا تنگ کر رہی ہے۔ مجھے تو معلوم ہے کہ ابن زیاد فرزند رسولؐ کا قاتل ہے عنقریب وہ وقت آنے والا ہے۔

جب میں اس خبیث ابن خبیث کے ایک ایک عضو بدن کے کئی کئی ٹکڑے کروں گا۔

بخدا! میں فرزند رسولؐ کے عوض اتنے افراد قتل کروں گا جتنے بخت نصر نے جناب یحییٰ کے عوض قتل کیے تھے اور ان کی تعداد ستر ہزار تھی۔

میں اس سے بھی زیادہ قتل کروں گا۔

مجھے اس ذات کی قسم جس نے قرآن نازل کیا۔

جس نے حق و باطل میں فرقان بیان کیا۔

جس نے اپنی مخلوق کو تابع ادیان بنایا۔

جس نے عصیان کی مذمت کی ہے۔

میں اہل عمان۔ بنی مذحج و بنی ہمدان۔ بنی نہد و بنی خولان۔ بنی بکر و بنی ہزان۔ بنی ثعل و بنی نبھان۔ بنی عبس و بنی ذبیان اور بنی قیس و بنی عیلان کو بنت بنی الرحمٰن کے قصاص میں قتل کروں گا۔

اے صعقب سمیع و علیم۔ علی و حلیم۔ عادل حکیم عزیز و کریم اور رحمٰن و رحیم اللہ کی قسم! میں بنی کندہ و سلیم اور رؤسائے بنی تمیم کو اس طرح پیس ڈالوں گا جس طرح چکی میں جو پیسے جاتے ہیں۔

اس کے بعد مکہ میں آیا۔ ابن عرق کہتا ہے کہ مکہ میں میری ملاقات مختار سے ہوئی میں نے پوچھا یہ تیری

آنکھ کو کیا ہوا ہے۔

مختار نے کہا۔ ابن زیاد کے تشدد کا نتیجہ ہے۔

اے ابن عرق مجھے معلوم ہے فتنہ کا جو شعلہ بنی امیہ نے فرزند رسولؐ کے قتل سے بھڑکایا ہے اب اس کی سلگتی چنگاریاں امت مسلمہ کے ہر گوشے تک پہنچ رہی ہیں۔ مجھے ایسے نظر آرہا ہے کہ فساد کی بجلیاں چمک چمک کر کڑک رہی ہیں اور کڑک کڑک کر چمک رہی ہیں۔

دجلہ اور اس کے اطراف میں ہر چنگاری سلگ رہی ہے۔

مختار مدت تک زندان ہی میں رہا۔ ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید واصل جہنم ہوا۔

اس کی مدت حکومت دو برس آٹھ ماہ تھی۔ وہ ۳۸ برس کی عمر میں ہلاک ہوا۔ گیارہ بیٹے چھوڑ کر مرا۔

یزید کے بعد اس کے بیٹے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ لیکن مروان نے جلد ہی اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ پہلے اسے حکومت سے دستبردار ہونے پر آمادہ کیا۔ خود حکومت سنبھالی۔ پھر اس کی ماں سے شادی کر لی۔ اور معاویہ کو قبرستان بھجوا دیا۔ شام میں تو مروان حکمران ہو گیا۔ لیکن عراق اور مکہ میں مروان کو تسلیم نہ کیا گیا۔ مکہ میں ابن زبیر نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔

بصرہ میں ابن زیاد خود مختار بن گیا۔

اب کوفہ والوں نے ایک مرتبہ پھر دیکھا کہ پہلے مخالف تو بند ہو گئے۔

چنانچہ انہوں نے نصرت فرزند رسولؐ نہ کرنے پر کف افسوس ملنا شروع کر دیے۔ وہ محبان علیؑ جو ابن زیاد نے زندان میں ڈال رکھے تھے۔ اور شہادت مظلوم کربلا کے بعد انہیں رہا کر دیا تھا وہ سب اس تاک میں تھے چنانچہ انہوں نے ان حیدری سپاہیوں کے اس افسوس کو مزید ہوا دی۔

چنانچہ سلیمان ابن صرد خزاعی جو شرف صحابیت سے بھی مشرف تھا۔ اور رفاقت حضرت علیؑ کی سعادت سے بھی فیض یاب تھا نے سب سے پہلے زبان کھولی۔ اور لوگوں کو انتقام فرزند رسولؐ پر آمادہ کیا۔ لوگ تو پہلے تیار تھے۔ سلیمان کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔

سلیمان کی آواز پر مسیب ابن نجبہ فزاری نے لبیک کہی۔

اسی طرح عبداللہ ابن سعد ازدی۔ رفاعہ ابن شداد بجلی۔ اور عبداللہ ابن وال تیمی جمع ہو کر سلیمان کے گھر گئے۔

ان کے ساتھ محبان علیؑ کی خاصی تعداد تھی۔

سلیمان نے حمد و ثنائے خالق کے بعد کہا۔

آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ فرزند رسولؐ کی نصرت میں کس کس طرح گھیر کر روکا گیا ہے۔ بعض کو زندان میں ڈال دیا گیا۔ بعض کو دار الامارہ میں پابند سلاسل کر دیا گیا۔ بعض کو ان کے گھروں میں نظر بند کر کے پہرے بٹھا دیے گئے

پوشیدہ رہتے گئے۔

ورنہ ہمارے جلسے تو پوشیدہ کیے گئے وہ ہمارا حال نہ چھپ رہے ہیں۔ اس کمزوری سے تو ذلت ہی ہوتی تھی۔ آخر ایک دن مرنا تو ہے ہی۔ اگر ایسی موت آ جائے جس سے ہم نبی کریم کے سامنے سرخرو ہو کر جائیں تو ہمیں ایسی موت پر فخر ہونا چاہیے۔

مثنیٰ بن شبابہ نے کہا جو کچھ آپ نے فرمایا۔ ہمارے دل کی آواز ہے آپ اس کام کے لیے قدم بڑھائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

اتفاق سے انہیں دنوں کوفہ کے سو سو شیعہ ابن زیاد کے مظالم سے تنگ آ کر کوفہ سے مدینہ میں منتقل ہو چکے تھے انہوں نے بھی ساتھ دیا۔ اور اپنی خدمات پیش کیں۔ خط عبداللہ بن مالک طائی کو دیا۔ اور اسے تاکید کی کہ خط فقط سعد بن حذیفہ یمانی کو دینا۔

جب یہ خط مدائن پہنچا۔ اور وہ لوگ حقیقت حال سے مطلع ہوئے تو انہوں نے فوراً جناب سلیمان کو اپنی حمایت کا یقین دہانی کا جواب لکھ دیا۔

سلیمان نے ظبیان بن عمارہ تمیمی کے ہاتھ ایک خط مثنیٰ ابن مخرمہ عبدی کو بھی بھیجا۔

مثنیٰ نے خط پڑھ کر جواب لکھا۔

ارادہ نیک ہو تو ساتھی حسب منشا مل جاتے ہیں۔ آپ تیاری کریں میں اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ آپ کے اشارہ کا منتظر ہوں۔ جونہی اشارہ ملا جہاں کہیں گے حاضر ہو جاؤں گا۔ وقت بہت زیادہ گزر چکا ہے۔ اب مزید تاخیر مناسب نہ ہوگی۔

یزید کی زندگی تک تو مکہ میں عبداللہ ابن زبیر لوگوں کو یزید سے متنفر کرنے کی خاطر فرزند رسولؐ کے انتقام پر آمادہ کرتا تھا اور ہر تقریر میں آل محمدؐ کی مظلومیت بیان کرتا رہتا تھا۔ لیکن جب موت یزید کی اطلاع ملی تو ابن زبیر نے پینترا بدل لیا اور مظلومیت آل محمدؐ کی نوحہ خوانی ختم کر کے اپنی بیعت کی طرف دعوت دینے لگا۔

چونکہ مکہ میں رہائش کے دوران مختار بھی ابن زبیر کی تقریریں سن چکا تھا۔ اس لیے وہ بھی کافی متاثر تھا۔ مگر یزید کے بعد جب مختار نے ابن زبیر کے رویہ میں تبدیلی دیکھی تو ابن زبیر سے مایوس ہو کر کوفہ کا رخ کیا۔

راستہ میں مختار کو ہانی ابن ابو حیہ وداعی ملا۔

مختار نے کوفہ کے حالات پوچھے۔

ہانی نے کہا اگر آج کوفہ والوں کو کوئی اچھا قائد مل جائے تو کوفہ والے کرہ ارض پر چھا جانے والے جذبات رکھتے ہیں۔

مختار نے کہا۔ انشاء اللہ۔ اللہ کی مدد سے میں یہ کام کروں گا۔ اور قاتلان حسینؑ کو چن چن کر انکو کیفر کردار تک

پہچان لوں گا۔

پھر مختار نے ہانی سے سلیمان ابن صرد کے متعلق پوچھا۔ کہ کیا اس نے ظالمین سے جنگ کی خاطر کوئی عملی قدم اٹھایا ہے۔

ہانی نے کہا ابھی تک اٹھایا تو نہیں لیکن ارادہ کر رہا ہے۔

مختار آگے بڑھا۔ نہر حیرہ پر آیا غسل کیا۔ لباس بدلا۔ تلوار گلے میں حمائل کی۔ جمعہ کا دن تھا۔ داخل کوفہ ہوا۔ کسی قبیلہ کی مسجد یا محل کے قریب سے گزرتا تو سلام دینے کے بعد کہتا۔

مبارک ہو میں آگیا ہوں۔ جو آپ چاہتے ہیں وہی میں چاہتا ہوں عنقریب ہم دوش بدوش قاتلان ذریت رسول سے انتقام لیں گے۔ سیدھا مسجد جامع میں آیا۔ نماز پڑھی۔ لوگوں نے دیکھ لیا کہ مختار آگیا ہے۔ اور اس کے تیور بتا رہے ہیں کہ کسی خاص مقصد کے تحت آیا ہے۔ اب امید ہے ہمارے دل کی بڑاس بھی نکل جائے گی۔

نماز سے فارغ ہو کر مختار اپنے گھر آیا۔ تمام شیعیان آل محمد کے نام پیغام بھیجا کر۔

مجھے محمد حنفیہ نے آپ کی طرف بھیجا ہے۔

ان کی خواہش ہے کہ قاتلان ذریت رسولؐ سے بدلہ لیا جائے۔

تمام شیعہ مختار کے گرد جمع ہوگئے۔

اور انہوں نے کہا ہم بالکل تیار ہیں لیکن ایسا نہ ہو کہ قیادت کا اختلاف ہمیں اپنی منزل سے دور کر دے۔ آپ موجود نہ تھے۔ ہمیں سلیمان ابن صرد خزاعی نے اسی مقصد کے لیے جمع کیا تھا ہم نے بیک بکر کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی آپ ذرا انتظار کریں اور دیکھیں کہ سلیمان کیا کرتے ہیں۔

چنانچہ مختار خاموش ہو گیا اور سلیمان کا انتظار کرنے لگا۔ تمام شیعیان آل محمد خفیہ طور پر تیاریوں میں مصروف تھے۔

شیعیان آل محمد کو تین طرف سے خطرہ تھا۔

عبدالملک ابن مروان کیونکہ خود مروان تو نو مہینے حکومت کرنے کے بعد اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا اب عبدالملک ابن مروان شام کا حکمران تھا۔ اس سے بھی شیعوں کو خطرہ تھا۔

عبداللہ ابن زبیر سے بھی خوف تھا۔ اور سب سے زیادہ خطرہ اہل کوفہ سے تھا۔ کیونکہ اہل کوفہ کی شیعہ آبادی کو زیاد اور ابن زیاد نے ختم کر دیا تھا کوفہ کی ۹۹ فیصد آبادی یزیدی تھی اور یہ تمام میدان کربلا میں ذریت رسول کے خلاف موجود تھے۔ سلیمان ہو یا مختار دونوں کا ہم قاتلان حسینؑ کے خلاف تھی اور اہل کوفہ براہ راست ذریت رسول کے قتل میں ملوث تھے۔

جناب مختار دوسری مرتبہ زندانِ کوفہ میں

عمر ابن سعد اور شبث ابن ربعی کی نظر کوفہ کی سیاست پر تھی۔ جب انھوں نے دیکھا کہ مختار کوفہ میں آگیا ہے۔ اور لوگوں کی آمد و رفت بڑھ گئی ہے۔ تو ان دونوں نے اہل کوفہ سے کہا۔ اگر تم مارے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ مارے جائیں گے۔ اگر زندگی چاہتے ہو تو مختار کو گرفتار کر کے قید کر دو۔ ورنہ تمہیں معلوم ہے کہ مختار ایک عرصے سے تمہارے قتل کی تیاریوں میں مصروف ہے۔

اہل کوفہ نے کہا۔ تم مختار کی بات کیوں کرتے ہو۔ وہ تو خاموش بیٹھا ہے۔ اور سلیمان کی بات کیوں نہیں کرتے؟

ان دونوں نے مکاری سے کام لے کر کہا دیکھو سلیمان نے صرف اقتدار حاصل کرنے کی خاطر انتقام آلِ محمدؐ کا نعرہ لگایا ہے وہ صرف اور صرف تمہارے دشمن سے لڑے گا۔ جب کہ مختار کے دشمن تم خود ہو۔ اس کا مقصد اقتدار نہیں انتقام ہے۔

اہل کوفہ ان کے جال میں پھنس گئے۔

انھوں نے پوچھا پھر ہم کیا کریں۔

ان دونوں نے کہا کرنا کیا ہے ابھی تک مختار تنہا ہے۔ صرف پندرہ بیس آدمی چلے جاؤ۔ اسے قابو کر کے ہاتھوں میں رسیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دو۔ گورنر کوفہ کے سپرد کر دو وہ تمہیں انعام بھی دے گا اور مختار کو بھی قید کر دے گا۔

چنانچہ ان لوگوں نے اچانک دھاوا بولا جناب مختار کو گرفتار کیا۔ ہاتھوں اور پاؤں میں رسیاں اور بیڑیاں ڈال دیں۔

ابراہیم ابن محمد ابن طلحہ نے عبداللہ ابن زبیر سے کہا۔ اس کے گلے میں طوق ڈالو۔ اس کے پاس سے۔ جوتے بلد وادو ننگے پاؤں اسے لے چلو۔

عبداللہ نے کہا۔ ہرگز نہیں ایک شریف آدمی ہے۔ ابھی تک اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ہاتھ تو بجائے خود اس نے تو تمام سال ہمارے خلاف زبان بھی نہیں کھولی ہم نے صرف گمان کی بنا کر اسے گرفتار کیا ہے۔ لہذا سواری لاؤ اسے سوار کر کے لے جائیں گے۔

ایک سیاہ رنگ خچر لایا گیا اس پر بٹھا کر جناب مختار کو زندان میں لا کر ڈال دیا گیا۔

یحییٰ ابن عیسیٰ کہتا ہے کہ میں اور حمید ابن مسلم ازدی مختار کے پاس گئے اس نے کہا بس اب وہ وقت قریب تر آچکا ہے جب میری تلوار ہر ظالم کی گردن پر ہوگی۔ جب میں عترتِ مصطفیٰ کا انتقام لے لوں گا۔ پھر میری نظر میں اس

دنیا کی قیمت ایک کوڑی بھی نہیں رہے گی۔

مختار ایک مرتبہ پھر پس دیوارِ زندان چلا گیا اور جناب سلیمان ابن صرد خزاعی نے یکم ربیع الثانی ۶۵ھ کو مقام نخیلہ سے اعلان خروج کر دیا۔

ابن زیاد بصرہ میں تھا۔ شام جاتے ہوئے راستے میں مقام جزیرہ پر اسے بیک وقت مرگ مروان اور خروج سلیمان کی اطلاع ملی۔

جب سلیمان نے اپنا لشکر دیکھا تو اسے کم معلوم ہوا چنانچہ اس نے حکیم ابن منقذ کندی اور ولید ابن حصین کنانی کو چند افراد کے ساتھ کوفہ بھیجا اور حکم دیا۔ کوفہ کی ہر گلی اور کوچہ میں اعلان کرو۔ یالثارات حسینؑ۔ خون حسینؑ کا انتقام خون حسینؑ کا انتقام لینے والو اب اٹھ کھڑے ہو۔ یہ لوگ کوفہ میں آ کر پورے کوفہ میں پھیل گئے۔ اور منادی شروع کر دی۔

عبداللہ ابن حازم ازدی اپنی حسین ترین بیوی سہلہ بنت سبرہ اور بیٹی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ جونہی اس نے ندا سنی فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

ہتھیار لگائے گھوڑے پر بیٹھا۔ اور گھر سے نکلنے لگا۔

بیوی نے کہا۔ بندہ خدا کیا بات ہے خیریت تو ہے۔ کہیں عقل میں کچھ گڑبڑ تو نہیں ہو گئی۔ کوئی لڑائی نہ جھگڑا اور ہتھیار لگا کر گھوڑے پر بیٹھے کہاں جا رہا ہے!

عبداللہ نے کہا۔ سہلہ جو میں نے سنا ہے تو نے اس پر توجہ نہیں دی۔

سہلہ نے کہا۔ تو نے کیا سنا ہے۔

عبداللہ نے کہا گلی میں اللہ کے نام پر جانے والے کی پکار سنی ہے اور لبیک کہنے جا رہا ہوں۔

سہلہ نے کہا۔ وہ کس کے لیے بلا رہا ہے۔

عبداللہ نے کہا۔ ذریت رسولؐ کا انتقام لینے کی خاطر بلا رہا ہے۔

سہلہ نے کہا۔ یہ گھر کس کے حوالے کر رہے ہو!

عبداللہ نے کہا اے اللہ۔ میں اپنا گھر اور گھر والے تیرے سپرد کر کے تیرے نبی کی بے گناہ مقتول ذریت کا انتقام لینے جا رہا ہوں۔

اب چونکہ بات کھل چکی تھی اس لیے یہ لوگ نماز عشاء کے وقت مسجد کوفہ میں آ گئے۔ اور وہاں نعرہ لگایا۔

یالثارات الحسین۔

مسجد کوفہ سے بھی کافی تعداد نے لبیک کہی۔ اور ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔

۵ ربیع الاول ۶۵ھ کو سلیمان کے پاس سولہ ہزار جانثار جمع ہو گئے۔ اور سلیمان نے سوئے شام اعلان

کوچ کر دیا۔

عبداللہ ابن سعد نے کہا۔

آپ امیر ہیں جیسے حکم ہو ہم اطاعت کریں گے۔ ویسے شام کی بجائے اگر کوفہ چلتے تو زیادہ مناسب تھا کیوں کہ قاتلانِ ذریتِ رسولؐ کی اکثریت کوفہ میں ہے۔

سلیمان نے کہا مجھے علم ہے میں ان لوگوں کا دشمن ہے، میں بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ اصل مرکز شام ہے۔ ذریتِ رسولؐ کے حکام قتل کوفہ سے نہیں شام سے آتے تھے۔ ہمارا ہدف شام ہے۔ وہاں قبضہ کرنے کے بعد پھر ہمارا معاملہ بہت آسان ہو جائے گا۔

چنانچہ ربیع الاول شب جمعہ لشکرِ سلیمان نے کوچ کیا۔ رات دیر اعور میں گزاری۔ وہاں سے چل کر فرات کے کنارے بنی مالک کے گروں کے پاس آئے، رات وہاں گزاری۔ دوسری صبح کربلا مزار فرزندِ رسولؐ پر آئے۔

پورا ایک دن مزار کے گرد طواف کرتے اور روتے ہوئے گزارا۔

کربلا سے چل کر مقام ہیت پر آئے۔ ہیت سے آگے بڑھ کر مقام قرقیسا میں آئے۔ یہاں انہیں شامی لشکر کے آنے کی اطلاع ملی۔ قرقیسا سے چل کر عین الوردہ پر آئے۔

عین الوردہ پر سلیمان نے ایک طویل خطبہ دیا جس میں حمد و ثنائے خالق اور درود بر محمدؐ و آلِ محمدؐ کے بعد دنیا کی ناپائیداری اور قیامت کا تذکرہ کر کے فوج کے جذبات کو برانگیختہ کیا۔ اور آئندہ کا لائحہ عمل تیار کر کے کہا۔

اگر میں مارا گیا تو امیر لشکر مسیب ابن نجبہ ہو گا۔

اگر مسیب مارا جائے تو امیر لشکر عبداللہ ابن سعد ابن نفیل ہو گا۔

اگر عبداللہ مارا جائے تو اس کا بھائی خالد ابن سعد امیر لشکر ہو گا۔

اگر خالد مارا جائے تو عبداللہ ابن وال کو امیر لشکر بنا لینا۔

اگر عبداللہ ابن وال مارا جائے تو رفاعہ ابن شداد بجلی امیر لشکر ہو گا۔

اس کے بعد سلیمان نے چار ہزار شہسوار شامی لشکر کے مقابلہ میں بھیجا اور انہیں ہدایت کی کہ شامی فوج پر شب خون مارنا۔

حمید ابن مسلم ازدی کا کہنا ہے کہ میں انہی چار ہزار میں شامل تھا۔ ہم پورے چوبیس گھنٹے چلے صرف نماز کے لیے مختصر وقفہ کیا۔

قائد لشکر مسیب ابن نجبہ نے تمام لشکر کو شامی لشکر کے گرد پھیل جانے کا حکم دیا اپنے ساتھ صرف سو سپاہی رکھے وہ بھی اجرائے احکام کے لیے۔

ہمیں ایک بدوی ملا اس سے مسیب نے پوچھا کہ پہلے اور قریب ترین شامی لشکر کے امیر کون

کن کا صلہ ہے !

اس نے کہا۔ مجھے قریب دور کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ سامنے۔

شراحبیل ابن ذی الکلاع چار ہزار کے ساتھ خیمہ زن ہے۔

اس کے پیچھے حصین ابن نمیر چار ہزار کے ساتھ ڈیرہ ڈالے ہے۔

اس کے پیچھے صلت ابن ناجیہ غلابی چار ہزار کے ساتھ گھات لگائے بیٹھا ہے۔

باقی اکثر لشکر ابن زیاد کے ساتھ ہے۔ جو مقام رقہ پر بیٹھا ہے۔

جب ہم آگے بڑھے اور شامی لشکر نظر آنے لگا۔ تو مسیب نے کہا۔ ان پر دھاوا بول دو۔ عراقی لشکر کے اچانک حملے سے شامی بوکھلا گئے۔ اپنا مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کافی تعداد میں مارے بھی گئے عراقی لشکر کے ہاتھ کافی مال غنیمت لگا۔

مسیب نے حکم دیا کہ اب واپس سلیمان کے پاس چلو۔ جب سلیمان کو اطلاع ملی تو خوش ہوا۔

جب ابن زیاد کو اطلاع ملی تو اس نے حصین ابن نمیر کو آگے بھیجا۔ خود اس کے عقب میں بیس ہزار کے لشکر ساتھ آ گیا۔

عراقی لشکر کو جب معلوم ہوا کہ مقابلہ میں ابن زیاد خود آ رہا ہے تو وہ آہستہ آہستہ کھسکنا شروع ہو گئے۔ حتی کہ سلیمان کے ساتھ صرف تین ہزار ایک سو سپاہی بچ گئے۔

ابن زیاد نے شامی لشکر کو اس طرح مرتب کیا۔

عبداللہ ابن ضحاک فہری میمنہ پر

مخارق ابن ربیعہ غنوی میسرہ پر

پیدل پر شراحبیل ابن ذی الکلاع کو

اور قلب لشکر پر حصین ابن نمیر تعین کیا۔

سلیمان ابن صرد نے۔ میمنہ مسیب ابن نجبہ کے حوالہ کیا۔

عبداللہ   کو میسرہ پر مقرر کیا

پیدل کا نگران رفاعہ ابن شداد بجلی مقرر ہوا اور

قلب لشکر سلیمان نے اپنے پاس رکھا۔

ابن زیاد کے لشکر سے اعلان کیا گیا کہ بغاوت ترک کرو اور عبدالملک کی بیعت کر لو۔

سلیمان کے لشکر سے اعلان کیا گیا کہ ابن زیاد ہمارے سپرد کرو اور عبدالملک کی بیعت ختم کرو

دونوں مطالبے کسی بھی فریق کے لیے قابل قبول نہ تھے اس لیے فریقین نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔

تین دن تک مسلسل جنگ جاری رہی۔ حصین ابن نمیر نے یک دم جنگی چال بدل کر اپنی فوج سے کہا کر جلدی تیر اندازی کرو۔

اس اچانک تبدیلی نے عراقیوں کو پریشان کر دیا۔

سلیمان تیر لگنے سے شہید ہو گیا۔

عراقی علم مسیب ابن نجبہ نے سنبھال لیا۔

مسیب قتل ہوا تو علم عبداللہ ابن سعد نے لیا۔

عبداللہ کے قتل ہونے کے بعد خالد نے علم لیا۔ اسی اثنا میں بصرہ میں مثنیٰ ابن مخرمہ اور مدائن سے کثیر ابن عمرو کی کمک آ پہنچی۔ عراقیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ لیکن دوسری طرف شامی لشکر بھی کم نہ تھا۔ عراقی فوج میں اضافہ کی نمایاں ہونے لگی۔

بالآخر عراقیوں کو میدان سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ مدائن والے مدائن۔ بصرہ والے بصرہ۔ اور کوفہ والے کوفہ واپس آ گئے۔

جب سلیمان کے ساتھی تھک کر واپس آ گئے تو

جناب مختار نے زندان سے انہیں حسب ذیل خط لکھا۔

اما بعد! بارگاہ خالق میں تمہارا اجر ضائع نہیں ہو گا۔ اگر قسمت نے مہلت دی اور میں زندان سے باہر آیا تو انشاءاللہ آپ لوگوں کی موجودہ ماری کا بدلہ لوں گا۔

مختار کا خط پڑھ کر محبان آل محمد کے حوصلے ایک مرتبہ پھر بڑھ گئے۔ اور انہوں نے مختار کو پیغام بھیجا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کو جبراً زندان سے نکال لائیں۔

مختار نے جواب دیا۔ اس کی ضرورت نہیں میں انشاءاللہ عنقریب تمہارے درمیان ہوں گا۔

مختار نے عبداللہ ابن عمر کو خط لکھا ہوا تھا کہ۔

عبداللہ ابن یزید۔ اور ابراہیم ابن محمد دونوں ظالموں نے صرف افواہوں کی بنا پر جیل میں ڈال رکھا ہے۔ انہیں خط لکھو تاکہ مجھے چھوڑ دیں۔

عبداللہ ابن عمر نے ان دونوں کو خط لکھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں مختار کا بہنوئی ہوں۔ میرا خط ملتے ہی اسے رہا کر دو۔

ان دونوں نے مختار سے ضمانت مانگی۔ چند افراد نے مل کر ضمانت دی۔ مختار رہا ہو گیا۔

مختار نے محبان آل محمد کو جمع کیا۔ اور کوفہ پر دھاوا بولنے کا پروگرام بنایا۔ لیکن عبدالرحمن ابن شریح کے شام سے آنے کی وجہ سے یہ پروگرام ملتوی ہو گیا۔

کیونکہ عبدالرحمن کو ملنے والے افراد میں سے۔ سعد ابن منقذ سراپائی ابو سعر حنفی احمد و کندی اور قدامہ ابن مالک حبشی بھی تھے۔

ان چاروں نے عبدالرحمن سے کہا۔

مختار ہمیں ساتھ دے کر انقلاب لانا چاہتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ مجھے محمد حنیفہ نے بھیجا ہے۔ ہمارے پاس اس دعوے کی تصدیق کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ہم نے بیعت تو کرلی ہے لیکن ہم مطمئن نہیں ہیں۔

عبدالرحمن نے کہا میرے ساتھ ایک آدمی بھیج دو۔ مدینہ جا کر جناب محمد سے پوچھ لیتے ہیں اگر وہ تصدیق کر دیں تو ہمیں بھی مختار کا ساتھ دینا چاہیے۔

چنانچہ یہ لوگ مدینہ میں جناب محمد کے پاس آئے اور مدعا بیان کیا۔ اور عرض کیا اگر آپ کی اجازت ہے تو ہم مختار کا ساتھ دیں۔

ورنہ ہم علیحدہ ہو جائیں گے۔

جناب محمد نے فرمایا۔ جہاں تک انتقام کی اجازت کا تعلق ہے وہ میں نہیں دے سکتا۔ آؤ جو میرا اور تمہارا امام ہے اس کے پاس چلے جاتے ہیں اور اس سے پوچھ لیتے ہیں۔

ہم سب امام سجادؑ کے پاس آئے۔ مدعا بیان کیا۔

جناب سجادؑ نے فرمایا چچا اگر کوئی حبشی غلام بھی ہمارے حقوق کا علم لے کر کھڑا ہو تو لوگوں پر اس کی حمایت واجب ہے۔

ویسے اس معاملے کے متعلق میں آپ کو دیتا ہوں جیسے مناسب سمجھیں کریں۔

جناب محمد نے فرمایا۔ تم سب نے سن اور سمجھ لیا ہے۔

جو کچھ امام نے فرمایا ہے میں بھی یہی کہوں گا۔

ان لوگوں نے کہا۔ کہ امام سجادؑ اور محمد نے اجازت دے دی ہے۔ اب مختار کی نصرت واجب ہے۔

یہ لوگ واپس کوفہ آئے۔ مختار کو ان کا جناب محمد کے پاس جانا معلوم ہو چکا تھا۔ یہ لوگ سیدھے جناب مختار کے پاس آئے اور اسے حقیقت حال سے مطلع کیا۔

جناب مختار نے فرمایا۔ اب ایسے بات نہیں بنے گی۔ اب یہ کام حق ہے کہ تمام محبان آل محمد کو جمع کر کے انہیں تم خود ہی بتاؤ۔

چنانچہ ان لوگوں نے شیعیان آل محمد کو جمع کر کے تمام قصہ سنایا۔

ابراہیم ابن مالک اشتر کے پاس جناب مختار خود چل کر گئے۔ اور اسے مدد کے لئے کہا۔

ابراہیم نے بھی وعدہ کر لیا۔

امیر کو عبداللہ ابن مطیع مختار کے حالات سے واقف کر چکا تھا۔
چنانچہ اس نے شبث ابن ربعی کے مشورہ سے محبان آل محمدؐ کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنے لشکر کو جمع کیا۔
مختار دیر ہند میں ڈیرا ڈال چکا تھا عبداللہ ابن مطیع سے جنگ ہوئی۔ لشکر مختار نے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ عبداللہ دارالامارہ کے اندر چلا گیا۔ دروازے بند کر لیے۔ مختار نے محاصرہ کا حکم دے دیا۔ تین دن کے محاصرے کے بعد عبداللہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ مختار نے دارالامارہ پر قبضہ کر لیا۔ اور الصلوٰۃ جامعہ کی بھی منادی کرائی۔
جب سب لوگ مسجد میں آگئے۔ مختار نے انتہائی فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور بتایا کہ میں فرزند رسولؐ کا انتقام لینے اٹھا ہوں۔
جو شخص میرا ساتھ دینا چاہے وہ میری بیعت کرے اور عبدالملک کی بیعت توڑ دے۔
یہ کہہ کر منبر سے نیچے آیا۔
لوگوں نے بیعت کرنا شروع کر دی۔
مختار نے بیت المال میں جو کچھ تھا اسے لے کر اپنے ان تین ہزار آٹھ سو سپاہیوں پر تقسیم کر دیا جن کے ساتھ اس نے عبداللہ ابن مطیع کو شکست دی تھی پانچ سو ہر سپاہی کو دیئے۔ اور دو دو سو ان چھ ہزار کو دیے جو دارالامارہ کے محاصرے کے دوران آملے تھے۔
ابن طاؤس چونکہ مقصود مختار قاتلان فرزند رسولؐ سے انتقام تھا۔ اس لیے اس نے اس سلسلہ میں قطعاً غفلت نہیں کی اور نہ ہی اپنی حکومت کے استحکام کیلئے اس معاملہ کو ملتوی کیا۔
چنانچہ مختار نے ربیعہ اور مضر کے لیے ابراہیم کو بھیجا۔ ان لوگوں نے مقابلہ کیا۔ لیکن جلد ہی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے جب مقتول گنے گئے تو چھ سو چھیالیس تھے۔ اس کے بعد گھروں کی تلاشی کے دوران پانچ سو آدمی ہاتھ آگئے یہ سب میدان کربلا میں ذریت رسولؐ کے خلاف لڑے تھے۔ مختار نے ان کے قتل کا حکم دیا۔
مختار کو معلوم ہوا کہ شمر چند سر کاٹے کربلا کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔ مختار نے اپنے ایک رزین نامی غلام کو دس آدمیوں کے ساتھ بھیجا کہ جا کر ان تمام کے سر لے آئے۔
ادھر مختار نے کلبانیہ کے میر کو بھی لکھ دیا تھا کہ شمر کی طرف دیکھتے رہے اسکا اور اس کے ساتھ جو ذریت رسولؐ کے قاتل ہیں ان کے سر کی حرمت ہیں۔ شمر کلبانیہ آیا۔ میر دن شمر خیمہ لگایا اور مصعب ابن زبیر کی طرف خط لکھا۔ مختار کا ایک میر لشکر ابو عمرہ پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ کسی کام کی خاطر یہاں رکا ہوا تھا۔ مصعب کی طرف خط لے جانے والا اسے مل گیا۔

ابو عمرہ نے پوچھا۔ شمر کہاں ہے۔

اس نے بتایا یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر قیام کر رہا ہے۔ ابو عمرہ نے اسے کہا اچھا تو اب جا۔ تو وہ چلا گیا۔

ابو عمرہ نے شب خون مارا اور شمر اور اس کے ساتھیوں کو واصل جہنم کر کے ان کے سر مختار کے پاس بھیج دیئے۔ مختار نے ان کے سر دیکھ کر سجدۂ شکر ادا کیا

سب سے پہلے مختار نے ان لوگوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا جنہوں نے فرزند رسولؐ کی لاش گھوڑوں سے پامال کی تھی۔ انہیں زمین پر لٹا کر ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گڑوائیں اور گھوڑے دوڑا دیئے۔ پھر ان کی لاشیں نذر آتش کر دیں۔

پھر عبدالرحمن ابن عقیل کے دو قاتل گرفتار ہو کر آئے، انہیں قتل کر کے ان کی لاشیں بھی جلا ڈالیں۔

مالک ابن بشیر گرفتار ہوا اسے سر بازار قتل کر دیا۔

ابو عمرہ کو خولی کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ جب خولی کو معلوم ہوا تو وہ ٹائیلٹ میں جا چھپا۔ اس کی ایک بیوی مومنہ تھی جب اس سے ابو عمرہ نے پوچھا تو۔

اس نے زبان سے تو کہا کہ مجھے کیا معلوم ہے وہ کہاں گیا ہے۔ لیکن ہاتھ سے ٹائیلٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ان لوگوں نے بیت الخلاء سے خولی کو گرفتار کیا۔

مختار نے اسے قتل کیا۔

حکیم ابن طفیل جس نے جناب عباسؑ کو تیر مارا تھا، گرفتار کیا۔ اسے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے اس پر تیر اندازی کا حکم دیا۔

مرہ ابن منقذ کو گرفتار کیا۔ اسے بھی قتل کر دیا۔

سنان ابن انس قادسیہ سے گرفتار ہو کر آیا۔ پہلے تو مختار نے اس کی ایک ایک انگلی کٹوائی۔ پھر ہاتھ کٹوائے پھر پاؤں کٹوائے۔ پھر تیل گرم کر کے اس میں ڈال دیا۔

امالی طوسی کے مطابق منہال کہتا ہے کہ میں امام سجادؑ کی خدمت میں گیا۔ آپ نے پوچھا۔ منہال حرملہ کا کیا بنا ہے!

میں نے عرض کیا۔ جب میں کوفے سے نکلا اس وقت تک تو زندہ تھا۔

امام سجادؑ نے تین مرتبہ فرمایا۔

بار الٰہا! حرملہ کو لوہے کا عذاب دے۔

میں واپس کوفہ آیا۔ مختار کوفہ کا حکمران تھا میری کوفہ میں مختار سے ملاقات ہوئی۔

مختار نے کہا منہال کیا میری حکومت تجھے پسند نہیں آئی یا میرا انتظام اچھا نہیں لگا۔

میں نے کہا اللہ امیر کی زندگی دراز کرے۔

مجھے دونوں باتیں پسند ہیں لیکن میں کوفہ میں نہیں تھا باتوں باتوں میں ہم کناسہ میں آگئے۔ میں نے دیکھا مختار دائیں بائیں اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔ کچھ دیر بعد چند سپاہی آئے اور انہوں نے کہا۔ امیر مبارک ہو حرملہ گرفتار ہو گیا ہے۔

جب حرملہ سامنے آیا تو مختار نے کہا۔ اللہ کی حمد ہے کہ اس نے مجھے اس خبیث پر موقع فراہم کیا ہے۔ اونٹ نحر کرنے والا کہاں ہے۔

جزار حاضر ہو گیا۔

مختار نے کہا۔ پہلے اس کے ہاتھ کاٹ، پھر پاؤں کاٹ۔

جب حرملہ کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے تو مختار نے کہا۔ آگ جلاؤ۔ آگ جلائی گئی۔ مختار نے کہا اسے اس آگ میں ڈال دو۔

یہ دیکھ کر میں نے سبحان اللہ کہا۔

مختار نے کہا۔ منہال ویسے تو تسبیح ہر وقت اچھی ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت تسبیح کا کیا کوئی خاص مقصد تھا۔

میں نے مختار کو جناب سجاد کی دعا سنائی۔

مختار نے کئی مرتبہ مجھ سے پوچھا۔ کیا واقعی میرے آقا نے اسی طرح دعا کی تھی۔؟

میں نے کہا۔ اسی طرح دعا کی تھی۔

مختار گھوڑے سے اترا۔ دو رکعت نماز شکرانہ کی ادا کی اور کافی دیر تک سجدۂ شکر میں پڑا رہا۔

چلتے چلتے میرے گھر کے قریب آگئے۔ میں نے کہا۔ اے امیر اگر مجھے شرف بخشتے اور کچھ دیر کے لیے بیٹھ جاتے۔

مختار نے کہا منہال اگر تم نے مجھے یہ امام کی دعا نہ سنائی ہوتی تو [illegible] قبول ہوتی ہے تو ضرور بیٹھ جاتا۔ لیکن اب ترتیب یہ ہے کہ شکر کا روزہ رکھنا ہے۔ آج میرا روزہ ہے۔

عمر ابن سعد جیسے شقی کو [illegible] سے قتل کیا۔

محمد بن اشعث، سنان، خولی، شمر، عمرو بن حجاج گرفتار ہو گئے۔ انہوں نے منت کی کہ ہمیں زندہ رہنے دیں [illegible] تھا۔

قاتلان حسین [illegible] یہ تو ممکن ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ مختار نے کہا

سے پوچھا کیا فرزندِ رسول کے سر سے ٹوپی تو نے اتاری تھی۔

مالک نے کہا۔ ہاں یہ جرم میں نے کیا تھا۔

مختار نے کہا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دو۔ اور دوسرے دونوں کو قتل کر دو۔

بجدل ابن سلیم گرفتار ہو کر آیا۔

مختار نے پوچھا۔ تم نے کیا کیا تھا۔

بجدل نے بتایا کہ میں انگوٹھی اتارنے لگا تھا۔ وہ نہیں اترتی تھی۔ چنانچہ میں نے فرزندِ رسولؐ کی انگلی کاٹ لی تھی۔

مختار نے حکم دیا اس کے ہاتھوں اور پاؤں کی ایک ایک انگلی کاٹ کر چھوڑ دو۔

رقاد ابن مالک، عمر ابن خالد، اور عبداللہ قیس خولانی گرفتار ہو کر آئے۔

مختار نے پوچھا۔ تم نے کیا کیا تھا؟

انھوں نے بتایا ہم نے صرف خیام لوٹے تھے۔

مختار نے حکم دیا انھیں چوک بازار میں لے جا کر قتل کر دو۔

مختار کو پتہ چلا کہ فرزندِ رسولؑ کا اونٹ نحر کر کے ان لوگوں نے تقسیم کیا تھا۔ مختار نے حکم دیا کہ جتنے گھروں میں وہ گوشت تقسیم ہوا تھا۔ ان کی فہرست بناؤ اور ہر گھر کو آگ لگا دو۔

جو لوگ بھاگ گئے تھے۔ مختار نے ان کے گھر جلا ڈالے۔

جعدہ ابن ہبیرہ مختار کے صفِ اول کے معاونین سے تھا۔ اور اس نے عمر سعد کے لیے امان لے دی تھی عمر سعد کو مختار اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

حفص ابن عمر سعد اور عمر سعد بیک وقت مختار کے پاس نہیں بیٹھتے تھے۔

جب دوسرے تمام ملزم افراد قتل ہو گئے۔ تو مختار نے سوچا کہ اب عمر کی باری ہے۔ عمر اپنے دل میں خائف رہتا تھا۔

مختار نے امان میں لکھا تھا۔ کہ جب تک عمر سعد کوئی غلط قدم نہیں اٹھائے گا اس وقت تک اسے امان ہے۔ چونکہ عمر مطمئن نہیں رہتا تھا۔ اس لیے ایک دن خوف کے مارے اس نے کوفہ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ اور اونٹنی پر سوار ہو گیا۔

اسے اونٹنی پر نیند آ گئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ عمر سعد بھاگ رہا ہے۔

مختار کو اطلاع کی گئی۔

مختار نے کہا اسے میرے ہاتھوں قتل ہونا ہے۔ جتنا جی چاہے بھاگ لے۔

عمر سعد کو جب اونٹنی پر بٹھایا تو اونٹنی عمر سعد کو لے کر واپس کوفہ آگئی۔

مختار نے ابوعمرہ کو بھیجا کہ جا اور عمر سعد کا سر لا۔

ابوعمرہ گیا۔ اس نے عمر سعد کا سر قلم کیا۔ اور لے آیا۔

حفص ابن عمر سعد مختار کے پاس بیٹھا تھا۔

مختار نے پوچھا اسے پہچانتا ہے۔

حفص نے کہا اسے کون نہیں پہچانتا۔ اس کے بعد زندگی کا کیا مزہ رہ گیا ہے۔

مختار نے کہا۔ تجھے کس نے کہا ہے کہ تو اس کے بعد زندہ رہے گا۔ پھر جلاد کو حکم دیا۔ اس نے حفص کا سر قلم کر دیا۔

اب مختار کے لیے ابن زیاد بچ گیا تھا۔ اور وہی سب سے بڑا مطلوب تھا۔ مختار نے ابراہیم اشتر سے کہا جب تک ابن زیاد باقی ہے ہمارا انتقام نامکمل ہے۔

ابراہیم نے کہا۔ آپ اجازت دیں میں جانے کو تیار ہوں۔

مختار نے اجازت دی۔ ابراہیم اپنا لشکر لے کر روانہ ہو گیا۔ ابن زیاد کو بھی پتہ چل گیا کہ ابراہیم میری خاطر آ رہا ہے۔

ابن زیاد شامی ہراول لشکر لے کر ابراہیم کے مقابلہ کی خاطر بصرہ سے نکل آیا۔ موصل سے بارہ میل باہر نہر خازر پر دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔ جنگ شروع ہو گئی۔ نماز ظہر اشاروں میں پڑھی گئی۔ شامی لشکر کے اکثر سردار واصل جہنم ہوئے جس سے شامیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ حصین ابن نمیر، شرحبیل ابن ذی الکلاع، ابن حوشب، غالب باہلی، ابو اشرس وغیرہ جیسے سب مارے گئے۔

شامی لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ چونکہ رات کی تاریکی تھی۔ ابن زیاد کا پتہ نہیں چل رہا تھا کہ مر گیا ہے یا بھاگ گیا ہے۔

ابراہیم ابن مالک اشتر سے مروی ہے کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو ہمارے سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتا چلا جا رہا تھا۔ جو اس کے سامنے آتا تھا کاٹ کر رکھ دیتا۔ میں نے اسے نشانہ بنایا۔ جونہی میرے قریب آیا میں نے اس کے بازو پر وار کیا۔ بجلی سے اس کا ہاتھ کٹ کر دور جا گرا۔ وہ نہر خازر کے کنارے اس طرح گرا کہ اس کے دونوں ہاتھ کنارے پر تھے اور پاؤں پانی میں لٹک گئے تھے۔ میں نے اسے قتل کر دیا۔ مجھے اس سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔

پھر ایک شخص آیا اس نے اس کے موزے اتار لیے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ابن زیاد ہے۔ روشنی کا انتظام کر کے یہ لوگ وہاں آئے۔

ابراہیم کی علامت کے مطابق اسے تلاش کیا سر کاٹ لیا جسم کو تمام رات درخت سے ہو بٹھا دیا۔ جب صبح ہوئی ابن زیاد کے غلام مہران نے اسے پہچان لیا کہ یہی ابن زیاد ہے۔ ابراہیم نے اس بات پر خدا کا شکر کیا کہ اللہ نے اسے میرے ہاتھوں واصل جہنم کیا ہے۔

اٹھائیس برس کی عمر میں یہ خبیث واصل جہنم ہوا۔

عراقی سپاہ کو شامی بھاگتی ہوئی سپاہ سے بہت بڑا مال غنیمت موصول ہوا۔

ابراہیم نے ابن زیاد کے سر اور لاشہ کو ایک درخت سے الٹا لٹکا دیا۔

سر مختار کے پاس بھیج دیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جب مختار کے پاس ابن زیاد کا سر پہنچا تو اس کی خوشی دیدنی تھی سجدہ ہائے پر سجدے کیے جا رہا تھا۔

جھوم جھوم کر سجدے سے اٹھتا اور پھر سجدۂ شکر میں گر جاتا۔

تمام سروں کو جامع مسجد میں نیزوں پر نصب کر دیا گیا۔ تمام اہل کوفہ نے دیکھا کہ ایک سانپ ابن زیاد کے ایک نتھنے سے سر میں گھستا تھا اور دوسرے نتھنے سے باہر نکل آتا تھا۔

تین دن بعد مختار نے عبدالرحمن ابن ابو عبید ثقفی، عبدالرحمن ابن شداد جشمی اور انس ابن مالک اشعری کو عمر و سعد، ابن زیاد اور کربلا کے دیگر معروف سالاروں کے سر دے کر جناب محمد حنفیہ کے پاس بھیجا۔ ساتھ کچھ رقم بھی بھیجی۔ اور ایک رقعہ بھی لکھا۔

رقعہ میں صرف اتنا لکھا۔

محبان آل محمد نے ذریت رسولؐ کے قاتلوں سے انتقام لے لیا ہے ان کے سر پیش خدمت کیے جا رہے ہیں امید ہے ہماری یہ محنت محمدؐ و آل محمدؐ کے حضور قبول ہوگی۔

والسلام

جب سر جناب محمد کے پاس پہنچے تو آپ سجدہ میں گر گئے اور کہا۔

جزى الله المختار خيرا۔ فقد ادرك ثارنا و وجب حقه على كل من ولد عبد المطلب۔

اللہ مختار کو جزائے خیر دے اس نے ہمارا انتقام لیا ہے۔ اب تا قیامت اولاد عبدالمطلب مختار کی مقروض ہے۔

اللهم احفظ ابراهيم ابن مالك الاشتر وانصره على الاعداء ووفقه لما تحب وترضى واغفر له في الآخرة والاولى۔

اے اللہ ابراہیم ابن مالک اشتر کی حفاظت فرما دشمنوں کے خلاف اس کی مدد فرما اپنی ہر خوشنودی پر اسے موفق فرما دنیا و آخرت میں اس سے درگزر فرما۔

پھر آپ نے ابن زیاد کا سر مدینہ میں امام سجادؑ کے پاس بھیج دیا۔ جب ابن زیاد کا سر آپ کے پاس پہنچا۔ آپ اس وقت

دستر خوان پر تھے۔

سر کو دیکھ کر سجدہ شکر ادا کیا اور فرمایا۔

الحمد للہ الذی ادرک ثاری من عدوی۔ — اے اللہ تیری حمد ہے کہ تو نے میرا انتقام میرے دشمن سے لیا ہے۔

وجزی اللہ المختار خیرا۔ — اللہ مختار کو جزائے خیر دے۔

پھر فرمایا۔ میں وہ وقت نہیں بھول سکتا جب میرے بابا اور بھائیوں کے سر ابن زیاد کو پیش کیے گئے تھے تو وہ اس وقت دستر خوان پر تھا۔

مورخین کے بقول جنگ صفین کے بعد نہر خازر کی اس جنگ میں شامی جس قدر قتل ہوئے اس قدر کبھی بھی واصل جہنم نہیں ہوئے۔ نہر خازر میں ستر ہزار شامی قتل ہوا۔

اب شمر کے علاوہ کربلا میں محمد ابن اشعث اور شبث ابن ربعی بچ گئے تھے۔ اور وہی مختار کا مقصود تھے یہ دونوں مصعب ابن زبیر کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔

محمد ابن اشعث نے مصعب کو مختار سے جنگ پر آمادہ کیا۔ مصعب ابن الزبیر ابن زبیر کی طرف سے اہواز کا گورنر تھا مصعب اجازت سے فوج لے کر آیا۔

مصعب نے مختار سے مقابلہ کرنے کی خاطر بصرہ سے کوچ کیا۔

جب مختار کو معلوم ہوا تو اس نے ابن سمیط کو تیس ہزار کے ساتھ مقابلہ میں بھیجا۔ لیکن مصعب کے مقابلہ میں ابن سمیط شہید ہو گیا۔

پھر مختار خود مقابلہ میں آیا۔ مختار نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔ دیکھو مصعب کے لشکر میں دو قاتلان ذریت رسولؐ شریک ہیں۔ محمد ابن اشعث اور شبث ابن ربعی اگر میں اس جنگ میں کام آ بھی جاؤں تو یاد رکھو ان دونوں کو ہر صورت واصل جہنم ہونا چاہیے۔

جنگ شروع ہوئی مختار اپنے انتقام کو نہیں بھولا تھا۔ محمد اشعث اور شبث ربعی کو قتل کیا۔ پھر اہل کوفہ سے کہا۔ میری زندگی کا مشن مکمل ہو گیا ہے اب مجھے زندگی کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ پھر حملہ کیا ۱۵ رمضان ۶۷ھ کو جام شہادت نوش کیا۔

۱۸ ماہ کی حکومت میں اسی ہزار سے اوپر قاتلان مظلوم زہراؑ کو واصل جہنم کرنے کے بعد یہ فدائی حق اس دنیا سے چل بسا۔

ابوجعفر سفاح اور بنی امیہ

منتخب میں دیمان علیؑ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے ایک دن مسجد نبویؐ میں فرمایا۔ اموی اقتدار کی کوکھ سے عباسی حکومت جنم لے گی۔ بنی عباس کا پہلا حکمران سفاح ہوگا۔ تمام حکمران اس کے تابع فرمان ہونگے اسلامی مملکت کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں ہر جگہ سفاح کے نام کا خطبہ پڑھا جائے گا۔

کرنسی پر سفاح کا نام ہوگا۔

ہر حکمران سفاح سے خائف ہوگا۔

ہر قبیلہ سفاح کا تابع فرمان ہوگا۔

عرب و عجم کے سرکش سفاح کے دور حکومت میں روپوش ہو جائیں گے۔ سفاح کی ہیبت سے بنی امیہ خشکی، تری اور صحراؤں و پہاڑوں میں چھپتے پھریں گے۔

بنی امیہ سفاح سے امان طلب کریں گے۔

جب وہ دور آگیا۔ اور بنی امیہ کا آفتاب اقتدار افق مغرب میں چھپ گیا تو اموی شہزادوں نے سفاح سے معافی مانگی اور امان کی درخواست کی۔

صرف آل زیاد۔ آل مروان۔ اور آل ابو سفیان میں سے اس وقت، ستر ہزار شہزادہ تھا۔ سفاح نے ان کے جواب میں لکھا۔ جو گزر گیا ہے سو گزر گیا ہے۔ جس طرح آپ لوگوں کو میری ضرورت ہے اسی طرح مجھے آپ لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔ اگر آپ میرے پاس آجائیں تو آپ کے وظائف بھی مقرر کر دیئے جائیں گے۔ اور دربار میں آپ کو خاص مقام ملے گا۔

امویوں نے اعتماد کر لیا اور سفاح کے پاس آگئے۔ سفاح نے حسب مراتب تمام کے وظائف اور دربار میں مدارج مقرر کیے۔

ایک دن دربار آراستہ تھا تمام اموی شہزادے سنہری تلواریں کمر سے لٹکائے بیٹھے تھے۔ سروں پر رنگا رنگ ریشمی عمامے سجے ہوئے تھے۔ سنہری تاروں سے بنی ہوئی زرق برق جبائیں اور قبائیں چمک رہی تھیں۔

سفاح کا دربان بڑا پریشان آیا۔

سفاح نے کہا کیا بات ہے؟

دربان نے کہا سرکار عجیب بات ہے ایک دیہاتی آیا ہے۔ بڑا فصیح اور طلیق اللسان ہے۔ پرانے کپڑے۔ پھٹے ہوئے جوتے کمزوری لاغر ہے۔ اور مجھ کو شاکر اس سے باتیں کرنے لگا ہے کہتا ہے۔ اب خاموش ہو جا تیرے مصائب ختم ہو گئے ہیں۔ وہ تو اندر آنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے روک لیا ہے۔ اور باہر بٹھا کر آیا ہے۔ اس نے کہا ہے ملک تو

جاتا ہوں۔ لیکن لباس امیر کو مل کے ہی بدلوں گا۔ کیوں کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ امیر سے ملے بغیر لباس تبدیل نہیں کروں گا۔

سفاح نے تھوڑا سا سر جھکایا۔ اور کہا ہاں ہاں میں سمجھ گیا۔ وہ ہمارا پرانا خیر خواہ سدیف ہی تو ہے۔ اسے جلدی سے لے آ۔

سدیف کا نام سنتے ہی اموی شہزادوں کے رنگ اڑ گئے۔ انہیں یاد آ گیا کہ یہ وہی سدیف ہے جو ہر سال حج کے ایام میں کبھی صفا کبھی مروہ۔ اور کبھی منیٰ پر کھڑے ہو کر ہماری مذمت اور آل محمد کی تعریف کرتا تھا۔ اور ایک سال ہم نے اسے گرفتار کر کے مروا دیا تھا۔ لیکن ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ وہ مر گیا ہے۔ پھر یہ زندہ کیسے ہو گیا ہے۔ نہیں یہ مرا ہی نہیں تھا۔ زندہ تھا اور روپوش رہا ہے۔

اتنے میں سدیف آ گیا۔ سفاح کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔ اور کہنے لگا۔

اے امیر حلم زادے کو کہاں بٹھا رکھا ہے۔ کیا تو واقعہ کربلا، دربار کوفہ اور دربار شام بھول گیا ہے۔

بنی امیہ کے چہرے زرد ہو گئے۔

سفاح نے کہا۔ خوش آمدید سدیف۔ غلام سے کہا۔ جا سدیف کو نیا لباس دے اور اس کے غسل کے لیے ضروری سامان مہیا کر۔

سدیف سے کہا تم جاؤ۔ غسل کرو۔ لباس بدلو۔ کل صبح ملاقات ہو گی۔

جب سدیف چلا گیا۔ تو سفاح نے امویوں سے کہا۔ جذباتی نوجوان تھا۔ جو کچھ اس نے کہا خاطر میں نہ لاؤ۔ اور بھول جاؤ کہ اس نے کیا کہا ہے۔ میرا رویہ اور حسن سلوک تمہارے سامنے ہے۔

حسب معمول جب وہ دربار برخاست ہوا اور اموی اٹھ کر گئے تو آپس میں سوچنے لگے کہ ہمیں یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔

جب تک سدیف ہے ہماری جان خطرے میں ہے۔ بعض نے کہا۔ اسے کیا کہہ رہے ہو کیا صرف ایک غلام کی باتوں میں آ کر سفاح ہم سرداروں کا دشمن ہو جائے گا۔

دوسری صبح سدیف نے ملاقات کے بعد پھر وہی بات کی۔

سفاح نے کہا۔ سدیف تجھے معلوم ہے کہ ہم تو ہاشم ہیں اس وقت معاف کر دیتے ہیں جب ہم اقتدار میں ہوتے ہیں پرانی باتوں کو بھول جا۔ سدیف ناراض ہو کر لوٹ گیا۔

سفاح نے ایک مرتبہ بنی امیہ کو تسلی دی۔ لیکن امویوں کا سکون حرام ہو گیا تھا۔ سفاح کا دربان ان کے پاؤں میں زنجیر تھا اور سدیف گویا ان کے سر پر لٹکتی تلوار تھیں۔

رات کے وقت سفاح نے سدیف کو خلوت میں بلایا۔ اور کہا بندہ خدا بھلا کوئی ہاشمی مسجد کوفہ سے لے کر دربار شام

تک کے کسی راستہ کو بھول سکتا ہے

میں ایک وقت کے انتظار میں ہوں۔

سدیف نے عرض کیا سرکار اب انتظار کب کا۔ جو ہاتھ میں ہیں انہیں تو ان کا انجام دکھائیں۔ پھر دیکھا بھی جائے گا۔

سفاح نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر پروگرام ترتیب ہوا۔ دوسرے دن نوروز تھا۔ سفاح نے اعلان کیا کہ آج عید کا دن ہے ہر شخص کو سرکاری خزانہ سے تحائف دیئے جائیں گے۔

سفاح نے اپنے چار سو نوجوان اور تلوار زن جوانوں کو کمروں میں چھپا دیا اور انہیں ہدایت دی کہ جب میں ٹوپی زمین پر پھینکوں اس وقت ان کمروں سے نکل کر جو بھی دربار میں موجود ہو اسے قتل کرنا ہے خواہ کوئی بھی ہو۔

دربار لگ گیا۔ بنی امیہ حسب معمول آ گئے۔ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

سفاح نے بنی امیہ سے کہا آج کے دن کا سب کو انتظار تھا۔ آج میں تمہیں تمہاری توقع سے بھی زیادہ نوازوں گا پھر بنی امیہ سے پوچھا۔

آپ ہی بتائیں ابتداء بنی ہاشم سے ہونا چاہیے یا بنی امیہ سے؟

امویوں نے کہا۔ ہمیشہ سرداری بنی ہاشم کے پاس رہی ہے۔ بنی امیہ کو بنی ہاشم سے غلام اور آقا کی نسبت رہی ہے پہلے آقا کا حق ہوتا ہے غلام بعد میں لیتے ہیں لہذا پہلے بنی ہاشم بعد میں ہم۔

سفاح نے غلام سے کہا ایک ایک ہاشمی کا نام پکارتا جاتا کہ وہ اپنا انعام وصول کرتا جائے۔

غلام نے ابو عبیدہ کا نام لیا۔

سدیف نے کہا۔ اسے شیبہ ابن عبد العزیٰ نے قتل کر ڈالا ہے۔

سفاح نے کہا دیہ نام شمار سے اور کو پکار۔

غلام نے جناب حمزہ کا نام پکارا۔

سدیف نے کہا۔ وہ کہاں ہے اسے تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے اپنے کو ایک حبشی غلام کے سپرد کر کے شہید کرا دیا تھا۔ پھر اس کا جگر نکال کر چبایا تھا۔ جب اس کے منہ پتھر ہو گیا تو اس نے جناب حمزہ کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا تھا۔

سفاح نے کہا۔ یہ نام بھی شمار سے اور نام لے۔

غلام نے عقیل ابن عبد المطلب کا نام پکارا۔

سدیف نے کہا وہ کہاں ہے!

اسے بنی امیہ نے مدینہ آتے ہوئے راستہ میں شہید کر دیا تھا۔

سفاح نے کہا: اسے مٹا دے اور نام پکار۔

غلام نے حضرت علیؑ کا نام پکارا۔

سدیف نے کہا: اسے اموی سازش سے عبدالرحمن ابن ملجم نے مسجد کوفہ میں شہید کر دیا تھا۔ اور معاویہ نے تین دن تک شام میں شہادت علیؑ کا جشن منایا تھا۔

سفاح نے کہا: اسے بھی ہٹا دے اور کو پکار۔

غلام نے فرزند رسولؐ حسنؑ ابن علیؑ کا نام لیا۔

سدیف نے کہا: وہ بے چارا تو مر گیا۔ ابوبکر کی بھانجی جعدہ بنت اشعث کے ہاتھوں اس زہر سے شہید کرا دیا گیا جو شام سے معاویہ نے بھیجی تھی۔

سفاح نے کہا: اسے بھی ہٹا دے کسی اور کو پکار۔

غلام نے مسلم ابن عقیل کا نام پکارا۔

سدیف نے کہا: اس غریب کو تو ابن زیاد نے گرفتار کر کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر دارالامارہ کی چھت پر سے زمین پر گرا کر شہید کرا دیا تھا۔ پھر ابن زیاد کے حکم سے ان کے پاؤں میں رسی ڈال کر پورے کوفہ میں تشہیر کرائی گئی ہے۔

سفاح نے کہا: یہ نام ہٹا دے اور پکار۔

غلام نے سید شباب اہل جنت فرزند رسولؐ امام حسینؑ کا نام پکارا۔

سدیف نے کہا: اسے تو کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا یزید کے حکم سے ابن زیاد نے شہید کر دیا تھا۔ اس کی لاش پر گھوڑے دوڑائے گئے تھے۔ بے غسل و کفن چھوڑ دیا گیا تھا۔ سر کو نوک نیزہ پر نصب کر کے کوفہ سے شام تک تشہیر کرایا گیا۔ اور چالیس دن تک یزید کے دروازہ پر آویزاں رہا۔

سفاح نے کہا: ٹھیک ہے اس کا نام ہٹا دے اور نام پکار۔

غلام نے قمر بنی ہاشم کا نام پکارا۔

سدیف نے کہا وہ بھی تو اپنے بھائی کے ساتھ میدان کربلا میں یزید کے حکم سے شہید کیا گیا ہے۔

سفاح نے کہا: ٹھیک ہے یہ نام ہٹا دے اور کو لا۔

غلام نے زید ابن علی کا نام لیا۔

سدیف نے کہا: اس غریب کو تو ہمارے دور میں ہشام اموی حکمران نے بے دردی سے شہید کرایا۔ اس کا لاشہ درخت کے ساتھ الٹا لٹکوایا۔ شکم چاک کرنے کا حکم دیا۔ چار برس تک سولی پر چڑھا رہا۔ پھر اتار کر نذر آتش کیا اور راکھ کو دریا میں بہا دیا۔ اللہ کی قدرت تمام راکھ سطح آب پر جمع ہو گئی۔ مدینہ کا جسم مجسم ہو گیا۔ اور ایک دنیا نے اس کو

نے پڑھا ہے۔ سیعلم الذین ظلموا ای منقلب

سفاح نے کہا۔ یہ نام بھی شائستہ اور کو بلا۔

غلام نے ابراہیم ابن محمد ابن علی ابن عبداللہ ابن عباس کا نام پکارا۔

سدیف خاموش ہو گیا۔

سفاح نے کہا۔ سدیف کیا بات ہے۔

سدیف نے کہا۔ میری زبان وہ کچھ بیان کرنے پر ساتھ نہیں دے رہی جو آپ کے بھائی علی سے کیا گیا۔

سفاح نے کہا۔ جو ہوا ہے بتا۔

سدیف نے کہا۔ انہی امویوں میں سے مروان نامی شخص نے اس کے منہ پر دھونکنی باندھ کر لوہار کو دھونکنی پھونکنے اور جلاد کو کوڑے لگانے کا حکم دیا تھا۔ تین دن تک لوہار پھونکنی پھونکتا رہا تھا اور جلاد کوڑے مارتا رہا تھا چار ہزار کوڑے ان کے زندہ اور شہید جسم پر برسائے گئے۔

زید ابن عبدالملک نے کھڑے ہو کر کہا۔

اے بدترین غلام تو نے امیر کو ہمارے خلاف اس قدر بھڑکایا ہے کہ ایسے نظر آتا ہے کہ وہ ہم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔

سدیف نے بڑے حوصلے سے کہا۔ میرا مقصد بھی تو یہی ہے۔

سفاح دھاڑیں مار کر رو دیا۔ ٹوپی سر سے اتار کر زمین پر پھینک دی۔ کمروں میں پوشیدہ غلاموں کے لیے یہی اشارہ تھا وہ تلواریں لے کر نکلے اور امویوں کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔ سفاح اور سدیف نے بھی تلواریں سنبھال لیں۔ تھوڑے سے وقت میں ستر ہزار اموی کا لاشہ تڑپنے لگا۔ جب خون نالی کی صورت میں بہہ کر دربار سے باہر بہنے لگا تو دربان یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔

ابھی خون بہہ رہا تھا۔ لاشے تڑپ رہے تھے۔ سفاح نے حکم دیا کہ جلدی جلدی ان پر دریاں بچھائی جائیں اور دستر خوان لگایا جائے۔ لاشوں کے اوپر دستر خوان بچھ گیا۔ سفاح، سدیف اور دیگر عباسی اوپر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے نیچے لاشیں تڑپ رہی تھیں۔

سدیف کہہ رہا تھا۔ اے امیر ایک عرصہ بعد آج خوشی کا کھانا کھایا ہے۔ اللہ آپ کی زندگی دراز کرے۔ ابھی تک بہت سے باقی ہیں۔

سفاح نے کہا۔ مجھے علم ہے۔

سدیف نے کہا۔ لیکن اب وہ ہاتھ نہیں آئیں گے۔

سفاح نے کہا۔ ایک دن دیکھ لینا۔

صدیف نے کہا۔ کتنے ہوں گے۔

سفاح نے کہا۔ اس جگہ تو بقیہ دو سو چھیالیس ہیں۔

پھر سفاح نے چندہ سو معمار بلایا۔ پہلے ان سے قسم لی کہ مجھے ایک مکان بنوانا ہے۔ لیکن اس کا راز رہنا چاہیے۔ اگر راز نکل گیا تو تم میں سے کوئی بھی خاندان سمیت زندہ نہیں بچے گا۔

سفاح کی سفاکیت سے ہر شخص واقف تھا۔

ایک عظیم الشان محل کی بنیاد کھودی گئی۔ بنیادوں میں دو دو فٹ نمک بھر دیا گیا۔ اس کے گرد ایسی پوشیدہ نالیاں رکھی گئیں کہ وقت ضرورت چپکے سے پانی چھوڑا جا سکے۔

دو ماہ میں عالی شان محل تیار ہو گیا۔ لوگ دیکھنے کو آنے لگے۔ سفاح نے محل میں دعوت عام کی۔ بنی امیہ کو بھی بلایا۔

سب نے مبارک باد دی۔

سفاح نے پوچھا۔ محل کیسا ہے۔

سب نے کہا۔ جیسا ہونا چاہیے تھا ویسا ہے۔

سفاح نے بنی امیہ سے کہا۔ کیا آپ کو بھی پسند ہے۔

بنی امیہ نے کہا۔ کون بدنصیب ہے جو اسے پسند نہ کرے۔

سفاح نے کہا۔ اگر تمہیں پسند ہے تو میں اپنا اعتماد بحال کرنے کی خاطر یہ محل تم لوگوں کو دیتا ہوں۔ تم پریشان رہتے ہو تمہیں اعتبار نہیں آتا۔

بنی امیہ خوش ہو گئے۔ ہر ایک نے اپنا اپنا علاقہ معین کرنا شروع کر دیا۔ ایک ہفتہ میں محل بنی امیہ سے پر ہو گیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو سفاح نے ان کی دعوت کی۔ جب سب دسترخوان پر بیٹھ گئے تو نالیوں میں پانی چھوڑ دیا گیا۔ نمک تک پانی کے پہنچتے ہی پگھلنا شروع ہو گیا۔ دراڑیں پڑنے لگیں۔ باہر سے دروازے بند تھے۔ چند منٹوں میں محل دھڑام سے گر گیا۔ جتنے افراد بھی تھے واصل جہنم ہو گئے۔

سفاح اور صدیف دونوں دیکھنے گئے۔ جب دیکھا کہ ایک ذی روح بھی نہیں بچا سفاح نے صدیف سے کہا کیا تیرا انتقام پورا ہو گیا ہے۔

صدیف نے کہا۔ اے امیر! اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو جتنے تو نے مارے تھے یا ہم نے مارے ہیں ان سب کو جمع کیا جائے تو قاتل حسین کی جوتی کے تسمے کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ ویسے دل کچھ ٹھنڈا ہوا ضرور ہے۔ لیکن مکمل نہیں۔

سفاح نے کہا وہ کیسے؟

سدیف نے کہا۔ ان کے علاوہ تو سارے شام میں ہیں۔ یہ تو سب غریب عصبے کی قسم کے افراد تھے۔ جب تک شام رہنے والے اموی زندہ ہیں آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا انتقام پورا ہو گیا ہے۔

سفاح نے کہا۔ مجھے امید ہے ان میں سے بھی کوئی نہ بچے گا۔

سفاح نے اپنے چچا صالح ابن عبداللہ ابن عباس سے کہا۔ کہ آپ سدیف کو لے کر شام جائیں جتنا لشکر مناسب سمجھیں ساتھ کر لیں۔

اور کوشش یہ کریں کہ شام سے کوئی اموی بھاگ نہ جائے۔

صالح اور سدیف شام آ گئے۔ اور بنی امیہ پر حملہ کر دیا۔ کم و بیش تیس ہزار اموی کو شام میں قتل کیا۔ کچھ لوگ بھاگنے میں کامیاب ہو گئے جو سمندر کے راستے سے اسپین پہنچے اور وہاں اموی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔

مزارِ غریب زہرا اور بنی عباس

امالی طوسی میں عبدالحمید جمالی سے مروی ہے کہ موسیٰ ابن عیسیٰ کے ایام اقتدار میں میں گھر سے باہر نکلا کوفہ میں۔ ابھی تھوڑا ہی سفر کیا ہوگا کہ ابوبکر ابن عیاش سے ملاقات ہو گئی۔

ابوبکر نے کہا۔ آ میرے ساتھ اس کے پاس چلیں۔

میں نے سمجھا کہ کسی کے پاس چلنا ہے۔ لیکن میں اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ گدھے پر سوار تھا۔ میں پیدل تھا۔

ابوبکر نے کہا۔ میں تجھے صرف اس لیے ساتھ لا رہا ہوں کہ جو کچھ اس سرکش سے کہوں تو اس کا گواہ بننا۔

میں نے کہا۔ وہ کون ہے؟

اس نے کہا یہی موسیٰ ابن عیسیٰ فاسق و فاجر۔

جب ہم موسیٰ کے دروازے پر گئے تو دربان نے ابوبکر کو راستہ دے دیا لیکن مجھے روک لیا۔

ابوبکر نے دربان کو جھڑکا۔ کیا تو اندھا ہے دیکھتا نہیں یہ میرے ساتھ آ رہا ہے۔

پھر مجھے کہا۔ آ جا۔

ابوبکر گدھے پر سوار ایوان کے سامنے جا کر اترا۔ موسیٰ ایوان میں تخت پر بیٹھا تھا کہ مسلح افراد اس کے گرد تھے۔

میں تو ایوان کو دیکھ کر دہلیز پر باہر رک گیا۔

موسیٰ نے ابوبکر کو خوش آمدید کہا۔ اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ جب ابوبکر نے مجھے باہر کھڑے دیکھا تو کہا۔ آ جاؤ ہمارے قریب آ جا۔

موسیٰ نے کہا۔ کیا اسی آدمی کے متعلق تو نے بات کی تھی؟

ابو بکر نے کہا۔ نہیں اسے تو میں بطور گواہ کے لایا ہوں۔

موسیٰ نے کہا۔ کس بات کی گواہی؟

ابو بکر نے کہا جو کچھ تجھے کہنے آیا ہوں۔

موسیٰ نے کہا کیا بات ہے۔

ابو بکر نے کہا۔ جو کچھ تو نے حسینؑ ابن علیؑ و فاطمہؑ بنت محمدؐ سے کیا ہے یہ اچھا نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے تجھے بتانے آیا ہوں۔

موسیٰ نے کہا۔ کیا بات ہے۔

ابو بکر نے کہا جو عرصہ ہوا ہے میں نے ایک رات عالم خواب میں دیکھا کہ میں نینوا جا رہا ہوں جب میں کوفہ کے پل پر پہنچا تو میرے سامنے دس خنزیر آگئے ہیں۔ مجھے ان سے ہی سامنے کے ایک شخص نے بچایا۔ وہاں سے آگے بڑھ کر جب وادی آیا تو میں راستہ بھول گیا۔

وہاں میں نے ایک بڑھیا دیکھی اس سے راستہ پوچھا۔

اس نے کہا۔ بس سیدھا اسی طرح چلا جا وادی کے آخر میں تجھے راستہ نظر آجائے گا۔ جب میں نینوا پہنچا وہاں ایک بوڑھا آدمی بیٹھا تھا۔ اس سے میں نے پوچھا۔ تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے کہا اسی بستی میں۔ میں نے پوچھا تیری عمر کتنی ہوگی؟

اس نے کہا۔ یہ تو مجھے یاد نہیں البتہ اتنا بتا سکتا ہوں کہ جب ذریت رسولؐ اس میدان میں شہید کی جا رہی تھی میں اس وقت باہوش تھا۔

میں نے کہا۔ کیا واقعی؟

اس نے کہا۔ قسم خدا کی سچ کہہ رہا ہوں۔

میں نے کہا۔ پھر تو نے اس وقت کوئی مدد کیوں نہ کی؟

اس نے کہا۔ جس طرح آج تم اپنی آنکھوں سے ظلم دیکھ رہے ہو اور تمہاری زبانیں گنگ ہیں اسی طرح ہماری بدنصیبی نے ہمیں بھی کچھ نہ کرنے دیا۔

میں نے کہا۔ ہم کیسے خاموش ہیں؟

اس نے کہا۔ کسی زندہ سے تو کوئی خطرہ ہوتا ہے۔ بھلا کبھی کسی مر جانے والے سے بھی کوئی خطرہ ہوتا ہے۔

میں نے کہا۔ نہیں تو۔

اس نے کہا۔ پھر میں تو دیکھ رہا ہوں کہ اگر انسان کو جتنا حسینؑ کی زندگی میں ان سے ڈر تھا اتنا ہی آج ان کی قبر سے بھی ڈر ہے۔ مسلمان فرزند رسول کی قبر کا وجود بھی برداشت نہیں کرتے۔ یہ دیکھو پوری زمین کربلا میں ہل چل رہے ہیں۔ کسی زیارت کا رخ موڑا جاتا ہے۔ لیکن یہاں جو قبر ہے کسی کا نام نہیں لیتی۔

میں نے کہا۔ قبر کہاں ہے؟

اس نے کہا۔ آجاؤ میرے ساتھ۔ رات کا وقت تھا۔

میں اس کے ساتھ چلا۔ جب قریب مزار آئے تو سامنے دو آدمی کھڑے تھے۔ انہوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔

میں نے کہا۔ میں دور سے زیارت کو آیا ہوں۔

انہوں نے کہا کہ آج شب محمدؐ سے علاوہ انبیاء مزار حسینؑ پر آرہے ہیں خاتم الانبیاء کو پرسہ دے رہے ہیں اس وقت جناب ابراہیم مصروف زیارت ہیں۔ یہ سن کر میں پریشان ہوا اور بیدار ہو گیا۔ کافی وقت گزر گیا۔ حتیٰ کہ مجھے خواب تقریباً بھول چکا تھا۔

چند دنوں کی بات ہے میں سفر پر تھا میرا ایک شخص مقروض تھا۔ مجھے قرض وصول کرنے کی خاطر آنا پڑا۔ جب میں پل کوفہ پر پہنچا تو دس چوروں نے میرا راستہ روک لیا۔ اور کہنے لگے جو کچھ تیرے پاس ہے ہمیں دے دے اور چلا جا۔

میں نے کہا۔ میں ابو بکر ابن جابر ہوں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں تو اپنا قرض وصول کرنے جارہا ہوں انہی میں سے ایک شخص نے کہا اسے کچھ نہ کہو جانے دو۔ یہ دیکھ کر مجھے اپنا پرانا خواب یاد آگیا۔ پھر بالکل تمام واقعات ویسے پیش آئے جیسے خواب میں آئے تھے۔ بالآخر وہی بڑھا ملا جو خواب میں ملا تھا۔ اس نے مزار حسینؑ کی نشاندہی کی اس نے بتایا ہے کہ تم مزار فرزند رسولؐ کو منہدم اور معدوم کرنا چاہتے ہو یہ اچھا نہیں ہے جہاں خاتم الانبیاءؐ اور دیگر انبیاء آتے ہوں وہ جگہ قابل احترام ہوتی ہے۔

موفق نے کہا۔ اے احمق یہ تو کب سے خوابوں کا بادشاہ بن گیا ہے۔ خبردار آج کے بعد کسی کو یہ خواب مت سنانا۔ اگر میں نے سن لیا تو قتل کرا دوں گا۔ ساتھ رہنے والے بھی موفق نے کہا۔ گواہ صاحب تم بھی اپنی بربادی کو انجام سے گزر رکھنا

ابو بکر نے کہا۔ اللہ حافظ ہے۔

موفق نے کہا۔ اللہ بھی حافظ ہوگا لیکن زبان بند رکھنا۔ موفق نے ابو بکر کو گالی دی۔

ابو بکر نے جواب میں کہا۔ بے شک اللہ تیری زبان قطع کرے۔

موفق نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ دونوں کو گرفتار کرو۔ اور ذرا سبق پڑھا دو۔ پھر کیا تھا۔ قصابوں کی طرح سپاہیوں

نے ہمیں مدینہ شہر بدر کر دیا۔ جب تھک گئے تو موسیٰ کے حکم سے ہمیں زندان میں ڈال دیا گیا۔

زندان میں ہم کچھ ہی دیر بیٹھے تھے کہ موسیٰ کے آدمی ہمیں زندان سے لے گئے۔ موسیٰ کے سامنے کھڑا کیا۔

موسیٰ نے کہا۔ ابو بکر آج میں تجھے چھوڑ رہا ہوں۔ لیکن پھر اگر ایسی بات سنی تو نہ چھوڑ سکوں گا اس سے زیادہ میرا امتحان نہ لینا۔

پھر کہا۔ خبردار یہ بات باہر نہ نکلے اور ہمیں گالیاں دے کر باہر نکال دیا۔

راستہ میں ابو بکر نے کہا۔ اگر بات ماشاء اللہ جو دے گا۔ ہر ایک کو نہ بتانا۔ جسے اس کا اہل دیکھنا تو اسے ضرور بتانا۔

منتخب میں یہی ابن سیرویہ سے مروی ہے کہ میں جریر بن عبد الحمید کے پاس تھا کہ جریر کے پاس عراق سے ایک شخص آیا۔

جریر نے اس سے عراق کے حالات پوچھے۔

کوفی نے بتایا کہ قبر حسینؑ پر ہل چلائے جا رہے ہیں۔ اور قبر حسینؑ کے قریب جو بیری کا ایک درخت تھا۔ اسے کاٹ دیا گیا ہے۔

جریر نے دونوں ہاتھ بلند کر کے اللہ اکبر کہا۔

میں نے کہا۔ خیریت تو ہے؟

جریر نے کہا بڑی مدت کے بعد ایک حدیث نبوی کا معنی سمجھ آیا ہے۔

میں نے پوچھا۔ وہ کونسی حدیث ہے۔

جریر نے کہا۔

آپ نے تین مرتبہ فرمایا ہے۔

اللہ بیری کاٹنے والے پر لعنت کرے۔ اللہ بیری کاٹنے والے پر لعنت کرے۔ ہمیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ کونسی بیری ہے۔ آج پتہ چلا کہ حضور کا مقصد یہ تھا۔ بیری سے مراد مزار حسینؑ تھی۔

منتخب میں عبید اللہ ابن رابیہ سے مروی ہے کہ میں ۲۴۷ھ میں حج کو آیا۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ آیا مزار رسولؐ کی زیارت کی پھر عراق آیا۔ رات کے وقت حضرت علیؑ کی زیارت کی۔ دوسرے دن کربلا آیا مزار تو اس پر ہل چلائے جا رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بیلوں کو کسان مار مار کر ادھر موڑ دیتے تھے۔ لیکن کوئی بھی بیل اپنے قدم فرزند زہراؑ کے مزار پر نہیں رکھتا تھا۔

روضہ مظلوم پر شفا۔

بحار میں ابو جعفر نیشاپوری سے مروی ہے کہ ایک سال میں مظلوم زہراؑ کی زیارت کو گیا ہمارا قافلہ تھا کربلا سے کم و بیش دس بارہ میل پرے ہمارے ایک ساتھی پر اچانک فالج کا حملہ ہوا اور وہ بے کار ہو گیا۔ اس نے ہماری منت سماجت کی ہم نے پھر اسے اٹھایا اور ساتھ لائے۔ مزار قریب سے دعا طلب۔ اس نے تمام عاجزی و زاری سے شفا کی اپیل کی ہم اس وقت حیران رہ گئے جب ہم نے پکار کر کہا تو وہ چلنے لگا۔

زیارت غریب زہراؑ۔

منتخب میں جمیل سے مروی ہے کہ ایک مدت سے میں تمام شب فضائل آل محمدؑ کا قصیدہ لکھ رہا تھا رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔

دق الباب ہوا۔

میں نے پوچھا۔ کون؟

جواب ملا آپ کا بھائی ہوں۔

میں نے دروازہ کھولا تو ڈر کے مارے برا حال ہو گیا ایک عجیب الخلقت شخص سامنے کھڑا تھا۔ وہ اندر چلا آیا۔ میرا پسینہ چھوٹ گیا۔

اس نے کہا ڈریں نہیں میں جنوں سے آپ کا مومن بھائی ہوں۔ آپ فضائل آل محمدؑ کے قصائد لکھتے ہیں۔ اور میں آپ کو ایک ایسی بات سنانے آیا ہوں جو آپ نے کبھی نہ سنی ہو گی۔

میرا خوف کچھ ہلکا ہوا۔

میں نے کہا ضرور سنائیے۔

اس نے کہا میں سرکش جنات میں سے تھا اور عداوت علیؑ میں آخری مقام پر تھا۔ میں ننگے قسم کے جنوں کے ایک گروہ کے ساتھ ایک مدت چلتا رہا تھا۔ راستے میں ہمیں زائرین حسینؑ کا ایک قافلہ مل گیا ہم نے انہیں تنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ ملائکہ نے ہر طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے جو ہم سے بھی محفوظ کر رہے تھے۔ اور حشرات الارض سے بھی محفوظ کر رہے تھے۔

یہ دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئیں۔ میں نے اپنی سابقہ زندگی پر لعنت کی۔ توبہ کی ساتھیوں سے جدا ہو کر کربلا آیا۔ زیارت سے فارغ ہو کر مکہ آیا۔ حج کے بعد مدینہ میں معصومہ زہراؑ کی زیارت کی۔ حضرت رسولؐ کی زیارت سے واپس آرہا تھا ایک جگہ ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس کے گرد بہت سے لوگ تھے۔ میں نے کسی سے پوچھا یہ کون ہے؟

مجھے بتایا گیا کہ فرزند رسولؐ صادقؑ ہے۔

میں نے قریب جا کر سلام کیا۔

انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا۔ مبارک ہو تیری توبہ قبول ہے۔ سرزمین کربلا کی زیارت کو ہمیشہ یاد رکھنا

میں نے عرض کیا قبلہ کوئی حدیث سنایئے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ مجھے اپنے آباء کے ذریعہ آنحضورؐ سے روایت موصول ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یا علیؑ! کوئی نبی مجھ سے پہلے کوئی وصی تجھ سے پہلے داخل جنت نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی کوئی امت میری امت سے پہلے داخل جنت ہوگی۔ اور میری امت اس وقت داخل جنت ہوگی۔ جب تیری ولایت کا اقرار کرے گی۔ یا علیؑ جس نے ذرا بھر بھی تیری توہین کی ہوگی وہ جنت کی بو تک نہ پا سکے گا۔ تجھ جیسے کا کسی میں حدیث نہ مل سکے گی۔

امام زین العابدین علیہ السلام

مطالب السئوول کے مطابق :-

علی ابن حسینؑ زین العابدین، قدوۃ الزاہدین، سید المتقین، امام المومنین۔ جن کی جبین مبین کی درخشندگی اس بات کی شاہد تھی کہ آپ نسل رسولؐ ہیں۔ ۔ ۔ ۔ آپ کا اسلوب و ڈھنگ ترجمان ذات احدیت کی جھلک دکھاتا تھا آپ کے اعضائے سجدہ پر نشانات کثرت نماز اور تسلسل تہجد کے گواہ تھے۔ ۔ ۔ ۔ دنیا سے کنارہ کشی آپ کے زہد کی ناطق تھی۔ ۔ ۔ ۔ آپ کے تقوی کی مہک دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۔ ۔ ۔ آپ کی صداقت بیان سے واضح تھا کہ آپ کو تائید حق حاصل ہے۔ عبادت سے آپ کو محبت تھی، اطاعت خالق آپ کے وجود سے آراستہ تھی۔ شب بیداری آپ کے سفر آخرت کے لیے سواری رہی۔ ۔ ۔ ۔ توشۂ سفر کے لیے آپ کے دن کے روزے زادراہ تھے۔ ۔ ۔ ۔ آپ کے معجزات آنکھوں نے دیکھے کانوں نے سنے۔ ۔ ۔ ۔ آپ کا کردار ہمیشہ اس بات کا اعلان کرتا رہا کہ آخرت کے سلاطین سے آپ بھی ایک ہیں۔

مقام ولادت :-

مدینہ منورہ

تاریخ ولادت :-

۱۵ جمادی الاول

باپ :-

حسینؑ ابن علیؑ

ددھیال :-

شاہان محمد علی۔

اسم مبارک :۔

علی

القاب :۔

زین العابدین، سید الساجدین ۔ زکی ۔ امین ۔ ذوالثفنات ۔

سال ولادت :۔

سنہ ۳۸ھ

روز ولادت :۔

خمیس

ماں :۔

شاہ زنان بنت یزدجرد

ننھیال :۔

سلاطین ایران

کنیت :۔

ابوالحسن اور ابو محمد

ماہ ولادت :۔

جمادی الاول

زین العابدین کیوں !

ایک مرتبہ ابلیس آپ کے پاس اس ارادے سے آیا کہ آج علی ابن حسین ؑ کے خضوع و خشوع کو ختم کردوں۔ سانپ کی شکل اختیار کی عدے کے انداز میں اور گرد دو تین چکر لگائے۔ تنگ آکر بحالت سجدہ پاؤں کے انگوٹھا کو منہ میں لے کر کاٹا۔ لیکن آپ کے اطمینان میں فرق نہ آیا۔ آپ نے بسم اللہ پڑھا اور فرمایا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ علی العظیم۔ دفع ہو جا اے ملعون و رجیم۔ شیطان بھاگ گیا۔ اہل مدینہ کے کانوں نے یہ آواز سنی۔

واللہ انت زین العابدین ۔ واللہ انت زین العابدین ۔ واللہ انت زین العابدین ۔

عمر شریف :۔

۵۷ برس

سنہ شہادت :۔ سنہ ۹۵ھ

ارشاد شیخ مفید کے مطابق حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں حریث ابن جابر حنفی کو ایران کا عامل بنا کر بھیجا اس نے یزد جرد کی دو بیٹیاں آپ کے پاس بھیجیں۔ شہربانو اور ماہ بانو حضرت علی نے شہربانو کا عقد امام حسین سے اور ماہ بانو کا عقد محمد ابن ابو بکر سے کیا۔

شہربانو سے امام سجادؑ اور ماہ بانو سے قاسم ابن محمد پیدا ہوئے۔ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔

امام سجادؑ دادا کے ساتھ دو برس۔

چچا امام حسنؑ کے ساتھ بارہ برس

اور باپ کے ساتھ ۲۳ برس رہے۔

آپ کی مدت امامت ۳۵ برس تھی۔

آپ کے زمانہ امامت میں اموی حکمران:

یزید ابن معاویہ

معاویہ ابن یزید

مروان ابن حکم

عبدالملک ابن مروان

ولید ابن عبدالملک۔

امام باقرؑ سے مروی ہے کہ میرے بابا کا معمول تھا جب بھی کوئی نعمت آتی فوراً سجدہ میں گر جاتے۔ اور جب بھی کوئی مصیبت دور ہوتی سجدہ شکر کرتے۔ فریضہ سے فارغ ہوتے تو سجدہ شکر کرتے۔ بکثرت سجدوں کی وجہ سے آپ کا نام ہی سجاد ہو گیا۔

کشف الغمہ میں مروی ہے کہ زہری جب بھی آپ کا نام لیتا تو زین العابدین کہتا تھا۔ ایک مرتبہ سفیان ثوری نے کہا یہ تو اسے زین العابدین کیوں کہتا ہے۔

زہری نے کہا میں نے سعید ابن مسیب سے سنا ہے سعید نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز منادی ندا کرے گا زین العابدین کہاں ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں علی ابن حسینؑ منادی کے جواب میں آگے آ رہا ہے۔

نقش انگشتری:

امالی صدوق میں مروی ہے کہ آپ کی انگوٹھی کا نقش۔ ان اللہ بالغ امرہ تھا۔

بعض نے بتایا کہ نقش انگشتری تھا۔ الحمد للّٰہ العلی۔
بعض نے کہا ہے کہ نقش انگشتری تھا۔ خزی و شقی قاتل الحسینؑ

نصوص امامت:۔

اصول کافی میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے کربلا جانے لگے تو آپ نے تبرکات انبیاء جناب ام المومنین ام سلمہ کے سپرد کیے اور فرمایا۔ جب سجادؑ واپس آجائے تو دے دینا کیونکہ یہ تبرکات صرف اوصیائے انبیاء سے مخصوص ہیں۔

اصول کافی میں امام باقرؑ سے مروی ہے کہ جب مظلوم کربلا خیام سے آخری الوداع کر کے میدان میں جانے لگے تو آپ نے ایک خط اپنی بیٹی جناب فاطمہ کبریٰ کو دیا اور فرمایا۔ جب واپس مدینہ پہنچ جاؤ تو سجادؑ بھائی کے حوالہ کر دینا۔

راوی نے عرض کیا۔ قبلہ اس لفافہ میں کیا تھا؟
آپ نے فرمایا۔ تخلیق کائنات سے لے کر قیامت تک مخلوق خدا کی جملہ ضروریات اور مشکلات کا حل تھا۔

امالی صدوق میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ نبیؐ کریم نے دم آخر اپنی انگوٹھی حضرت علیؑ کو۔ حضرت علیؑ نے وہی انگوٹھی امام حسنؑ کو امام حسنؑ نے امام حسینؑ کو۔ امام حسینؑ نے امام سجادؑ کو۔ امام سجادؑ نے امام باقرؑ کو اور امام باقرؑ نے مجھے اپنے ہاتھ کی انگلی میں پہنائی ہر جمعہ کے دن وہ انگوٹھی ہاتھ میں پہن سکتا ہوں۔

امام سجادؑ کے معجزات

۱۔ حجر اسود کی شہادت:۔

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کچھ لوگوں نے جناب محمد حنفیہ کو امام ماننا شروع کر دیا تھا جناب محمدؑ نے کبھی دعوائے امامت نہیں کیا تھا۔ لوگوں کو منع بھی کرتے مگر لوگ نہ سمجھے۔ تین مقامات پر جناب محمدؑ نے لوگوں کو جناب امام سجادؑ کی امامت کی رہنمائی کے لیے امام سجادؑ کے سامنے دعوائے امامت کیا۔ تاکہ لوگوں پر حجت تمام ہو جائے
امام مکہ میں جناب محمد اپنے چند معتقدین کو لے کر آئے اور کہا۔ سجادؑ بیٹے! میں آپ سے بڑا ہوں۔ بامامت

براہ راست ان سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ آپ نے کیوں دعوائے امامت کر رکھا ہے۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔

چچا جان! بزرگ ہونے کی حیثیت سے آپ میرے لیے واجب الاحترام ہیں لیکن امام ہونے کی حیثیت سے میں آپ کیلئے واجب الاطاعت ہوں۔ اگر آپ کو اپنی امامت کا یقین اور میری امامت میں شک ہو تو آیئے یہیں فیصلہ ہو جاتا ہے۔

محمد نے کہا کیسے فیصلہ ہو جائے گا۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ حجر اسود کے پاس چلے جاتے ہیں۔ آپ بھی اس پر سلام کریں، میں بھی سلام کروں گا جسے حجر اسود سلام کا جواب دے وہی امام ہوگا۔

کیونکہ حجر اسود نبی یا وصی نبی کے سلام کا جواب دینے کا پابند ہے۔

محمد نے اپنے معتقدین کی طرف دیکھ کر کہا۔ سجادؑ نے انصاف کی بات کی ہے میں تسلیم کرتا ہوں۔ انہوں نے بھی تائید کی۔

دونوں چلے گئے۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ چچا چونکہ آپ بڑے ہیں اس لیے آگے بڑھیں اور حجر اسود کو اپنی امامت کی گواہی دینے کا حکم دیں۔

جناب محمد آگے بڑھے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا مانگ کر کہا اگر میں امام حق ہوں تو میری امامت کی گواہی دے حجر اسود سے کوئی جواب نہ ملا۔

اب امام سجادؑ آگے بڑھے دو رکعت نماز پڑھی اور حجر اسود سے فرمایا۔

اے وہ پتھر جسے اللہ نے بیت اللہ میں آنے والے افراد کا تاقیامت گواہ بنایا ہے۔ اگر تجھے علم ہے کہ میں صاحب الامر اور اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام ہوں۔ تو میری امامت کی گواہی دے تاکہ میرے چچا اور ان کے معتقدین کو میری امامت کا یقین ہو جائے۔

حجر اسود نے عربی فصیح میں بلند آواز سے کہا۔ جسے بیت اللہ میں موجود تمام افراد نے سنا۔

اے محمد ابن علیؑ۔ علی ابن حسینؑ اللہ کی طرف سے امام منصوص ہے۔ اس کی اطاعت تجھ پر اور تمام مخلوق پر واجب ہے۔ اس مسئلہ میں جھگڑا نہ کر۔

جناب محمد نے امام سجادؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بوسہ دیا۔ اور کہا بیٹے تو ہی امام حق ہے۔

۲۔ بکری کی گواہی :۔

مناقب میں علامہ ساباطی سے مروی ہے کہ امام حسینؑ کے بعد جب کیسان آل محمدؑ نے جناب محمد حنفیہ کو امام ماننا شروع کیا تو پہلے تو آپ نے نہیں روکا جب وہ حد سے بڑھ گئے تو انہیں یقین دلانے کی خاطر ایک دن اپنے چند معتقدین کو لے کر امام سجادؑ کے پاس آئے اور کہا۔

بھلا بیٹے! بزرگوں کا حق بڑا ہوتا ہے میرے ہوتے ہوئے تجھے دعوائے امامت کا حق نہ تھا۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ امامت صرف دعوے کرنے سے نہیں آ جاتی۔ امامت کے کچھ دلائل بھی ہوتے ہیں۔ یہ سامنے بکری کھڑی ہے اگر آپ امام ہیں تو اسے حکم دیں آپ کی امامت کی گواہی دے۔

جناب محمد نے کہا بھلا کبھی حیوانات نے بھی گواہی دی ہے۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ اگر حیوانات نبوت کی شہادت دے سکتے ہیں تو امامت کی گواہی کیوں نہیں دے سکتے ہیں۔

جناب محمد نے فرمایا۔ پھر آپ ہی ہمیں بکری سے اپنے حق میں شہادت دلوائیں۔

امام سجادؑ نے عرض کیا۔ بار الہا۔ بکری کو قوت گویائی دے۔

بکری نے فصیح عربی میں کہا اے فرزند حسینؑ خدا نے علم امامت کا امین آپ کو بنایا ہے۔ سو وہ کیسانیہ کو حکم دیں مجھے چارہ ڈال دے۔

جناب محمد نے آگے بڑھ کر امام سجادؑ کو گلے لگایا اور کہا۔ میں مانتا ہوں آپ ہی امام حق ہیں۔

۳۔ مردہ کا زندہ ہونا :۔

مناقب المناقب میں ثوبان سے مروی ہے کہ جب کیسان آل محمدؑ نے جناب محمد کی امامت کا پرچار شروع کیا تو پہلے تو آپ نے انہیں روکا لیکن جب وہ نہ رکے تو وہاں سے چند سرکردہ افراد کو ساتھ لے کر امام سجادؑ کے پاس آئے اور کہا بھائی آپ کو معلوم ہے میں علی کا بیٹا ہوں اور امام حسنؑ و حسینؑ کے بعد میں ہی سب سے بڑا ہوں۔ یہ لوگ بھی مجھے امام مانتے ہیں، لہذا آپ بھی مجھے امام مان لیں۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ امامت کا تعلق نہ تو بڑے چھوٹے سے ہوتا ہے اور نہ لوگوں کے مان لینے سے ہوتا ہے۔ آیئے قبرستان میں چلتے ہیں اور امامت کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔

کافی لوگ دونوں کے ساتھ قبرستان میں آئے۔

امام سجادؑ نے ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

پچایہ تو کی قبر ہے۔ صاحب قبر سے کہیں آپ کی امامت کی گواہی دے۔

جناب محمدؒ نے کہا۔ اگر آپ امام حق ہیں تو پھر آپ ہی بات کہہ دیں تاکہ ہم بھی سن لیں۔

امام سجادؑ نے صاحب قبر سے فرمایا۔ المحمد بتا امام حق کون ہے۔

قبر شگاف ہوئی صاحب قبر سرسے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اے فرزند علیؑ امامت علی ابن حسینؑ کا وہ حق ہے جو اسے اللہ کی طرف سے ملا ہے لہذا آپ کو یہ تنازعہ زیب نہیں دیتا۔

جناب محمدؒ آگے بڑھ کر امام سجادؑ کو گلے لگایا اور کہا۔ بیٹے میں مان گیا ہوں آپ امام حق ہیں۔ آئندہ میری طرف سے ایسی کوئی بات نہ ہوگی۔

۴۔ پانی موتیوں میں تبدیل ہوگیا

بحار اور منتخب میں مروی ہے کہ بلخ سے ایک مومن ہر سال حج کو آتا تھا اور امام سجادؑ کے لیے کچھ تحائف بھی لاتا تھا۔

ایک سال جب واپس گیا تو اسے بیوی نے کہا۔

وہ کون ہے جس کے لیے ہر سال تو تحائف لے کر جاتا ہے لیکن وہاں سے تجھے کچھ بھی نہیں ملتا۔ اور خالی ہاتھ لوٹتا ہے۔

اس مومن نے کہا۔ ایسا نہ کہہ۔ تو جانتی بھی ہے کہ وہ کون ہے؟

عورت نے کہا۔ اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں کہ وہ کون ہے؟

مومن نے کہا۔ ہمارا امام ہے۔ اللہ کی طرف سے حجت ہے۔ کائنات کا مالک ہے۔ فرزند رسولؐ ہے اور خلیفہ خدا ہے۔

اگلے سال وہ حج کو آیا جب حج سے فراغت کے بعد مدینہ آیا۔ روضہ رسولؐ پر سلام کرنے کے بعد امام سجادؑ کی خدمت میں آیا۔ دستر خوان لگ رہا تھا۔

قدم بوسی کے بعد بیٹھ گیا۔

امام سجادؑ کے حکم سے کھانا کھایا۔ کھانا سے فراغت کے بعد اٹھا اور لوٹا لے کر امام کے ہاتھ دھلانے لگا۔

آپ نے فرمایا۔ تو ہمارا مہمان ہے۔ آ تاکہ مجھے دے میں تیرے ہاتھ دھلاؤں۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ اولاد رسولؐ جہاں بھی رہتا ہے وہ عقیدت مند ہوتا ہے میں مہمان بن کر نہیں آیا اپنے کیہ عقیدت کی زیارت کو آیا ہوں اور میری سعادت ہے کہ ذات احدیت نے مجھے یہ موقع فراہم کیا ہے کہ آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالوں۔

آپ نے فرمایا۔ خوش قسمت ہے۔ اللہ بھی تجھے اتنا دے گا کہ تیرا دل خوش ہو جائے گا۔

امام نے طشت میں ہاتھ بڑھایا۔ مومن نے پانی ڈالا طشت کا تیسرا حصہ پانی سے بھر گیا۔ امام نے پوچھا طشت میں کیا ہے۔

مومن نے عرض کیا۔ قبلہ پانی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ذرا غور سے دیکھ پانی کہاں ہے طشت میں یاقوت احمر ہیں۔

اب جو مومن نے دیکھا طشت میں یاقوت احمر بکھرے ہوئے تھے۔

امام نے فرمایا اور پانی ڈال۔ اس نے پانی ڈالا۔ طشت کا دو تہائی پانی سے پر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔ طشت میں کیا ہے؟

مومن نے عرض کیا۔ قبلہ یاقوت احمر اور پانی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ذرا غور سے دیکھ یاقوت احمر اور سبز زمرد ہے۔

مومن نے دیکھا تو یاقوت احمر کے اوپر سبز زمرد کی تہہ تھی۔

امام نے فرمایا۔ پانی ڈال۔ اس نے پانی ڈالا۔ طشت پر ہو گیا۔

آپ نے فرمایا۔ طشت میں کیا ہے۔

مومن نے عرض کیا۔ قبلہ یاقوت احمر، زمرد سبز اور پانی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ نہیں یاقوت احمر، زمرد سبز اور در سفید ہیں۔

مومن نے دیکھا تو واقعاً طشت یاقوت احمر، زمرد سبز اور سفید موتیوں سے پر تھا۔

امام نے فرمایا۔ تجھے معلوم ہے ہمیں دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ ہماری طرف سے بطور معذرت بیوی کو یہ تحفہ پیش کر دینا۔ امید ہے پھر تجھے کبھی شکوہ نہیں کرے گی۔

مومن نے عرض کیا قبلہ آپ کو کیسے پتہ چلا؟

آپ نے فرمایا۔ اللہ جسے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر فرماتا ہے اسے کم از کم اتنے علم سے ضرور نوازتا ہے جس سے وہ اپنی رعیت کے حالات سے باخبر رہ سکے۔

وہ مومن واپس گیا۔ عورت کے سامنے جواہرات کا ڈھیر لگا دیا۔ اور تمام واقعہ سنایا۔ عورت نے کہا اب کے سال تو تنہا اس امام کی زیارت کو نہیں جائے گا۔ میں بھی اس امام کو سلام کرنے آؤں گی۔

اگلے سال دونوں میاں بیوی چلے۔

حج سے فارغ ہو کر مدینہ آ رہے تھے۔ راستے میں عورت بیمار ہو گئی۔ کافی علاج کے باوجود جانبر نہ ہو سکی فوت ہو گئی۔

مومن عالم پریشانی میں آپ کے پاس آیا اور جنازہ کی درخواست کی۔

آپ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور دعا مانگی۔ پھر فرمایا۔ جا۔ اللہ نے تیری بیوی کو زندہ کر دیا ہے وہ تیرے انتظار میں ہے۔

مومن خوشی خوشی واپس آیا۔ دیکھا تو بیوی انتظار میں تھی۔

اس نے پوچھا۔ تو تو مر گئی تھی۔ پھر زندہ کیسے ہو گئی۔

عورت نے کہا۔ ملک الموت میری روح قبض کر کے جا رہا تھا کہ ایک انتہائی وجیہ اور حسین شخص سامنے آیا۔ عورت نے جب تمام حلیہ بیان کیا۔ تو مرد نے کہا بالکل میرا امام اسی طرح ہے۔ ملک الموت نے اسے دیکھ کر السلام علیک یا حجۃ اللہ السلام علیک یا زین العابدین کہا۔

اس نے ملک الموت کو حکم دیا۔ اس کی روح واپس کر۔ میری ناشرہ تھی۔ اور ہم پر ہمارے ناشرین کا حق ہے میں نے اللہ سے درخواست کی ہے۔ اللہ نے اس کی زندگی میں تیس برس بڑھا دیئے ہیں۔

ملک الموت نے عرض کی۔ قبول ہے حکم امر۔

پھر میری روح میرے جسم میں واپس کر کے چلا گیا۔

مومن نے کہا۔ اگر اس محسن کو دیکھے تو پہچان لے گی۔

عورت نے کہا۔ بھلا کیسے نہ پہچانوں گی۔ میں تو ان کی آواز بھی پہچان لوں گی۔

دونوں مدینہ آئے امام سجاد حلقۂ اصحاب میں تشریف فرما تھے عورت نے جونہی دیکھا۔ دوڑ کر پکاری۔ بخدا یہی وہ ہے۔ انہوں نے ملک الموت کو حکم دیا تھا نہیں کو ملک الموت نے السلام علیک یا حجۃ اللہ کہا تھا۔ یہ کہہ کر آگے بڑھی اور آپ کے قدموں میں گر کر قدم چومنے لگی۔

اس کے بعد تا زندگی دونوں میاں بیوی ہر سال آپ کی زیارت کرتے رہے۔

۵ - عبد الملک ابن مروان کے کپڑے نجس ہو گئے۔

مطالب السئول میں زہری سے مروی ہے کہ جب عبد الملک نے امام سجاد کی گرفتاری کا حکم دیا۔ مدینہ میں اس کے گورنر نے آپ کو گرفتار کر کے عبد الملک کے سپاہیوں کے سپرد کیا۔ میں نے ان سے ملاقات کی اجازت مانگی انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔

جس خیمہ میں آپ مقید تھے میں آیا تو دیکھا آپ کے ہاتھوں میں رسیاں پاؤں میں بیڑیاں۔ اور گلے میں طوق تھے۔ میں رو دیا۔

آپ نے فرمایا۔ زہری یہ مصائب اگر ہم خود ہی قبول کر لیں تو اور بات ہے ورنہ ان لوگوں میں یہ ہمت نہیں ہے کہ ہمیں قید کریں۔

اب ان مقامات کا وقت گزر چکا ہے۔ اس وقت ضرورت تھی لوگوں کو ایک مرتبہ توحید و رسالت یاد دلانے کی۔ اب اتمام حجت ہو چکا ہے۔ میں ان کا پابند نہیں ہوں۔ مدینے سے دو منزل ان کے ساتھ جاؤں گا۔ پھر واپس آ جاؤں گا۔ میں اب بھی اگر میں چاہوں تو آزاد ہو سکتا ہوں۔ لیکن یہاں آزاد ہو گیا تو پھر یہ لوگ ہمارے محبوں کو مدینہ میں ستائیں گے اس لیے بیرون مدینہ تک ان کے ساتھ جاؤں گا تاکہ یہ کسی کو میری آزادی میں متہم نہ کر سکیں۔

میں نے دل میں خیال کیا۔ کہ خدا معلوم یہ لوگ کیا کہتے ہیں پا بہ زنجیر ہے پھر بھی ایسی باتیں کر رہا ہے۔

امام سجادؑ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا میری طرف دیکھ۔

میں نے دیکھا آپ نے زنجیروں کی طرف اشارہ کیا۔ تمام زنجیر کھل کر ایک طرف ہو گئے۔ پھر فرمایا کیا اب بھی تجھے شک ہے۔

میں نے قدموں پر ہاتھ رکھ کے عرض کی۔ قبلہ کبھی شک نہ کروں گا۔

چلتے چلتے یہ گزری تھیں کہ شام سے جانے والے عبدالملک کے سپاہی پریشان ادھر ادھر مدینہ میں بھاگ رہے تھے۔

اور ایک ایک سے پوچھ رہے تھے کہ کہیں علیؑ ابن حسینؑ کو دیکھا ہے۔

میں نے پوچھا۔ کیوں کیا ہوا۔ تم تو انہیں گرفتار کر کے لے گئے تھے۔ پھر اب یہاں کیوں ڈھونڈنے آئے ہو؟

انھوں نے کہا۔ آج چوتھی رات ہے منزل کو ہوتے ہیں اور رات کو ہر وقت اس کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہماری آنکھوں کے سامنے سے اس طرح غائب ہوئے کہ زنجیریں رہ گئے۔ اور امام سجادؑ نہیں ہیں۔

بعد میں میں شام آیا۔ عبدالملک سے امام سجادؑ کے متعلق پوچھا۔

میں نے کہا وہ ہر وقت مصروف عبادت رہتے ہیں۔ اس دن آپ کے سپاہی کہہ رہے تھے کہ ہمارے سامنے غائب ہو گئے یہ کیا پتہ ہے۔

عبدالملک نے کہا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ جس وقت کہ سپاہی پتہ دیتے ہیں اسی وقت میرے پاس آئے۔ میں دیکھ کر ڈر گیا۔ مجھ پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ پیشاب خطا ہو گیا کپڑے تر ہو گئے۔

مسکرا کر فرمایا۔ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔

میں نے ہکے ہوئے انداز میں عرض کی۔ چاہتا تھا آپ یہیں رہ جائیں۔

انھوں نے کہا۔ میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ میں در حضرت رسولؐ نہیں چھوڑنا چاہتا۔ یہ کہہ کر غائب ہو گئے۔ یقین کرو میری جب میری آنکھوں سے غائب ہوئے تو مجھے ہوش آیا اور میرا ذہن کچھ مطمئن ہوا جب تک وہ کھڑا رہا میں کانپتا رہا۔

۲۱۔ پانی پر چلنا۔

ابو خالد کابلی سے بحار میں مروی ہے کہ ایک دن امام سجادؑ کی ایام الطویل کا بیٹا یحییٰ مجھے امام سجادؑ کے پاس لے گیا۔ میں نے آپ کی سادگی کے متعلق جو کچھ سن رکھا تھا وہاں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ آپ بڑے آرام دہ بستر پر انتہائی حسین لباس میں بیٹھے تھے۔

میں خاموش بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا۔

امام سجادؑ نے فرمایا۔ کل صبح آنا۔

میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ نہیں آؤں گا۔ کیونکہ جو شہرت تھی اس کے خلاف دیکھا ہے۔ دوسرے دن صبح خیال آیا کہ جانے میں کونسا حرج ہے۔

چنانچہ میں چلا گیا۔ دیکھا تو مکان خالی تھا۔ چاہا واپس پلٹوں کہ اندر سے امام سجادؑ نے پکار کے فرمایا۔ کل جس جگہ تو نے دیکھا تھا وہ عارضی تھی آج اپنی جگہ بیٹھا ہوں آجا۔

میں اندر گیا۔ دیکھا تو انتہائی سادہ اور بوسیدہ لباس میں ایک پرانی سی چٹائی پر بیٹھے تھے۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔

فرمانے لگے۔ کنکر! جو تو نے کل دیکھا ہے وہ میرا نہ تھا۔ میری بیوی کی خواہش تھی جو میں نے ایک دن پوری کر دی ورنہ ہمارا یہ حجرہ ہے۔

میں نے دل میں سوچا۔ کہ میرا کنکر نام میرے، میری ماں۔ اور اللہ کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ انہیں کس نے بتایا ہے۔

آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ یہ کون سی تعجب کی بات ہے۔ جو چیز اللہ کو معلوم ہو اگر وہ چاہے تو اپنے اولیاء کو اپنے علم سے نواز سکتا ہے۔

پھر وہ مجھے اور یحییٰ کو ساتھ لے کر باہر ایک تالاب پر آئے۔ بہت بڑا اور گہرا تالاب تھا۔ ہمیں کنارے پر کھڑا کیا اور خود تالاب میں چلے گئے۔ کافی دیر تک سطح آب پر چلتے رہے میں دیکھ رہا تھا۔ ایڑی سے اوپر پانی کی رطوبت بھی نہ آئی۔

بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر آپ ہی اللہ کی آیت کبریٰ اور کرہ ارض پر حجت خدا ہیں۔

واپس تشریف لائے اور فرمایا۔ کنکر یاد رکھنا قیامت کے دن تین افراد ایسے ہوں گے۔ جن کی طرف نگاہ رحمت نہ ہو گی۔

ایسا شخص جو ہماری جگہ ان لوگوں کو بٹھائے جو نا اہل ہیں۔

ایسا شخص جو ہم سے ہمارا مقام چھینے۔
اور قاتل۔
یاد رکھنا، پہلی دونوں قسم کے افراد کا اسلام میں بہت بڑا عمل دخل ہے۔

۷۔ حضرت یونس کی مچھلی:

بحار میں ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عمر امام سجادؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔
اے فرزند حسین! کیا یہ سچ ہے کہ تم نے کہا ہے کہ چونکہ جناب یونس نے میرے دادا کی ولایت قبول کرنے میں تامل کیا تھا اس لیے اللہ نے مچھلی کو حکم دیا تھا کہ اسے زندان شکم میں رکھے۔
امام سجادؑ نے فرمایا۔ ہاں میں نے ایسا کہا ہے۔
عبداللہ ابن عمر نے کہا۔ اگر کہا ہے تو مجھے اس دعویٰ کا ثبوت چاہیے۔ اگر سچ ہے تو ثبوت دے۔
امام سجاد نے ہمیں فرمایا آنکھیں بند کرو۔
ہم نے آنکھ بند کیں۔
چند سیکنڈ بعد فرمایا اب کھول لو۔
ہم نے آنکھیں کھولیں تو ہم کانپ گئے۔ ہم سمندر کے کنارے کھڑے تھے۔
عبداللہ ابن عمر تھر تھرا رہا تھا۔ کہنے لگا۔ تجھے اپنے جد کا واسطہ ہمیں واپس لے چل۔
امام سجاد نے جھڑک کے فرمایا۔ خاموش رہ۔ اور میرے دعوے کا ثبوت دیکھ۔ پھر آپ نے باآواز بلند فرمایا۔ اے حوت یونس، آ۔ اتنے میں ہی ایک پہاڑ جیسا سر پانی سے باہر نکلا۔
آپ نے فرمایا۔ تو کون ہے؟
مچھلی نے فصیح عربی میں عرض کیا۔ میں وہی مچھلی ہوں جس نے جناب یونس کو چالیس دن تک اپنے پیٹ میں رکھا تھا۔
آپ نے فرمایا۔ واقعہ کیا تھا۔
مچھلی نے عرض کی۔ قبلہ ذات احدیت نے جس طرح قبل از بعثت تمام انبیاء سے آپ کی ولایت کا عہد لیا تھا اسی طرح بعد از بعثت بھی تمام انبیاء سے آپ کی ولایت کا عہد لیا ہے۔ جن انبیاء نے فوراً عہد کر لیا وہ محفوظ رہے اور جن انبیاء نے قبول نہ کیا اللہ نے انہیں کسی نہ کسی حادثے سے دوچار کیا۔
جناب آدم جنت سے نکلے، حضرت نوح کی کشتی گرداب میں آئی۔ حضرت خلیل آتش نمرود میں بیٹھے۔ جناب یعقوب نے فراق یوسف دیکھا۔ جناب ایوب نے اولاد و مال کا درد دیکھا۔ جب ذات احدیت نے جناب یونس

سے اقرار ولایت کا فرمایا۔ تو جناب یونس نے عرض کی۔ بارالٰہا جسے میں نے دیکھا ہی نہیں میں اس کی ولایت کا اقرار کیسے کر لوں۔

ذات احدیت نے مجھے حکم دیا کہ یونس کو بمع وسائل اپنے شکم میں جگہ دے۔ اور تا حکم ثانی اسے اپنے پیٹ میں رکھ۔

چنانچہ میں نے جناب یونس کو چالیس دن اپنے پیٹ میں سمندروں کی سیر کرائی اور آپ چالیس دن تک لا الٰہ انت سبحانک انی کنت من الظالمین کا ورد کرتے رہے اور عرض کرتے رہے بارالٰہا! میں علی اور آپ کی نسل سے گیارہ معصوم آئمہ کی ولایت کا اقرار کرتا ہوں۔ چالیس دن بعد اللہ نے مجھے فرمایا۔ کہ اب یونس کو آزاد کر دے۔ اور میں نے جناب یونس کو ساحل دریا پر اپنے پیٹ سے باہر نکال دیا۔

۸۔ ہرنی کا بچہ۔

بحار میں خرائج اور ایمان سے مروی ہے کہ ایک دن امام سجادؑ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک ہرنی آئی اور اس نے منمنانا شروع کیا۔

امام سجادؑ نے پوچھا۔ جانتے ہو کیا کہہ رہی ہے۔

ہم نے عرض کیا۔ قبلہ ہم تو کچھ نہیں جانتے۔

آپ نے فرمایا۔ یہ بتا رہی ہے کہ آج صبح فلاں قریشی نے اس کا کمسن بچہ شکار کر لیا ہے اور مجھ سے سفارش کرانا چاہتی ہے کہ اس نے دودھ نہیں پیا۔ بس صرف بچے کو دودھ پلا لینے دے۔

آپ نے فرمایا۔ آؤ ذرا چلیں اور دیکھیں کہ وہ قریشی مانتا ہے یا نہیں۔

ہم چل کر اس کے پاس آئے ہرنی ہمارے ساتھ چل رہی تھی۔ قریشی نے امام کو دیکھا تو کھڑا ہو گیا استقبال کیا اور آنے کی وجہ پوچھی۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے یہ ہرنی لائی ہے۔ اس کا بچہ تم نے آج صبح شکار کیا ہے یہ کہتی ہے کہ بچے نے دودھ نہیں پیا تھا۔ آپ اجازت دے دے کہ بچہ کو دودھ پلا لوں۔

وہ اندر گیا اور ہرنی کا بچہ لے کر آ گیا ہرنی نے بچے کو دودھ پلایا۔

آپ نے فرمایا۔ کیا یہ بچہ مجھے دیتا ہے۔

قریشی نے عرض کیا۔ قبلہ یہ آپ کا نذر ہے۔

آپ نے وہ بچہ لے کر ہرنی کے سپرد کر دیا۔ ہرنی بچہ کو لے کر خوشی خوشی ہرنی جنگل میں چلی گئی۔

۹۔ تقسیم رزق :۔

بصائر میں ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ میں امام سجادؑ کے پاس بیٹھا تھا۔ اور سامنے دیوار پر چڑیاں بھی چہچہا رہی تھیں۔

آپ نے فرمایا۔ جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہیں؟

ہم نے عرض کیا۔ نہیں قبلہ۔

آپ نے فرمایا۔ ان کے کھانے کا وقت ہے اور مجھ سے اپنا حصہ مانگ رہی ہیں۔ ابو حمزہ طلوع صبح کے بعد طلوع آفتاب تک نہ سویا کر۔ اس وقت اللہ رزق معین کرتا ہے۔ اور پھر ہمارے ذریعہ تقسیم کرتا ہے۔

۱۰۔ جن بھاگ گیا :۔

خرائج میں ابو صباح کنانی سے مروی ہے کہ ابو خالد کابلی نے کافی عرصہ آپ کی خدمت کی۔ پھر اسے اپنی ماں کا خیال آ گیا۔

اس نے امام سجادؑ سے اجازت مانگی۔

آپ نے فرمایا۔ ابو خالد تو نے ایسے وقت گھر جانے کا نام لیا ہے جب ہمارے پاس بھی کچھ نہیں۔

ابو خالد نے عرض کیا۔ قبلہ میں نے تو صرف اجازت مانگی ہے۔

آپ نے کہا۔ ابو خالد بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے خالی ہاتھ گھر بھیجوں۔ ہاں کل شام سے ایک شخص بیمار لڑکی لا رہا ہے خاصا مالدار ہے اس کی لڑکی پر جن نے قبضہ کر رکھا ہے اس کا جیب ہے کہ جو میری لڑکی کا علاج کرے جتنا مانگے اتنا دوں گا تو جا کر کہہ دینا کہ میں علاج کرتا ہوں۔

ابو خالد نے عرض کیا۔ قبلہ کیا مانگوں۔

آپ نے فرمایا۔ کہہ جا کر تجھے جتنا ضرورت ہو مانگ لینا تو اپنی ضروریات سے بہتر واقف ہے۔

دوسرے دن وہ شامی آ گیا۔ ابو خالد گیا اور اس نے علاج کا وعدہ کیا۔ شامی نے معاوضہ پوچھا۔ ابو خالد نے دس ہزار دینار مانگے۔

شامی نے قبول کر لیا۔

ابو خالد امام سجادؑ کے پاس آیا اور واقعہ بتایا۔

آپ نے فرمایا۔ اس کی نیت میں کھوٹ ہے۔ وہ دھوکا کرے گا۔

ابو خالد نے عرض کیا۔ قبلہ میں نے اس سے پکا معاہدہ کر لیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا جا۔ لڑکی کے بائیں کان سے پکڑ کر کہہ۔ اے جن تجھے علی ابن حسین کا حکم ہے کہ اب اس کو چھوڑ دے اور واپس نہ آنا۔

جن چلا گیا۔ لڑکی ٹھیک ہو گئی اور شامی بہت خوش ہو گیا۔

ابو خالد امام سجادؑ کے پاس آیا اور آپ کو سب واقعہ بتایا۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے تو تجھے کہہ دیا تھا کہ وہ دھوکا کرے گا۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ جن پھر آئے گا اب اگر وہ کہے تو اسے کہہ دینا۔

کہ پہلے مطلوبہ رقم امام سجادؑ کے پاس رکھ پھر علاج کروں گا۔

وہ جن لڑکی پہ پھر آ گیا۔

شامی دوڑا دوڑا ابو خالد کے پاس آیا۔

ابو خالد نے کہا اب پہلے رقم امام سجادؑ کے پاس رکھ پھر علاج کروں گا۔ شامی نے قبول کر لیا میں نے پھر لڑکی کا بایاں کان پکڑ کر امام سجاد کا پیغام دیا اور ساتھ ہی کہہ دیا اگر اب واپس آیا تو تجھے نور خدا سے جلا دوں گا۔ وہ جن لڑکی کو چھوڑ گیا۔

میں نے آقا سے پیسے لیے اور واپس گھر آ گیا۔

۱۱۔ غربت دولت میں بدل گئی:۔

امالی صدوق میں زہری سے مروی ہے کہ ایک دن ہم امام سجادؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ کے موالیوں میں سے ایک شخص آیا سلام کر کے بیٹھ گیا۔

آپ نے فرمایا۔ کیا حال ہے۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ اس شخص کا کیا حال ہو گا جو چار سو دینار کا مقروض ہو اور قرض خواہوں کے خوف سے اپنے گھر تک نہ جا سکتا ہو۔

پس آپ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کیوں رو رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ زہری کیا مصائب کے وقت ہی نہیں رویا جاتا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ مصائب پر ہی رونا آتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ پھر اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک محب آل محمد غربت کے سبب گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے۔

کچھ دیر بعد ہم سب وہاں سے اٹھ آئے۔

بعض منافقین نے کہا۔ تعجب ہے یہ لوگ۔ بعض اوقات تو کہتے ہیں کہ ساری کائنات ہمارے تابع فرمان ہے اور بعض اوقات اپنے کسی محب کے چار سو دینار کا قرض ادا نہیں کر سکتے۔

میں دوسرے وقت پھر آیا۔ میرے بعد وہی شخص بھی آگیا۔ اور اس نے عرض کیا۔ قبلہ مجھے اپنی غربت کا بھی افسوس ہے لیکن آج صبح جو چند منافقین نے آپ پر اور آپ کے آباء پر تبصرہ کیا ہے وہ میرے لیے ناقابل برداشت تھا پھر اس نے وہ سب باتیں بتا دیں جو ان منافقین نے کی تھیں۔

آپ نے فرمایا۔

اے بندہ خدا! اب اللہ کی طرف سے تیری غربت ختم ہو گئی ہے آپؑ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ میرا شام کا افطار لے آؤ۔ غلام جو کی دو خشک روٹیاں اٹھا کر لے آیا۔

آپ نے وہ دیں اور فرمایا ۔ اللہ نے تیری غربت ختم کر دی ہے۔

وہ شخص کہتا ہے میں وہ دو روٹیاں لے کر باہر نکلا۔ سوچتا جا رہا تھا کہ ان دو روٹیوں سے کیا کروں گا۔ راستہ میں ایک مچھلی فروش باسی مچھلی فروخت کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ تیری مچھلی باسی ہے اور میری روٹی باسی ہے ایک روٹی لے لے اور ایک مچھلی دے دے۔

اس نے قبول کر لیا۔ میں نے روٹی دے دی۔ اس نے مچھلی مجھے دے دی۔ مچھلی لے کر آگے چلا۔ ایک نمک فروش بیٹھا تھا اور نمک خاک آلود تھا۔ کوئی خرید نہیں رہا تھا۔ میں نے کہا۔ میرے پاس روٹی باسی ہے اور تیرے پاس نمک خاک آلود ہے کچھ نمک دے دے اور ایک روٹی لے لے۔

اس نے روٹی لے لی اور نمک دیا۔

میں گھر آیا۔ مچھلی کا پیٹ چاک کیا تو اس سے دو آبدار موتی برآمد ہوئے۔ میں خوش ہو گیا۔ ابھی مچھلی صاف نہیں ہوئی تھی کہ دق الباب ہوا۔ دروازہ پر آیا تو نمک والا اور مچھلی والا دونوں کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا روٹیوں کو دیکھ کر ہمیں اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ کتنے غریب ہیں۔ ہمارے گھر والوں میں سے کوئی بھی ان روٹیوں سے ایک لقمہ تک نہیں لیتا جو کچھ ہم نے آپ کو دیا ہے آپ کو مبارک ہو۔ اور یہ روٹیاں بھی لے لو۔ میں روٹیاں لے کر واپس آیا وہ دونوں چلے گئے۔ میں روٹیاں رکھ رہا تھا کہ دق الباب ہوا اور دروازہ پر آیا۔ تو امام سجادؑ کا غلام تھا۔ اس نے کہا۔ آقا فرماتے ہیں تیرا کام ہو گیا ہے۔ میری روٹیاں مجھے واپس کر دے انہیں میرے سوا کوئی بھی نہ کھا سکے گا۔

میں نے وہ دو موتی اتنی مہنگی قیمت پر بیچے کہ میری نسلوں کی زندگی بھی سنور گئی۔

۱۲۔ ہلکا سا اشارہ اور مدینے کے باسی۔

بحار الانوار جلد ۴۶ باب معرفۃ الحیوانات میں جابر جعفی سے مروی ہے کہ میں نے ایک دن امام سجادؑ کے سامنے اموی مظالم کا شکوہ کیا کہ اب شیعیان آل محمد کی زندگی موت سے بھی بدتر ہے۔ حضرت علیؑ پر سب، دختر رسول کے خلاف ہرزہ سرائی۔

جوانان جنت کے سرداروں کی کردار کشی اور اپنے دور شیعوں کو زندان میں ڈالنا اور قتل کرنا ایسا معمول ہو چکا ہے جیسے اسلام بس آل محمد اور شیعیان آل محمد کے قتل کرنے کا نام ہے۔

مدینے کے شیعوں کو مسجد نبوی میں جاتے ہیں جب سب شیعہ جمع ہو جائیں تو حضرت علیؑ پر سب شروع کر دیتے ہیں اگر کوئی شیعہ صرف اتنا کہہ دے کہ علیؑ یار رسول تھا بس اس کی شامت آجاتی ہے۔ اور تراہی کہہ کر مارتے ہیں جب خود تھک جاتے ہیں گورنر کے پاس لے جاتے ہیں وہ پہلے جسمانی اذیت دیتا ہے۔ پھر زندان میں ڈال دیتا ہے۔ چند دن بعد قتل کر دیا جاتا ہے۔

جناب سجادؑ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور دست دعا بلند کر کے عرض کیا۔ بابا بابا! تو بھی کتنا حلیم ہے تو مالک ہے جسے چاہے تجھے کون روکنے والا ہے۔

پھر فرمایا۔ محمد بیٹے! جناب باقرؑ نے لبیک کہی۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹے کل صبح صبح مسجد نبوی میں تبرکات انبیاء میں سے صرف ایک تاگہ لے جانا اور اسے انتہائی خفیف سی حرکت دینا۔ بیٹے خیال رکھنا کہیں جھٹکا نہ آجائے۔ کہ مدینہ تباہ ہو جائے گا۔

میں دل میں حیران ہوا کہ یہ عجیب مسئلہ ہے۔ تاگے کو بڑی معمولی سی حرکت دینا۔ زیادہ جھٹکا لگنے سے کہ مدینہ تباہ ہو جائے گا۔

میں خاموش ہو کر ٹھہر گیا۔

دوسرے دن صبح الصبح پھر آگیا۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ جابر یہ تیرے آنے کا وقت تو نہیں ہے آج اس وقت کیسے آگئے۔

میں نے عرض کی قبلہ میں تو اس تاگے کا کمال دیکھنے آیا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ جابر! اگر ہمارے اختیار کی مصلحت میں ہمارے محب اور ہمارے محبوں کی مصلحت میں اختیار نہ ہوتے تو ایک لمحہ میں پورے کے مدینہ کو زیر آب کر دیتا لیکن ہم اللہ کے وہ محترم بندے ہیں جو قول خدا سے سبقت نہیں کرتے۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

میں نے عرض کی قبلہ اب آپ کیا کرنے چلے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ کچھ نہیں میں ذرا سے ان کو عذاب خدا سے مرعوب کروں گا۔

میں نے کہا۔ قبلہ یہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ ہیں۔ مسجد نبوی میں سے آپ انہیں کیسے مرعوب کریں گے؟

آپ نے فرمایا۔ اچھا اب چل مسجد میں چلتے ہیں وہاں دیکھ لینا۔

ہم مسجد میں آئے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی پھر رخسار مبارک زمین پر رکھا اور انتہائی مختصر سی دعا مانگی۔ پھر اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ آستین سے ایک باریک سا تاگا نکالا اس سے کستوری کی خوشبو مہک رہی تھی۔ ایک سرا مجھے دیا اور فرمایا۔ خیال رکھنا کہیں ہل نہ جائے۔ اگر بہت زیادہ ہل گیا تو روئے زمین دھنس جائے گا۔ میں ایک سرا لے کر انتہائی احتیاط سے چلنے لگا۔ چند قدم کے بعد آپ نے فرمایا۔ بس رک جا۔

میں رک گیا۔ آپ نے اتنی آہستگی سے اسے ہلایا کہ مجھے احساس تک نہ ہوا۔ اور پھر فرمایا۔ اب مجھے دے دے

میں نے تاگا دے دیا۔ اور عرض کی قبلہ یہ کیا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ مسجد میں نہ پوچھ۔ ذرا مسجد سے باہر نکل کر لوگوں سے پوچھ کر کچھ ہوا ہے یا نہیں؟

میں باہر نکلا تو ہر طرف سے چیخ و پکار اور دہائی تھی۔ مکان گر رہے تھے۔ دیواریں ہل رہی تھیں۔ زمین پر زلزلہ تھا۔ دھماکے تھے۔ مکانوں کے گرنے سے گرد و غبار تھا۔ لوگ گلی کوچوں سے دوڑتے چلے آرہے تھے۔ ہر شخص کہہ رہا تھا انا للہ و انا الیہ راجعون قیامت آگئی ہے۔ تمام لوگوں کا رخ مسجد کی طرف تھا۔ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔ بھلا کیسے یہ عذاب نہ آئے ہم نے نافرمانی الٰہی کی حد کر دی ہے منبر رسول پر اولاد رسول کو سب کیا جاتا ہے، ہم خاموشی سے سنتے ہیں۔ فسق و فجور کی انتہا ہو گئی ہے۔ اور ہم خوشی سے بغلیں بجاتے ہیں۔ خالق کا حق ہے کہ وہ ہمیں جتنا چاہے عذاب کرے۔

لوگ مسجد میں آئے امام بحالت سجدہ تھے۔ کہنے لگے اے فرزند رسول مدینہ تباہ ہو گیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ توبہ و استغفار کرو۔ اللہ سے گناہوں کی معافی مانگو۔ ظلم و جور ختم کرو۔

پھر آپ نے مجھ سے پوچھا بتا کیا حال ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ یہ پوچھیں کیا حال ہے۔ ابھی تو زلزلہ آرہا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں تیرے دل میں ابھی تک کچھ باقی ہے جس کی وجہ سے تجھے دشمنان آل محمدؐ پر ترس آرہا ہے بھلا یہ لوگ قابل ترس ہیں جو اس جرم میں ہمارے شیعوں کا خون بہانا جائز سمجھتے ہیں کہ انہیں ہم سے محبت ہے۔ یہی لوگ حکومت کو جا کے بتاتے ہیں کہ ہمارے پڑوس میں رہنے والا شیعہ ہے۔ میں نے فلاں جگہ ایک شیعہ دیکھا ہے۔ اور پھر اپنی اس اطلاع سے حکمران وقت سے تقرب حاصل کرتے ہیں اور ان سے انعام لیتے ہیں۔ بھلا اگر میرے آقا نے مجھے نہ فرمایا ہوتا تو میں ذرا سی زیادہ جنبش دیتا پھر تو دیکھتا کہ کیا ہوتا ہے۔

پھر آپ منارہ اذان پر چڑھے۔ میں دیکھ رہا تھا لیکن لوگوں کو نظر نہیں آرہے تھے۔ بڑی ہیبت ناک سی

آواز سے فرمایا۔

اے گمراہو! اے آیات حق کی تکذیب کرنے والو۔

لوگوں کو ایسے معلوم ہوا جیسے یہ آواز آسمان سے آ رہی ہے۔ الامان الامان کہہ کر سجدہ میں گر گئے۔

پھر آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا، زمین میں زلزلہ شروع ہو گیا۔

آپ نے یہ آیت پڑھی۔

فلما جاء امرنا جعلنا عالیها سافلها وامطرنا علیهم حجارة۔

اس آیت کے پڑھنے سے جیسے زلزلہ کے جھٹکوں میں اضافہ ہو گیا۔ عورتیں بچوں کو ننگی کے ساتھ اور محل میں اٹھا کر باہر نکلیں۔

نہ کسی کو چادر کا ہوش تھا اور نہ پردے کا خیال۔

آپ نے تاگے کو کھینچا اور مٹھی میں بند کر لیا۔ زلزلہ رک گیا۔ آپ منارہ اذان سے اترے، میرے ہاتھ سے پکڑا اور بیرون مسجد آئے۔ حاضرت صعدا کے دروازہ پر کھڑے لوگ مختلف باتیں کر رہے تھے کوئی کہہ رہا تھا۔ آسمانی آوازیں بڑی ہیبت ناک تھیں۔

کوئی کہہ رہا تھا اس کے بعد زلزلہ آیا۔

میں نے عرض کیا کہ قبلہ یہ تاگہ کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ یہ آل موسیٰ و ہارون کے تبرکات میں سے ہے جو خدا نے ہمارے جد امجد کو عنایت فرمایا تھا۔ ان کے جسکے بعد یہ ہمارے پاس ہے یہ ہر حجت خدا کے پاس رہتا ہے۔

جابر بارگاہ خالق میں ہمارا ایک مقام ہے اگر ہم نہ ہوتے۔ تو ارض و سما، جنت و جہنم، شمس و قمر، خشک و تر، بحر و بر، سہل و جبل، رطب و یابس، تلخ و شیریں، پانی و اگھڑی، اور حجر و شجر میں سے بھی کسی بھی چیز کو خلق نہ کرتا ہو۔

اللہ نے ہمیں اپنے نور ذات سے پیدا کیا ہے۔ کسی بشر کو ہم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ نے تمہیں ہماری وجہ سے وجود دیا ہے، ہماری بدولت ہدایت دی ہے، ہم نے تمہیں وحدت توحید سے آشنا کیا ہے۔ ہمارے احکام کی اطاعت کرو ہمارے منع کرنے پر رک جاؤ۔ ہماری کوئی بات بھی سنو اس کو رد نہ کرو۔ جو کچھ تمہیں ہمارے متعلق سنایا جاتا ہے ہم اس سے اعلیٰ، ارفع، اجل اور اکرم ہیں۔ ہمارے جن کمالات کو سمجھ لو نہیں مان لو اور جن کو نہ سمجھ سکو ان کا معاملہ ہمارے سپرد کر دو۔

میں نے دیکھا امیر مدینہ لوگوں کی وافر تعداد کے ساتھ امام ہادی کی طرف آ رہا تھا اور لوگوں سے کہہ رہا تھا اور فرزند رسولؐ کی منت کریں دعا کریں تاکہ یہ مصیبت دور ہو جائے۔

جب امیر مدینہ نے امام باقرؑ کو دیکھا تو نہایت عاجزی سے عرض کیا اے فرزند رسولؐ آپ کے نانا کی امت ہے اور آپ کے نانا کا حرم ہے ترس فرمائیں اپنے بابا سے ہماری طرف سے درخواست کریں کہ مسجد نبوی میں چل کر دعا فرمائیں تاکہ یہ مصیبت ٹل جائے۔

امام باقرؑ نے فرمایا بارگاہ خالق میں اپنے ظالمانہ اعمال سے توبہ کرو اپنی تسکین نفس کے لیے بندگان خدا کا خون نہ بہاؤ۔ فسق و فجور چھوڑ دو۔ خداوند عالم یہ مصیبت ٹال دے گا۔

جب ہم امام سجادؑ کی خدمت میں آئے تو آپ نے پوچھا۔

جابر لوگوں کا کیا حال ہے؟

میں نے عرض کیا قبلہ! لوگوں کا کیا حال ہے، تو جب وہاں پہنچے گا پتہ چلے گا اس وقت تو ہر طرف دہائی مچی ہوئی ہے۔ ہر گھر سے گریہ و بکا کی آواز بلند ہے۔ امیر مدینہ آپ سے درخواست کرنے کو کہہ رہا تھا کہ مسجد نبوی میں چل کر دعا کریں تاکہ یہ مصیبت ٹل جائے۔

آپ نے فرمایا۔ جابر جن آیات خدا کا قرآن میں تذکرہ ہے وہ آیات ہم ہیں۔ ہماری ولایت آیات الٰہیہ سے ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ حمد خدا ہے کہ اس نے مجھے آپ کی معرفت کی توفیق بخشی ہے کہ میں آپ سے محبت اور آپ کے اعداء سے نفرت کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ جابر کیا تجھے علم ہے کہ معرفت کیا چیز ہے؟

میں نے عرض کیا۔ حضور! آپ فرمائیں تاکہ آشنا ہو جاؤں۔

آپ نے فرمایا۔

اولاً: اثبات توحید معرفت ہے۔

ثانیاً۔ معانی سے آشنائی معرفت ہے۔

ثالثاً۔ ابواب سے تعارف معرفت ہے۔

رابعاً۔ امام حق کی پہچان معرفت ہے۔

خامساً۔ ارکان کا جاننا معرفت ہے۔

سادساً۔ نقباء کا علم معرفت ہے اور

سابعاً۔ نجباء شناسی معرفت ہے۔

جابر اثبات توحید یہ ہے کہ انسان خالق کو اس طرح جانے جس طرح اس نے اپنا تعارف کرایا ہے وہ ہر چیز کا ادراک کرسکتا ہے لیکن کوئی اس کا ادراک نہیں کرسکتا۔ وہ لطیف خبیر اور غیب باطنی ہے۔

معرفت معانی ہماری معرفت ہے ہم معانی خالق اور ظاہر ہادی ہیں۔ مشیت نے ہمیں اپنے نور ذات سے خلق فرمایا ہے

اپنی مخلوق کے تمام امور ہمارے سپرد کیے ہیں۔ اذن خالق سے جو چاہیں ہم کریں۔ ہم جب چاہیں اللہ چاہتا ہے۔ ہم جب ارادہ کریں اللہ ارادہ کرتا ہے۔

اللہ نے ہمیں اپنی مخلوق پر نگران مقرر کیا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ ہماری تعداد تو بہت کم ہے۔

آپ نے فرمایا تیرے خیال کے مطابق کتنی تعداد ہوگی۔

میں نے عرض کیا۔ ایک شہر میں سو دو سو ہوں گے۔

بلکہ ہزار میں سو دو سو ہوں گے۔

آپ نے فرمایا۔ نہیں جابر جنہیں تو اپنا سمجھتا ہے ان کی اکثریت تیری نہیں ہے۔ ان کی اکثریت مقصر ہے۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! مقصر کون ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ مقصر وہ ہیں جو معرفت ائمہ میں تقصیر کرتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کے فرض کردہ معرفت امر و روح سے جاہل ہیں وہ مقصر ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! روح کی معرفت کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ معرفت روح یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ نے تمام معاملات روح کو تفویض کر رکھے ہیں

روح اذن خدا سے خلق کرتا ہے۔

روح اذن خدا سے زندہ کرتا ہے۔

روح اذن خدا سے علم غیب جانتا ہے۔

روح اذن خدا سے ما کان و ما یکون جانتا ہے۔

اللہ جس کو اس روح سے نوازدے وہ ناقص نہیں کامل ہوتا ہے۔ اذن خدا سے جو چاہے کر سکتا ہے ایک لمحہ میں مشرق سے مغرب تک کا فاصلہ طے کرتا ہے۔ اذن خدا سے جب چاہے آسمان پر جائے اور جب چاہے زمین پر نازل ہو۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! اس کا مقصد تو یہ ہے کہ شیعہ کی اکثریت مقصر ہے؛ مجھے تو آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو آپ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہو۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں جابر تو ایسے افراد کو نہیں جانتا لیکن میں انہیں جانتا ہوں۔ وہ میرے پاس آتے ہیں اور اسرار کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! فلاں اور اس کے ساتھی تو یقیناً انہی اوصاف کے حامل ہیں۔ جو آپ فرما رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ بھلا کل انہیں بلا لانا۔

میں دوسرے دن صبح انہیں اپنے ساتھ لایا۔

آپ نے فرمایا۔ جابر ان میں ابھی کافی خامی کی ہے۔

پھر آپ ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

کیا تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ۔ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے جو ارادہ کرے ہو جاتا ہے۔ اس کے فیصلہ کو کوئی مسترد نہیں کر سکتا۔

وہ ہر ایک کا محاسبہ کر سکتا ہے اور اس کا کوئی بھی محاسبہ نہیں کر سکتا۔

انہوں نے عرض کیا قبلہ ہمارا ایمان یہی ہے۔

میں نے کہا۔ الحمدللہ سب ارباب معرفت ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ جابر جلدی نہ کر۔ ان سے پوچھ کیا امام سجادؑ امام باقرؑ کی شکل میں اور امام باقرؑ امام سجادؑ کی شکل میں ہو سکتا ہے۔

میں نے ان سے یہی سوال کیا۔

وہ سب خاموش ہو گئے۔ اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے تجھے یہی بتانے کی کوشش کی تھی کہ ابھی ان میں کافی خامی ہے۔

امام باقرؑ نے ان سے فرمایا۔ یہ تمہیں چپ کیوں لگ گئی ہے۔ بولتے کیوں نہیں۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور عرض کیا۔

فرزند رسول ہمیں علم نہیں آپ ہی فرمائیں۔

آپ نے امام باقرؑ کی طرف دیکھ کر ان سے فرمایا۔ یہ کون ہے؟

انہوں نے عرض کیا۔ آپ کا فرزند محمد باقرؑ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میں کون ہوں؟

انہوں نے عرض کیا آپ علی ابن حسینؑ ہیں۔

آپ نے صرف ایک جملہ کہا جسے ہم میں سے کوئی بھی نہ سمجھ سکا۔

ہم نے دیکھا تو امام سجادؑ امام باقرؑ اور امام باقرؑ امام سجادؑ بن گئے تھے۔

ہم نے کہا۔ سبحان اللہ۔ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

آپ نے فرمایا۔ یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ میں باقرؑ ہوں اور باقرؑ میں ہے۔ یہ قدرت خدا ہے۔ میں علی ہوں اور علی میں ہوں۔

اولنا محمد، اوسطنا محمد، آخرنا محمد و کلنا محمد۔ ہم سب ایک نفس سے ہیں ہمارا امر متشابہ ہے۔
خبردار کسی منکر کو اس بات سے مطلع نہ کرنا۔ وہ تمہیں جھٹلائیں گے۔

۱۲۔ جنات کی خدمت :۔

عیون المعجزات میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے مقام عسفان میں قیام کیا۔
آپ کے غلاموں نے ایک جگہ خیمہ نصب کیا۔
آپ نے غلاموں سے فرمایا۔ یہاں سے خیمہ اٹھا کر کسی دوسری جگہ لگاؤ، یہاں ہمارے جنات موالی رہتے ہیں۔ ان کی جگہ تنگ ہو رہی ہے۔
غلاموں نے خیمہ اکھڑوا کرنا چاہا۔ تو ایک آواز آئی۔ آقا! آپ یہیں قیام فرمائیں ہم ہٹ گئے ہیں، ہماری طرف سے یہ تحفہ قبول کریں۔
جب غلاموں نے ادھر ادھر دیکھا تو بولنے والا کوئی نظر نہ آیا۔ البتہ خیمہ کے باہر مختلف قسم کے میوہ جات سے پر دو طشت رکھے تھے۔
آپ نے غلاموں کو حکم دیا۔ اٹھا لاؤ۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے دوسرے احباب کو بھی دو۔

۱۳۔ علم غیب :۔

بصائر میں عبداللہ ابن عطا تمیمی سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام سجادؑ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا تھا کہ عمر ابن عبدالعزیز ہمارے قریب سے گزرا۔ جو شاہ مروان تھا۔
آپ نے فرمایا۔ عبداللہ دیکھ رہے ہو یہ جوان حکمران ہو کر رہے گا۔
میں نے عرض کیا۔ کیا یہ فاسق؟
آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ تھوڑا عرصہ حکومت کرے گا۔ جب مرے گا تو اہل ارض اس کے لیے استغفار کریں گے اور اہل سما اس سے تبرا کریں گے۔

۱۴۔ عبدالملک کو خط :۔

خرائج میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ حجاج ابن یوسف نے عبدالملک ابن مروان کو لکھا کہ علی ابن حسینؑ کو قتل کرا دے۔
جواب میں عبدالملک نے لکھا کہ خبردار مجھے تو علی سے کیا کسی بھی ہاشمی کے خون سے ہاتھ مت رنگنا۔ آل ابوسفیان کا حشر

دیکھے ان کی حکومت بنی ہاشم کے خون کے بعد کتنا عرصہ چلی ہے۔

جس وقت عبدالملک کو خط روانہ کیا تھا اسی وقت امام سجادؑ کا خط عبدالملک کو ملا۔ آپ نے لکھا تھا بنی ہاشم کے خون نہ کرنے کے حکم دینے کا شکریہ تیری یہ احتیاط اگر اسی طرح رہی تو تیری حکومت کا زمانہ طویل اور تیری زندگی دراز ہوگی۔

عبدالملک حیرت سے انگشت حیرت کاٹنے لگا کہ ابھی حجاج کا خط آیا ہے میرے اور حجاج کے سوا کسی کو اس تحریر کا علم نہیں۔ پھر سجادؑ کو کیسے پتہ چل گیا ہے۔

مکارم اخلاق

عبادت :

سعید ابن کلثوم سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کے پاس بیٹھا تھا۔ آپ نے عبادت حضرت علیؑ کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا آل محمدؐ میں سے اگر تمام عبادت میں کسی نے عبادت امیرالمومنینؑ کو پہنچا ہے تو وہ صرف علیؑ ابن حسینؑ ہے۔

ایک مرتبہ میرے والد آپ کے پاس گئے ان کا رنگ خوف خدا سے زرد، ان کی آنکھیں گریہ سے سرخ، پیشانی سجدوں سے متورم، پنڈلیاں اور پاؤں ہوجے ہوئے دیکھے تو بے ساختہ رو پڑے۔

آپ میرے والد کے گریہ کا سبب جان گئے۔ فرمایا۔ بیٹے وہ صحف اٹھا لاؤ جس میں امیرالمومنینؑ کا صحیفہ عبادت اٹھالا۔

میرے والد جب صحیفہ امیرالمومنینؑ اٹھا کر لے گئے تو فرمایا۔ خود پڑھو۔

جب میرے والد نے حضرت علیؑ کی عبادت پڑھی۔ تو آہ سرد بھر کے کہنے لگے بیٹے بھلا بتاؤ ہے کوئی جو عبادت امیرالمومنینؑ تک پہنچ سکے۔ میری عبادت کیا ہے جس پہ تم تڑپتے ہو۔

اسی ارشاد مفید میں زرارہ ابن اعین سے مروی ہے کہ ایک رات امام سجادؑ نے افسوس کے ساتھ کہا۔

این الزاهدون فی الدنیا الراغبون فی الآخرة دنیا سے کنارہ کش اور آخرت میں دلچسپی لینے والے کہاں ہیں جنت البقیع کے ایک گوشہ سے جواب ملا۔ اس وقت تو صرف زین العابدینؑ علیؑ ابن حسینؑ ہے۔

مساکین پروری:

ارشاد مفید میں ہے کہ امام سجادؑ رات کے وقت روٹی، کھانا اور لکڑیاں اپنی پشت پر اٹھا کے جاتے۔ اور مساکین کے دروازوں پر جا کر دستک دیتے منہ لپیٹا ہوتا تھا۔ جو بھی دروازہ پر آتا اسے جس چیز کی ضرورت ہوتی اسے دے دیتے اور آگے بڑھ جاتے۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ یہ کون ہے؟

جب امام سجادؑ کی شہادت ہوئی۔ اور مساکین کا وہ سلسلہ رک گیا تو اس وقت انہیں پتہ چلا کر ہماری خبر گیری کرنے والا اسیر شام فرزند شبیرؑ تھا۔

غیبت کرنے والے:

ایک مرتبہ آپ ایک جگہ سے گزر رہے تھے چند لوگ آپ کی غیبت کر رہے تھے۔ آپ رکے اور فرمایا۔

جو کچھ آپ لوگ کہہ رہے ہیں اگر سچ ہے تو دعا ہے اللہ مجھے معاف فرمائے۔ اور اگر غلط ہے تو اللہ آپ لوگوں کو معاف فرمائے۔

طالب علم:

جب کبھی کوئی طالب علم آپ کے پاس آتا تو آپ کھڑے ہو کر اسے خوش آمدید کہتے۔ اور فرماتے تمہاری وصیت تو رسولؐ کریم نے فرمائی ہے۔ جب کوئی طالب علم گھر سے بغرض تعلیم نکلتا ہے تو وہ سے ارض پر جہاں بھی قدم رکھتا ہے زمین کا وہ حصہ اس کے لیے استغفار کرتا ہے۔

کثرت غم:

آپ کی شدت غم کا یہ عالم تھا کہ کسی وقت بھی آنکھ سے آنسو خشک نہیں ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک غلام نے عرض کی۔ قبلہ آپ اس قدر کیوں روتے ہیں۔

آپ نے فرمایا یعقوب کا ایک بیٹا جدا ہوا تھا۔ اسے علم تھا کہ وہ زندہ ہے مگر اس قدر روتے تھے کہ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور میں اپنے ستر افراد اہل بیت کے لاشے گرم ریت پر دیکھ کر آیا ہوں۔ جن میں سے ہر ایک قمر یوسف تھا۔ بھلا میرا گریہ کب ختم ہو سکتا ہے۔

جناب جابر کی درخواست ۔

بحار میں مروی ہے کہ جناب فاطمہ بنت علیؑ نے جب جناب سجادؑ کی کثرت عبادت کو دیکھا تو صحابی رسولؐ جناب جابر کو بلا بھیجا۔

جب جناب جابر آئے تو بی بی نے فرمایا۔

چچا جابر! آپ کو معلوم ہے کہ کربلا سے بچا ہوا تمام خاندان میں میرا ایک بھتیجا علیؑ ابن حسینؑ ہے۔ یہی پھلا پھولا ہے۔

ان کے علاوہ ہمارے پاس کیا رہ گیا ہے۔ اور ان کی کثرت عبادت کا یہ حال ہے کہ رات کو صبح اور دن کو شام کر دیتا ہے آپ اپنی طرف سے اسے عرض کریں کہ عبادت کو ذرا کم کر دے۔

جناب جابر آئے دروازہ پر چند ہاشمی نوجوان کھڑے ہوئے تھے۔ امام باقرؑ بھی انہی میں تھے۔ جناب جابر نے ہر ایک کو غور سے دیکھا۔

جب امام باقرؑ کو دیکھا تو قریب بلا کر پوچھا۔

آپ کا نام کیا ہے؟

جناب امام باقرؑ نے بتایا۔ محمد ابن علیؑ ابن حسینؑ

جناب جابر رونے لگے بڑھے امام باقرؑ کے سینے سے قمیص کا بٹن کھولا۔ سینہ کا بوسہ لیا۔ پھر رخسار سینہ پر رکھ دیا اور عرض کیا۔ مجھے یقین ہے آپ ہی وہ محمد ابن علیؑ ہیں جن کے سلام میں لیے پھرتا ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا ہے آپ کے جد امجد خاتم الانبیاءؐ کے حکم سے کیا ہے۔

وہ آپ کو سلام دیتے تھے۔

امام باقرؑ نے سلام کا جواب دیا۔

جابر نے عرض کیا۔ میں حجت خدا آپ کے بابا سے ملنا چاہتا ہوں۔

جناب باقرؑ نے آکر اطلاع دی اور تمام واقعہ سنایا۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں بیٹے یہ تیرے جد کے مقرب ترین صحابی ہیں اور چند اسرار نبوت کا حامل ہے اس نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے اسے میرے پاس لے آ۔

جناب جابر اندر گئے۔

دیکھا تو امام سجادؑ محراب عبادت میں تھے۔ جناب جابر کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اپنی مسند خالی کی جناب جابر کو اپنے پاس بٹھایا۔ اور پوچھا آپ نے کیسے تکلیف فرمائی ہے۔

جناب جابر نے عرض کیا فرزند رسول! اس وقت آل محمد میں سے صرف آپ تنہا بچے ہیں۔ کربلا کی مصیبت زدہ مستورات کا واحد سہارا آپ ہیں۔ خدا نخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو ان کا سہارا کون ہوگا۔ میں تو صرف اتنی سی درخواست لے کر آیا ہوں کہ آپ عبادت کو ذرا کم کر دیں۔ جنت آپ کی ہے۔ آپ کی سفارش سے آپ کے محب داخل جنت ہوں گے۔

آپ نے فرمایا اے صحابی رسولؐ! آپ نے سچ فرمایا ہے میرے اہلبیت کا سہارا وہی ہے جو میرا سہارا ہے اور وہ ہمارا خالق اکبر ہے۔ ہمارے سہارے ہٹتے ہیں لیکن وہ نہیں ہٹتا۔ میں کیا عبادت کرتا ہوں۔ آپ نے خاتم الانبیاءؐ اور میرے جد امجد حضرت علیؑ کی عبادت دیکھی ہے۔ آپ انصاف سے بتائیں کیا میری عبادت ان سے بڑھ کر ہے۔

جناب جابر خاموش ہو گئے اور پھر عرض کیا۔ اللہ اپنی خلافت انہی کے سپرد کرتا ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں آپ نے سچ فرمایا ہے۔

بحار میں اصمعی سے مروی ہے کہ ایک رات میں طواف بیت اللہ کر رہا تھا۔ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جس نے غلاف کعبہ پکڑا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا۔

نامت العیون وغارت النجوم — لوگ سو گئے ستارے ماند پڑ گئے۔

انت الملك الحی القیوم۔ — تو ہی حی و قیوم بادشاہ ہے۔

اغلقت الملوك ابوابها وقامت علیها حراسها۔ — شاہان دنیا نے اپنے دروازے بند کر کے پہرہ دار لگا دیئے ہیں۔

وبابك مفتوح للسائلین۔ جئتك لتنظر الی برحمتك یا ارحم الراحمین۔ — لیکن سائلین کے لیے تیرا دروازہ کھلا ہے۔ میں صرف اس لیے آیا ہوں تاکہ تو مجھ پر نگاہ رحمت کرے۔

جب میں نے پوچھا کہ یہ نوجوان کون ہے تو مجھے بتایا گیا علیؑ ابن حسینؑ ہے۔

شاعری

ارشاد مفید میں ابراہیم ابن علی سے مروی ہے کہ ایک سال میں حج کو جا رہا تھا صحرا میں میں نے ایک سات یا آٹھ برس کا تنہا بچہ دیکھا نہ اس کے پاس زاد راہ نہ سواری اور نہ کوئی قافلہ۔

میں حیران ہوا اور پوچھا۔

بچے یہ اتنا بڑا صحرا تو نے کس کے ساتھ عبور کیا ہے۔

بچے نے کہا جسے اللہ کا ساتھ نصیب ہو جائے اسے کسی ساتھی کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

میری نگاہ میں بچے کی عظمت آ گئی۔

میں نے کہا: تیرے پاس نہ زادِ راہ اور سواری بھی نہیں؟

بچے نے کہا: تقویٰ میرا زادِ راہ ہے اور میری ٹانگیں میری سواری ہیں

بچے کی عظمت میرے دل میں اور بڑھ گئی۔

میں نے پوچھا: تو کون ہے؟

بچے نے کہا: بنی عبدالمطلب سے ہوں۔

میں نے کہا: ذرا مزید وضاحت کر

بچے نے کہا: ہاشمی ہوں۔

میں نے کہا: اور وضاحت کر

بچے نے کہا: علوی و فاطمی ہوں۔

میں نے کہا: کبھی شعر بھی کہے ہیں۔

بچے نے کہا: جی کبھی کہہ لیتا ہوں

میں نے کہا: چند اشعار تو سنا

اس نے یہ شعر سنائے۔

نحن على الحوض رواده۔	حوضِ کوثر پر ہمارا قبضہ ہوگا۔
نذود ونسقي وراده۔	ہم کچھ لوگوں کو پیچھے دھکیل دیں گے اور کچھ آنے والوں کو سیراب کریں گے۔
وما فاز من فاز الا بنا۔	جو بھی کامیاب ہوگا، ہماری بدولت ہوگا۔
وما خاب من حبنا زاده۔	جس کا زادِ راہ ہماری محبت ہوگی وہ کبھی ناکام نہیں ہوگا
ومن سرنا نال منا السرور۔	جو ہمیں خوش رکھے گا اسے ہماری طرف سے بھی مسرت ہو جائے گی۔
ومن ساءنا ساء ميلاده۔	جس نے ہمیں غمزدہ کیا اس کی ولادت میں غلطی ہوگی
ومن كان غاصبنا حقنا۔	جو ہمارے حق کا غاصب ہوگا (کہاں تک دوڑے گا)
فيوم القيامة ميعاده۔	قیامت کا دن اس کی حاضری و وعدہ گاہ ہوگی۔

اس کے بعد وہ میری آنکھوں سے غائب ہوگیا۔ بیت اللہ کے دوران طواف مجھے نظر آگیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ بچہ کون ہے؟

مجھے بتایا گیا کہ علی ابن حسین ہے۔

عفو و درگزر

ارشاد مفید میں محمد ابن جعفر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ امام سجادؑ اپنے عقیدت مندوں کے حلقہ میں تشریف فرما تھے۔

ایک شخص آکر سامنے کھڑا ہو گیا اور آپ کو سب و شتم کرنے لگا۔

آپ کے عقیدت مندوں نے اسے جواب دینا چاہا، لیکن آپ نے سختی سے منع کر دیا۔ اور خاموشی سے سنتے رہے جب اسے کوئی جواب نہ ملا اور وہ تھک گیا تو خود بخود خاموش ہو کر چلا گیا۔

جب وہ چلا گیا، تو آپ نے اپنے معتقدین سے فرمایا۔ جو کچھ اس نے کہا ہے تم نے سن لیا ہے۔

سب نے عرض کیا۔ قبلہ کیا سن لیا ہے۔ اگر آپ خود اسے جواب نہیں دینا چاہتے تھے تو کم از کم ہمیں تو نہ روکا ہوتا ہم اسے اچھی طرح سبق سکھا دیتے۔ تاکہ پھر کسی کو جرات نہ ہوتی۔

آپ نے فرمایا۔ چلو اس کے گھر۔ جس طرح اس نے مجھے آ کے میرے سامنے سب و شتم کیا ہے اسی طرح میں اسے اس کے گھر جواب دینا چاہتا ہوں۔

انہوں نے عرض کیا۔ قبلہ کیا معلوم ہے کہ وہ اپنے گھر گیا ہو۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے معلوم ہے وہ اپنے ہی گھر گیا ہے اور کہیں نہیں گیا۔

آپ کے تمام عقیدت مندوں خوش ہو کر کھڑے ہو گئے۔ کہ چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

آپ انہیں لے کر ساتھ آئے۔ اس شخص کے دروازہ پر دق الباب کیا جب وہ باہر نکلا اور اس نے دیکھا کہ آپ اپنے تمام عقیدت مندوں کے ساتھ آئے ہیں تو وہ گھبرا گیا۔ اور اسے یقین ہو گیا کہ آپ مجھے جواب دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ بندہ خدا! جو کچھ آپ نے میرے متعلق کہا ہے اگر واقعاً درست ہے تو میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔

اور اگر وہ غلط ہے تو میں تجھے معاف کرتا ہوں۔

تمام عقیدت مندوں کے منہ لٹک گئے۔ لیکن وہ شخص آیا۔ آگے بڑھا اس نے آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور عرض کیا آپ واقعاً فرزند رسولؐ ہیں میں نے بے ہودہ گوئی کی ہے۔ آئندہ انشاء اللہ کم از کم مجھ سے ایسا کبھی نہ ہو گا۔

امالی صدوق میں مروی ہے کہ زہری سے کسی نے پوچھا۔

کیا تو نے علی ابن حسینؑ کو دیکھا ہے۔

زہری نے کہا دیکھا ہے۔

اس نے کہا کیسے ہے؟

زہری نے کہا ہر شخص دل میں اس کا دوست ہے اور ظاہر میں اس کا دشمن ہے۔

سائل نے پوچھا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

زہری نے کہا۔ میں نے جسے بھی محب سجادؑ دیکھا ہے وہ اس کے فضائل کی وجہ سے اس کا حاسد ہے۔ اور جسے بھی دشمن فرزند رسولؐ دیکھا ہے وہ اس کی عبادت کی وجہ سے ظاہر میں اس سے عداوت کرنے پر مجبور ہے۔

امام صادقؑ سے عبدالعزیز یا ابن حازم سے مروی ہے کہ میں نے بنی ہاشم میں علی ابن حسینؑ سے کسی کو افضل نہیں دیکھا شب وروز میں ایک ہزار رکعت نوافل پڑھا کرتے تھے۔

بحار میں زہری سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں امام سجادؑ کے ساتھ عبدالملک ابن مروان کے پاس گیا عبدالملک نے آپ کا بہت احترام کیا۔

اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ جب عبدالملک نے آپ کی پیشانی پر سجدہ کے آثار دیکھے تو کہنے لگا۔

اے فرزند رسولؐ آپ اس اہل بیت سے ہیں جنہیں وارث جنت بنایا گیا ہے۔ پھر کیوں آپ اس قدر مشقت کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ یہی چیز تو ہماری مشقت کا سبب ہے کہ اللہ نے ہمیں اہل بیت سے بنایا ہے جو وارث جنت ہیں۔ بھلا خود انصاف کر کیا اللہ کی اس نعمت کا شکریہ میری عبادت سے ہو سکتا ہے جب کہ توفیق عبادت بھی اسی کی بخشی ہوئی ہے۔

بخدا! اگر میرے اعضا عبادت خدا میں سڑ جائیں تو پھر بھی میں اللہ کی اس نعمت کے عوض شکریہ کو کم ہی سمجھوں گا۔

اگر مجھ پر عوام و خواص کے حقوق نہ ہوتے تو مجھے کوئی شخص کسی بھی وقت محراب عبادت سے باہر نہ دیکھتا۔ اور میری خواہش ہوتی کہ میری روح محراب عبادت ہی میں قفس عنصری کو چھوڑ کر چلی جائے۔

آپ کی شہادت :-

چونکہ اموی دور تھا۔ اور مورخ بھی اموی دستر خوان کے پلے ہوئے تھے اس لیے آج تک اس تفصیل اور کیفیت کا علم نہ ہو سکا۔ کہ اس بے ضرر۔ وہ وسیع اور عابد شب زندہ دار امام کو کیسے شہید کیا گیا۔ زہر کس کے ذریعہ دیا گیا۔

صرف یہی مسلم ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے آپ کو زہر سے شہید کر دیا۔
یوم شہادت :- محرم

تاریخ شہادت :- ۲۵ محرم

سنہ شہادت :- ۹۵ھ

کل عمر :- ۵۷ برس

واقعہ کربلا کے بعد ۳۵ برس زندہ رہے۔

اولاد :-

۱۔ محمد باقر۔ ۲۔ عبداللہ ۳۔ حسین۔ ۴۔ حسین اکبر۔

۵۔ زید۔ ۶۔ قاسم ۷۔ حسین اصغر ۸۔ عبدالرحمن

۹۔ سلیمان ۱۰۔ محمد اصغر

بیٹیاں :-

۱۔ خدیجہ۔ ۲۔ فاطمہ۔ ۳۔ علیہ۔ ۴۔ ام کلثوم۔

۵۔ ام الحسن۔ ۶۔ ام البنین

سلسلہ نسل :-

۱۔ عبداللہ کا فرزند محمد۔ محمد سے اسماعیل۔ اسماعیل سے محمد ابن اسماعیل اور حسین ابن اسماعیل

۲۔ قاسم سے علی ابن قاسم۔ اور محمد ابن قاسم۔ علی ابن قاسم سے حسین ابن علی۔ قاسم ابن علی۔ عمر ابن علی اور محمد ابن علی۔ پھر محمد ابن قاسم۔ حسین ابن محمد کو ذیں سب سے قاسم ابن محمد طبرستان میں آئے اور ان کی اولاد یہاں سے آگے بڑھی۔

عمر اور جعفر کی اولاد خراسان میں بڑھی۔

۳۔ جناب زید ابن علی کی اولاد میں سے تین فرزندوں سے سلسلہ نسل چلا ہے۔

عیسیٰ ابن زید سے۔ محمد ابن زید سے اور حسین ابن زید سے۔

حسین ابن زید سے۔ یحییٰ ابن حسین۔ علی ابن حسین۔ حسین ابن حسین۔ قاسم ابن حسین۔ محمد ابن حسین۔ اسحاق ابن حسین اور عبداللہ ابن حسین۔

محمد ابن زید سے جعفر ابن محمد

جعفر ابن محمد سے محمد ابن جعفر۔ احمد ابن جعفر اور قاسم ابن جعفر

۴۔ حسین ابن علی ابن حسین ابن علی ابن ابی طالب سے عبیداللہ ابن حسین، عبداللہ ابن حسین، علی ابن حسین، سلیمان ابن حسین اور حسن ابن حسین سے سلسلہ نسب آگے چلا۔

عبیداللہ ابن حسین سے علی ابن عبیداللہ۔ محمد ابن عبیداللہ۔ جعفر ابن عبیداللہ۔ حمزہ ابن عبیداللہ اور یحییٰ ابن عبیداللہ۔ عبداللہ ابن حسین سے جعفر ابن حسین۔ جعفر ابن حسین سے محمد ابن جعفر محمد ابوالجعفر سے اسماعیل منقذی ابن احمد منقذی ابن محمد۔

علی ابن حسینؑ اصغر۔ عیسیٰ ابن علیؑ۔ احمد ابن علیؑ، حسن ابن علیؑ۔ احمد محمد ابن علیؑ۔

محمد باقرؑ سے جعفر صادقؑ اور ان کے علاوہ دیگر اولاد کا تذکرہ اولاد امام محمد باقرؑ میں آگے آئے گا انشاءاللہ۔ مورخین کو امام سجادؑ کی اولاد میں سے مذکورہ پانچ بیٹوں کے علاوہ اور کسی بیٹے سے سلسلہ نسل کی افزائش نہیں مل سکی۔ واللہ اعلم۔

امام محمدؐ باقر علیہ السلام

مقام ولادت۔	مدینہ منورہ
تاریخ ولادت۔	یکم رجب
روز ولادت۔	جمعہ
سنہ ولادت۔	۵۷ھ
کل عمر۔	۵۷ برس
مقام شہادت۔	مدینہ
روز شہادت۔	سوموار
تاریخ شہادت۔	۷ ذی الحجہ
سنہ شہادت۔	۱۱۴ھ
سبب شہادت۔	زہر

آپ کے زمانہ میں حکمران :۔

ولید ابن یزید ابن عبدالملک ابن مروان

سلیمان ابن عبدالملک ابن مروان

عمر ابن عزیز ابن عبدالملک ابن مروان

یزید ابن عبدالملک ابن مروان

ولید کے بھائی ابراہیم ابن یزید نے آپ کو زہر دلوایا تھا۔

مدفن ۔ جنت البقیع

والد ۔ علی ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابو طالب ۔

والدہ۔ ام عبداللہ فاطمہ بنت حسنؑ ابن علی ابن ابی طالب ۔

والد اور والدہ ہر دو طرف سے ہاشمی ہیں۔

کیفیت ولادت :-

اصول کافی میں اسحاق نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ چونکہ اولیائے انبیاء انبیاء ہی کا حصہ ہوتے ہیں اس لیے ولادت اوصیاء بھی انبیاء ہی کی طرح ہوتی ہے۔ والدہ معصوم کو ولادت معصوم سے ایک مدت قبل عالم خواب میں ولادت معصوم کی بشارت ملتی ہے۔ ولادت کے دن تمام دن والدہ معصوم اپنے اطراف میں صدائے تسبیح و تہلیل سب جلیل سنتی رہتی ہے تسبیح کرنے والے ملائکہ صرف والدہ معصوم اور والد معصوم کو نظر آتے ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا کوئی نہ تو ان کی آواز سن سکتا ہے اور نہ انہیں دیکھ سکتا ہے۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں صحن میں تھا، میری والدہ دیوار کے قریب تشریف فرما تھیں کہ یکایک دیوار پھٹ گئی اور گرنے لگی

میری والدہ نے دیوار پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔

بحق المصطفیٰ ! لم یاذنک اللہ بسقوط حتی اقوم

حق مصطفیٰ کی قسم ! تجھے خدا نے اس وقت گرنے کی اجازت نہیں دی جب تک میں نہ اٹھ جاؤں۔

تمام اہل خانہ نے دیکھا کہ دیوار جہاں تھی وہیں رک گئی۔ میری والدہ اطمینان سے اٹھیں اور جونہی دیوار سے دور ہوئیں دیوار گر گئی

اصول کافی ہی میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ بعد از ولادت امام معصوم انگشت شہادت بلند کرکے اللہ کی توحید محمدؐ کی رسالت اور اپنی ولایت کی شہادت دیتا ہے۔

آپ کے اسمائے گرامی :-

نام :- محمد

کنیت :- ابوجعفر

لقب :- باقر العلوم

شاکر، ہادی۔

ارشاد شیخ مفید میں جناب جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرمؐ نے فرمایا۔

جابر تیری ملاقات یقیناً میرے پانچویں جانشین سے ہوگی۔ جو میرا ہمنام ہوگا۔ جب تو اس سے ملاقات کرے تو میرا سلام پہنچا دینا۔

شیخ صدوق کے مطابق جابر بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن میں امام سجادؑ کی زیارت کو آیا تھا دروازہ پر میں
نے امام باقرؑ کو دیکھا۔

میں نے پوچھا۔

آپ کون ہیں۔

امام محمدؑ نے فرمایا۔ میں محمد بن علی ابن حسینؑ ہوں۔

میں نے کہا۔ خدارا ایک مرتبہ میری طرف آئیں وہ آگے بڑھے۔ پھر میں نے عرض کیا۔ اب چند قدم پیچھے کو جائیں۔
وہ پیچھے کو گئے۔

میں بے ساختہ کہا۔ مفکر رسولؐ ہے۔

امام محمدؑ نے فرمایا۔ جابر جب تصدیق ہو گئی ہے تو اب وہ پیغام بھی پہنچا دو جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

یہ سنتے ہی میں نے بڑھ کر شہزادہ کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور عرض کی۔ بس اسی بات کا انتظار تھا۔ آپ کو سلطان الانبیاء
سلام فرماتے تھے۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ تا قیامت رسول خدا پر سلام اور آپ پر بھی سلام ہو۔

نقش خاتم :-

ارشاد شیخ مفید کے مطابق آپ کی انگوٹھی کا نقش تھا۔ العزۃ للہ جمیعا تھا۔

نصوص امامت :-

بحار میں خالد سے مروی ہے کہ جب امام سجادؑ زہر کے سبب زندگی کے آخری سانسیں لے رہے تھے آپ نے
تمام بیٹوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اللہ کی طرف سے میرا وصی اور تمہارا مقتدا محمد باقرؑ ہے۔

اس کے بعد امام باقرؑ سے فرمایا۔

بیٹے عقل روح کی ہادی ہوتی ہے۔ علم عقل کا ہادی ہوتا ہے۔ اور عقل ہی علم کا ترجمان ہوتا ہے۔

بیٹے علم پائیدار ہوتا ہے اور کثرت گوئی سے لغزش کا خطرہ ہوتا ہے۔

بیٹے حالات دنیا اور اصلاح احوال کا انحصار دو باتوں میں ہے۔ اور وہ ہے معیشت کی استواری لیکن یاد رکھنا
معیشت کی استواری کے پیمانہ کا دو تہائی عقل ہے اور ایک تہائی غفلت ہوتا ہے۔

بیٹے وقت کا ہر لمحہ زندگی کو ختم کر رہا ہے۔

بیٹے! اگر کوئی بھی نعمت حاصل کرنا چاہو تو وہ اس وقت حاصل ہوگی جب ایک نعمت کی قربانی کرو گے۔

بیٹے! لمبی امیدوں سے پرہیز کرنا کیونکہ اس کا انجام حسرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

بیٹے! مال مت جمع کرنا۔ کیونکہ جمع کرنے والے کو نصیب نہیں ہوتا۔ اور چھوڑتے ہوئے افسوس ہی افسوس ہوتا ہے۔

بیٹے! باطل سے ہمیشہ دور رہنا۔

بحار میں مالک ابن اعین سے مروی ہے کہ جب امام سجادؑ پر رحلت کے آثار ظاہر ہو گئے تو آپ نے امام محمد باقرؑ سے فرمایا۔

بیٹے! میں نے اللہ کی طرف سے تجھے اپنا وصی اور اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا ہے۔ جو بھی تیرے مقابلہ میں دعوائے خلافت کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کے گلے میں آتشیں طوق ڈالے گا۔

بیٹے! اپنے منعم کا شکر کرتے رہنا اور اپنے شکر گزار پر احسان کرنا۔ جب تک شکر کرتے رہو گے نعمات الٰہیہ کا تسلسل برقرار رہے گا اور جب کفران نعمت کیا تو نعمات کا سلسلہ رک جائے گا۔

اللہ کا ارشاد ہے۔

اگر تم نے شکر کیا تو نعمات میں اضافہ کروں گا۔ (القرآن)

بحار میں زہری سے مروی ہے کہ میں امام سجادؑ کی عیادت کو گیا۔ آپ زندگی کے آخری مراحل پر تھے۔ میں نے عرض کیا قبلہ! آپ کے بعد ہمارا امام کون ہوگا؟

آپ نے فرمایا۔ جو کچھ ہمیں نانا سے ملا ہے اس کے مطابق میرے بعد میرا محمد باقرؑ بیٹا ہوگا۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! محمد باقرؑ سے بڑے بیٹے بھی تو ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ زہری! امامت الٰہیہ کا تعلق بڑے اور چھوٹے سے نہیں ہوتا۔ اللہ جسے اپنا خلیفہ مقرر کرتا ہے اسے اس علم سے آراستہ کر کے بھیجتا ہے جس کی ضرورت ہوتی ہے آنحضرتؐ کو اللہ کی طرف سے جو اطلاع دی گئی تھی اس کے مطابق میرا وصی محمد باقرؑ ہے اور یہی اپنے بعد کے سات اماموں کا باپ بھی ہے۔

کفایہ میں خالد سے مروی ہے کہ میں نے امام سجادؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے بعد عالم شیعیت کا مرجع کون ہوگا؟

آپ نے امام محمد باقرؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ میرا یہ بیٹا۔

بحار میں جناب عبداللہ ابن علی ابن حسینؑ سے مروی ہے کہ جب میرے والد [illegible] آخرت کی دہلیز پر پہنچے تو کنیز کو ایک صندوق اٹھانے کا حکم دیا۔ کنیز جب وہ صندوق اٹھا کے لائی تو آپ نے امام محمد باقرؑ سے فرمایا۔

بیٹے اسے میری زندگی میں اٹھا کے اپنے پاس رکھ لو تاکہ میرے بعد کوئی اس میں جھگڑا نہ کرے اس میں درہم و دینار نہیں ہیں۔ اس میں تبرکات انبیاء ہیں جن کا میں امین تھا اب میرے بعد تو ان کا امین ہوگا۔

مناقب امام محمد باقرؑ :

مطالب السئول میں ابن زبیر سے مروی ہے کہ ایک دن میں جناب جابر کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں امام سجادؑ جناب جابر کے پاس آئے آپ کا بیٹا محمدؑ بھی آپ کے ساتھ تھا۔

جابر نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کے ساتھ کون ہے ؟

امام سجادؑ نے فرمایا۔ میرا بیٹا محمد ہے۔

پھر آپ نے جناب محمدؑ سے فرمایا۔ بیٹے صحابی رسول کا سر چوم لو۔

جناب جابر نے دونوں ہاتھ بڑھا کر شہزادہ کو گلے لگایا ہاتھوں کا بوسہ لیا اور کہا۔ اے محمدؑ آپ کو محمد رسول اللہ سلام فرماتے تھے۔

جناب محمد باقرؑ نے فرمایا۔ اے صحابی رسول میرے جد امجد پر اور آپ پر سلام ہوں۔

مگر یہ کہو جابر بھلا آنحضورؐ نے جسے دیکھا نہیں اسے سلام کیسے دیتے ہیں۔

جناب جابر نے بتایا۔ ایک دن میں آنحضورؐ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ سید الشہدا آپ کی گود میں تھے۔ آنحضرتؐ نے حسینؑ کے لبوں کا بوسہ لیا اور ان کا چہرہ چوم کر فرمایا۔

جابر میرے حسینؑ کا ایک بیٹا ہوگا جس کا نام علیؑ ہوگا میرے حسینؑ کے بعد وہ حجت خدا ہوگا اور علیؑ کا ایک بیٹا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا۔ تیری اس سے ملاقات ہوگی اسے میرا سلام کہہ دینا اور اس سے ملاقات کے بعد تیری زندگی بہت کم عرصہ ہوگی۔

حضرت الیاس نبی سے ملاقات امام باقرؑ :

اصول کافی میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایام حج میں میں بابا کے ساتھ تھا۔ دوران طواف ایک شخص میرے بابا کے قریب آیا عرض کیا اس شخص نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔

جب طواف مکمل ہو جائے تو مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔

میرے بابا مسکرا دیئے اور فرمایا۔

آپ اپنی قیام گاہ پر چلیں میں وہیں آجاتا ہوں۔

ہمارے ساتھی تو چور راستے سے آ رہے تھے۔ وہ یہ سن کر حیران ہو گئے۔ کہ اس شخص نے منہ لپیٹا ہوا ہے۔ خدا معلوم کون ہے اور اس کا قیام کہاں ہے۔

امام نے فرمایا ہے کہ تم اپنی قیام گاہ پہ چلو میں وہیں آ رہا ہوں۔ آخر آپ کو کیسے پتہ چلے گا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔

بابا نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔ بہت جلدی فیصلہ کر لیتے ہو۔ طواف سے فارغ ہو جاؤ ہم اس کے پاس جائیں گے آپ کو وہاں چل کر معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے؟ جب آپ وہاں پہنچ جائیں گے تو تصدیق کر لینا کہ میں اس کی قیام گاہ کو بھی جانتا ہوں اور اسے بھی جانتا ہوں۔

طواف سے فارغ ہونے کے بعد ہم وہاں پہنچ گئے۔ وہ شخص ہمارے انتظار میں تھا۔ اس نے بابا کا استقبال کیا میرے سر کا بوسہ لے کر کہا۔

اے ابو الحسن رضا اور اپنے بابا کے بعد حجت خدا میرا سلام ہو۔

ہمارے تمام ساتھی حیرت سے اس شخص کو دیکھ رہے تھے۔

ابھی تک اس نے اپنے سر کو چھپایا ہوا تھا۔

جب ہم بیٹھ گئے۔ تو اس نے عرض کیا۔

اے فرزند رسولؐ!

اگر آپ چاہیں تو سب کچھ آپ ہی بتا دیں۔

اگر حکم دیں تو میں عرض کر دوں۔

اگر آپ چاہیں تو آپ خود ہی میرا سوال اور اس کا جواب سنا دیں اور اگر حکم دیں تو میں اپنا سوال پیش کر دوں۔

اگر چاہیں تو آپ میری تصدیق فرما دیں۔

میرے بابا نے فرمایا۔ جیسے آپ کی مرضی۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

تو اس نے کہا۔

میری خواہش تو یہ ہے کہ میں سب کچھ آپ ہی سے سنوں۔ البتہ میری ایک شرط ہے کہ جب آپ میرے سوال کا جواب دے چکے ہوں اس وقت کوئی اور بات نہیں کرے گا۔

میرے بابا مسکرا دیئے اور فرمایا۔

ایسا وہ شخص کرتا ہے جس کے دل میں دو متضاد باتیں ہوں۔ لیکن اللہ ایسے علم کو علم ہی نہیں کہتا جس میں اختلاف ہو۔

اس نے کہا۔ اللہ آپ کو برکت دے۔

میرے سوال کا ایک حصہ تو آپ نے حل کر دیا ہے اب دوسرا بھی حل فرما دیجئے۔ کہ وہ کون سا علم ہے جس میں اختلاف نہیں ہوتا اور اس کا عالم کون ہوتا ہے۔

میرے بابا نے فرمایا۔ جہاں تک کل علم کا تعلق ہے تو وہ تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ اور جہاں تک اس علم کا تعلق ہے جس کی ضرورت مخلوق خدا کو ہوتی ہے۔ تو اس کے حامل اوصیائے انبیاء ہوتے ہیں۔

یہ جواب سن کر اس شخص نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا لیا۔ اور عرض کیا۔ اوصیائے انبیاء کو وہ علم کیسے حاصل ہوتا ہے جس کی مخلوق خدا کو ضرورت ہوتی ہے۔

میرے بابا نے فرمایا۔ بالکل اسی طرح جس طرح انبیاء کو علم ہوتا ہے البتہ نبی اور وصی نبی میں اس قدر فرق ہوتا ہے کہ۔

اولاً۔ اوصیاء اس اور یہ علم کو دیکھتے نہیں جیسے انبیاء دیکھتے ہیں۔ اور یہ صرف اس لیے ہے تاکہ نبی اور وصی میں تھوڑا سا فرق رہ جائے۔

ثانیاً۔ انبیاء پر وحی ہوتی ہے جبکہ اوصیائے انبیاء پر وحی نہیں ہوتی یعنی انبیاء کلام خدا کو براہ راست بھی سنتے ہیں۔ لیکن اوصیائے انبیاء سے براہ راست کلام خدا نہیں ہوتا۔

اس نے کہا۔ فرزند رسول! آپ نے سچ فرمایا ہے۔

اس شخص نے پھر منہ چھپا لیا اور عرض کیا۔

قبلہ میں الیاس نبی ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ نہ میں اس مسئلہ کا ضرورت مند تھا اور نہ ہی آپ کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ میرا مقصد صرف آپ کے ان صحابہ کو آپ کی اس عظمت سے مطلع کرنا تھا جو اللہ نے آپ کو عنایت فرمائی ہے۔

جب آپ نے مجھے فرمایا کہ آپ چلیں میں آپ کی قیام گاہ پر آتا ہوں تو یہ لوگ سوچ رہے تھے کہ آپ کیسے میری قیام گاہ سے واقف ہیں۔

اسم اعظم :

عمر ابن حنظلہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مجھے امام محمد باقرؑ سے تنہائی میں بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ میں نے عرض کیا۔ قبلہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ آپ کے نزدیک میرا کچھ مقام ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں ضرور ہے۔

میں نے عرض کیا۔ میری ایک خواہش ہے اگر پوری فرمادیں تو۔

آپ نے فرمایا۔ بتاؤ کیا خواہش ہے۔

میں نے عرض کیا۔ مجھے اسم اعظم سے نوازدیں۔
آپ نے فرمایا۔ کیا تیرا اتنا ظرف ہے۔
میں نے عرض کیا۔ قبلہ میں تو سمجھتا ہوں کہ میرا ظرف اس قدر ہے۔
آپ مسکرائے اور فرمایا۔ کمرے کے اندر چل
میں کمرے کے اندر آیا۔ آپ بھی آئے اور صرف اپنا ایک ہاتھ زمین پر رکھا۔ میں نے دیکھا پورا کمرہ تاریک ہوگیا اور ایسے معلوم ہوا جیسے زلزلہ آرہا ہے۔
میرا تمام جسم کانپنے لگا۔
آپ نے فرمایا۔ کیا اسم اعظم تعلیم دوں
میں اتنا مرعوب ہو چکا تھا۔ کہ میرے پسینے چھوٹ گئے تھے۔ میں نے کانپتی ہوئی آواز میں عرض کیا۔ قبلہ شاید میں اس کا متحمل نہ ہوسکوں۔

پھر آپ نے فرمایا۔ اسم اعظم میں تہتر حروف ہیں۔ آصف ابن برخیا کو صرف ایک حرف کا علم تھا جس کی بنا پر اس نے چشم زدن میں تخت بلقیس منگوالیا تھا۔ ہمارے پاس ان میں بہتر حروف ہیں۔ ایک حرف اللہ کے پاس ہے۔

ملائکہ کی آمدورفت:۔

بصائر الدرجات میں حمران ابن اعین سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا۔
قبلہ سنا ہے آپ کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔
آپ نے فرمایا۔ کیا صرف سنا ہے قرآن میں نہیں پڑھا۔
میں نے عرض کیا۔ قرآن میں ہوگا لیکن میری نظر سے نہیں گزرا
آپ نے فرمایا۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔

جو توحید خالق کا اقرار کرکے اس پر قائم رہ جاتے ہیں۔ ان کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔ اور انہیں تسلی دیتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں۔ افسردہ نہ ہو۔ اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔
میں نے عرض کیا۔ قبلہ لوگ تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق بعد از مرگ سے ہے۔
آپ نے فرمایا۔ بعد از مرگ جنت ہوگی بشارت جنت نہیں ہوگی۔ آیت میں بشارت کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں بعد از مرگ خوف و حزن کاہے کا ہوگا۔ خوف و حزن دنیا میں ہے بعد از مرگ نہیں۔

جنات کی آمدورفت :-

سعد اسکاف سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں امام محمد باقرؑ کے پاس بیرون مدینہ آیا۔ آپ کام میں معروف تھے دریافت مسائل کے بعد میں نے اجازت مانگی۔

آپ نے فرمایا۔ اتنی کیا جلدی ہے کچھ دیر اور بیٹھ جا آپ نے اس انداز میں فرمایا کہ میں دوسری مرتبہ کچھ نہ کہہ سکا۔ گرمی کا موسم تھا جب سورج کافی بلند ہوا تو میں سایہ کی تلاش میں ادھر ادھر پھرنے لگا۔ اسی اثنا میں میں نے ایسے افراد کا گروپ دیکھا جو یکایک میرے سامنے آ گئے۔ مجھے ایسے معلوم ہوا جیسے زمین شگاف ہوئی تو اور وہ نکل آئے ہوں انتہائی حسین و جمیل تھے۔ ان کے چہرے ٹڈی کی طرح زرد تھے۔ اور جلالت کی وجہ سے ان کے جسم انتہائی لاغر تھے۔ وہ امام محمد باقرؑ کے پاس آئے کافی دیر بیٹھے رہے۔ میں انہیں دیکھ کر اس قدر مرعوب ہو گیا کہ چاہنے کے باوجود بھی قریب جانے کی ہمت نہ کر سکا۔

میں نے عرض کیا قبلہ گرمی بھی زیادہ ہے۔ لیکن میرے پسینہ میں گرمی کے ساتھ ساتھ ان اچانک آنے والوں کا رعب بھی ہے۔

یہ کون تھے۔ اور کہاں سے آئے تھے؟

آپ نے فرمایا۔ یہ آپ کے مومن بھائی قوم جن سے تھے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ کیا جنات بھی آپ کے پاس آتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اگر میں اللہ کی طرف سے مدعی امر رجعت خدا ہوں تو زمین پر بسنے والا ہر مکلف میرے پاس آئے گا۔

چونکہ جنات بھی انسان کی طرح عبادت خالق کے مکلف ہیں۔ اور جس طرح تمہارے عالم ہیں اسی طرح جنوں کے بھی ہیں۔ اگر تمہیں ضروریات دین سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے تو قوم جن بھی نیاز مند ہے اور یہ لوگ بھی حسب ضرورت ہمارے پاس آتے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔

قبلہ پہلے تو میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔

آپ نے فرمایا۔ بعض اوقات پوشیدہ آتے ہیں اور بعض اوقات ہم سے اجازت لے کر انسانوں کی شکل میں آتے ہیں۔

خارجہ میں ابو حمزہ سے مروی ہے کہ ایک سال میں حج کے لیے مکہ آیا امام محمد باقرؑ بھی تشریف فرما تھے۔ میں مقام ابراہیم کے قریب بیٹھا تھا کہ مشرق کی جانب سے ایک عجیب الخلقت شخص آیا اس کی دم تھی تمام لوگ اسے دیکھ

سب سے تھے اس کی دہشت کرزائی کو دیکھ کر لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ اور ایک طرف ہٹ گئے۔ وہ سیدھا بیت اللہ کے قریب آیا۔ حجر اسود کے سامنے کافی دیر تک کھڑا رہا پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ مقام ابراہیم پر آیا۔ دم کے پچھلے کھڑا ہو گیا۔

دو رکعت نماز طواف پڑھی پھر حجر اسود کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔

پھر امام محمد باقرؑ کی خدمت میں آئے اور ان سے پوچھا۔

یہ کون ہے اور کیا انسان ہے۔

آپ نے مجھے فرمایا۔ ابو حمزہ وہ قوم جن سے ہے جا کر میری طرف سے کہدے کہ تجھے امام محمد باقرؑ فرما رہا ہے۔

یہ وقت انسان کے طواف کرنے کا ہے انسان تجھے دیکھ کر گھبرا رہے ہیں۔ تو نے طواف کر لیا ہے۔ اب واپس چلا جا۔ تاکہ انسان بھی اپنا فریضہ ادا کر سکیں۔

میں گیا اور جا کر میں نے امام محمد باقرؑ کا پیغام دیا سب لوگ دیکھ رہے تھے۔ کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ وہ ہوا میں تحلیل ہو کر آنکھوں سے غائب ہو گیا۔

امام ناظر ہوتا ہے

خلاد بن میں محمد ابن مسلم سے مروی ہے کہ ایک دن امام محمد باقرؑ نے مجھے فرمایا۔

وہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم تمہیں نہیں دیکھتے ہیں اور تمہاری بات سنتے ہیں۔ تو بخدا یہ بہت برا عقیدہ ہے اگر ہمیں تمہاری زندگی کے ایک ایک لمحہ کا علم نہ ہو۔ اگر ہم تمہاری باتیں نہ سنیں۔ تو پھر ہمیں تم پر کیا فضیلت ہو گی۔

میں نے عرض کیا۔

قبلہ! میں تو چونکہ آپ کی زبان مبارک سے سن رہا ہوں تسلیم کروں گا۔ لیکن دوسرے لوگ میری بات نہ مانیں گے کوئی ایسی علامت بھی بتا دیجئے جس سے دوسرے لوگوں کو منوا سکوں۔

آپ نے فرمایا۔ جب تو مدینہ کے باہر فلاں راستے میں تیرا ساتھی سے فلاں مقام پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ اور اس نے تجھے بداعمالی کا طعنہ دیا تھا۔

میں نے عرض کیا قبلہ! بالکل اسی طرح ہوا تھا۔

کیا آپ نے وہاں ہمیں دیکھا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ ہم دیکھتے بھی ہیں۔ ہمیں اللہ کی طرف سے اطلاع بھی ملتی ہے۔ ہم جادوگر۔ کاہن۔ یا مجنوں نہیں ہیں۔ یہ علم نبوت کی وراثت ہے۔ کہ ہمیں کرۂ ارض پر بسنے والے ہر ایک فرد کے تمام اعمال کا شاہد بنایا گیا ہے۔ اور

ہم تمہیں ہر جگہ دیکھتے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! یہ علم کیسے ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا۔ بعض اوقات یہ علم ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ بعض اوقات ہمیں آواز کے ذریعہ بھی بتایا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں ہماری خدمت ہمارے شیعہ جن بھی کرتے ہیں۔ جو اطراف عالم کی خبریں ہم تک پہنچاتے رہتے ہیں اور قوم جن آج انسانوں کی نسبت ہماری زیادہ عقیدت مند ہے

میں نے عرض کیا قبلہ! کیا ہر انسان کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے!

آپ نے فرمایا۔ ہاں ہر انسان کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے۔

کافی میں نعمان ابن بشیر سے مروی ہے کہ میں جابر ابن یزید جعفی کے ساتھ تھا۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ گیا۔ امام محمد باقرؑ کو سلام کیا۔

چند دن بعد الوداع کیا۔ اور واپس کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ ہم مدینے سے باہر پہلی منزل پر پہنچے وہاں ظہر کی نماز ادا کی۔ اور کوچ کی تیاری کی۔ اونٹوں پر سوار ہوئے اونٹ ابھی اٹھے ہی تھے کہ ایک شخص سامنے آیا اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا۔

اس نے وہ خط جناب جابر کو دیا۔

جابر نے مہر دیکھی۔ خط کو بوسہ دیا۔ آنکھوں سے لگایا۔ خط بالکل تازہ لکھا ہوا تھا۔ مہر کی سیاہی ابھی خشک نہیں ہوئی تھی۔

جابر نے پوچھا۔ آقا سے کب ملاقات ہوئی تھی۔

اس نے کہا۔ ابھی ابھی۔

جابر نے کہا نماز ظہر سے پہلے یا بعد میں

اس نے کہا۔ نماز ظہر کے بعد

جابر نے خط کھولا۔ میں دیکھ رہا تھا جیسے جیسے جابر خط پڑھتا گیا۔ اس کے چہرہ کا رنگ زرد پڑتا گیا۔ جب اس نے خط پڑھ لیا۔ پھر میں نے کوفہ پہنچنے تک اسے مسکراتے نہیں دیکھا۔ کوفہ میں ہم رات کے وقت پہنچے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

دوسری صبح میں جابر کے ملنے کی خاطر اس کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی جابر کا گھر کافی دور تھا کہ میں نے دیکھا۔ جابر کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ تمام جسم خاک آلودہ تھا بانس کا گھوڑا بنایا ہوا تھا اور گلی میں ادھر ادھر بانس کے گھوڑے کو بھگاتا پھرتا تھا۔ عجیب و غریب شعر پڑھ رہا تھا۔ اردگرد بچے جمع تھے۔ تالیاں بجا بجا کر ہنس رہے تھے۔

جابر دیوانہ ہو گیا۔ جابر دیوانہ ہو گیا۔

لوگوں کا بھی مجمع تھا۔ تمام لوگ دیکھ کر افسوس کر رہے تھے کہ کتنا نیک اور اچھا آدمی تھا۔ لیکن خدا معلوم کیوں دیوانہ ہو گیا ہے۔

میں تو جابر کا یہ حال نہ دیکھ سکا اور رو کر واپس آ گیا۔

چند دن بعد والی کوفہ منصور ابن جمہور کو ہشام ابن عبد الملک کا حکم موصول ہوا کہ جابر ابن یزید نامی شخص شیعیان آل محمدؐ سے ہے اور شیعیت کے حامی پھیلا رہا ہے اسے گرفتار کر کے قتل کر دے۔

منصور نے اپنے مصاحبین سے جابر کے متعلق پوچھا۔

انہوں نے بعد حسرت کہا۔ کہ جابر بڑا صاحب علم و فضل تھا۔ شیعیان آل محمدؐ سے بھی تھا۔ لیکن اب تو وہ نہیں ہے۔

منصور نے کہا۔ کیوں اسے کیا ہوا ہے۔

انہوں نے کہا۔ وہ حج پر گیا تھا۔ واپس آیا ہے تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ سارا سارا دن بانس کے گھوڑے پر سوار ہو کر گلی کوچوں میں پھرتا ہے۔ اول فول باتیں کرتا پھرتا ہے۔ بچے سارا دن بے چارے کے پیچھے لگے رہتے ہیں

منصور نے کہا۔ میں اسے دیکھوں گا۔

چنانچہ منصور اپنے مصاحبین کے ساتھ وہاں آیا۔ آپ جہاں جابر بچوں میں گھرا ہوا دیوانوں کی طرح باتیں کر رہا تھا۔

منصور نے کہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس کے قتل سے بچا لیا ہے۔

امام محمد باقرؑ اور سریانی و عبرانی زبان میں کلام۔

بصائر میں لیث مرادی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں امام محمد باقرؑ کے پاس بیٹھا تھا ایک یمنی شخص ہمارے قریب سے گزرا۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ کیا تو یمنی ہے۔

اس نے عرض کیا۔ ہاں

امام باقرؑ نے فرمایا۔ کیا فلاں مکان کو جانتا ہے۔

اس نے کہا۔ ہاں میں نے اسے دیکھا ہوا ہے۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ اس مکان کے فلاں جانب ایک پتھر رکھا ہوا ہے کیا اسے بھی جانتا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ ہاں میں نے اسے بھی دیکھا ہے۔

لیکن حیرت ہے آپ یہاں کیسے آگئے ہیں اور آپ نے وہ مکان دیکھا ہے آپ کو کیسے معلوم ہوا ہے کہ مکان کے قریب پتھر ہے۔

اگر وہ شخص نہ بھی پوچھتا تو بھی میں ضرور پوچھتا کیونکہ حیرت تو مجھے بھی تھی۔ لیکن آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا۔

اے ابوالفضل۔ ان لوگوں کو اس پتھر کی منزلت معلوم نہیں ہے۔ ہمیں جو علم نبوت سے وراثت میں ملا ہے اس کا علم ہمارے پاس ہے۔

جب حضرت موسیٰ کوہ طور پر چالیس دن گزار کے واپس آئے تھے اور بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں مصروف تھے تو آپ نے غصہ میں کوہ طور پر ملنے والی الواح کو اسی پتھر پر پھینک دیا تھا۔ اور پتھر نے الواح میں سے تورات کا کچھ حصہ اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ یہی وہ پتھر ہے جس کے متعلق یہ شخص مجھ سے پوچھ رہا ہے۔

بصائر الدرجات میں علی بن ابی حمزہ سے مروی ہے کہ میں امام باقرؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا اور میرے ساتھ ہی ایک خراسانی اور ایک یمن کے آدمی بھی بیٹھے تھے۔

آپ نے خراسانی سے فارسی میں پوچھا۔

کیا تو فلاں وادی کو جانتا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ جانتا ہوں۔

آپ نے فرمایا اسی سے دجال خروج کرے گا۔

پھر آپ نے یمنی سے عبرانی میں پوچھا۔

کیا فلاں وادی سے واقف ہے۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ واقف ہوں۔

آپ نے فرمایا اس وادی میں ایک مکان ہے اس مکان کے قریب ایک درخت ہے۔ اس درخت کے نیچے فلاں رنگ و حجم کا ایک پتھر رکھا ہوا ہے۔ جسے تم جانتا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ اسے میں نے دیکھا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

یہ وہی پتھر ہے۔ جس نے تورات کے کچھ حصہ کو بحکم خدا اپنے اندر جذب کیا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ اور خضر :-

بحار میں سدیر سے مروی ہے کہ ایک دن امام باقرؑ نے فرمایا۔ جب حضرت خضر جناب موسیٰ کو الوداع کہنے کی غرض سے گئے تو انہوں نے دریا کے کنارے ایک پرندے کو دیکھا جو دریا سے چونچ میں پانی لے کر شمال، جنوب، مشرق، مغرب، آسمان اور زمین پر پھینکتا تھا۔

جناب موسیٰ نے جناب خضر سے سوال کیا تھا کہ۔

کہ پرندے کے اس عمل کا کیا مطلب ہے؟۔

جناب خضر جواب دینے سے قاصر ہے تھے۔

جبرئیل نے ایک پرندے کی صورت میں آکر دونوں کو اس کا مطلب بتلایا تھا کہ پرندے کے اس عمل کا مقصد یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ایک نبی آئے گا۔ اس کے علم کے مقابل میں تم دونوں کا علم ایسے ہے جیسے سمندر کے مقابلہ میں میری چونچ کا پانی۔

اگر اس وقت میں ہوتا تو میں ان دونوں کو پرندے کا مقصد بتا دیتا۔

تمام عالم امام کا تابع ہوتا ہے :-

اولی الامر :-

خرائج میں محمد ابن سیف سے مروی ہے کہ ایک دن امام باقرؑ نے فرمایا۔

نحن حجۃ اللہ۔ نحن وجہ اللہ۔ نحن عین اللہ فی خلقہ۔ نحن ولاۃ امر اللہ فی عبادہ۔

ہم حجت خدا، ہم وجہ باری اور ہم کائنات میں چشم خدا ہیں ہم مخلوق میں اللہ کی طرف سے اولی الامر ہیں۔

ہم جب کسی امر کو نافذ کرنا چاہیں تو کائنات عالم میں ہمارا امر اسی طرح نافذ ہوتا ہے جس طرح ہم چاہیں۔

علم امام :-

خرائج میں حلبی سے مروی ہے کہ ایک دن چند لوگ امام باقرؑ کے پاس آئے اور انہوں نے عرض کیا۔ قبلہ امام کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تمہارے لیے امام یہ ہے کہ اس کا احترام کرو۔ اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر ایمان رکھو۔ امام کا فرض ہے کہ تمہیں ہدایت دے۔

منجملہ دیگر علامات کے ایک علامت امام یہ بھی ہے کہ جب تم امام کے پاس آؤ تو عظمت و ہیبت امام سے آنکھ اٹھا کر امام کی طرف دیکھ نہ سکو۔

انہوں نے عرض کیا۔ کیا امام اپنے شیعوں کو جانتا ہے!

آپ نے فرمایا۔ امام اپنی تمام رعیت کو جانتا ہے۔ امام انہیں بھی جانتا ہے جو اسے مانتے ہوں اور انہیں بھی جانتا ہے جو اسے نہ مانتے ہوں۔ امام کے پاس دونوں کی فہرستیں الگ الگ ہوتی ہیں۔

انہوں نے عرض کیا۔ کیا ہم آپ کے شیعہ ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تم سب ہمارے شیعہ ہو۔

انہوں نے عرض کیا۔ ہمیں کیسے یقین آئے کہ ہمارے نام آپ کی اس فہرست میں ہیں جو شیعہ ہیں!

آپ نے فرمایا۔ میں تم میں سے ہر ایک کے آباء و اجداد کے نام مع تمہارے قبائل اور مسکن و رہائش کے نام بتاؤں گا تو پھر تمہیں یقین آ جائے گا۔

انہوں نے عرض کیا۔ تب یقیناً ہمیں ماننا پڑے گا۔

آپ نے ایک ایک کے باپ دادا، بیٹے اور پوتے کا نام بتایا۔

پھر فرمایا۔ اب کافی ہے!

انہوں نے عرض کیا۔ تب کافی ہے۔

اہل بیت کون ہیں!

بصائر میں عمرو ابن سعید اور خیثمہ سے مروی ہے کہ امام محمد باقر نے فرمایا ہے۔

نحن حجة الله ونحن باب الله ونحن وجه الله۔	ہم حجت خدا، ہم باب خدا، اور ہم وجہ اللہ ہیں۔
نحن عين الله في خلقه ونحن ولاة امر الله۔	ہم کائنات میں چشم خدا اور اولی الامر ہیں۔
نحن جنب الله ونحن صفوة الله۔	ہم جنب اللہ اور اللہ کے مصطفیٰ ہیں۔
نحن ائمة الهدى ونحن مصابيح الدجى۔	ہم ائمہ ہدیٰ اور تاریکی کے چراغ ہیں۔
نحن السابقون ونحن الآخرون۔	ہم سابقین ہیں اور ہم آخرین ہیں
نحن العلم المرفوع للخلق من تمسك بنا نجى ومن تخلف عنا غرق۔	ہم مخلوق کے لیے اللہ کی معروف علامت ہیں جو ہم سے تمسک کرے گا ناجی ہوگا اور ہمیں چھوڑنے والا غرق ہوگا۔
نحن قادة الغر المحجلين۔	ہم سفید جبینوں کے قائد ہیں۔
نحن خيرة الله ونحن الطريق۔	ہم اللہ کے منتخب اور راہ ہدایت ہیں۔

نحن الصراط المستقیم الی اللہ۔ — ہم اللہ کی طرف جانے والا صراط مستقیم ہیں۔

نحن نعمۃ اللہ علی خلقہ۔ — ہم مخلوق خدا کے لیے نعمت خدا ہیں۔

نحن المنہاج ونحن معدن النبوۃ۔ — ہم راستہ ہیں۔ ہم نبوت کی کان ہیں۔

نحن موضع الرسالۃ۔ — ہم مقام رسالت ہیں۔

نحن الذین الینا مختلف الملائکۃ۔ — ہم وہ ہیں جن کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔

نحن السراج لمن استضاء بنا۔ — ہم ان لوگوں کے لیے چراغ راہ ہیں جو روشنی حاصل کرنا چاہیں

نحن السبیل لمن اقتدی بنا۔ — ہم راہنمائی حاصل کرنے والوں کے لیے راستہ ہیں۔

نحن الہداۃ الی الجنۃ۔ — ہم جنت کے ہادی ہیں۔

نحن عز الاسلام۔ — ہم اسلام کی عزت ہیں

نحن القناطر من مضی علیہا لم یسبق ومن تخلف عنہا محق۔ — ہم وہ پل صراط ہیں کہ جو ہماری راہنمائی میں چلا وہ ناکام نہیں ہوگا۔ اور جو ہمارے بغیر چلا وہ کامیاب نہیں ہوگا۔

نحن الذین بنا تنزل الرحمہ — ہم وہ ہیں جن کے صدقہ نزول رحمت ہوتا ہے۔

نحن الذین بنا یصرف عنکم العذاب۔ — ہم وہ ہیں جن کی بدولت تم سے عذاب الٰہی رکا ہوا ہے۔

فمن عرفنا۔ وابصرنا۔ — جو ہمیں پہچانے گا۔ جو ہماری بصیرت حاصل کرے گا۔

وعرف حقنا۔ واخذ بامرنا فہو منا والینا۔ — جو ہمارے حقوق کا تحفظ کرے گا۔ جو ہم سے احکام لے گا وہ ہم سے ہے اور ہماری طرف ہے۔

بصائر الدرجات میں برید عجلی سے مروی ہے کہ میں نے امام باقرؑ سے اس آیت میں امت وسطی کا مصداق پوچھا۔

کذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ — ہم نے تمہیں امت وسطیٰ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے گواہ رہو اور رسول تمہارا گواہ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہم امت وسطیٰ ہیں۔ ہم لوگوں پر گواہ ہیں۔ اور ہم روئے زمین پر حجت خدا ہیں۔

بندہ خدا! ارشاد باری ہے۔ کل شیٔ ہالک الا وجہہ۔ وجہ اللہ کے سوا سب کچھ کا عدم ہو جائے گا اللہ اس بات سے اجل ہے کہ اسے اس قسم کے اعضاء سے موصوف کیا جائے بلکہ وجہ اللہ سے دین اللہ مراد ہے۔ ہم وہ دین اللہ ہیں جو باقی رہ جائیں گے۔

معجزات امام محمد باقر علیہ السلام

میں آپکا دشمن ہوں:

امالی طوسی میں سلیمان سے مروی ہے کہ ـــــ شام سے ایک شخص اپنے کاروباری سلسلہ میں مدینہ آتا تھا.

اور امام محمد باقرؑ کی محفل میں آکر بیٹھتا تھا.

ایک مرتبہ کہنے لگا.

اے محمد ابن علیؑ مجھے جتنی عداوت تم اہلبیت سے ہے اور کسی سے نہیں کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ اللہ و رسولؐ اور امیر کی اطاعت صرف اور صرف تمہارے بغض میں ہے۔ میں یہاں صرف اس لیے آ بیٹھتا ہوں کہ آپ کا اخلاق اچھا ہے اور آپ کے کلام میں فصاحت و بلاغت ہوتی ہے.

امام باقرؑ نے فرمایا: میں نے کبھی تجھ سے نہ تو محبت کی خواہش کی ہے اور نہ ہی تجھ سے اس قسم کا سوال کیا ہے تیری جیسے مریض کو مجبور نہیں کیا جا سکتا.

ایک مرتبہ وہی شامی مدینہ میں بیمار ہو گیا. جب مرض کا زور بڑھ گیا تو اس نے اپنے میزبان سے کہا اگرچہ مجھے اہلبیت سے سخت عداوت ہے لیکن پھر بھی مدینہ میں مجھے محمد ابن علیؑ سے کوئی شخص زیادہ نیک نظر نہیں آتا. اگر میں مر جاؤں تو میرے جنازہ کے لیے محمد ابن علیؑ سے درخواست کرنا۔ اگر وہ قبول کرے تو وہی پڑھے ورنہ جو بھی پڑھائے ٹھیک ہے.

نصف شب کے قریب وہ مر گیا. اس کا میزبان صبح مسجد نبوی میں گیا. امام باقرؑ تعقیبات صبح میں مصروف تھے اس نے آکر تمام واقعہ سنایا.

آپ نے فرمایا. تو چل. میں تیرے مکان پر آرہا ہوں. لیکن میرے آنے تک اسے غسل و کفن وغیرہ نہ دینا.

آپ اٹھے دو رکعت نماز پڑھی. پھر سجدہ میں گئے. اور طلوع آفتاب تک سجدہ میں رہے. سجدہ سے اٹھے شامی کے میزبان کے گھر گئے.

میت پر کپڑا پڑا ہوا تھا.

آپ شامی کے سرہانے آئے اس کا نام لے کر پکارا.

شامی نے جواب دیا.

آپ نے سہارا دے کر اٹھایا. وہ اٹھ کر بیٹھ گیا. اور آپ کی طرف دیکھ کر ندامت سے سر جھکایا آپ کالی

کافی دیر بیٹھے رہے۔

پھر آپ واپس آ گئے۔

شام کے وقت شامی صحت یاب ہو کر آیا۔ اور آپ کے قدموں پر گر کر معافی مانگنے لگا۔

آپ نے فرمایا۔ کیا بات ہے۔

اس نے عرض کیا۔ دنیا والے تو نہ مانے لیکن اب مجھ سے کوئی آپ کی محبت و اطاعت نہیں چھین سکتا۔

آپ نے فرمایا۔ تجھے کیا ہو گیا ہے۔

اس نے عرض کی۔ میں اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکا ہوں اور اپنے کانوں سے سب کچھ سن چکا ہوں۔ جب ملک الموت میری روح قبض کر کے لے گیا۔ صبح کے وقت میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ شامی کا روح اس کے جسم میں لوٹا دو۔

محمد بن علی اس کی زندگی مانگ رہا ہے۔

پھر میں نے دیکھا کہ ملک الموت خود میری روح میرے جسم میں واپس کر کے گیا۔ ادھر آپ نے آ کر مجھے جگایا۔

واقعاً آپ ہی حجت خدا ہیں۔

مردہ زندہ :-

خرائج میں ابو عیینہ سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام باقرؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک شامی آیا۔ عرض کی۔

قبلہ! میں اہل شام سے ہوں۔ آپ کا محب ہوں لیکن میرا باپ آپ کے اعداء سے اور بنی امیہ کے موالیوں سے تھا۔ آپ کی محبت کی وجہ سے اس نے مجھے اپنے سے دور کر رکھا تھا اتفاق سے میرا کوئی بھائی اور بہن نہیں ہے میرا باپ فوت ہو گیا ہے۔ میں اس کا تنہا وارث ہوں۔ لیکن چونکہ میں آپ کا محب ہوں اس لیے اس نے مجھے اپنے ترکہ سے بھی محروم رکھا ہے۔ وہ زندگی میں ترکہ کو ایسی جگہ ٹھکانے لگا کے گیا ہے کہ مجھے بھی معلوم نہیں ہے وہ کہاں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کیا تجھے حسرت ہے۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ میں سخت حسرت مند ہوں

آپ نے فرمایا۔ میں بھی بتا تو سکتا ہوں کہ تیرا باپ اپنا ترکہ کہاں چھپا کے گیا ہے لیکن بہتر ہو گا۔ اگر تو خود ایک مرتبہ اپنے باپ کو مل لے اور اسی سے پوچھ لے۔

اس نے حیران ہو کر عرض کیا۔ قبلہ کیا اب میں اپنے باپ کو مل سکتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ کیوں نہیں مل سکتے۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ اگر یہ ممکن ہے تو میں خود اپنے باپ سے ملوں گا۔

آپ نے ایک خط لکھا اپنی مہر لگائی اسے دیا۔ اور فرمایا یمن کی وادی برہوت میں چلا جا رات کے وقت وادی میں جانا۔ قبرستان کے عین وسط میں کھڑے ہو کر تین مرتبہ یا ورجان کہہ پکارنا ایک شخص آئے گا تجھ سے پوچھے گا کہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟

تو اسے اتنا بتا دینا کہ میں محمد بن علی کا قاصد ہوں۔

وہ چلا جائے گا کچھ دیر بعد تیرے باپ کو لے آئے گا اس سے جو پوچھنا ہو پوچھ لین۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ ہم نے باپ کو دفن تو اسی جگہ جنت البقیع میں کیا تھا۔ یمن کی وادی برہوت میں کیوں جاؤں

آپ نے فرمایا۔ میں نے تجھے کہہ دیا ہے وہیں چلا جا۔ بھی اپنے باپ سے پوچھ لینا کہ دفن تو تجھے جنت البقیع میں کیا تھا۔ آپ یہاں کیسے تشریف لائے۔

اس نے عرض کیا۔ حضور! یمن تو یہاں سے بہت دور ہے اور میں افلاس کی آخری حد تک پہنچ چکا ہوں۔ وہاں کیسے جاؤں گا۔

آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ مدینہ سے باہر نکل کے آنکھیں بند کر کے زمین سے میرا نام لے کر زمین سے کہنا کہ مجھے ابھی اور اسی وقت یمن پہنچا دے۔ جب باپ سے مل لینا وادی برہوت سے باہر آ کر پھر زمین سے کہنا مجھے مدینہ پہنچا دے گی۔

ابو حنیفہ کا بیان ہے کہ میں اور وہ ایک وقت آپ کے پاس سے روانہ ہوئے۔ میں نے اپنے دو چار قریبی ساتھیوں کو بھی بتایا اور انہیں کہا کہ کل علی الصبح امام باقرؑ کے پاس جائیں گے اور دیکھیں گے کہ وہ شامی آیا ہے یا نہیں۔ اگر آیا ہے تو کیا ہوا ہے۔

چنانچہ دوسرے دن ہم علی الصبح امام باقرؑ کے دروازہ پر آئے تو وہ شامی پہلے سے موجود تھا۔

میں نے پوچھا۔ کیا تو گیا نہیں تھا۔

اس نے کہا۔ کیوں نہیں گیا تھا۔ گیا بھی تھا اور پلٹ کے آ بھی گیا ہوں۔

میں نے کہا پھر کیا ہوا۔

اس نے کہا۔ ابھی آقا کے سامنے سب کچھ سناؤں گا۔

کچھ دیر امام باقرؑ باہر اپنی مسند پر تشریف لائے

اس سے پوچھا۔ ہاں کیا بنا۔

وہ آپ کے قدموں میں گر گیا اور قدم چومنے لگا۔

آپ نے دونوں ہاتھوں سے اسے اوپر اٹھایا اور فرمایا۔ کہو سناؤ کیا ہوا۔

اس نے عرض کیا۔
حضور! آپ کے حکم کے مطابق میں وادی برہوت میں پہنچا اور جان کا نام لے کر پکارا ایک شخص آیا اس نے
مجھ سے کہا۔ کیا کہتا ہے بتا۔ میں نے بتایا کہ مجھے امام باقرؑ نے بھیجا ہے۔ اس نے کہا۔ ذرا ٹھہر میں اسے لے آتا ہوں۔
کچھ دیر بعد وہ ایک سیاہ ترین شخص کو لے آیا اور کہا۔
یہ تیرا باپ ہے۔
میں تو اسے دیکھ کر صرف ڈر گیا بلکہ میں نے انکار کر دیا کہ میرا باپ گندمی رنگ کا حسین شخص تھا تو کس کالے کو
پکڑ کر میرا باپ بنا کے لے آیا ہے۔
میرے باپ نے سر جھکا کے کہا۔
بیٹے! میں تیرا باپ ہوں مجھے شرمندہ نہ کر
میں نے کہا آپ مجھے کوئی نشانی دیں۔
میرے باپ نے مجھے میرا نام میری ماں کا نام۔ میرے نانا اور دادا کا نام بتایا پھر کہا۔ بیٹے تو خوش نصیب ہے
میں بدقسمت تھا۔ میں نے ہی یہ سب کچھ مان لیا تھا۔ آج پتہ چل رہا ہے کہ غلطی کی تھا بیٹے آل محمدؐ کی محبت نہ چھوڑنا
اس دنیا میں صرف نجات آل محمدؐ ہی کا کوئی ٹھکانا ہے۔
جب مجھے یقین ہو گیا کہ واقعاً یہی میرا باپ ہے تو میں نے پوچھا۔ ہم نے تو آپ کو جنت البقیع میں دفن
کیا تھا۔
آپ یہاں کیسے پہنچ گئے
اس نے کہا۔ بیٹے! تو تم تو دفن کر کے چلے گئے لیکن بعد میں کچھ افراد آئے انہوں نے مجھے میری اس قبر سے
نکالا اور یہاں وادی برہوت میں چھوڑ کر چلے گئے۔ یہاں آ کر پتہ چلا کہ جتنے بھی دشمنان آل محمدؐ ہیں وہ سب اس جگہ
ہیں۔ مجھ سے پہلے مرنے والے دشمنان آل محمدؐ بھی اسی جگہ ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ محب آل محمدؐ کسی بھی جگہ مرے اسی
جنت البقیع میں لایا جاتا ہے۔ اور دشمن آل محمدؐ جہاں مرے اسے یہیں کی اس وادی برہوت میں ہی لایا
جاتا ہے۔
میں نے کہا کیا اب آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ نے اپنا مال کہاں چھپایا ہے
اس نے کہا بیٹے گھر کے قریب جو ہمارا فلاں باغیچہ ہے اس میں درخت زیتون کے نیچے شمالی طرف سب کچھ دفن
ہے جا کے نکال لے وہ دو لاکھ درہم ہیں۔
حضور! میں واپس آیا وہ مال نکالا۔ ایک لاکھ درہم اپنے لیے گھر چھوڑ آیا ہوں۔ اور یہ ایک لاکھ درہم آپ کے
لیے لایا ہوں۔ مہربانی فرما کر قبول فرمائیں اور انکار نہ فرمائیں میری دل شکنی ہوگی۔

سواری زندہ ہوگئی :-

مفضل ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ امام باقرؑ مکہ اور مدینہ کے مابین تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک حاجی مسافر روتا ہوا آیا اور عرض کی حضور! میری سواری کا گدھا تھا۔ وہ مر گیا ہے۔ اب میں تو اپنی جان بھی کم نہیں سے جا سکتا۔ یہ سامان کہاں سے جا سکتا ہوں۔

آپ نے مسکرا کے فرمایا۔ کوئی اور سواری خرید لے۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ میرے پاس اتنا سرمایہ کہاں ہے کہ سواری خریدوں۔

آپ نے فرمایا۔ میں کوشش کرتا ہوں۔

اس نے عرض کیا حضور! آپ سرمایہ فراہم کرنے کی کوشش نہ فرمائیں۔ سواری کی تلاش تک قافلہ چلا جائے گا مجھے اپنے اس گدھے سے بڑا پیار تھا۔

آپ مہربانی فرما کر مجھے میرا گدھا زندہ کر دیں۔

آپ اٹھے مردہ گدھے کے قریب آئے۔ دست دعا بلند کیے۔ اور عرض کی۔ بار الہا! تیرا یہ بندہ آل محمدؐ کا آسرا لے کر آیا ہے اسے اس کا گدھا لوٹا دے۔

ابھی تک آپ نے دعا ختم نہیں کی تھی کہ گدھا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

وارث رسولؐ :-

بصائر الدرجات میں ابو بصیر سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے امام باقرؑ سے عرض کیا۔ کیا آپ وارث رسولؐ ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ ہاں ہم وارث رسولؐ ہیں۔

میں نے کہا۔ کیا رسول اکرمؐ تمام ان علوم و کمالات کے وارث تھے جو سابقہ انبیاء کے پاس تھے!

آپ نے فرمایا۔ ہاں آپ ان تمام علوم و کمالات کے وارث تھے جو تمام سابقہ انبیاء کے پاس تھے۔

میں نے کہا کیا آپ بھی مردوں کو زندہ کر سکتے اور مبروص کو تندرست کر سکتے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ ہاں باذن اللہ ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ پھر آپ نے میری دونوں آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ تو میری بینائی بحال ہو گئی۔

پھر پوچھا۔ کیا اسی طرح بینا رہنا چاہتا ہے؟ اس صورت میں اگر تو نے آنکھوں سے کوئی جرم کیا تو اس عذاب میں لوگوں کے ساتھ شریک ہو گا جو وہ آنکھوں سے کرتے ہیں اور اگر پہلی حالت کو قبول کرے تو پھر بلا حساب جنت میں جائے گا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! بس مجھے وہی پہلی حالت منظور ہے۔

آپ نے پھر میری آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو میں پہلے کی طرح ہو گیا۔

بحار میں مروی ہے کہ محمد ابن مسلم خراسانی بیمار تھا امام باقرؑ کو کسی نے بتایا کہ حضور! خراسانی آپ کا بہت بڑا محب ہے اور آپ کے لیے کام کر رہا ہے۔ آج کل بیمار ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جہاں تک ہمارے لیے کام کرنے کا تعلق ہے تو وہ اگر ہم سے پوچھتا تو ہم اسے منع کر دیتے کیونکہ اس کے ساتھ فریب کیا جا رہا ہے۔

جہاں تک بیماری کا تعلق ہے تو اللہ اسے جلد ہی شفا دے دے گا۔

پھر آپ نے غلام کو بلایا۔ اسے ایک گلاس میں شربت ڈال کر دیا اور فرمایا۔ محمد ابن مسلم خراسانی کے پاس جا اور یہ شربت پلا کے واپس آنا۔

کچھ دیر بعد ہم نے دیکھا۔ محمد ابن مسلم اور آپ کا غلام دونوں آ گئے محمد بالکل تندرست تھا۔ محمد کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ کیا بات ہے۔

محمد نے عرض کیا۔ قبلہ اپنی بدنصیبی کو رو رہا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ کون سی بدنصیبی۔

محمد نے عرض کی۔ قبلہ چار مجبوریاں ہیں میں ہر مجبوری کو اپنی بدنصیبی سمجھتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ کون کون سی۔

محمد نے عرض کی۔ پہلی مجبوری میرے مسلسل سفر ہیں۔

دوسری مجبوری میری غربت اور ناداری ہے۔

تیسری مجبوری آپ کے پاس آنے کا وقت کم ملتا ہے۔

چوتھی مجبوری آپ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کر سکتا۔

آپ نے فرمایا۔ جہاں تک غربت اور ناداری کا تعلق ہے تو وہ یقیناً درست ہے کیونکہ ہمارے موالیوں کو ناداری تلاش کرتی پھرتی ہے۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ ہمارے موالیوں کا نصیب یہی ہوتے ہیں اور ہمارے اعداء کا نصیب لعین دولت ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے موالی ناداری کا شکار جلد ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک مسلسل سفروں کا تعلق ہے تو یہ تیرے آقا اور ہمارے جد امجد سید الشہداء کی سنت ہے۔

جہاں تک قلت وقت کا تعلق ہے تو ہمارے موالی اس دنیا میں ہمیشہ سے قلت وقت کا شکار رہے ہیں۔

جہاں تک زیارت کا تعلق ہے تو اگر دل صاف ہو تو آنکھوں سے نہ سہی دل سے تو زیارت ہزاروں میل کے فاصلے سے بھی کی جا سکتی ہے۔

اور آنکھوں کی تشنگی پیاسے کی طرف سے ابھرے گا۔

اعلام الوریٰ میں ابو بصیر سے مروی ہے کہ ایک سال حج کے موقع پر کثرت حجاج سے متاثر ہو کر میں نے امام علیہ السلام کی خدمت عرض کیا۔

حاجیوں کی کتنی کثرت ہے اور تعداد کتنی زیادہ ہو رہی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اگر یوں کہو تو بہتر ہے کہ۔

حجاج بیت اللہ کتنے کم ہیں اور شور و غل کتنا زیادہ ہے۔ کیا تو اپنی آنکھوں سے میری اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! آنکھیں کہاں ہیں۔ جن سے تصدیق کروں گا۔

آپ نے فرمایا۔ یوں نہ کہو۔

پھر آپ نے میری آنکھوں پر اپنا ہاتھ پھیرا تو مجھے تمام میدان عرفات نظر آنے لگا۔ خال خال کہیں کوئی انسان تھا ورنہ اکثریت اپنے اعمال کے مطابق مختلف شکلوں میں تھی۔

پھر پوچھا کیا دیکھ لیا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ آقا آپ نے سچ فرمایا ہے۔ حاجی کم ہیں لیکن شور کیسے ہو گیا۔

آپ نے فرمایا۔ ابو بصیر جو کچھ اللہ نے ہمیں دیا ہے اگر ہم اس کا اظہار کریں تو لوگ ہمیں خدا سمجھنے لگیں۔ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ کی عبادت سے کبھی تکبر نہیں کرتے اطاعت خدا سے کبھی نہیں اکتاتے۔ ہم اللہ کی توحید اور قدرت کے قائل ہیں اور معترف ہیں۔

خرائج میں امام باقرؑ سے مروی ہے کہ ایک چھپکلی سے کہا مرے گا وہ چھپکلی کی صورت میں مسخ ہو کر مرے گا۔ جب عبدالملک ابن مروان ہلاک ہوا تو بصورت چھپکلی مسخ ہو گیا۔ جب اس کے بیٹوں نے دیکھا تو ڈر کے دوسرے کمرہ میں چلے گئے کچھ دیر بعد واپس آئے تو وہ چھپکلی بھی غائب تھی۔

آخر انہوں نے لکڑی کا بت بنایا اسے کفن پہنا کر دفن کر دیا اس صورت سے اولاد عبدالملک کے علاوہ اللہ اور رسول ہی واقف ہیں۔

علم غیب :

۱۔ بحار میں ابن عطا سے مروی ہے کہ میں تھا۔ مجھے شدید خواہش ہوتی ہے کہ امام باقرؑ کی زیارت سے مشرف ہوں۔

چنانچہ میں مکہ سے چلا۔ مدینہ کے قریب پہنچا۔ تو موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ اور مجھے سردی نے آگھیرا۔

تقریباً نصف شب کے قریب میں آپ کے دروازہ پر پہنچا۔
یہ سوچ کر دروازہ پر بیٹھ گیا کہ آپ آقا کو بے آرام نہیں کرتا۔ تھوڑی سی مہلت باقی ہے۔ صبح قریب ہے۔ اتنے میں نے مولا کی آواز سنی۔
کنیز سے فرمایا ہے کہ جلدی جا ابن عطا سردی سے دروازہ پر ٹھٹھر رہا ہے۔ دروازہ کھول۔

۲۔ رجال کشی میں محمد سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام باقرؑ کے دروازہ پر آیا۔ زیارت کرنا چاہتا تھا۔ دو تین آدمی اور بھی منتظر تھے۔
انہیں تو اجازت مل گئی لیکن مجھے روک دیا گیا۔
میں پریشان ہو کر گھر آیا۔ اور غمگین حالت میں بستر پر گر گیا۔ پھر سوچنے لگا۔ آخر مذہب صرف شیعہ ہی تو نہیں ہے۔
مرجئہ بھی ہے۔ قدریہ بھی ہے۔ حروریہ بھی ہے اور زیدیہ بھی ہے۔
اسی فکر میں تھا کہ دق الباب ہوا۔ دروازہ پر آیا۔ قاصد کھڑا ہوا تھا۔ پوچھا کون ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے امام باقرؑ نے تجھے بلانے کا حکم دیا ہے۔
میں واپس آیا۔ لباس پہنا اور غلام کے ساتھ آ گیا۔
جب میں بیٹھ گیا۔ تو امام باقرؑ نے فرمایا۔
محمد! حق نہ مرجئہ کے ساتھ ہے۔ نہ قدریہ کے ساتھ ہے۔ نہ حروریہ حق پر ہیں اور نہ زیدیہ حق پر ہیں ہم حجت خدا ہیں حق ہمارے ساتھ ہے اور ہم حق کے ساتھ ہیں۔
یہ سن کر میں آپ کے قدموں پر گر گیا۔ اور اپنی غلط فکر کی معافی مانگی۔

۳۔ بصائر میں کنانی سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام باقرؑ کے دروازہ پر آیا۔ دق الباب کیا۔ جب کنیز نے دروازہ کھولا۔
میں نے کہا۔ جا مولا سے میرے لیے اجازت لے کر آ۔
آپ نے اندر سے فرمایا۔ کنانی آ جا۔
میں اندر گیا اور عرض کی قبلہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں ہوں۔
آپ نے فرمایا۔ جس طرح یہ دیواریں تمہارے سامنے بصورت حجاب حائل ہوتی ہیں۔ اگر ہمارے سامنے بھی اسی طرح حائل ہوں تو پھر ہمارے اور تمہارے درمیان کیا فرق رہ جاتا ہے۔
خرائج میں ابو بصیر سے مروی ہے کہ امام باقرؑ کے پاس ایک ایرانی آیا۔ آپ نے فرمایا۔ تیرے باپ کا کیا حال ہے۔

اس نے عرض کیا۔ الحمدللہ ٹھیک ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جب تو جرجان میں تھا وہ فوت ہو گیا ہے۔

تیرے بھائی کا کیا حال ہے؟

اس نے عرض کیا جب میں وہاں سے چلا تھا اس وقت بخیریت تھا۔

آپ نے فرمایا۔ اسے ایک صالح نامی شخص نے قتل کر دیا ہے۔

خراسانی رو دیا۔ آپ نے فرمایا۔ وہ جنت میں گئے ہیں اور اس دنیا کی نسبت یقیناً جنت ان کے لیے بہتر تھی۔

خراسانی نے عرض کیا۔

قبلہ! جب میں چلا میرا بیٹا بیمار تھا آپ نے اس کے متعلق نہیں پوچھا۔

آپ نے فرمایا۔ تیرا بیٹا تندرست ہو گیا۔ اسے تیرے بھائی نے اپنی بیٹی دی ہے جب تو واپس جائے گا تو اس کا بیٹا پیدا ہو گا۔

جس کا نام علی ہو گا۔ جو ہمارا شیعہ ہو گا۔

البتہ تیرا بیٹا ہمارے دشمنوں سے ہے۔

خرائج میں ابو بصیر سے مروی ہے کہ ایک دن مسجد نبوی میں امام باقرؑ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ منصور دوانیقی اور داؤد آئے۔ داؤد نے آ کر پہلے سلام کیا۔ پھر بیٹھ گیا۔

البتہ منصور قریب نہ آیا۔

آپ نے فرمایا۔ یہ منصور کو کیا ہوا ہے وہ یہاں کیوں نہیں آیا۔

داؤد نے کہا۔ آپ تو جانتے ہیں وہ متکبر ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ایک دن وہ بھی آئے گا جب منصور تخت نشین ہو گا۔ لوگوں کی گردنیں اٹھائے گا مشرق و مغرب پر اس کا قبضہ ہو گا۔

کافی لمبی زندگی ملے گی اتنی دولت جمع کرے گا کہ اس سے قبل کسی نے اتنی نہ کی ہو گی۔

داؤد اٹھا منصور کے پاس گیا۔ اسے تمام بات بتائی۔

منصور آیا سلام کیا۔ اور آپ کے قریب بیٹھ کر کہنے لگا۔ خدا جانتا ہے میں صرف آپ کی عظمت کے پیش نظر آپ کے پاس کم آتا ہوں۔

یہ داؤد کیا کہہ رہا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ اگر وہی کہہ رہا تھا جو میں نے کہا ہے تو سچ کہہ رہا تھا۔

منصور نے کہا کہ ہماری حکومت، آپ کی حکومت سے پہلے ہوگی

آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

منصور نے کہا۔ میری اولاد میں سے بھی کوئی حکمران ہوگا۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں

منصور نے پوچھا۔ حکومت بنی امیہ کی مدت زیادہ ہوگی یا ہماری حکومت کی!

آپ نے فرمایا۔ تمہاری حکومت کی مدت بنی امیہ کی حکومت سے بہت زیادہ ہوگی۔ تمہارے بچے حکومت سے اس طرح کھیلیں گے جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں۔

جب منصور حکمران بن گیا۔ تو اکثر امام باقرؑ کی اس پیشن گوئی کو یاد کر کے حیران ہوتا تھا۔

۶۔ بحار میں فضیل ابن یسار سے مروی ہے کہ میں نے امام باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آل جعفر حکمران ہوگی۔ آل فلاں حکمران ہوگی۔

اس سلسلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ جہاں تک آل جعفر کا تعلق ہے ان کی کوئی حکومت نہیں ہے۔ البتہ آل فلاں حکمران ہوگی۔ یہ لوگ اقرباء کو دور کر دیں گے۔ دور والوں کو مقرب بنائیں گے۔ ان کی حکومت ہمارے لیے انتہائی تکلیف کا باعث ہوگی۔ ہمیں اس حکومت میں چین کا سانس لینا نصیب نہیں ہوگا۔ ان کی حکومت میں کبھی بھی کوئی اچھی خبر سننے کو نہ ملے گی، ہر طرف افراتفری ہوگی۔ لیکن ایک ایک وقت آئے گا جب سکون ہوگا۔ اطمینان ہوگا۔ جب یہ لوگ عذاب خدا سے اپنے کو محفوظ سمجھ لیں گے اس وقت ان کی حکومت کا تختہ الٹ جائے گا۔ انسان کی یہ حالت ہوگی کہ ان کی لاش پر آنسو بہانے والا تک کوئی نہ رہے گا۔

کسی ظالم حکمران خاندان کے وارث ختم نہیں ہوتے۔

لیکن آل فلاں کے وارث مر جائیں گے۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! آل فلاں کا کوئی بھی نہ بچے گا۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں، جس جس کے دامن پر ہمارے خون کے قطرات ہوں گے وہ نہیں بچیں گے۔

۷۔ بحار میں جابر جعفی سے مروی ہے کہ مجھے امام باقرؑ نے بتایا ہے۔ ایک دن ہشام نے مجھے بلا بھیجا۔ جب میں وہاں گیا۔ تو وہ مجھے پیچ و تاب کھاتا ہوا ملا۔

تو گویا اس کی جان کا قریب ہوگئی۔

ہشام نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تو ہی ابو جعفر ہے جو بنی امیہ کی حکومت کو ختم کرے گا۔

میں نے کہا۔ نہیں۔

اس نے کہا۔ پھر وہ کون ہے۔

میں نے کہا۔ ابو جعفر سفاح ہے۔

ہشام نے کہا۔ کب ہو گا۔

میں نے کہا۔ بس اب وقت قریب آ چکا ہے۔

۸۔ روضۃ الکافی میں جابر جعفی سے مروی ہے کہ ہم امام باقرؑ کے پاس بیٹھے تھے۔ باتوں باتوں میں اموی حکومت کا ذکر چل نکلا۔

آپ نے فرمایا۔ جو شخص بھی ہشام کے خلاف خروج کرے گا وہ کامیاب ہو گا لیکن ہشام کی حکومت بیس برس تک ہے۔

یہ سن کر ہم پریشان ہو گئے۔

آپ نے فرمایا۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ اللہ جب کسی کی رسی کھینچنا چاہے تو اسے دیر نہیں لگتی۔

میں نے سدیر سے کہا۔ یہ امید افزا بات ہے۔

زید نے کہا۔ میں نے اپنی موجودگی میں دیکھا ہے کہ ہشام کے دربار میں ہشام کی موجودگی میں نبی اکرمؐ پر سب کیا گیا۔ لیکن ہشام ٹس سے مس تک نہ ہوا۔ اس سے میں نے اندازہ کر لیا ہے کہ اس کی عمر ہر دن کم سے کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔

۹۔ خرائج میں ابو بصیر نے امام صادقؑ سے حدیث کی ہے کہ ایک دن مدینہ کے بہت سے لوگ میرے بابا کے پاس بیٹھے تھے کہ۔

انہوں نے فرمایا۔ لوگو! اگلے سال تمہارے اس مدینہ پر ایک شخص چار ہزار کے لشکر کے ساتھ حملہ کرے گا۔ تین دن تک مسلسل تمہیں لوٹتا رہے گا۔ تم اس کا دفاع نہ کر سکو گے۔ آج ہی سے اپنے تحفظ کا سامان تیار کر لو۔

جن لوگوں کو آپ کی بات پر یقین تھا۔ انہوں نے مدینہ چھوڑ دیا۔ اگلے سال میرے بابا بنی ہاشم اور اپنے اہل و عیال کو لے کر بیرون شہر چلے گئے۔

لیکن اہل مدینہ کی اکثریت نے پرواہ کی نہ غور ہی۔ ہوا نافع ابن الازرق نے حملہ کیا۔ اور اہل مدینہ کی عزت و ناموس کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔

۱۰۔ خرائج میں عبداللہ ابن معاویہ سے مروی ہے کہ ایک دن مجھے آل مروان میں سے حاکم مدینہ نے بلایا۔ اور کہنے لگا۔

مجھے تم پر اعتماد ہے اس لیے میں نے تجھے بلایا ہے کہ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ جو کام میں تیرے ذمہ کروں گا

ذریعہ پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔

میری خواہش ہے کہ تو امام باقرؑ اور زید ابن حسن سے ملاقات کر اور انہیں میرا یہ پیغام دے کہ تم لوگ جو کچھ کر رہے ہو وہ اچھا نہیں ہے۔ مجھے جتنی بھی اطلاعات موصول ہو رہی ہیں وہ یہی ہیں کہ تم ہماری حکومت کے خلاف محاذ آرائی کے لیے میدان ہموار کر رہے ہو۔

میں حاکم مدینہ سے رخصت ہو کر واپس آیا تو امام باقرؑ مسجد نبوی میں تشریف لا رہے تھے۔ راستے ہی میں ملاقات ہو گئی۔

جب میں آپ کے قریب ہوا تو مسکرائے اور فرمایا۔

کیا تجھے اس حاکم نے یہ کہہ کر بھیجا ہے کہ امام باقرؑ اور زید ابن حسن کو میرا فلاں پیغام پہنچا دے؟ جتنی باتیں امیر مدینہ نے کی تھیں ایک ایک بات آپ نے اسی طرح بتائی جیسے ہمارے ساتھ ہوں۔

پھر فرمایا تم گھبراؤ نہیں اس کی گورنری ختم ہو جائے گی۔

دوسرے دن یہی ہوا۔ اسے معزول کرنے کے احکام پہنچ گئے اور مصر بھیج دیا گیا۔

۱۱۔ رجال کشی میں اسماعیل ابن ابو حمزہ سے مروی ہے کہ ایک دن امام باقرؑ بیرون مدینہ ایک باغ میں گئے ہیں سلیمان ابن خالد بھی ان کے ساتھ تھے۔

سلیمان نے سوال کیا۔

قبلہ! کیا امام دن کے تمام حالات جانتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کیا امام اولی الامر ہوتا ہے۔

سلیمان نے عرض کیا، ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے نبی اکرمؐ کو مبعوث برسالت کیا ہے۔ امام صرف دن کے نہیں ایک ماہ کے بلکہ ایک سال کے حالات جانتا ہے۔

سلیمان! تجھے معلوم ہے کہ ہر شب قدر امام کے پاس ملائکہ اور روح نازل ہوتے ہیں۔

سلیمان نے عرض کیا۔ حضور! نص قرآن سے ہر ایک کو معلوم ہے۔

آپ نے فرمایا۔ شب قدر ہر امام کو اس رات سے لے کر آئندہ برس تک اپنی معلومات کے تمام پیش آنے والے حالات سے مطلع کر دیا جاتا ہے۔

ابھی میں تجھے مطلع کرتا ہوں۔

کچھ ہی فاصلہ چلے تھے کہ آپ نے فرمایا۔ ابھی اسی وقت راستہ میں تمہیں دو شخص ملیں گے۔ جنہوں نے چوری کی ہوئی ہے اور وہ اسے ہضم کر چکے ہیں۔

ابھی تک ہم بمشکل ایک فرلانگ پیچھے ہوں گے کہ دو شخص آتے ہوئے دکھائی دیے۔

امام باقرؑ نے اپنے غلاموں سے فرمایا۔

یہ دونوں چور ہیں انہیں گرفتار کر لو۔

غلام دونوں کو گرفتار کر کے امام باقرؑ کے پاس لائے۔

آپ نے فرمایا۔ تم نے چوری کی ہے۔

دونوں نے اللہ کی قسم کھائی کہ ہم نے کچھ بھی نہیں چرایا۔

آپ نے فرمایا۔ دیکھو سیدھی طرح مان لو کہ تم نے چوری کی ہے۔ مدینہ میں اس جگہ کی نشاندہی بھی کر دوں گا جہاں تم نے چوری کا مال چھپایا ہے اور مالک مال کو بھی اطلاع دے دوں گا۔ پھر وہ تمہیں امیر مدینہ کے سپرد کر دے گا۔

پھر اس کا انجام تمہیں معلوم ہے کہ کیا ہو گا، سوچ لو۔

انہوں نے پھر اپنی قسم دہرائی۔

امام باقرؑ نے غلاموں کو حکم دیا کہ انہیں باندھ کر یہیں چھوڑ دو۔ اور سلیمان کے ساتھ اس پہاڑ پر چلے جاؤ فلاں جگہ غار ہے۔ سلیمان تم اس کے اندر چلے جانا۔ ان کا چوری کیا ہوا مال اسی غار میں رکھا ہے۔ اٹھا لاؤ۔

غلام اور سلیمان چلے گئے۔ کچھ دیر بعد واپس آئے ان کے ساتھ دو گٹھڑیاں تھیں۔

آپ نے فرمایا سلیمان۔ اگر کل تک مدینہ میں رہ گیا۔ تو تو اور بھی حیرت انگیز بات دیکھے گا۔

دوسرے دن علی الصبح امام باقرؑ ہمیں ساتھ لے کر امیر مدینہ کے پاس آئے۔ وہاں پہلے سے وہ شخص موجود تھا جس کا مال چوری ہو چکا تھا۔

اس کے ساتھ کچھ اور افراد بھی تھے جن پر اس نے چوری کا الزام لگایا تھا۔

امیر مدینہ انہیں سخت سست کہہ رہا تھا۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ ان میں سے کوئی بھی چور نہیں ہے انہیں رہا کر دے۔ چور بھی میں نے کل پکڑے ہیں۔

پھر آپ نے مالک مال سے پوچھا تیرا کیا چرایا گیا ہے۔

اس نے وہ کچھ بتایا جو نہیں چرایا گیا تھا۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ جھوٹ بولتا ہے۔

اس نے کہا۔ آپ کو کیا پتہ۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے تیرے گھر میں رکھے ہوئے سامان کی ایک ایک چیز کا علم ہے۔ اگر تو چاہے تو تجھے یہ بتا دوں کہ اس وقت تیرے پاس کیا کچھ ہے اور تیرے دل میں کیا ہے۔

آپ نے غلام کو حکم دیا کہ فلاں گٹھڑی اٹھا کے لے آ۔

امیر مدینہ سے فرمایا۔ کہ میں نے تو اس گٹھڑی کو ہاتھ تک نہیں لگایا میرے غلام اسے اٹھا کر لے آئے ہیں۔ مجھے ان غلاموں پر اسی طرح اعتماد ہے۔ جس طرح اپنی ذات پر ہے۔ انہوں نے بھی صرف گٹھڑی اٹھائی ہے۔ انہیں یہ تک علم نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے اس گٹھڑی میں کیا ہے۔ اگر یہ تسلیم کرے کہ جو کچھ اس میں ہے وہ اسی کا ہے تو ٹھیک۔

ورنہ پھر یہ اس کا مال نہیں کسی اور کا ہوگا۔ اس کا دعویٰ غلط ہوگا۔

ہاں ان دونوں کو چوری کی سزا ابھی دے دی جائے تاکہ یہ گھر جائیں۔ دوسری گٹھڑی کا مالک کل آئے گا۔ اسے میرے پاس بھیج دینا۔ وہ بربری ہے۔

امیر مدینہ نے دونوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

انہوں نے کہا۔ نہ ہم نے اقرار کیا ہے۔ اور نہ ہمارے خلاف دو گواہ ہیں۔ آپ کس بنیاد پر ہمیں سزا دے رہے ہیں۔

امیر مدینہ نے کہا۔۔ جس شخص نے تمہارے خلاف گواہی دی ہے اگر یہ پورے مدینہ کے خلاف گواہی دے دے تو میں اس کی ایک کی گواہی پر پورے مدینہ کو سزا دے سکتا ہوں۔

پھر دونوں کے ہاتھ کاٹے گئے۔

ایک نے اعتراف کر لیا کہ واقعاً ہم چور تھے۔ اللہ کی مہر ہے کہ فرزند رسولؐ کے فیصلے سے میں آتش جہنم سے بچ گیا ہوں۔

آپ دربار سے اٹھ کر واپس آ گئے۔ امیر مدینہ نے اس شخص سے پوچھا۔ دیکھو امام باقرؑ اب نہیں ہیں۔ سیدھی طرح بتا دے کہ تیرا کیا چوری ہوا ہے۔ ہر شخص کے سامنے غلط بیانی اچھی نہیں ہوتی۔ مجھے معلوم ہے کہ امام باقر آل محمدؐ سے ہے۔ اور آل محمدؐ سے ایک فرد ایسا رہتا ہے جو علم میں بے مثال آپ ہوتا ہے۔

اس نے کہا۔ واقعاً امام باقرؑ نے درست فرمایا ہے۔ میرا یہی مال تھا۔

تیسرے دن بربری آ گیا۔ اس نے امیر مدینہ سے چوری کی شکایت کی۔

امیر مدینہ نے اسے امام باقرؑ کے پاس بھیج دیا۔

آپ نے اس سے فرمایا۔ اگر میں تجھے بتا دوں کہ تیرا مال کس جگہ سے چوری کیا گیا ہے۔ اور کتنا مال ہے۔

کتنا مال ہے۔

تو؟

اس نے عرض کیا۔ اگر آپ مجھے بتا دیں تو میں آپ کو واجب الاطاعت امام تسلیم کر لوں گا۔

آپ نے فرمایا۔ اس سامان میں دو ہزار دینار ہیں۔ ان میں سے ایک ہزار دینار تیرا ذاتی ہے۔ اور ایک ہزار دینار محمد ابن عبدالرحمن کا ہے۔ اور اتنے کپڑے ہیں۔ جن میں سے ایک جوڑا تیری بیوی کا ہے ایک تیرے لڑکے کا ہے اور ایک جوڑا تیرا اپنا ہے۔

اس نے اعتراف کیا۔ کہ جو کچھ آپ نے بتایا ہے بالکل درست ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ علم الٰہی کا خزانہ اور معدن رسالت ہیں۔

۱۲۔ خرائج میں سدیر سے مروی ہے کہ ہم امام باقرؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ کثیر نوا آیا۔ اور کہنے لگا مغیرہ ابن سعید آپ کے متعلق کتاب مرتب کر۔

آپ کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو آپ کو مومن و کافر بتلاتا ہے۔

آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر چلا گیا۔

آپ نے فرمایا۔ اس کی ولادت درست نہیں ہے۔

کوفے کے چند افراد بھی وہاں بیٹھے سن رہے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب ہم واپس کوفہ گئے تو کثیر کی تحقیق شروع کر دی۔

بالآخر ہم اس قبیلہ میں گئے جس میں کثیر پیدا ہوا تھا ہم نے حالات معلوم کیے تو ان لوگوں نے ہمیں ایک بڑھیا کے پاس بھیجا۔

ہم اس بڑھیا کے پاس آئے اور پوچھا۔

ابو اسماعیل کیسا آدمی ہے۔

اس نے کہا۔ کیا کثیر کی بات کر رہے ہو؟

ہم نے کہا ہاں۔

اس نے کہا۔ کیا اس کی شادی کرانا چاہتے ہو۔

ہم نے کہا۔ ہاں۔

اس نے کہا۔ لڑکی کو جہنم میں نہ ڈالو۔ بخدا اسی گھر کے اس چھوٹے کمرہ میں اس کی ماں زنا سے حاملہ ہوئی تھی اور اس کا نتیجہ یہ کثیر ہے۔

۱۳۔ خرائج میں ابو بصیر سے مروی ہے کہ ایک افریقی شخص امام باقرؑ کے پاس آیا۔

آپ نے فرمایا عاصم کا کیا حال ہے؟

اس نے عرض کیا۔ الحمد للہ اچھا تھا

آپ نے فرمایا۔ اللہ اس پر رحم فرمائے۔

فرزدق نے پوچھا۔ کیا وہ فوت ہو گیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں تیرے وہاں سے چلنے کے دو دن بعد فوت ہو گیا ہے۔

فرزدق نے عرض کیا۔ جب وہ تو بھلا چنگا تھا۔ اسے نہ کوئی بیماری تھی اور نہ تکلیف وہ کیسے مر گیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جب انسان کا وقت آجاتا ہے تو پھر بیماریاں از خود پیدا ہو جاتی ہیں۔

فرزدق نے عرض کیا۔ آپ کو کیسے پتہ چلا۔

آپ نے فرمایا۔ ہم اہلبیت نبوت خدا کی عین ناظرہ اور اذن سامعہ ہیں۔ ہم سے کیا پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ تمہارا ایک ایک عمل ہماری نظروں میں ہوتا ہے۔ بیٹے کو نیکی کی عادت ڈالو تاکہ ہم تمہیں اچھے اعمال میں دیکھیں۔ میں اپنی اولاد اور اپنے شیعوں کو یہی وصیت کرتا رہتا ہوں۔

۱۴۔ اصول کافی میں ابوبکر حضرمی سے مروی ہے کہ جب امام باقرؑ کو ہشام نے شام میں بلایا۔ جب آپ دربار پر پہنچے تو ہشام نے اپنے دربار میں موجود بنی امیہ سے کہا۔

جب محمد ابن علی آکر میرے پاس بیٹھ جائے تو سب سے پہلے میں سیاسی اختلاف پر اسے تنبیہ کروں گا۔ جب میں خاموش ہو جاؤں تو تم لوگ یکے بعد دیگرے باری باری خوب سنانا۔

اس کے بعد ہشام نے آپ کو دربار میں حاضری کی اجازت دی۔ جب آپ اندر تشریف لائے تو آپ نے بلا امتیاز السلام علیکم۔ کہا۔ اور بیٹھ گئے۔

ہشام یہ دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ کیونکہ آپ نے نہ تو اسے مخصوص خلافت سے سلام کیا اور نہ ہی آپ نے بیٹھنے کی اجازت مانگی۔

ہشام نے کہا۔ اے آل محمدؐ! آخر تم لوگ کیا چاہتے ہو۔ تم لوگوں نے ہمیشہ کسی کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔ اسی طرح جو اس کے منہ میں آیا وہ کہتا رہا۔ جب وہ تھک کر چپ ہو رہا تو دربار میں موجود امویوں نے باری باری بولنا شروع کر دیا۔

آپ خاموشی سے سنتے رہے۔ جب تمام خاموش ہو گئے تو آپ نے اہل دربار سے مخاطب ہو کر فرمایا۔
لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ دین وہی دین ہے جو محمد مصطفیٰ لے کر آئے تھے۔ اور اللہ وہی اللہ ہے جس نے محمدؐ کو تبلیغ دین کے لیے مبعوث کیا تھا۔ جس طرح تمہارے آباء کو اللہ نے ہمارے آباء کے ذریعہ ہدایت دی تھی اسی طرح تمہیں بھی اللہ دین کی ہدایت ہمارے ہی ذریعہ دے گا۔

یاد رکھو بنی امیہ! یہ چند روزہ حکومت داستان فانی ہے۔ اگر تم لوگ اس اقتدار پر ہمیشہ کے لیے ہی بیٹھے رہنا چاہو نہیں رہو گے۔ اور آج اللہ کی طرح ہمیں بھی ہمیشہ کے لیے نصیب نہیں ہوگا۔
نہ تو اللہ کو کسی قسم کی جلدی ہے اور نہ ہی ہمیں جلدی ہے۔ ایک دن یہ اقتدار ہمارے پاس آئے گا۔ اور پھر کسی کے پاس نہ جائے گا۔

ہشام نے حکم دیا کہ امام باقرؑ کو ان کے اصحاب کے زندان میں ڈال دیا جائے۔
جب آپ زندان میں گئے تو تمام قیدی آپ کے قدموں پر گر گئے۔
اور بنی امیہ پر نفرین کرنے لگے۔
داروغہ نے ہشام کو اطلاع دی کہ اگر امام باقرؑ چند دن زندان میں رہ گیا۔ تو تمام اہل شام تیرے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔
ہشام نے حکم دیا کہ انہیں زندان سے باہر نکال کر مدینہ واپس بھیج دیا جائے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہی منادی کرا دی کہ کوئی دکاندار فرزند رسولؐ اور اس کے ساتھیوں میں سے کسی کے ہاتھ کسی قسم کی کھانے کی کوئی چیز فروخت نہ کرے۔
شام کی تمام دکانیں بند ہوگئیں۔ آپ اپنے صحابہ کے ہمراہ بیرون شام گئے۔ راستہ میں شام سے ایک منزل دور عیسائیوں کی ایک بستی تھی۔ جب آپ وہاں پہنچے تو ان بستی والوں نے بستی کے دروازے بند کر دیئے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ۔
شام سے مدینہ تک تمام راستے میں آنے والی بستیوں میں ہشام کا شاہی حکم پہنچ چکا ہے کہ فرزند رسولؐ محمد ابن علیؑ اور اس کے ساتھیوں کو نہ رہائش کی جگہ دی جائے اور نہ کھانے پینے کا سامان فروخت کیا جائے۔
آپ کے ساتھیوں نے عرض کیا۔
قبلہ اب بھوک اور پیاس سے برا حال ہے۔
وہ بستی پہاڑ کے دامن میں تھی۔ آپ اس پہاڑ پر چڑھے اور باواز بلند فرمایا۔
یا اهل القریة الظالم اهلها۔ انا بقیة الله   اے بستی کے ظالم باسیو! میں بقیۃ اللہ ہوں۔
قال الله تعالی بقیة خیر لکم ان کنتم   اللہ کا ارشاد ہے اگر تم مومن ہو تو بقیۃ اللہ تمہارے لیے
مومنین ولیس الله علیکم بوکیل   بہتر ہے۔ میں تمہارا محافظ نہیں ہوں۔
آپ کی یہ آواز بستی میں پہنچی۔ تو بستی کے ایک بڑے شخص نے بستی والوں کو جمع کیا۔ اور ان سے کہا۔
یقین کرو۔ یہ وہی دعا ہے جو شعیبؑ نبی نے کی تھی۔ اگر تم لوگوں نے اس دعا پر کان نہ دھرے تو عذاب خدا میں

جتلا ہو جاؤ گے۔ اگر میری بات مانتے ہو تو بستی کے دروازے کھول دو۔ اس شخص کی مہمان نوازی کرو۔ میں نے آج تک تمہیں کوئی غلط بات نہیں کی۔

لوگوں نے بستی کے دروازے کھول دیے۔

امام باقرؑ اپنے ساتھیوں سمیت بستی میں آ گئے۔

بعد میں جب ہشام کو پتہ چلا تو اس نے اس بوڑھے کو گرفتار کر کے اپنے پاس بلایا۔ اور اسے سزائے موت دے دی۔

۱۵۔ خرائج میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ عبدالملک ابن مروان نے میرے بابا کو شام بلایا۔ آپ نے مجھے ساتھ لیا۔ ہم روانہ ہو گئے۔ راستے میں جب ہم جبل شیب کی بستی میں پہنچے تو وہاں تمام لوگ ایک جگہ جمع تھے۔ ہم بھی وہیں بیٹھ گئے۔

کچھ دیر بعد چند افراد ایک بوڑھے شخص کو سہارا دے کر اس مجمع میں لائے۔ یہ شخص اتنا بوڑھا تھا کہ اس نے اپنے ابرو پٹی سے اوپر باندھ رکھے تھے۔

ایک منبر رکھا تھا۔ اس بوڑھے کو منبر پر بٹھایا گیا۔ بڑھے نے خطبہ شروع کیا۔ اس کی زبان میں لکنت آ گئی۔ چند بار جب ایسا ہوا تو تمام حاضرین حیران رہ گئے۔ وہ خود بھی پریشان ہو گیا۔

اس نے پوچھا۔ ہماری اس محفل میں آج کوئی اجنبی ہے۔

تمام لوگوں نے ادھر ادھر دیکھ کر ہماری طرف اشارہ کیا۔

وہ بوڑھا منبر سے اتر کر ہمارے پاس آیا۔ اور

اس نے پوچھا۔ کیا آپ ہم سے ہیں۔ یا امت مرحومہ سے؟

میرے بابا نے جواب دیا۔ امت مرحومہ سے۔

بوڑھے پادری نے کہا۔ کیا آپ اس امت کے علماء سے ہیں۔

میرے بابا نے فرمایا۔ میں اس امت کے جہلاء سے نہیں ہوں۔

پادری نے کہا۔ اگر اجازت ہو تو ایک دو باتیں پوچھ لوں۔

میرے بابا نے فرمایا۔ جو تیرا جی چاہے پوچھ لے۔

پادری نے کہا۔ یہ بتائیں کہ جب اہل جنت جنت کے میوے کھائیں گے تو کیا ان میووں میں کمی ہو گی۔

میرے بابا نے فرمایا۔ نہیں

پادری نے کہا۔ کوئی دلیل؟

میرے بابا نے فرمایا۔ توریت، زبور، انجیل اور قرآن ان چاروں الہامی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ میوہ ہائے جنت اہل جنت کے کھانے سے کم نہیں ہوں گے۔

پادری نے کہا۔ جب اہل جنت جنت میں کھائیں گے اور پئیں گے تو کیا انہیں بول و براز کی حاجت ہوگی؟

میرے بابا نے فرمایا۔ نہیں۔

پادری نے کہا دنیا میں ایسی کوئی مثال۔

میرے بابا نے فرمایا۔ دنیا میں موجود ہر انسان اس کی مثال ہے۔ ہر شخص شکم مادر میں کھاتا بھی ہے پیتا بھی ہے لیکن بول و براز نہیں کرتا۔

پادری نے کہا۔ آپ مجھے ایسے دو جڑواں بھائی بتائیں جو ایک دن پیدا ہوئے۔ ایک دن فوت ہوئے لیکن وقت وفات ایک کی عمر ڈیڑھ سو برس اور دوسرے کی پچاس برس تھی۔!

میرے بابا نے فرمایا۔ جناب عزیر اور ان کے بھائی عزیرہ میں جو ایک دن پیدا ہوئے۔ پچیس برس کی عمر میں جناب عزیر کو اللہ نے فوت کیا۔ سو برس بعد اسے دوبارہ زندہ کیا۔ پچیس برس بعد میں زندہ رہے۔ عزیرہ کی پہلی مرتبہ اور عزیر کی دوسری مرتبہ وفات ایک دن ہوئی۔ لیکن عزیرہ ڈیڑھ سو برس کا اور عزیر پچاس برس کا تھا۔

اس کے بعد میرے بابا اس محفل سے اٹھ کر باہر تشریف لے آئے۔

کچھ دیر بعد پادری کی طرف سے کچھ آدمی آئے۔ اور انہوں نے میرے بابا سے کہا۔ ہمارا پادری آپ کو بلاتا ہے۔

میرے بابا نے فرمایا۔ مجھے تو آپ کے پادری سے کوئی کام نہیں ہے۔ اگر اسے کوئی کام مجھ سے ہے تو خود آجائے۔

جب انہوں نے جا کر بتایا۔ تو پادری چل کر ہمارے پاس آیا۔ بابا کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھا تھا اور عرض کیا۔

آپ کا نام کیا ہے؟

میرے بابا نے فرمایا۔ محمدؐ۔

پادری نے کہا کیا آپ محمد نبی ہیں؟

میرے بابا نے فرمایا۔ میں محمدؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔

پادری نے کہا۔ آپ کی والدہ کا نام کیا ہے؟

میرے بابا نے بتایا۔ فاطمہ۔

پادری نے کہا کہیں آپ اس کے پوتے تو نہیں جسے عربی میں بی اور عبرانی میں ایلیا کہا جاتا ہے۔

میرے بابا نے فرمایا۔ ہاں اسی کا پوتا ہوں۔

پادری نے کہا۔ آپ شبر کے بیٹے ہیں یا شبیر کے!

بابا نے فرمایا۔ شبیر کے۔

پادری نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اور کہنے لگا۔

اس کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہوئے جب شام میں عبدالملک کے پاس آئے تو وہ اپنے تخت سے نیچے اترا بابا کو تخت پر بٹھایا۔

اور کہنے لگا۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ وان جدک محمد رسول اللہ و علی ولی اللہ۔

ایک مسئلہ درپیش ہے۔ علمائے شام اس کا جواب نہیں دے سکے آپ کو تکلیف دی ہے۔

بابا نے فرمایا۔ کیا مسئلہ ہے۔

عبدالملک نے کہا۔ اگر اللہ کا مقرر کردہ واجب الاطاعت امام شہید ہو جائے تو دنیا میں اس کی علامت کیا ہوتی ہے۔

بابا نے فرمایا۔ روئے ارض پر جہاں سے بھی پتھر اٹھایا جائے اس کے نیچے سے خون ابلتا ہے۔

عبدالملک نے کہا۔ واقعی یہی علامت ہے۔

جس دن آپ کے دادا علی ابن ابی طالب شہید ہوا تھا اس دن ہمارے گھر کے دروازہ پر ایک پتھر تھا میرے باپ مروان نے اسے ایک طرف کرنے کا حکم دیا۔ اس کے نیچے سے خون ابلنے لگا۔ میرے باغ میں ایک حوض تھا۔ اس کے کنارے پر سیاہ پتھر لگے ہوئے تھے۔ جس دن فرزند رسولؐ کربلا میں شہید ہوا اسی دن میں نے وہ پتھر وہاں سے ہٹا کر ان کی جگہ سفید پتھر لگانے کا حکم دیا۔ ہر پتھر کے نیچے سے خون ابلتا نظر آیا۔

اب اگر آپ یہیں شام میں قیام فرمانا چاہیں تو بچشم ما روشن

میرے بابا نے فرمایا۔ اگر آپ اجازت دے دیں تو میں واپس مدینہ جا کر مزار رسولؐ پر رہنے کو زیادہ پسند کروں گا۔

عبدالملک نے ہمیں تو بخوشی اجازت دے دی۔ لیکن ساتھ ایک پیغام شام سے مدینہ تک بھجوا دیا۔ کہ امام باقرؑ کو راستہ میں نہ کہیں رہنے کی جگہ دی جائے اور نہ کھانے کو کھانا اور پانی دیا جائے۔ جب ہم واپس آئے تو ہمیں کئی دن تک کھانے پینے اور رہنے کو کچھ نہ ملا۔

جب ہم مدائن شعیب میں پہنچے تو ان لوگوں نے بھی اپنی بستی کے دروازے بند کر دیئے۔ یہ بستی پہاڑ کے دامن میں تھی۔

میرے بابا اس پہاڑی پر چڑھے اور باآواز بلند فرمایا۔

الی مدین اخاھم شعیبا قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ ولا تنقصوا المکیال والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مومنین و انا بقیۃ اللہ۔	مدین میں ان کا بھائی شعیب آیا اور کہا۔ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔ مجھے تم خوشحال نظر آتے ہو۔ مجھے ڈر ہے کہیں عذاب میں گھر جاؤ۔ اے میری قوم! پورا ناپا اور تولا کرو۔ لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو زمین میں فساد نہ مچاؤ۔ اگر مومن ہو تو بقیۃ اللہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ بقیۃ اللہ میں ہوں۔

لوگوں نے میرے بابا کی یہ آواز سنکر اس پادری کو اطلاع دی۔
وہ پادری اسی وقت ہمارے استقبال کو باہر آیا۔
جب شہر کے حکمران کو پتہ چلا تو اس نے پادری کو گرفتار کر کے شام بھجوا دیا۔
میرے بابا نے مجھے فرمایا۔ اس پادری کے شام پہنچنے سے قبل عبد الملک اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔

امام محمد باقر اور مخالفین

۱۔ ارشاد شیخ مفید کے مطابق عبد اللہ ابن عطا مکی کہا کرتے تھے۔
میں نے اپنے علماء میں سے کسی کو بھی کسی کے سامنے اتنا کمتر محسوس نہیں کیا جتنا خود علماء اپنے آپ کو محمد ابن علی کے سامنے کمتر محسوس کرتے تھے۔ حکم ابن عیینہ اپنے اہل مسلک میں علمی بڑے مقام کا حامل تھا لیکن محمد ابن علی کے سامنے میں نے اسے اس طرح دیکھا ہے۔ جس طرح کم سن بچہ اپنے معلم کے سامنے بیٹھا ہوتا ہے۔ جابر ابن یزید جعفی جب کبھی بھی محمد ابن علیؑ سے روایت کرتا تھا تو یوں کہا کرتا تھا۔
حدثنی وصی الاولیاء، و وارث علم الانبیاء محمد ابن علیؑ۔ مجھے وصی الاولیاء وارث علم الانبیاء نے یوں بیان فرمایا ہے۔
۲۔ ارشاد مفید ہی کے مطابق قیس ابن ربیع کا بیان ہے کہ میں نے ابو اسحاق سے موزوں پر مسح کے متعلق پوچھا

ابو اسحاق نے کہا۔ کہ میں نے بھی لوگوں کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔ اور میں اس کا قائل بھی تھا لیکن جب سے میں نے ایک ہاشمی فرد محمد ابن علیؑ کو دیکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج تک مجھے ان جیسا عالم کوئی اور نظر نہیں آیا۔

میں نے موزوں کے مسح کے متعلق ان سے سوال کیا۔

تو انہوں نے مجھے منع کیا۔ اور بتایا کہ امیر المومنین علی موزوں پر مسح نہیں کیا کرتے تھے۔

پھر فرمایا۔

ابو اسحاق۔ کتاب خدا میں موزوں پر مسح کی اجازت کہاں ہے۔ چنانچہ جس دن سے مجھے محمد ابن علیؑ نے روکا ہے اس دن سے میں نے موزوں پر مسح چھوڑ دیا ہے۔

قیس ابن ربیع کہتے ہیں کہ جس دن سے مجھے ابو اسحاق نے محمد ابن علیؑ کا حکم سنایا اس دن کے بعد سے میں نے بھی موزوں پر مسح ترک کر دیا ہے۔

۲۔ مسند ابو حنیفہ میں مروی ہے کہ میں نے جب کبھی جابر جعفی سے کوئی سوال کیا تو اس نے ہمیشہ مجھے محمد ابن علیؑ سے روایت سنائی اور یوں کہا۔

حدثنی وصی الاوصیا و وارث الانبیاء

۳۔ امام بخاری کے استاد حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں امام محمد باقرؑ کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

انہ علیہ السلام۔ حاضر الذکر الخاشع الصابر ابو جعفر محمدؐ۔ بن علیؑ۔ الباقر علیہ السلام وقالوا الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق بن ابراھیم کذلک السید ابن السید ابن السید محمدؐ ابن علیؑ بن حسینؑ ابن علیؑ۔

حاضر دماغ۔ ذکر خدا میں مصروف۔ مصائب پر صابر اور خوف خدا کے مالک ابو جعفر محمد ابن علی تھے جس طرح کہا جاتا ہے۔ کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم۔

اسی طرح امام باقرؑ کے لیے میں یوں کہوں گا۔ سید ابن سید ابن سید ابن سید۔ محمد ابن علی ابن حسین ابن علی۔

ایک مرتبہ ابن عمر سے کسی نے مسئلہ پوچھا۔

اسے جب جواب نہ آیا۔ تو اس نے امام باقرؑ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ جاؤ اس بچے سے پوچھو۔ جو جواب دے۔ مجھے بھی بتا کے جانا۔

اس شخص نے مسئلہ پوچھا۔

امام باقرؑ نے جواب دیا۔ اس نے آکر ابن عمر کو بتایا۔

ابن عمر نے کہا۔ ہاں یہ اہل بیت ہیں جو علم لدنی کے مالک ہیں۔

۵۔ حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں محمد ابن مسلم سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو جعفرؑ سے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے۔
علمنا منطق الطیر۔ اللہ نے ہمیں پرندوں کی گویائی کی تعلیم دی ہے۔

۶۔ حماد ابن مہران سے مروی ہے کہ مجھے ایک ایسے شخص نے بتایا جسے کبھی میں جھٹلا نہیں سکتا۔
ایک دن ہم امام باقرؑ کے در پر آئے چند مسائل کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ دروازہ پر کھڑے ہوئے ہم نے سریانی میں تلاوت کی آواز سنی۔ آواز میں کچھ اس طرح غم تھا کہ ہم میں سے بعض کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو ٹپک پڑے۔

۷۔ موسیٰ ابن اکیل نمیری سے مروی ہے کہ ہم کچھ مسائل لے کر امام باقرؑ سے ملنے آئے جب دروازہ پر آئے تو اندر سے عبرانی زبان کی تلاوت کی انتہائی دل سوز آواز آرہی تھی۔ ہم نے دق الباب کیا۔ دروازہ کھلا جب آپ کی خدمت میں گئے۔ تو ہم نے پہلے عبرانی میں تلاوت کرنے والے کا پوچھا۔
آپ نے فرمایا۔ جناب الیاؑ کی مناجات مجھے پسند ہے میں جب رونا ہو اس کی تلاوت کرتا ہوں۔

۸۔ اس وقت کے تمام علماء اس بات کے قائل تھے کہ علم۔ تفسیر۔ کلام۔ فتاویٰ اور حلال و حرام کے سلسلہ میں جتنا ذخیرہ محمد ابن علیؑ نے ظاہر کر دیا ہے اولاد امام حسنؑ اور امام حسینؑ میں سے اور کسی کو اتنا ذخیرہ ظاہر کرنے کا وقت نہیں ملا۔

۹۔ محمد ابن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے امام باقرؑ سے تیس ہزار حدیث پر گفتگو کی۔

۱۰۔ صحابہ اور تابعین میں اچھی خاصی تعداد نے آپ سے احکام دین حاصل کیے ہیں۔
الف۔ صحابہ سے جابر ابن عبد اللہ انصاری
ب۔ تابعین میں جابر ابن یزید جعفی اور اہل تصوف کے بانی کیسان سجستانی
ج۔ فقہاء میں سے۔ عبداللہ ابن مبارک، امام زہری۔ امام اوزاعی۔ امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی اور زیاد ابن منذر۔
د۔ مصنفین میں سے۔ طبری۔ بلاذری۔ سلامی۔ خطیب بغدادی۔
ہ۔ موطا، شرف المصطفیٰ۔ اور ابانہ میں آپ سے احادیث لی گئی ہیں۔
و۔ حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں۔ ابو داؤد نے اپنی سنن میں آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔
ز۔ امام ابو حنیفہ نے اپنی مسند میں۔ مروزی۔ راغب اصفہانی۔ بسیط واحدی۔ تفسیر ثعلبی کے مصنف نے زمخشری نے کشاف میں اور معرفت اصول حدیث میں اور سمعانی نے اپنے رسالہ میں آپ سے فیض حاصل کیا ہے۔

۱۱۔ ارشاد شیخ مفید میں معاویہ ابن عمار سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے ، فاسئلوا اہل الذکر کے متعلق

پوچھا تو آپ نے فرمایا۔
ہم اہل ذکر ہیں۔
شیخ رازی کا بیان ہے کہ میں نے اس آیت کے متعلق محمد ابن مقاتل سے سوال کیا۔
تو اس نے جواب دیا۔
اہل ذکر سے مراد تمام علماء ہیں۔
پھر میں نے ابوزرعہ کو محمد ابن مقاتل کی بات بتائی تو وہ حیرت سے سر پٹکنے لگا اور کہا۔ حد ہو گئی ہے۔ کہ اتنی جرات ہو گئی ہے کہ۔
ہر ایرے غیرے کو اہل ذکر بننے کی چھٹی مل گئی ہے۔
پھر میں نے یحییٰ ابن عبدالحمید سے سنی ہوئی روایت بیان کی کہ۔
محمد ابن علیؑ کہتا ہے کہ اہل ذکر ہم ہیں تو ابوزرعہ نے بے ساختہ دو مرتبہ کہا۔ محمد ابن علیؑ نے سچ کہا ہے۔ وہی اہل ذکر ہیں۔ وہی اہل محمدؐ ہیں۔

۱۲۔ ایک مرتبہ امام محمد باقرؑ سے سوال کیا گیا کہ بعض اوقات آپ سلسلہ احادیث بیان نہیں فرماتے۔
آپ نے فرمایا۔ جب کبھی میں سلسلہ سند بیان نہ کروں۔ تو بھی میرا مقصود یہ سلسلہ سند ہوتا ہے۔
حدثنی ابی عن ابیہ الحسینؑ عن ابیہ علی ابی طالب عن رسول اللہؐ۔

۱۳۔ امام محمد باقرؑ فرمایا کرتے تھے۔
ہماری بات سخت عجیب مصیبت کا شکار ہے۔
اگر ہم اپنی طرف دعوت دیتے ہیں تو قبول نہیں کرتے۔ اگر ہم چھوڑ دیتے ہیں تو ہمارے سوا انہیں ہدایت کہیں نہیں ملتی۔

۱۴۔ محمد ابن منکدر کا بیان ہے کہ علی ابن حسینؑ کے بعد مجھے آل محمدؐ میں کوئی عالم نظر نہ آتا تھا اور میں مایوس تھا۔ حتیٰ کہ محمد ابن علیؑ نظر آ گیا۔
ایک دن میں اسے نصیحت کرنے لگا تو اس نے مجھے نصیحت کر دی۔
شاگردوں نے پوچھا وہ کیسے۔
محمد ابن منکدر نے بتایا کہ میں ایک دوپہر کو جب گرمی اپنے عروج پر تھی۔ بیرون مدینہ سے گھر لوٹ رہا تھا کہ میں نے محمدؑ کو دیکھا پسینے سے شرابور تھا۔ دو غلاموں کا سہارا لے رکھا تھا۔
میں نے پوچھا۔ کہاں سے آ رہے ہو۔
محمدؑ نے جواب دیا۔ تھوڑی بہت مزدوری کرنے گیا تھا۔

میں نے کہا۔ صدمے کہ اس گرمی میں دولت کی آتش ہوس!

محمد نے کہا۔ اگر مجھ پر اس حالت میں موت آجاتی تو میرے لیے یقیناً بہتر ہوتی کیونکہ میں اطاعت خدا میں جان دیتا۔ اگر میں اپنی ذاتی ضرورت کے لیے تیرے یا تیرے جیسے کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہوا موت سے دوچار ہو جاؤں تو میری وہ موت یقیناً معصیت خدا میں ہوتی۔

میں نے کہا۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔

واقعاً آپ ہی اہل بیت نبوت ہیں۔ میرا تو خیال تھا کہ آپ کو نصیحت کروں لیکن آپ نے مجھے ایسی نصیحت فرما دی ہے کہ زندگی بھر اسے نہ بھولوں گا۔

عبادت امام محمد باقرؑ۔

۱۔ مطالب السئول میں امام باقرؑ کے ایک غلام سے مروی ہے کہ ایک سال مجھے آپ کے ساتھ حج پر آنے کا اتفاق ہوا۔ جونہی آپ بیت اللہ کے دروازے پر پہنچے تو آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ آپ کے گریہ میں دھیرے دھیرے اضافہ ہوتا چلا گیا۔

پھر آپ کی صدائے گریہ بلند ہو گئی

میں نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کے اس دردانگیز گریہ کی وجہ سے لوگ آپ کے گرد جمع ہو کر رونے لگے ہیں کافی دیر بعد آپ نے آنکھیں کھولیں اور آگے بڑھ گئے۔ طواف کیا۔ مقام ابراہیم پر آئے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور سجدہ شکر کیا۔ جب آپ نے سجدہ شکر سے سر اٹھایا اور میں نے دیکھا سجدہ کی جگہ پر آپ کے گریہ سے پانی جمع تھا۔

۲۔ اصول کافی میں اسحاق ابن عمار نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے۔ اپنے بابا کا بستر میں ہی بچھاتا تھا جب آپ وقت شب بستر پہ آ کر دراز ہو جاتے تھے تو میں بعد میں سوتا تھا۔

ایک رات کافی دیر تک آپ تشریف نہ لائے تو میں مسجد نبوی میں آیا۔ دیکھا تو میرے بابا کے سوا مسجد میں کوئی نہ تھا۔ آپ سجدہ میں عرض کر رہے تھے۔

سبحانك اللهم انت ربي حقا سجدت لك يا رب تعبدا ورقا اللهم ان عملي ضعيف فضاعفه لي۔

اے اللہ تو ہی میرا رب حقیقی ہے۔ میں نے اعتراف عبودیت اور غلامی کے طور پر سجدہ کیا ہے۔ اے اللہ میرا عمل کم ہے اس میں اضافہ فرما۔

۳۔ کافی میں ابو القداح نے امام صادقؑ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ جس کا اختتام یوں ہے کہ۔ میرے والد ہمیشہ ذکر خدا میں مصروف رہتے تھے حتیٰ کہ جب ان سے مسائل دریافت کیے جاتے تو مسائل بیان کرنے کے

دوران بھی آپ ذکر خدا ہی میں مصروف رہتے تھے۔ بعض اوقات میں دیکھتا تھا کہ آپ کی زبان ان کے حلق سے چپٹ جاتی تھی۔

نماز صبح کے بعد تمام اہل خانہ کو جمع کرتے۔ جو ان میں سے جو تلاوت قرآن کر سکتے تھے۔ انہیں تلاوت قرآن کا حکم دیتے اور جو تلاوت قرآن نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں طلوع آفتاب تک لا الہ الا اللہ کے ورد کا حکم دیتے تھے۔

سخاوت امام محمد باقرؑ:

۱۔ ارشاد مفید میں حسن ابن کثیر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حالات پلٹ گئے۔ غربت نے گھیر لیا۔ بھائیوں اور دوستوں نے منہ موڑ لیا۔

میں امام باقرؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کی۔

قبلہ ایک تو زمانہ دکھ دے رہا ہے دوسرے بھائیوں اور دوستوں نے منہ موڑ لیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ بڑے بے مروت ہوتے ہیں وہ احباب جو دولت کے وقت گھیرا ڈالے رکھیں اور جب انسان مصائب میں گھر جائے تو ایک ایک کر کے ہرن ہو جائیں۔

پھر غلام کو کچھ لانے کا حکم دیا۔ غلام ایک تھیلی لایا۔

آپ نے فرمایا۔ اس میں سات سو درہم ہیں۔ انہیں کام میں لا۔ جب ختم ہو جائیں تو مجھے بتانا۔ پھر فرمایا۔ اپنے بھائی کی محبت کو اپنے دل سے پہچانا کر۔ تیرے دل میں جتنی کسی کی محبت ہو گی۔ اس کے دل میں تیری محبت بھی اتنی ہی ہو گی۔

۲۔ عمرو ابن دینار اور عبداللہ ابن عبید سے مروی ہے کہ ہم جب بھی امام باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ نئے کپڑے لباس، اور کھانے کی اشیاء عطا کرتے۔ یہ پہلے ہی تیار کیے گئے تھے۔

۳۔ سلیمان ابن قرم سے مروی ہے کہ امام باقرؑ کے پاس جب بھی گئے۔ آپ نے ہمیں پانچ سو درہم سے لے کر ہزار درہم تک عنایت فرمائے۔ جو بھی آپ سے کوئی حاجت لے کر آتا تھا آپ نے کبھی خالی نہیں لوٹایا تھا۔

۴۔ مطالب السئول میں امام باقرؑ کی کنیز سلمی سے مروی ہے کہ جب بھی سادات بنی ہاشم سے لوگ آپ کے پاس آتے آپ کثیر العیال ہونے کے باوجود انہیں اس وقت تک واپس جانے کی اجازت نہ دیتے جب تک انہیں کھانا نہ کھلا دیتے تھے۔

کھانا کھلانے کے بعد جب وہ رخصت ہوتے تو ہر ایک کو لباس اور پانچ سو درہم سے لے کر ہزار درہم تک عطیہ بھی عنایت فرماتے۔

ایک دن میں نے عرض کیا۔

قبلہ ذرا کم خیرات فرمائیں۔ آپ کے اہل خانہ بھی کم نہیں ہیں۔

۵ امام صادقؑ سے مروی ہے کہ وقت شہادت بابا نے اپنے غلاموں کو اپنے پاس بلایا۔ ان میں سے جتنے شریر قسم کے تھے انہیں آزاد کر دیا۔

اور جو شریف النفس تھے انہیں رہنے دیا۔

میں نے عرض کیا۔

قبلہ یہ آپ نے کیا کیا۔

آپ نے فرمایا۔

بیٹے! جتنے شریر باقی ہیں ان میں سے ہر ایک پر مجھ سے کسی نہ کسی وقت میں سختی ہوئی ہے مجھے امید ہے یہ لوگ اس آزادی کے عوض میری سختی معاف کر دیں گے۔

امام محمد باقرؑ کا صبر

کافی میں یونس ابن یعقوب سے مروی ہے کہ امام باقرؑ کا ایک کم سن بیٹا انتہائی بیمار ہو گیا۔ ہم عیادت کے لیے گئے دیکھا تو امام باقرؑ بے تحاشا گریہ فرما رہے تھے۔

ہم نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ خدا نخواستہ اگر بچہ فوت ہو گیا تو امام باقرؑ اپنے حواس بھی کھو بیٹھیں گے۔

ہم انہیں باتوں میں تھے کہ عورتوں کی صدائے نوحہ وشیون میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ ہمیں یقین ہو گیا کہ بچہ فوت ہو گیا ہے۔

اسی اثنا میں ہم نے امام باقرؑ کو دیکھا گھر سے باہر آئے اور انتہائی مطمئن تھے۔ ہم دیکھ کر حیران رہ گئے۔

ہم نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کو تو اس قدر اس بچے سے پیار تھا کہ ہمیں یہ فکر ہو گئی تھی کہ کہیں اس کی وفات سے آپ کسی ذہنی حادثہ کا شکار نہ ہو جائیں۔

آپ نے فرمایا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگ ہمیں پہچانتے نہیں ہیں۔ میرا اس وقت رونا فطرتی تھا

اب میں اسے وقفوں گا۔ لیکن صورت ہوگی۔ خدا جو بھی کرتا ہے وہ ہمارے حق میں بہتر ہوتا ہے۔

امام محمد باقرؑ کے دور میں چند واقعات

۱۔ عبدالملک سے مناظرہ

دیلمی نے اعلام الدین میں روایت کی ہے کہ ایک شخص عبدالملک بن مروان کے پاس آیا اور کہا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ایک دو باتیں کروں۔ بشرطیکہ میرے ساتھ وعدہ امان کریں۔

عبدالملک نے کہا۔ جو بات کرنا ہے کرے تجھے امان ہے۔

اس شخص نے کہا۔ یہ حکومت تجھے نص خدا و رسول سے ملی ہے۔

عبدالملک نے کہا نہیں

اس نے کہا۔ کیا تیری حکمرانی پر اجماع امت ہوا ہے۔

عبدالملک نے کہا۔ نہیں۔

اس نے کہا۔ کیا لوگوں کی گردن میں تیری پہلے سے بیعت تھی جسے نبھانے پر وہ مجبور ہوئے!

عبدالملک نے کہا نہیں

اس نے کہا۔ کیا تجھے اہل خرد نے حکمران نامزد کیا ہے۔

عبدالملک نے کہا نہیں

اس نے کہا۔ کیا آپ نے یہ سب کچھ جبر اور غلبہ سے حاصل نہیں کیا۔

عبدالملک نے کہا۔ ہاں۔

اس نے کہا جب نہ آپ کو اللہ نے منتخب کیا ہے نہ ولی نے معین کیا ہے۔ نہ امت کا اجماع ہے۔ نہ اہل شوریٰ نے چنا ہے۔ تو تو نے اپنے نام کے ساتھ امیرالمومنین کیوں لگا رکھا ہے۔

عبدالملک نے کہا۔ میرے حدود مملکت سے نکل جا ورنہ قتل کرا دوں گا۔

اس نے کہا میں کب یہاں بیٹھنے کے لیے آیا ہوں۔ نکل تو میں جاؤں گا۔ لیکن خود ہی سوچ لے یہ اہل عدل و انصاف کا جواب نہیں ہے۔

امالی طوسی میں ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ عبدالملک مکہ میں خطبہ دے رہا تھا۔ جب اس نے پند و نصائح شروع کیے تو ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

ذرا ٹھہر جا۔ میری بھی بات سن لے۔

تم لوگ دوسروں کو حکم دیتے ہو لیکن اس پر خود عمل نہیں کرتے۔ دوسروں کو محرمات سے روکتے ہو لیکن خود نہیں رکتے دوسروں کو نصیحت کرتے ہو لیکن خود نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اب بتاؤ کہ ہم تمہارے کردار کی اقتدا کریں یا تمہارے زبانی احکام کو مانیں۔

اگر تم کہو کہ ہماری سیرت کی اقتدا کرو۔ تو کسی ظالم کی اقتدا کب جائز ہوتی ہے؟۔ اور کوئی مجرم کیسے مقتدا بن سکتا ہے تم لوگوں نے مال خدا کو ذاتی جاگیر بنا رکھا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ تمہیں جہاں سے حکمت و دانش ہاتھ آئے حاصل کر لو۔ تو پھر تم راستے سے ہٹ جاؤ۔ ایسے لوگ موجود ہیں جو تمہاری نسبت فصاحت و بلاغت میں بھی زیادہ ہیں اور شرافت نفس اور دیانت میں بھی تم سے اچھے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تم نے ان کے گھروں سے نکال دیا ہے یا ایک ایک کر کے انہیں تلوار یا زہر سے ختم کر ڈالا ہے ہم نے تم لوگوں کے سامنے اپنی گردنیں اس لیے نہیں جھکائیں کہ تم جبار بن جاؤ۔

یاد رکھو ہر ایک شخص کا مقررہ وقت اور معینہ مدت ہوتی ہے ہر ایک کا نامہ اعمال لکھا جا رہا ہے۔ جس میں ہر چھوٹا اور بڑا عمل ثبت ہو گا۔

اتنے میں اموی پولیس کے کچھ آدمی آئے اور انہوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ پھر خدا معلوم اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔

عبدالملک ابن مروان آپ ہی کے زمانہ میں اپنے انجام کو پہنچا۔

تواریخ میں مروی ہے کہ جب اکیس برس اور ڈیڑھ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۹ شوال ۸۶ھ کو عبدالملک واصل جہنم ہوا تو چھپکلی کی شکل میں مسخ ہو گیا۔

امام محمد باقرؑ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس کی تمام اولاد یہ دیکھ کر گھبرا گئی۔ اور اسے تنہا چھوڑ کر باہر نکل گئے اور سوچنے لگے اب کیا کریں۔ جب کوئی مشورہ کر کے واپس آئے۔ تو مسخ شدہ چھپکلی بھی نہ تھی۔ چارپائی خالی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ پریشان ہو گئے۔

بالآخر انہوں نے بڑھئی کو بلایا۔ اس کے سامنے کھجور کا ایک تنا رکھا اور اسے حکم دیا کہ اسے انسان کی طرح تراش کر دے۔ لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ جنازہ کل اٹھے گا۔ جب وہ بت تیار ہو گیا۔ تو اسے کفن میں رکھ کر دفن کر دیا گیا۔ کسی کو میت کا چہرہ دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔ الغرض آل عبدالملک بڑھئی اور میرے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔

عمر ابن عبد العزیز اور زمانہ امام محمد باقرؑ

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں ابو المقدام ہشام سے روایت کی ہے کہ جب عمر ابن عبد العزیز مسند اقتدار پر آیا تو اس نے والی مدینہ ابو بکر ابن عمر ابن حزم کو لکھا کہ

چونکہ فدک نبی اکرمؐ کی ذاتی اور شخصی ملکیت تھا جو دختر رسولؐ سے غلط طور پہ لے لیا گیا تھا اب فدک اولاد زہراؑ کو واپس کر دے۔

ابو بکر نے ثانی کی طرف سے چند سوالات کیے۔

عمر نے اسے لکھا کہ اگر میں تجھے لکھتا کہ

ایک گائے قربان کر دے تو کیا تو مجھ سے اس کا رنگ عمر اور قد پوچھتا؟ میں نے تجھے صاف لکھا ہے کہ اولاد فاطمہؑ کو فدک واپس کر دے۔

جب بنی امیہ نے دیکھا تو انہیں برا محسوس ہوا چنانچہ انہوں نے ایک وفد صرف اس غرض سے عمر کے پاس بھیجا کہ اسے ایسا کرنے سے روک دے۔

عمر نے انہیں کہا۔ تمہیں معلوم ہے کہ نبی کریمؐ نے یہ فرمایا تھا۔ فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جو بات فاطمہؑ کو ناراض کرتی ہے میں بھی اس سے ناراض ہوتا ہوں۔

سب نے کہا۔ ہمیں معلوم ہے۔

عمر نے کہا۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ فدک سرور کونینؐ کی شخصی ملکیت تھی۔

انہوں نے کہا معلوم ہے۔

عمر نے کہا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ نبی کریمؐ نے اپنی زندگی میں فدک فاطمہؑ کو ہبہ کر دیا تھا۔

انہوں نے کہا معلوم ہے۔

عمر نے کہا۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وفات نبیؐ کے بعد شیخین نے فدک بیت المال کے نام پر بنت رسولؐ سے لے لیا تھا؟

انہوں نے کہا معلوم ہے۔

عمر نے کہا۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ فاطمہؑ نے اس کے بعد شیخین سے تادم آخر بات چیت نہ کی تھی؟

انہوں نے کہا معلوم ہے۔

عمر نے کہا تم یہ بھی جانتے ہو کہ عثمان کے زمانہ میں فدک بیت المال کی بجائے میرے دادا مروان کے پاس آگیا تھا۔ اور پھر معاویہ نے اسے میرے دادا کی ملکیت قرار دے دیا تھا۔

انھوں نے کہا، معلوم ہے۔

عمر نے کہا، تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ میرے دادا مروان نے فدک میرے باپ عبدالعزیز کو دے دیا تھا۔

انھوں نے کہا معلوم ہے

عمر نے کہا، میں بنت رسولؐ کی ناراضگی اپنے سر نہیں لے سکتا، میں نے بعض بھائیوں سے فدک کا حصہ خریدا ہے۔ اور بعض نے ہبہ کر دیا ہے۔ اور اب میں نے پیسے کا پورا فدک ان کے حقداروں جو اولاد علیؑ و زہراؑ ہیں انھی میں تقسیم کر دیا ہے میں نے بنی امیہ کی کوئی جائیداد اولاد علیؑ کو نہیں دی۔ بلکہ اولاد فاطمہؑ کی یہی وہ جائیداد جو بنی امیہ کے پاس آگئی تھی واپس کر دی ہے۔

شیخ صدوق نے رد فدک کا واقعہ ہشام ابن معاذ کی روایت سے یوں لکھا ہے کہ۔

ہشام کہتا ہے کہ میں عمر کا ہم نشین تھا۔ اقتدار کے فوراً بعد عمر نے منادی کرائی کہ جس کا کوئی حق ہو وہ آکر لے لے۔

ایک دن عمر سے دربان نے کہا۔

محمد ابن علیؑ آئے ہیں۔

عمر نے کہا، انہیں جلدی لے آو۔

جناب امام محمد باقرؑ تشریف لائے۔

عمر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

آپ نے پوچھا۔ عمر کس بات سے رو رہے ہو۔

میں نے عرض کی معاذ فرزند رسولؐ آپ لوگوں پر ہونے والے مظالم نے عمر کو رلا دیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

عمر! دنیا بھی دیگر بازاروں کی طرح کا ایک بازار ہے۔ کچھ لوگ ایسا سودا لے کے جاتے ہیں جو ان کے لیے سود مند ہوتا ہے اور کچھ ایسا سودا لے کر نکلتے ہیں جو ان کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔

کتنے لوگ ہیں جنہیں یہ چیز فریب دیتی ہے جو اس وقت تجھے حاصل ہے۔ اور وہ اس فریب میں مبتلا رہ کر اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور وہ اپنی زندگی پر پشیمان ہوتے ہیں کہ جو کچھ انہیں آخرت کے لیے چاہیے تھا وہ فرصت کے اوقات میں حاصل نہ کر سکے۔ اور نہ ہی جس چیز سے انہیں بچنا چاہیے تھا اس سے اپنے آپ کو بچا سکے۔

اس وقت وہ سوچتے ہیں کہ انھوں نے جو کچھ جمع کیا ہے ایسے افراد کے لیے کیا ہے جو ان کی تعریف تک نہیں کریں گے۔

اصحاب جن کے سامنے پیش ہو رہے ہیں ایسے افراد ہیں جو کبھی غلطی نہ کریں گے۔

اب ہمارا حق ہے کہ ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں۔ جو چیزیں ہم ان کے دور میں چاہتے تھے کہ وہ کریں ہمیں کرنا چاہئیں اور جن چیزوں کے لیے ہم چاہتے تھے کہ وہ نہ کریں ہمیں نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ سے ڈر۔ اور دو چیزیں بالخصوص مدنظر رکھنا۔

و۔ جو چیز تو چاہتا ہے کہ جب دربار خالق میں پیش ہو تو تیرے پاس ہونا چاہیے اسے آج حاصل کر

ب۔ اور جس چیز سے تجھے خوف ہے کہ دربار خالق میں اسے میرے نامہ اعمال میں نہیں ہونا چاہیے اس سے دور رہ۔

اے عمر! آنے والوں کے لیے دروازہ کھلا رکھ دربان ہٹا دے۔ مظلوم کی مدد کر، ظالم سے انتقام لے۔

عمر! یاد رکھ کہ جس شخص میں تین چیزیں ہوں گی وہ کامل الایمان ہوگا۔

عمر دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔

اور عرض کیا اے اہلبیت نبوت وہ کیا ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

۱۔ جو انسان خوشی میں اس حد تک نہ جائے کہ خوشنودی خدا کا خیال نہ رہے۔

۲۔ غصہ میں اس حد تک نہ جائے کہ حق سے تجاوز کر جائے۔

۳۔ قدرت کے وقت کسی سے ایسی چیز نہ چھینے جو اس کی نہ ہو۔

یہ سن کر عمر نے کاغذ اور قلم لانے کا حکم دیا۔ پھر ابوبکر والی مدینہ کے نام وہ خط لکھا جو سابقاً ابن ابی الحدید کی روایت سے پیش کیا جا چکا ہے۔

سب حضرت علیؑ اور عمر ابن عبدالعزیز:-

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں عمر سے روایت کی ہے کہ میں بچپنے میں عتبہ ابن مسعود کی اولاد میں سے ایک شخص کے پاس قرآن پڑھتا تھا۔ ایک دن میں کھیل کے وقت میں بچوں میں کھیل رہا تھا۔ اور ہم حضرت علیؑ پر سب کر رہے تھے میرا استاد ہمارے قریب سے گزرا۔ میں نے کھیل چھوڑ دیا۔ اور قرآن پڑھنے کی خاطر مسجد میں چلا آیا۔ میرے استاد نے نماز کو معمول سے زیادہ طول دیا۔ اگرچہ میں سمجھ تو گیا کہ آج استاد مجھے پڑھانا نہیں چاہ رہا۔ لیکن وجہ میری سمجھ میں نہ آسکی۔ میں بیٹھا رہا۔ جب استاد نے دیکھا کہ میں چمٹ گیا ہوں۔ تو اس نے نماز ختم کی۔ لیکن منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

میں نے عرض کیا۔ حضور خیریت تو ہے۔

استاد نے رنجیدہ ہو کر کہا۔ تو بھی آج تک ولد علی پر سب کرتا رہا ہے۔

میں نے کہا ہاں میں کرتا ہوں۔

استاد نے کہا، بھلا تجھے معلوم ہے کہ علی کے شریک بدر ہونے کے بعد سے کب علی سے ناراض ہوا ہے!

میں نے حیرت سے استاد کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

کیا علیؑ بدر کا مجاہد تھا۔

استاد نے کہا۔ تجھے کیا معلوم ایک بدر پر کیا موقوف ہے۔ اسلام کی ہر جنگ تنہا علیؑ ہی نے تو لڑی تھی۔ بشمول بدر اگر علیؑ اسلامی جنگوں میں نہ ہوتا تو آج اسلام نہ ہوتا۔

میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

حضور مجھے یہ علم نہ تھا۔ آج کے بعد میں وعدہ کرتا ہوں میں اس خباثت میں حصہ نہیں لوں گا۔ اور اس کے بعد میں نے کبھی یہ جسارت نہ کی۔

میرا باپ والی مدینہ تھا۔ بڑا اچھا خطیب تھا۔ جمعہ کے دن جب وہ خطبہ دیتا تھا تو میں بھی زیر منبر ہوتا تھا۔ میں اس وقت حیران ہوتا تھا جب آخر خطبہ میں میرا باپ حضرت علیؑ پر سب کرتا تھا تو اس کی زبان پر لکنت اور بیان میں ایسی واضح کمزوری آجاتی تھی کہ میری طرح ہر سننے والا اسے محسوس کرتا تھا۔

آخر ایک دن میں نے پوچھ لیا۔

کہ بابا جان! آپ اپنے وقت کے بے مثل خطیب ہیں۔ تمام خطبہ آپ اس طرح دیتے ہیں کہ سننے والے عش عش کرتے رہتے ہیں لیکن آپ جب سب علی پر پہنچتے ہیں تو آپ کی زبان میں نہ صرف لکنت آجاتی ہے بلکہ آپ کا بیان بھی بودا اور بے مزہ ہو جاتا ہے۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے۔

میرے والد نے جواب دیا۔

بیٹے! یقین رکھو، یہ ہم جو ہیں کہ اس طرح کر رہے ہیں، یہ شخص جتنے فضائل و کمالات کا حامل تھا اگر ان لوگوں کو پتہ چل جائے تو ہمیں کہیں ٹھکانا تک میسر نہ آئے۔

استاد سے تو میں پہلے ہی سن چکا تھا۔ اپنے والد کی یہ بات سننے کے بعد میں نے دل میں عہد کر لیا کہ اگر اللہ نے اس حکومت میں میرا بھی حصہ رکھا ہے۔ اور مجھے اقتدار دینا ہے تو اپنے اقتدار کے اولین اوقات میں سب سے پہلے سب علیؑ بند کروں گا۔

دیلمی کی اعلام الدین میں مروی ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز نے اپنے والی خراسان کے نام حکم بھیجا کہ اپنی ولایت کے علماء میں ایک سو عالم میرے پاس بھیج تاکہ میں ان سے تیرے متعلق سوال کروں۔

والی خراسان نے سو علماء کو جمع کیا اور انہیں عمر ابن عبدالعزیز کا پیغام دیا۔ سب نے کہا، عمر کی عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہمیں مجبور نہ کرے۔ اور ہمارے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جا نہیں سکتے۔ ہم اپنے میں ایک عالم کا انتخاب

کرتے ہیں آپ اسے بھیج دیں۔ جو بات وہ کرے گا وہ سب کی طرح بات ہوگی۔

والی خراسان نے ایک عالم کو بھیج دیا۔

جب وہ عمر کے پاس آیا تو اس نے کہا۔

میں آپ سے علیحدگی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

عمر نے کہا۔ نہیں تمام اہل دربار کے سامنے بات ہوگی۔

دربار میں موجود تمام لوگ دیکھیں گے کہ تو سچ بولے گا یا جھوٹ۔ اگر تو نے سچ بولا تو یہ سب تیری تصدیق کریں گے۔ اور اگر جھوٹ بولا تو تجھے جھٹلا دیں گے۔

اس عالم نے کہا میں اپنے لیے نہیں کہہ رہا بلکہ آپ کے لیے کہہ رہا ہوں۔ ممکن ہے آپ کی اور میری گفتگو میں بعض ایسی باتیں آجائیں جنہیں ان لوگوں کا سن لینا تیرے حق میں بہتر نہ ہو۔

چنانچہ عمر نے مجلس برخاست کر دی۔

جب وہ دونوں تنہا رہ گئے تو عمر نے عالم سے کہا اب بتا کیا بات ہے؟

اس عالم نے کہا۔ میں تو صرف ایک بات پوچھوں گا کہ۔

آپ کو یہ اقتدار کیسے ملا ہے؟

عمر کافی دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔

عالم نے کہا۔ کیا بات ہے آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔

عمر نے کہا۔ شاید پھر بھی کبھی نہ دوں۔

عالم نے کہا۔ آخر کیوں۔

عمر نے کہا۔ اگر میں کہوں کہ مجھے اللہ اور رسول کی طرف سے ملا ہے تو یقیناً جھوٹ ہوگا۔ اگر میں کہوں کہ اجماع امت سے ملا ہے۔ تو تو کہے گا کہ ہم بھی اسی امت سے ہیں اور ہم نے نہ اجماع کیا ہے۔ اور نہ آپ کو اقتدار دیا ہے۔

اگر میں کہوں کہ۔ مجھے اپنے باپ کی میراث ملا ہے تو تو کہے گا۔ آپ کے بھائی تو اور بھی تھے دوسروں کو کیوں نہیں ملی۔

عالم نے کہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ جو چیز آپ کے پاس ہے اس میں دوسروں کا بھی حق ہے۔

اب آپ مجھے اجازت دے دیں تاکہ میں واپس چلا جاؤں۔

عمر نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ تو ہی واقعی دانشمند عالم ہے۔

عالم نے کہا۔ پھر آپ بتائیں آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔

عمر نے کہا۔ میں اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ جس نے مجھے مسند اقتدار پر بٹھایا ہے اس نے ظلم کیا ہے۔ ناحق کیا ہے۔ اور غلط کیا ہے۔ اس نے حد سے زیادتی کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں اس کا اہل بھی نہیں تھا۔

عالم نے کہا۔ اگر آپ اسے قبول نہ کرتے اور کوئی دوسرا مسند اقتدار سنبھال لیتا۔ اور ویسے ہی کرتا جیسے اس کے پیشرو کر چکے تھے تو کیا اس کے گناہوں میں شریک ہوتے؟

عمر نے کہا۔ نہیں۔

عالم نے کہا۔ گویا آپ نے اپنی خوشی سے دوسروں کی بلا اپنے گلے میں ڈالی ہے۔ اور اپنی سلامتی فروخت کر کے دوسروں کو سلامتی دی ہے۔

عمر نے کہا۔ واقعاً آپ واعظ اور عالم ہیں۔

عالم اٹھا اور کہا۔

مجھے جانے کی اجازت دیجئے جاتے جاتے آپ کو یہ بتا دوں کہ ہمارے آباء آپ کے آباء کی بدولت ہم آپ کی بدولت اور ہماری اولاد آپ کی اولاد کی بدولت جہنم میں جائے گی۔

امام محمد باقرؑ دربار ہشام میں

دلائل الامامہ میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ میرے والد تو ہر سال حج کو جایا ہی کرتے تھے اور مجھے بھی ساتھ لے جاتے تھے ایک سال اتفاق ایسا ہوا کہ ہشام ابن عبدالملک بھی حج کو آگیا۔

جب ہشام طواف کے لیے آیا تو اس وقت میں نے کھڑے ہو کر لوگوں کو اس طرح خطبہ دیا۔

الحمد للہ الذی بعث محمداً بالحق نبیا وعززنا به واصطفانا من خلقه واختیارنا قد سعد من اطاعنا وشقی من اعدلی بنا۔

اس اللہ کی حمد ہے جس نے محمدؐ کو برحق نبی مبعوث کیا ہے اور ہمیں محمدؐ کی بدولت معزز فرمایا ہے۔ ہم مخلوق خدا میں اللہ کے مصطفیٰ ہیں۔ ہم اللہ کے مختار ہیں۔ وہی شخص سعادت مند ہے جس نے ہماری اتباع کی اور وہی بدنصیب ہے جس نے ہم سے عداوت کی۔

ہشام کو میرے اس خطبہ کی اطلاع مل گئی وہاں تو اس نے کچھ نہ کہا۔ البتہ جب ایام حج گزر گئے ہم واپس مدینہ آ گئے اور ہشام شام پہنچ گیا تو اس نے والی مدینہ کو حکم بھیجا کہ محمد باقر اور ان کے بیٹے کو شام بھیج دے۔

ہم شام آئے۔ تین دن تک تو ہمیں دربار میں جانے کی اجازت نہ ملی۔ چوتھے دن ہمیں بلایا گیا۔ جب ہم دربار میں پہنچے تو ہشام نے اپنی طرف سے دربار کو بڑا بارعب بنا رکھا تھا۔

ہر طرف سپاہی کھڑے تھے۔

ایک طرف امری نوجوان تیر اندازی کر رہے تھے۔

میرے بابا آگے تھے میں ان کے پیچھے تھا۔ ہشام نے ہمیں دور سے کہا۔ اے محمدؑ ذرا ان جوانوں کے ساتھ تیر اندازی تو کرو۔

میرے بابا نے فرمایا۔

ہشام اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ معذرت خواہ ہوں۔

ہشام نے کہا۔ آج میں تو معذرت قبول نہیں کروں گا۔ آپ تیر اندازی کریں۔ پھر ایک شخص سے کہا تو اپنی کمان انہیں لا کر دے دے۔

میرے بابا نے کمان لی۔ اس میں تیر رکھا اور نشانہ پر لگایا نشانہ کے عین وسط میں تیر لگا۔ دوسرا تیر لیا وہ پہلے تیر کو چیر کر نشانہ پر بیٹھا پھر تیسرا تیر دوسرے تیر کو چیر کر نشانہ پر جا لگا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے نو تیر ایک دوسرے کو چیر کر نشانہ پر بیٹھے تو ہشام کے پسینے چھوٹ گئے۔ بولنے لگا۔ حیرت سے اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ اور وہ کہنے لگا۔

واہ وا کیا کہنے اے محمدؑ آپ تو پورے عالم کے عرب و عجم کے واحد تیر انداز ہیں۔ میں نے آج تک کسی کا ایسا نشانہ نہیں دیکھا آپ نے تو حد کر دی۔

یہ تیر اندازی کی تعلیم آپ کو کس نے دی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ پورے مدینہ سے پوچھ لے۔ جو کسی نے میرے ہاتھ میں کبھی کمان دیکھی ہو۔ تیرے اصرار پر آج ہی کمان کو ہاتھ لگایا ہے۔ ہمیں یہ کمالات وراثت میں ملتے ہیں۔

اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے۔

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا۔

تمام نعمت اور کمال ودین ہماری وراثت ہے اور تا قیامت اس کمال کا حامل ہم میں سے لامحالہ ایک رہے گا۔

ہشام نے کہا۔ کیا نسب میں ہم اور آپ ایک نہیں ہیں۔ آپ بھی عبد مناف کی اولاد ہیں اور ہم بھی عبد مناف کی اولاد ہیں!

میرے والد نے فرمایا۔ نسب میں ایک ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم ایک جیسے ہو گئے ہیں۔ اللہ نے ہمیں جن خصوصیات سے مختص فرمایا ہے۔ وہ خصوصیات تمہارے اختیار میں کہاں ہیں۔ اللہ نے ہمیں اپنے رازوں سے آشنا کیا ہے

اور ہمیں اپنے علم کا مخزن قرار دیا ہے۔

ہشام نے کہا۔ اللہ نے محمدؐ کو سیاہ و سفید ہر ایک کا نبی بنا کر بھیجا ہے وہ عبد مناف ہی سے تھا پھر یہ وراثت تمہیں کہاں سے مل گئی ہے؟

محمدؐ کے بعد کوئی نبی نہیں نہ ہی تم نے کبھی دعویٰ نبوت کیا ہے۔

میرے بابا نے فرمایا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرمؐ حضرت علیؑ سے جو خصوصی گفتگو فرماتے تھے اور کسی سے نہیں کرتے تھے۔

ہشام نے کہا۔ ہاں۔

بابا نے فرمایا۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ،

حضرت علیؑ نے فرمایا تھا۔ نبی کریمؐ نے مجھے علم کا ہزار باب تعلیم کیا ہے اور ہر باب سے میرے سامنے ہزار باب علم کھلا ہے!

ہشام نے کہا۔ ہاں

بابا نے فرمایا۔ تو گویا آپ یہ تو مانتے ہیں کہ نبی اکرم کی نگاہ شفقت دوسرے اصحاب کی نسبت حضرت علیؑ پر تھی اور نبی اکرمؐ نے ہمیشہ حضرت علیؑ کو علم نبوت میں شریک اور حصہ دار رکھا۔

ہشام نے کہا ہاں۔

بابا نے فرمایا۔ تو پھر وہی علم ہے جس طرح نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو عنایت فرمایا۔ اسی طرح حضرت علیؑ سے وہ ہمیں حاصل ہوا ہے۔

ہشام نے کہا۔ میں نے سنا ہے حضرت علیؑ اپنے کو عالم غیب کہتے تھے۔ حالانکہ قرآن میں اللہ فرماتا ہے میرے سوا کوئی علم غیب نہیں جانتا۔

بابا نے فرمایا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اللہ نے اپنے نبی پر جو کتاب نازل کی اس میں ازل سے ابد تک کا تمام علم ہے۔

ارشاد قدرت ہے۔

نزلنا علیك الكتاب تبیانا لكل شیٔ	ہم نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔

ہشام نے کہا۔ ہاں قرآن میں تمام علم موجود ہے۔

بابا نے فرمایا۔ پھر کوئی ایسا عالم ہو تو ہونا چاہیے جس کے پاس سارے قرآن کا تمام علم ہو۔

ہشام نے کہا۔ ہاں ایسا عالم ہونا چاہیے۔

بابا نے فرمایا قرآن میں ہے۔

کل شئی احصیناہ فی امام مبین۔ ہم نے امام مبین کو ہر شئی کا علم دے دیا ہے۔

پھر ارشاد رب العزت ہے۔

ما فرطنا فی الکتاب من شئی ہم نے کتاب میں کسی چیز کی غفلت نہیں کی۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

ما من آیۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین۔ آسمان اور زمین میں جو بھی آیت ہے وہ کتاب مبین میں موجود ہے۔

جب کتاب خدا میں سب کچھ ہے تو عالم کتاب کے پاس کیسے نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے وصیت فرما دی تھی کہ علیؑ کے سوا مجھے کوئی غسل و کفن نہ دے۔

یہ بھی آپ نے سنا ہوگا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا۔

میں نے تنزیل قرآن پر جنگ کی ہے۔ علیؑ تاویل قرآن پر جنگ کرے گا۔ اگر علیؑ تاویل قرآن نہیں جانتا تھا تو پھر تاویل قرآن پر جنگ کرنے کا کیا معنی ہوگا۔

یہ بھی آپ نے سنا ہوگا کہ آنحضورؐ نے فرمایا تھا۔ علی اقضاکم۔ تم میں سب سے عادلانہ فیصلہ کرنے والا علیؑ ہے۔

پھر آپ نے عمر ابن خطاب کا یہ اقرار بھی سنا ہوگا۔ لو لا علی لھلک عمر۔

ہشام کافی دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا۔

پھر کہا۔ اگر کوئی ضرورت ہو تو بتائیں۔

بابا نے فرمایا۔ جب سے تیرا حکم گیا ہے اور میں نے مدینہ چھوڑا ہے اس دن سے تمام اہل بیت گھبراتے ہوئے ہیں۔ میری طرف یہی ضرورت ہے کہ آپ ہمیں واپس جانے کی اجازت دیں۔

ہشام نے ہمیں جانے کی اجازت دی۔ جب ہم دربار سے باہر نکلے اور دمشق کے بازار گزر کر آئے تو ایک بہت بڑا میدان تھا اس میدان کے ایک کونے بہت سے لوگ جمع تھے۔

میرے بابا نے درباریوں سے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں۔

انہوں نے بتایا کہ پوری مملکت شام کے راہب اور قسیس ہیں۔ جو اپنے اپنے گرجاؤں سے آتے ہیں۔ یہاں ان کا سالانہ اجتماع ہے۔ ان کا بڑا پادری سال میں ایک مرتبہ ان لوگوں کو اسی میدان میں ملاقات کی اجازت دیتا ہے اور یہ لوگ تمام مسائل اس سے پوچھتے ہیں اور آج ان کا سالانہ دن ہے۔

میرے والد نے سر کو ڈھانپ لیا۔ مجھے بھی سر چھپا لینے کی ہدایت فرمائی۔ اور اسی مجمع کی طرف چلے گئے

وہاں جا کر ہم دونوں بیٹھ گئے

جب دربان نے جا کر ہشام کو مطلع کیا تو اس نے بھی کچھ لوگوں کو بھیج دیا تا کہ جو کچھ وہاں پیش آئے اسے مطلع کریں۔

اتنے میں پادری آ گیا اس نے دونوں ابرو پٹی سے اوپر باندھ رکھے تھے وہ اس مجمع کے وسط میں آیا تمام پادری اس کی تعظیم کو اٹھے ہر ایک نے اسے سلام کیا اسے صدر مجلس میں بٹھایا۔ پادری نے بیٹھنے کے بعد تمام کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ جب سب بیٹھ گئے تو اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ سے پورے مجمع میں صرف ہم دو غیر مانوس نظر آئے۔

چنانچہ اس نے میرے والد سے پوچھا۔

آپ ہم سے ہیں یا امت مرحومہ سے؟

بابا نے فرمایا۔ ہم امت مرحومہ سے ہیں۔

پادری نے کہا۔ علمائے امت سے ہیں یا جہال سے؟

بابا نے فرمایا۔ ہم جہال سے نہیں ہیں۔

پادری یہ جواب سن کر رہ گیا اور کہا۔

میں چند مسائل پوچھنا چاہتا ہوں۔

بابا نے فرمایا۔ جو چاہے پوچھئے۔

پادری نے کہا۔ آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ اہل جنت کھائیں گے پئیں گے لیکن ان کے بول و براز نہیں ہوگا۔ اس دعوی میں کہاں تک صداقت ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص کھائے بھی اور پئے بھی۔ لیکن بول و براز نہ ہو۔ اگر واقعاً سچ ہے تو دنیا میں اس کی کوئی مثال دیں۔

بابا نے فرمایا۔ یہ تو بڑی معمولی بات ہے۔ جنت کی یہ مثال ہر شخص دیکھ کر ہی دنیا میں آتا ہے۔ جب شکم مادر میں ہوتا ہے۔ پانچ ماہ کے بعد کھاتا بھی ہے اور پیتا بھی ہے لیکن بول و براز نہیں ہوتا۔

پادری نے حیرت سے کہا۔ آپ نے تو کہا تھا میں علماء سے نہیں ہوں۔

بابا نے فرمایا۔ آپ کو اشتباہ ہوا ہے میں نے کہا تھا۔ میں جہال سے نہیں ہوں۔

ہشام کے آدمی یہ سب کچھ سن رہے تھے۔

پادری نے کہا۔ اچھا ایک اور مسئلہ پوچھتا ہوں۔

بابا نے فرمایا۔ پوچھو۔

پادری نے کہا۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ میوہ ائے جنت کھانے کے باوجود کم نہیں ہوں گے۔ اور ہمیشہ تر و تازہ

رہیں گے۔

اس کی دنیا میں کوئی مثال۔

بابا نے فرمایا۔ جس زمین پر آپ بیٹھے ہیں یہ زمین کب ختم ہوتی ہے یا کب باسی ہوتی ہے۔ ہمیشہ تر و تازہ اور ہری فصل کے لیے شاداب اور تیار رہتی ہے۔

پادری یہ جواب سن کر ایک مرتبہ پھر تڑپا۔ اور کہا۔

ایک اور سوال کا جواب بھی دے دو۔

بابا نے فرمایا۔ پوچھو۔

پادری نے کہا شب و روز میں وہ کون سی ساعت ہے جو نہ رات شمار ہوتی ہے نہ دن۔

بابا نے فرمایا۔ صبح صادق کے طلوع کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے کا وقت نہ دن میں ہوتا ہے نہ رات میں۔ یہ وہ وقت ہے جس میں ہر جاگنے والا سو جاتا ہے۔ ہر بیمار آرام محسوس کرتا ہے۔ اور ہر بے ہوش ہوش میں آ جاتا ہے۔

اس جواب پر پادری اس طرح تڑپ اٹھا جیسے اسے بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ اور کہنے لگا بس ایک مسئلہ بچ گیا ہے۔

بابا نے فرمایا وہ بھی پوچھو۔

پادری نے کہا مجھے ایسے دو بھائیوں کے نام بتائیے جو ایک دن پیدا ہوئے ایک دن فوت ہوئے۔ لیکن وقت وفات ایک کی عمر ڈیڑھ سو برس اور دوسرے کی پچاس برس تھی۔

بابا نے فرمایا۔ یہ دونوں بھائی عزیر اور عزیرہ تھے۔ عزیر تیس برس کا تھا جب اللہ نے اسے موت سے دوچار کر دیا۔ سو سال بعد اسے مع اس کے گدھے کے زندہ کیا۔ بعد میں وہ بیس برس زندہ رہا۔ جب عزیر پچاس برس کی عمر میں فوت ہوا تو اس کا بھائی ڈیڑھ سو برس کی عمر میں اسی دن فوت ہوا۔

یہ سن کر پادری اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے پادریوں سے کہنے لگا! آج تم لوگوں نے مجھے رسوا کیا ہے۔ تم نے ایک ایسے مسلمان عالم کو یہاں بٹھا دیا ہے۔ جو ان تمام علوم سے واقف ہے جو میرے پاس ہیں۔ لیکن جو علوم اس کے پاس ہیں میں ان سے واقف نہیں ہوں۔

گویا تم نے مسلمانوں کو اپنے سروں پر مسلط کر دیا ہے۔ اور اب وہ جگہ جگہ تمہیں رسوا کرتے پھریں گے۔ آج کے بعد میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

تمام نصرانی پادری پریشان ہو کر چلے گئے۔ جب سب چلے گئے۔ تو ہم بھی اٹھے اور جہاں ہمارا قیام تھا۔ ہم اس جگہ آ گئے۔

ہشام کو بھی پتہ چل گیا۔ اور پورے دمشق میں یہ بات پھیل گئی۔ اہل دمشق کا ہمارے مکان پہ مجمع لگ گیا۔ اور وہ لوگ بابا سے مختلف باتیں پوچھنے لگے۔

اتنے میں ہشام کا ایک قاصد آیا جس کے پاس بہت سے انعامات تھے اس نے وہ سب انعام ہمارے سامنے رکھ کر ہشام کا پیغام دیا کہ۔

آپ ابھی ابھی اسی وقت دمشق سے واپس مدینہ چلے جائیں۔ آپ کے لیے ایک لمحہ کا قیام بھی خلاف قانون ہوگا۔

آپ اہل دمشق کے ذہن خراب کر دیں گے۔

ہم مکان سے باہر آئے تو سواریاں تیار تھیں۔ ہم سوار ہوئے اور مدینہ کی راہ لی۔

راستہ میں مدین والی بستی پڑتی تھی۔ دمشق سے مدینہ آنے والے رات کا قیام اسی بستی میں کرتے تھے کیونکہ مدین سے آگے دوسری آبادی بہت دور تھی اور راستہ میں بے آب و گیاہ صحرا تھا۔

جب ہم مدین میں آئے تو ہشام کا پیغام ہم سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ والی مدین کے نام ہشام کا پیغام یوں تھا۔

تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ ابوتراب کی اولاد سے مدعا ایک بزرگ اور دوسرا بچہ محمد ابن علی اور جعفر ابن محمد آرہے ہیں۔ جو بڑے جادوگر اور جھوٹے ہیں یہ دونوں اسلام کے مدعی ہیں۔ لیکن اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ آج یہ لوگ نصرانیوں کے سالانہ اجتماع میں شریک ہوئے ہیں۔ اور ان سے کافی دیر تک مصروف گفتگو رہے ہیں۔

مجھے ڈر ہے کہیں یہ لوگ اپنے جادو کے زور سے اہل مدین کو ہمارے خلاف نہ کر دیں اس لیے تمام شہر میں منادی کرا دے کہ انہیں شہر میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اور کوئی شخص نہ ان سے بات کرے اور نہ ان کی بات سنے۔ اور اگر کسی نے ان دونوں کو مہمان بنانے کی کوشش کی تو اس پہ باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے گا۔

میرے والد نے مدین میں داخلہ سے پہلے اپنے دو غلاموں کو بھیج دیا کہ وہ ہم سے پہلے کسی جگہ کا انتظام بھی کرلیں اور سواریوں کے لیے چارہ وغیرہ بھی خرید لیں۔ جونہی غلام باب مدین پر پہنچے تو ان لوگوں نے شہر کے تمام دروازے بند کر دیئے اور فصیل پر چڑھ کر ہم پر سب و شتم کرنے لگے۔ حضرت علیؑ پر سب ہونے لگا

اتنے میں ہم بھی باب مدین پہ پہنچ گئے۔

بابا نے بہت منت کی لیکن کسی نے دروازہ نہ کھولا۔

کہنے لگے تم لوگ نصرانی ہو چکے ہو۔

بابا نے فرمایا۔ تو پھر نصرانیوں کی طرح ہم سے جزیہ لے لو اور دروازہ کھول دو۔

انھوں نے کہا: آپ سے جو بھی نہیں لی جائے گا اور نہ دروازہ کھولا جائے گا۔

اس وقت میں نے دیکھا۔ بابا کے چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے۔ انھوں نے سوئے آسمان دیکھا اور مجھے فرمایا: جعفر یہیں کھڑے رہنا، میرے آنے تک اس جگہ سے نہ ہلنا۔

بستی کے عقب میں پہاڑی تھی۔ بابا اس پہاڑی پر گئے۔ دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھیں اور بآواز بلند یہ آیت پڑھی۔

الی مدین اخاہم شعیبا... فلت اعبدتہ کے کم سے سیلہ آمدی اٹھی۔ اس ہوئے بابا کی آواز پوری بستی کے کانوں میں پہنچا دی۔ تمام اہل مدین مکانوں کی چھت پر چڑھ کر بابا کی طرف دیکھنے لگے۔ انہی میں ایک انتہائی بوڑھا شخص تھا۔ اس نے اہل مدین سے کہا دیکھو۔

بخدا! میں نے آج تک غلط نہیں کہا اور نہ ہی آج غلط کہتا ہوں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں شعیب نبی نے کھڑے ہو کر قوم کے لیے بددعا کی تھی اور قوم شعیب معذب ہوئی تھی۔ یہ شخص اسی جگہ کھڑا ہے۔ اور اس کی آواز میں وہی درد ہے جو میں نے اپنے آباؤ اجداد سے جناب شعیب کے متعلق سنا ہوا ہے۔ ان کے سامنے دروازہ کھول دو۔ انہیں اندر آنے دو۔ یقیناً یہ نبی زادہ ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس سے وہ آگے ہوئے کے بعد کوئی عذاب ہی نہ آ جائے۔

اس بوڑھے کی منت و سماجت سے اہل مدین نے ہمارے سامنے دروازہ کھول دیا۔

ہم اندر آ گئے۔

والی مدین نے تمام یہ کیفیت ہشام کو لکھ کر بھیج دی۔

ہشام نے جواب لکھا کہ اس بوڑھے کو گرفتار کرے۔ اور کسی ذریعہ سے ان دونوں باپ بیٹوں کو کھانے یا شربت وغیرہ میں زہر ملا کے دے دے۔ تاکہ یہ لوگ مدینہ نہ پہنچ سکیں۔

نافع غلام عمرؓ اور امام محمد باقرؑ

روضۃ الکافی میں ابو ربیع سے مروی ہے کہ جس سال ہشام حج کو آیا۔ امام باقرؑ ایک جگہ تشریف فرما تھے اور مختلف قسم کے لوگوں نے آپ کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا۔ اور آپ سے مسائل دریافت کر رہے تھے۔

ہشام جب طواف کے لیے آیا تو عمر ابن خطاب کا غلام نافع بھی اس کے ساتھ تھا۔

نافع نے ہشام سے کہا: حضور! یہ لوگ کس کا مجمع ہیں؟

ہشام نے کہا۔ محمد ابن علی بیٹھا ہے۔ وہ لوگ اس سے مختلف قسم کے مسائل پوچھ رہے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کوفہ والے اسے نبی کی حد تک سمجھتے ہیں۔

نافع نے فرمایا۔ اگر آپ اجازت دیں تو آج میں اس کے علم کی قلعی کھول دوں؟

ہشام نے کہا۔ ایسا ہو جائے تو منہ مانگا انعام دوں گا۔

نافع نے کہا۔ وعدہ یاد رکھنا اور میں ابھی اسے لاجواب کر کے حاضر ہوا۔

یہ کہہ کر نافع اس مجمع میں آیا۔ لوگوں کے اوپر سے جھانکا۔ اسے راستہ مل گیا۔ آپ کے سامنے آیا۔ اور کہنے لگا۔

اے محمد ابن علی میں نے توراۃ۔ زبور۔ انجیل۔ اور قرآن چاروں کتابیں پڑھی ہیں۔ میرے پاس ایسے چند سوال ہیں جن کا جواب نبی۔ وصی نبی۔ یا فرزند نبی کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ اگر مجھے اجازت ہو تو میں اپنے سوال پوچھ لوں۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ نافع جو تیری جی چاہے پوچھ لے

نافع نے کہا۔ مجھے یہ بتائیں کہ حضرت عیسیٰ اور محمدؐ کے درمیان کا کتنا فاصلہ تھا؟

امام باقرؑ نے فرمایا۔ تیرے عقیدے کے مطابق بتاؤں یا اپنے عقیدے کے مطابق

نافع نے کہا۔ دونوں بتا دیں۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ تیرے بقول چھ سو برس کا فاصلہ تھا اور میرے نزدیک پانچ سو برس کا فاصلہ تھا۔

نافع نے کہا۔ جب ان دو نبیوں کے مابین اس قدر فاصلہ تھا تو پھر اس آیت کا کیا معنی ہوگا۔

واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا۔ تم سے قبل جو انبیاء ہم نے بھیجے ہیں ان سے پوچھ لے جب محمدؐ کے دور کوئی نبی نہیں تھا۔ پھر آپ کو سابقہ انبیاء سے سوال کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔ اگر آپ نے تعمیل حکم نہیں کی تو گناہ گار بنتے ہیں۔ اگر آپ نے کی ہے تو کیسے کی ہے جب کہ تمام انبیاء تو پہلے گذر چکے تھے۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت سیر کرائی۔

جب آپ شب معراج چوتھے آسمان پر پہنچے اللہ نے تمام انبیاء کو صف بستہ کیا۔ جبرئیل نے اذان و اقامت کہی ان دونوں میں جبرئیل نے حی علی خیر العمل کہا۔ آنحضرتؐ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو جبرئیل یہ آیت لے کر آیا۔

آنحضرتؐ نے تمام انبیاء سے سوال کیا۔

یا معشر الانبیاء علی ما بعثتم۔ اے گروہ انبیاء آپ کی بعثت کن شرائط پر ہوئی تھی۔

سب نے بیک زبان کہا۔

علی اقرار رات ثلاث۔ اللہ نے ہم سے تین اقرار لیے تھے۔

اول الاقرار بوحدانیۃ۔ پہلا اقرار اپنی توحید کا لیا۔ ہم نے لا الہ الا اللہ پڑھا۔

ثانی الاقرار برسالتک۔ دوسرا اقرار آپ کی رسالت کا لیا۔ ہم نے محمد رسول اللہ پڑھا۔

ثالثہا بولایۃ علی ابن ابی طالب۔ تیسرا اقرار ولایت علی کا لیا۔ ہم نے علی ولی اللہ پڑھا۔

نافع نے کہا۔ اے فرزند رسول آپ نے سچ فرمایا ہے۔ اب اس آیت کی تفسیر فرمائیں۔

او لم یری الذین کفروا ان السماوات والارض کانتا رتقا ففتقناہما۔ ارض و سما رتق تھے ہم نے انہیں کھولا۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ جب اللہ نے حضرت آدم کو زمین پر بھیجا اس وقت نہ تو آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے کچھ اگتا تھا۔ حضرت آدم کے زمین پہ آنے کے بعد آسمان سے بارش شروع ہوئی اسے اللہ نے آسمان کے رتق سے تعبیر کیا ہے۔ اور زمین سے انگوری پیدا ہونا شروع ہوئی اسے اللہ نے فتق ارض سے تعبیر کیا ہے۔

نافع نے کہا۔ فرزند رسولؐ۔ آپ نے سچ فرمایا ہے۔

ایک مسئلہ رہ گیا ہے۔ وہ بھی بتا دیں۔

اللہ کب تھا۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ بندہ خدا! یہ تم نے کیا سوال کیا ہے۔ اللہ کب نہ تھا تاکہ میں تجھے یہ بتاؤں کہ اللہ کب تھا!

نافع نے کہا۔ فرزند رسول آپ نے سچ فرمایا ہے۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ نافع اگر اجازت دے تو میں بھی ایک بات پوچھ لوں!

نافع نے کہا۔ فرمایئے۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ نہروانیوں کے متعلق تیرا کیا خیال ہے، اگر تو کہتا ہے کہ امیر المومنین نے ان سے جنگ کی تھی تو گویا تو ان کے مرتد ہونے کا اقرار کرے گا۔ اور اگر تو کہے کہ امیر المومنین ان سے جنگ میں حق پر نہ تھے تو تو کافر ہو جائے گا۔

نافع لاجواب ہو کے واپس مڑا۔ اور کہتا چلا گیا۔ بخدا! آپ علم الناس ہیں۔ بخدا آپ اہل بیت نبوت میں سے ہیں!

جب ہشام کے پاس پہنچا تو ہشام نے کہا۔

سنا کیا ہوا!

نافع نے کہا۔ ہونا کیا تھا۔ ان کو تو اپنے موقف میں پکے ہیں۔ وہ اسے نبی نہیں مانتے۔ جانشین رسولؐ مانتے ہیں اور وہ لوگ برحق ہیں۔

۲۔ نافع ابن ازرق سے مناظرہ۔

روضۃ الکافی میں محمد ابن مسلم سے مروی ہے کہ نافع ابن ازرق نے ایک مرتبہ اپنے معتقدین میں بیٹھ کر یہ بڑا بول بولا کہ اگر مجھے مشرق و مغرب میں کسی ایسے شخص کا پتہ چل جائے جو حضرت علیؑ کو نہروانیوں کے مقابلہ میں حق پر سمجھتا ہو تو میں چل کر اس کے گھر جاؤں گا اور اس سے مناظرہ کروں گا۔

جب اس نے یہ کہا۔ تو مجمع میں سے ایک ایسا شخص اٹھا جو نافع کے معتقدین سے نہیں تھا اس نے کہا۔ تو بڑی لمبی بات کر رہا ہے۔ اولادِ علیؑ اب بھی موجود ہے۔

نافع نے کہا۔ کیا اولادِ علیؑ میں کوئی عالم ہے۔

اس شخص نے کہا جب تو دعویٰ کرنے لگتا ہے تو ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے مشرق و مغرب میں تیرے سوا کوئی عالم ہی نہیں۔ حالانکہ تیرا یہ سوال ہی تیری جہالت کی دلیل ہے۔ بھلا اولادِ علیؑ کبھی عالم کے بغیر رہی ہے۔ محمدؐ ابن علیؑ آج بھی مدینہ میں علوم علیؑ کی تبلیغ کر رہا ہے۔

نافع اسی وقت اٹھا۔ اپنے معتقدین میں سے چند چیدہ چیدہ افراد ساتھ لیے۔ اور مدینہ پہنچ گیا۔

امام باقرؑ سے ملاقات طلب کیا۔

غلام باہر آیا۔ اسے بتایا کہ میں نافع ہوں۔ غلام نے جا کر عرض کیا کہ نافع اجازت مانگتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ وہ مجھ سے کیا لینے آیا ہے۔ وہ مجھ پر اور میرے والد علیؑ پر تبرا کرتا ہے۔

ابو بصیر نے عرض کیا۔ قبلہ وہ آپ سے جنگ نہروان کے سلسلہ میں مناظرہ کرنے آیا ہے۔

آپ نے غلام سے فرمایا۔

جا اسے کہہ۔ کل آنا۔

دوسرے دن امام باقرؑ نے تمام مہاجرین و انصار کی اولاد کو جمع کیا۔ عمامہ نبوی سر پر رکھا جانے جنت کندھوں پر سجائی۔ عصائے نبوی ہاتھ میں لیا۔ اور باہر تشریف لائے۔

تمام مہاجرین و انصار کی اولاد سے فرمایا۔ جس جس کو فضائل حضرت علیؑ کے سلسلہ میں کوئی حدیث یاد ہو

وہ سنائے۔

سب سنانے لگے۔

نافع نے کہا۔ میں ان تمام فضائل کو برحق مانتا ہوں۔ میری بات ان فضائل سے نہیں ہے میرا اعتراض تو بعد از تحکیم سے ہے۔

جب مہاجرین و انصار کے فرزندوں نے واقعہ خیبر سنایا۔ اور یہ حدیث سنائی۔

لاعطین الرایة غدا رجلا کرار اً غیر فرار یحبه الله و رسوله ۔ و یحب الله و رسوله

امام باقرؑ نے فرمایا۔ اس حدیث کے متعلق تیرا کیا خیال ہے۔

نافع نے کہا۔ حق ہے میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اس کا تعلق تحکیم سے قبل سے ہے۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ اس کا تعلق تحکیم سے قبل سے نہیں بلکہ حضرت علیؑ کی زندگی کے آخری لمحہ تک سے ہے۔

نافع نے کہا وہ کیسے۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ جب اللہ نے حضرت علیؑ کو بقول رسول اپنا حبیب بنایا۔ تو اس وقت اللہ کو یہ علم تھا کہ علی نہروانیوں سے جنگ کرے گا یا نہیں تھا؟

اگر تو یہ کہہ دے کہ اللہ کو علم نہیں تھا تو کافر ہو جائے گا۔

نافع نے کہا۔ اللہ کو علم تھا۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ کیا اللہ کو یہ علم تھا کہ علی کی نہروانیوں سے جنگ میری اطاعت میں ہو گی یا نافرمانی میں یا علم نہیں تھا۔

نافع نے کہا۔ اللہ کو علم تھا۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ جب اللہ کو علم تھا کہ علی کی نہروانیوں سے جنگ میری نافرمانی میں ہو گی تو اس کے باوجود اللہ نے علی کو محبوب کہا یا نہروانیوں سے جنگ کو اپنی اطاعت سمجھ کر علی کو محبوب کہا؟

نافع لاجواب ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا! واقعاً آپ اہلبیت نبوت ہیں۔ اب کم از کم میرے سامنے حق و باطل واضح ہو گئے ہیں۔

۲۔ عمر ابن ذر اور اس کے ساتھی

رجال کشی میں ثویر ابن ابی فاختہ سے مروی ہے کہ ایک سال میں حج کے ارادہ سے عازم سفر ہوا مدینہ میں میں عمر ابن ذر۔ ابن قیس اور صلت ابن بہرام کا ہم سفر ہو گیا۔

راستہ میں ایک مقام پر میں عمر ابن ذر کو کہتے ہوئے سنا میں نے چار ہزار مسئلہ لکھا ہوا ہے۔ جو محمدؑ ابن علیؑ سے پوچھوں گا۔

ثویر کہتا ہے میں یہ سنکر پریشان ہو گیا۔ جب مدینہ میں پہنچے تو میں سب سے پہلے امام باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں بتایا کہ عمر ابن ذر اور اس کے ساتھی یہ پروگرام بنا کر آ رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ کل صبح وہ آئیں گے تو ان سے پہلے آ جانا۔

دوسرے دن میں صبح صبح آپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔

میرے پہنچنے کے بعد دق الباب ہوا۔

غلام دروازہ پر گیا۔ واپس آ کر اس نے بتایا کہ عمر ابن ذر اور اس کے ساتھی ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ثویر جا انہیں اندر لے آ۔

میں اٹھ کر گیا۔ انہیں اندر لے آیا۔

وہ سب خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ کسی نے بھی کوئی بات نہ کی۔ کافی دیر خاموشی کے بعد امام باقرؑ نے از خود مسائل بیان کرنا شروع کر دیئے۔ کھانے کا وقت ہو گیا۔ آپ نے غلام سے دستر خوان لگانے کو کہا۔ جب دستر خوان لگ گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ الحمد للہ کی حمد ہے جس نے ہر ایک چیز کی ایک حد مقرر فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ اس دستر خوان کی بھی حد ہے۔

عمر ابن ذر نے کہا۔ اس دستر خوان کی کیا حد ہے۔

آپ نے فرمایا۔ دستر خوان کی حد یہ ہے کہ جب لگایا جاتا ہے تو بسم اللہ پڑھی جاتی ہے۔ اور جب اٹھایا جاتا ہے تو الحمد للہ کہی جاتی ہے۔

جب کھانا ختم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ پانی پلاؤ۔ جب غلام نے صراحی سامنے رکھی تو آپ نے فرمایا۔ اس اللہ کی حمد ہے جس نے اس صراحی کی حد مقرر کر دی ہے۔

عمر ابن ذر نے کہا۔ اس صراحی کی کیا حد ہے۔

آپ نے فرمایا ماسس کی عید ہے کہ جب مسلمان منزل کا آتا ہے تو بسم اللہ پڑھتا ہے اور جب پی لیتا ہے تو الحمد للہ کہتا ہے۔ پھر سب خاموش ہو کر بیٹھے رہے۔

بالآخر امام باقرؑ نے سکوت توڑا اور فرمایا۔

اے فرزند ذر، ہمارے جو آثار تم تک پہنچے ہیں ان میں سے کچھ تو ہمیں بھی سناؤ۔

عمرابن ذر نے عرض کیا۔ ہاں تبدید شاد بزی ہے۔ انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اهلبیتی ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی حتی یردا علی الحوض۔

آپ نے فرمایا۔ اے فرزند ذر کیا یہ حدیث سچ ہے؟

عمرابن ذر نے کہا۔ بالکل سچ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اب بھلا بتا۔ اگر قیامت کے دن نبی اکرمؐ تم سے پوچھیں کہ جو دو چیزیں میں چھوڑ کے گیا تھا۔ ان سے تم نے کیا سلوک کیا؟

تو کیا جواب دو گے۔

میں نے دیکھا عمرابن ذر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے کہا تھا! ان کے سوا ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ قرآن کو پھاڑ دیا تھا اور آپ کی عترت کو قتل کر دیا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ اے فرزند ذر قیامت میں انسان سے صرف تین سوال کیے جائیں گے۔

ا۔ عمر کس میں گزاری ہے؟

ب۔ دولت کہاں سے لی تھی اور کہاں خرچ کی تھی۔

ج۔ آل محمد سے محبت رکھی تھی یا نہیں۔

اس کے بعد وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اجازت لیکر باہر چلے گئے۔

امام باقرؑ نے غلام سے فرمایا۔

تم جا کر دیکھو باہر کیا تبصرہ کرتے ہیں۔

غلام نے واپس آکر بتایا۔ کہ عمرابن ذر کے ساتھی اسے ملامت کر رہے تھے کہ تو ہمیں کس لیے لایا تھا۔ اور یہاں کیا کرتا رہا۔ تو نے تو ایک سوال بھی نہیں پوچھا۔

عمرابن ذر نے کہا۔ بھلا میں اس شخص سے کیا سوال کرتا جس کا علم اتنا زیادہ ہے کہ وہ دسترخوان اور پانی کی حدود بھی جانتا ہے۔ اور جس نے ہمیں بتا دیا ہے کہ قیامت کے دن میری ولایت کا سوال تم سے ہوگا کرے گا۔

شامی عالم

روضۃ الکافی میں محمد ابن عطیہ سے مروی ہے کہ امام باقرؑ کے پاس شام سے ایک عالم آیا اور اس نے کہا۔
اے فرزند رسولؐ ایک مسئلے نے مجھے الجھا دیا ہے۔ تین آدمیوں سے سوال کیا ہے ہر ایک کا جواب دوسرے سے مختلف ہے۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ کیا بات ہے۔
شامی نے کہا۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اللہ نے مخلوق میں سے سب سے پہلے کس چیز کو خلق کیا ہے۔ بعض نے بتایا ہے کہ۔

اللہ نے سب سے تقدیر کو پیدا کیا ہے۔
بعض کا نظریہ ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا ہے۔
اور بعض کہتے ہیں کہ مخلوق اول روح ہے۔
آپؑ نے فرمایا۔ سب سے پہلے اللہ نے اس ہستی کو پیدا کیا ہے۔ جس سے ہر شے پیدا ہوئی ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔

جعلنا من الماء کل شئ حی۔ ہم نے ہر زندہ شئی کو پانی سے پیدا کیا ہے۔
ہر شئی کو اللہ نے پانی سے منسوب کیا ہے۔ لیکن پانی کو کسی شئی سے منسوب نہیں فرمایا۔
پانی کے بعد اللہ نے ہوا کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر ہوا کو پانی پر مسلط کیا ہے۔ ہوا نے پانی کو بھی شگاف کیا۔

جس سے جھاگ پیدا ہوئی۔
جھاگ سے اللہ نے زمین کو پیدا کیا۔
زمین کو پانی پر ٹھہرایا۔
پھر پانی ہی سے آگ پیدا کی۔
آگ نے پانی کی سطح کو شگاف دکیا۔ اور بھاپ پیدا ہوئی۔ اللہ نے اس بھاپ سے آسمان بنائے۔ آسمان کو زمین کے اوپر سائبان کی طرح تان دیا۔ پھر اللہ نے آسمان و زمین میں تقدیم و تاخیر کی نسبت یوں بتائی والارض بعد ذالک دحاھا اس کے بعد زمین کو بچھایا۔

شامی نے عرض کیا۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ زمین و آسمان بستہ تھے پھر ہم نے انہیں کھولا۔ اور اس کا کیا معنی ہوگا۔

آپ نے فرمایا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آسمان سے بارش نہیں برستی تھی۔ اور زمین سے کچھ اگتا نہیں تھا۔ آسمان سے بارشش اور زمین میں قوت روئیدگی پیدا کرنے کا نام فتق اور رتق رکھا ہے۔

شامی نے کہا۔

اشهد انك من اولاد الانبياء وان علمك علمهم ۔ — میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اولاد انبیاء سے ہیں۔ اور آپ کا علم علم انبیاء ہے۔

طاؤس یمانی

سرکار طبرسی نے احتجاج میں ابو بصیر سے روایت کی ہے کہ امام باقر تشریف فرما تھے کہ طاؤس یمانی اپنی جمعیت کے ساتھ آیا اور۔

عرض کی۔ اگر اجازت ہو تو چند ایک سوال کروں!

آپ نے فرمایا۔ پوچھ جو پوچھنا ہے۔

طاؤس نے کہا۔ بنی نوع انسان کی تہائی کب ختم ہوئی تھی؟

آپ نے فرمایا۔ تو بھول رہا ہے۔ پوچھنا چوتھائی کو چاہتا تھا اور جہت لسانی کی وجہ سے تہائی کہہ رہا ہے۔ چوتھائی اس دن ختم ہوئی تھی جس دن قابیل نے ہابیل کو شہید کیا تھا۔

طاؤس نے کہا۔ سچ فرمایا ہے آپ نے۔

یہ فرمائیں کہ ان دونوں سے بنی نوع انسان کس کی اولاد ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ بنی نوع انسان ان دونوں میں سے کسی کی اولاد نہیں ہیں۔ بنی نوع انسان جناب شیث کی اولاد ہیں۔

طاؤس نے کہا۔ آدم کو آدم کیوں کہا جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ چونکہ آدم کی مٹی گیلی زمین کی اوپر والی سطح سے لی گئی تھی۔ اور اسے ادیم کہا جاتا ہے۔ اسی لیے آدم کو آدم کہا گیا ہے۔

طاؤس نے کہا ابلیس کو ابلیس کیوں کہا گیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ابلیس کا معنی مایوس ہونا ہوتا ہے۔ چونکہ ابلیس ہمیشہ کے لیے رحمت خدا سے مایوس ہو گیا ہے۔

اس لیے اسے ابلیس کہا گیا ہے۔

طاؤس نے کہا۔ جنوں کو جن کیوں کہا جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جن کا معنی پوشیدہ ہو جانا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ مخلوق نظروں سے پوشیدہ ہے اس لیے اسے جن کہا جاتا ہے۔

طاؤس نے کہا۔ سب سے پہلا جھوٹ کونسا تھا؟

آپ نے فرمایا۔ سب سے پہلا جھوٹ ابلیس نے اس وقت بولا تھا۔ جب اس نے سجدہ آدم سے انکار کے جواب میں کہا تھا کہ۔

میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ میری تخلیق آگ سے ہے اور آدم کی مٹی سے ہے۔

طاؤس نے کہا۔ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے شہادت تو سچی دی تھی لیکن جھوٹے تھے۔

آپ نے فرمایا۔ یہ وہ منافق ہیں جنہوں نے نشهد انك لرسول الله۔ کہا تھا۔ لیکن اللہ نے فرمایا ہے کہ شہادت کے الفاظ تو ان کے حق میں لیکن چونکہ ان کا عقیدہ نہیں ہے اس لیے جھوٹ بول رہے ہو۔

طاؤس نے کہا۔ وہ کونسا پرندہ ہے۔ جو صرف ایک مرتبہ اڑا ہے نہ اس سے پہلے کبھی اڑا تھا نہ بعد میں اڑا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ یہ کوہ طور ہے۔ جب اسے اللہ نے بنی اسرائیل کے سروں پر بلند کیا تھا اور وہ زمین سے پرواز کر کے ہوا میں آیا تھا۔

پھر ان کے توبہ کر لینے کے بعد اپنی جگہ پر واپس آ گیا تھا۔

طاؤس نے کہا۔ قرآن میں وہ کون سا رسول ہے جسے اللہ نے بھیجا ہو۔ لیکن وہ نہ جنوں سے تھا نہ انسانوں سے تھا اور نہ ملائکہ سے تھا۔

آپ نے فرمایا۔ یہ وہ کوا ہے جسے اللہ نے قابیل کے پاس اس وقت بھیجا تھا جب وہ قتل ہابیل کے بعد لاش اٹھائے پھر رہا تھا اور اسے چھپانے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ تو اللہ نے کوے کو بھیجا جس نے دوسرے کوے کو مارا اور مار کر اسے زمین میں چھپا دیا۔

طاؤس نے کہا۔ وہ کون ہے جس کا اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ہے۔ اس نے اپنی قوم کو ہدایت کی ہے لیکن نہ جن سے ہے نہ انسان ہے اور نہ ملائکہ سے ہے؟

آپ نے فرمایا، یہ وہ چیونٹی ہے جس نے اپنی قوم کو اس وقت جناب سلیمان کے لشکر سے ڈرایا جب آپ گزر رہے تھے اللہ نے اس چیونٹی کا تذکرہ قرآن میں کیا ہے۔

طاؤس نے کہا قرآن میں ایسی کون سی شے ہے جس پر تہمت باندھی گئی ہو اور وہ نہ قوم جن سے ہو، نہ انسان سے اور نہ ملائکہ سے۔

آپ نے فرمایا، یہ وہ بھیڑیا ہے۔ جس پر فرزندان یعقوب نے اس وقت تہمت لگائی تھی جب وہ یوسف کو کنوئیں میں ڈال کر۔ اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر جناب یعقوب سے کہا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔

طاؤس نے کہا، قرآن میں وہ کون سی شے ہے جو کم ہو یا زیادہ ہر دو صورتوں میں حرام ہے۔

آپ نے فرمایا، یہ جناب طالوت کی وہ نہر ہے، جب آپ جالوت کے مقابلے میں جا رہے تھے۔ اور اس نہر سے گزرے تو آپ نے اپنی فوج سے کہا تھا کہ اس سے پانی پینا خواہ تھوڑا یا بہت حرام ہے۔

طاؤس نے کہا وہ کونسی صلوٰۃ ہے جو واجب بھی ہے اور بلا وضو پڑھی جا سکتی ہے۔

آپ نے فرمایا، یہ محمد و آل محمد پر درود ہے۔ واجب بھی ہے اور بلا وضو پڑھی بھی جا سکتی ہے۔

طاؤس نے کہا، وہ کونسا روزہ ہے۔ جس میں کھانے پینے کی پابندی نہ ہو۔

آپ نے فرمایا، یہ روزہ صرف اور صرف ایک تھا اور وہ تھا جب جناب عیسیٰ کی ولادت ہوئی تو جناب مریم نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ۔

میں نے آج اللہ کی منت مانی ہے کہ کسی انسان سے بات نہیں کروں گی،

طاؤس نے کہا، وہ کون سی شے ہے جو گھٹتی بھی ہے اور بڑھتی بھی ہے۔

آپ نے فرمایا، چاند۔

طاؤس نے کہا، وہ کونسی شے ہے جس میں اضافہ ہوتا ہے لیکن کمی نہیں ہوتی؟

آپ نے فرمایا، سمندر۔

طاؤس نے کہا وہ کون سی شے ہے جس میں کمی ہوتی ہے لیکن اضافہ نہیں ہوتا۔

آپ نے فرمایا۔ عمر۔

ابو حنیفہ اور امام باقرؑ

شرح نہج البلاغہ میں ابوالقاسم سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابو حنیفہ امام باقرؑ کے پاس گیا۔ آپ اس وقت مسجد میں بیٹھے تھے۔

ابو حنیفہ نے کہا کیا میں آپ کے پاس بیٹھ جاؤں۔

امام باقرؑ نے فرمایا۔ تو معروف آدمی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تو میرے حلقے میں بیٹھے۔

ابو حنیفہ بیٹھ گیا۔ اور

کہنے لگا۔ کیا آپ امام ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ نہیں تو

ابو حنیفہ نے کہا کوفہ والے کہتے ہیں کہ آپ امام ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ آپ انہیں لکھ کر بتا دیں کہ۔

میں امام نہیں ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ اگر وہ نہ مانیں تو!

ابو حنیفہ نے کہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی بات نہ مانیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ وہ تو غائب ہیں۔ حاضر کو دیکھ کر غائب پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ آپ بھی کابل کوفہ سے ہیں۔

آپ نے مجھ سے بیٹھنے کی اجازت مانگی میں نے نہ دی۔ لیکن آپ پھر بھی بیٹھ گئے۔ جب آپ حاضر ہیں اور آپ میری بات نہیں مانتے تو وہ جو غائب ہیں کیسے مانیں گے۔

عبداللہ ابن معمر لیثی ؒ

کشف الغمہ میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ ابن معمر لیثی نے امام باقرؑ سے کہا۔

میں نے سنا ہے آپ جواز متعہ کے قائل ہیں۔

آپ نے فرمایا ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے نبی اکرمؐ نے پہنچایا ہے۔ اور صحابہ نے عمل کیا ہے۔ میں کیسے اسے حرام کر سکتا ہوں۔

عبداللہ نے کہا۔ عمر نے تو منع کیا تھا؟

آپ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے تو اپنے مولا کے قول پر قائم رہ اور میں اپنے مولا کے قول کا پابند ہوں۔

عبداللہ نے کہا۔ اگر آپ کی عورتیں یہ کام کریں تو کیا آپ پسند کریں گے۔

آپ نے فرمایا۔ بعد خدا بات میری عورتوں یا آپ کی عورتوں کی نہیں ہے۔ بات اس کی ہے جو تجھ سے اور متعہ کو منع کرنے والے سے زیادہ غیور ہے جب اس نے اسے حلال کیا ہے تو پھر ہم حرام کرنے والے کون ہوتے ہیں۔

کیا تو مدینہ کے جولاہوں میں سے کسی جولاہے کو رشتہ دے گا؟

عبداللہ نے کہا۔ ہرگز نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ کیوں یہ تو حلال نکاح کی بات ہے۔

تو کیوں حلال خدا کو حرام کر رہا ہے۔

عبداللہ نے کہا۔ میں حلال کو حرام نہیں کرتا۔ جولاہے میرے کفو نہیں ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ کمال ہے تیرے نزدیک اگر مدینہ کا جولاہا نیک ہو، صالح ہو۔ اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو تو اللہ اسے حورعین سے شادی کرائے گا۔ اللہ نے جسے حورعین کا کفو قرار دیا ہے تو اپنی جھوٹی قومیت میں تکبر اور سرکشی کی بدولت اسے کفو نہیں سمجھتا۔

عبداللہ نے کہا۔ واقعا آپ لوگوں کے دل علم کی کان ہیں۔ اور علم کے نفع بخش میوہ جات الہٰی کے دلوں میں درخت پر لگتے ہیں۔

مختلف مسائل کے جواب

۱۔ شراب :

فروع کافی میں اسماعیل کاتب سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ امام باقرؑ مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے کہ قریش کے چند افراد نے آپ کو مسجد میں بیٹھے دیکھا۔ آپ کے گرد کافی لوگ تھے۔

قریشیوں نے پوچھا۔ یہ کون بیٹھا ہے۔

انہیں بتایا گیا۔ فرزند رسول محمدؐ ابن علیؑ ہے۔

انہوں نے ایک جوان کو بھیجا کہ جا کر اس سے پوچھو۔ تمام گناہوں میں سے عظیم تر گناہ کون سا ہے!

اس جوان نے آکر امام باقرؑ سے پوچھا۔ کہ گناہوں میں سے بڑا گناہ کون سا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ شراب خوری۔

اس نے جا کر بتایا۔

تو انہوں نے کہا۔ پھر جا کر پوچھو۔ اس نے دوسری مرتبہ آکر پوچھا۔

آپ نے فرمایا۔ شراب خوری۔

اس نے آکر بتایا۔

انہوں نے کہا۔ پھر جا۔ اور پوچھ۔ جب وہ تیسری آیا۔ اور پوچھا۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹے! میں دو مرتبہ تجھے بتا چکا ہوں کہ شراب خوری گناہوں کی جڑ ہے۔

شراب خوری سے زنا پیدا ہوتا ہے۔

شراب خوری چوری کو جنم دیتی ہے۔

شراب خوری قتل پر آمادہ کرتی ہے۔

شراب خوری شرک پر مائل کرتی ہے۔

جس طرح مادر شراب انگور کی بیل پودے درخت پر چھا جاتی ہے۔ اسی طرح شراب تمام گناہوں کو جنم دیتی ہے۔

۲۔ دنیا میں اندھا آخرت میں بھی اندھا ہوگا:۔

احتجاج میں محمد ابن مسلم سے مروی ہے کہ ایک شخص امام باقرؑ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی ۔

من کان فی الدنیا اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ ۔ جو دنیا میں اندھا ہوگا۔ وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا۔

آپ نے فرمایا۔ آیت میں اندھے سے مراد بصارت کی عدم موجودگی نہیں بلکہ بصیرت کا نہ ہونا ہے۔ یعنی جو شخص تخلیق ارض و سما گردش لیل و نہار۔ اور ان جیسی دیگر تمام آیات الٰہیہ کو دیکھ کر اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں کون اندھا ہوگا۔

اور جو شخص یہاں ادراک توحید سے بے بہرہ اندھا ہوگا۔ ظاہر ہے وہ قیامت میں بھی اندھا ہی محشور ہوگا۔

۳۔ رویت باری :۔

احتجاج میں اسناد سے مروی ہے کہ ایک خارجی امام باقرؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

آپ کس کی عبادت کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ کی۔

اس نے کہا کیا آپ نے اللہ کو دیکھا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں چشم بصارت سے نہیں نگاہ بصیرت سے دیکھا ہے۔ چشم ایمان سے دیکھا ہے۔ اس کی معرفت کسی قیاس سے نہیں ہوتی حواس سے بالا ہے۔ مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔ اور تمام آیات الٰہیہ اس کی دلیل ہیں۔

وہ کبھی اپنے فیصلہ میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اور وہی لاشریک معبود ہے۔

وہ شخص یہ سنکر حیران ہوا اور کہنے لگا۔

واقعاً آپ لوگ ہی اس منصب کے اہل ہیں۔

۴۔ جناب حسنین آنحضورؐ کے صلبی فرزند ہیں:۔

روضۃ الکافی ابو الجارود سے مروی ہے کہ میں ایک دن امام باقرؑ کی خدمت میں آیا۔

آپ نے فرمایا۔ ابو الجارود وہ لوگ جناب حسنینؑ کے متعلق کیا کہتے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ وہ انہیں فرزند رسول تسلیم نہیں کرتے۔
آپ نے فرمایا۔ تم کیا جواب دیتے ہو؟
میں نے عرض کیا۔ ہم آیات قرآن میں حضرت عیسیٰ کا ذریت نوح سے ہونا اور آیۂ مباہلہ پیش کرتے ہیں۔
آپ نے فرمایا۔ اس کے جواب میں وہ کیا کہتے ہیں۔
میں نے عرض کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ بیٹی کی اولاد بعض اوقات اولاد کہی جاتی ہے۔ لیکن وہ صلبی اولاد نہیں ہوتی۔
آپ نے فرمایا۔
ابوالجارود! میں تجھے آج ایک ایسی آیت کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ اگر وہ اسے تسلیم کریں گے تو انہیں ماننا پڑے گا کہ جناب حسنینؑ آنحضورؐ کے صلبی فرزند ہیں۔ اور اگر وہ نہ مانیں گے تو انہیں آیت سے انکار کرنا پڑے گا۔ اور جو آیت سے انکار کریں گے تو کافر ہو جائیں گے۔
میں نے عرض کیا۔ قبلہ فرمایئے۔
آپ نے یہ آیت پڑھی۔ حرمت علیکم امھاتکم و بناتکم و اخواتکم سے وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم تک پڑھی اور فرمایا۔ ان سے پوچھو۔
آیت میں جن عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے ان میں صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح باپ کیلئے حرام فرمایا گیا ہے۔
اب بتاؤ کہ جناب حسنینؑ میں سے کسی کی بیوی سے آنحضورؐ نکاح کر سکتے ہیں؟
اگر وہ ہاں کریں گے تو کافر ہو جائیں گے اور اگر
نہ کریں گے تو انہیں ماننا ہوگا کہ جناب حسنینؑ آنحضورؐ کے صلبی بیٹے ہیں۔

۵۔ وفات جناب محمد حنفیہؒ :-

بحار میں مروی ہے کہ کیسانیہ میں سے ایک شخص نے امام باقرؑ کے ساتھ جناب محمد حنفیہ کی زندگی پر گفتگو کی۔
آپ نے فرمایا۔ تم لوگوں نے یہ کیا حماقت کر رکھی ہے۔
جناب محمد ہمارے گھر کے فرد تھے یا آپ کے گھر کے۔
اس نے کہا۔ آپ کے گھر کے۔
آپ نے فرمایا۔ پھر انہیں زیادہ معلوم ہونا چاہئیے یا آپ کو؟
اس نے کہا آپ کو۔
آپ نے فرمایا۔ مجھے میرے بابا نے بتایا تھا کہ میں محمد حنفیہ کے غسل، کفن، تجہیز اور نماز جنازہ اور تدفین تک

تمام احوال میں موجود رہا ہوں۔

اس نے کہا۔ آپ کے والد کو اسی طرح اشتباہ ہوا ہوگا جس طرح یہودیوں کو حضرت عیسیٰ کے سلسلہ میں اشتباہ ہوا تھا:

آپ نے فرمایا۔ کیا تو اپنے اسی استدلال کا ثالث مان لے گا۔

اس نے کہا۔ ہاں مان لوں گا۔

آپ نے فرمایا۔ اگر تیرے اسی استدلال سے تیری تردید ہو جائے تو پھر اپنے اس غلط عقیدہ کو چھوڑ دے گا

اس نے کہا۔ چھوڑ دوں گا۔

آپ نے فرمایا۔ جب یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ کے متعلق قتل کا اشتباہ کیا تو یہودی حضرت عیسیٰ کے دوست تھے یا دشمن!

اس نے کہا۔ دشمن تھے۔

آپ نے فرمایا۔ اب خود بتا کہ میرا والد محمد حنیفہ کا دوست تھا یا دشمن!

اس نے کہا۔ دوست۔

آپ نے فرمایا۔ اشتباہ میں دوستوں کو ڈالا جاتا ہے یا دشمنوں کو!

اس نے کہا۔ دشمنوں کو۔

آپ نے فرمایا۔ اب بتا کہ کیا ضرورت تھی کہ میرے والد جو محمد حنیفہ کے دوست تھے کو اشتباہ میں ڈالتا۔

اس نے اسی وقت اپنے عقیدہ سے توبہ کر لی۔

زید ابن حسنؑ اور امام باقرؑ:

جس طرح جناب عبداللہ ابن عباس کو آنحضرتؐ کے چچازاد ہونے کے ناطے حضرت علیؑ کے مقابلہ میں جناب اقتدار نے لانے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ وغیرہ میں جناب ابن عباس سے احادیث بکثرت ملتی ہیں۔ حالانکہ آنحضورؐ کی وفات کے وقت جناب ابن عباس کی عمر حد بلوغ تک بھی نہیں پہنچی تھی۔

لیکن جناب ابن عباس اس چیز کو جان گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے کبھی بھی حضرت علیؑ کے سامنے آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

بالکل اسی طرح جب سلسلہ امامت حضرت مظلوم کربلا میں چلا۔ اور واقعہ کربلا کے بعد اموی حکومت کی جڑیں ہل گئیں جو روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی گئی تو اموی حکمرانوں نے بھی ہر دور میں ائمہ اہلبیت کے سامنے کسی نہ کسی کو لانے کی

کوشش ترک نہ کی۔

یہ لوگ اولاد امام حسنؑ کو ہمیشہ اس بات پر اکساتے رہتے تھے کہ تم لوگ علیؑ کے بڑے بیٹے حسنؑ کی اولاد ہو امامت تمہارا حق تھی۔

جب کہ امام حسینؑ کی اولاد میں امامت چلی آرہی ہے۔ تم خاموش بیٹھے رہو۔

جناب سجادؑ کی زندگی تک ان لوگوں نے اولاد حضرت علیؑ کو سامنے کرنے کی کوشش کی۔ سرکاری پروپیگنڈہ بھی کیا جاتا تھا۔ شیعیان آل محمدؐ کو تقسیم کرنے کی خاطر حکومت خرچ بھی کرتی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ جو لوگ ہمیں نہیں مانتے چلو نہ مانیں خود بھی تو ایک سٹیج پر جمع نہ ہوں۔

اموی کوششوں نے مظلوم کربلا کے بعد پہلے تو جناب محمد حنیفہ کو سامنے لانے کی کوشش کی۔ لیکن جب ان کی طرف سے ناکام ہو گئے تو پھر شیعوں کو آگے بڑھا دیا۔ ہر دور میں اور ہر قوم میں ایسے سادہ لوح افراد مل جاتے ہیں۔ جو معمولی سی کوشش سے بدل اور بھٹک جاتے ہیں۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے جناب محمد کو از خود امام کہنا شروع کر دیا۔

بالآخر جناب محمدؒ نے جناب سجادؑ سے معذرت کی۔ جناب سجادؑ کے حالات میں سابقاً حجر اسود کا واقعہ گزر چکا ہے یوں جناب محمد کے خلوص اور ان کے تدبر نے اس اموی چال کو ناکام بنا دیا۔

البتہ جناب باقرؑ کے زمانہ میں اولاد امیر المومنینؑ چونکہ بڑھ رہی تھی۔ اور اولاد امام حسنؑ ہو گئی تھی۔ اس لیے اموی نمک خواروں نے سادات بنی فاطمہ اور شیعیان آل محمدؐ کو تقسیم کرنے کی خاطر اولاد امام حسنؑ کو آگے کیا۔ زیادہ تو کامیاب نہ ہو سکے۔

لیکن کچھ نہ کچھ کامیابی ہو گئی۔

اور زید ابن حسنؒ اموی ہتھکنڈوں کے جال میں پھنس گئے۔

زید نے امام باقرؑ سے اس بات پر نزاع شروع کر دی کہ۔ ہمارا بھی میراث رسولؐ میں حصہ ہے۔ لہٰذا تبرکات انبیاء میں سے بالعموم اور تبرکات نبی اکرمؐ سے بالخصوص ہمیں نصف حصہ دو۔

زید نے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ امام باقرؑ نے اپنے بھائی زید کو اپنی طرف سے نمائندہ بنا کر عدالت میں بھیجا۔

دوران گفتگو زید ابن حسنؒ نے جناب زید ابن علیؑ سے کہا۔

آپ سندھی ماں کے بیٹے ہیں۔

چونکہ جناب زید ابن علیؑ کی والدہ سندھ سے تھیں۔ اس لیے زید ابن حسنؒ نے اس مناسبت سے کہا تھا۔

جناب زید ابن علیؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔

صرف اتنا کہا۔ کہ آپ میرے محترم اور بزرگ ہیں۔ آپ نے بلا وجہ میری ماں کا نام لیا ہے۔ جس کا تعلق ہمارے اس

خلاف سے نہیں تھا۔ اس لیے میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ سے اس مسئلہ میں کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر واپس چلے آئے اور امام باقرؑ کو سب کچھ بتایا۔
اس کے بعد امام باقرؑ خود حاضر عدالت ہوئے۔
اور آپ نے زید ابن حسن سے فرمایا۔
آپ نے اپنی بغل میں جو چھری چھپا رکھی ہے۔ اگر وہ میرے برحق ہونے کی شہادت دے دے تو تو مان جائے گا۔
آپ نے فرمایا زید نے کہا ہاں مان جاؤں گا۔

ایتھا السکینۃ باللہ علیک انطقی۔ اے چھری تجھے اللہ کی قسم! بول۔

زید کی بغل سے چھری زمین پر گری۔ اور اس نے توحید رسالت اور ولایت کی شہادت دینے کے بعد کہا۔

یا زید انت ظالم و محمد ابن علی احق منک بمیراث رسول اللہ۔ اے زید تو ظالم ہے اور میراث رسولؐ کی نسبت سے محمد ابن علی تجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا۔ جس پتھر پر ہم دونوں کھڑے ہیں۔ اگر یہ پتھر میرے حقدار ہونے کی گواہی دے دے تو تم مان جاؤ گے۔
زید نے کہا۔ ہاں جاؤں گا۔
آپ نے پتھر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

ایھا الحجر باللہ علیک انطق وقل ما تعلم۔ اے پتھر تجھے اللہ کی قسم بول اور جو تو جانتا ہے۔ وہ بتا دے۔

پتھر زید کے قدموں میں لرزا، شہادت توحید۔ شہادت رسالت اور شہادت ولایت دینے کے بعد کہا۔

یا زید انت ظالم و محمد ابن علی احق منک فی ما تطلب۔ اے زید آپ ظالم ہیں اور محمد ابن علی اس چیز کے زیادہ حقدار ہیں جس کا تو ان سے مطالبہ کر رہا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا۔ اچھا جو سامنے یہ درخت کھڑا ہے اگر یہ میرے حق میں شہادت دے دے تو تو مان جائے گا۔
زید نے کہا۔ ہاں مان لوں گا۔
آپ نے درخت کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

ایتھا الشجرۃ باللہ علیک انطقی وقولی ما تعلمین۔ اے درخت تجھے اللہ کا واسطہ بول اور جو جانتا ہے بیان کر۔

درخت نے اپنی جگہ چھوڑی امام باقرؑ کے قریب آیا، توحید، رسالت اور ولایت کی شہادت دے کر بولا۔

یا زید انت ظالم والحق مع محمد ابن علیؑ۔ اے زید آپ ظالم ہیں حق محمد ابن علیؑ کے ساتھ ہے۔

ان تین معجزاتی شہادتوں کے بعد زید کے پاس تنازع کا کوئی جواز نہ رہا تھا۔ فیصلہ ہو گیا۔ عدالت سے باہر آ گئے۔

زید وہاں سے سیدھا ہشام کے پاس گیا۔ وہاں سے کہا۔

حد ہو گئی ہے تمہاری مملکت میں جادوگر بستے ہیں اور تم نے کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں دی۔

ہشام نے کہا۔ کون جادوگر ہے۔

زید نے امام باقرؑ کے متعلق سب کچھ سنا کر کہا۔ مجھے شبہ ہے کہ کہیں محمدؑ آپ کی حکومت کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔

یہ وہ نازک جملہ تھا جس سے ہر حکمران پریشان اٹھتا ہے۔ ہشام کیسے پرسکون رہ سکتا تھا۔

ہشام نے کہا۔ دیکھو زید۔ ہم پہلے ہی کربلا کے واقعہ سے کافی بدنام ہو چکے ہیں۔ میں تو محمدؑ کو قتل نہیں کروں گا۔

اگر میں اسے گرفتار کر کے یہاں بلواؤں تو تو قتل کرے گا۔

زید نے کہا جب تو حکمران ہو کر قتل نہیں کر سکتا تو پھر میں کیسے قتل کر سکتا ہوں۔ ویسے اگر تو قتل نہیں کر سکتا تو کم از کم اسے نظر بند تو کر سکتا ہے۔ تاکہ تیری حکومت کسی متوقع خطرہ سے محفوظ رہ جائے۔

ہشام نے کہا تیرا یہ مشورہ مناسب ہے۔

چنانچہ ہشام نے اپنے گورنر مدینہ کو احکامات جاری کر دیئے۔

جواب میں والی مدینہ نے لکھا۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہم آپ کے بندے ہیں۔ جیسے حکم ہو گا پابندی کریں گے اور تعمیل میں کوتاہی نہیں ہو گی۔ محمد ابن علیؑ سے میں مطمئن ہوں وہ کہیں نہیں جائے گا مدینہ ہی میں ہے اور میری نظروں میں ہے۔ چونکہ ہم آپ کے نمک خوار ہیں اس لیے ہمارا فرض ہے کہ آپ کو ہر بات سے آگاہ کر دیا جائے۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں آپ کے پاس زید ابن حسنؑ پہنچ گیا ہے۔ اور آپ اسی کو استعمال کر رہے ہیں۔

زید ابن حسن کا مدینہ میں نہ اپنوں میں کوئی مقام ہے نہ بیگانوں میں۔ وہ احساس کمتری کا شکار ہے۔ اس کا خیال یہ ہے کہ اگر محمد ابن علیؑ سامنے سے ہٹ جائے تو شاید شیعیان آل محمد اس کے قدموں میں گر جائیں گے۔

لیکن آپ کو معلوم ہے کہ شیعیان آل محمدؑ کتنے سخت جان ہیں۔ اموی حکومت کی کتنی سختیاں جھیل رہے ہیں

مگر یہاں پر وہ اموی حکومت کے سامنے آج تک نہیں جھکے۔ دولت اور تشدد کو وہ خاطر میں ہی نہیں لاتے محمد ابن علیؑ کے پاس وہ سب کچھ ہے جو اس قسم کے افراد کو مطلوب ہوتا ہے۔ محمد ابن علیؑ اس وقت میرے خیال کے مطابق روئے زمین پر سب سے زیادہ زاہد، متقی، پرہیزگار، عابد، رات مصلیٰ پر گزارنے والا۔ اور دن روزہ سے بتانے والا واحد وہ فرد ہے جس کے پاس دولت علم کے علاوہ علم رسول بھی ہے۔ اور یہی علم و عمل ہی ہے جو شیعیان آل محمدؐ کو اس کی طرف کھینچتا ہے۔ اور جس کے مقابلے میں شیعیان آل محمدؐ اموی تشدد برداشت کر لیتے ہیں۔ اس سے حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میرے جاسوس ہر وقت اس کی محفل میں موجود رہتے ہیں۔ مجھے پل پل کی خبر ہوتی ہے۔

آپ زید ابن حسن کو بھجوا دیں کہ اگر محمد ابن علیؑ نظر بند بھی ہو جائے تو بھی شیعیان آل محمد اس کے پاس نہیں آئیں گے۔

کیونکہ زید علم و عمل ہر دو سے تہی داماں ہے۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ اموی حکومت جیسے کربلا اور کربلا کے بعد آل محمدؐ سے تصادم نے کمزور سے کمزور تر کر دیا ہے ہمارے اس اقدام سے اور کمزور ہو جائے۔

ویسے جو حکم عمل ہو گا۔

میں جواب کے انتظار میں ہوں۔

جب عبدالملک کو خط ملا تو اس نے زید کو بلایا۔

زید نے خط پڑھ کر کہا۔

آپ کے والی مدینہ کی باتیں سب درست ہیں۔ ویسے محمد کے پاس آنحضورؐ کا اسلحہ، تلوار، زرہ، انگوٹھی، عصا اور دوسرے تبرکات ہیں۔ اگر آپ کو مل جائیں تو کتنی خوش نصیبی ہو گی۔

اگر محمد دینے سے انکار کرے تو اس سے آپ کے لیے اسے راستہ سے ہٹانے کا موقع بھی مل جائے گا۔

عبدالملک نے کہا۔ یہ بات درست ہے۔

عبدالملک نے اپنے والی کو خط لکھا۔ کہ محمد ابن علیؑ کو ایک لاکھ درہم دے دو اور اسے کہو کہ نبوی تبرکات آپ کے حوالے کر دے آپ وہ تمام چیزیں لے کے بھجوا دیں۔

والی مدینہ خط لے کر امام باقرؑ کے گھر آیا۔

اور آپ کو وہ خط دکھایا۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے چند دن کی مہلت دے۔

والی مدینہ نے مہلت دی ۔

امام باقرؑ نے چند دن بعد سامان تیار کر کے والی مدینہ کو دے دیا۔

والی مدینہ نے شام بھجوا دیا

عبدالملک نے زید کو بلا کر دکھایا ۔

زید نے کہا ان میں سے کوئی چیز بھی نبوی تبرکات سے نہیں ہے ۔

عبدالملک نے والی مدینہ کو خط لکھا ۔

والی مدینہ وہ خط لے کر آپ کے پاس آیا ۔

آپ نے فرمایا عبدالملک سے کہہ دے میرے پاس اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے ۔ خواہ قبول کریں یا نہ کریں ۔

والی مدینہ کا خط ملنے کے بعد عبدالملک نے زید کو گرفتار کر کے مدینہ بھجوا دیا ۔ اور امام باقرؑ کو لکھا ۔ کہ آپ کا آدمی آپ کے پاس آرہا ہے ۔

اسے کچھ سکھائیں ۔

ساتھ ہی عبدالملک نے والی مدینہ کو زہر آلود زین بھجوائی ۔ کہ امام باقرؑ کو کسی طریقہ سے اس پر بھی سوار کرائیں ۔

والی مدینہ ابراہیم ابن ولید نے وہ زین گھوڑے پر کسائی ۔ آپ کو دعوت دی ۔ آپ اس پر سوار ہوئے زہر نے جسم پر اثر کیا ۔ مگر اگر جب اترے تو صاحب فراش ہو گئے ۔ تین دن تک صاحب فراش رہے ۔ اور اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے ۔

آپ نے دم آخر وصیت فرمائی ۔

جعفرؑ بیٹے میں اپنی فلاں املاک دس برس کے لیے وقف کر رہا ہوں ۔ اس کی جو آمدنی ہو گی عورتوں پر خرچ کرتے رہنا ۔ جو میرے بعد دس برس تک منیٰ میں میرے لیے عزاداری کریں ۔

امام محمد باقرؑ کی اولاد

ارشاد شیخ مفید کے مطابق آپ کے پانچ فرزند اور دو بیٹیاں تھیں ۔

۱۔ امام جعفر صادقؑ
۲۔ عبداللہ افطح
} ان دونوں کی والدہ جناب ام فروہ بنت قاسم ابن محمد ابن ابوبکر تھیں۔ اس مخدرہ کا نام فاطمہ تھا۔

۳۔ عبداللہ اصغر
۴۔ ابراہیم
} یہ دونوں ام حکیم سے تھے

۵۔ علی
۶۔ ام سلمہ
۷۔ زینب
} ان کی والدہ کا نام مورخین کو نہیں مل سکا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام

تاریخ ولادت :- ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ بروز سوموار

شہادت :- ۲۵ شوال ۱۴۸ھ

مدفن :- جنت البقیع

امام زین العابدین اور امام محمد باقرؑ کے ساتھ ۱۲ برس گزارے۔ یعنی امام زین العابدین کی شہادت کے وقت آپ کی عمر بارہ برس تھی۔

دادا امام زین العابدین کے بعد۔ والد محترم امام باقرؑ کے زیر سایہ ۱۹ برس گزارے۔ یعنی امام محمد باقرؑ کی شہادت کے وقت آپ کا سن مبارک ۳۱ برس تھا۔

والد محترم امام محمد باقرؑ کے بعد اپنا زمانہ امامت ۳۴ برس نصیب ہوا۔

عمر شریف :- ۶۵ برس

آپ کے زمانہ میں حکمران :-

۱۔ ہشام ابن عبدالملک کا آخری زمانہ۔
۲۔ یزید ابن عبدالملک ابن مروان۔
۳۔ ولید ابن یزید ابن عبدالملک ابن مروان
۴۔ ابراہیم ابن ولید ابن یزید ابن عبدالملک ابن مروان
۵۔ مروان حمار ابن محمد

(۱ تا ۵) یہ اموی حکمران تھے۔

۶۔ ابوالعباس سفاح۔
۷۔ ابوجعفر منصور۔

(۶، ۷) یہ دونوں عباسی حکمران تھے۔ منصور ہی نے آپ کو زہر دیا تھا جس سے شہادت ہوئی۔

اصول کافی میں امام صادق سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میرے بابا نے میری والدہ سے فرمایا۔

یا ام فروہ انی لادعو اللہ لمذنبی شیعتنا فی الیوم و اللیلۃ الف مرۃ لانا نحن فیما ینوبنا من الرزایا نصبر علی ما نعلم من الثواب و ھم یصبرون علی ما لا یعلمون۔

اے ام فروہ! میں شب و روز میں اپنے گناہ گار شیعوں کے لیے ایک ہزار مرتبہ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ انہیں بخش دے۔ کیونکہ ہم مصائب پر صبر کرتے ہیں تو ہمیں اپنے صبر کا اجر معلوم ہوتا ہے لیکن ہمارے شیعہ جب ہماری محبت میں مصائب پر صبر کرتے ہیں تو انہیں نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا اجر کیا ہے۔

اصول کافی میں جمیل ابن دراج سے روایت ہے۔ ہمارے متعدد علماء نے اسے روایت کیا ہے۔ کہ امام صادق نے فرمایا ہے۔

لا تتکلموا فی الامام فان الامام یسمع الکلام و ھو فی بطن امہ فاذا وضعتہ کتب الملک بین عینیہ و تمت کلمۃ ربک صدقا و عدلا لا مبدل لکلماتہ و ھو السمیع العلیم فاذا قام بالامر رفع لہ فی کل بلاد منار ینظر منہ الی اعمال العباد۔

امام کے متعلق کوئی بات نہ کیا کرو۔ امام شکم مادر میں بات سنتا ہے جب اس دنیا میں آتا ہے تو ملک اس کی دونوں آنکھوں کے مابین عبارت لکھتا ہے۔ ایک کا رب صداقت و عدالت سے مکمل ہو گیا ہے کلمات خدا کو کوئی بھی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اللہ سمیع و علیم ہے۔ جب امام منصب امامت پر فائز ہوتا ہے۔ تو اللہ کی جانب سے ہر شہر میں اس کے لیے ایک مینار نصب کر دیا جاتا ہے جس سے وہ تمام لوگوں کے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔

اصول کافی میں زرارہ سے مروی ہے کہ امام باقرؑ نے فرمایا ہے۔

للامام عشر علامات یولد مطھرا و اذا وقع علی الارض وقع علی راحتہ رافعا صوتہ بالشھادتین، لا یجنب۔ تنام عینہ ولا ینام قلبہ۔ لا یتثاءب۔ ولا یتمطی و یری من خلفہ کما یری من قدامہ نجوہ کرائحۃ المسک۔ اذا لبس درع رسول اللہ کانت علیہ وفقا و اذا لبس غیرہ من الناس طویلھم و قصیرھم زادت علیہ شبرا۔ و ھو محدث الی ان تنقضی ایامہ۔

امام میں دس علامات ہوتی ہیں۔ ۱۔ ولادت پاک ہوتی ہے جب زمین پر آتا ہے تو ہتھیلیوں کے بل ہو کر باواز بلند شہادتین پڑھتا ہے۔ امام کو احتلام نہیں ہوتا۔ امام کی آنکھ سوتی ہے اور دل جاگتا ہے۔ امام جمائی نہیں لیتا۔ انگڑائی نہیں لیتا۔ جس طرح آگے دیکھتا ہے اسی طرح پشت پیچھے سے بھی دیکھتا ہے امام سے کستوری کی مانند خوشبو مہکتی ہے۔ اگر زرہ رسول پہن لے تو اسے فٹ آتی ہے۔ اگر غیر امام زرہ رسول پہن لے خواہ دراز قد ہو یا کوتاہ قد ایک بالشت بڑھ جاتی ہے۔ ولادت سے لے کر موت تک ملہم ہوتا ہے

آپ کے اسمائے گرامی :۔

نام :۔ جعفر

کنیت :۔ ابو عبداللہ

ابو اسماعیل

ابو القاسم

ابو موسیٰ

القاب :۔

صادق

طاہر

قائم

کامل

منجی

صابر

فاضل

بحار میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ امام صادقؑ نے خریس کنانی سے پوچھا۔

آپ کے والد نے آپ کا نام خریس کیوں رکھا ہے ۔

خریس نے کہا۔ یہ سوال میں بھی آپ سے کر سکتا ہوں کہ آپ کے والد نے آپ کا نام جعفر کیوں رکھا ہے ۔

آپ نے فرمایا۔ میں تجھے بتاتا ہوں۔ تیرا والد جاہل تھا۔ اسے علم نہیں تھا۔ کہ خریس ابلیس کے ناموں میں سے ایک ہے ۔

میرا والد عالم تھا۔ اسے معلوم تھا کہ جعفر جنت میں ایک نہر کا نام ہے ۔ تیرے والد نے تیرا نام خریس رکھ کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے ۔ اور میرے والد نے میرا نام جعفر رکھ کے اپنے علم کا ثبوت دیا ہے ۔

نقش انگشتر :۔

فروع کافی کے مطابق آپ کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا۔ ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ ۔

نص امامت :۔

اصول کافی میں ابو ابراہیم کنانی سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام باقرؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ امام صادقؑ چلتے ہوئے آئے۔ آپ نے فرمایا

ابو ابراہیم یہ میرا بیٹا ان افراد سے ہے جن سے اللہ نے وارث کتاب ہونے کا اور امام بنانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

اصول کافی میں ہشام ابن سالم نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ دم آخر میرے پدر بزرگوار نے مجھے وصیت فرمائی تھی۔

یا جعفر اوصیك باصحابی خیرا۔	اے جعفر میرے شیعوں کا خیال رکھنا
قلت جعلت فداك والله لا ادعنهم والرجل یکون منهم فی المصر۔	میں نے عرض کی۔ میں قربان جاؤں۔ بخدا میں ان کو ان کے گھروں میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔

جابر ابن یزید جعفی نے عرض کی۔ آپ کے بعد قائم بالامر کون ہوگا۔

آپ نے امام صادقؑ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔

یہ قائم بالامر ہوگا۔

اصول کافی میں عبد الاعلی سے مروی ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا ہے جب میرے والد کا وقت وفات قریب آیا تو انہوں نے مجھے فرمایا۔

جعفر! چند گواہ بلا کے لا۔

میں نے قریش سے چار افراد بلائے

ان میں عبد اللہ ابن عمر ابن خطاب کا غلام نافع بھی تھا۔

آپ نے فرمایا۔ میری وصیت لکھ لے۔

میں وہی وصیت کرتا ہوں جو جناب یعقوب نے اپنے بیٹوں کو کی تھی۔ اسلام کی حالت میں جان دینا۔

پھر فرمایا۔ محمد ابن علیؑ اپنے بیٹے جعفر کو وصیت کرتا ہے کہ

مجھے اسی چادر میں کفن دینا جس میں میں نماز پڑھتا رہا ہوں۔

مجھے عمامہ بھی باندھنا۔

میرے مزار کو مستطیل بنانا

میرے مزار کی بلندی چار انگل رکھنا۔

کفن کی گرہیں قبر میں اتارنے کے بعد کھول دینا ۔

یہ وصیت لکھنے کے بعد آپ نے گواہوں کو جانے کی اجازت دے دی ۔ جب وہ باہر چلے گئے ۔ تو میں نے عرض کیا ۔

قبلہ! یہ ایسے تو نہ تھے جن کے لیے گواہوں کی ضرورت محسوس ہوتی!

آپ نے فرمایا - بیٹے! میں نے گواہ صرف اس لیے بلائے تھے تاکہ کل یہ لوگ کسی اور کو عہدہ امامت پر تیرے مقابلہ میں لا کھڑا نہ کریں ۔

بحار میں محمد ابن مسلم سے مروی ہے کہ میں امام باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اتنے میں امام صادقؑ بھی آ گئے کمسن تھے ۔

سر پہ چٹیا تھی ۔ امام باقرؑ نے فرمایا ۔

اے محمد یہ ہے تیرا امام جسے نبی اکرمؐ نے صادق فرمایا ہے ۔ اس کے شیعہ دنیا اور آخرت میں منصور ہوں گے ۔ اور اس کے دشمن دنیا و آخرت میں ملعون ہوں گے ۔ میرے بعد اس کی اقتدا کرنا ۔ جو پوچھنا ہو اس سے پوچھ لے ۔

یہ سنکر امام صادقؑ مسکرا دیئے ۔

میں نے عرض کیا ۔ قبلہ یہ ہنسنا کہاں سے آتا ہے ۔

آپ نے فرمایا ۔ اے فرزند مسلم ۔ عقل دل میں ہے ۔ غم جگر میں ہوتا ہے ۔ سانس پھیپھڑے سے پیدا ہوتی ہے اور ہنسنا تلی سے برآمد ہوتا ہے ۔

میں کمسنی کے اس جواب پہ اتنا متحیر ہوا کہ بے ساختہ اٹھ کر امام صادقؑ کا سر چوم لیا ۔

امام مالک اور امام جعفر صادقؑ ۔

شیخ صدوق نے خصال میں محمد ابن زیاد ازدی سے روایت کی ہے کہ میں نے مالک ابن انس فقیہ اہل مدینہ سے سنا ہے وہ کہہ رہا تھا ۔

میں جب کبھی جعفر صادقؑ کے پاس گیا ۔ وہ مجھے تکیہ دیتے تھے ۔ میرا کافی احترام کرتے تھے ۔ اور مجھے کہتے تھے مالک مجھے تجھ سے محبت ہے ۔

یہ سنکر میں بہت خوش ہو جاتا تھا ۔ اور اللہ کی حمد کرتا تھا ۔

میں نے ہمیشہ انہیں تین میں سے ایک حالت میں دیکھا ہے ۔ یا وہ کھڑے ہوئے مصروف عبادت ہوتے یا بحالت روزہ ہوتے ۔ اور یا ذکر خدا میں مصروف ہوتے ۔

جعفر صادقؑ اپنے وقت کے عظیم ترین زاہدوں اور علماء سے تھے جو ہر وقت خوف خدا سے لرزتے رہتے تھے سب شمار احادیث نبویہ کے حامل تھے ان کی محفل میں بیٹھنے والا ہر شخص اپنی فکر کے مطابق کوئی نہ کوئی فائدہ لیکر ہی اٹھتا تھا۔

جب کبھی وہ قال رسول اللہ کہتے تھے۔ ان کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگتے تھے۔

روضۃ الکافی میں حفص ابن غیاث سے مروی ہے اس نے کہا میں نے امام صادقؑ کو کوفہ کے باغوں میں کچھ تلاش کرتے ہوئے دیکھا۔ بالآخر آپ ایک کھجور کے قریب رکے، وہاں کھڑے ہو کر انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ بعد میں سجدہ میں گئے میں نے پانچ سو تسبیح گنی، جب سجدہ سے سر اٹھایا تو کھجور کا سہارا لگا کر فرمایا۔

اے حفص یہی وہ کھجور ہے کہ جس کے متعلق اللہ نے جناب مریم سے فرمایا تھا۔

کھجور کے تنے کو ہلا تجھے تر و تازہ پھل دے گی۔

فروغ کافی میں ابان ابن تغلب سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کے ہاں گیا۔ ظہر کا وقت تھا۔ آپ امامت جماعت کرا رہے تھے۔ میں نے رکوع اور سجود میں گنا انہوں نے ۶۰ مرتبہ سبحان ربی العظیم وبحمدہ اور سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ پڑھا۔

خرائج میں منصور ابن بجیل سے مروی ہے کہ ایک سال میں حج سے فارغ ہو کر مدینہ آیا۔ روضہ رسولؐ پر گیا زیارت کی جب واپس آنے لگا تو دیکھا مزار رسولؐ کے قریب امام جعفر صادقؑ سجدہ میں تھے۔ انہیں دیکھ کر میں بیٹھ گیا۔ جب ان کا سجدہ طویل ہو گیا، تو میں نے تسبیح پڑھنا شروع کی۔ میں نے ۴۰۰ مرتبہ سبحان اللہ کہا تو آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ اور اپنے گھر کی طرف چلے گئے۔ میں بھی ہو لیا

دل میں سوچنے لگا کہ اگر آپ نے مجھے کچھ پوچھنے کی اجازت دی تو عرض کروں گا۔

قبلہ اگر آپ اتنا طویل سجدہ دیں تو ہمیں کیا حکم ہے۔

آپ اندر تشریف لے گئے۔

میں دروازہ پر کھڑا تھا۔ آپ کا خادم مصادف دروازہ پر آیا۔ اور کہا کہ اندر آجائیں۔ میں اندر گیا تو آپ اپنی مسند پر تشریف فرما تھے۔

مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ اے منصور تمہیں اختیار ہے کم پڑھو یا زیادہ۔ لیکن یہ یقین رکھو بارگاہ خالق میں قبول صرف تمہارا ہی عمل ہو گا۔

مطالب السئول میں سفیان ثوری سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کے پاس گیا۔ دیکھا تو آپ نے خز خالص کا جبہ پہن رکھا تھا۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور حیرت کے مارے میری نگاہ آپ کے جبے سے اٹھنے کا نام نہ لے رہی تھی۔

آپ نے فرمایا۔ ثوری کی بات ہے اس لباس پر جسے جبہ کو دیکھ رہا ہے۔

میں نے کہا۔ حضور! میں آپ کے جبہ میں کھو گیا ہوں۔ کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ نہ تو یہ آپ کا لباس ہے اور نہ ہی آپ کے آباؤ اجداد کا لباس ہے۔

آپ نے فرمایا۔ سفیان بھلا اس وقت کیا تھا۔ غربت اور ناداری کا زمانہ تھا۔ اول تو مزدوری ملتی نہ تھی۔ اگر ملتی بھی تھی تو اس قدر کہ اس سے تن ڈھانپا جا سکتا تھا۔ اور نہ پیٹ بھر کھانا میسر آ سکتا تھا۔

آج اللہ کا فضل ہے امت مسلمہ کے پاس مال اور اسباب آ رہے ہیں۔ اگر آج ملتا ہے تو نعمت خدا سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھا لیا جائے تو کیا حرج ہے۔ اگر آج صحابہ کرام اور نبی کریمؐ ہوتے تو یقیناً وہ بھی اللہ کی اس نعمت سے مستفید ہوتے۔

پھر آپ نے خز خالص کا جبہ ایک طرف کر کے مجھے فرمایا۔ یہ بھی دیکھ لے۔ میں نے دیکھا تو سخت اون کا لباس تھا۔ جو جبہ کے نیچے تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ثوری! یہ لباس اس کے لیے ہے اور یہ خز خالص آپ لوگوں کے لیے ہے۔ ہمارا اصل لباس یہی ہے جو میں نے نیچے پہن رکھا ہے جو اللہ کیلئے ہے اسے چھپا رکھا ہے اور جو آپ لوگوں کے لیے اسے ظاہر کر رکھا ہے۔ اب ذرا اپنا لباس بھی دیکھ تو نے جو اپنے لیے پہن رکھا ہے اسے چھپایا ہوا ہے اور جو لوگوں کے لیے ہے اسے ظاہر کر رکھا ہے۔

خرائج میں معاویہ ابن وہب سے مروی ہے کہ ایک دن آپ بازار مدینہ میں سوار ہو کر گزر رہے تھے۔ اچانک سواری سے اتر کر سجدہ ریز ہو گئے۔

میں نے عرض کی۔ قبلہ! سجدہ کا یہ کونسا مقام تھا۔

آپ نے فرمایا۔ معاویہ۔ نعمات خدا کیلئے جہاں اور جب بھی سجدہ کر لیا جائے وہ اس کا مقام ہوتا ہے۔

میں نے عرض کی۔ قبلہ! یہ بازار ہے اور لوگوں کی آمد و رفت ہے؟

آپ نے فرمایا۔ کسی سے جا کر پوچھ لے۔ تیرے سوا مجھے کسی نے بھی دیکھا ہے۔

رجال کشی میں حماد ابن زید شحام سے مروی ہے کہ امام صادقؑ نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ گھر جا کر غلام بھیجا وہ مجھے بلا کر آپ کی خدمت میں لے گیا۔

آپ نے پوچھا۔ کہاں سے آیا ہے۔

میں نے عرض کی۔ قبلہ! آپ کے موالیوں کا کوئی وطن رہ گیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ پھر بھی آیا کہاں سے ہے۔

میں نے عرض کی۔ کوفہ سے

آپ نے فرمایا۔ کوفہ کے کس شخص سے متعارف ہے؟

میں نے عرض کیا۔ بخیر ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تجھ سے کیسے سلوک کرتا ہے!

میں نے عرض کیا۔ کوئی اچھا سلوک نہیں کرتا۔

آپ نے فرمایا۔ بہترین مسلمان وہ ہے جو صلہ رحمی کرے۔ جو دوسرے مسلمان کی مدد کرے اور کسی کو بھی فائدہ پہنچائے۔

میں نے کبھی ایسی رات آرام سے نہیں گزاری جس میں مجھ سے کوئی حاجت مند آیا ہو۔

بھلا تیرے پاس کتنی رقم ہے۔

میں نے عرض کیا غریب آدمی ہوں صرف دو سو درہم ہے۔

آپ نے فرمایا مجھے دکھا۔

میں نے کھول کر سامنے رکھ دیئے۔

آپ نے تیس درہم اور دو دینار اپنی طرف سے اضافہ فرمایا۔ اور ان کے کھانے کی دعوت دی۔

دوسرے سال جب میں آیا تو آپ کے پاس نہ گیا۔

آپ نے غلام بھیجا۔ جب میں حاضر ہوا تو فرمایا۔

تو نے زیادتی کی ہے آیا کیوں نہیں۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کا غلام نہیں آیا تھا اس لیے حاضر نہیں ہوا۔

آپ نے فرمایا۔ جب تک تو اس شہر میں مقیم ہے اس وقت تک تو مجھے ہی غلام جانے اور میں دروازے کے لیے تجھے جا رہا ہوں۔ تجھے جس چیز کی ضرورت ہو مانگ لیا کر۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! ضرورت نہیں ہے کوئی دعا تعلیم فرمایئے۔

آپ نے فرمایا۔ لکھو۔ آپ نے یہ دعا لکھوائی۔

بسم الله الرحمن الرحيم يا من ارجوه لكل خير ، وآمن سخطه عند كل شر يا من يعطي الكثير بالقليل يا من اعطى من سأله تحننا منه ورحمة يا من يعطي من لم يسأله ولم يعرفه صل على محمد واهل بيته واعطني بمسألتي اياك خير الدنيا وجميع خير الآخرة فانه غير منقوص ما اعطيت وزدني من سعة فضلك يا كريم ۔

روضۃ الکافی میں عبدالحمید سے مروی ہے کہ میں مسجد الحرام میں داخل ہوا۔ وہاں مجھے امام صادقؑ کا غلام بھی نظر آگیا۔

میں اس کے قریب گیا۔ تاکہ اس سے امام کے متعلق پوچھوں۔ جب قریب گیا دیکھا تو آپ سجدہ میں تھے۔

پہلے تو میں نے کافی دیر انتظار کیا، پھر میں نے نوافل پڑھنا شروع کر دیا۔ کئی نوافل پڑھ چکنے کے بعد بھی دیکھا تو آپ سجدہ میں تھے۔

میں نے غلام سے پوچھا۔

آپ کس وقت سے سجدہ میں ہیں۔

اس نے کہا، آپ کے آنے سے بس تھوڑی سی دیر پہلے سجدہ میں گئے تھے۔

میری آواز سنکر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ اور فرمایا، عبدالحمید میرے قریب آ۔ میں قریب ہوا۔ سلام عرض کیا۔

اتنے میں کچھ آوازیں آنے لگیں۔

فرمایا، یہ کیسی آوازیں ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ قدریہ، مرجئہ اور معتزلہ آپس میں مناظرہ کر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا، آ مسجد سے باہر چلیں۔

جونہی مسجد سے باہر نکلے ان لوگوں کی نظر آپ پر پڑ گئی۔ وہ سب کے سب آپ کی طرف دوڑے۔ آپ نے فرمایا مجھے تنگ نہ کرو۔ میں اس وقت تمہارے کسی بھی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ جو کچھ کر رہے ہو کرتے رہو۔ مجھے معاف رکھو۔

ہم باہر آ گئے۔

آپ نے فرمایا، عبدالحمید، یاد رکھو یہ لوگ جو کچھ بھی کرتے رہیں، جتنے سجدے دیتے رہیں اور عبادت کرتے رہیں ان کی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی۔ بھلا ابلیس اگر تا قیامت بھی سجدہ میں پڑا رہے، کیا اللہ اس کا سجدہ قبول کرے گا۔

میں نے عرض کیا نہیں۔

آپ نے فرمایا، صرف اس لیے کہ اس نے سجدہ آدم سے انکار کر دیا ہے۔ جب تک وہ اسی طرح سے جس طرح اللہ نے فرمایا ہے۔

سجدہ آدم نہ کرے اس وقت تک اس کا سجدہ قبول نہیں ہوگا اسی طرح یہ لوگ خواہ کتنی بھی عبادت کر لیں جب تک اس طرح عبادت نہ کریں جس طرح اللہ نے فرمایا ہے ان کی ایک عبادت بھی قبول نہیں ہوگی۔ اللہ نے امام حق اللہ سے لینے کا پابند کیا ہے۔ ان لوگوں نے امام خود بنا ڈالے ہیں۔ جب تک طریقہ عبادت امام حق سے نہ لیا جائے۔ اور اللہ کی مرضی پوری نہ کی جائے بھلا اللہ کیسے کسی عمل کو قبول کرے گا۔

آپ کا حلم اور عفو!

بحار میں مروی ہے کہ ایک حاجی مدینہ میں آیا اور مسجد نبوی میں سو رہا تھا۔ جب بیدار ہوا تو اس نے اپنا سامان سنبھالا اسے اشتباہ ہو گیا کہ میری ہمیانی چوری ہو گئی ہے۔ وہ باہر دوڑا دیکھا تو امام صادقؑ جا رہے تھے وہ آپ کو پہچانتا نہیں تھا۔

آپ کے دامن میں چمٹ گیا۔ اور کہنے لگا۔

آپ نے میری ہمیانی چرائی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ چرائی ہے یا نہیں چرائی اس بات کو رہنے دے تو بتا اس میں تیری کتنی رقم تھی۔

اس نے کہا ہزار دینار۔

آپ نے فرمایا۔ میرے ساتھ۔ آپ اسے گھر لائے۔ اسے بٹھایا۔ پانی پلایا۔ اور غلام سے فرمایا۔ اسے ایک ہزار دینار دے دے۔

جب وہ واپس آیا اور اس نے دوبارہ سامان چیک کیا تو اسے اپنی ہمیانی مل گئی۔ وہ شرمندہ ہو کر واپس آیا اور آپ کی خدمت میں ہزار دینار واپس کیے اور معذرت کی۔

آپ نے فرمایا۔ جو ہم دیتے ہیں واپس نہیں لیتے۔

اس نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے!

جب اسے بتایا گیا۔ فرزند رسول صادق آل محمدؑ تو اور شرمسار ہوا اور کہنے لگا۔ ان کا حق بھی یہی ہے جو انہوں نے کیا ہے۔

بحار میں سید حبشی سے مروی ہے کہ میں مکہ میں حج کو آیا۔ انتہائی تنگ دست تھا۔ میں امام صادقؑ کی خدمت میں آیا۔

اپنا حال بیان کیا۔ وہ خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد وہاں سے اٹھا جب آپ کے دروازہ پر آیا۔ تو ایک ہمیانی پڑی تھی۔ میں نے اسے اٹھایا۔ اس میں موجود پیسے دیکھے تو اس میں سات سو دینار تھے۔ میں واپس آیا اور ہمیانی کا واقعہ بتایا۔

میرا خیال تھا کہ آپ مجھے اس میں تصرف کی اجازت دے دیں گے۔

لیکن آپ نے فرمایا۔ تجھے اسے ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہیے تھا۔ اب جب اٹھائی ہے تو جا اور اس کا اعلان کر کے مالک کو تلاش کر کے اسے دے دے۔

میں انتہائی پریشان ہو کر باہر آیا۔ منیٰ میں آیا۔ تھیلی کا اعلان کیا۔

ایک شخص نے آ کر کہا۔

تھیلی میری ہے۔

میں اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس سے تھیلی کی علامت پوچھی، جب اس نے علامت بتا دی تو میرے پاس اسے دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

میں نے بیساختہ تھیلی اسے دی۔ وہ علیحدہ گیا۔ اس نے اپنی رقم گنی۔ پھر اس میں سے ستر دینار نکال کر مجھے دیئے اور کہا۔

اگر سات سو دینار رکھ لیتا وہ حرام تھے۔ اب یہ ستر دینار لے لے یہ تیرے لیے حلال ہیں۔

میں نے پیسے لیے اور واپس امام صادقؑ کی خدمت میں آ کر انہیں سارا حال سنا دیا۔ آپ نے غلام سے فرمایا تیس دینار اسے دے دے۔

غلام نے تیس دینار دے دیئے۔ اب میرے پاس پورے سو دینار ہو گئے تھے۔ اور میں آتے ہوئے جتنا تنگدست تھا جاتے ہوئے اتنا ہی خوشحال تھا۔

فروع کافی میں مفضل ابن قیس سے مروی ہے کہ میں انتہائی تنگدست تھا۔ امام صادقؑ کی خدمت میں آیا اور انہیں اپنی حقیقت سے آگاہ کیا۔

آپ نے غلام سے پوچھا۔

تیرے پاس کتنے پیسے ہیں۔

اس نے عرض کیا۔ چار سو دینار

آپ نے فرمایا۔ مفضل کو دے دے۔

جب غلام نے دیئے تو میں نے عرض کیا۔ قبلہ میں آپ سے مانگنے تو نہیں آیا تھا۔ مجھے خجالت محسوس ہو رہی ہے۔

میرا مقصد تو صرف یہ تھا کہ آپ میرے حق میں دعا فرما دیں تاکہ اللہ میرے رزق میں بھی کچھ وسعت فرما دے۔

آپ نے فرمایا۔ دعا تو میں کروں گا۔ انشاء اللہ۔ یہ پیسے رکھ لے اور ہر ایک کے سامنے اپنی تنگ دستی کا شکوہ نہ کیا کر۔

دیتا کوئی نہیں ہے لیکن انسان کی قیمت گر جاتی ہے۔

امالی طوسی میں امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہے کہ میں اپنے بابا کے پاس بیٹھا تھا۔ کہ اشجع شاعر آیا۔ آپ کی طبیعت ذرا ناساز تھی۔

آپ اشجع کو دیکھ کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا کوئی نئی چیز لکھ کے لایا ہے۔
اشجع نے عرض کی۔ قبلہ لایا تو تھا۔ لیکن آپ کی طبیعت ناساز ہے اس لیے پھر کسی وقت سناؤں گا۔
آپ نے فرمایا۔ نہیں ابھی سنا۔
جب اشجع نے قصیدہ سنایا تو آپ نے غلام سے پوچھا۔
کتنے پیسے ہیں تیرے پاس
اس نے عرض کیا۔ چار سو
آپ نے فرمایا۔ اشجع کو دے دے۔
اشجع نے وہ لے لیے شکریہ ادا کیا اور عرض کی قبلہ بعض اوقات خطرناک صحراؤں اور جنگلوں سے گزرنا ہوتا ہے کوئی ایسی شئی تعلیم فرمائیے کہ اسے پڑھنے کے بعد خطرہ دور ہے۔
آپ نے فرمایا۔ جب کبھی ایسے مقام پر جائے اور خطرہ محسوس کرے تو اپنا دایاں ہاتھ سر پر رکھ لیا کر اور یہ آیت پڑھ لیا کر۔
افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السماوات والارض طوعاً وکرھاً والیہ ترجعون۔
اشجع کہتا ہے کہ اس کے بعد کبھی بھی مجھے خطرہ محسوس نہیں ہوا۔
بحار میں فضل بن ابی قرہ سے مروی ہے کہ امام صادقؑ اپنی جا بچھا کر اس پر دیناروں کی تھیلیاں رکھتے اور غلام سے فرماتے۔
فلاں فلاں ہاشمی کے گھر دے کے آ۔ انہیں یہ نہ بتانا کہ جعفرؑ نے دی ہیں۔ انہیں کہنا کہ عراق سے آپ کے لیے بھیجی گئی ہیں۔
ایک دن غلام واپس پلٹا تو آپ نے فرمایا۔ بھلا وہ لوگ کچھ کہتے بھی ہیں؟
غلام نے عرض کی۔ قبلہ کہتے ہیں۔
اہل عراق کا بھلا ہو کہ نبی اکرمؐ کے رشتہ کا خیال رکھتے ہوئے ہمیں نہیں بھولتے ورنہ جعفر صادقؑ کہ اتنا مالدار ہونے کے باوجود ہمیں پوچھتا بھی نہیں ہے۔
بحار میں حفص ابن ابو عائشہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے ایک غلام کو کسی کام کے لیے بھیجا۔ اس نے دیر کر دی۔ آپ خود اس کے تعاقب میں آئے۔
راستہ میں دیکھا تو ایک جگہ وہ غلام سو رہا تھا۔
آپ اس کے سرہانے بیٹھ گئے۔ اور اپنی جادر سے اس پر پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔ جب غلام اپنی مرضی سے اٹھا اور اس نے امام صادقؑ کو دیکھا تو ڈر گیا۔

آپ نے فرمایا۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ صرف اتنا خیال رکھا کرو کہ رات تمہارے آرام کے لیے ہوتی ہے۔ اور دن میں ہمارا بھی کچھ حق ہوتا ہے۔

آپ کا صبر :

فروع کافی میں علی ابن اسباط سے مروی ہے کہ جب کبھی آپ پر کوئی مصیبت آتی تھی تو فرماتے تھے۔

الحمد للّٰه الذی لم یجعل مصیبتی فی دینی۔	اس اللہ کی حمد ہے جس نے میرے دین میں کوئی مصیبت نہیں دی۔
الحمد للّٰه الذی لو شاء ان تکون مصیبتی اعظم مما کانت۔	اس اللہ کی حمد ہے جس نے اتنی ہی مصیبت سے دوچار کیا ہے اگر وہ چاہتا تو اس سے بھی بڑی مصیبت دے سکتا تھا۔
الحمد للّٰه علی الامر الذی شاء ان یکون فکان۔	اس اللہ کی حمد ہے جس نے اس امر کو جیسے چاہا ویسے ہو گیا۔

آپ کے صدقات :

فروع کافی میں ہارون ابن عیسیٰ سے مروی ہے کہ ایک دن امام صادقؑ نے اپنے غلام سے پوچھا۔ آج کتنے پیسے بچ رہے ہیں۔

اس نے عرض کیا۔ چالیس دینار۔

آپ نے فرمایا۔ صدقہ کر دے۔

غلام نے عرض کیا۔ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہ رہے گا۔

آپ نے فرمایا۔ ہمیں اللہ عطا دے دے گا۔

تقریباً دس دن بعد اتفاقاً میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کو چار ہزار دینار موصول ہوئے۔

آپ نے غلام سے فرمایا۔ اب دیکھ لیا ہے۔ ہم نے راہ خدا میں چالیس دینار دیئے تھے۔ اب اللہ نے ہمیں چار ہزار دینار دے دیئے ہیں۔

فروع کافی میں مسمع ابن عبد الملک سے مروی ہے کہ ہم امام صادقؑ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ کے سامنے انگور کا طشت رکھا تھا۔

ایک سائل نے آکر سوال کیا۔

آپ نے انگور کا ایک گچھا اٹھا کر دے دیا۔

اس نے کہا۔ مجھے انگوروں کی ضرورت نہیں ہے اگر ایک دو درہم مل جائیں تو بہتر ہیں۔
آپ نے انگور کا گچھا طشت میں رکھ دیا۔
اور فرمایا۔ جو کچھ تو نے کہا ہے خدا سب سن رہا ہے۔
سائل چلا گیا۔ کچھ دیر بعد پھر واپس آیا۔
اور کہنے لگا۔ وہی انگور کا گچھا ہی دے دیں۔
آپ نے اسے کچھ نہ دیا اور فرمایا۔ اللہ نے تیری یہ بات بھی سن لی ہے۔
اس کے بعد پھر ایک سائل آیا اس نے سوال کیا۔ آپ نے اسے انگور کے چند دانے اٹھا کر دیے۔
اس سائل نے وہ دانے لے لیے اور کہنے لگا۔ الحمد للہ الذی رزقنی ۔ اور جانے لگا۔
امام صادق نے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جا۔ وہ رک گیا۔
آپ نے دونوں ہاتھوں پر انگور رکھ کے اسے دیے۔
اس نے لیکر کہا۔ الحمد للہ رب العالمین اور جانے لگا۔
آپ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جا۔ وہ ٹھہر گیا
آپ نے پورا طشت اٹھا کر اس کے حوالے کر دیا۔
سائل نے لے کر کہا الحمد للہ رب العالمین اور جانے لگا۔
آپ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جا
پھر غلام سے پوچھا۔ کتنے پیسے ہیں تیرے پاس؟
غلام نے عرض کیا۔ بیس درہم ہیں۔
آپ نے فرمایا۔ سائل کو دے دے۔
غلام نے وہ بیس درہم سائل کو دے دیے۔
سائل نے بیس درہم لیکر کہا۔ الحمد للہ ھذا منک وحدک لا شریک لک اور جانے لگا۔
آپ نے فرمایا۔ ذرا رک جا۔ سائل رکا
آپ نے قمیص اتاری اور سائل کے حوالے کر دی۔
سائل نے قمیص لے کر کہا۔ جزاک اللہ یا ابا عبد اللہ خیرا۔ پھر وہ چلا گیا
آپ نے فرمایا۔ اگر سائل مجھے دعا دینے کی بجائے حمد خدا کرتا رہتا تو میرے پاس جو کچھ بھی تھا۔
اسے دیتا رہتا۔
فروع کافی میں ہشام ابن سالم سے مروی ہے کہ ہر شب جب رات تاریک ہو جاتی تو امام صادقؑ روٹیوں کی گٹھڑی

پشت پر اٹھا کر نہ کو کپڑے سے لپیٹ کر فقرائے مدینہ کو در پر جا کر خاموشی سے تقسیم کرتے۔ کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ یہ کون ہے!

جب آپ کی شہادت ہو گئی اور وہ سلسلہ منقطع ہو گیا تو فقرائے مدینہ کو یہ معلوم ہوا کہ ہمیں کھلانے والا ہی فرزند رسول تھا۔

فروع کافی میں معلیٰ ابن خنیس سے مروی ہے کہ ایک مدت امام صادق تاریکی چھا جانے کے بعد گھر سے باہر آئے اور بیرون مدینہ کی راہ لی۔ میں نے اندازہ کیا کہ آپ بنی ساعدہ کے علاقہ میں جا رہے ہیں۔ میں بھی پیچھے ہو لیا۔ راستہ میں ایک مقام پر مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے آپ کے ہاتھ سے کوئی چیز گری ہے۔ اور آپ بیٹھ کر اندھیرے میں تلاش کر رہے ہیں۔

میں نے قریب جا کر سلام کیا۔

آپ نے فرمایا۔ ابن خنیس ہے!

میں نے عرض کیا۔ ہاں حضور!

آپ نے فرمایا ہمیں بیٹھ جا جو چیز ملتی جائے اسے جمع کرتا جا۔ میں بیٹھ گیا۔ اور جمع کرنے لگا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ یہ روٹیاں ہیں اور جس کپڑے میں آپ نے اٹھا رکھی تھیں۔ وہ کپڑا پھٹ گیا ہے۔ جب روٹیاں جمع ہو گئیں۔ تو میں نے عرض کیا

قبلہ اجازت دیں تو میں اٹھا لوں۔

آپ نے فرمایا۔ نہیں میں خود اٹھاؤں گا یہ میرا حق ہے۔

البتہ اگر چاہے تو میرے ساتھ چل

میں آپ کے ساتھ چلا آیا۔ آپ محلہ بنی ساعدہ میں آئے مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے وہ لوگ پہلے سے انتظار میں تھے۔ آپ نے حسب ضرورت روٹیاں تقسیم کیں اور واپس ہوئے۔

واپسی میں آپ نے مجھ سے فرمایا۔ اے ابن خنیس! اللہ نے اپنی ہر مخلوق کے لیے خازن مقرر کیے ہوئے ہیں جو اس مخلوق کے اعمال کا حساب رکھتے ہیں۔ لیکن صدقہ کے لیے اللہ نے کوئی خازن مقرر نہیں کیا۔ صدقہ کا حساب خود رکھتا ہے۔

میرے والد جب صدقہ کرتے تھے تو سائل کے ہاتھ میں دینے کے بعد ایک مرتبہ واپس لیتے تھے۔ اس شے کو بوسہ دے کر آنکھوں پر لگاتے تھے پھر سائل کو دے دیتے تھے۔

رات کا صدقہ غضب الٰہی کو خاموش کرتا ہے۔ گناہان عظیم کو محو کرتا ہے۔ اور حساب قیامت کو آسان کرتا ہے۔

جب کہ دن میں صدقہ دولت اور عمر میں اضافہ کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ ایک مرتبہ دریا کے کنارے سے گزرے آپ نے ایک روٹی دریا میں ڈال دی۔

آپ کے صحابی نے عرض کیا۔ قبلہ دریا میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟

ہم خود کھا لیتے۔

آپ نے فرمایا۔ دریا کے جانور بھی اللہ کی مخلوق ہیں انہیں کھلانا ثواب عظیم ہے۔

مشارق الانوار میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک سائل نے سوال کیا۔

آپ نے غلام سے پوچھا۔ کتنے پیسے ہیں۔

غلام نے عرض کیا۔ چار سو درہم

آپ نے فرمایا۔ اسے دے دے۔

غلام نے اسے دے دیئے۔

جب وہ لے کر جانے لگا۔ تو آپ نے غلام سے کہا اسے واپس بلا۔ غلام نے واپس بلایا۔ اس نے عرض کیا۔

قبلہ خیریت تو ہے۔ میں نے مانگا آپ نے دے دیا۔ پھر کوئی خاص بات ہے؟

آپ نے فرمایا۔ میرے نانا کا حکم ہے کہ جب مانگنے والا لینے کے بعد الحمد للہ کہے۔ تو اسے اتنا دو کہ وہ محتاج نہ رہے۔ اس وقت میرے پاس اور تو کچھ نہیں ہے۔ یہ میری انگوٹھی ہے جس کی قیمت دس ہزار روپے ہے۔

آپ کے مخالفین کے اعترافات

ابن شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ امام صادقؑ کے زمانہ میں اور آپ کے زمانے کے بعد جتنے بھی آپ کے مخالف تھے وہ اپنی تمام تر مخالفت کے باوجود کہا کرتے تھے۔

الإمام الصادق والعلم الناطق	امام صادقؑ تھے۔ اللہ کی ناطق آیت تھے۔
بالمكرمات سابق باب السيئات	برائیوں میں سابق تھے۔ انہوں نے اپنے سامنے گناہوں کے دروازے بند کر رکھے تھے۔
فاتق وباب الحسنات فاتق لم يكن عيابا۔ ولا سبابا ولا ضعايا	ان کے سامنے نیکی کا ہر دروازہ کھلا رہتا تھا۔ نہ عیب جو تھے۔ نہ عیب گر تھے۔

وماطماعا ولاحذا عار ولا	نہ حریص تھے۔ نہ لالچی تھے۔
نماما ولا ذما ما ولا	نہ گھبراتے تھے۔ نہ چغلخوری کرتے تھے۔ نہ کسی کی مذمت
اکولا وماعجولا ولا	کرتے تھے۔
حلولا ولا ترثارا	نہ مغرور تھے۔ نہ جلدباز تھے۔ نہ کتا جانے والے تھے۔
ولامهذارولاطعانا ولا	نہ انتقام لیتے تھے۔ نہ فضول گو تھے۔ نہ طنز کرتے تھے۔
لعانا ولا هماز اولا لمازا	نہ لعنت کرتے تھے۔ نہ ترش رو تھے۔ نہ بداخلاق تھے۔
ولاکنازا۔	اور نہ وہ بدفطرت تھے۔

عبداللہ ابن مبارک ؛

مروج الذہب میں ہے کہ عبداللہ ابن مبارک جب بھی آپ سے ملتے تھے۔ تو یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

انت یا جعفر فوق المدح و	اے جعفر! آپ ہر تعریف سے بالا ہیں۔ اور ہر تعریف آپ کے
المدح عناء۔	مقابلہ میں ہیچ ہے۔
انما الاشراف ارض ولهم	گروہ حق کا ہر شریف زمین ہے اور آپ اس زمین کا
انت سماء۔	آسمان ہیں۔
جاز حد المدح من قد ولدته	اولاد انبیاء مدح کی حدود سے آگے ہی رہتے ہیں۔
الانبياء۔ الله اظهر دينه و	اللہ نے محمدؐ کو معزز کر کے اس کے ذریعہ اپنے دین کو
اعزه بمحمد۔	غالب کیا ہے۔
والله اكرم بالخلافة جعفرؑ بن محمدؐ	اور جعفرؑ ابن محمدؐ کو خلافت سے مکرم فرمایا ہے۔

سالم ابن ابوحفصہ ؛

امالی طوسی میں سالم ابن ابوحفصہ سے مروی ہے کہ جب امام باقرؑ کی وفات ہوئی تو سالم اپنے مریدوں سے کہہ کر گیا کہ تم یہیں ٹھہرو میں جعفرؑ ابن محمدؐ کی تعزیت کر کے آتا ہوں۔

سالم نے تعزیت کے بعد کہا !

بخدا! جو شخص کہا کرتا تھا۔ قال رسول اللہ۔ آج وہ چلا گیا ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ ذات احدیت کا ارشاد ہے جو میرے راہ میں کھجور کا ایک دانہ صدقہ کرے۔ میں اس ایک دانہ کو کوہ احد سے بڑا کر کے اس کا اجر دوں گا۔

سالم پر سکر جب باہر نکلا تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔
تعجب ہے امام باقرؑ تو آنحضورؐ سے براہ راست روایت کرتے تھے اور قال رسول اللہ کہتے تھے، لیکن جعفر ابن محمدؑ براہ راست قال رسول اللہ کہتا ہے۔

امام مالک :

شیخ صدوق نے امالی میں حسین ابن یزید نوفلی سے روایت کی ہے کہ میں نے امام مالک سے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے۔

میں نے آج تک زہد، فضل، عبادت، علم اور تقویٰ میں جعفر ابن محمدؑ سے افضل کوئی بھی نہیں دیکھا ہے
میں جب بھی ان کے پاس گیا، انہوں نے مجھے احترام سے بٹھایا۔ جب بھی بات کرتے تھے سچ ہی فرماتے تھے شریعت کا جو حکم بھی بتاتے تھے۔ حدثنی ابی عن ابیہ عن جدہ قال ۔ قال رسول اللہ ۔ کہہ کر بیان کرتے تھے۔

غیاث ابن حفص :

سلیمان ابن داؤد سے مروی ہے کہ غیاث ابن حفص نے جب کبھی امام صادقؑ کے سلسلہ سند سے حدیث بیان کی تو حدثنی خیر الجعافر ۔ کہہ کر بیان کرتا تھا۔

بحار میں علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ مذہبی اختلاف کے باوجود امام صادقؑ سے چار ہزار محدثین نے یہ احادیث روایت کی ہیں۔

ابن عقدہ نے ایک علیحدہ کتاب لکھی ہے جس میں اس نے صرف شاگردان امام صادقؑ کے اسماء کی فہرست دی ہے اکثر سربراہان مذاہب نے آپ ہی سے کسب فیض کیا ہے۔

امام مالک
شعبہ ابن حجاج
سفیان ثوری
ابن جریح
عبداللہ ابن عمر
روح ابن قاسم
سفیان ابن عیینہ

سلیمان ابن بلال

اسماعیل ابن جعفر

حاتم ابن اسماعیل

عبدالعزیز ابن مختار

وہب ابن خالد

ابراہیم طہمان

امام شافعی

ابوایوب سجستانی

امام حنبل

وغیرہ نے براہ راست بھی اور بالواسطہ بھی آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔

سیف الدولہ نے قاضی کوفہ عبدالحمید مالکی سے امام مالک کے متعلق پوچھا۔

تو عبدالحمید نے کہا۔

بھلا جس شخص نے جعفر ابن محمدؑ جیسے سرچشمہ علم سے کسب فیض کیا ہو اس میں کوئی شک ہو سکتا ہے۔

ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ آپ کو ملنے آیا؛

آپ نے ہاتھ میں عصا لے رکھا تھا۔

ابوحنیفہ نے کہا۔

اے فرزند رسولؐ! ابھی تک تو آپ جوان ہیں اور عصا کے بغیر نہیں چلتے۔

آپ نے فرمایا۔ اگر انسان عصا کے بغیر چل بھی سکتا ہو تو بھی ہاتھ میں عصا رکھنا سنت ہے، علاوہ ازیں یہ عصا میں نے تبرک کے طور پر رکھا ہوا ہے کیونکہ یہ عصائے رسولؐ ہے۔

ابوحنیفہ تیزی سے آگے بڑھا اور عصا کو ہاتھ میں لیا۔

آپ نے فرمایا۔ اسے کیا کر رہا ہے۔

ابوحنیفہ نے کہا، چونکہ عصائے رسولؐ ہے اس لیے بوسہ لیتا ہوں

آپ نے آہ سرد کھینچ کر فرمایا۔

ابوحنیفہ! تعجب کی بات ہے، لکڑی کے اس عصا کا بوسہ لیتا ہے۔ جسے آنحضورؐ نے اپنی زندگی میں ہاتھ میں لیا تھا۔ اور اب اسے ایک صدی سے اوپر گزر چکا ہے، میرے اس ہاتھ کا بوسہ کیوں نہیں لیتا جس میں خون رسولؐ ہے۔

ابو حنیفہ یہ سنکر خاموش ہوگیا۔

ایک روایت کے مطابق ابو حنیفہ کی ماں امام صادقؑ کے معتقدین میں تھی اور ابو حنیفہ آپ کا شاگرد تھا۔ محمد ابن حسن بھی آپ کے شاگردوں سے تھا۔

یہی وجہ ہے کہ عباسی حکمران ان دونوں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

ابو یزید بسطامی نے تیرہ برس امام صادقؑ کی بیرونی پر خدمت کی۔

ابراہیم ابن ادہم اور مالک ابن دینار امام صادق کے غلام تھے۔

ایک دن سفیان ثوری آپ کے پاس بیٹھا تھا۔

آپ نے کوئی بات کی تو سفیان نے کہا۔

قبلہ یہ بات تو جوہر ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جوہر تو محض ایک پتھر ہوتا ہے۔ جوہر سے کہیں زیادہ بیش بہا ہے۔

بعد میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ نوح ابن دراج نے ابن ابو لیلیٰ سے پوچھا۔

آپ نے آج تک جو احکام صادر کیے ہیں یا فیصلے کیے ہیں۔ کبھی کوئی فتویٰ یا فیصلہ واپس بھی لیا ہے۔

ابن ابو لیلیٰ نے کہا۔ کبھی کسی کی بات سے متفق نہیں کیا۔ البتہ اگر جعفر ابن محمد میرے کسی فتویٰ یا فیصلہ کی تردید کر دے تو قبول کر لیتا ہوں۔

حلیۃ الاولیاء۔ الابانہ۔ اسباب النزول۔ الترغیب والترہیب۔ شرف المصطفیٰ۔ فضائل الصحابہ۔ تاریخ طبری۔ بلاذری۔ الخطیب۔ مسند ابو حنیفہ۔ الاغانی۔ قوت القلوب اور وغیرہ کے تمام مصنفین نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

ایک دن منصور نے آپ سے کہا کہ۔ ابو مسلم خراسانی نے آپ سے مزار حضرت علیؑ کی نشاندہی کا مطالبہ کیا تھا۔

آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

کیا آپ کو معلوم بھی ہے یا نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ہمارے پاس جو حضرت علیؑ کی اپنی تحریر ہے اس کے مطابق آپ کا مزار عبداللہ ابن جعفر ہاشمی کے زمانہ میں ظاہر ہوگا۔

منصور یہ سنکر خوش ہوگیا۔

بعد میں آپ نے مزار کو ظاہر کیا۔ جب منصور کو اس کی اطلاع ملی تو منصور نے کہا۔ واللہ ھذا امر الصادقؑ۔

اس کے بعد سے آپ کا لقب ہی صادق پڑگیا۔

کشف الغمہ میں عبداللہ بن ابی عبیدہ ابن بشیر سے مروی ہے کہ ہم امام صادقؑ کے حضور بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

انی اعلم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض۔ وما فی الجنة وما فی النار وما کان وما یکون الی ان تقوم الساعة ثم سکت۔

جو کچھ زمین و آسمان میں ہے میں جانتا ہوں۔ جو کچھ جنت و جہنم میں ہے میں جانتا ہوں۔ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو تا قیامت ہونے والا ہے میں اسے جانتا ہوں۔

ثم قال اعلم من کتاب اللّٰہ نظراً ھکذا ثم بسط کفه وقال ان اللّٰہ یقول فیه بتیان کل شیئ۔

یہ کہہ کر کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا۔ یہ سب کچھ میں کتاب خدا کو اس طرح دیکھ کر بتا سکتا ہوں جس طرح اپنی ہتھیلی کے نقش بتا سکتا ہوں۔ ارشاد باری ہے۔ قرآن میں ہر شئی کی وضاحت ہے۔

ارشاد مفید میں ہے۔ امام صادق فرمایا کرتے تھے۔

علمنا غابر و مزبور و نکت فی القلوب ونقر فی الاسماع وان عندنا الجفر الاحمر والجفر الابیض ومصحف فاطمة۔

ہمارا علم غابر ہے، مزبور ہے، دل میں ڈالا جاتا ہے، کانوں میں انڈیلا جاتا ہے۔ ہمارے پاس جفر احمر، جفر ابیض اور مصحف فاطمہ ہے۔ ہمارے پاس جامعہ ہے جس میں وہ سب کچھ ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہے۔

آپ سے جب ان الفاظ کی تفسیر پوچھی گئی۔ تو آپ نے فرمایا۔

اما الغابر فالعلم بما یکون — علم غابر علم ما یکون ہے۔

اما المزبور فالعلم بما کان — علم مزبور علم ما کان ہے۔

اما النکت فی القلوب فهو الالهام۔ — دل میں نکتہ سے مراد الہام ہے۔

اما النقر فی الاسماع فهو حدیث الملائکة نسمع کلامهم ولا نری اشخاصهم۔

کانوں میں پہنچنے والے علم سے مراد ملائکہ کی باتیں ہیں۔ ہم بات تو سنتے ہیں۔ لیکن بات کرنے والے کو نہیں دیکھتے۔

اما الجفر الاحمر فوعاء فیه سلاح رسول اللّٰہ لن یخرج حتی یقوم قائمنا۔

جفر احمر وہ صندوق ہے جس میں نبی اکرمؐ کے ہتھیار ہیں جنہیں ظہور قائم پر برآمد کیا جائے گا۔

اما الجفر الابیض فوعاء فیہ تورٰۃ موسیٰ وانجیل عیسیٰ وزبور داؤد وکتب اللہ الاولیٰ۔

جفر ابیض وہ صندوق ہے جس میں موسیٰ کی توریت۔ عیسیٰ کی انجیل۔ داؤد کی زبور اور دیگر تمام سابقہ آسمانی صحیفے ہیں۔

اما مصحف فاطمہ ففیہ ما یکون من حادث واسماء کل من یملک الی ان تقوم الساعۃ۔

صحف فاطمہ میں تاقیامت رونما ہونے والے حادثات کی تفصیل اور تاقیامت آنے والے۔ حکمرانوں کے نام ہیں۔

واما الجامعۃ فھو کتاب طولہ سبعون ذراعاً املاء رسول اللہ وخط علی ابن ابی طالب فیہ واللہ جمیع ما یحتاج الیہ الناس الی یوم القیامۃ۔

جامعہ ایک کتاب ہے جو ستر ہاتھ لمبی ہے۔ اس میں آنحضرت کا دی ہوئی املاء سے حضرت علیؑ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے۔ بخدا اس میں قیامت تک لوگوں کی ضروریات موجود ہیں۔

میری حدیث میرے بابا کی حدیث ہوتی ہے۔

میرے بابا کی حدیث حدیث علی ابن ابی طالب ہوتی ہے۔

حدیث علی حدیث رسول ہوتی ہے۔ اور

حدیث رسول قول خالق اکبر ہوتا ہے۔

علم غیب!

ابن شہر آشوب نے صفوان ابن یحییٰ سے روایت کی ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا ہے۔

بخدا! ہمیں اولین وآخرین کا علم دیا گیا ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا۔

قبلہ! کیا آپ علم غیب بھی جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ تجھے ہدایت دے۔ میں مردوں کی صلب میں موجود نطفوں سے جنم لینے والے افراد اور عورتوں کے رحم میں پرورش پانے والے بچوں کو بھی جانتا ہوں۔

بخدا! اگر میں چاہوں تو تمہیں کوہ تمہارے پر موجود ایک ایک چیز گن کر بتا دوں۔

میں تمہیں تاقیامت شب وروز میں پیش آنے والے تمام واقعات بتا سکتا ہوں۔

میرے بعد تم میں اتنی جنگ ہوگی کہ تم ایک دوسرے کو کھا جاؤ گے۔

بحار میں ابن کثیر سے مروی ہے کہ ایک دن امام صادقؑ نے اپنے بازو پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔

اے بکیر بخدا! یہ جلد جلد رسول ہے۔ یہ گوشت گوشت رسول ہے۔ یہ رگیں رگہائے رسول ہیں۔ یہ استخوان، استخوان رسول ہیں۔

بخدا! جو کچھ آسمانوں میں ہے میں جانتا ہوں۔ جو کچھ زمینوں میں ہے میں جانتا ہوں۔ جو کچھ دنیا میں ہے میں جانتا ہوں۔ جو کچھ آخرت میں ہو گا میں جانتا ہوں۔

آپ نے دیکھا کچھ لوگوں کے چہرے بدل گئے۔

آپ نے فرمایا۔ بکیر یہ نہ سمجھنا کہ یہ سب کچھ میں کتاب خدا سے جانتا ہوں۔ ارشاد قدرت ہے۔ قرآن میں ہر شئی کا بیان ہے۔

بحار میں ابان ابن تغلب سے مروی ہے کہ۔

ایک دن ایک یمنی شخص امام صادقؑ کے پاس آیا۔

آپ نے فرمایا۔ اے سعد مرحبا۔

اس نے عرض کیا۔ یہ نام میرے اور میرے والدین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

میری ماں نے یہی نام رکھا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ اے سعد المولیٰ تو نے ٹھیک کہا ہے۔

اس نے کہا۔ سعد المولیٰ تو میرا لقب تھا لیکن اسے میرے علاوہ تو کوئی بھی نہیں جانتا۔

آپ نے فرمایا۔ لقب اچھا نہیں ہوتا۔ قرآن میں ارشاد قدرت ہے۔ ولا تنابزوا بالالقاب ایک دوسرے کو القاب کی طعنہ زنی نہ کیا کرو۔

اے سعد تو کیا کام کرتا ہے؟

میں نے عرض کیا۔ میں موروثی طور پر علم نجوم میں ماہر ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ اگر تو موروثی طور پر علم نجوم جانتا ہے تو پھر تو تجھے علم نجوم میں کافی دسترس ہو گی۔

میں نے عرض کیا۔ آپ درست فرما رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتا کہ چاند سورج سے کتنے درجے روشنی حاصل کرتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! یہ مجھے معلوم نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ زہرہ چاند سے کتنے فاصلہ پر ہے۔

میں نے عرض۔ حضور! یہ بھی مجھے معلوم نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتا کہ عطارد مشتری سے کتنی روشنی حاصل کرتا ہے؟

میں نے عرض کیا۔ یہ بھی مجھے معلوم نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا اس ستارے کا نام بتا دے جب وہ طلوع کرتا ہے تو گائیں جنسی خواہشات میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ حضور آپ ایسے سوال کر رہے ہیں جن سے میں محدود طور پر عالم ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ اے یمنی کیا۔ آپ کے یمن میں علماء رہتے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ بہت بڑے بڑے جید علماء ہیں۔ ایک پل میں گھوڑے کے ایک دن کا سفر طے بھی کر لیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ پھر تو کچھ بھی نہ ہوا۔ مدینہ کا عالم ایک پل میں پوری کائنات کا چکر لگا سکتا ہے گویا مدینہ کا عالم یمنی علماء کی نسبت زیادہ اعلم ہے۔

اصول کافی میں سالم ضریر سے مروی ہے کہ ایک نصرانی طبیب نے امام صادقؑ سے اپنے جسم کی تفصیل پوچھی تھی۔

آپ نے فرمایا۔

اللہ نے انسان کے بارہ جوڑ اور دو سو چھیالیس ہڈیاں پیدا کی ہیں۔ جسم انسان میں ساٹھ رگیں ہیں۔ رگیں تمام جسم کو سیراب کرتی ہیں۔ ہڈیاں ان تمام رگوں کو باہم متصل رکھتی ہیں۔ اور یہ ادھر ادھر بھٹکنے نہیں دیتیں۔ گوشت ہڈیوں کو باہم ملائے رکھتا ہے۔ پٹھے گوشت کو تحفظ دیتے ہیں۔

انسان کے ہاتھوں میں بیاسی ہڈیاں ہیں۔ اکتالیس ایک ہاتھ میں اور اکتالیس دوسرے ہاتھ میں۔ ہتھیلی میں اڑتیس ہڈیاں ہوتی ہیں۔ کلائی میں دو ہڈیاں ہوتی ہیں۔ اور کہنی سے اوپر بازو میں ایک ہڈی ہوتی ہے۔

پاؤں میں تینتالیس ہڈیاں ہوتی ہیں۔ پاؤں میں چھتیس، پنڈلی میں دو۔ گھٹنے میں تین ران میں ایک اور کولہو میں دو ہڈیاں ہوتی ہیں۔

صلب میں بارہ مہرے رہتے ہیں۔

ہر پہلو میں نو پسلیاں ہوتی ہیں۔

سینہ میں آٹھ ہڈیاں ہوتی ہیں۔

سر میں چھتیس ہڈیاں ہوتی ہیں۔

منہ میں اٹھائیس ہڈیاں اور

بتیس دانت رہتے ہیں۔

کافی میں ابو دہقان اور ابن سیما سے مروی کہ امام صادقؑ نے فرمایا ہے۔

انسانی مزاج چار اقسام کے ہوتے ہیں۔

۱۔ دموی :- یعنی خونی، یہ مزاج غلاموں کی قسم سے ہے اور بعض اوقات غلام بھی اپنے مالک کو قتل کر دیا کرتا ہے۔

۲۔ ریحی :- یعنی ہوائی۔ مزاج کی یہ قسم دشمن کی طرح ہوتی ہے ایک طرف سے روکنے کی کوشش کریں تو دوسری طرف سے حملہ آور ہوگی۔

۳۔ بلغمی :- مزاج کی یہ قسم بادشاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں مروت اور مدارات ہوتی ہے۔

۴۔ سوداوی :- مزاج کی یہ قسم زمین کی مانند ہے۔ جب زمین میں زلزلہ آتا ہے تو روئے زمین پر رہنے والے تمام لرز جاتے ہیں۔

ابن دہقان نے عرض کیا۔ اے فرزند رسولؐ مزاجوں کا یہ تجزیہ بخدا! آج تک کسی بھی حکیم کی کتاب میں نہیں دیکھا۔

روضۃ الکافی میں ہشام خفاف سے مروی ہے کہ مجھ سے امام صادقؑ نے پوچھا۔

میں نے سنا ہے تو علم نجوم جانتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ نہ صرف جانتا ہوں۔ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ عراق میں ایسا کوئی شخص نہیں جو علم نجوم میں مجھ سے زیادہ ماہر ہو۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا تمہارے نزدیک آسمانی حرکت کی کیا کیفیت ہے۔

میں نے سر سے ٹوپی اتاری اسے انگلی پر گھمایا اور عرض کیا۔ اس طرح۔

آپ نے فرمایا۔ اگر حرکت آسمان اسی طرح ہے۔ جس طرح تو کہہ رہا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تخلیق کے یوم ولادت سے لیکر آج تک دب اکبر اور قطبی ستارہ نے ایک دن بھی حرکت نہیں کی!

میں نے عرض کیا۔ حضور! آپ نے بالکل ایسی نئی بات کی ہے کہ جسے نہ تو میں جھٹلا سکتا ہوں اور نہ ہی بتا سکتا ہوں۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ علمائے نجوم میں سے کوئی بھی آپ کے اس سوال کا جواب نہیں دے پائے گا۔

آپ نے فرمایا۔ سکینہ اور زہرہ کا باہمی فاصلہ کتنا ہے!

میں نے عرض کیا۔ حضور! سکینہ ستارے کا نام میں نے آپ سے پہلے کبھی نہیں سنا۔

آپ نے فرمایا۔ تو گویا تم لوگوں نے ایک ستارے کو بھی غائب کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں تم حساب کس طرح کرتے ہو۔

اچھا یہ بتا کہ چاند زہرہ سے روشنی حاصل کرتا ہے یا زہرہ چاند سے اور ایک دوسرے سے کتنے درجے پر واقع ہیں!۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ میں یہ بھی نہیں جانتا

آپ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتا کہ چاند سورج سے کتنی روشنی حاصل کرتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ میں اس سے بھی واقف نہیں ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتا کہ۔ جب دو بادشاہ میدان جنگ میں آمنے سامنے ہوتے ہیں۔ دونوں کے پاس نجومی ہوتے ہیں۔ اور دونوں کے نجومی اپنے اپنے بادشاہ کو فتح و ظفر کی بشارت دیتے ہیں۔ پھر جب جنگ شروع ہوتی ہے تو ایک شکست کھاتا ہے اور ایک فاتح ہے۔ جب نجومیوں نے دونوں کی کامرانی کی بشارت علم نجوم کے حساب سے دی ہے تو ایک کا حساب غلط کیوں ہو جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ میں نہیں جانتا

آپ نے فرمایا۔ تو سچ کہتا ہے۔ تو نہیں جانتا

ویسے حساب درست ہے لیکن حساب دان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام مخلوق کے روز ولادت۔ سال ولادت اور وقت ولادت سے آشنا ہو۔

کافی میں سلیمان ابن خالد سے مروی ہے کہ میں نے امام صادق سے سردی اور گرمی کا فلسفہ پوچھا۔

آپ نے فرمایا۔ اے سلیمان گرمی اور سردی کی وجہ صرف دو ستارے مریخ اور زحل ہیں۔ ان دونوں کی ارتفاعی اور انخفاضی حرکت ایک دوسرے کے خلاف ہوتی ہے۔ مریخ جب مائل بارتفاع ہوتا ہے تو گرمی شروع ہو جاتی ہے اور سردی کم ہونے لگتی ہے۔

اور جب زحل مائل بارتفاع ہوتا ہے تو سردی شروع ہو جاتی ہے۔

جب کبھی گرمیوں میں سردی آجائے تو یہ چاند کے عمل کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب کبھی سردیوں میں گرمی آجاتی ہے تو یہ سورج کی وجہ سے ہوتا ہے۔

فروع کافی میں عبداللہ ابن سنان سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ امام صادق عیسیٰ ابن موسیٰ کے پاس جا رہے تھے راستہ میں قاضی ابن شبرمہ سے ملاقات ہو گئی۔

آپ نے قاضی سے پوچھا۔ کہاں جا رہے ہو۔

ابن شبرمہ نے کہا۔ آپ کی طرف آ رہا تھا۔ اللہ نے میرا سفر کوتاہ کر دیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کیوں خیریت تو تھی!

ابن شبرمہ نے عرض کیا۔ حاکم کوفہ نے ایک سوال کیا ہے۔ مجھے اس کا جواب نہیں آتا تھا۔ آپ کے پاس آ رہا تھا۔

آپ نے فرمایا کونسا سوال ہے۔

ابن شبرمہ نے کہا۔ سوال یہ ہے۔ کہ روئے ارض پر سب سے پہلا معاہدہ کس نے لکھا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ یہ کوئی اتنا مشکل سوال تو نہ تھا۔

اس نے عرض کیا۔ جس بات کا جواب نہ آتا ہو وہ مشکل ہو جاتی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جب ذات احدیت نے جناب آدم کے سامنے آپ کی ذریت پیش کی۔ اور جناب آدم نے اپنی ذریت کے ایک ایک نبی کو دیکھا۔ جب جناب داؤد پیش کے تو دیکھا۔ انتہائی پرکشش نوجوان ہے۔ اور بڑی دلفریب آواز ہے۔

آپ کو بڑا پسند آیا۔ لیکن جب عمر کو دیکھا تو کم تھی۔

جناب آدم نے عرض کیا۔ بار الہا! تو نے اسے اتنی جوانی دے کر عمر صرف چالیس برس رکھی ہے۔ یہ تو کم ہے۔

ذات احدیت نے فرمایا۔ آدم اگرچہ میں نے تیری اولاد کی عمریں اور رزق مقدر کر دیئے ہیں۔ لیکن چونکہ ام الکتاب میرے پاس ہے اس لیے اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

جناب آدم نے عرض کیا۔ اگر اس میں تبدیلی ہو سکتی ہے تو میں اپنی عمر میں سے ساٹھ برس اپنے اس بیٹے کو دیتا ہوں تاکہ اس کی عمر سو برس ہو جائے۔

ذات احدیت نے جبرئیل کو حکم دیا۔ جبرئیل نے یہ معاہدہ لکھ لیا۔ جناب آدم سے دستخط لے لیے اور سربمہر کر دیا۔

جب جناب آدم کے پاس ملک الموت آیا۔

تو آپ نے فرمایا۔ ابھی تک تو میرے ساٹھ برس باقی ہیں۔

ملک الموت نے عرض کیا۔ آپ وہ ساٹھ برس جناب داؤد کے کھاتہ میں ڈال چکے ہیں میرے پاس وہ معاہدہ موجود ہے جس پر آپ کے دستخط ہیں۔ اور وہ معاہدہ یہ ہے۔

روئے ارض پر سب سے پہلا جو معاہدہ لکھا گیا تھا وہ یہ ہے۔

فروع کافی میں ابوجعفر احول سے مروی ہے کہ ایک زندیق نے مجھ سے سوال کیا کہ۔

اللہ نے کس مصلحت کے تحت ایک سو نمازوں میں سے تینتیس رکعت مقرر کی ہے۔

میں نے کہا۔ جس مصلحت کے تحت صبح کی نماز دو رکعت ظہرین کی چار رکعت مغرب کی تین رکعت اور عشاء کی چار رکعت مقرر کی ہے۔

وہ خاموش ہو گیا۔

بعد میں اتفاقاً امام صادقؑ سے ملاقات ہو گئی۔ اگرچہ وہ زندیق خاموش ہو گیا تھا، لیکن مجھے اس کا سوال برابر کھٹکتا رہا۔

میں نے امام صادقؑ سے وہی سوال کیا۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ نے دولت اور مساکین دونوں کا حساب کیا ہے۔ اور جتنا مساکین کے لیے قابلِ کفایت تھا دولت مندوں پر اتنا فرض کر دیا ہے۔ اگر اس سے زیادہ کی ضرورت ہوتی تو اللہ اس سے زیادہ مقرر کرتا۔

ایک دن وہی زندیق پھر مجھے مل گیا۔ میں نے اسے امام صادقؑ کا یہ جواب بتایا۔

وہ تڑپ کر کہنے لگا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ بات تمہارے نبی اکرمؐ کے اہل بیت سے کسی فرد نے ہی بتائی ہے۔

اگر میں کسی کے سامنے سر جھکانے پر کبھی آمادہ ہو گیا تو یقیناً اسی شخص کے قدموں میں سر رکھوں گا۔

فروع کافی میں معاویہ ابن عمار سے مروی ہے کہ مفضل ابن غیاث کا بھائی فوت ہو گیا ہے۔ اس نے جو ترکہ چھوڑا تھا اس میں اس نے ۱/۳ فی سبیل اللہ دینے کی۔ ۱/۳ مساکین میں تقسیم کرنے کی۔ اور ۱/۳ سے حج کرانے کی وصیت کی۔

ترکہ کم تھا۔

میں اور مفضل ابن ابی لیلیٰ کے پاس گئے اس کے سامنے صورت حال رکھی اور پوچھا کیا کریں؟

ابن ابی لیلیٰ نے کہا۔ ترکہ کم ہے یا زیادہ جیسے وصیت کی ہے ویسے عمل کرو۔

ہم مطمئن نہ تھے۔ کیونکہ ۱/۳ سے حج نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اس پیسے کے ضیاع کا خطرہ تھا۔ چنانچہ ہم ابن شبرمہ کے پاس گئے۔

اس نے بھی وہی جواب دیا جو ابن ابی لیلیٰ نے دیا تھا۔

ہم ابوحنیفہ کے پاس گئے۔

اور اس سے پوچھا۔

اس نے بھی وہی جواب دیا۔

پھر ہم اتفاقاً مکہ میں آئے۔ وہاں امام صادقؑ کا پتہ چل گیا کہ آپ بھی مکہ میں ہیں۔ مفضل نے کہا۔ چل کر امام صادقؑ سے پوچھ لیں۔

ہم آپ کے پاس آئے۔ اور آپ سے پوچھا۔

آپ نے فرمایا۔ چونکہ حج فریضہ واجبہ ہے۔ فی سبیل اللہ اور مساکین کو دینا مستحب اور باعث ثواب

ہے۔ اس لیے سب سے پہلے حج کرو۔ جو بچ جائے اس میں سے آدھا مساکین کو اور آدھا فی سبیل اللہ تقسیم کرو۔

یہ سن کر میں ابوحنیفہ کے پاس آیا اور اسے بتایا۔

ابوحنیفہ نے کوئی بات نہ کی خاموش ہو گیا۔

چند دن بعد اس کے درس میں گیا تو اس کے حلقۂ احباب میں یہی مسئلہ چل رہا تھا۔ اور وہ کہہ رہے تھے ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے کہ

زیارت واجبہ کو تمام دیگر امور پر فوقیت دی جائے۔

میں یہ سن کر حیران ہوا۔ اور انہیں بتایا کہ پہلے تو ان کا فتویٰ یہ تھا۔

پھر پورا واقعہ کہہ سنایا۔

انھوں نے کہا۔ ابھی چند ہی دن ہوئے ہیں ہمیں تو ابوحنیفہ نے اسی طرح بتایا ہے۔

اصول کافی میں نسابہ کلبی سے مروی ہے کہ جب چند مسائل پوچھنا تھے۔

میں مدینہ میں مسجد نبوی میں آیا۔

کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نے ان سے پوچھا۔ آج کل آل محمدؐ میں سے کون عالم ہے؟

انھوں نے عبداللہ ابن حسن مثنی کی نشاندہی کی۔

میں دروازہ پر آیا۔ دق الباب کیا۔

اندر سے ایک غلام آیا۔

اور پوچھا کون ہے؟ اور کیا چاہتا ہے۔

میں نے کہا۔ میں نسابہ کلبی ہوں اور چند مسائل دریافت کرنا ہیں۔

وہ اندر گیا۔ پھر باہر آ کر مجھے اندر لے گیا۔

میں نے جب اندر جا کر دیکھا کہ مسند پر ایک انتہائی ضعیف العمر شخص بیٹھا تھا۔

انھوں نے مجھ سے پوچھا۔ کون ہے؟

میں نے اپنا تعارف کرایا۔

پھر پوچھا۔ کس لیے آیا ہے؟

میں نے بتایا۔ چند مسائل پوچھنا ہیں۔

انھوں نے مجھ سے پوچھا۔ کیا جعفر ابن محمدؑ کے پاس بھی گیا تھا؟

میں نے کہا۔ مجھے آپ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور آپ کے پاس ہی آیا ہوں۔

انہوں نے کہا۔ پوچھو کیا پوچھنا ہے۔

میں نے کہا۔ آپ کا موزوں پر مسح کے بارے میں کیا خیال ہے؟

انہوں نے کہا کچھ افراد موزوں پر مسح کر لیتے ہیں۔ البتہ ہم اہل بیت ایسا نہیں کرتے۔

میں نے دل میں کہا۔ یہ پہلی بات ہے۔

پھر میں نے پوچھا۔ مارماہی کے متعلق آپ کا خیال ہے؟ حلال ہے یا حرام ہے؟

انہوں نے کہا۔ ہے تو حلال مگر ہم اہل بیت نہیں کھاتے۔

میں نے کہا۔ یہ دوسری بات ہے۔

پھر میں نے کہا۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی سے کہے۔ میں تجھے آسمان کے ستاروں کے برابر طلاق دیتا ہوں۔ اس صورت کا کیا حکم ہے۔

انہوں نے کہا۔ عورت تو تین طلاقوں سے طلاق ہو جائے گی۔ دیگر تعداد طلاق دہندہ کے لیے باعث عذاب و سزا ہوگی۔

میں نے دل میں کہا۔ یہ تیسری ہو گئی۔

میں نے کہا۔ نبیذ کے متعلق کیا خیال ہے حلال ہے یا حرام؟

انہوں نے کہا۔ ہے تو حلال ہی لیکن ہم اہل بیت نہیں پیتے۔

میں نے دل میں کہا۔ یہ چوتھی ہے۔

الحمد للہ کہ کرا ہوا۔ باہر آیا کچھ لوگ ملے۔ ان سے کہا لوگوں میں تو بڑا چرچا ہے کہ اہل بیت نبی میں ایک نہ ایک عالم رہتا ہے لیکن اب تو معاملہ صاف ہے یہ گھر ہی ختم ہو گیا۔ میں پھر مسجد میں آیا۔ کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ ان سے پوچھا اہل بیت میں کوئی عالم ہے۔

انہوں نے پھر عبداللہ ابن حسن کا نام لیا۔

میں نے کہا۔ نہیں تو میں ابھی دیکھ کے آ رہا ہوں۔ وہ تو کچھ ایسے ہیں۔

ایک شخص نے سر بلند کر کے کہا۔ جعفر ابن محمد کے پاس چلا جا۔ وہاں سے تجھے وہ سب کچھ مل جائے گا۔ جو تو چاہتا ہے۔

میں نے دیکھا۔ دیگر تمام افراد نے اسے ملامت کی۔

بہر صورت میں نے ان سے آپ کے گھر کا پوچھا۔
کسی نے نہ بتایا۔ وہ شخص بھی اب خاموش ہو گیا تھا۔

میں نے باہر آکر ایک آدمی سے آپ کا گھر پوچھا۔ اس نے نشاندہی کر دی۔ میں نے دق الباب کیا۔ ایک غلام باہر آیا۔ اور اس نے کہا۔ اے کلبی آجا۔

یہ سنکر میں حیران ہو گیا کہ اس غلام کو کس نے بتایا ہے کہ میں کلبی ہوں۔ خیر میں اندر گیا حجرہ میں ایک سن رسیدہ شخص مصلائے عبادت پر بیٹھا تھا۔

اس نے مجھے دیکھ کر پہلے خوش آمدید کہا۔

پھر مسکرا دیا۔ اور کہا۔

کیا تو نسب بتاتا ہے!

میں نے کہا۔ ہاں۔

میں نے کہا۔ کیا اپنا نسب بھی بتا سکتا ہے۔

میں نے کہا۔ جو تمام عرب کے نسب بتاتا ہوں تو اپنا کیسے نہ بتلاؤں گا۔ میں نے اپنا نسب بیان کرنا شروع کیا اور پانچویں پشت پر پہنچ کر ابن فلاں کہا۔ تو اس نے کہا غلط بتا رہا ہے۔ وہ تو فلاں چرواہے کا بیٹا تھا۔

میں نے دل میں کہا۔ میں تو اپنا عیب اپنے تک محدود رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے تو سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔

پھر اس نے خود کہا۔ ان باتوں کو چھوڑ جس کام کے لیے آیا ہے بتا۔

میں نے کہا اگر ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ میں تجھے آسمان کے ستاروں کے برابر طلاق دیتا ہوں تو اس کا کیا حکم ہے!

اس نے کہا۔ کیا سورۃ طلاق پڑھتا ہے۔

میں نے کہا۔ مجھے حفظ ہے۔

اس نے کہا۔ بھلا پڑھو۔

جب میں اس آیت پر پہنچا۔ فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ

تو آپ نے فرمایا۔ اس میں کہیں ستاروں کا تذکرہ ہے۔

میں نے کہا۔ نہیں۔

میں نے دوسرا سوال پوچھا۔

اگر ایک شخص اپنی بیوی سے کہے۔ میں تجھے تین طلاق دیتا ہوں تو؟

آپ نے فرمایا۔ کتاب خدا اور سنت رسول کے مطابق حکم ہوگا۔ طلاق صرف اسی وقت ہو سکتی ہے جب عورت ایام ماہواری سے خالی ہو اور اس طہر میں مرد نے مباشرت نہ کی ہو، دو عادل گواہ بھی موجود ہوں۔

میں نے تیسرا مسئلہ پوچھا۔

موزوں پر مسح کے سلسلہ میں آپ کیا کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ جب قیامت کے دن ہر محشور ہونے والے کی اجزا اس کے جسم سے متصل ہو جائیں گے۔ تو موزے جس جانور کے چمڑے سے بھی بنے ہوئے ہوں گے اس جانور کا چمڑا بھی اس کے جسم پر چلا جائے گا تو جو لوگ موزوں پر مسح کرتے ہیں ان کا وضو کہاں جائے گا۔

میں نے چوتھا مسئلہ پوچھا۔

مار مچھلی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے حلال ہے یا حرام!

آپ نے فرمایا۔ جب خداوند نے بنی اسرائیل کے مجرموں کو مسخ کیا۔ تو کچھ کو سمندر میں بھیجا۔ مار مچھلی بھی انہی میں سے ہے۔

میں نے پانچواں مسئلہ پوچھا۔

نبیذ کیا ہے اور حلال ہے یا حرام!

آپ نے فرمایا۔ جب مسلمان ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آئے تو تبدیلی آب و ہوا کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکے تو صحابہ نے شکوہ کیا۔

آپ نے فرمایا۔ نبیذ بنا کر پی لیا کرو۔

جب صحابہ نے طریقہ پوچھا۔

تو آپ نے فرمایا۔ کھجور کے چند دانے پانی کے مشکیزے میں ڈال دیا کرو اور اسے پیتے رہا کرو

بعد میں لوگوں نے اس نبیذ کو دوسرے معنی میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور بعض نے تو شراب کی رنگت پہنچا کر اسے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ان مسائل سے میں مطمئن ہو گیا تھا۔ اور تادم مرگ مسلک آل محمد پر عمل کرتا رہا۔

مقدس ادانی:

بحار میں مروی ہے کہ ایک خارجی نے امام صادق ؑ کے شاگرد ہشام ابن حکم سے پوچھا۔

کیا عجمی عرب عورتوں میں شادی کر سکتے ہیں۔

ہشام نے کہا۔ ہاں۔

خارجی نے کہا۔ کیا عرب قریش میں شادیاں کرتے ہیں۔!

ہشام نے کہا۔ ہاں۔

خارجی نے کہا۔ کیا تم ہشام بن ہاشم سے شادی کرتے ہیں۔
ہشام نے کہا۔ ہاں۔
خارجی امام صادقؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ کہ ہشام نے اس طرح کہا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ ہشام نے درست کہا ہے۔
خارجی نے کہا۔ اگر درست ہے تو پھر میں آپ سے خواستگاری کرتا ہوں۔
امام صادقؑ نے فرمایا تیرا کفو تیری قوم ہے۔
ذات احدیت نے ہمارے لیے صدقہ جو لوگوں کا میل ہے ہم اہلبیت پر حرام کیا ہے۔ اسی بنیاد پر ہم اللہ کے اس امتیاز کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ جو اس نے ہمیں دوسروں سے دیا ہے۔ اور ہم اپنی اس فضیلت میں، جو اللہ نے ہمیں عنایت کی ہے کسی ایسے کو شریک نہیں کر سکتے۔ جو اس فضیلت میں شریک نہیں۔
خارجی یہ سن کر اٹھا اور یہ کہتا گیا کہ جس طرح آج جعفر ابن محمدؑ نے مجھے جواب دیا ہے۔ بخدا! اس طرح آج تک کسی نے نہیں دیا۔
خصائل اور علل الشرائع میں شیخ صدوق نے منصور کے خادم ربیع سے روایت کی ہے کہ ایک دن امام صادقؑ منصور کے دربار میں بیٹھے تھے۔ وہاں ایک ہندوستانی طبیب طب میں موشگافیاں کر رہا تھا۔ امام صادقؑ خاموشی سے سن رہے تھے۔
جب وہ طبیب اپنے موضوعات سے فارغ ہوا تو اس نے امام صادقؑ سے کہا۔ جو کچھ میرے پاس ہے اگر چاہیں تو میں آپ کو پیش کر سکتا ہوں۔
آپ نے فرمایا۔ نہیں! مجھے ضرورت نہیں ہے کیونکہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو آپ کے پاس ہے۔
طبیب نے کہا۔ آپ کے پاس کیا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ میں گرم کا علاج سرد سے۔ سرد کا گرم سے۔ خشک کا تر سے۔ تر کا خشک سے کر کے معاملہ اللہ کے سپرد کر دیتا ہوں۔ اور اس سلسلہ میں وہی دوائیں استعمال کرتا ہوں۔ کہ جن کی ہدایت نبی اکرمؐ نے بھی فرمائی ہے۔
میں سمجھتا ہوں کہ معدہ بیماریوں کا گھر ہے۔ بخار کو دوا کی حیثیت حاصل ہے۔ اپنے جسم کو اس کی اپنی عادت پر باقی رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔
طبیب نے کہا۔ یہی تو طبابت ہے۔
آپ نے فرمایا۔ تو کیا سمجھتا ہے۔ یہ اصول علاج و حکمت میں نے طب کی کتابوں سے لیے ہیں۔

طبیب نے کہا۔ میرا خیال نہیں ہے مجھے یقین ہے۔
کیونکہ جو کچھ آپ نے کہا۔ کتب طب کے علاوہ کہیں نہیں تھا۔
آپ نے فرمایا۔ بخدا! آج تک میں نے طب کی ایک کتاب بھی نہیں دیکھی۔ مجھے جو کچھ ملا ہے اللہ کی طرف سے ملا ہے۔

اچھا یہ بتا۔ طب میں میں اعلم ہوں یا تو!
ہندوستانی نے کہا۔ میرے خیال میں اس وقت دنیائے طب میں مجھ سے زیادہ اعلم کوئی بھی نہیں۔
آپ نے فرمایا۔ کیا مجھے چند سوالوں کی اجازت دے گا۔
طبیب نے کہا۔ طب کے سلسلہ میں آپ جو چاہیں پوچھیں۔
امام صادقؑ نے فرمایا۔ یہ سر میں چھوٹے چھوٹے خانے کیوں ہوتے ہیں؟
طبیب نے کہا۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں۔
امام صادقؑ نے فرمایا۔ سر پہ بال کیوں ہوتے ہیں؟
طبیب نے کہا۔ میں نے اس کی وجہ نہیں پڑھی۔
امام صادقؑ نے فرمایا۔ یہ پیشانی بالوں سے خالی کیوں ہے۔؟
طبیب نے کہا۔ کسی کتاب میں اس کی وجہ نہیں دیکھی۔
امام صادقؑ نے فرمایا۔ یہ پیشانی میں لکیریں اور جھریاں کس لیے ہوتی ہیں؟
طبیب نے کہا نہیں معلوم۔
امام صادقؑ نے فرمایا۔ یہ ابرو آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں؟
طبیب نے کہا۔ بھگوان جانتا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔
امام صادقؑ نے فرمایا۔ یہ آنکھیں بادامی شکل میں کیوں بنائی گئی ہیں۔
طبیب نے کہا۔ کہیں نہیں دیکھا۔
امام صادقؑ نے فرمایا۔ یہ ناک کو آنکھوں کے درمیان کس لیے رکھا گیا ہے۔
طبیب نے کہا۔ کسی جگہ نہیں پڑھا۔
امام صادقؑ نے فرمایا۔ مونچھیں منہ کے اوپر کیوں ہیں!
طبیب نے کہا۔ نہیں جانتا۔
امام صادقؑ نے فرمایا۔ دانت لمبے اور داڑھیں چوڑی کیوں بنائی گئی ہیں
طبیب نے کہا علم طب کی کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ ناک کی سوراخ کا رخ نیچے کی طرف کیوں ہے؟

طبیب نے کہا۔ نہیں معلوم۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ مردوں کی داڑھی کیوں ہوتی ہے؟

طبیب نے کہا۔ کسی استاد نے نہیں بتایا

امام صادقؑ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتا کر ہتھیلیاں بالوں سے خالی کیوں ہیں۔؟

طبیب نے کہا۔ بخدا ان تمام میں نے کہیں نہیں دیکھا۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتا کر ناخن اور بال زندگی سے کیوں خالی ہوتے ہیں؟

طبیب نے کہا۔ نہیں معلوم

امام صادقؑ نے فرمایا۔ دل تخم صنوبر کی طرح کیوں بنایا گیا ہے۔

طبیب نے کہا۔ میں نے کہیں نہیں پڑھا۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ اچھا یہ تو بتا دے کہ پھیپھڑے دو کیوں ہوتے ہیں اور یہ اپنی جگہ متحرک کیوں رہتے ہیں؟۔

طبیب نے کہا میں نے کہیں دیکھا نہیں ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ یہ تو بتا دے کہ جگر کناروں سے پتلا اور درمیان سے موٹا کیوں ہوتا ہے۔

طبیب نے کہا۔ کسی نے اس کی وجہ نہیں لکھی۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ یہ گردے تخم لوبیا کی طرح کیوں ہوتے ہیں؟

طبیب نے کہا۔ نہیں پڑھا۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ یہ گھٹنے صرف پیچھے کی طرف کیوں مڑتے ہیں۔

طبیب نے کہا نہیں معلوم

امام صادقؑ نے فرمایا۔ تو تصدیق کرتا ہے کہ میرے ان تمام سوالات کا تعلق فن طب سے ہے؟

طبیب نے کہا۔ اگر میں انکار بھی کروں تو کون مانے گا۔ ان مسائل کا تعلق فن طب ہی سے ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تو تسلیم کرتا ہے کہ آج تک فن طب پر لکھی گئی کتب میں سے کسی بھی کتاب میں ان سوالوں کا جواب موجود نہیں ہے۔

طبیب نے کہا۔ بالکل میں تسلیم کرتا ہوں کہ فن طب کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تیرے معلومات کے مطابق کوئی طبیب ان سوالوں کے جواب جانتا ہے۔

طبیب نے کہا۔ میرے علم کے مطابق کوئی بھی ان سوالوں کے جواب نہیں جانتا۔

آپ نے فرمایا۔ لیکن میں جانتا ہوں۔

کیونکہ میرا علم علمِ الٰہی ہے۔ جس ذات نے انسان کو خلق فرمایا ہے اسی ذات نے نبی کریمؐ کے ذریعہ ہم آئمہ اہلبیت کو اس علم سے نوازا ہے۔

طبیب نے عرض کیا۔ اگر نوازش فرمائیں تو آپ ان سوالات کے جوابات بھی مرحمت فرمادیں۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ نے سر میں خانے اس لیے رکھے ہیں کہ چونکہ سر گول ہے اگر اس میں خانے نہ ہوں تو صداع فوراً حملہ آور ہوجاتا۔

یہ ان خانوں کی وجہ ہے کہ صداع کا حملہ نہیں ہوتا۔

بال سر پر اس لیے پیدا کیے ہیں تاکہ بالوں کے ذریعہ دماغ میں روغنیات پہنچائے جاسکیں۔ سر میں موجود بخارات انہی بالوں کے مساموں کے ذریعہ خارج ہوتے رہتے ہیں۔ سر پر بالوں کی موجودگی سے سر سردی اور گرمی سے محفوظ رہتا ہے۔

پیشانی کو بالوں سے اس لیے خالی رکھا گیا ہے کہ پیشانی آنکھوں میں روشنی پہنچانے کا ذریعہ ہے اور اس میں روشنی اس طرح جمع رہتی ہے جس طرح دریاؤں میں پانی جمع رہتا ہے۔ دماغ سے آنکھوں تک آنے والی وریدیں اس روشنی کو محفوظ رکھتی ہیں۔

پیشانی میں لکیریں اس لیے پیدا کی گئی ہیں کہ سر سے گرنے والے فضلات سے بھی آنکھیں محفوظ رہا کریں۔

ابرو آنکھوں کے اوپر اس لیے پیدا کیے گئے ہیں تاکہ ریگولیٹر کا کام دیں اور حسب ضرورت روشنی آنکھوں تک پہنچتی رہے۔

آپ نے خود کئی بار تجربہ کیا ہوگا کہ جب روشنی بہت زیادہ ہوجائے اور ابرو اسے نہ روک سکیں تو انسان فوری طور پر روشنی کی شدت سے بچنے کی خاطر آنکھوں کے سامنے ہاتھ کا سایہ بنا دیتا ہے تاکہ آنکھوں کی برداشت سے زیادہ روشنی نہ آنے پائے۔

ناک کو دونوں آنکھوں کے درمیان رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اسے آنکھوں میں روشنی کی مساوی تقسیم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

پیشانی کی وریدوں میں جمع ہونے والی روشنی ناک میں موجود عضلات کے ذریعہ آنکھوں میں آتی ہے۔ اور ناک دونوں آنکھوں کو برابر برابر روشنی تقسیم کرتا ہے۔

آنکھوں کو بادامی صورت میں اس لیے بنایا ہے تاکہ سرمچو پھیرنے میں آسانی ہو۔ اور آنکھوں کی بیماری زائل ہو۔ اگر یہ آنکھیں گول یا مربع ہوتیں تو سرمچو پوری آنکھوں میں نہ پھرایا جاسکتا جس کی وجہ سے دوا آنکھ کے ہر گوشے میں

زبانی اور نہ جاری پانی اسکورت سے نکلتی۔

ناک کے سوراخ نیچے اس لیے رکھے گئے ہیں تاکہ دماغ سے خارج ہونے والے فضلات بآسانی خارج ہو سکیں۔ اور بیرونی تروتازہ ہوا اور خوشبو بآسانی دماغ میں اوپر جا سکے۔

اگر یہ سوراخ نیچے کی بجائے اوپر ہوتے تو دماغی فضلات خارج نہ ہوتے اور نہ خوشبو اور تازہ ہوا بآسانی دماغ میں پہنچتی۔

مونچھیں اور لب منہ کے اوپر اس لیے بنائے گئے ہیں تاکہ دماغ سے خارج ہونے والے فضلات منہ میں نہ پڑیں۔ اسی جگہ رک جائیں۔ اور انسان کھاتے پیتے وقت بدمزہ نہ ہو۔

مردوں کے داڑھی اس لیے پیدا کی گئی ہے تاکہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہے کہ یہ مرد ہے یا عورت پہلی نظر میں دیکھنے والا مرد اور عورت میں امتیاز کرے۔

دانتوں کو لبا اور داڑھوں کو چوڑا اس لیے رکھا گیا ہے تاکہ انسان جو کچھ کھائے دانت پہلے اسے کاٹ کر باریک کریں پھر دانت داڑھوں کے حوالہ کریں اور داڑھیں اسے پیس کر معدے کے حوالہ کریں۔

ہتھیلیوں کو چھونے کی خاطر بالوں سے صاف رکھا گیا ہے۔ اگر ہتھیلیوں پر بال ہوتے تو انسان کسی چیز کو چھو کر معلوم نہ کر سکتا کہ نرم ہے یا گرم۔ سخت ہے یا ٹھنڈی وغیرہ۔

ناخنوں کو اور بالوں کو زندگی سے اس لیے محروم رکھا گیا ہے۔ کہ ان کا حد سے بڑھ جانا برا ہوتا ہے اور ان کا کاٹنا باعث حسن ہوتا ہے۔ اگر ان میں روح حیات ہوتی تو کوئی شخص بھی نہ ناخن اترواتا اور نہ بال کٹواتا۔

اللہ نے دل کو اس لیے تخم صنوبر کی مانند بنایا ہے کیونکہ اسے الٹا لٹکانا تھا۔ اس کا منہ پتلا اور نچلا حصہ موٹا رکھا ہے۔ تاکہ پھیپھڑے کی ہوا اس میں پہنچ کر سرد کرتی رہے اور دماغ کی حرارت سے جلا نہ دے۔

پھیپھڑے دو اس لیے بنائے گئے ہیں تاکہ دل کو ہر پھیپھڑے سے ہوا پہنچتی رہے۔

جگر کے کنارے باریک اور درمیان کو اس لیے موٹا رکھا گیا ہے تاکہ معدہ پر وزن پڑتا ہے اور معدہ کے کنار کو نچوڑتے ہیں۔

گردے کو تخم لوبیا کی طرح اس لیے بنایا ہے۔

کیونکہ ریڑھ کی ہڈی سے منی گردوں میں قطرہ قطرہ ٹپکتی ہے۔ اور ہر دوسرا قطرہ پہلے قطرے کو آگے دھکیلتا ہے اگر گردے گول یا مربع ہوتے تو دوسرا قطرہ پہلے کو آگے نہ دھکیل سکتا۔ اور انسان بوقت مباشرت کوئی لطف نہ اٹھا سکتا۔ بلکہ بعض اوقات منی کے چند قطرات گردے کے کسی گوشہ میں رک جاتے۔ جس سے انسان مختلف امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔

کھٹنوں کو اس لیے پیچھے موڑتا ہے تاکہ انسان کو چلنے میں تکلیف نہ ہو۔ انسان آگے چلتا ہے۔ اگر گھٹنے آگے مڑتے تو انسان پیچھے پیچھے گر جاتا۔

طبیب نے اٹھ کر آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اور کہنے لگا۔ یہ ہے علم۔ لیکن یہ بتائیں کہ آپ کو کیسے حاصل ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے تجھے بتا دیا ہے کہ۔ مجھے اپنے جد بزرگوار کے ذریعہ نبی کریمؐ سے ملا ہے اور آپ کو اللہ جو خالق انسان ہے نے عنایت فرمایا تھا۔

طبیب نے کہا۔ واقعاً یہ علم الہیٰ ہے۔ آپ وارث نبی ہیں۔

اشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله و انك حجة الله فى الارض۔

علل الشرائع میں عبداللہ قرشی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابو حنیفہ امام صادقؑ کے پاس آیا۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے سنا ہے تو اپنے قیاس کے مطابق حکم دیتا ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ آپ نے سچ سنا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ قیاس اچھا نہیں ہے۔ انسان کے قیاس کرنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ غلطی کیسے ہو جاتی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ابلیس کتنا زیرک تھا۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ بہت زیرک تھا میں جانتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ جب اس زیرک کا قیاس غلط ہوا تو پھر کسی اور کا قیاس کیسے درست ہو سکتا ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ ابلیس کا قیاس کیسے غلط تھا۔

آپ نے فرمایا۔ ابلیس نے آگ اور مٹی کی ظاہری طبیعت کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ آگ کی طبیعت بلندی پسندی ہے اور مٹی کی فطرت پستی پسندی ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ ظاہراً تو بات درست ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ظاہر ہی غلط ہے اور یہی غلطی ابلیس کو لے ڈوبی تھی۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ ظاہر کیسے غلط ہے۔

آپ نے فرمایا۔ آگ خائن ہے اور مٹی امین ہے آگ میں جو چیز ڈال دو واپس نہیں ملے گی اور مٹی میں جو چیز ڈال دو کئی گنا زیادہ ہو کر ملے گی۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ میں نے اس پہلو پر کبھی نہیں سوچا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ ذرا قیاس کر کے بتائیں کہ اللہ نے کانوں میں کڑواہٹ، آنکھوں میں نمکین، ہونٹوں میں شیرینی اور

اور ناک میں سردی کیوں پیدا کی ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ مجھے نہیں معلوم اس کی وجہ کیا ہے؟

آپ ہی فرمادیں۔

آپ نے فرمایا۔

اگر کانوں میں کڑواہٹ کا زہر نہ ہوتا تو حشرات الارض میں سے جو چیز بھی کان میں جاتی انسان مر جاتا۔ اب جو چیز کان میں داخل ہوتی ہے وہ کڑواہٹ کے زہر کی وجہ سے خود مر جاتی ہے۔

اللہ نے آنکھوں میں نمکینی اس لیے پیدا کی ہے کہ ان میں چربی ہے اگر نمکینی نہ ہوتی تو آنکھوں کے ڈھیلے پگھل جاتے نمکینی ہے جو انہیں پگھلنے نہیں دیتی۔

اللہ نے ہونٹوں میں اس لیے شیرینی رکھی ہے تاکہ انسان میٹھی اور کڑوی چیزیں میں امتیاز کر سکے۔ اگر ہونٹوں میں شیرینی نہ ہوتی تو تلخ و شیریں میں امتیاز نہ ہوتا۔

اللہ نے ناک کو اس لیے سرد رکھا ہے تاکہ دماغ سے گرنے والے فضلہ جات ناک میں آ کر ٹھنڈے ہو جائیں اور پھر باہر آئیں۔

امام صادقؑ ہر زبان میں بات کر سکتے تھے!

بصائر الدرجات میں عمار ساباطی سے مروی ہے کہ ایک دن امام صادقؑ نے نبطی زبان میں مجھ سے گفتگو کی میں سن کر حیران رہ گیا۔

میں نے عرض کیا۔

قبلہ! میں نے بنی نبط میں بھی ایسا فصیح اللسان نہیں دیکھا۔

آپ نے فرمایا۔ عمار! صرف نبطی ہی نہیں میں حجت خدا ہوں اور ہر حجت خدا روئے ارض کی تمام زبانوں میں اہل زبان سے فصیح و بلیغ ہوتا ہے۔

بصائر الدرجات ہی میں زرعہ سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کے پاس تھا۔ آپ نے ایک عجمی غلام کو کسی کام کے لیے بھیجا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو وہ اٹک اٹک کر عربی میں بات کرنے لگا۔ جس سے کوئی واضح مفہوم سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ مجمجہ مت - اپنی زبان میں ہی بتا دے میں ہر زبان سمجھتا ہوں۔

بصائر میں عامر ابن علی جامعی سے مروی ہے کہ میں نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا

قبلہ! کیا اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اگر وہ تکبیر پڑھ کر ذبح کریں جس کی انہیں ہدایت کی گئی ہے تو جائز ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ کیا آپ جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ میں ہر زبان جانتا ہوں۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! میں اہل کتاب کی تکبیر سننا چاہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ سنو سے۔

بارو خ اتا ادو نائی ایلوھینو املخ عولام اشر قدشینو ابمو تاسنو اتوا علی ھشحیطا۔

تبارکت انت الھنا ملک العالمین الذی قدسنا با وامرہ وامرنا علی الذبح۔

تمام اللہ! ہمارا معبود، بابرکت اور عالمین کا حکمران ہے تو وہ ہے جس نے ہمیں اپنے حکم سے مقدس کیا ہے۔ اور ہمیں ذبح کا حکم دیا ہے۔

بصائر میں اسماعیل ابن مہران سے مروی ہے کہ امام صادقؑ کے پاس بربا کا ایک شخص رہتا تھا۔ ایک دن وہ اجازت لے کر رخصت ہوا۔

چند گھنٹوں کے بعد واپس آیا۔

ہم نے پوچھا۔ کیا بات ہے۔ صبح تو تو جا رہا تھا!

اس نے کہا۔ ایک اہم مسئلہ پوچھنا بھول گیا تھا۔

پھر وہ آپ کے سامنے گیا۔ آپ نے اسے مسکرا کے دیکھا اور فرمایا۔

یا بست رعا یا صیابنا حل۔ یعنی بیض دیوک الماء لا تاکل پانی کے پرندوں کے انڈے مت کھانا۔

بصائر میں جبرئیل کے ایک شیعہ سے مروی کہ

بستی میں ایک شخص رہتا تھا جو ہر وقت مجھے رافضی کہتا تھا اور گالیاں بک کر اذیت دیتا تھا۔ بستی میں اسے قرد القریہ (بستی کا بندر) کہا جاتا تھا۔

میں حج کو گیا۔

امام صادقؑ سے ملاقات ہوئی انہوں نے دیکھتے ہی مجھے فرمایا۔

فرقہ ماشامت۔ یعنی مات قرد القریۃ بستی کا بندر مر گیا ہے۔

میں نے عرض کیا کب؟

آپ نے فرمایا۔ ابھی ابھی۔

میں نے وہ دن اور وقت نوٹ کر لیا
جب واپس گھر آیا، میرا بھائی مجھے ملا، میں نے اس سے بستی کے حالات پوچھے۔ اس نے قبطی زبان کے وہی الفاظ دہرائے جو امام صادقؑ نے فرمائے تھے۔
میں نے پوچھا، کب ہوا ہے۔
جب اس نے تاریخ اور وقت بتایا تو میں نے اسے امام صادقؑ کے بتائے وقت سے متفق پایا۔
خراسانی ابان ابن تغلب سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کے پاس آیا۔ وہاں پر مختلف علاقوں کے لوگ بھی موجود تھے۔ جب ہمیں جانے کی اجازت ملی۔ اور ہم جا کر بیٹھے تو آپ نے ایک حدیث بیان فرمائی جسے ہر زبان والے نے اپنی زبان میں سمجھا۔
وہاں سے اٹھ کر باہر آئے۔ تو عرب نے عربی میں کہا۔
آپ نے یہ فرمایا ہے۔
ایرانی نے فارسی میں کہا۔ آپ نے یہ فرمایا ہے۔
حبشی نے حبشہ میں کہا۔ آپ نے یہ فرمایا ہے۔
سقلبی نے سقلب میں کہا۔ آپ نے یہ فرمایا ہے۔
سب حیران ہو کر واپس آئے اور آپ کی خدمت میں اپنی مشکل عرض کی۔
آپ نے فرمایا، بات ایک ہی ہے۔ تمہاری زبانوں میں اختلاف کی وجہ سے ہر ایک کو اپنی زبان میں سمجھائی گئی ہے۔
بحار میں فارسی سے مروی ہے کہ چند ایرانی آپ کے پاس آئے۔
آپ نے فرمایا۔

من جمع مالا یحرسه عذبه الله علی مقداره۔	جس نے مال جمع کیا اللہ اسے اس کے مال کی مقدار کے مطابق عذاب کرے گا۔

انہوں نے عرض کیا قبلہ، ہمیں عربی نہیں آتی۔
آپ نے مسکرا کے فرمایا۔ میں نے کہا ہے۔
ہر کہ درم اندوزد جزایش جہنم باشد
ایک نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کو فارسی خوب آتی ہے۔
آپ نے فرمایا۔ اللہ نے مجھے روئے ارض پر اپنی حجت قرار دیا ہے۔ اگر مجھے کو ارض پر بولی جانے والی ہر زبان نہیں آئے گی تو پھر میں حجت خدا کیسے رہ سکتا ہوں۔

اللہ نے ایک شہر مشرق میں اور ایک شہر مغرب میں آباد کیا ہے۔ ہر شہر کے گرد فصیل ہے۔ اس میں ایک ہزار دروازہ ہے۔ ہر دروازہ کے پیچھے دس دس ہزار محلے ہیں۔ ہر محلہ کی زبان دوسرے محلہ والوں سے مختلف ہے۔ اور میں حجت خدا ہونے کی حیثیت سے تمام زبانیں جانتا ہوں۔

آئمہ کے پاس ملائکہ کی آمدورفت :

دلائل الامامۃ از طبری میں یونس بن ظبیان سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کے دروازہ پر گیا۔ دق الباب کیا۔ اندر سے معتب باہر آیا۔ اور مجھے اندر جانے کی اجازت دی۔

میں تو اندر چلا گیا۔ لیکن معتب حسب عادت میرے ساتھ نہ آیا۔ میں جب اندر گیا تو مجھے امام صادقؑ کی شکل و صورت کا ایک شخص نظر آیا۔

میں نے حسب معمول سلام کیا۔

اس نے جواب سلام دیا۔ اور کہا۔

بصورت ایمان آیا ہے یا بحالت کفر؟

میں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

اس نے کہا۔ اندر آجا۔

جب میں آگے بڑھا تو وہاں بے شمار مخلوق تھی۔ جن کی صورتیں ایک جیسی تھیں۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا جس کی داڑھی میں تھوڑے تھوڑے سفید بال تھے۔ اس نے میرے ہاتھ سے پکڑا۔ دروازہ کی دہلیز پر لایا۔ میری آنکھیں چندھیانے لگیں۔

میں نے کہا۔ السلام علیک یا بیت اللہ ونورہ وحجابہ

اس نے جواب دیا وعلیک السلام یا یونس۔

وہ شخص چلا گیا۔ ایک اور آگیا اس نے پوچھا۔

تجھے کس کی تلاش ہے؟

میں نے کہا۔ مجھے امام صادقؑ سے ملنا ہے۔

اس نے ایک کمرہ کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ اس میں چلا جا۔ میں اندر گیا تو امام صادقؑ کو تشریف فرما دیکھا۔ ان کے سامنے پرندوں نما دو شخص بیٹھے تھے۔ اور باتیں کر رہے تھے۔ مجھے ان کی ایک بات بھی سمجھ نہیں آرہی تھی البتہ امام صادقؑ جوابات کرتے تھے وہ سمجھ لیتا تھا۔

جب وہ دونوں باہر چلے گئے۔
تو میں نے عرض کیا۔ قبلہ یہ کون تھے!
آپ نے فرمایا۔ یونس! ہم ظلمات میں گل نور ہیں۔ ہم وہ بیت معمور ہیں جو اس میں داخل ہو گیا امن میں رہ گیا۔

ہم حجت خدا ہیں۔
میں نے عرض کیا۔ قبلہ آج ایک عجیب بات دیکھی ہے۔
ایک شخص آپ کی شکل میں تھا۔
آپ نے فرمایا۔ یونس ہماری صورت کوئی بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ وہ تیسرے آسمان کا ایک ملک تھا۔ جسکی خواہش تھی کہ اسے چوتھے آسمان پر بھیجا جائے۔
میں نے عرض کیا۔ وہ جو گھر میں کثیر تعداد موجود تھی؟
آپ نے فرمایا۔ یہ وہ ملائکہ ہیں جو حضرت حجت کے ساتھی ہوں گے۔ اور یہ اس وقت تک آسمان پر واپس نہیں جائیں گے جب تک ظہور قائم نہیں ہو جاتا۔
بصائر میں ابو بصیر سے مروی ہے کہ میں نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ قبلہ!
ایک علم تو وہ ہے جو ناقابل تغیر ہے۔ اور آپ کو حسین وقت سے عطا کیا جاتا ہے لیکن وہ علم جو یمحو اللہ ما یشاء و یثبت۔ کے مطابق ہے وہ کیسے عطا ہوتا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ ابو بصیر! جو علم سال تک ناقابل تغیر ہوتا ہے وہ شب قدر عطا ہوتا ہے۔ اور جس میں روزانہ تبدیلی کا امکان ہوتا ہے۔ اور جو ہم حدیثیں ہم کرتے ہیں وہ علم روزانہ صبح سے شام تک کیلئے صبح کو اور شام سے صبح تک کے لیے شام کو عطا ہوتا ہے۔
بعض اوقات کوئی ملک آکر بتاتا ہے اور۔
بعض اوقات ہمارے دل میں ڈالا جاتا ہے۔

آئمہ اہل بیت کے پاس جنوں کی آمد و رفت!

کشف الغمہ میں سعد بجستانی سے مروی ہے کہ ایام حج میں میں روزانہ امام صادقؑ کے پاس آتا تھا۔ ان کی محفل میں بیٹھ کر معالم دین حاصل کرتا تھا۔ ایک دن میں آیا جب اجازت لی تو مجھے کہا گیا ہے کچھ دیر انتظار کرے۔

میں باہر صحن میں بیٹھ گیا۔

پھر ایسے نوجوان آئے جنہیں میں نہیں جانتا تھا۔ ان کی صورتیں دیہاتی جاٹوں جیسی تھیں۔

انہوں نے اجازت لی۔

آپ نے فوراً انہیں اندر بلایا۔

کافی دیر بعد عیسیٰ شلقان نے مجھے اندر بلایا۔ جب میں وہاں گیا۔ تو جن جاٹوں کو میں نے جاتے دیکھا تھا۔ وہ وہاں موجود تھے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ ایک گروہ ابھی ابھی آپ کے پاس آیا تھا۔ لیکن اب نہ تو یہاں نظر آتے ہیں اور نہ ہی میں نے انہیں واپس جاتے ہوئے دیکھا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ چند جنات تھے جو اپنے مسائل دریافت کرنے آئے تھے۔

بصائر الدرجات میں مفضل ابن عمر سے مروی ہے کہ خراسان سے دو شخص اپنے واجبات لے کر مدینہ میں امام صادقؑ تک پہنچانے کی خاطر روانہ ہوئے۔ رے میں آئے تو وہاں انہیں ایک شخص نے ایک تھیلی دی کہ یہ بھی امام صادقؑ کی خدمت میں پیش کر دینا۔

تمام راہ میں وہ دونوں اس مال کا تحفظ کرتے رہے۔ جب بیرون مدینہ پہنچے تو انہوں نے اطمینان کے لیے ایک مرتبہ پھر مال کو دیکھا۔ جب سنبھالا تو رے میں دی جانے والی تھیلی نہ تھی۔

دونوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

امام کو کیا جواب دیں گے۔

کافی وقت پریشان رہنے کے بعد آخر انہوں نے یہ سوچ کر اطمینان کر لیا۔ کہ امام کو ہمارا امکانی تحفظ بھی معلوم ہوگا۔

کہ ہم نے کوتاہی اور غفلت نہیں کی۔ ہم تمام بات بتا دیں گے۔

پھر جیسا انہوں نے حکم دیا ویسے کریں گے۔

مدینہ میں آنے کے بعد سب سے پہلے وہ امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلام و نیاز کے بعد مال پیش کیا۔

آپ نے فرمایا۔ وہ رازی والی تھیلی کہاں ہے۔

دونوں نے تمام حال تفصیل سے بتا دیا۔

آپ نے فرمایا۔ اگر تھیلی دیکھو تو پہچان لو گے؟

انہوں نے عرض کیا۔ قبلہ ضرور پہچان لیں گے۔

آپ نے غلام کو حکم دیا کہ فلاں جگہ فلاں رنگ کی جو تھیلی رکھی ہے اٹھالا۔

جب غلام اٹھا کے لایا۔

تو آپ نے فرمایا۔ اسے پہچانیے وہی ہے۔

مدنوں نے عرض کیا۔ حضور! بلاشک وہی ہے۔

لیکن یہ آپ کے پاس کیسے پہنچ گئی؛

آپ نے فرمایا۔ اگر میرے پاس تمہاری بیرون مدینہ کی جانے والی یہ گفتگو پہنچ سکتی ہے کہ امام کو ہمارا امکانی تحفہ معلوم ہوگا۔ تو یہ تھیلی بھی امام تک پہنچ سکتی ہے۔

انہوں نے عرض کیا۔ قبلہ ہمیں بھی تو معلوم ہو کہ کیسے پہنچی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے اچانک کچھ رقم کی ضرورت تھی۔ اور مجھے معلوم تھا کہ تم میرے ہی لیے رقم لا رہے ہو۔ چنانچہ میں نے تمہارے ایک جن بھائی کو بھیجا جو یہ تھیلی اٹھا کر لے آیا۔

بصائر الدرجات میں مروی ہے کہ ابو عبداللہ حجاج کے قافلے روانہ کیا کرتا تھا۔ ایک سال اس نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا۔

قبلہ! اب کے سال میں آپ ہی کے ساتھ جاؤں گا۔ اگر آپ تشریف لے گئے تو جاؤں گا ورنہ نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ نہیں تو چلا۔

میں نے ابو الفضل سدیر کے ذمہ کچھ کام لگائے ہیں اگر اس نے سرانجام دے دیئے تو تم انشاء اللہ مجھے راستہ میں آملو گے۔ اور میں تجھے بذریعہ خط مطلع کروں گا۔

جب ہم دو دن اور ایک رات کا سفر کر چکے۔ تو ایک بڑا طویل القامت گندمی رنگ والا آدمی آیا۔ اس نے مجھے امام صادقؑ کا خط دیا۔ جس کی تہہ ابھی تک خشک نہیں ہوئی تھی۔ میں حیران تو ہوا لیکن خاموش رہ گیا۔ خط لے لیا۔ وہ واپس چلا گیا۔

میں نے خط پڑھا۔ لکھا تھا۔ ابو الفضل نے ہمارا کام کر دیا ہے۔ ہم انشاء اللہ عنقریب تجھے آملیں گے۔ تو جہاں ہے وہیں رک جا۔

جب آپ تشریف لے آئے تو میں نے عرض کیا۔

حضور! دو دن اور ایک رات کا کافی سفر ہم کر چکے تھے۔ لیکن آپؑ کا جو خط ملا ہے۔ اس کی تہہ ابھی تک خشک نہیں ہوئی تھی اسے دیکھ کر مجھے ایک خیال تو ہوا کہ کہیں جعلی نہ ہو۔

لیکن یہاں پھر میں آپ کے حکم کی تعمیل میں بیٹھ گیا۔

آپ نے فرمایا۔ انسانوں کی طرح قوم جنات میں بھی ہمارے شیعہ ہیں۔ اور اس قسم کی فوری ضرورت کے لیے بعض

اور قلت ہم ان سے بھی کام لے لیتے ہیں۔

بصائر الدرجات میں ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ ایک سال میں امام صادقؑ کے ساتھ حج کو جا رہا تھا۔ ہم مکہ اور مدینہ کے مابین تھے۔

ایک سیاہ کتا ہمارے قریب آیا۔

آپ نے فرمایا: خدا تجھے رسوا کرے۔ ہم سے کیا لینے آیا ہے۔

میں نے دیکھا۔ وہ کتا ایسے غائب ہوا جیسے اسے پر لگ گئے ہوں اور اڑ گیا ہو۔ میں نے عرض کیا۔

حضور والا۔

یہ کیا بات تھی۔

آپ نے فرمایا۔ ہشام مر گیا ہے اور یہ جنات کا پیغام رساں ہے۔ اپنی قوم میں ہشام کی خبر مرگ پھیلا رہا ہے۔

بصائر الدرجات میں امام صادقؑ کے غلام مصعب سے مروی ہے کہ ایک سال امام صادقؑ مکہ میں حج پر تھے میں بیرون مدینہ کسی کام کی غرض سے گیا ہوا تھا۔ میں ایک جگہ کھڑا تھا۔ کہ ایک شخص نے مجھے امام صادقؑ کا خط لا کر دیا۔ اس کی مہر بالکل تازہ اور گیلی تھی۔

میں نے خط کھولا۔ اس میں چند ضروری ہدایات تھیں۔

میں نے سوچا پڑھ کر خط لانے والے سے پوچھوں تو سہی کہ تو کب امام سے ملا تھا جب میں نے ادھر ادھر دیکھا تو وہ مجھے کہیں نظر نہ آیا۔

عمل تو میں نے خط کے مطابق کیا۔ لیکن جب امام صادقؑ واپس تشریف لائے تو ان سے خط کے متعلق پوچھا۔

انہوں نے فرمایا۔ انسانوں کی طرح جن بھی ہمارے شیعہ ہیں۔ اور جب کوئی فوری اور ضروری کام درپیش ہوتا ہے تو ہم ان سے بھی کام لے لیتے ہیں۔

آئمہ اہل بیتؑ اور اسمائے ملوک و شیعہ :

بصائر الدرجات میں ابو عزہ سے مروی ہے کہ میں ابو بصیر کو لے کر امام صادقؑ کے پاس آیا۔ راستہ میں ابو بصیر نے مجھے کہا۔

امام صادقؑ کی موجودگی میں بات کرنا اور نہ کچھ کہنا۔

جب ہم نے دق الباب کیا۔ تو جواب میں میں نے امام صادقؑ کی آواز سنی۔ غلام کو فرمایا۔ جا ابو محمد آیا ہے۔

دروازہ کھولیں۔

غلام نے دروازہ کھولا۔ ہم اندر داخل ہوئے سلام کیا۔ میں نے دیکھا آپ کے سامنے ایک کتاب رکھی تھی جس میں آپ کچھ دیکھ رہے تھے۔

آپ نے مجھے فرمایا۔ کیا تو بزاز ہے۔

یہ سن کر میں کانپنے لگا اور عرض کی۔ جی حضور!

آپ نے اس صحیفہ میں پھر دیکھ کر فرمایا۔ کیا تو ہی بزاز ہے ناں؟

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! میں ہی بزاز ہوں۔

جب وہاں سے رخصت ہو کر واپس ہوئے تو راستہ میں میں نے ابو بصیر سے کہا۔ جو اتفاق آج ہوا ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

ابو بصیر نے کہا۔ کیا ہوا؟

میں نے کہا۔ امام صادقؑ کے سامنے ایک صحیفہ رکھا تھا۔ انہوں نے دو مرتبہ اس میں دیکھا۔ دونوں مرتبہ مجھ سے پوچھا۔

کیا تو بزاز ہے؟ اور دونوں مرتبہ مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔

ابو بصیر نے حسرت سے پیشانی پر ہاتھ ملا اور کہنے لگا۔ افسوس ہے تو نے مجھے اسی وقت بتایا ہوتا۔ یہ وہی صحیفہ ہے جس میں تاقیامت شیعیان آل محمدؐ کے نام ہیں۔ میں ان کی خدمت میں عرض کرتا۔ تجھے تیرا نام صحیفہ میں دکھاتے۔

میں نے کہا۔ آپ نے جب وہاں جانے سے پہلے مجھ پر بولنے اور کچھ کہنے کی پابندی لگا دی تھی۔ پھر میں آپ کو کس طرح بتاتا۔

بصائر الدرجات میں جابر والبی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ ہمارا ایک پڑوسی ہے جو آپ کے فضائل و محامد کا قائل ہے۔ کیا وہ آپ کے شیعوں سے ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اس کا نام کیا ہے۔

میں نے نام بتایا۔

آپ نے غلام سے فرمایا۔ فلاں نامہ وس سے لے کے آ۔

وہ ایک بہت بڑی کتاب اٹھا کر لایا۔ آپ نے اسے کھولا۔ اور فرمایا۔ ہاں وہ ہمارے شیعوں سے ہے یہ اس کا اور اس کے باپ کا نام ہے۔

بصائر الدرجات میں بکر ابن کردین سے مروی ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا۔

ہمارے شیعوں سے ہماری محبت کا میثاق عالم ذر میں لیا گیا تھا۔ اس دنیا پر آنے کے بعد اہل بیت میں سے ہر محبت خدا کو صالح اور غیر صالح شیعہ کا علم ہوتا ہے۔ ہمارے پاس وہ علم ہے۔ جس کی بدولت ہم کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔ لیکن لوگ ہمارے محتاج ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس وہ صحیفہ ہے۔ جو نبی اکرمؐ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے لکھوایا ہے اور ہمارے جد امجد علی نے اپنے ید البی ہاتھ سے لکھا ہے۔

بصائر ہی میں زرارہ سے مروی ہے کہ میں عبد الواحد ابن مختار۔ لقمان اور عمر ابن شجرہ امام صادقؑ کے پاس بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد عمر چلا گیا۔

آپ نے فرمایا۔ یہ ابن شجرہ تھا۔

ہم نے عرض کیا۔ ہاں حضور! بڑا اچھا آدمی ہے۔ آپ کے حوالیوں سے ہے۔ ہر قدم پر محبان آل محمدؐ کی ہر ممکن مدد کرتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہمیں سب کچھ معلوم ہے۔ تم کیا جانو کہ یہ شخص کتنا خبیث ہے۔

زرارہ کہتا ہے کہ۔ جب ہم وہاں سے اٹھے۔ اور باہر آئے۔ تو میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ کہ ابن شجرہ کی زیادہ تعریف نہیں کرنا چاہیے تھی۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ۔

ابن شجرہ ارتکاب محرمات میں کتنا حریص ہوتا ہے۔

بصائر میں فضیل سے مروی ہے کہ۔ میں امام صادقؑ کے پاس گیا۔ آپ ایک صحیفہ دیکھ رہے تھے۔ کافی دیر بعد آپ نے فرمایا۔

فضیل تجھے معلوم ہے میں کیا دیکھ رہا تھا۔؟

میں نے عرض کیا۔ نہیں حضور!

آپ نے فرمایا۔ میں صحیفہ فاطمہ دیکھ رہا تھا۔ اس میں تا قیامت آنے والے حکمرانوں کے نام ہیں۔ اولاد امام حسنؑ میں سے کسی کا نام حکمران کی حیثیت سے اس میں نہیں ہے۔ اسی لیے جب میں محمد ابن عبد اللہ کو دیکھتا ہوں تو مجھے ترس آجاتا ہے کہ وہ چاروں طرف سے حصول اقتدار کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا پھر رہا ہے۔ لیکن مجھے اس کا نام اس صحیفہ فاطمہ میں کہیں بھی نظر نہیں آ رہا۔

بصائر میں حمران سے مروی ہے کہ میں نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا۔

قبلہ! کیا آپ کے پاس توریت۔ زبور۔ انجیل اور صحف انبیاء بھی ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ حمران جو کچھ اللہ نے سرور انبیاء کو دیا تھا۔ وہ سب ہمارے پاس ہے۔ اور اللہ نے آنحضورؐ کو صحف انبیاء کے علاوہ شب معراج میں رونما ہونے والے واقعات کا علم بھی دیا تھا۔ اللہ نے ہمیں اس علم کا

وارث بھی بنایا ہے۔

ہر حجت خدا تمام حیوانوں اور پرندوں کی زبان سمجھتا ہے۔

خرائج میں صفوان ابن یحییٰ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم امام صادقؑ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے ایک بکروٹے کو ذبح کرنے کی خاطر گرایا۔

بکروٹے نے عجیب انداز میں آواز نکالی

امام صادقؑ نے اس شخص سے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جا۔

وہ رک گیا۔

آپ نے فرمایا۔ کتنے میں لیا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ چار درہم میں۔

آپ نے چار درہم دے دیئے اور فرمایا۔ اسے یہیں چھوڑ جا۔

پھر ہم آپ کے ساتھ باہر نکلے۔ ایک باز نے تیتر پر حملہ کیا۔ تیتر اڑ کر آپ کے ہاتھ پر آ بیٹھا۔ آپ نے باز سے کچھ فرمایا۔

باز واپس چلا گیا۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! آج دو باتیں بڑی عجیب دیکھی ہیں۔ پہلے آپ نے بکروٹے کی قیمت دے کر اسے ذبح نہیں ہونے دیا۔ اب باز کے شکار میں آتے ہوئے تیتر نے آپ کا سہارا لیا آپ نے باز کو کچھ فرمایا۔ وہ چلا گیا۔

آپ نے فرمایا۔ صفوان۔ اللہ نے جناب سلیمان کو پرندوں کی زبان سمجھنے کے علم سے نوازا تھا۔ اور ہمارا نبی سلیمان سے افضل تھا۔

کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ نے ہمارے نبیؐ کو اس علم سے محروم رکھا ہو؟

میں نے عرض کیا۔ نہیں قبلہ

آپ نے فرمایا۔ جو علم، آنحضرتؐ کے پاس تھا آپ نے اپنے خلفاء کو عنایت فرمایا ہے۔ بکروٹے کو جب ذبح کرنے کی خاطر اس شخص نے گرایا۔ تو بکروٹے نے مجھ سے فریاد کی۔ میں نے اس کی قیمت مالک کو دے کر اسے ذبح ہونے سے بچایا۔ جب باز نے تیتر پر حملہ کیا۔ تو تیتر نے میرے ہاتھ پر بیٹھ کر مجھ سے درخواست کی کہ مجھے بچائیں۔ میں نے باز کو کہا کوئی اور شکار تلاش کر۔

اگر لوگوں میں قوت برداشت ہوتی تو میں انہیں پرندے کی بولی سناتا۔

خرائج میں علا ابن سیابہ سے مروی ہے کہ ایک شخص امام صادقؑ کے پاس آیا۔ اس نے دیکھا تو آپ نماز پڑھ رہے تھے۔

ایک ہدہد آپ کے سامنے بیٹھا تھا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو۔

اس نے عرض کیا۔ حضور! آیا تو ایک مسئلہ پوچھنے تھا۔ لیکن ہدہد کو آپ کے سامنے یوں بیٹھا دیکھ کر حیران ہوا اور اب پہلے یہ پوچھوں گا کہ یہ اس طرح خلاف معمول بے قراری سے کیوں بیٹھا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ یہ پہلے آیا تھا اور اس نے شکوہ کیا تھا کہ۔

فلاں درخت پر گھونسلہ ہے جب بھی انڈوں سے میرے بچے نکلتے ہیں ایک سانپ آ کر انہیں کھا جاتا ہے۔

آپ مجھے اس سانپ سے نجات دلائیں۔

میں نے اللہ سے دعا کی تھی۔ وہ سانپ مر گیا تھا۔

اب یہ ہدہد مجھے بتانے آیا ہے کہ اس کے بچے زندہ ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ مسئلہ تو میرا بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ میرا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا۔ جب بھی پیدا ہوتا ہے مر جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تمہارے گھر ایک سیاہ کتیا آتی ہے۔ تیری بیوی اسے روٹی کھلاتی ہے۔

اب جب تو گھر جائے گا تو وہ کتیا پھر آئے گی۔

اسے کہنا۔

مجھے فرزند رسول جعفر ابن محمد کہہ رہا تھا۔ اللہ تجھ پر لعنت کرے ہمارا گھر چھوڑ دے۔ اور ہمیں مزید مبتلائے مصیبت نہ کر۔

وہ کتیا تمہارا گھر چھوڑ دے گی۔ اور تیرا کوئی بچہ پیدا ہونے کے بعد نہیں مرے گا۔

اب بحمد اللہ میرے تین بچے ہیں۔

کامل الزیارہ میں داؤد ابن فرقد سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام صادقؑ کے ہاں بیٹھا تھا۔ کبوتروں کا ایک جوڑا اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ داؤد معلوم ہے کبوتر کیا کہہ رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! مجھے کیا معلوم

آپ نے فرمایا۔ قاتلان حسینؑ پر لعنت کر رہے ہیں۔ کبوتروں کو گھروں میں رکھا کرو۔ باعث برکت ہوتے ہیں۔

بحار میں عمر وابن شمر نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ امام صادق ؑ کے ساتھ آپ کی زمین کی اراضی پر گئے۔ ہم راستہ میں تھے کہ ایک بھیڑیا آگیا۔

آپ کے غلاموں نے اسے بھگانے کا ارادہ کیا۔

آپ نے فرمایا۔ آنے دو ممکن ہے، کوئی حاجت مند ہو۔

بھیڑیا قریب آگیا اس نے اپنے اگلے پاؤں گھوڑے کی گردن پر رکھے ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آپ کا گھوڑا ذرا بھی نہ گھبرایا۔

بھیڑیے نے سر جھکایا۔ اور امام صادق ؑ کے سامنے منہ کر کے کچھ کہا۔

آپ نے اسے جواب دیا۔ وہ واپس چلا گیا۔

ہم نے پوچھا۔ آقا یہ کیا بات تھی۔

آپ نے فرمایا۔ بھیڑیے نے شکوہ کیا تھا کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک غار میں اس کی مادہ بچہ جننے کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ درد زہ نے اسے کافی تکلیف دے رکھی ہے۔ آپ دعا کریں تاکہ اللہ اسے اس تکلیف سے جلدی نجات دے اور ایسا بچہ دے جو آپ کا محب ہو۔

میں نے اسے دعا دی ہے اور وہ چلا گیا ہے۔

کچھ دن بعد پھر اسی زمین میں گئے کہ وہی بھیڑیا اپنی مادہ اور بچے کے ساتھ امام صادق ؑ کے پاس آیا۔ بچے نے اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھا۔

آپ نے تینوں سے کوئی بات کی اور وہ واپس چلے گئے۔

آپ نے ہمیں بتایا کہ بھیڑیا اپنے بچے کو میرے پاس یہ وعدہ کرنے آیا تھا کہ وہ اور اس کی اولاد نسل بعد نسل کسی سید زادے یا محبان آل محمد ؐ میں سے کسی کو قتل نہیں کرے گا۔

خرائج میں ابن بکیر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم امام صادق ؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک ہرنی آگئی۔ اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔

آپ نے اسے کچھ کہا وہ واپس چلی گئی۔

امام صادق ؑ نے فرمایا۔ مدینے کے فلاں شخص کو جانتے ہو۔

ہم نے عرض کیا۔ جی ہاں جانتے تو ہیں لیکن وہ تو یہودی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ چلو اس کے گھر چلیں۔

ہم نے عرض کیا۔ آقا بات کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تم نے ہرنی دیکھی ہے۔

ہم نے عرض کیا۔ حضور! وہ کیا کہتی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہرنی نے شکوہ کیا ہے کہ مجھے مدینہ کا فلاں شخص شکار کر کے لایا ہے۔ اب میں اس کی قید میں ہوں۔ میرا پاؤں زخمی ہے۔ اور اس نے میرے دونوں پاؤں کو باندھ رکھا ہے۔ میں دوڑ نہیں سکتی میرے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں جو ابھی تک چرنے کے قابل نہیں۔ آپ میری ضمانت دے دیں وہ مجھے آزاد کر دے۔ میں واپس چلی جاؤں۔

جونہی میرے بچے چرنے کے قابل ہو گئے میں واپس اس کے پاس آ جاؤں گی۔

ہم نے عرض کیا۔ قبلہ! آپ ضمانت دیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں حجت خدا ہوں!

ہم نے عرض کیا۔ یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔

آپ نے فرمایا۔ پھر یہ بھی تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں صرف تم انسانوں کے لیے حجت خدا نہیں ہوں۔ روئے ارض پر بسنے والی ہر چیز کے لیے حجت خدا ہوں۔ جب ہرنی نے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں ضرور اس کی ضمانت کر دوں گا۔

آپ یہودی کے پاس آئے۔ اسے فرمایا۔ اس ہرنی کو میری ضمانت پر چھوڑ دے جب اس کے بچے خود کھانے پینے کے قابل ہو جائیں گے تو واپس آ جائے گی۔

یہودی نے کہا۔ فرزند رسول! یہ حیوان ہے۔ کیا اعتبار؟

آپ نے فرمایا۔ اگر تو مجھ پر اعتبار کرے تو میں ہرنی پر اعتبار کروں گا۔

یہودی نے ہرنی کو چھوڑ دیا۔

چھ ماہ بعد وہ یہودی ہرنی کو لے کر امام صادقؑ کے پاس آیا۔ کلمہ بھی پڑھا اور عرض کیا آپ کی ضمانت پر ہرنی واپس آ گئی ہے۔ اب میں اسے آپ کے نام پر آزاد کرتا ہوں۔

شیر اور حجت خدا

بحار میں ابو خالد کابلی سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کے پاس آیا۔

آپ نے فرمایا۔

ابو خالد! یہ میرا خط لے کر فلاں جگہ چلا جا وہاں اسے زمین پر رکھ دینا۔ پھر جو درندہ بھی سامنے آئے اسے میرے پاس لے آ۔

میں نے عرض کیا۔ تبھی اگر میری جگہ کسی اور کو یہ خدمت سونپتے تو بہتر تھا۔

آپ نے فرمایا۔ ابو خالد! میری جگہ اگر تجھے منصور بھی کام کہتا تو اسے بھی یہی جواب دیتا۔

میں نے خاموشی سے رقعہ لے لیا۔ اور جہاں آپ نے فرمایا تھا وہاں گیا۔ میں نے رقعہ زمین پر رکھ دیا۔ میں نے دیکھا ایک شیر فوراً باہر آگیا۔ اسے دیکھتے ہی میری تو جان نکل گئی۔ لیکن اس نے مجھے کچھ نہ کہا۔ میں آگے چلنے لگا وہ میرے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

جب امام صادقؑ کے پاس آیا تو یہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ کہ وہ آپ کے سامنے اس طرح کھڑا ہے جیسے اس میں جان تک نہیں۔

آپ نے اسے کوئی بات فرمائی میں نہ سمجھ سکا۔ کیا فرما رہے ہیں۔

وہ شیر چلا گیا۔

میں حیران تھا کہ کیسے خاموش کھڑا تھا اور کس طرح چلا گیا۔

آپ نے فرمایا۔ ابو خالد کیا بات ہے

میں نے عرض کیا۔ قبلہ یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ شیر آپ کے رقعہ پر چلا آیا یہاں خاموش ہی کھڑا رہا۔

آپ نے کچھ فرمایا۔ پھر چلا گیا۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے اسے کام بھیجا ہے جب واپس آجائے گا تو تجھے بتا دوں گا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ شیر آپ کے کام کر کے واپس جائے گا۔

آپ نے فرمایا۔ ضرور آئے گا۔

میں نے عرض کیا۔ اگر آپ مجھے کام بھی فرما دیں تو میرے ایمان میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

آپ نے فرمایا مفضل بصرے سے کچھ پیسے لا رہا ہے۔

اسے ابھی پہنچنے میں دیر تھی اور مجھے ابھی پیسے کی ضرورت تھی۔ میں نے شیر سے کہا ہے۔ کہ وہ ایک تھیلی وہاں سے لے آئے۔

میں حیران ہو کر آپ کا منہ دیکھنے لگا۔

آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ کیا بات ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ میری حیرت تو پہلے سے بھی بڑھ گئی ہے۔ اب مجھے نہ صرف شیر کی واپسی کا انتظار کرنا پڑے گا بلکہ مفضل کے آنے تک میں آپ کے دستر خوان پہ رہوں گا۔

آپ نے فرمایا۔ بسم اللہ تصدق کر کے جانا۔

ابھی ہم انہی باتوں میں تھے کہ تھیلی منہ میں لیے شیر آگیا۔ اس نے تھیلی آپ کے قدموں میں رکھی۔ اور خاموشی سے کھڑا ہوگیا۔

آپ نے اسے کچھ فرمایا۔ وہ واپس چلا گیا۔

چند دن بعد مفضل آگیا۔

مفضل نے عرض کیا۔ قبلہ انتہائی شرمندہ ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ کیوں کیا بات ہے!

مفضل نے عرض کیا۔ فلاں شخص نے آپ کے لیے کچھ رقم بھیجی تھی۔ لیکن جب فلاں جگہ ہم نے پڑاؤ کیا وہاں ایک شیر آگیا اس نے پہلے تو سامان کو لوگوں سے خالی کیا۔ کسی میں ہمت نہ تھی کہ اس کے سامنے جاتا پھر اس نے میرا سامان ادھر ادھر پھینکا۔ اس میں سے وہی تھیلی منہ میں دبا کر بھاگ گیا۔

مجھے ایک تو شرمندگی ہے کہ آپ کی امانت ضائع ہوگئی۔ اور دوسرا اس بات پر حیرت ہے کہ آج تک کبھی ایسا واقعہ نہیں سنا۔

کہ شیر رقم کی تھیلی لے کر بھاگ جائے۔

میں بھی مسکرایا۔ اور آپ بھی ہنس دیے اور فرمایا۔ وہ تھیلی پہچان لے گا!

مفضل نے عرض کیا۔ ضرور پہچان لوں گا۔

آپ نے غلام سے فرمایا۔ فلاں تھیلی اٹھا کے لا۔

غلام تھیلی اٹھا کے لایا۔

آپ نے فرمایا۔ پہچان یہی ہے۔

مفضل نے عرض کیا۔ میرے والدین قربان جائیں یہی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کیا اس شیر کو بھی پہچان لے گا۔

مفضل نے عرض کیا۔ قبلہ پہچان لوں گا۔

آپ نے مجھے فرمایا۔ ابو خالد جاؤ رقعہ لے جا اور شیر کو بلا لا۔

میں گیا۔ حسب سابق آپ کا رقعہ میں نے دکھایا شیر آگیا۔ میں اسے لے کر آپ کی خدمت میں آیا۔ جونہی مفضل نے دیکھا کہنے لگا۔

قبلہ یہی تھا۔

امالی ابوالمفضل میں عبدالغفار ابن حسن سے مروی ہے کہ ابراہیم ابن ادہم کوفہ گیا میں بھی اس کے ساتھ تھا۔
منصور کا زمانہ تھا۔ امام جعفر بھی کوفہ آئے ہوئے تھے۔ جب امام جعفر کوفہ سے واپس مدینہ آنے لگے تو دربار منصور کے

کافی سرکردہ افراد آپ کو الوداع کہنے کی خاطر بیرون کوفہ ایک منزل تک آئے ان میں سفیان ثوری اور ابراہیم ادہم بھی تھے۔

ایک جگہ راستہ میں ایک شیر کھڑا تھا۔

تمام کے قدم از خود رک گئے۔

سب نے امام صادقؑ سے کہا اس شیر کو آپ ہی راستہ سے ہٹائیں۔ آپ آگے بڑھے۔ شیر کے قریب گئے اس کے کان سے پکڑا اور راستے سے دور لے جا کر چھوڑ دیا۔ وہ شیر وہاں سے چلا گیا۔ پھر جب یہ لوگ جا کر آپ سے ملے تو آپ نے فرمایا۔ اگر انسان اللہ کی اطاعت کرتا تو شیروں سے باربرداری کا کام لے سکتا تھا۔

کشف الغمہ میں عبداللہ ابن یحییٰ کاہلی سے مروی ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا۔ اگر کبھی درندہ سے پالا پڑ جائے تو کیا کرتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ پالا تو کئی مرتبہ پڑا ہے۔ کرنا کیا ہوتا ہے۔ جان نکل جاتی ہے۔ اور کہیں چھپ چھپا کر جان بچاتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ آئندہ اس طرح نہ کیا کر۔ آیۃ الکرسی پڑھ کے درندہ کو یوں مخاطب کیا کر وہ راہ چھوڑ دے گا۔

عزمت علیک بعزیمۃ اللہ وعزیمۃ محمد رسول اللہ وعزیمۃ سلیمان ابن داود و عزیمۃ علی امیر المومنین من بعدہ۔

عبداللہ کہتا ہے کہ ایک مرتبہ اس عمل کو آزمانے کا موقعہ ملا۔ شیر تھا اور آدم خور بنا ہوا تھا۔ اس راہ سے کسی کو زندہ بچ کر نہیں گیا تھا۔ لیکن میں نے جب یہ دعا پڑھی۔ تو میں نے دیکھا کہ شیر نے سر جھکا لیا۔ اور دم دبا کر چلا گیا۔

قبولیت دعا

بحار میں ہاشمی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ میں ایک شخص آیا۔ اور اس نے آ کر امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا۔

قبلہ میرے تو اللہ کی مرضی ہے جب بھی اہل بیت کے مصائب ختم کرے۔ لیکن بعض اوقات آپ کے اعداء کی لاف زنی سن کر دل کو بڑی کوفت ہوتی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کیسے۔

اس نے عرض کیا۔ حکیم کلبی آل محمد کی ہجو کرتا ہے اور بازار کوفہ میں بیٹھ کر اشعار کہتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تجھے کوئی شعر یاد ہے؟

اس نے عرض کیا۔ تو صرف ایک شعر سنا سکتا ہوں۔

آپ نے فرمایا سنا۔

اس نے یہ شعر سنایا۔

صلبنا لکم زیدا علی جذع نخلۃ　　　ولم ار مہدیا علی الجذع یصلب

ہم نے تمہارے زید کو کھجور کے تنے پر سولی پڑھایا ہے۔ میں نے نہیں سنا کہ مہدی بھی کھجور کے تنے پر سولی چڑھتا ہے۔

آپ کا جسم کانپنے لگا۔ آپ نے کانپتے ہاتھ بلند کیے اور عرض کی۔

اللھم ان کان کاذبا فسلط علیہ کلبا من کلابک۔　　　بارالہا! اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مسلط فرما۔

حکیم کلبی کسی کام کی خاطر بیرون کوفہ آیا۔ شیر نے حملہ کیا۔ چیر پھاڑ کے کھا گیا۔

بعد میں امام صادقؑ کو مدینہ میں اطلاع ملی تو آپ نے سر بسجود ہو کر عرض کیا۔

الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ۔　　　اس اللہ کی حمد ہے جس نے ہمارے ساتھ کیا گیا وعدہ سچا فرمایا ہے۔

بصائر الدرجات میں معاویہ ابن وہب اور ابن سنان سے مروی ہے کہ ہم اس وقت مدینہ میں تھے جب داؤد ابن علی نے معلی ابن خنیس غلام امام صادقؑ کو بلا کر شہید کر دیا۔

امام صادقؑ نے داؤد کے پاس آنا جانا ترک کر دیا۔

ایک ماہ گزر جانے کے بعد داؤد نے اپنے پانچ سپاہی بھیجے اور انہیں حکم دیا کہ اگر جعفرؑ نہ آئے تو اس کا سر لانا۔

جب وہ آئے تو ہم آپ کی اقتدا میں نماز ظہر پڑھ رہے تھے۔

جب نماز سے فارغ ہوئے تو سپاہیوں نے کہا آپ کو داؤد نے بلایا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اگر میں نہ آؤں تو؟

انہوں نے کہا۔ ہمیں یہ تو جانا ہے اگر آپ کا سر آپ کے قدموں پر نہ آیا تو پھر ہم خود صرف سر ہی لیکر جائیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ تمہاری دنیا اور آخرت کی بہتری اسی میں ہے کہ چلے جاؤ۔

انہوں نے کہا۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ ہمیں تو آپ کو یا آپ کے سر کو لے جانے کا حکم ہے اور ہم تعمیل حکم کے سوا کوئی کام نہیں کریں گے۔

جب آپ نے دیکھا کہ وہ لوگ نہیں ٹل رہے تو آپ نے دست دعا بلند کیے۔ ہم دعا تو نہ سن سکے ہم نے صرف آخری الفاظ سنے۔ الساعۃ الساعۃ۔

ابھی آپ نے دست دعا نیچے نہیں کئے تھے کہ باہر گریہ وزاری کا طوفان بپا ہو گیا۔

آپ نے ان سپاہیوں سے فرمایا۔ اگر مجھے لے چلنا ہے تو میں آتا ہوں لیکن یہ بتا دوں کہ تمہیں حکم دینے والا مر گیا ہے۔

انہوں نے کہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ابھی تو بھلا چنگا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ بھلے چنگے بھی منٹوں میں مر جاتے ہیں۔ ایسا کرو ایک آدمی چلا جائے۔ چار آدمی یہیں میری نگرانی کرو۔ جانے والا جا کر میری بات کی تصدیق کرے اگر میں نے سچ کہا ہے۔ تو پھر تم جا کر اپنی تنخواہ حلال کرو۔ اور اپنے حاکم کا ماتم کرو۔

اگر میری بات غلط ہوئی تو پھر مجھے ساتھ لے جانا میں آجاؤں گا۔

انہوں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ ایک آدمی گیا۔ تھوڑی دیر بعد پریشان ہو کر واپس آیا۔ اور ان سے کہنے لگا۔

اب آجاؤ۔ ہمارا کام ختم ہو گیا ہے۔ داؤد مر گیا ہے۔

جب وہ واپس چلے گئے تو ہم نے عرض کی۔ قبلہ یہ کیسے ہو گیا۔

آپ نے فرمایا۔ اس سفاک نے میرے غلام کو بے گناہ شہید کروایا تھا۔ اور اب میرے درپے تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ ٹلنے والا نہیں ہے تو میں نے بارگاہ خالق میں اس کے لیے بددعا کی۔ اللہ نے ایک ملک کو بھیجا جس نے اس کے دل میں نیزہ مارا اور وہ فی الفور ہو گیا۔

خرائج میں امام رضاؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص آکر امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا۔

فلاں شخص نے آپ کے خلاف منصور کے ہاں چغلی کھائی ہے۔ اس وقت منصور خود سے روانہ ہو رہا ہے اس کے سپاہی ابھی آپ کو گرفتار کرنے کے لیے آنے ہیں۔

آپ چند دنوں کے لیے روپوش ہو جائیں۔

آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ چغلخور نے کیا کہا ہے؟

اس نے بتایا کہ چغلخور نے منصور سے جا کر کہا ہے۔ کہ جعفر ابن محمدؑ تیرے خلاف خروج کی تیاری کر رہا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کسی شخص میں اللہ کی عنایت کردہ کوئی فضیلت پوشیدہ ہوتی ہے اور اللہ اس کمال کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ تو صاحب کمال کے حاسد پیدا ہو جاتے ہیں جو بانیوں کو ہر وقت اس کے خلاف بانگیخو کرتے رہتے ہیں۔

تو یہیں بیٹھ جب بلانے والے آئیں گے تو میرے ساتھ منصور کے دربار میں چلنا اور وہاں قدرت خدا کا حظ کرنا۔ وہ شخص بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد منصور کے سپاہی آگئے۔

انہوں نے پیغام دیا کہ منصور نے یاد کیا ہے۔

آپ خاموشی سے اٹھے اور ان کے ساتھ چلے گئے۔

جب دربار میں پہنچے تو سلام کیا۔ اور ایک طرف بیٹھ گئے۔

منصور نے کہا۔ کیا آپ لوگوں کو ہمارے خلاف جنگ پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ آپ کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے۔

منصور نے کہا۔ ہاں میرا ایک غلام ہے جو گواہ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ وہ جھوٹ بکتا ہے۔

منصور نے کہا۔ میں اسے کب چھوڑتا ہوں۔ بھرے دربار میں اس سے قسم لوں گا۔ اگر جھوٹا ہوا تو اپنی سزا پائے گا۔

آپ نے فرمایا۔ اگر اس نے جھوٹی قسم کھائی تو اپنے کیفر کردار کو خود پہنچ جائے گا۔

منصور نے اپنے سیکرٹری سے کہا۔

اس سے قسم لے۔

منصور کا سیکرٹری اس سے قسم لینے لگا۔ کہہ۔ واللہ باللہ ثم تاللہ میں نے یہ کہا ہے۔

آپ نے فرمایا نہیں اس طرح نہیں۔ مجھے اپنے آباء کے ذریعہ اپنے جد امجد سے حدیث موصول ہوئی ہے کہ جب ایک انسان اللہ کو واحد، لاشریک، معبود برحق مان کر قسم کھاتا ہے تو چونکہ وہ پہلے اللہ کی ہر صفت کا اقرار کر چکا ہوتا ہے اس لیے خواہ قسم جھوٹی ہی ہو اس کا اقرار توحید ذات باری کو اسے عذاب کرنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

منصور نے کہا۔ اگر آپ اس قسم سے مطمئن نہیں تو پھر آپ خود ہی جیسے جی چاہے قسم لے۔

آپ نے فرمایا۔ یوں کہہ۔

اگر میں جھوٹا ہوں تو اللہ کی طاقت اور قوت سے بری ہوں اور مجھے اپنی طاقت اور قوت پر بھروسہ ہے۔

اس شخص نے اسی طرح کہہ دیا۔

آپ نے اس کی قسم سنکر عرض کیا۔ اللھم ان کان کاذبا فاھلکہ۔ پالنہارا! اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اسے ہلاکت دے دے۔

وہ شخص وہیں گرا اور مر گیا۔

منصور مطمئن ہو گیا۔

منصور نے کہا آپ کی کوئی ضرورت؟

آپ نے فرمایا۔ فوری ضرورت یہ ہے کہ جب سے تو نے بلایا ہے میرے بچے اور اہل خانہ پریشان ہیں اگر تو مطمئن ہے تو مجھے جانے کی اجازت دے دے تاکہ میں انہیں جا کر تسلی دوں

منصور نے آپ کو اجازت دی۔ آپ رخصت ہو کر گھر تشریف لائے۔

وہ مردہ اسی حالت میں پڑا تھا۔ اسے اٹھا کر چارپائی پر لٹایا تو وہ اٹھ بیٹھا۔

اس نے منہ سے کپڑا ہٹایا اور کہنے لگا۔

تم غلط سمجھ رہے ہو۔ جو کچھ میں نے امام صادقؑ سے کیا ہے اسی کی مجھے سزا ملی ہے۔ اور میں اس وقت عذاب کے بدترین لمحات سے گزر رہا ہوں۔ تم بھی غضب خدا سے ڈرو اور امام صادقؑ کے حق میں اپنی نیتیں درست کر لو۔

یہ کہہ کر وہ شخص پھر لیٹ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے دیکھا تو وہ پہلے کی طرح مردہ تھا۔ بالآخر اسے دفن کر دیا گیا۔

خرائج میں یونس سے مروی ہے کہ ایک دن ہم مکہ میں امام صادقؑ کے ساتھ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے آپ نے اپنے غلام سے فرمایا۔

جا زمزم سے پانی بھر لا

غلام گیا اور کچھ دیر بعد غمزدہ صورت سے کر خالی آ گیا۔

آپ نے پوچھا۔ کیا بات ہے۔

اس نے عرض کیا۔ فلاں قریشی نے مجھ پر تشدد بھی کیا ہے اور پانی بھی نہیں لینے دیا۔

آپ کا رنگ بدل گیا۔ آپ نے لبوں کو حرکت دی۔

پھر فرمایا۔ اب جا، پانی لے آ۔

وہ غلام گیا۔ پانی تو لایا مگر پریشان تھا۔

آپ نے پوچھا۔ کیا ہوا؟

اس نے عرض کیا۔ قبلہ! وہ شخص زمزم میں گر کر مر گیا ہے۔

خرائج میں صفوان ابن یحییٰ سے مروی ہے کہ جعفر بن محمد بن اشعث نے بتایا ہے۔ ایک سال حج کے موقع پہ مجھے میری بیوی نے کہا۔ عرصہ ہوا ہے زیارت امام صادقؑ نہیں کی۔ اگر اس سال حج پر چلے جاتے تو شرف زیارت بھی ہو جاتا۔

میں نے کہا۔ میرے پاس تو ایک کوڑی بھی نہیں۔

پھر حج پر کیسے جائیں گے۔

میری بیوی نے کہا۔ یہ میرے زیورات ہیں میرا خیال ہے ان سے ہم حج تو کر ہی لیں گے۔

میں زیورات لے کر بازار میں گیا۔ فروخت کیا۔ زادراہ کے پیسے مل گئے۔ ہم نے تیاری کی اور روانہ ہو گئے۔

حج سے فارغ ہو کر ہم مدینہ آرہے تھے کہ راستہ میں میری بیوی بیمار ہو گئی۔ جوں جوں مدینہ قریب آتا گیا اس کے مرض میں اضافہ ہوتا گیا۔

جب مدینہ پہنچ گئے تو میری بیوی زندگی کے آخری سانس لینے لگی۔ میں نے ٹھکانا بنایا بیوی اور سامان سفر کو وہاں چھوڑا۔

اور امام صادقؑ کے پاس آیا۔

آپ نے حال احوال پوچھا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! بڑا اشتیاق لے کر گھر سے چلی تھی۔ لیکن شاید آپ کی زیارت اس کے مقدر میں نہ تھی وہ سخت بیمار ہے۔ اور میں مایوس ہو کر آیا ہوں۔

آپ نے کافی دیر تک سر جھکائے رکھا۔

پھر فرمایا۔ کیا بہت پریشان ہے۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! پریشانی تو ہے۔ سفر ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر وہ اللہ کو پیاری ہو گئی تو تنہائی کا تصور بھی مشکل ہو گا۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے اللہ سے دعا کی ہے اور اللہ نے دعا قبول فرمائی ہے۔ بخار اتار ہو چکا ہے۔ جب تو جائے گا تو کنیز سے کچھ بیٹھ کھا رہی ہو گی۔

میں خوشی خوشی واپس آیا۔ دیکھا تو وہ اٹھ کر بیٹھی ہوئی تھی اور کنیز سے کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نے پوچھا کیا حال ہے؟

اس نے کہا۔ الحمدللہ اچھی ہوں۔

میں نے اسے بتایا کہ مجھے امام صادقؑ نے اس طرح بتایا ہے۔

اس نے کہا۔ کیا تجھے امام صادقؑ نے یہ بھی بتایا ہے کہ اب میری عمر کتنی بڑھ گئی ہے۔

میں نے کہا۔ نہیں۔

اس نے کہا۔ مجھے وہ بتا کر گئے ہیں کہ اب میری عمر بیس برس مزید بڑھ گئی ہے۔

میں نے کہا۔ وہ کیسے۔

اس نے بتایا۔ جب آپ باہر گئے۔ میں آخری سانس لے رہی تھی۔ ملک الموت میرے سامنے تھا۔ اور قبض روح پر آمادہ تھا۔

کہ امام صادقؑ تشریف لائے اور مجھ سے پوچھا۔ کیا حال ہے!

میں نے عرض کیا۔ حضور میں کیا بتاؤں کیا حال ہے۔ میرا شوہر آپ کی زیارت کو گیا ہے یہ ملک الموت اس وقت آپ کے سامنے قبض روح کی خاطر موجود ہے۔

آپ نے ملک الموت سے فرمایا۔ کیا تجھے اللہ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ تو آئمہ اہل بیت کی اطاعت کرے گا۔

ملک الموت نے عرض کیا۔ حضور! آپ ہی حجت خدا ہیں۔ ایک میں کیا۔ تمام کائنات کو آپ کی اطاعت کا حکم ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے اللہ سے بیس برس کے لیے درخواست کی ہے کہ اس عورت کی زندگی میں اضافہ فرما دے۔

اب تو واپس چلا جا۔ اور بیس برس کے بعد اس کی روح قبض کر لینا۔

ملک الموت نے عرض کیا۔ حضور! جیسے ارشاد ہو یہ کہہ کر ملک الموت واپس چلا گیا۔ اور امام صادقؑ بھی باہر تشریف لے گئے۔

عبداللہ ابن بسطام زیات نے اپنی کتاب میں داؤد رقی سے روایت کی ہے کہ ہم امام صادقؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ جابر والبیہ آئی۔

اور اس نے بڑے عمدہ مسائل پوچھے۔

آپ نے مسائل کے جواب دیئے۔

جابر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

آپ نے فرمایا۔ جابر کیا بات ہے!

جابہ نے عرض کیا۔ حضور! میں عورت ہوں۔ اور مجھے ایک مرض لاحق ہو گیا ہے۔ میں تو اسے اپنے گناہوں کا کفارہ اور مراتب میں اضافہ بھی سمجھتی ہوں۔ لیکن آپ کے مخالف اس مرض کو آپ سے محبت کی سزا قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محبت اہل بیت کا یہی انجام ہوتا ہے۔ اگر یہ امام واقعاً واجب الاطاعت ہوتا تو وہ اللہ سے دعا کرتا اور یہ شفایاب ہو جاتی۔

آپ نے لبوں کو آہستہ آہستہ حرکت دی۔ ہم سمجھ نہ سکے کہ آپ نے کیا پڑھا ہے۔ پھر فرمایا۔ جابہ اندر جا اور عورتوں کو بلا کر انہیں اپنا مرض دکھا۔ اگر باقی ہو تو مجھے بتانا۔

جابہ اندر گئی کچھ دیر بعد واپس آئی۔ آپ کے قدموں میں گر گئی۔ اور عرض کیا۔ حضور! مجھے امید ہے اب وہ خود شرمندہ ہوں گے۔

آپ نے فرمایا۔ جا اور انہیں بتا کہ یہی تو وہ ایک ہی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے ہم ہر تکلیف برداشت کرتے ہیں لیکن محبت آل محمد سے دستکش نہیں ہوتے۔

اولی الامر اور تبدیلی جنس:

خرائج میں ابوصلت نے امام رضا کے ذریعہ امام موسیٰ کاظم سے روایت کی ہے کہ۔

ایک دن میں اپنے بابا کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ہمارے ایک موالی نے بابا کو اطلاع دی کہ دروازہ پر ایک بہت بڑا قافلہ آپ سے اذن باریابی کا خواہش مند ہے۔

بابا نے غلام کو حکم دیا۔ پتہ کر کون ہیں!

غلام نے جا کر سالار قافلہ سے پوچھا۔ کہاں سے آئے ہیں؟

اس نے بتایا۔ میں ہندوستان کے علاقہ سندھ سے آیا ہوں

جب غلام نے آکر بتایا۔

تو بابا نے فرمایا۔ اس نجس اور خائن کو میرے سامنے مت لاؤ۔

کئی دن وہ لوگ جا کر دروازہ پر رکے رہے۔ آخر یزید ابن سلیمان اور محمد ابن سلیمان کی سفارش پر بابا نے انہیں اجازت دی۔

جب وہ اندر آئے تو سالار قافلہ نے بابا کے قدموں میں گر کر عرض کیا۔

قبلہ! میں ہندوستان کے علاقہ سندھ سے وہاں کے بادشاہ کا ایک خط اور کچھ تحائف لے کر حاضر ہوا تھا۔ عرصہ ہو گیا ہے آپ نے باریابی کی اجازت تک نہیں دی۔ کیا اولاد انبیاء اپنے دروازہ پر آنے والوں کے ساتھ یہی سلوک کرتی ہے۔

بابا نے کچھ دیر کے لیے سر جھکایا۔

پھر فرمایا۔ مجھے کچھ وقت کے بعد اس کا پتہ چل جائے گا۔ پھر بابا نے مجھے حکم دیا کہ خط کھولوں تو یہ خط کچھ اس طرح تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

جعفر ابن محمد جو ہر نجس سے پاک کی خدمت میں۔

شاہ ہند کی طرف سے۔

اما بعد! اللہ نے مجھے ہدایت سے نوازا ہے۔ مجھے تحفۃً ایک کنیز ملی ہے۔ میرے خیال میں ہندوستان میں اس سے زیادہ حسین کوئی نہ ہوگی۔ میری آپ سے عقیدت اور محبت نے تقاضا کیا ہے کہ آپ ہی اس کے اہل ہیں۔ جب میں نے اسے کچھ زیورات، جواہر اور خوشبو کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجنے کا ارادہ کیا۔ تو میں نے اپنی مملکت میں سے ہزار نیک آدمی کا انتخاب کیا۔ ہزار میں سے سو نیک آدمی چنا۔ سو میں سے دس نیک چنے۔ پھر دس میں سے ایک کا انتخاب کیا ہے۔ اس کا نام میزب ابن حباب ہے۔ میری نظر میں اس سے زیادہ اور قابل اعتماد کوئی نہ تھا۔

آپ مذکورہ اشیاء اس سے قبول فرمائیں۔

بابا نے اسے دیکھ کر فرمایا۔ تو خائن ہے۔ تجھے جو چیز امانت سونپی گئی ہے تو نے اس میں خیانت کی ہے لہٰذا لیں چلا جا۔

ایلچی نے قسم کھائی کہ میں نے کوئی خیانت نہیں کی۔

آپ نے فرمایا۔ اگر تیرا لباس تیری خیانت کی شہادت دے دے تو کیا کر پڑھے گا۔

ایلچی نے کہا۔ آپ مجھے کلمہ پڑھنے کے وعدہ سے معاف فرمائیں۔

بابا نے فرمایا۔ پھر اپنے ہاتھ سے وہ سب کچھ لکھ کر اپنے بادشاہ کو بھیج دے۔ جو تم نے کیا ہے۔

ایلچی نے کہا۔ اگر میں نے کچھ کیا ہوتا تو ضرور لکھ دیتا۔ جب میں نے نہ کچھ کیا ہے۔ اور نہ مجھے علم ہے کیا لکھوں۔

بابا نے فرمایا۔ یہ پوستین جو تو نے پہن رکھی ہے اسے اتار کے ایک طرف رکھ دے۔

ایلچی نے پوستین اتار کے ایک طرف رکھ دی۔

بابا اسی جگہ کھڑے ہو گئے۔ دو رکعت نماز پڑھی۔ سجدہ میں یہ دعا پڑھی۔

اللھم انی اسئلك بمعاقد العز من عرشك ومنتھی الرحمۃ من کتابك۔ ان تصلی علی عبدك ورسولك وامینك فی خلقك وآلہ وان تاذن لفروھذ الھندی ان تتکلم بما تعلم من الھندی۔

تاکہ میری اس محفل میں موجود ہمارے اولیاء میں ہر شخص اپنے کانوں سے سنے ان کے لیے اہلبیت کی آیات میں سے ایک آیت ہو اور ان کے ایمان میں اضافہ کا باعث ہو۔

پھر پوستین سے فرمایا۔

تکلم بما تعلمہ من الھندی۔ اس ہندی کا تمام سفرنامہ اور اس کے اعمال سنا دے

ہم دیکھ رہے تھے کہ ہمارے سامنے وہ پوستین سکڑی۔ پھر آہستہ آہستہ بلند ہونا شروع ہو گئی۔ اور دنبے کی صورت اختیار کر لی۔

اور یوں گویا ہوا۔ السلام علیک یا ابن رسول اللہ۔ ہندی بادشاہ نے اس شخص کو اس کنیز اور دیگر تمام اشیاء ہدایہ بنا کر آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔

ایک صحرا میں سخت بارش آ گئی۔ ہمارے پاس جو کچھ تھا سب بھیگ گیا۔ بارش رک گئی۔ سورج نکل آیا۔ سردار قافلہ نے کنیز کے خادم غلام کو بلایا جس کا نام بشر ہے۔

اور کہا۔ کہ سامنے بستی ہے وہاں چلا جا۔ یہ پیسے لے اور کچھ کھانے پینے کا سامان لے آ۔ جب وہ غلام چلا گیا تو ایلچی نے کنیز سے کہا۔ کہ اس بھیگے ہوئے خیمہ اور گیلی جگہ سے نکل کر وہ دوسرا خیمہ ذرا اونچی جگہ پر دھوپ میں لگو دیا ہے اس میں آ جا۔

چونکہ پانی تھا۔ کنیز خیمہ سے نکلی۔ اس نے پنڈلی سے کپڑا اٹھا لیا۔ جب ایلچی کی نظر پڑی تو یہ اپنے قابو میں نہ رہا۔

جب اس نے کنیز سے بات کی۔ تو اس نے بھی انکار نہ کیا۔ یوں دونوں کی خواہش اور رضامندی سے خیانت ہوئی اور دونوں اس خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں۔

جب ایلچی نے یہ بات سنی۔ تو بابا سے کہنے لگا۔ مجھ پر ترس کریں۔ غلطی ہو گئی ہے۔ اس نے تمام واقعہ کا اقرار کر لیا۔

پوستین کو بابا نے حکم دیا کہ بس یہی کافی ہے اب اپنی اصل شکل میں آ جا۔ اور پوستین پھر دنبے سے پوستین بن گئی۔

بابا نے پوستین کو حکم دیا کہ۔ اس کے گلے میں فٹ ہو جا۔

ہم نے دیکھا۔ کہ پوستین نے گلے میں اپنا گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔

حتیٰ کہ ایلچی کا دم گھٹنے لگا۔

آپ نے پوستین سے فرمایا۔ اب اسے چھوڑ دے۔ اور تیری ڈیوٹی ہے کہ اسے بادشاہ تک واپس پہنچائے گی۔ کہیں راستہ میں بھاگ نہ جائے۔ وہی جو چاہے اس سے سلوک کرے۔

ایلچی نے کہا۔ آپ جو چاہیں سزا دے دیں۔ مجھے واپس نہ بھیجیں بادشاہ بڑا سخت ہے۔ آپ مجھ سے ہدیہ وصول کر کے مجھے رخصت کر دیں۔

آپ نے فرمایا۔ اگر تو اسلام قبول کرے تو میں یہ کنیز مسترد کرنے کی بجائے تجھے دیتا ہوں۔

ایلچی نے کہا اسلام قبول کرنا میرے بس سے باہر ہے۔

بابا نے دیگر تحائف قبول کر لیے۔ اور کنیز کو واپس کر دیا۔

جب وہ کنیز کو واپس لے کر ہندوستان پہنچا تو کچھ عرصے کے بعد بابا کو شاہ ہند کا خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا۔

اما بعد۔ جب آپ کا نوازش نامہ مجھے موصول ہوا۔ اور میرے ایلچی نے مجھے بتایا کہ آپ نے دیگر اشیاء تو قبول کر لی ہیں۔ لیکن کنیز واپس کر دی ہے۔ میں حیران ہوا کہ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا ہے۔ چند ٹکے کی بے قیمت اشیاء آپ نے قبول کر لی ہیں۔

میں کافی دیر تک سوچتا رہا۔ بالآخر میں نے سمجھ لیا کہ اولاد انبیاء بلا سبب کسی چیز کو مسترد نہیں کرتے میں نے خط کھولا۔

خط میں بھی آپ نے صرف کنیز کے واپس کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اور وجہ نہیں لکھی کہ کیوں واپس کر رہے ہیں میرا شک اور بڑھ گیا۔

بالآخر میں نے ایلچی سے کہا۔ کہ تجھے سچ کے سوا کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی۔ سیدھی سیدھی بات بتا۔ جب کنیز اور ایلچی کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے تفتیش کی گئی تو ایلچی نے بھی اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اور کنیز نے اعتراف جرم کے علاوہ پوستین کی شہادت بھی سنائی میرا ایمان پہلے سے بھی پختہ ہو گیا ہے۔ میں انشاء اللہ عنقریب سلطنت چھوڑ کر حضور کی خدمت میں پہنچنے والا ہوں۔

ایلچی اور کنیز دونوں کو میں نے قتل کر دیا ہے۔

والسلام

کچھ عرصہ بعد وہ بھی آ گیا۔ اور پھر تمام زندگی بابا کے قدموں میں رہا۔

مطالب السئول میں محمد ابن طلحہ نے تو حسب ذیل روایت نقل کی ہے۔ لیکن کشف الغمہ میں علی ابن عیسیٰ نے نقل روایت کے بعد اس کی توثیق اور شہرت کے سلسلہ میں کافی سے زیادہ حوالہ جات بھی پیش کیے ہیں۔

لیث ابن سعد سے مروی ہے کہ ۱۱۳ھ میں حج پر گیا۔ مکہ آیا۔ جب نماز عصر پڑھ لی تو تفریح کے لیے کوہ ابو قبیس پر چڑھ گیا۔

وہاں دیکھا تو ایک شخص سجدہ میں تھا۔ میں نے سنا اس نے۔

ایک سانس کے مطابق ۔ یا رب

ایک سانس کے مطابق۔ رب

ایک سانس کے مطابق یا اللہ

ایک سانس کے مطابق یا حی

ایک سانس کے مطابق یا رحیم اللہ

سات مرتبہ یا ارحم الراحمین کہا۔

پھر کہا۔

اللھم انی اشتھی عنبا فاطعمنیہ	بار الہا۔ مجھے انگوروں کی خواہش ہے کھلا دے۔
اللھم ان بردی قد اختلقا۔	اے اللہ میری دونوں چادریں کہنہ ہو گئی ہیں۔

بخدا! اس کی دعا ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ۔ اس کے سامنے انگوروں سے لبریز طشت اور چادریں آ گئیں۔ جب وہ انگور کھانے بیٹھا تو میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

میں بھی کھاؤں گا۔

اس نے کہا کس بنا پر۔

میں نے کہا۔ اس وقت پورے کرۂ ارض میں کسی جگہ انگور نہیں ہیں۔ اس لیے جب آپ دعا مانگ رہے تھے میں اس خواہش سے آمین کہہ رہا تھا کہ بے موسم کے انگور کھاؤں گا۔

اس نے کہا۔ آؤ۔ مگر ایک شرط ہے کہ ایک دانہ بھی پس انداز نہیں کرے گا۔

ہم دونوں جب سیر ہو گئے تو میں نے دیکھا انگوروں کا طشت ویسے کا ویسا تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس سے ایک دانہ بھی کم نہیں ہوا۔

پھر وہ طبق میری آنکھوں کے سامنے غائب ہو گیا۔

اب اس نے کہا۔ ان دو چادروں میں سے جو تجھے پسند ہو لے لے۔

میں نے کہا۔ مجھے چادروں کی ضرورت نہیں ہے۔

اس نے کہا۔ اچھا ایک طرف ہو جا تا کہ میں کپڑے بدل لوں۔

میں ایک طرف ہو گیا اس نے کپڑے پہنے۔

دونوں پرانی چادریں ہاتھ میں پکڑ کر ابو قبیس سے نیچے اترا۔ میں بھی پیچھے چلا آیا۔ جب اتر لیے تو ایک شخص سامنے آیا۔ اور کہنے لگا۔

اے فرزند رسول! اللہ آپ کو لباس دے گا۔ مجھے لباس عنایت فرمایئے۔

آپ نے وہ خط چادریں سے دے دیں۔ اور آگے نکل گئے۔

میں نے اس سائل سے پوچھا۔ یہ کون ہے؟

اس نے جواب دیا۔

یہ جعفر ابن محمدؑ ابن علیؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے۔

میں جلدی آگے بڑھا۔ تاکہ آپ سے کچھ احادیث سن سکوں۔ لیکن پھر تمام حج میں مجھے کہیں نظر نہ آئے۔

خواجہ میں مفضل ابن عمر سے مروی ہے کہ میں منیٰ میں امام صادقؑ کے ساتھ تھا۔ ایک مقام پر ایک عورت اپنے چند بچوں کے ساتھ ایک مردہ گائے کے قریب بیٹھی رو رہی تھی۔

امام صادقؑ نے پوچھا۔ کیا بات ہے؟

کیوں رو رہی ہے؟

اس نے کہا۔ میرا تو تمام ترکہ یہی ایک گائے تھی۔ اور اسی گائے سے میں اپنے بچوں کا پیٹ پالتی تھی۔ اب جب یہ سوچتی ہوں کہ اب کیا ہو گا۔ تو بے ساختہ آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ کیا تو چاہتی ہے کہ اللہ اس گائے کو زندہ کر دے یا نعم البدل عنایت فرما دے؟

عورت نے انتہائی ترش روئی سے آپ کی طرف دیکھا۔

اور کہنے لگی۔ اگر آپ میری غمگساری نہیں کر سکتے تو کم از کم میرا مذاق تو نہ اڑائیں۔ آپ تصور نہیں کر سکتے کہ میں اس وقت کتنی مصیبت میں گھری ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے کبھی کسی سے مذاق نہیں کیا۔

اس نے کہا۔ اگر تو اتنا با کمال ہے تو پھر میں تو یہ چاہوں گی کہ میری یہی گائے مجھے دوبارہ مل جائے۔

آپ نے زیر لب کچھ پڑھا۔

اور گائے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

عورت گائے کو چھوڑ گئی۔ آپ کے قدموں کی طرف دوڑی۔

آپ نے فرمایا۔ حاجیوں کو شش ہے کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ گائے کو سنبھال

یہ کہہ کر آپ آگے بڑھ گئے

خواجہ میں راشد سے مروی ہے کہ مجھے میرے والد نے بتایا ہے کہ مجھے ایک مسئلہ کے جواب کی ضرورت تھی۔

چنانچہ میں امام صادقؑ سے مسئلہ پوچھنے آیا۔ مجھے بتایا گیا۔ ایک مشہور شاعر سید حمیری فوت ہو گیا ہے۔ آپ اس کے جنازہ میں شرکت کرنے گئے ہیں۔

میں قبرستان میں آیا۔ آپ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے مسئلہ بتایا۔ میں واپس ہونے لگا۔ آپ نے میری عبا کو سختی سے پکڑ کر فرمایا۔

تم لوگ علم کہاں سے تلاش کرتے پھرتے ہو!

میں نے کہا۔ جہاں سے مل جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جو لوگ مسند امامت کے وارث ہیں ان سے کیوں علم نہیں لیتے۔

میں نے کہا۔ کیا آپ امام زمانہ ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اگر میں نہیں تو اور کون ہے۔

میں نے کہا۔ آپ کی امامت کی کیا دلیل ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جو چاہے پوچھے۔

میں نے کہا۔ میں کچھ پوچھتا نہیں ہوں۔ میرا ایک بھائی اسی قبرستان میں دفن ہے اگر آپ اسے زندہ کر دیں تو میں آپ کی امامت کو تسلیم کر لوں گا۔

آپ نے فرمایا۔ اس قبرستان میں تیرا جو بھائی مدفون ہے اس کا نام احمد تھا۔ اور وہ ہمارا شیعہ تھا۔ جب زندگی میں تم نے اس سے جرم شیعیت کی بدولت بائیکاٹ کیے رکھا تھا اب تجھے اس سے کیسے محبت پیدا ہو گئی ہے۔

میں نے کہا۔ میں تو صرف دلیل امامت کے طور پر اس کا خواہش مند ہوں۔

آپ میرے بھائی کی قبر پر گئے۔

اور فرمایا۔

یا احمد قم باذن اللہ وباذن جعفر ابن محمد   اے احمد اللہ اور جعفر ابن محمد کے اذن سے اٹھ جا۔

میں نے دیکھا۔ قبر شگافتہ ہو گئی۔ اور میرا بھائی کفن میں لپٹا ہوا قبر سے باہر آیا۔ امام صادق کو سلام کیا۔ اور کہا۔

فرمایئے کیا حکم ہے!

آپ نے فرمایا۔ تیرا بھائی تجھے دیکھنا چاہتا ہے اور میری امامت کی دلیل کا خواہش مند تھا۔

احمد نے میری طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ یا اخی اتبعہ واللہ انہ حق۔ بھیا ان کی اتباع کرے بخدا! یہی امام حق ہے۔

یہ کہہ کر میرا بھائی واپس قبر میں گیا اور سو گیا۔

بصائر الدرجات میں جمیل ابن دراج سے مروی کہ ایک دن میں امام صادق کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک عورت

بڑی پریشان ہوئی، بیٹے کو اٹھا کر آپ کے پاس آئی۔

آپ نے فرمایا۔ کیا بات ہے۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ! بڑی منت کے بعد اللہ نے بچہ دیا تھا۔ لیکن پھر واپس لے لیا ہے۔ خدا کے لیے میرا بچہ مجھے واپس دلا دیں۔

آپ نے فرمایا۔ گھبرا نہیں۔ واپس گھر جا۔ غسل کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا خود ہی مانگ لے۔ اللہ تعالیٰ عنایت فرما دے گا۔

یا من وھب لی ولم یک شیئا جدد لی ھبتہٗ۔ — اے وہ ذات جس نے نہ ہونے کے بعد دیا تھا مجھے ایک مرتبہ پھر واپس کر دے۔

کچھ دیر کے بعد وہ عورت اپنے بچے کو سینے سے لگائے مسکراتی ہوئی آئی اور آپ کے قدموں میں بچہ ڈال دیا۔

اور عرض کی۔ قبلہ یہ آپ کی نوازش ہے۔

خرائج میں داؤد رقی سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام صادقؑ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک نوجوان آنسو بہاتا ہوا آیا۔

آپ نے پوچھا۔ کیوں رو رہا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ حضور! منت مانی تھی کہ حج پر جاؤں گا اور اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جاؤں گا۔ گھر سے چلا راستہ میں بیمار ہو گئی۔

یہاں مدینہ میں آ کر مر گئی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ پھر اب جا اور دفن کر دے

اس نے عرض کیا۔ حضور! آپ کے پاس اس لیے تو نہیں آیا کہ آپ دفن کا مشورہ دیں۔

آپ نے فرمایا۔ میت کو دفن ہی کیا جاتا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ آپ فرزند رسولؐ ہیں۔ میری درخواست ہے میری بیوی زندہ کر دیں۔

آپ نے فرمایا۔ کیا اس سے بہت محبت تھی۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ! اگر محبت منوں اور سیروں میں بتائی جا سکتی تو ضرور عرض کرتا کہ مجھے اس سے کتنی محبت تھی اب تو صرف زبان ہی سے کہہ سکتا ہوں کہ میری بیوی کے مرنے سے میری محبت ہی مر گئی ہے۔

آپ نے تھوڑا سا سر جھکایا۔

پھر سر بلند کر کے فرمایا۔ جا اللہ نے تیری بیوی کو زندہ کر دیا ہے۔

وہ واپس چلا گیا۔

کچھ دیر بعد میں نے عرض کی، حضور! آپ کی نوازش

میں یہ سب سن رہا تھا لیکن مجھے اطمینان نہیں تھا۔

امام صادقؑ نے میرے دل کا چور تاڑ لیا۔

فرمایا، داؤد کیا تیرا دل نہیں مان رہا۔

میں نے کھسیانا ہو کر عرض کی۔

قبلہ مان تو رہا ہے لیکن اطمینان چاہتا ہے۔

آپ نے فرمایا، اچھا جب وقت آئے گا تو اطمینان بھی ہو جائے گا۔

جب سات ذی الحج کا دن آیا۔ تو مجھے فرمایا۔

کیا۔ مکہ جانا چاہتا ہے۔

میں نے عرض کی۔ قبلہ آج سات ذی الحج ہو گئی ہے۔ اب مکہ پہنچتے پہنچتے حج کا وقت تو گزر جائے گا۔

آپ نے فرمایا۔ میرا اونٹ لے کر مدینہ کے باہر آ جا۔ چلتے ہیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو حج کر ہی لیں گے۔

میں حیران تھا کہ کیا کرتے ہیں۔

میں اونٹ لے کر بیرون مدینہ آ گیا۔

آپ پہلے وہاں موجود تھے۔ خود سوار ہوئے۔ مجھے پیچھے بٹھایا۔ مہار ہاتھ میں لی۔ اور مجھے فرمایا۔ آنکھیں بند کر لے
میں نے آنکھیں بند کیں۔ پھر آپ نے اونٹ بٹھایا میں آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ آنکھیں کھول دے اونٹ سے اتر احرام باندھ لیں۔ میں نے جب آنکھیں کھولیں تو ہم میقات پر
تھے۔ حیرت کے مارے میرا برا حال ہو گیا۔ ہم نے احرام باندھے۔

آپ نے فرمایا۔ اب پیدل چلیں گے۔ آپ نے بانہہ پکڑی۔ ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ اور مجھے فرمایا۔ آنکھیں
بند کر لے۔ میں نے آنکھیں بند کیں۔

آپ نے فرمایا۔ کھول دے۔ میں نے آنکھیں کھولیں دیکھا تو سامنے بیت اللہ تھا۔

آپ نے فرمایا۔ اب مجھے تنہا چھوڑ دے جا اعمال حج کر۔ عشاء کی نماز کے وقت سواری تیار رکھنا۔

میں اونٹ کو ساتھ لے کر علیحدہ ہو گیا۔ نماز عشاء کے بعد میں نے اونٹ تیار کیا۔ آپ آ گئے۔ اونٹ پر سوار ہوئے
مجھے پیچھے بٹھا لیا۔ آپ نے سورۃ قل اور سورۃ یسین کی تلاوت کی۔ آپ نے کئی مقامات پر رک کر اعمال کیے۔ جب
صبح طلوع ہوئی آپ اٹھے۔ اذان و اقامت کہی۔ نماز صبح پڑھی۔ پہلی رکعت میں آپ نے الحمد کے بعد سورۃ والشمس اور
دوسری رکعت میں الحمد کے بعد سورۃ توحید پڑھی۔ بعد از نماز تعقیبات میں مصروف رہے۔ جب سورج طلوع ہونے لگا

تو دری نوجوان اپنی بیوی کے ساتھ ہمارے قریب سے گزرا۔ جونہی اس کی بیوی نے امام صادق کو دیکھا دوڑ کر آپ کے قدموں پر آ گری۔

نوجوان نے قریب آ کر سلام کیا۔

اور بیوی سے پوچھا۔ کیا بات ہے۔

اس نے جواب دیا۔ یہی تو وہ تھا جس نے اس وقت ملک الموت کو میری روح واپس کرنے کا حکم دیا تھا جب وہ میرے جسم سے لے کر اوپر آسمان جا رہا تھا۔

آپ نے میری طرف دیکھا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ اگر یہ نہ بھی بتاتی تو میں کل سے سب کچھ مان چکا ہوں۔

خرائج میں یونس ابن ظبیان سے مروی ہے کہ ہم کافی افراد امام صادق کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ میں نے عرض کیا۔

حضور! حضرت ابراہیم نے کون کون سے پرندے ذبح کیے تھے۔

آپ نے فرمایا۔ صرف پوچھنا چاہتے ہو یا دیکھنا چاہتے ہو۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ اگر دکھا دیں تو کیا ہی بات ہے۔

آپ نے آواز دی۔

یا طاؤس۔ ایک مور آ کر آپ کے سامنے بیٹھا۔

پھر آواز دی۔

یا غراب۔ ایک کوا اڑتا ہوا آ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا

پھر آواز دی۔

یا باز۔ ایک باز آ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔

پھر آواز دی۔

یا حمامہ۔ ایک کبوتر اڑتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔

آپ نے فرمایا۔ انہیں ذبح کرو۔ اور جس طرح بھی چاہے ان کے گوشت کو ملاؤ۔ ہم نے انہیں ذبح کیا۔ گوشت کا قیمہ بنایا۔ آپس میں مکس کیا۔

آپ نے پہلے مور کا سر ہاتھوں میں لے کر فرمایا۔ ایئی ایئی یا طاؤس۔ ہمارے آنکھوں کے سامنے مور کا گوشت اڑنے لگا۔ اور آپ کے ہاتھوں میں سر کے ساتھ مل کر جمنے لگا۔

چند لمحات میں مور مکمل ہو کر چلنے لگا۔

اسی طرح ایک ایک پرندے کو ذبح کرتے گئے وہ زندہ ہو کر چلنے لگا۔

خرائج میں ابوبصیر سے مروی ہے کہ ایک سال ایام حج میں بڑا رش تھا۔

میں امام صادقؑ کے ساتھ تھا۔ میں نے کہا۔

قبلہ کتنے زیادہ حاجی ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ یہ نہ کہو کہ حاجی کتنے زیادہ ہیں۔ یوں کہو کہ شور و غل کتنا زیادہ ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ یہ سب مسلمان ہی تو ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ مسلمان میں انسان نہیں ہیں۔ ہر ایک اپنے کردار کے مطابق قیامت میں اٹھے گا۔ اگر دیکھنا چاہے تو میں ان کی حقیقت تجھے دکھا دوں۔

میں نے عرض کیا حضور! ضرور دیکھوں گا۔

آپ نے میری آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ میں بینا ہو گیا۔

آپ نے فرمایا۔ اب دیکھ۔ میں نے جو دیکھا ہے۔ بخدا! کہیں کہیں انسان نظر آئے۔ اکثریت مختلف قسم کے جانوروں کی تھی۔

تکوینی تصرفات:

خرائج میں داؤد رقی سے مروی ہے کہ میں ایک بار مدینے سے واپس گھر جا رہا تھا۔ بہت مقروض تھا۔ سوچ رہا تھا کہ واپس جو نہی گھر گیا قرض خواہ تنگ کریں گے۔ اور جیب میں کچھ دینے کو بھی نہیں ہے۔ اسی عالم میں کسی نے میرا نام لے کر پکارا۔

میں نے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف دیکھا لیکن مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ پھر میں نے اوپر دیکھا تو میرے پسینے چھوٹ گئے۔ امام صادقؑ ہوا میں کھڑے مجھے دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔

آپ نے مسکرا کے فرمایا۔ اپنے آپ سے پوچھ کہ خواب ہے یا حقیقت۔

میں نے کہا۔ جب آپ کو دیکھتا ہوں تو حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ اور جب آپ کو ہوا میں کھڑے ہوئے اور یہاں مدینے سے میلوں کے فاصلے پر دیکھتا ہوں تو خواب معلوم ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ داؤد! مجھے یہاں چین میں ایک کام تھا۔ اسی سلسلے میں آیا تھا۔ تو پریشان جا رہا تھا میں نے سوچا کہ تجھے تیری پریشانی کا حل بتا دوں۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! پھر آپ نے کیا حل نکالا ہے؟

آپ نے فرمایا، اس وقت تک تیرا قرضہ ادا نہیں ہوگا، جب تک تو قرآن حفظ نہیں کرے گا۔

پھر آپ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔

میں واپس آیا۔ اور حفظ قرآن میں مصروف ہو گیا۔ پانچ چھ ماہ میں میں نے قرآن حفظ کر لیا۔ اور حفظ قرآن کے ایک دو ماہ بعد میرا تمام قرضہ بھی ادا ہو گیا۔

بحار میں ابو بصیر سے مروی ہے کہ ایک دن امام صادقؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ آپ کمرہ میں اٹھ کر کھڑے ہو گئے زمین پر پاؤں مارا۔

میں نے دیکھا تو جیسے فرش پلٹ گیا، نیچے سے ایک بہت بڑا سمندر رواں ہوا۔ سمندر میں چاندی کی بڑی بڑی کشتیاں تیرتی پھر رہی تھیں۔

آپ نے ایک کشتی کو اشارہ کیا۔ ملاح فوراً کشتی لے کر حاضر ہو گیا۔ آپ کشتی پر سوار ہو گئے۔ میں بھی اجازت لے کر کشتی میں بیٹھ گیا۔

کشتی سمندر میں تیرنے لگی کافی دور نکل جانے کے بعد ایک جزیرہ آیا۔ میں نے دیکھا جزیرہ میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چاندی کے خیمے نصب تھے۔ آپ کشتی سے اتر کر ایک خیمہ میں چلے گئے۔ میں وہیں کشتی میں بیٹھا رہا۔ کافی دیر بعد آپ واپس تشریف لائے۔ وہاں سے واپس چلے آ گیا۔

ملاح ہمیں اسی جگہ لے آیا۔ جہاں ہم نے کشتی پر بیٹھے تھے۔ ہم اتر کر باہر آئے۔ سمندر غائب ہو گیا پہلے کی طرح زمین ہموار ہو گئی۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! یہ کیا تھا؟

آپ نے فرمایا۔ جس خیمہ میں گیا تھا۔ اسے دیکھا تھا۔

میں نے عرض کیا۔ ہاں دیکھا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ وہ خیمہ تھا جو میرا تھا۔

پہلا پہلا خیمہ نبی اکرمؐ کا تھا۔

اس سے متصل دوسرا خیمہ جناب ام المومنین خدیجہ کا تھا۔

تیسرا خیمہ امیر المومنین علیؑ کا تھا۔

چوتھا خیمہ ام السادات فاطمہ زہراؑ کا تھا۔

پانچواں خیمہ امام حسنؑ کا

چھٹا امام حسینؑ کا۔

ساتواں امام زین العابدین کا

اٹھو اللہ میرے بابا کا اللہ

قرآن خیمہ میرا تھا۔

بصائر میں مفضل بن عمر سے مروی ہے کہ جن دنوں معلی ابن خنیس کو تختہ دار پر چڑھایا گیا۔ ان دنوں ایک روز میں امام صادق کی خدمت میں بیٹھا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ مفضل! میں نے معلی کو چند ہدایات دی تھیں۔ لیکن اس نے میری کسی ہدایت پر عمل نہیں کیا اب نتیجہ تیرے سامنے ہے کہ وہ پس دیوار زندان پابہ زنجیر ہے۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! آپ کے موالیوں سے ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہمارے موالیوں سے ہے۔ اسی لیے قرآن مصائب سے دوچار ہے۔ ایک وقت معلوم تک ہمارے موالی ایسے ہی سنگین حالات سے دوچار رہیں گے۔ اگرچہ معلی نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا۔ لیکن پھر بھی ہم اسے بھولے نہیں ہیں۔

ایک دن میں زندان میں میں نے معلی کو پریشان دیکھا۔

میں زندان میں گیا۔ اور معلی سے کہا۔

کیا بچوں کے لیے پریشان ہے۔

معلی نے کہا۔ حضور! ہر شخص ان حالات میں بچوں کے لیے تڑپتا ہے۔

میں نے معلی کے چہرہ پر اپنا ہاتھ پھیرا۔

اور معلی سے پوچھا۔

بھلا اب آنکھیں کھول کر دیکھ۔ کہاں ہے۔

معلی نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ تو حیرت سے کہنے لگا۔ مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے میں اپنے گھر اور بچوں میں ہوں۔

میں نے اسے بتایا۔

واقعاً یہ تیرا اپنا گھر ہے۔ اس وقت کچھ دیر کے لیے تو اپنے گھر میں آزاد ہے۔ اپنے بچوں سے مل لے میں تھوڑی دیر بعد واپس آ جاؤں گا۔

میں معلی کی نظروں سے روپوش ہو گیا۔ معلی نے اپنے بیوی بچوں کو بلایا۔ سب اسے یوں دیکھ کر حیران رہ گئے۔

معلی نے انہیں بتایا کہ میں کچھ دیر کے لیے یہاں ہوں۔ معلی نے تمام بچوں سے جی بھر کے پیار کیا پھر میں گیا۔ معلی کے چہرہ پہ ہاتھ پھیرا۔

اور اس سے پوچھا اب بتا تو کہاں ہے؟

معلیٰ نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا اور بتایا کہ یہ تو آپ کا دولت خانہ ہے۔

امام نے اسے بتایا۔ ہاں معلیٰ یہ میرا گھر ہے۔ میں تجھے صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ ہماری محبت پھولوں کی سیج نہیں ہے کانٹوں کی وادی ہے۔ ایک دن تجھے شہید کر دیا جائے گا۔ لہذا ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کرلے۔

بحار میں عبداللہ ابن سنان سے مروی ہے کہ میں نے امام صادق سے حوض کے متعلق پوچھا۔

حضور! آدم سے لے کر قیامت تک ذریت حضرت آدم میں سے اتنی کثیر تعداد خوش نصیبوں کی پینے والی ہوگی۔

آخر وہ حوض کتنا بڑا ہوگا۔

آپ نے فرمایا۔ بصرہ سے صنعا تک حوض کوثر کا رقبہ ہوگا۔

پھر مسکرا کر فرمایا۔ کیا دیکھنا چاہتا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! اس سے زیادہ کونسی خوش نصیبی ہوگی۔

آپ نے فرمایا۔ پھر آ میرے ساتھ چل

آپ مجھے بیرون مدینہ لے گئے۔ آپ نے زمین پر پاؤں مارا۔ مجھے ایسے معلوم ہوا جیسے زمین میں شگاف ہوگیا ہے۔

نیچے سے ایک موجزن دریا سامنے آگیا۔ ایسے دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے ہم کسی اور دنیا میں آگئے ہیں۔ نہ دریا کے طول کا پتہ چل سکتا تھا اور نہ عرض کا۔ جہاں ہم کھڑے تھے وہ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے جزیرہ ہو۔ ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔

اس پانی میں چہار رنگ نظر آتے تھے۔ برف سے زیادہ سفید پانی تھا۔ دودھ کی طرح سفید بھی تھا۔ یاقوت جیسا سرخ شراب بھی تھا۔ اور شہد جیسا گاڑھا بھی تھا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ یہ کہاں سے آرہا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ یہ وہی ہے جس کا ذکر اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ جنت میں چار دریا ہوں گے پانی کی نہر دودھ کی نہر۔ شراب کی نہر۔ اور شہد کی نہر۔

اس دریا کے کنارے پر ایک جگہ چند حوریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں بلوریں جام تھے۔ آپ نے ایک کو اشارہ کیا۔

وہ جلدی سے قریب آئی اور عرض کی۔

حضور! کیا پینا پسند فرمائیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے اور عبداللہ ابن سنان کو پانی ہی پلا دو۔

اس نے دو جام بھرے ایک امام صادق کو اور دوسرا مجھے دیا۔ میں نے جب سے وہ پانی پیا ہے، اس کے بعد سے کبھی پیاس کی شدت محسوس نہیں کی۔ عرصہ گزر گیا ہے۔ لیکن اس کا ذائقہ آج تک میرے حلق سے نہیں گیا۔

میں نے عرض کی۔ قبلہ! آج بڑا عجیب منظر دیکھا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

عبداللہ جب ہمارا شیعہ عالم فانی کو الوداع کہتا ہے تو اس کی روح اسی نہر پر آتی ہے۔ اور جب ہمارا دشمن دنیا سے نکلتا ہے تو اس کی روح وادی برہوت جو یمن میں ہے میں پہنچتی ہے۔

خصال میں امام صادقؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔

امام کے سامنے یہ کائنات بالکل اس طرح ہوتی ہے۔ جس طرح تمہارے ہاتھ میں گیند ہوتی ہے۔ جس طرح تم گیند کو اپنے ہاتھ میں جیسے چاہو گھما سکتے ہو۔ اسی طرح امام کائنات کو جس رخ سے دیکھنا چاہے دیکھ سکتا ہے۔

بحار میں ہشام بن سالم سے مروی ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا ہے۔

اللہ نے ایک شہر مشرق میں پیدا کیا ہے جس کا نام جابلقا ہے۔ ایک شہر مغرب میں پیدا کیا ہے۔ اس کا نام جابرسا ہے۔ دونوں شہروں کے گرد فصیل ہے اور فصیل میں بارہ ہزار دروازے ہیں۔ ہر دو دروازوں کے مابین تین میل کا فاصلہ ہے۔

ہر دروازہ پر ایک برج ہے۔

ہر برج میں بارہ ہزار مسلح سپاہی موجود ہیں۔ جو قیام قائمؑ کے منتظر ہیں۔

کافی میں عجلان ابن صالح سے مروی ہے کہ میں امام صادق کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک شخص آیا۔ اور اس نے آسمان کی طرف اشارہ کرکے عرض کیا۔

حضور! کیا یہ حضرت آدم کا خیمہ ہے؟

آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ یہ حضرت آدم کا خیمہ ہے۔

علاوہ ازیں بھی اللہ نے بہت کچھ پیدا کر رکھا ہے۔ تمہارے اس مغرب کے علاوہ انتالیس مغرب ہیں۔ ہر مغرب کی سرزمین مخلوق خدا سے لبریز ہے۔ ان میں سے کسی نے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔

جس طرح تم ان سے ناواقف ہو۔ اسی طرح وہ لوگ تم سے ناآشنا ہیں۔ انہیں یہ بھی علم نہیں ہے کہ اللہ نے کسی آدم کو بھی پیدا کیا ہوا ہے۔

وہ صرف ہمارے جد امجد محمد مصطفیٰ کی رسالت اور ہماری امامت سے واقف ہیں اور ہمارے اعداء سے تبرا کرتے ہیں۔

سائل نے عرض کیا حضور! جب انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ نے کسی آدم کو پیدا کیا ہے تو وہ پھر آپ کے ان اعداء سے کیسے تبرا کرتے ہیں۔ جو اولاد آدم سے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ کیا تمہیں ابلیس کے متعلق کچھ علم ہے۔

سائل نے عرض کیا۔ حضور! صرف اتنا علم ہے کہ وہ اولاد آدم کا دشمن ہے اور اولاد آدم کو ابلیس سے تبرا کرنے کا حکم ہے۔

آپ نے فرمایا۔ بس اسی طرح انہیں بھی صرف یہی معلوم ہے کہ۔ اعدائے آل کون ہیں۔ اور ان سے تبرا ان کا جزو ایمان ہے۔

بحار میں سلیمان ابن خالد سے مروی ہے کہ امام صادق نے فرمایا ہے۔ کائنات عالم کا ہر مخلوق خواہ انسان ہو، جن ہو، ملک ہو آسمان ہیں ہو یا زمین میں۔ اللہ نے ہر مخلوق کے سامنے ہماری ولایت پیش کی ہے۔ اور ہر مخلوق کی نجات کا میزان ہماری ولایت ہے۔

خرائج میں عبدالرحمن ابن حجاج سے مروی ہے کہ ایک سال سفر حج میں میں امام صادق کے ساتھ تھا۔ ایک جگہ میں نے عرض کیا۔

قبلہ امام کی علامت کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ عبدالرحمن امام اللہ کی اس قوت کا نمائندہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اس پہاڑ سے چلنے کو کہے تو وہ چلنے لگے۔

بخدا! جب میں نے پہاڑ کی طرف دیکھا تو پہاڑ نے سرکنا شروع کر دیا۔

آپ نے پہاڑ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

تو رک جا۔ میں نے تجھے چلنے کا حکم تو نہیں دیا۔

بحار میں حسن ابن عطیہ سے مروی ہے کہ عباد بصری کوہ صفا پر امام صادقؑ سے کھڑا ہوا تھا۔

عباد نے کہا۔ میں نے ایک بات سنی ہے آپ سے تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔

کون سی بات ہے۔

جعلاد نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ نگاہ قدرت میں مومن کو صفا اور مروہ سے زیادہ محترم ہے۔

آپ نے فرمایا: ہاں میں نے کہا ہے۔

کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کائنات عالم مومن کی اطاعت پر مامور ہے۔ اگر مومن اس کوہ مروہ سے چلنے کو کہے تو وہ چلا آئے۔

جعلاد نے دیکھا تو مروہ نے اپنی جگہ چھوڑنے لگا تھا۔

امام صادقؑ نے مروہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

تو ٹھہر جا۔ میں نے تجھے آنے کو نہیں کہا ہے۔

خرائج میں عبداللہ بن علی سے مروی ہے کہ ایک سال سفر حج میں میں امام صادقؑ کے ساتھ تھا۔ دوران سفر ایک جگہ تمام قافلے کے پاس پانی ختم ہو گیا۔

سامنے ایک تالاب تھا۔

امام صادقؑ نے مجھے فرمایا۔

جا اس تالاب میں دیکھ پانی ہے۔

میں نے جا کر دیکھا وہاں پانی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ میں نے واپس آ کر عرض کی کہ حضور وہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔

آپ اٹھے تالاب کے کنارے پر تشریف لائے۔

کھڑے ہو کر فرمایا۔ اے تالاب اللہ نے تجھے جو پانی ذخیرہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہمیں اس سے بقدر ضرورت سیراب کر دے۔

پھر سے قافلے نے دیکھا کہ تالاب سے پانی پھوٹنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے تالاب پانی سے لبریز ہو گیا۔ تمام قافلے نے حسب ضرورت پانی پیا بھی اور مشکیزے بھی بھر لیے۔

خرائج میں ابو حریم مدنی سے مروی ہے کہ ایک سال حج کے لیے روانگی میں تاخیر ہو گئی۔ اور میں امام صادقؑ کے ساتھ سفر حج پر نہ کر سکا۔

جب میں مکہ میں آیا اور مقام شجرہ پر گیا۔ تاکہ نماز با جماعت ادا کروں۔ وہاں گیا تو دیکھا امام صادقؑ ایک طرف بیٹھے مصروف تسبیح تھے۔

مجھے دیکھ کر فرمایا۔ ابو حریم کیا نماز پڑھ لی ہے!

میں نے عرض کیا۔ ابھی آیا ہوں۔

میں نے نماز پڑھی۔ آپ اٹھے میں بھی آپ کے ساتھ چلا آیا۔ راستہ میں مجھ سے پوچھا۔ آج پریشان پریشان نظر آ رہا ہے کیا بات ہے۔؟

میں نے عرض کیا۔ قبلہ پریشان تو ہوں لیکن وجہ میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہی

آپ نے فرمایا۔ میرا خیال ہے رات تو نے مچھلی کھائی ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کا خیال درست ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اگر مچھلی کے بعد چند دانے کھجور کے کھا لیتا تو یہ پریشانی نہ ہوتی۔

پھر آپ ایک کھجور کے پاس آئے۔ موسم کھجوروں کا نہ تھا۔

بے ثمر کھجور کے درخت سے مخاطب ہوئے۔

یاجذع اطعمنا مما خلق اللہ فیک ۔ — اے درخت اللہ نے جو تجھے دیا ہے اس میں سے ہمیں بھی کھلا دے۔

میں نے دیکھا۔ کھجور میں پھل نکل آیا۔ پھر وہ پکنا شروع ہوا۔ چند سیکنڈ میں پھل پک گیا۔ آپ نے خود بھی کھایا اور مجھے بھی کھلایا۔

خرائج میں داؤد رقی سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام صادقؑ کے پاس تھا۔ امام کاظمؑ ابھی کم سن تھے آپ کے قریب آئے۔

آپ نے گود میں بٹھایا۔ اور فرمایا۔

بیٹے کیا حال ہے!

کم سن امام نے عرض کیا۔ حضور بعنایت خدا کے زیر سایہ گزر رہی ہے۔ آج دل انگوروں اور اناروں کے لیے چاہ رہا تھا۔

میں نے کہا۔ سبحان اللہ! بچوں کے بھی کیا کہنے۔ نہ وقت دیکھتے ہیں نہ موسم۔ مطالبات شروع کر دیتے ہیں۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔

داؤد اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ کبھی حجت خدا کی خواہش رائیگاں نہیں کرتا۔ ذرا باغ میں چلا جا انگوروں کی کسی بیل سے کہہ دے کہ حجت ابن حجت انگوروں کا خواہش مند ہے۔ وہاں سے تجھے انگور مل جائیں گے۔ پھر انار کے کسی پودے سے بھی کہہ دے وہ تجھے انار دے دے گا۔

میں خاموش ہو کر اٹھا۔ باغ میں آیا۔

ایک بیل کے پاس کھڑا اور امام صادقؑ کا فقرہ دہرایا۔ میں حیران رہ گیا جب میں نے دیکھا کہ میرے سامنے والی خالی شاخ پر انگور کا پکا ہوا گچھا جھولنے لگا۔ میں نے اسے توڑا۔ پھر انار کے پودے کے قریب آ کر وہی جملہ دہرایا۔

وہ پکے ہوئے انار میرے سامنے جھڑنے لگے۔ میں نے انہیں بھی توڑا۔ اور کمسن امام کی خدمت میں لایا۔ آپ بیٹھ کر کھانے لگے۔ اور مجھے دیکھ کر فرمایا۔

واللہ یہ ان انگوروں سے کہیں زیادہ لذیذ ہیں جو مادر مسکین لائے تھے۔

بصائر میں یونس ابن ظبیان۔ مفضل ابن عمر۔ ابو سلمہ سراج حسین ابن ثویر سے مروی ہے کہ ہم امام صادق کے پاس بیٹھے تھے۔

آپ نے فرمایا۔

اللہ نے زمین کے تمام خزانے ہمیں دیئے ہیں۔ اگر میں چاہوں تو زمین پر پاؤں کی ٹھوکر مار کر اس سے مطالبہ کروں تو اپنے تمام خزانے اگل دے گی۔

یہ فرمانے کے بعد آپ نے زمین پر پاؤں سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا۔ ممکن ہے ان میں سے کوئی مبتلائے شک ہوئے۔ انہیں میری بات کی تصدیق کرا دے۔

ہمارے سامنے زمین میں شگاف ہوا۔ ہم نے دیکھا بالشت بالشت پر سونے کے ٹکڑوں کے انبار لگے ہوتے تھے آپ نے ایک ٹکڑا اٹھایا اور ہمیں دے کر فرمایا۔

اچھی طرح دیکھ لو۔

ہم نے باری باری دیکھا اور حیران رہ گئے۔

ہم نے عرض کیا۔ قبلہ اللہ نے اتنا آپ کو دیا ہے۔ اور آپ کے شیعہ غربت کا شکار ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اللہ نے ہمارے اور ہمارے شیعہ کے لیے آخرت میں جو مقدر کر رکھا ہے وہ دنیا کی اس دولت سے کہیں بہتر ہے۔

اور اللہ نے ہمارے اعداء کے لیے آخرت میں جو مقرر کر رکھا ہے وہ اس دنیا کے مصائب اور تکالیف سے کہیں زیادہ بدتر ہے۔

بصائر میں عمر حلبی سے مروی ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا ہے۔ جناب آصف بن برخیا کے پاس اللہ کے تہتر اسمائے اعظم میں سے صرف ایک اسم تھا۔ جس کے ذریعہ اس نے عرفۃ العین میں تخت بلقیس منگوایا تھا۔ اور ہم اہل بیت کے پاس بہتر اسم اعظم ہیں۔

بصائر میں حلبی سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ قبلہ امام کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تو برداشت نہیں کر سکے گا۔

میں نے بہت اصرار کیا۔ کہ مجھے کچھ تو دکھا دیں۔

آپ اندر گئے۔ کچھ دیر بعد مجھے اندر بلایا۔

میں نے دیکھا آپ نے زمین پر صرف انگشت شہادت رکھی ہوئی تھی۔ اور کچھ پڑھ رہے تھے۔ مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے پورا کرہ گردش میں ہے۔ میرا سر چکرانے لگا۔ میں جلدی سے بیٹھ گیا۔ اور عرض کیا۔ قبلہ بس مزید میں کچھ برداشت نہ کرسکوں گا۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے تو تجھے کہا تھا کہ تو برداشت نہ کرسکے گا۔

علم غیب اور امام صادقؑ!

بصائر میں شہاب ابن عبداللہ سے مروی ہے کہ مجھے چند مسائل دریافت کرنا تھے۔ میں امام صادقؑ کے پاس آیا۔

آپ نے مسکرا کے فرمایا۔

کیا مسائل پوچھنے آیا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ ہاں قبلہ۔

آپ نے فرمایا۔ تو خود پوچھے گا یا میں ہی تجھے تیرے مسائل اور ان کے جواب بتا دوں!

میں نے عرض کیا۔ قبلہ اگر آپ ہی نوازش فرما دیں تو میری عقیدت مزید اضافہ ہو جائے گا۔

آپ نے فرمایا۔ تو ایسے جنبی شخص کے متعلق پوچھنا چاہتا ہے۔ جس نے غسل کرنے کی خاطر مٹکے سے وضو کے ذریعہ پانی لیا۔ اور اس کا ہاتھ مٹکے کے پانی کو چھو گیا۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! ایک مسئلہ تو یہی تھا۔

آپ نے فرمایا۔ کوئی حرج نہیں۔

دوسرا مسئلہ تو یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر جنبی آدمی ہاتھ دھونے سے پہلے بھول کر پانی میں ہاتھ ڈال دے تو۔

میں نے عرض کیا یہ دوسرا مسئلہ ہی تھا۔

آپ نے فرمایا۔ اگر جنبی کا ہاتھ ظاہری نجاست سے خالی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

تیسرا مسئلہ تو یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر ایک جنبی شخص غسل کرتا ہے۔ اور اس کے جسم سے چند قطرات ٹپک کر پانی میں جا گریں تو۔

میں نے عرض کیا۔ حضور یہی سوال ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کوئی حرج نہیں۔

بصائر میں اسماعیل ابن عبدالعزیز سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ اور دیگر آئمہ اہل بیت کے لیے بہت زیادہ عقیدت رکھتا تھا اور بہت زیادہ فضائل بیان کیا کرتا تھا۔

ایک دن امام صادقؑ کی خدمت میں آیا۔

آپ نے فرمایا۔

اسماعیل ہمیں ہمارے مقام سے زیادہ اونچا نہ لے جاؤ۔ ہمیں اللہ کی مخلوق سمجھ کر جو چاہو کہو۔

بصائر میں خالد ابن نجیح سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کی خدمت بیٹھا تھا۔ اور بھی بہت سے لوگ تھے ہر شخص اپنی بات کر رہا تھا۔ میں حیران تھا دل میں کہہ رہا تھا کہ۔

کاش یہ لوگ جانتے کہ وہ کس کے حضور بیٹھے ہیں۔ اور مجھے تو ایسے لگتا ہے۔ جیسے اللہ کے دربار میں ہوں۔

امام صادقؑ نے مجھے اپنے قریب بلایا اور فرمایا۔

خالد بخدا ہم اللہ کی مخلوق ہیں۔ ہم اللہ کے سامنے جھکتے ہیں۔ اگر ہم وہ ہو نے لگیں جو تو سوچ رہا تھا۔ تو ہمارے پاس ان کرامات میں سے کچھ بھی نہ ہے۔

جو کچھ ہے اللہ کی دین ہے۔

میں نے قدم بوسی ہو کر عرض کیا۔ قبلہ! بہت بڑا اشتباہ تھا جو آپ نے دور کر دیا ہے۔ آج کے بعد وہ کچھ سوچوں گا۔ جو آپ نے فرمایا ہے۔

کشف الغمہ میں شعیب عقرقوفی سے مروی ہے کہ میں علی ابن حمزہ اور ابو بصیر کے ساتھ امام صادقؑ کے پاس گیا۔ میرے پاس تین سو دینار تھے۔ وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ آپ نے ایک مٹھی بھر دینار رکھ لیئے اور بقیہ مجھے واپس دے کر فرمایا۔

شعیب یہ دینار جہاں سے اٹھائے تھے وہیں رکھ دینا۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد ہم وہاں سے اٹھے راستے میں ابو بصیر نے پوچھا شعیب تو نے سوچا ہے کہ امام نے یہ پیسے کیوں واپس کر دیئے ہیں؟

میں نے کہا۔ میں کیا سوچ سکتا ہوں۔ ان کی مرضی اگر سب قبول کر لیتے تو میری خوش نصیبی ہوتی۔

ابو بصیر نے کہا۔ شعیب ایسی بات نہیں ہے۔ میں کافی وقت سے آئمہ اہل بیت کی خدمت میں رہا ہوں۔ جو دینار آپ نے واپس کیے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوگی

میں نے کہا کیا گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ جس طرح قبول کیے جانے والے پیسے میرے تھے اسی طرح واپس کیے جانے والے پیسے بھی میرے ہی تھے۔

ابو بصیر نے کہا۔ شعیب تیری باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تو مجھ سے کوئی بات چھپا رہا ہے۔ ممکن ہے مجھے بتانے میں کوئی نقصان ہو میں زیادہ اصرار نہیں کرتا۔

البتہ تجھے یہ بتا دوں کہ امام صادقؑ نے تجھے جو ہدایت کی ہے کہ جہاں سے اٹھائے تھے۔ وہیں رکھ دینا۔ تجھے اس نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔

میں نے پوچھا۔ آخر سوال میں کیا فائدہ ہو گا؟

ابو بصیر نے کہا۔ شعیب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دینار تو نے اشتباہاً اٹھائے ہوں۔ اور تیری ملکیت نہ ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عنقریب کوئی ایسی صورت تجھے پیش آنے والی ہو جس کا تجھے علم نہیں لیکن نگاہ امام نے اسے دیکھ لیا ہو۔

میں نے کہا۔ ابو بصیر واقعاً آپ کو صحبت امام میں ایک وقت گزرا ہے سب میں آپ کو بتا ہی دوں لیکن پہلے مجھے یہ دینار گن لینے دے۔

ابو بصیر نے کہا۔ ہاں ہاں گن لے

میں نے دینار گنے۔ سو دینار تھے۔

ابو بصیر نے کہا۔ کتنے ہیں۔

میں نے کہا۔ سو دینار ہیں۔

اور میں یہ دینار صرف امتحاناً اٹھا کے لایا تھا یہ میرا مال نہیں ہے۔ میں نے اپنے بھائی کے دیناروں میں سے اس کے علم میں لائے بغیر صرف اس غرض سے اٹھائے تھے کہ آپ لوگ جو ہر وقت امام صادقؑ کی غیب دانی کے فضائل بیان کرتے رہتے ہیں اس کی تصدیق کر لوں۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ جو کچھ آپ بتاتے ہیں واقعاً سچ ہے اور میرے لیے یہ آپ کی امامت حقہ کی ایک واضح دلیل ہے۔ اس دلیل روشن کے بعد اب میرا امام صادقؑ کی امامت کا معتقد نہ ہونا میری تیرہ بختی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

بحار الانوار جلد میں ابراہیم ابن مہزم سے مروی ہے کہ ایک رات میں امام صادق کی خدمت سے جب اپنے گھر مدینہ میں آیا۔ تو کسی بات پر میری اور میری ماں کے مابین تکرار ہو گئی۔ اور میری زبان سے کچھ ترش الفاظ نکل گئے۔

دوسری صبح جب میں امام صادق کی خدمت میں آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔

اے ابراہیم رات تو نے ماں سے اچھا سلوک نہیں کیا۔

میں نے گھبرا کے عرض کیا۔ حضور! اس وقت تو کوئی بھی جاگ نہیں رہا تھا۔ آپ کو کس نے بتایا ہے؟
آپ نے فرمایا۔ ابراہیم یہ نہ پوچھ کہ مجھے کس نے بتایا ہے۔ میں کائنات عالم میں حجت خدا ہوں۔ اور
ہر حجت خدا اپنے دور میں اپنی رعیت کے تمام حالات سے باخبر رہتا ہے۔ اور آئندہ ایسی بات بھی نہیں
ہونا چاہیے۔
تجھے معلوم نہیں کہ تیری ماں کا شکم وہ مقام ہے جہاں تو نے نو ماہ اطمینان سے گزارے۔
تیری ماں کی گود وہ گہوارہ ہے جہاں تو ایک عرصہ تک نازوں سے کھیلتا رہا ہے۔ اور
تیری ماں کا سینہ وہ برتن ہے جہاں سے تو دو برس تک سیراب ہوتا رہا ہے۔
میں نے معذرت کر کے آئندہ ایسی کوئی حرکت نہ کرنے کا عہد کیا۔
بصائر میں حارث بن حصیرہ ازدی سے مروی ہے کہ کوفہ میں سے ایک شخص خراسان آیا اور اس نے اہل خراسان
کو امام صادقؑ کی امامت کی دعوت دی۔
اہل خراسان تین گروہوں میں بٹ گئے۔
کچھ لوگ آپ کی اطاعت پر آمادہ ہو گئے۔
کچھ لوگوں نے سرے سے انکار کر دیا۔ اور
کچھ لوگ انتشار سے بچنے کی خاطر بین بین رہے۔
پھر ہر گروہ نے اپنا ایک نمائندہ مدینہ میں امام صادقؑ کے پاس بھیجا۔ جس گروہ نے آپ کی امامت کو
تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا اس کے نمائندہ کے ساتھ کنیز تھی۔ راستہ میں بین بین گروپ کے نمائندہ نے اس کنیز سے
تعلقات استوار کیے اور ارتکاب فجور کیا۔
جب یہ وفد امام صادقؑ کی خدمت میں پہنچا تو گفتگو کا آغاز بین بین گروپ کے نمائندہ نے کیا۔
امام صادقؑ نے اس سے پوچھا۔
تو کس گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔
اس نے کہا میں غیر جانبدار اور انتشار ناپسند گروہ سے ہوں۔
آپ نے غصہ سے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا۔
تیری انتشار ناپسندی کا دعویدار صرف میری امامت کو تسلیم کرنے سے ہے۔ اس وقت تیری دیانت اور تیرا
زہد کہاں تھا۔ جب نہر کے کنارے تو کسی کی کنیز سے منہ کالا کر رہا تھا۔
وہ جلدی سے آپ کے قدموں پر گرا اور عرض کیا۔
قبلہ اب بس اس سے آگے کچھ نہیں۔

بصائر میں صفوان ابن یحییٰ سے مروی ہے کہ ایک دن جعفر ابن محمد اشعث اور میں اکٹھے ہو گئے۔ یہ جعفر محبان آل محمد سے تھا۔

میں نے پوچھا۔ جعفر تیرا باپ تو دشمنان آل محمد سے تھا تو کیسے اس طرف آ گیا ہے۔

جعفر نے کہا۔ واقعاً میرا باپ دشمنان آل محمد سے تھا۔ لیکن محمد اشعث اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے۔ اور اسی نے ہی ہمیں یہ راہ دکھائی ہے۔

میں نے پوچھا۔ وہ کیسے؟

جعفر نے کہا۔ آپ کو علم ہے کہ میرا باپ محمد اشعث منصور کے مقربین سے تھا۔ ایک دن نے منصور نے میرے باپ سے کہا۔

مجھے ایک دانش مند قاصد کی ضرورت ہے جو امین بھی ہو۔

میرے باپ نے اسے اپنے ماموں ابن مہاجر کا پتہ دیا۔

منصور نے ابن مہاجر کو بلایا۔ اور اسے ہزاروں دینار دے کر کہا۔ مدینہ چلا جا۔ محلہ بنی ہاشم سادات بنی فاطمہ کو جمع کرنا۔ یہ دینار ان میں تقسیم کرنا۔ اور کہنا کہ میں شیعیان خراسان سے ہوں۔ یہ دینار انہی لوگوں نے بھیجے ہیں۔ اور وہ آپ لوگوں کی حکومت کے منتظر ہیں۔ پھر ان سے فرداً فرداً رقم کی وصول کی رسید بھی لکھوا لینا اور جو پیغام وہ اہل خراسان کے نام دیں وہ بھی لکھوا لینا۔

ابن مہاجر مدینہ گیا۔ رقم تقسیم کی۔ واپس کوفہ میں منصور کے پاس گیا۔ اور سادات بنی فاطمہ کے تمام بیانات اس کے سامنے رکھ کے کہا۔

ہر ایک نے کوئی نہ کوئی پیغام دیا ہے۔ لیکن جعفر ابن محمدؑ نے نہ رقم قبول کی ہے اور نہ کوئی پیغام دیا ہے۔

منصور نے پوچھا۔ کیوں بھلا۔

ابن مہاجر نے بتایا۔ کہ تمام سادات بنی فاطمہ میں دینار تقسیم کیے۔ امام صادقؑ وہاں نہ تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ مسجد نبوی میں ہوں گے۔ میں وہاں گیا۔ وہ مصروف نماز تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میری کسی بات کرنے سے قبل مجھے کہنے لگے۔

بندہ خدا! تو خود بھی آل محمد کے معاملے میں اللہ سے ڈر۔ اور اپنے بادشاہ سے بھی کہہ دینا کہ آل محمدؑ نے ابھی ابھی آل مروان کی حکومت گزاری ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ نہ صرف ان کے گھر ویران ہیں بلکہ آل مروان نے ان کی جھریاں اور دل بھی اجاڑ دیئے ہیں آل محمد کے پاس کیا رکھا ہے۔ ان میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی ہے کہ وہ تمہاری حکومت کے لیے کوئی خطرہ بن سکیں۔

انہیں کچھ دن چین کا سانس لینے دو۔ تمہارے پہلو میں آج بھی وہ افراد بیٹھے ہیں جو عداوت آل محمد پر

ادھار کھا چکے ہیں۔ اور ان کی خواہش ہے کہ کسی نہ کسی طرح آل محمد کا ایک فرد بھی اس دنیا میں سانس لینے والا نہ بچے۔ انہی لوگوں سے تم جاسوسی کا کام لیتے ہو۔ اور یہی لوگ آل محمدؑ کے خلاف چغل خوری کرکے تمہیں بھڑکاتے رہتے ہیں۔

جو گفتگو میرے اور آپ کے مابین تھی تمام کی تمام امام صادقؑ نے اس طرح مجھے بتا دی جیسے وہ ہمارے ساتھ تیسرے ہوں۔

منصور نے کہا۔ واقعاً امام صادق درست کہتا ہے۔ آل محمدؑ میں اب اتنی سکت نہیں کہ وہ حصول اقتدار کی کوئی کوشش کر سکیں۔

ابن مہاجر سے یہ واقعہ سننے کے بعد میرے باپ نے عداوت آل محمد سے توبہ کر لی۔ اور اب ہمارا پورا گھر بحمد اللہ موالیان آل محمد سے ہے۔

خرائج میں ابن ابوالعلاء سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے آکر اپنی بیوی کی بداخلاقی کا شکوہ کیا۔

آپ نے فرمایا۔ اسے یہاں میرے پاس لے کے آ۔

وہ اپنی بیوی کو لے آیا۔

آپ نے اس سے فرمایا۔ تو اپنے شوہر سے اچھا سلوک نہیں کر سکتی۔

اس نے کہا۔ میں جب اسے دیکھ نہیں سکتی تو اچھا سلوک کیسے کر سکتی ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ اس طرح تو تو گناہ گار ہو جاتی ہے۔

اس نے کہا۔ جن دنوں میں مجھے میرا شوہر نظر آئے میں اس زندگی سے اس موت کو ترجیح دوں گی جس میں مجھے یہ تو نظر نہیں آئے گا۔

آپ نے فرمایا۔ اسے لے جا۔

یہ تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہے گی۔

چوتھے دن وہی شخص آپ کے پاس آیا۔

اتفاقاً اس وقت بھی میں آپ کے پاس ہی بیٹھا تھا۔

آپ نے پوچھا۔ بیوی کا کیا بنا۔؟

اس نے عرض کیا۔ قبلہ ابھی دفن سے فارغ ہو کر آ رہا ہوں۔

خرائج میں داؤد رقی سے مروی ہے کہ گزشتہ سال میں امام صادقؑ کے ساتھ حج کو آ رہا تھا۔ میرا ایک بھائی تھا جو مرے کا دشمن اہل بیت تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ میل جول نہیں رکھتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس کے گھر کئی دن سے فاقہ ہے

میں نے حج پر روانگی کے وقت گھر والوں سے کہہ دیا کہ اتنا اسے دے دینا۔

ہم نے ایک اونٹ بٹھایا۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔

داؤد جلدی یہاں سے سامان اٹھاؤ ابھی یہ سیلاب آنے والا ہے۔ ڈوب جائے گا۔ تو نے بھائی سے جو صلہ رحمی کی ہے اس کی وجہ سے تجھ پہ مصیبت ٹل رہی ہے۔

ہم نے وہاں سے سامان دوسری محفوظ جگہ پر منتقل کیا ہی تھا کہ سیلاب آ گیا۔ جن لوگوں نے امام صادقؑ کی اس بات کو مذاق سمجھا تھا وہ اپنے تمام سامان سے محروم ہو گئے۔

خرائج میں مروی ہے کہ امام صادقؑ کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں کچھ مال واجبات آپ کی خدمت میں لایا۔ ساتھ یہ خیال بھی کیا کہ بہت بڑی رقم ہے جو میں آپ کو دے رہا ہوں۔

جب میں آپ کے سامنے آیا ابھی تک میں رقم کی تھیلیاں آپ کو پیش نہیں کی تھیں۔ آپ نے اپنے غلام کو حکم دیا وہاں کونے میں جو طشت رکھا ہے۔ اٹھا کے لے آ۔

میں نے آپ کی طرف دیکھا۔

آپ نے زیر لب کچھ پڑھا۔ جب غلام طشت اٹھا کے لایا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ سب دیناروں سے پر تھا۔

آپ نے غلام سے فرمایا۔ اسے انڈیل دے۔ میری حیرت پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ طشت کا اتنا وزن نہ تھا جتنے دینار نکلتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ میرے اور امام صادق کے مابین ایک ڈھیر سا لگ گیا۔

ان دیناروں کو دیکھ کر مجھے اپنی لائی ہوئی رقم حقیر معلوم ہونے لگی۔

آپ نے مجھے فرمایا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم تمہاری رقم کے محتاج ہیں۔ بخدا ہم تم سے صرف تمہارا مال پاک کرنے کی خاطر لیتے ہیں۔

خرائج ہی کا حوالہ ہے مروی ہے کہ میں مفضل بن عمر کے پاس بیٹھا تھا کہ ابن ملاح آ گیا۔ اور بیٹھ کر میری طرف دیکھنے لگا۔

مفضل نے ابن ملاح سے کہا۔ جو بات کرنا چاہتا ہے وہ کر۔ تجھے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ کوئی بات ایسی ہے جو تیرے اندر مچل رہی ہے۔

ابن ملاح نے کہا۔ میں آپ کو بات تو سنانا چاہتا ہوں لیکن ڈرتا ہوں کہیں آپ مجھے پاگل نہ سمجھیں

مفضل نے کہا۔ اس میں پاگل سمجھنے والی کون سی بات ہے۔ اگر ماننے والی ہوئی تو مان لیں گے۔ ورنہ نہیں مانیں گے۔

ابن طلاح نے کہا۔ میں رافضیوں کے امام صادقؑ کے پاس بیٹھا تھا۔ ہم باتیں کر رہے تھے کہ یک لخت جعفرؑ نے کوفہ کی طرف دیکھا اور پریشان ہو کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگا۔

میں نے پوچھا، کیا بات ہے؟

جعفرؑ نے بتایا۔ میرا چچا زید فلاں جگہ شہید کر دیا گیا ہے۔

یہ کہہ کر اٹھا اور اندر چلا گیا۔

میں نے وہ وقت اور تاریخ نوٹ کر لی۔ جب مدینے سے واپس گیا، ابھی راستہ ہی میں تھا کہ کوفہ کی طرف سے آتا ہوا ایک شہسوار ملا۔

میں نے اس سے کوفے کے حالات پوچھے۔

اس نے بتایا۔ زید ابن علی فلاں دن فلاں وقت شہید ہو گیا ہے۔

یہ وہی وقت تھا جو جعفرؑ نے بتایا تھا۔

فطر نے کہا۔ اس میں حیرت کی کونسی بات ہے۔ ہم جعفر کو مانیں یا نہ مانیں یہ تو ہر شخص کو ماننا پڑتا ہے کہ جعفرؑ کے پاس علم بالکل وہی ہے جو نبی اکرمؐ کے یا علیؑ کے متعلق سینے میں آیا ہے۔

کشی نے ابو بصیر سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں امام صادقؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ ابو بصیر اگر ایک بات برداشت کر سکے اور کسی کے سامنے ظاہر نہ کرنے کا وعدہ کرے تو تجھے بتاؤں؟

میں نے عرض کیا۔ حضور! انشاء اللہ کسی کو نہ بتاؤں گا۔

آپ نے فرمایا۔ داؤد ابن علی اگلے سال کچھ دنوں کے لیے حکمران بننے والا ہے۔ اور اس کے ہاتھ سے میرا قریب ترین صحابی معلی ابن خنیس شہید ہو گا۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! معلی کس جرم میں شہید ہو گا؟

آپ نے فرمایا۔ داؤد معلی سے میرے صحابہ کی فہرست مانگے گا۔ معلی تم لوگوں کے نام بتانے سے انکار کر دے گا اور داؤد کو جواب دے گا۔

کیا تو مجھے قتل سے ڈرا رہا ہے۔

بخدا! اگر اصحاب صادق میں سے کوئی صحابی میرے قدم تلے ہو اور تو مجھے پاؤں اٹھانے کے لئے حکم دے تاکہ تو صحابی امام صادق کو قتل کر سکے۔ تو جب تک میرا دم میرے جسم میں ہو گا۔ اس وقت تک میں قدم تک بھی نہ اٹھاؤں گا۔

اس جواب پر برہم ہو کر داؤد اسے شہید کر دے گا۔

بخدا ایک سال جیسا بالکل ویسا ہی واقعہ پیش آیا۔ اور سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہوا۔

وہاں حیرہ میں جب سلیمان بن علاء سے مروی ہے کہ محمد ابن عبداللہ میرا دوست تھا منصور نے اسے گرفتار کیا اور اسے بڑی سخت جیل میں ڈال دیا۔

اگلے سال حج کے موقع پر یوم عرفات مکہ میں امام جعفر سے ملاقات ہوئی۔

انہوں نے پوچھا۔ تیرے دوست کا کیا حال ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قید ظالم کے پنجہ میں ہے دعا فرمائیں اسے نجات مل جائے۔

آپ نے فرمایا کیوں بہت اداس ہے۔

میں نے عرض کیا میں بھی واقعتاً اداس ہوں۔

لیکن اس کے کمسن بچے پریشان ہیں وہ بہت بے تاب ہے۔

آپ نے سر سوئے آسمان بلند کیا۔

پھر فرمایا۔ مبارک ہو منصور نے اسے چھوڑ دیا ہے۔

بعد میں جب محمد ابن عبداللہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے پوچھا۔

منصور نے تجھے کس دن چھوڑا تھا۔

اس نے بتایا۔ یوم عرفہ بعد العصر

یہ وہی وقت تھا جب امام جعفرؑ نے مجھے مبارکباد دی تھی۔

کشف الغمہ میں ابو بصیر سے مروی ہے کہ کوفہ میں میرا ایک پڑوسی تھا۔ جو ہمیشہ حکومت کا طرفدار بنا رہتا تھا اور حلال و حرام مال جمع کرتا رہتا تھا۔ ہر وقت راگ رنگ اور شراب و شباب کی محفلیں جمی رہتی تھیں۔ مجھے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ میں نے کئی مرتبہ اسے اپیل کی وہ کم از کم حق پڑوس کا خیال رکھے۔

آخر تنگ آکر ایک مرتبہ اس نے مجھے کہا مجھے معلوم ہے میں کتنا گنہگار ہوں میرے گھر میں حلال کی ایک پائی بھی نہیں ہے۔ تم نیک لوگ ہو۔ تمہارا امام بھی نیک ہے۔ اگر تیرا امام مجھے نجات کی ضمانت دے دے تو پھر میں یہ سب کچھ چھوڑنے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔

اگلے سال حج سے فراغت کے بعد میں مدینہ آیا۔

آپ کی آگے زیارت کے بعد اپنے پڑوسی کے متعلق عرض کیا۔

آپ نے فرمایا۔ اسے میرا سلام کر دینا اور کہنا کہ جعفر صادق کہہ رہا تھا اگر تو یہ سب کچھ چھوڑ دے تو میں ضمانت لے لوں گا۔

میں واپس کوفہ آیا۔ پڑوسی ہونے کی وجہ سے وہ بھی میری ملاقات کو آیا۔ میں نے اسے امام صادقؑ کے سلام دیئے

اور ساتھ پیغام بھی بھیج دیا۔

اس نے کہا۔ واقعاً تو سچ کہہ رہا ہے۔

میں نے قسم کھائی

وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ دن بعد مجھے اس کا پیغام ملا۔ میں گیا تو وہ اپنے مکان میں دروازہ کے عقب میں ہی کھڑا تھا۔

اس نے کہا ابو بصیر میں نے تیری قسم پر اعتماد کر لیا ہے۔ خلوص نیت سے توبہ کی ہے۔ میرے گھر میں جو دوسروں کا مال تھا سب تقسیم کر دیا ہے۔ اس وقت میرے پاس حلال کا لباس بھی نہیں ہے۔ اور میں بھی دروازہ کے عقب میں بالکل عریاں ہوں۔

میں فوراً شیعوں کے پاس گیا۔ چندہ کیا۔ لباس خریدا۔ کھانے پینے کا سامان مہیا کیا۔

کچھ دن بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ بیمار ہے اور مجھے یاد کر رہا ہے۔

جب میں گیا تو وہ زندگی کے آخری سانس گن رہا تھا۔ میں بیٹھ گیا۔ انتہائی تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اسے غش آیا۔

غش سے افاقہ ہوا تو مسکرا کے کہنے لگا۔

ابو بصیر تو نے سچی قسم کھائی تھی۔ مولائے صادقؑ نے وعدہ پورا کر دیا ہے۔ اب میں مطمئن ہوں۔ اس کے بعد وہ فوت ہو گیا۔

میں جب حج پر آیا۔ اور زیارت سلام کو گیا۔ تو آپ نے میری بات کرنے سے پہلے فرمایا ابو بصیر ہم نے تیرا وعدہ پورا کر دیا ہے۔

کشف الغمہ میں مالک جہنی سے مروی ہے کہ ہم مدینہ میں بیٹھے فضائل آل محمد کا تذکرہ کر رہے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب غلو و تقصیر کا فتنہ شباب پر تھا۔ کچھ آل محمد کے حق میں حد غلو کو پہنچ چکے تھے۔ اور کچھ حدود تقصیر میں داخل ہو چکے تھے۔

دوران مذاکرہ ہمارے ذہن بھی اس حد تک بلند پرواز ہو گئے کہ ہم نے آل محمد کے لیے حدود الہیہ کو چھونا شروع کر دیا۔

اسی دوران ہم نے دیکھا تو امام صادقؑ ہمارے سر پر کھڑے تھے۔

ہمیں نہیں پتہ کہ وہ کب سے آئے اور کس طرف سے آئے۔

ہم جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

آپ نے فرمایا "اے خالد! اے مالک۔ کیا گفتگو ہے۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ! فضائل کل محمدؐ بیان ہو صحیح نہیں ہوتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: یقین رکھ، ہم مخلوق ہیں۔ ہمارا ایک معبود ہے، اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ جو چاہو کہو مگر ہمیں مقام الوہیت میں کبھی نہ لے جانا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

مؤلف اس قسم کی متعدد روایات لکھنے کے بعد صاحب کشف الغمہ تبصرہ کے انداز میں لکھتا ہے کہ اگرچہ غالیوں کا عقیدہ ناقابل تسلیم ہے۔ لیکن ان کے نقل کردہ واقعات آئمہ کے معجزات، کرامات، علم غیب اور خارق عادات امور تواتر کی حد تک ہیں اور یہ سب ہے۔ عقیدہ غلاۃ کو سامنے رکھ کے ان واقعات اور روایات سے قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا اللہ ہمیں عقیدہ غلاۃ سے بھی محفوظ رکھے۔ اور ان کرامات و معجزات آئمہ کے انکار سے بھی محفوظ فرمائے۔

امالی طوسی میں عنان ابن سدیر سے مروی ہے کہ ایک رات میں نے عالم خواب میں نبی اکرمؐ کو دیکھا۔ آپ کے سامنے رومال سے ڈھکا ہوا ایک طشت تھا۔

آپ نے رومال اٹھایا۔ میں نے دیکھا طشت میں تازہ کھجوریں تھے۔ آپ نے کھانا شروع کیا۔ میں قریب ہوا اور عرض کی۔ قبلہ! مجھے بھی عنایت فرمائیں۔ آپ نے ایک ایک کر کے آٹھ دانے مجھے دیئے۔ میں نے اور مانگے۔ آپ نے فرمایا تیرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

دوسرے دن میں امام صادقؑ کے پاس آیا۔

بالکل اسی طرح کے رومال سے ڈھکا ایک طشت رکھا تھا جیسا میں نے عالم خواب میں آنحضورؐ کے سامنے دیکھا تھا۔ امام صادقؑ نے میرے سامنے رومال ہٹایا۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ویسی کھجوریں تھیں جیسی آنحضورؐ کے طشت میں تھیں۔

آپ نے کھجوریں کھانا شروع کیں۔ میں نے مانگیں۔ آپ نے ایک ایک کر کے آٹھ دانے دیے۔ میں نے اور سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔

اگر میرے نانا اس وقت زیادہ دیتے تو میں بھی اضافہ کرتا۔

امریکیوں کی عراق میں آمد

مجالس مفیدہ میں سدیر سے مروی ہے کہ ایک دن میں آپ کے پاس بیٹھا تھا۔ کوفہ سے کچھ لوگ بھی بیٹھے تھے۔
آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا۔
حج ممنوع ہونے سے پہلے حج کرو ________ اس وقت سے پہلے حج کرو جب صحرا میں جانے پر
پابندی لگ جائے ________ نخل اور دیاؤں کے مابین سرزمین عراق کی مسجد گرائے جانے سے پہلے حج
کرو ________ مقام نمورہ کے اس درخت کھجور کے کٹنے سے پہلے حج کرو جس سے جناب مریمؑ
کو ولادت عیسیٰ کے بعد بے موسم کھجوریں ملی تھیں ________ یہ وہ وقت ہو گا۔ جب حج پر پابندی لگ جائے گی
________ درختوں پر پھل نہیں لگیں گے ________ بڑھتی ہوئی گرانی کی وجہ سے قتل عام ہو گا
________ ہر طرف قحط ہو گا ________ حکمران ظالم ہوں گے ________ ایک طرف
مصائب ہوں گے دوسری طرف بغاوتیں ہوں گی ________ بھوک ہو گی۔ ________ فتنے
ہوں گے۔ ________

اے اہل عراق! جب خراسان کی طرف سے جھنڈے آئیں گے تمہارے پر بڑا برا وقت ہو گا۔
اے اہل رے، جب ترک حملہ کریں گے تمہاری تباہی ہو گی۔
اے اہل عراق! جب اہل رے کا حملہ ہو گا تم ذلیل ہو جاؤ گے
اے اہل عراق شط العرب تمہیں لے ڈوبے گی۔
میں نے عرض کیا۔ حضور یہ کون لوگ ہوں گے۔
آپ نے فرمایا۔ سدیر ان کے کان چوہوں کی طرح نکیلے ہوں گے۔ ان کی صدریاں سند جیسی ہوں گی۔ لباس میں ڈھکے ہوئے
ہوں گے۔ ان کی زبان جنوں جیسی ہو گی۔ آنکھیں چھوٹی ہوں گی۔ سب بے ہوش ہوں گے۔
اللہ کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ ان لوگوں کے ہاتھوں وہ بے گناہ قتل ہو گئے جن کا قتل ہمارے قائمؑ کے
ظہور کا سبب بنے گا۔

بحار میں ہارون مکی سے منقول ہے کہ میں امام صادقؑ کے حضور بیٹھا تھا کہ خراسان سے ایک شیعہ آیا سلام دعا کے بعد اس نے عرض کیا۔

قبلہ آپ کب تک نرم پالیسی اختیار کیے رہیں گے۔ حق آپ کا ہے قابض دوسرے ہیں۔ کم از کم خراسان میں ایک لاکھ شیعہ کو تو میں جانتا ہوں۔ جو آپ کے قدموں میں اپنا سر کٹوانے پر تیار ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ خراسانی اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

خراسانی نے دو تین مرتبہ پھر اصرار کیا۔

بالآخر آپ نے کنیز کو تنور جلانے کا حکم دیا۔ جب تنور جل گیا اس وقت آپ نے فرمایا۔ خراسانی اس تنور میں کود جا۔

خراسانی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ قبلہ آپ کو اپنی جد کا واسطہ مجھے اس حکم سے معاف فرمائیں۔

آپ نے فرمایا۔ تجھے معاف کر دیا۔

اسی اثنا میں ہارون مکی جوتے ہاتھ میں لیے آپ کی خدمت میں آ رہا تھا۔ آپ نے ہارون سے فرمایا ہارون جوتے رکھ دے اور اس تنور میں کود جا۔

ہارون نے انتہائی اطمینان سے جوتے رکھے اور تنور میں کود گیا۔

آپ خراسانی سے محو گفتگو ہو گئے۔ کافی دیر بعد خراسانی از خود عرض کیا۔ قبلہ وہ ہارون تو جل کر کوئلہ ہو گیا ہو گا۔

آپ نے فرمایا۔ ہارون کو نکالیں۔

جب ہم تینوں تنور پر آئے۔ دیکھا تو ہارون بیٹھا انگاروں سے کھیل رہا تھا!

خراسانی کا حیرت سے منہ کھل گیا

امام صادقؑ نے پوچھا۔ خراسانی اب بتا خراسان میں اس جیسے کتنے شیعہ ہیں۔

خراسانی نے عرض کیا۔ قبلہ ایسا تو ایک بھی نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ہمیں ایسے شیعوں کی ضرورت ہے اور ایسے شیعہ جب ملیں گے اس وقت کا ہمیں بھی علم ہے۔

بحار میں امام صادقؑ کے غلام معتب سے مروی ہے کہ امام صادقؑ کے پاس کافی لوگ بیٹھے تھے۔ دق الباب ہوا۔ میں دروازہ پر گیا۔

دیکھا تو جناب زید تھے۔

میں نے آکر آپ کو اطلاع دی۔

آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا۔ تم اس کوٹھری میں چلے جاؤ۔ دروازہ بند کر لو۔ اور اسی طرح بیٹھ جاؤ کہ زید چچا کو تمہاری موجودگی کا علم نہ ہو۔

پھر مجھے فرمایا، چچا کو لے آ۔

میں انہیں اندر بلا لایا۔ آپ نے ان کی تعظیم کی۔ اپنے پاس بٹھایا۔

مجھے وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔ کچھ دیر تک تو آہستہ آہستہ باتیں ہوتی رہیں پھر جناب زید کی آواز بلند ہو گئی۔

انہوں نے کہا۔

اے جعفرؑ یا اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔ اور یا میرا ہاتھ آپ میری بیعت کریں۔ اب میں ان دو میں سے ایک کے علاوہ کسی بات پر راضی نہ ہوں گا۔

آپ نے فرمایا، چچا اللہ آپ پر رحم کرے۔ اللہ آپ کو معاف کرے۔

زید نے کہا۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ میں اب جا رہا ہوں صبح آؤں گا۔ آپ سوچ لیں اور دو میں سے ایک چن لیں۔

آپ نے فرمایا۔ چچا اللہ آپ پر رحم کرے۔ اللہ آپ کو معاف فرمائے۔

زید اٹھ کر چلا گیا۔

جو لوگ اندر بیٹھے تھے باہر آئے اور جناب زید کے سلسلہ میں اہانت آمیز گفتگو کرنے لگے۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ ایسی بات مت کرو میں جانتا ہوں اگر ہمارے چچا کامیاب ہو جاتے تو یقیناً وہ کسی قسم کی خیانت نہ کرتے وہ دل کے صاف ہیں۔ لیکن وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔

رات کو ہم سو گئے۔ ابھی تک امام صادقؑ تہجد کے لیے نہیں اٹھے تھے کہ دق الباب ہوا۔ میں دروازہ پر گیا۔ دیکھا تو جناب زید اندر آنا چاہتے تھے۔

میں نے امام صادقؑ کو بتایا۔ آپ نے مجھے حکم دیا انہیں اندر لے آ۔

میں جناب زید کو اندر لایا۔ وہ چیخیں مار کر رونے لگے۔

امام صادقؑ نے تسلی دیتے ہوئے پوچھا کیا بات ہے۔

جناب زید نے کہا کیا بات ہے آپ ناراض ہیں جب تک آپ راضی نہیں ہوں گے اس وقت تک میں نہ ہلوں گا۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ میں نے کب آپ سے کہا ہے کہ میں ناراض ہوں۔

جناب زید نے کہا۔ ابھی ابھی میں سو رہا تھا عالم خواب میں آنحضرتؐ۔ حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ جناب سیدہؑ

کو دیکھا ہے۔

سب نے آکر کہا ہے۔ تجھے جعفرؑ سے بیعت مانگنے کی جرأت کیسے ہوئی ہے۔ تو نے انہیں ناراض کر دیا ہے ہم بھی اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے۔ جب تک جعفرؑ راضی نہیں ہوں گے اور آپ مجھے معاف فرما دیں۔

آپ نے فرمایا میں پہلے ہی راضی ہوں۔ آپ کا انجام مجھے نظر آ رہا ہے۔ شہادت کے بعد آپ کے جسم کو سولی پر لٹکایا جائے گا۔

جناب زید نے امام صادقؑ کو رخصت کیں اور رخصت ہو گئے۔

ہرن سے باتیں ؛

خرائج میں ابوعبداللہ بلخی سے مروی ہے کہ ایک دن امام صادقؑ کے پاس بیٹھے تھے۔ مختلف موضوعات زیر بحث تھے اسی دوران علم امام پر بھی گفتگو ہوئی۔ کسی نے کہا۔ امامؑ غیب جانتا ہے۔ کسی نے کہا نہیں جانتا میں انہی کے ساتھ تھا جو نہ جاننے پر مصر تھے۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔

بلخی تو علم امام سے تو انکار کرتا ہے۔ لیکن اس وقت تو نے انکار کیوں نہ کیا تھا جب فلاں شخص نے تجھے کنیز فروخت کرنے کو دی تھی اور تو نے راستے میں فلاں دریا پار کرنے کے بعد فلاں درخت کے نیچے اس کنیز سے منہ کالا کر کے امانت میں خیانت کی تھی۔

میں نے عرض کیا۔ آج کے بعد کم از کم میں تو انکار نہیں کروں گا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ بات آج سے بیس برس پہلے ہوئی تھی۔ اور اللہ کے سوا اس کا کسی کو علم نہیں ہے۔ البتہ میں اس سے توبہ کر چکا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ تو نے توبہ تو کر لی ہے۔ لیکن اللہ کے حق سے۔ کیا تو نے مالک کنیز سے بھی اس خیانت کی معافی مانگی ہے!

میں شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا اس کے بعد آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا ہم چلتے چلتے صحرا میں آئے۔ مجھے پیاس لگی۔

میں نے عرض کیا۔ حضور پیاس لگ رہی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ضرورت تو میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔

کچھ فاصلہ طے کیا۔ تو سامنے ایک کنواں نظر آیا۔

آپ نے فرمایا۔ کنوئیں سے پانی لے آ۔

میں کنوئیں کے کنارے پر گیا۔ نیچے جھانکا تو بہت گہرا تھا۔ اور پانی کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔

میں نے عرض کیا۔ حضور ایک تو کنواں بہت گہرا تھا اور دوسرا میرے خیال میں اس میں پانی نہیں ہے

آپ کنوئیں کے کنارے پر گئے اور فرمایا۔

اے کنوئیں، اللہ نے تجھے جو پانی ودیعت کیا ہے اس میں سے ہمیں بھی پلا دے۔

میں نے دیکھا۔ کنوئیں سے پانی بلند ہونے لگا۔

حتیٰ کہ کنارے تک آگیا۔

ہم نے پانی پیا۔ جب ہم سیراب ہو چکے تو پانی پھر نیچے اترنا شروع ہو گیا۔ چند لمحوں میں ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے پانی کا نام و نشان تک نہ ہو۔

پھر آگے بڑھے۔ راستے میں کھجور کا ایک خشک درخت تھا۔ آپ اس کے قریب آئے۔ دایاں ہاتھ کھجور پر رکھا اور فرمایا۔ اللہ نے تجھے جو میوہ دیا ہے ہمیں بھی کھلا۔

میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ کہ خشک درخت ہرا ہو گیا۔ پھل لگ گیا۔ پھر پھل پک گیا۔ ہم نے کھجوریں کھائیں اور آگے بڑھ گئے۔ کھجور کا درخت پھر پہلے جیسا ہو گیا۔

کچھ آگے بڑھے ایک ہرن آگیا۔ اس نے امام صادقؑ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اور کچھ اواز کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ ابھی مدینہ واپس جا کر دوں گا انشاءاللہ۔

ہرن واپس چلا گیا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ میرے واقعے سے کہ تمام واقعات عجیب تھے لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز ہرن کا واقعہ ہے۔ کیا اس نے آپ سے کوئی بات کی ہے۔

آپ نے فرمایا۔

ہرن کہہ رہا تھا کہ میری مادہ کو مدینہ کے فلاں شکاری نے گرفتار کر لیا ہے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ آپ جانتے ہیں بچوں کو ماں ہی پال سکتی ہے۔ مہربانی فرما کر آپ میری مادہ کو اس شکاری کی قید سے آزاد کر دیں۔ میں نے ہرن سے وعدہ کیا ہے کہ میں مدینہ واپس جا کر انشاءاللہ کر دوں گا۔

جب ہم مدینہ آئے تو امام صادقؑ اپنے گھر جانے کی بجائے اس شکاری کے گھر آئے۔ دق الباب کیا۔

شکاری باہر آیا۔

آپ نے پوچھا۔ کیا تو نے پچھلے دو تین دنوں میں کوئی ہرنی شکار کی ہے۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ کی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اب تیرے پاس ہے۔

اس نے عرض کیا۔ ہاں حضور میرے پاس ہی تو ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کیا فروخت کرے گا۔

اس نے عرض کیا۔ حضور یہ خیال تو نہیں تھا۔ اگر آپ کو ضرورت ہے تو میں پیش کیے دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے ضرورت تو ہے اگر خوشی سے فروخت کر دے۔

شکاری نے قیمت مقرر کی آپ نے اسے رقم دی اور ہرنی کو ساتھ لے آئے۔ گھر پہنچنے کے بعد آپ نے ہرنی کو آزاد کر دیا۔

میں نے دیکھا آزاد ہونے کے بعد ہرنی نے اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھا۔ آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ جا تیرے بچے تیرے انتظار میں ہیں۔

میں نے دیکھا ہرنی کی آنکھوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ خاموش ہو کر واپس پلٹی اور صحرا کی طرف چلی گئی۔

پھر آپ نے فرمایا۔

الحمد للہ کثیرا کما ھو اہلہ۔

اے علی تم نے قرآن میں یہ آیت پڑھی ہوگی۔

ام یحسدون الناس علی ما اتاھم اللہ من فضلہ۔ — کیا یہ لوگ اللہ کے بندوں سے حسد کرتے ہیں جن کو اللہ نے اپنی عنایت سے بہت کچھ دیا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ حضور پڑھتا رہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ علی بخدا ہم ہی وہ ہیں جن سے حسد کیا جاتا ہے۔

خرائج میں علی ابن حمزہ سے مروی ہے کہ ایک سال مجھے سفر حج امام صادقؑ کے ساتھ نصیب ہوا راستہ میں ایک جگہ بھوک لگی۔ آپ ایک کھجور کے پاس آئے۔ زیر لب کچھ پڑھا۔ میں نے دیکھا کھجور پر پھل لگ گئے۔ اور پک گئے۔

آپ نے فرمایا۔ ہمارے ساتھ تو نہیں پہنچا ہے۔

کھجور کا درخت جھک گیا۔

آپ نے فرمایا۔ آ کھالے۔ ہم نے کھجوریں کھائیں جب سیر ہو گئے تو درخت پہلے کی طرح خشک اور بے ثمر ہو گیا۔ اتنے میں ایک بدوی ہمارے قریب آیا اور کہنے لگا۔

ایسا جادو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

آپ نے فرمایا۔ ہم آل محمدؐ ہیں۔ ہمارے ہاں نہ کبھی کوئی جادوگر رہا ہے اور نہ ہم جادو کرتے ہیں اللہ سے دعا مانگتے ہیں اللہ نوازش فرماتا ہے اور ہمارا کام ہو جاتا ہے۔

اس بدوی نے کہا۔ جادو کے ساحر نے ایسے کرشمے دیکھے ہیں سنے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ کیا جادو سے انسان جانور بن جاتا ہے؟

بدوی نے کہا۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہوا۔

آپ نے فرمایا۔ اگر تیری مرضی ہو تو میں اللہ سے دعا کروں اللہ تجھے کتے کی شکل میں مسخ کر دے۔

بدوی نے کہا۔ اگر آپ ایسا کر سکتے ہیں تو ضرور کریں۔ میں کتا بننا قبول کر لوں گا۔

آپ نے دست دعا بلند کیے، چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ وہ کتا بن گیا۔ اور دوڑ گیا۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ اجازت دیں تو میں اس کا تعاقب کر کے دیکھنا چاہتا ہوں کہاں جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا ضرور جاؤ۔ وہ سیدھا گھر جائے گا وہاں کتوں کی طرح گھوں گھوں کرے گا۔ اس کے گھر والے ڈنڈوں سے اس کی مرمت کریں گے۔ اور گھر سے بھگا دیں گے۔

میں اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا گیا۔ وہ سیدھا گھر گیا۔ جونہی اس کی بیوی نے دیکھا۔ اس نے ڈنڈا اٹھا لیا۔ اور باہر بھگانے لگی۔ وہ بار بار گھسنا چاہتا تھا۔

لیکن بیوی نے اسے نہ جانے دیا۔

میں واپس آیا۔ ہم اس حجرے سے چل کر آگے بڑھے۔ دو تین دن بعد ایک جگہ ہم بیٹھے تھے کہ امام صادق نے فرمایا اے ابن حمزہ آج وہ عرب بصورت کتا آ رہا ہے۔

میں نے دور سے دیکھا ایک کتا دوڑتا ہوا آ رہا تھا امام صادقؑ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ بھوک سے بری حالت تھی۔ کمزور ہو گیا تھا۔

آپ کے سامنے کھڑا ہو کر ایسے معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے رو رہا ہو اس کی آنکھوں سے پانی بے تحاشا بہے چلا جا رہا تھا۔

بالآخر امام کو ترس آ گیا۔ آپ نے دست دعا بلند کیے وہ کتا پھر انسان بن گیا۔ جونہی انسان کی شکل میں آیا دوڑ کر آپ کے قدموں پر گرا۔

آپ نے فرمایا۔ اب تیرا ایمان درست ہوا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ! اگر اب بھی میرا ایمان درست نہیں ہوا تو اور کس کا ہوگا۔ اب دنیا مانے یا نہ مانے میں نے تو آپ اپنے ساتھ سب کچھ دیکھ کر مان لیا ہے کہ واقعاً آپ فرزند رسولؐ۔ امام حقؑ۔ اور حجت خدا ہیں۔ اب میرے پاس نہ ماننے کے لیے کیا رہ گیا ہے۔

خالدؒ بن مالک رقی سے مروی ہے کہ میرے دو بھائی بغرض زیارت روضۂ رسولؐ عازم مدینہ ہوئے۔ راستہ میں پانی ختم ہو گیا۔ ایک کو پیاس نے بہت مجبور کیا حتی کہ وہ نڈھال ہو کر بے ہوش ہو گیا۔

دوسرے کے پاس سوائے دعا کے اور کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ اس نے آئمہ اہل بیت سے استغاثہ شروع کیا دوران استغاثہ ایک شخص آیا۔

اس نے پوچھا کیا بات ہے!۔

میرے بھائی نے کہا: بتانے کی کیا ضرورت ہے۔

میرا بھائی شدت پیاس سے قریب المرگ ہے۔

اس نے کہا گھبراؤ مت۔

پھر اس نے جیب سے کسی درخت کی تر و تازہ شاخ نکالی اور میرے بھائی کے منہ میں رکھ دی۔ کچھ دیر بعد میرا بھائی اٹھ بیٹھا۔ پھر پورے سفر میں اسے پانی کی ضرورت نہ رہی۔

زیارت مرقد مصطفیٰ سے فراغت کے بعد امام صادقؑ کے پاس آئے۔ آپ نے خیر و عافیت کے بعد پوچھا۔ میں نے شجرہ طوبیٰ سے تر و تازہ شاخ کا ایک ٹکڑا بھیجا تھا وہ کہاں ہے۔

میرے بھائی نے عرض کیا۔

حضور! جب میرا بھائی سیراب ہو کر اٹھ بیٹھا تھا اس وقت فرط مسرت سے مجھے تو کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ شاخ کہاں ہے۔

شاید ہم اسے وہیں بھول آئے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تم ایسا ہی کرتے ہو جب مصیبت آ جائے تو پکارتے ہو۔ جب مصیبت ٹل جائے تو پھر بھول جاتے ہو۔

میرے بھائی نے معذرت کی۔

آپ نے فرمایا۔ معذرت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ شاخ اس وقت بھی میرے پاس ہے۔ پھر آپ نے وہ شاخ نکال کر میرے بھائی کو دکھا دی۔

اس نے پہچان لی اور کہنے لگا واقعاً یہی شاخ تھی۔

ہم بیٹھے ہیں۔

خرائج میں محمد ابن مسلم سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ معلی ابن خنیس روتا ہوا آیا۔

آپ نے فرمایا۔ کیا بات ہے۔

معلی نے عرض کیا۔ قبلہ باہر کچھ لوگ ہیں جو آپ کے شیعہ کہلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ نبوت کے سوا آئمہ کرام کو ہم پر کون سی فضیلت حاصل ہے جیسے ہم ویسے وہ۔

آپ یہ سن کر کچھ دیر تو خاموش رہے پھر کھجوروں کا طشت منگوایا۔ اس میں سے کھجور کا ایک دانہ اٹھایا اسے دو حصوں

میں تقسیم کیا۔ کھجور تناول فرمائی اور گٹھلی کو اسی جگہ زمین میں بو دیا۔ اسی وقت اس گٹھلی سے کھجور کا پودا پھوٹا۔ جو ہمارے دیکھتے دیکھتے بڑا ہوا۔ اس پر پھل لگا۔ جو انہی لمحات میں پک گیا۔ آپ نے اس سے ایک دانہ کھجور کا توڑا۔ اسے دو نیم کیا اس میں سے ایک سفید ریشم کا ٹکڑا نکالا اسے حل کر دیا اور فرمایا۔ اسے پڑھ لے۔ معلّی نے پڑھا تو اس میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ وعلی المرتضیٰ والحسن والحسین و محمد ابن علی و جعفر ابن محمد و موسیٰ ابن جعفر و علی ابن موسیٰ۔ و محمد ابن علی و علی ابن محمد و حسن ابن علی و الحجۃ القائم کلمات اشھد اولیاء حقاً حقاً۔

پھر فرمایا۔ کوئی کیا کہتا ہے۔ اور کیا مانتا ہے تو اس کی پرواہ نہ کر تو اپنا عقیدہ درست رکھ

خرائج میں ہشام سے مروی ہے کہ جب کبھی امام صادق کو کچھ اشیاء کی ضرورت ہوتی تھی۔ وہ مجھے رقعہ تحریر فرماتے تھے۔

اور میں رقعہ دیکھنے کے بعد ان کے حکم کے مطابق رقعہ کو پھاڑ ڈالتا تھا ایک مرتبہ انھوں نے رقعہ لکھا میں نے پڑھا لیکن اس خیال سے نہ پھاڑا کہ۔ اس رقعہ کو اپنے پاس تعویذ کے بطور رکھوں گا۔

جب میں امام صادقؑ کے پاس گیا تو انھوں نے فرمایا۔ ہشام تعویذ کے لیے ہم تجھے کچھ اور دے دیں گے میرے رقعہ کو پڑھنے کے بعد پھاڑ دیا کر۔

خرائج میں علی ابن میسرہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں منصور کے پاس بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے غلام سے کہا۔ میں اسی وقت امام صادقؑ کو بلاتا ہوں۔ جب وہ میرے پاس آجائے تو تو تلوار برہنہ رکھنا میں اشارہ کروں گا تو اسے قتل کر دینا۔

پھر منصور نے امام صادقؑ کو بلایا۔ جب آپ داخل دربار ہونے لگے۔ تو میں نے سنا آپ نے صرف یہ جملہ پڑھا۔

یا من یکفی خلقہ کلہ ولا یکفیہ احد اکفنی من شرہ ۔

اے وہ ذات جو اپنی تمام مخلوق کی حفاظت کرتی ہے اور اسے کسی محافظ کی ضرورت نہیں ہے مجھے اس کے شر سے بچا

آپ آگے آ گئے۔ منصور کا غلام آپ کے عقب میں تھا۔ میں نے اسے محسوس کیا جیسے غلام کو منصور نظر نہ آتا تھا اور منصور کو غلام دکھائی نہ دیتا تھا۔

جب کافی دیر گزر گئی۔ امام صادقؑ کے ساتھ منصور ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ اور بائیں دائیں بھی دیکھتا رہا جب اسے غلام نظر نہ آیا تو تنگ آ کر اس نے امام صادق سے کہا۔

ایک ضروری کام کے لیے آپ کو اس گرمی میں تکلیف دی تھی۔ لیکن میرا خیال ہے ابھی تک اس وقت ہے

آپ جا ئیں آرام کریں۔

جونہی آپ دربار سے باہر گئے۔ منصور نے غلام سے کہا۔ تو کہاں دفع ہو گیا تھا۔ میں تجھے اشارے کے لیے تلاش کرتا رہا۔

غلام نے کہا حضور! میں تو کہیں نہیں گیا۔ امام صادقؑ کے عقب میں کھڑا رہا۔ اور آپ کو تلاش کرتا رہا۔ آپ مجھے نظر ہی نہیں آئے۔

منصور نے کہا اب اگر یہ واقعہ تو نے کسی کو بتایا تو تیری خیر نہیں۔

خرائج میں ہشام ابن حکم سے مروی ہے کہ ایک شخص امام صادقؑ کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کی۔ قبلہ میرا گھر ادھر دامن کوہ میں ہے میں چاہتا ہوں کہ یہاں مدینہ میں ایک مکان خرید لوں تاکہ جب کبھی یہاں آؤں تو مع اہل و عیال رہ سکوں۔

یہ دس ہزار درہم ہیں آپ مہربانی فرما کر کوئی مناسب مکان میرے لیے خرید لیں۔

آپ نے دس ہزار درہم لے لیے۔

وہ واپس چلا گیا۔

ایام حج میں مکہ میں وہی شخص ملا۔

آپ نے فرمایا۔ ابھی تک مدینہ میں نے کوئی مکان نہیں خریدا۔ تجھ سے مشورہ لینا چاہتا ہوں کہ کیا دنیا میں خریدے گا یا آخرت میں خرید لیا جائے تو وہ زیادہ بہتر نہیں ہوگا۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ! اگر مکان آخرت میں مل جائے تو ہوگا تو یقیناً بہتر۔ لیکن مجھے اس کی ضمانت کون فراہم کریگا اور وہ کتنے رقبہ میں ہوگا۔

آپ نے فرمایا۔ ضمانت تو میں تحریری دوں گا۔ اور تیرے گھر کا رقبہ تو میں نہیں بتا سکتا۔ البتہ حدود اربعہ بتائے دیتا ہوں۔

اس نے عرض کیا۔ قبلہ حدود اربعہ ہی بتا دیں۔

آپ نے فرمایا۔ جنت میں تیرے مکان کی ایک طرف خانۂ رسولؐ۔ دوسری طرف خانۂ امیر المومنین علیؑ۔ تیسری طرف امام حسنؑ کا مکان اور چوتھی طرف امام حسینؑ کا دولت کدہ ہوگا۔

اس نے عرض کیا۔ حضور! مجھے قبول ہے آپ لکھ دیں۔

آپ نے اسے تحریر کر دیا۔

اور دس ہزار درہم سادات بنی فاطمہؑ میں تقسیم کر دیے۔

وہ تحریر لے کر چلا گیا۔ جب گھر پہنچا تو بیمار ہو گیا۔ چند دن بیمار رہنے کے بعد فوت ہو گیا۔ وقت وفات اس نے

اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ امام صادقؑ کی یہ تحریر میرے کفن میں میرے ساتھ رکھ دو گے۔

اہل خانہ نے وہ تحریر اس کے ساتھ دفن کر دی۔

دوسرے دن جب اس کے گھر والے اس کی قبر پر گئے۔ تو وہی تحریر قبر کے اوپر رکھی تھی۔ اور اس کے پچھلی طرف لکھا تھا۔

ہم نے جعفر ابن محمدؑ کا وعدہ پورا کر دیا ہے۔

بحار میں ابو صباح کنانی سے مروی ہے کہ میں امام صادقؑ کی زیارت کو آیا۔

زیارت کے بعد عرض کیا۔

قبیلہ ہمدان میں جعد ابن عبداللہ میرا پڑوسی ہے جو دشمن امیر المومنین ہے اور ہر وقت سب کرتا رہتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے قتل کر دوں۔

آپ نے فرمایا۔ اسلام نے اس قسم کے قتل کی اجازت نہیں دی۔ اللہ خود اسے کافی ہے۔

ابو صباح کہتا ہے کہ جب میں واپس آیا۔ اور نماز صبح کے لیے اٹھا تو میں نے منادی سنی کہ جارہا تھا۔ جعد ابن عبداللہ اپنے بستر پر موت کا شکار ہو گیا ہے اور مر گیا ہے۔

اس کے جنازہ پر جانے والوں نے بتایا کہ جب اسے چارپائی سے اٹھایا جانے لگا۔ تو اس کا گوشت ہڈیوں سے جدا ہو کر بکھر گیا۔

اہل خانہ نے چارپائی کو زمین پر الٹ دیا۔ دیکھا تو نیچے سیاہ ناگ پڑا تھا۔

چونکہ وہ غسل کے قابل رہا تھا اور نہ کفن کے قابل۔ اس کے سڑے ہوئے گوشت اور ہڈیوں کی گٹھری باندھ کر اسے گڑھے میں بلا جنازہ ڈال کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔

خرائج میں مفضل ابن عمر سے مروی ہے کہ منصور نے اپنے والی مکہ و مدینہ کو حکم دیا کہ جب جعفر ابن محمدؑ اپنے اہل و عیال سمیت گھر میں ہوں اس وقت ان کا گھر جلا دے۔

والی نے رات کے وقت گھر کو چاروں طرف سے آگ لگوا دی۔

جب یہ دیکھا امام صادقؑ نے اپنے اہل و عیال سے فرمایا۔ اطمینان سے بیٹھے رہو۔ ڈرنے اور بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔

انہیں یہ حکم دے کر خود اٹھے اور آگ پر چل کر فرمانے لگے۔ انا ابن ابراھیم خلیل اللہ۔ پورے مدینہ والوں نے دیکھا کہ آگ کے شعلے تو بھڑکتے رہے۔ لیکن نہ تو دروازے جلے اور نہ ہی مکان کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچا۔

اصول کافی میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ امام صادقؑ منصور کے پاس بیٹھے تھے۔ ایک سائل آیا۔

پہلے تو اس نے منصور سے کچھ مانگنے کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر اس نے امام صادقؑ سے مانگ لیا۔

آپ نے قریب ہی فرش سے ریت کی تین مٹھیاں بھر کے اسے دیں۔ اور فرمایا۔ بیٹا گرنا۔

وہ ریت لے کر باہر نکلا تو منصور نے ایک غلام سے کہا یہ تو تمسخر کر رہا ہے۔ اسے کیا کرے گا اگر مانگنا ہی تھا تو بادشاہ سے مانگتا جو کم از کم تجھے کچھ تو دے دیتا۔

اس نے جواب دیا۔ میں نے اس سے مانگا ہے۔ جس کی عطا پر مجھے یقین ہے۔

وہ گھر گیا۔

بیوی نے پوچھا۔ یہ کس نے دیا ہے۔

اس نے کہا۔ امام صادقؑ نے۔

بیوی نے پوچھا۔ انہوں نے کچھ کہا بھی تھا؟

اس نے کہا۔ ہاں صرف اتنا کہا تھا کہ۔ بیٹا گرنا۔

بیوی نے کہا وہ صادقؑ ہے۔ ایک چٹکی سی اٹھائے اور کسی اہل معرفت کے پاس جا کر بیچ مجھے اس مٹی سے دولت کی بو آ رہی ہے۔

اس نے ایک چٹکی اٹھائی۔ اور صرافہ بازار میں چلا گیا۔ وہ چار صرافوں کو دکھائی ایک یہودی صراف نے پوچھا۔ کیا یہی ہے یا اور بھی ہے۔

اس نے کہا۔ اور بھی ہے۔

یہودی نے کہا۔ اس چٹکی کے دس ہزار درہم دیتا ہوں۔ اگر اور بھی دینا چاہے تو اس کے عوض سے دس ہزار فی چٹکی دوں گا۔

اس نے وہ خاک دے دی اور کئی لاکھ درہم لے کر گھر آ گیا۔

اصول کافی میں یزید ابن عمر ابن ہبیرہ کے غلام ولید سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ یزید مجھ پر برہم ہو گیا۔ اور اس نے قسم کھائی ہے کہ قتل کیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ میری آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی۔ مجھے اور کوئی جائے پناہ نہ ملی۔ میں سیدھا امام صادقؑ کے پاس آیا۔ اور انہیں تمام واقعہ بیان کر کے ان سے پناہ کی درخواست کی تھی۔

آپ نے فرمایا۔ تو واپس جا۔ اور یزید کو میرا سلام کہنا۔ اور اسے کہنا کہ ہم نے تیرے غلام ولید کو پناہ دی ہے تو اس سے کوئی برا سلوک نہ کرنا۔

میں نے عرض کیا۔ یزید شامی خبیث ہے۔ آپ کا دشمن ہے۔ وہ کب مانے گا۔

آپ نے فرمایا۔ تو واپس جا اور میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کر۔

میرے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔
چنانچہ میں واپس آیا۔ صحرا میں آ رہا تھا۔ ایک عرب کاہن ملا۔ اس نے مصافحہ کیا۔ اور کہنے لگا مجھے ہاتھ ایسے نظر آ رہے ہیں جیسے تجھے قتل کر دیا جائے گا۔
پھر اس نے کہا۔ ذرا دایاں پاؤں جوتے سے نکال۔
میں نے پاؤں نکالا۔
اس نے کہا۔ پاؤں بھی مقتول شخص جیسے ہیں۔
پھر اس نے کہا۔ ذرا پشت سے کپڑا اٹھا۔
میں نے پشت سے کپڑا اٹھایا۔
اس نے کہا، پشت بھی مقتول کی نظر آتی ہے۔
پھر اس نے کہا۔ زبان نکال۔
میں نے زبان نکالی۔
وہ بے ساختہ کہنے لگا۔ جہاں جا رہا ہے۔ وہیں جا تجھے کوئی خطرہ نہیں۔ تیری زبان پر مجھے ایسا پیغام نظر آ رہا ہے کہ اگر پہاڑ کو دے دے تو اپنی جگہ چھوڑ دے۔
میں شام میں آیا۔ دربان سے اجازت مانگی۔ جب اندر گیا۔ تو یزید بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔
قاتل کو اس کے قدم ہانک کے آ ہی گئے ہیں۔
میں خاموش رہا۔
اس نے جلاد کو حکم دیا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر ابھی اسی جگہ قتل کر دے۔
میرے ہاتھ پاؤں بندھ گئے۔ وہ چمڑا لایا گیا جس پر قتل کیا جاتا تھا۔ جلاد نے تلوار میان سے نکال کر کہا۔
میرے دل میں نہ کوئی ڈر تھا اور نہ خوف۔ جب جلاد تلوار لے کر میرے قریب آیا۔
تو میں نے کہا۔
اے امیر آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا کوئی آدمی مجھے گرفتار کر کے نہیں لایا۔ میں خود ہی آیا ہوں۔
یزید نے کہا، جب موت آ جاتی ہے تو مرنے والا خود چل کر موت کی آغوش میں آ جاتا ہے۔
میں نے کہا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ مجھے میری زندگی یہاں لے کر آئی ہو۔ آپ دیکھ رہے ہیں میرے ہاتھ پاؤں بندھ چکے ہیں۔ اس وقت میں کہیں بھاگ نہیں سکتا
یزید نے کہا۔ ہاں۔
میں نے کہا، میرے پاس آپ کے نام ایک پیغام ہے۔ جلاد کو حکم دیں۔ ذرا دور ہو جائے۔ میرا پیغام سن لیں۔ بعد میں

جیسے آپ کا جی چاہے کریں۔ میں کوئی کاٹ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

یزید نے کہا۔ بتا کیا پیغام ہے۔

میں نے کہا۔ میں تنہائی میں دوں گا۔

یزید نے تمام دوسرے بیٹھنے والوں کو باہر چلے جانے کا حکم دیا۔

وہ چلے گئے۔

پھر میں نے امام صادقؑ کے سلام اور پیغام دیا۔

یزید نے تین دفعہ قسم کے ساتھ مجھ سے پوچھا۔

میں نے تینوں مرتبہ قسم دے کر بتایا۔

یزید نے خود اٹھ کر میرے ہاتھ پاؤں کھولے۔ اور کہا اب جب تک تو مجھے اسی طرح نہیں باندھے گا میں راضی نہیں ہوں گا۔

بالآخر جب اس نے اصرار کیا تو میں نے پہلے اسے باندھا پھر کھولا۔ پھر یزید نے مجھے کہا اب میں امیر نہیں تو امیر ہوگا۔ جیسے کہے گا ویسے تعمیل ہوگی۔

امام اور منصور ۱

شیخ صدوق نے امالی میں محمد ابن طولشانی نے مطالب السئول میں اور علی ابن موسیٰ نے مہیج الدعوات میں منصور کے وزیر ربیع سے روایت کی ہے کہ۔

ایک سال منصور حج پر آیا تھا۔ دشمنان آل محمدؐ نے اس کے کان بھرے ہوئے تھے۔ اور وہ امام صادقؑ سے کافی ناراض تھا۔

اس نے مجھے حکم بھیجا کہ۔ جعفر ابن محمد کو پا بجولان میرے پاس ربیع۔ اللہ اسے خدا اسے ایسے ہوں جو تمام راستہ میں اسے ہلکا سانس ہی لینے دیں۔

مجھے خیال تک نہ رہا۔ اور میں منصور کا یہ حکم بھول گیا۔

پھر دوسرا حکم دیا۔ میں اسے بھی بھول گیا۔

پھر تیسرا حکم آیا۔ جس میں منصور کھل کر مجھ پر برسا تھا۔

میں امام صادقؑ کی خدمت میں آیا۔ انہیں تمام حالات بتائے اور عرض کی۔ آپ اہل خانہ کو وصیت کر کے چلیں اب کے مجھے ایسے لگتا ہے کہ آپ کو شہید کر دیا جائے گا۔

آپ خاموشی سے چلے آئے۔ جب منصور کے پاس آئے تو اس وقت منصور کے پاس بیٹھا تھا۔ منصور غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

جونہی امام صادقؑ اس کے سامنے آئے۔ اس نے گستاخانہ جسارت سے کہا۔

اے جعفرؑ آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرمؐ نے آپ کے دادا علیؑ سے کہا تھا کہ اگر میں تیرے وہ فضائل بیان کروں جو اللہ نے تجھے دیے ہیں تو میری امت کے لوگ اس طرح تیرے قدموں کی خاک کو چاٹیں گے جس طرح نصاریٰ عیسیٰ کے قدموں کی مٹی کو آنکھوں سے لگاتے ہیں۔

تیرے دادا نے متعدد مرتبہ کہا ہے۔ میرے سلسلہ میں دو قسم کے افراد غالی محب اور دشمن جہنم جائیں گے۔

تجھے معلوم ہے کہ علیؑ نے یہ جملہ صرف اس لیے کہا تھا تاکہ لوگ ان کے متعلق حد سے تجاوز نہ کریں۔

اور اگر حضرت عیسیٰ اس عقیدہ کے جواب میں خاموش ہو جائے جو نصاریٰ نے ان کے سلسلہ میں اپنا رکھا تھا تو یقیناً اللہ انہیں اس خاموشی کی سزا دیتا۔

گذشتگان تو اس طرح کریں۔ اور آج تیرے متعلق تیرے شیعہ نہیں کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ اور تو خاموش بیٹھا سن رہا ہے۔ گویا تو شیعوں کی اس عقیدہ پر راضی ہے کہ جب عوام اور جاہل شیعہ کہتے ہیں کہ جعفر صادقؑ زمانہ کا بہترین فرد اور زمانہ کی عزت ہے۔

جعفر صادقؑ روئے زمین پر حجت خدا ہے۔

جعفر صادقؑ احکام الٰہی کا ترجمان اور علم حق کا خزانہ ہے۔

جعفر صادقؑ اللہ کا میزان عدل ہے۔

جعفر صادقؑ اللہ کا وہ نور ہے جس کی روشنی میں چلنے والے تاریکی سے نکل کر مقامات نور میں پہنچے ہیں۔

جو شخص جعفر صادقؑ کے دادا علیؑ کی ولایت کا قائل نہ ہو اللہ اس کے اعمال قبول نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی میزان پر تلے گا۔

لوگ تیری طرف وہ باتیں منسوب کر رہے ہیں جو تجھ میں نہیں ہیں۔ لوگ تجھے حد سے زیادہ بڑھا رہے ہیں اور تو خاموش بیٹھا ہے۔

کیا تجھے معلوم نہیں کہ سب سے پہلا حق کہنے والا آپ کا جد امجد تھا اور اس کی سب سے پہلا تصدیق کرنے والا بھی آپ کا جد امجد تھا کیا تیرا حق نہیں بنتا کہ تو ان کی سیرت پر عمل کرتا۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔

منصور! میں شجرہ نبوی کی شاخ ہوں ——— میں بیت النبوۃ کی ایک روشن کرن ہوں۔ ——— میں سفرائے خالق میں سے ایک ہوں ——— میں شریف گروہ کا پروردہ ہوں ——— میں ان چراغوں میں سے ایک ہوں جنہیں اللہ نے روشن کیا ہے۔ ——— میں اللہ کا کلمہ باقیہ ہوں۔ ———

منصور نے اپنے ہم نشینوں سے کہا خدا معلوم اس شخص میں کیا ہے کہ میں جب بھی اس سے بات کرتا ہوں مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ایسا سمندر ہے جس کی نہ گہرائی کا علم ہے اور نہ وسعت کا ——— سوائے عیات شرافت، علم، حلم اور کرم کے اور کچھ نکلتا ہی نہیں۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ منصور تجھ پر بھلا اپنے دشمنوں کے خلاف آمادہ کرے یقین ہو گئے وہ تیرے اقتدار تیرے اقتدار۔ تیری عزت۔ تیری حکومت۔ اور تیرے منصب کا مخالف ہے کیا تو نے اللہ کا یہ حکم نہیں پڑھا۔ جب کوئی فاسق اطلاع لے کر آئے تو پہلے اس اطلاع کی صداقت پرکھ لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جذبات کی رو میں ——— قدم اٹھا بیٹھو جس کے بعد ندامت ہو۔

بنی ہاشم تیرے معاون ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی تیرے اقتدار کا دشمن نہیں آج تیرا تو حق تھا کہ اگر کوئی قطع رحمی کرتا تو خود صلہ رحمی کرتا۔ جن لوگوں نے تجھے محروم رکھا تھا تو انہیں عطا کرتا۔ جن لوگوں نے تجھ پر ظلم کیا تھا تو ان کو معاف کرتا۔ صلہ رحمی کیا کر۔ اللہ تیری عمر میں اضافہ کرے گا

منصور اٹھا۔ امام صادقؑ کو گلے لگایا۔ اپنے ساتھ مسند اقتدار پر بٹھایا۔ اور کہنے لگا۔ آپ نے مجھے بہت بڑی نصیحت کر دی ہے۔

آپ نے میرے خوابیدہ ذہن کو جگا دیا ہے۔

پھر ربیع سے کہا۔ امام صادقؑ کو زادِ راہ دے۔

ربیع کہتا ہے کہ جب آپ منصور کے پاس سے اٹھے تو میں نے پوچھا۔

حضور! مجھے معلوم ہے کہ منصور آپ کے آنے سے پہلے کس طرح کھول رہا تھا۔ اور اب بھی میں نے دیکھا ہے کہ وہ موم ہو گیا ہے۔

آپ نے کیا دم کیا ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ ربیع میں نے کیا دم کرنا۔ جب میں منصور کے پاس آنے لگا تو میں نے اللہ سے یہ دعا کی تھی۔

اللھم احفظنی بعینک التی لا تنام۔ ——— اے اللہ اپنی نہ سونے والی آنکھ سے میرا تحفظ فرما

واکنفنی برکنک الذی لا یرام۔ — مجھے اس طاقت سے تحفظ دے جس کا کوئی بھی ارادہ تک نہیں کر سکتا۔

اللھم انت اکبر واجل مما اخاف واحذر۔ — اے اللہ! جن سے میں گھبراتا ہوں تو ان سے کہیں بڑا ہے

اللھم بک ادرء فی نحرہ۔ — اے اللہ! میں تیرے نام اس کے سینہ پر مارتا ہوں اور

واستعیذ بک من شرہ۔ — اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اس دعا کے بعد تم نے دیکھ لیا کہ وہ پہلے کس طرح تھا اور اب کس طرح ہوگیا ہے۔

۲۔ امام صادقؑ دوسری مرتبہ دربار منصور میں:

ربیع الابرار میں ربیع سے مروی ہے کہ ایک سال مجھے منصور کے ساتھ حج پر جانے کا اتفاق ہوا۔ راستے میں منصور نے مجھے کہا۔

ربیع! جب مدینہ پہنچیں تو مجھے جعفرؑ ابن محمدؑ یاد دلانا۔ میں سمجھتا ہوں میرے سوا اسے کوئی بھی قتل نہیں کرے گا۔

اور جب تک جعفرؑ زندہ ہے اس وقت ہماری حکومت کو استحکام نصیب نہیں ہوگا۔

میں نے کہا۔ میں ضرور یاد دلاؤں گا۔

جب مدینہ پہنچے تو مصروفیات کچھ اس قدر بڑھیں کہ مجھے امام صادقؑ تو بجائے خود مجھے اپنا بھی ہوش نہ رہا۔ مکہ جاتے ہوئے راستے میں منصور نے کہا۔

ربیع میں نے تجھے مدینہ پہنچنے سے قبل کہا تھا کہ مدینہ میں مجھے جعفرؑ ابن محمدؑ یاد دلانا۔ لیکن تو نے یاد ہی نہیں دلایا۔

اب جب مکہ سے واپس مدینہ جائیں گے تو یاد دلانا۔ اگر اب کے تو نے مجھے یاد نہ دلایا تو میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔

میں نے کہا۔ اب کے ضرور یاد دلاؤں گا۔ میں نے اپنے تمام غلاموں سے کہہ دیا کہ واپس مدینہ آنے کے بعد مجھے جعفرؑ ابن محمدؑ یاد دلانا۔

جب واپس ہوئے تو تمام راہ میں میرے غلام مجھے یاد دلاتے رہے۔ جب مدینہ پہنچ گئے۔ تو میں نے منصور کو یاد دلا دیا۔

منصور نے ہنس کر کہا۔ ہاں جاؤ اسے لے کے آؤ۔ لیکن اسے یوں نہ لانا۔ پکڑ کے اور کھینچ کے لے آؤ۔

میں نے کہا۔ تعمیل حکم کروں گا۔
میں امام صادقؑ کے پاس آیا، اور عرض کی۔
قبلہ منصور نے بلایا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے چلتا ہوں۔ میں تیار ہوں۔
آپ میرے ساتھ چلنے لگے۔
میں نے کہا۔ قبلہ منصور نے کہا تھا پکڑ کے اور کھینچ کے لانا۔
آپ نے فرمایا۔ پھر تجھے تعمیل کرنا چاہیے۔
میں نے آپ کے دامن عبا سے پکڑ لیا۔ اور اس طرح چلنے لگا جس طرح میں انہیں لے جا رہا ہوں۔ میں دیکھ رہا تھا امام کے لب ہل رہے تھے۔ جب منصور کے پاس پہنچے۔ تو اس نے جلاد کو پہلے ہی بلایا ہوا تھا۔
جونہی امام صادقؑ منصور کے سامنے گئے۔ وہ اٹھا۔ آپ کو گلے لگایا۔ اپنے قریب مسند پر بٹھایا۔ اور احوال پرسی کی۔

پھر مجھے کہا ربیع! ایک تھیلی ایک خلعت اور کچھ دوسرے لباس جعفرؑ کو دے دے۔
میں حیران تھا کہ جب سامنے نہیں ہوتا تو قتل کے منصوبے بناتا ہے اور جب سامنے آجاتے ہیں تو انعام و اکرام دیتا ہے۔

عجب معاملہ ہے۔ آپ واپس جانے کے لیے اٹھے۔
منصور نے مجھے کہا۔ جا جعفر ابن محمدؑ کو ان کے گھر تک چھوڑ کے آ۔
میں آپ کے ساتھ ہو لیا، راستہ میں میں نے عرض کیا۔ قبلہ! منصور کے ارادے سے تو میں پہلے واقف تھا بلکہ صرف میں ہی کیا۔ جو بھی منصور کے ساتھ رہتے ہیں وہ سب واقف تھے۔ اور ہمیں یقین تھا کہ اب کے وہ قتل کیے بغیر آپ کو واپس نہیں جانے دے گا۔ جب میں آپ کو لے جا رہا تھا۔ تو میں دیکھ رہا تھا آپ زیر لب کچھ پڑھ رہے تھے۔ آپ کیا پڑھ رہے تھے
آپ نے فرمایا۔ ربیع! یہ حرف۔ حسبی الرب من المربوبین۔ حسبی الخالق من المخلوقین۔ پڑھ رہا تھا۔

۲۔ امام صادقؑ تیسری مرتبہ دربار منصور میں:

مہج الدعوات میں ابراہیم ابن جبلہ سے مروی ہے کہ ایک سال جب امام صادقؑ ربذہ میں تھے۔ منصور نے بھی چند دن

وہیں گزرنے کا فیصلہ کیا۔

جب ربذہ میں منصور کا قیام ہو گیا تو کہنے لگا۔

کوئی ہے، جو جعفرؑ ابن محمدؑ سے میری جان چھڑا دے۔ یہ عجیب شخص ہے جو کہتا ہے کہ اگر عبداللہ ابن حسن کامیاب ہو گیا تو حکومت میری ہو گی۔ اور اگر وہ مارا گیا تو میں محفوظ ہوں۔ بخدا اب اسے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔

منصور نے مجھے کہا۔ اے ابن جعد جا اور جعفرؑ کے گلے میں رسی ڈال کر لے آ۔

میں آپ کے مکان پر آیا۔ وہاں نہ تھے۔ پھر مسجد میں آیا دیکھا تو آپ دروازے پر اس طرح کھڑے تھے جیسے میرے انتظار میں ہوں۔

میں شرم کے مارے وہ کام نہ کر سکا۔ جو منصور نے کہا تھا۔

میں نے کہا حضور! آپ کو منصور نے یاد کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ میں تیرے انتظار میں تھا۔ مجھے صرف دو رکعت نماز پڑھ لینے دے پھر چلتے ہیں۔

آپ مسجد کے اندر گئے۔ دو رکعت نماز پڑھی۔ کوئی دعا مانگی جسے میں سمجھ نہ سکا۔ پھر آپ باہر آئے اور مجھے فرمایا۔

تو منصور کے حکم کی تعمیل کر جیسے اس نے کہا ہے مجھے ویسے لے چل۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ آپ فرزند رسول ہیں مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ میں نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور منصور کے پاس لے کر چلا

جب میں دروازہ میں داخل ہونے لگا۔ تو آپ کا ایک جملہ میں نے سنا۔ یا رب جبرائیل و میکائیل۔ اتنے میں منصور کے سامنے آ گئے۔ منصور لیٹا ہوا تھا۔

جونہی اس نے آپ کو دیکھا۔ اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔

کیا یہ سچ ہے کہ عبداللہ ابن حسن کو آپ اس لیے آگے بڑھا رہے ہیں کہ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو حکومت آپ کو ملے گی اور اگر وہ ناکام ہو گیا تو آپ محفوظ رہیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ منصور میں نے پہلے بھی تجھے کہا تھا۔ اور اب بھی کہہ رہا ہوں کہ چغلخوروں سے بچ کے رہنا وہ لوگ تمہاری حکومت پسند نہیں کرتے۔ اور تمہیں آپس میں لڑا کر کمزور کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اس قسم کی بات نہ پہلے کبھی کی ہے اور نہ ہی آئندہ ایسا ارادہ ہے۔

منصور نے کہا۔ ٹھیک ہے آپ آرام فرمائیں

جب آپ واپس چلے گئے تو منصور نے عیسیٰ ابن علی سے کہا۔ جا کر ذرا جعفرؑ سے پوچھ لے۔ عبداللہ ابن حسن

میرا خیر خواہ ہے یا امام صادق کا؟

عیسیٰ کا بیان ہے کہ ابھی آپ راستے ہی میں تھے۔ میں نے کہا منصور پوچھ رہا ہے۔ محمد میرے ساتھ ہے یا آپ کے ساتھ ہے؟

امام صادقؑ نے فرمایا۔ وہ میرے ساتھ ہے۔

جب میں نے واپس آکر منصور کو بتایا تو اس نے کہا۔ جعفرؑ نے سچ کہا ہے۔ محمد شامی کے ساتھ ہے۔

۴۰۔ امام صادقؑ چوتھی مرتبہ دربار منصور میں؛

ربیع حاجب نے ابراہیم ابن جبلہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ منصور نے مجھے مدینہ سے امام صادقؑ کو گرفتار کر کے لانے کا حکم دیا۔

میں تعمیل حکم کی خاطر مدینہ گیا۔

امام صادقؑ کو ساتھ چلنے کا بتایا۔ آپ تیار ہو گئے۔ اور میرے ساتھ چلے آئے۔ جب ہم بغداد در دربار پر پہنچے تو میں نے امام صادقؑ کو باہر بٹھایا۔ خود اندر آیا۔ منصور کو بتایا۔

منصور نے مسیب ابن زہیر کو بلایا۔ اسے تلوار دی اور کہا۔ جب جعفرؑ اندر میرے سامنے آئے اور میں تجھے اشارہ کروں تو اسے قتل کر دینا۔

میں واپس آیا۔ آپ سے عرض کیا۔ یہ ظالم آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ بہت غصہ میں ہے۔ اگر کوئی وصیت ہو تو مجھے کر دیں۔

آپ نے فرمایا۔ خدا مجھے اس کے سامنے جانے دے۔ اگر غصہ ٹھنڈا ہوا تو میں اس سے وصیت کی اجازت مانگ لوں گا۔ آپ اٹھے اور زیر لب کوئی دعا پڑھی۔ جسے میں نہ سمجھ سکا۔ میں دیکھ رہا تھا جیسے آپ منصور کے قریب ہوتے گئے۔ اس کا غصہ ماند پڑتا گیا۔ جب آپ بالکل اس کے قریب پہنچ گئے۔ تو مجھے ایسے معلوم ہوا جیسے بھڑکتی آگ پر کسی نے ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔

منصور نے انتہائی انکساری سے کہا۔

اے جعفرؑ میں نے آپ کو صرف اس لیے تکلیف دی ہے کہ آپ سے چند گلے کر لوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے چچازاد اولاد حسنؑ میرے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔ اگر میرے علاوہ کوئی اور حکمران ہوتا تو یہ لوگ خاموشی سے اس کے مطیع ہوتے۔

آپ نے فرمایا۔ منصور مجھے اپنے آباء کے ذریعہ سرور انبیاء سے چند احادیث موصول ہوئی ہیں جن کا تعلق صلہ رحمی

سے ہے اگر آپ کہیں تو سنا دوں؟

منصور نے کہا۔ ضرور سنائیں۔

آپ نے فرمایا۔ میرے نبی نانا کا ارشاد ہے۔ نیکی اور صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور دولت میں ترقی ہوتی ہے۔

میرے نانا نے فرمایا ہے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ ملک الموت اسے بھول جائے اور بیماری اس کے قریب نہ آئے تو وہ صلہ رحمی کرے۔

میرے نانا نے بتایا ہے کہ شب معراج میں نے ایک شخص کو عرش سے لپٹ کر قطع رحمی کرنے والے کا شکوہ کرتے ہوئے دیکھا تو۔ میں نے جبریل سے پوچھا۔ اس کے درمیان اور جس کا شکوہ کر رہا ہے اس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟

جبریل نے بتایا۔ سات پشتوں کا۔

منصور نے ابراہیم کو حکم دیا کہ جعفر کو بھی سواری اور چار ہزار دینار دے کر واپس کر دو۔

بعد میں میں نے عرض کیا۔ حضور! وہ ظالم تو شدید غصے میں تھا آپ نے کیا کیا کہ وہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے کیا کرنا تھا۔ میں نے اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیئے تھے۔ اللہ نے اپنی قدرت سے اسے ٹھنڈا کیا۔

امام صادق پانچویں مرتبہ دربار منصور میں:

مہج الدعوات میں محمد ابن ربیع سے مروی ہے کہ منصور نے ہفتہ میں ایک دن یوم ذبح کے نام سے مقرر کر رکھا تھا۔

اس دن منصور اپنے محل کے سرخ قبے کے نیچے بیٹھتا تھا۔ اور اپنے سیاسی مخالفین کو قتل کرتا تھا۔ اور یہ ان دنوں کی بات ہے جب محمد ابن عبداللہ ابن حسن اور ابراہیم ابن عبداللہ ابن حسن منصور کے ہاتھوں شہید نہیں ہوئے تھے۔

منصور کے حکم کے مطابق امام جعفر مدینہ سے بغداد آئے ہوئے تھے۔ پورا دن اور رات کا کافی وقت منصور نے اسی انتظار میں لگایا۔

جب رات کا کافی حصہ گزر گیا تو میرے باپ ربیع کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔

ربیع تجھے معلوم ہے کہ میں تیرا کتنا احترام کرتا ہوں۔ اور تجھے میرے نزدیک کتنا مقام حاصل ہے!

میرے باپ نے کہا۔ آپ کی عنایت ہے۔

منصور نے کہا میرے سیاسی مخالفین بڑھتے جا رہے ہیں اور اس سلسلہ میں مجھے تیرے تعاون کی ضرورت بھی ہے۔

میرے باپ نے کہا۔ آپ کے حکم کی تعمیل نہ پہلے کبھی چھوڑی اب نہ چھوڑوں گا۔

منصور نے کہا۔ تجھے معلوم ہے کہ میں نے جعفر صادق کو مدینہ سے بلایا ہوا ہے!

میرے باپ نے کہا۔ مجھے معلوم ہے

منصور نے کہا۔ مجھے چند ایسے خطوط ملے ہیں، جو جعفر صادقؑ نے اپنے خراسان کے حامیوں کو لکھے ہیں۔ اور انہیں میری بغاوت پر آمادہ کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں آج جعفر کا قصہ تمام کر دوں۔

میرے باپ کا بیان ہے کہ میں نے دل میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور منصور سے کہا۔ اگر جعفر صادقؑ ان خطوط سے انکار کر دے تو؟

منصور نے کہا۔ وہ انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اسی کی طرف سے لکھے گئے ہیں۔

میرے باپ نے کہا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ جعفرؑ کے کچھ جذباتی شیعوں نے جعفرؑ کے نام سے لکھے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ آپ ہی کے خیر خواہوں میں سے جو سازشی ذہن پرور ہیں، انہوں نے یہ شرارت کی ہو۔

منصور نے کہا۔ بہر صورت جو بھی ہو۔ خواہ سازش ہے یا کچھ اور ہو تو جعفرؑ کے نام سے ہوتا ہے۔ میں بھی اس قصہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ آئندہ نہ کسی کی سازش کامیاب ہو اور نہ جذباتی شیعوں کو بھی ایسا موقعہ ملے۔

میرے باپ نے کہا۔ جیسے آپ کی مرضی۔

منصور نے کہا۔ اس وقت رات کافی گزر چکی ہے۔ اسی وقت جا۔ جعفر کا دق الباب نہ کرنا۔ دیوار پھاند کر اندر جانا اور جس حال میں ہو اسی حال میں گرفتار کر کے لے آ۔

میرا باپ وہاں سے اٹھا۔ اس نے مجھے بلایا اور کہنے لگا۔

محمد اس وقت میں دوراہے پر کھڑا ہوں۔ ایک طرف فرزند رسول کی زندگی ہے اور دوسری طرف میری اور تمہاری زندگی ہے۔

اگر منصور کا حکم مان کر جعفرؑ کو گرفتار کر کے لاتا ہوں تو مجھے یقین ہے کہ وہ امام جعفرؑ کو قتل کر دے گا۔ آخرت چلی جائے گی۔ اور اگر گرفتار نہیں کرتا تو منصور نہ صرف مجھے بلکہ تم سب بھائیوں کو بھی تختہ دار پر چڑھا دے گا۔

میں نے کہا۔ بابا جان! میں آپ کے حکم کا پابند ہوں اپنے تمام بھائیوں کی نسبت میں قدرے زیادہ سنگدل تھا کافی

دیر سوچنے کے بعد بابا نے کہا۔

بیٹے دنیا گزارنا بھی بڑا مشکل ہے۔ جا جعفرؑ کو گرفتار کر کے لے آ۔ ہاں یہ یاد رکھنا جس حال میں ہو اسی حال میں گرفتار کر کے لانا۔

میں نے آٹھ دس سپاہی لیے۔ انہیں سیڑھی لانے کو بھی کہا۔ ہم گئے۔ سیڑھی لگائی۔ دیوار پھاندی۔ میں نے دیکھا تو امام صادقؑ نے ایک ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہن رکھا تھا۔ اور لنگ باندھے ہوئے کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ میں رک گیا۔ جب انہوں نے نماز ختم کی تو میں نے کہا۔

آپ کو منصور نے یاد کیا ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ ٹھیک ہے میں کپڑے پہن لوں۔

میں نے کہا۔ مجھے حکم یہی ہے کہ جس حالت میں آپ ہوں اسی حالت میں آپ کو لایا جائے۔ مجھے یہ اجازت نہیں کہ آپ اپنی اس حالت میں کوئی تبدیلی کریں۔ آپ کو اسی وقت اسی حالت میں چلنا ہوگا۔

امام صادقؑ نے یہ شکوہ تک نہ کیا۔ کہ تم نے دق الباب کیوں نہیں کیا۔ دیوار پھاند کر کیوں آئے ہو۔ خاموشی سے میرے ساتھ چلنے لگے۔

میں نے دیکھا آپ کا سن ستر برس سے اوپر تھا اور چلتے ساتھ چلتے ہوئے تکلیف محسوس کر رہے تھے۔ مجھے ترس آگیا میں نے ایک سپاہی سے کہا۔ امام صادقؑ کو اپنے گھوڑے پر بٹھا دے تو کسی اور کے ساتھ بیٹھ جا۔ جب ہم دربار پر پہنچے تو میں نے دیکھا میرا باپ منتظر تھا۔

امام صادقؑ نے میرے باپ سے کہا۔ تیرے بیٹے نے تو مجھے کپڑے بھی نہیں بدلنے دیئے۔ اگر تو اجازت دے تو میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔

میرے باپ نے کہا۔ منصور اس وقت منتظر ہے کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ لیکن بہر حال آپ نماز پڑھ لیں۔

امام صادقؑ نے نہایت اختصار کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر ایک طویل دعا بھی مانگی۔ اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

میرے بابا آگے چلے۔ ہم پیچھے تھے۔ درمیان میں امام صادقؑ تھے جب منصور کے سامنے ہوئے تو انہوں نے زیر لب کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔

جب منصور کے روبرو جا کے کھڑے ہوئے تو منصور نے کہا۔ اے جعفرؑ آپ کیوں لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کر رہے ہیں؟

امام صادقؑ نے فرمایا۔ میں قبل ازیں چار مرتبہ تجھے بتا چکا ہوں کہ سیاسی لحاظ میں گوشہ نشین ہوں۔ اگر کوئی میرے نام

سکتا ہے اس کا جواب دہ میں نہیں ہوں۔

منصور نے کہا، میرے پاس آپ کے لکھے ہوئے خطوط ہیں۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ منصور میں نہیں سمجھتا کہ کیوں اس قدر احساس عدم تحفظ میں مبتلا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں خراسان کے شیعوں کو خط لکھوں اور وہ خط تجھے بھیج دیں۔ آپ اس پہلو پر کیوں نہیں سوچتے کہ جو آپ کو اپنے خاندان کے خلاف آمادہ پیکار کر رہے ہیں وہی از خود خط لکھتے ہیں۔ اور پھر آپ کو دے دیتے ہیں۔

منصور نے اس مرتبہ تلوار نیام سے نکالی اور کہا۔ آپ درست نہیں کہہ رہے۔ یہ خط جعلی نہیں ہیں۔ پھر تلوار کو میان میں ڈال لیا۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ اگر جعلی نہیں ہیں تو پھر جن کو میں نے لکھے ہوں گے وہ بھی تو آپ کے پاس انعام کی خاطر آئے ہوں گے۔

منصور نے پھر تلوار میان سے پہلے کی نسبت زیادہ نکالی اور کہنے لگا کیا آپ مجھے جھٹلا رہے ہیں؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟

لیکن پھر تلوار کو نیام میں ڈال لیا۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ آپ جناب آپ نہیں۔ خط میں نے آپ کے ذریعہ تو نہیں لکھے تا کہ آپ کو جھٹلاؤں میں تو آپ کو سوچنے کی ایک راہ دے رہا ہوں اور ان دروغ باتوں کو جھٹلا رہا ہوں۔ جن کا تعلق نہ خراسان سے ہے نہ آپ کی خیر خواہی سے ہے۔

ان کا تعلق صرف اور صرف آپ کو گمراہ کرنے سے ہے۔ اور جیسا پیشہ کہ جعلی خط بناتے ہیں اور پھر آپ کو دے دیتے ہیں۔

کہ یہ خط ہم نے خراسان سے حاصل کیا ہے۔

منصور نے کہا۔ یہ افراد میرے مددگار نہیں ہیں ان سب پر مجھے پورا پورا اعتماد ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ جس طرح محبت اور عداوت اندھے اور بہرے ہوتے ہیں وہی طرح اقتدار بھی اندھا ہوتا اور بہرا ہوتا ہے۔ آپ اس وقت آپ بہت مغرور ہیں۔ خدارا سوچیں کہ بنی امیہ جو نہ صرف میرے بلکہ آپ کے بھی دشمن تھے۔ جب میں نے آپ کے سامنے کسی منصوبہ میں شریک ہو کر بنی امیہ کے خلاف کبھی کسی کو کچھ نہیں کہا تھا۔ تو اب آپ کے خلاف میں کسی سے کیوں کچھ کہنے لگا ہوں۔ میری عمر ستر سال سے تجاوز کر رہی ہے میری زندگی تمہارے سامنے ہے۔

منصور نے پھر پوری تلوار نیام سے نکالی اور کہا۔ میں تیرا قصہ ہی پاک کر دینا چاہتا ہوں۔ پھر فوراً تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ موت اور زندگی اللہ کے اختیار میں ہے۔ جب وہ نہیں چاہے گا تو میں ایک لمحہ بھی زمین پر نہیں گزار سکوں گا۔ خواہ لاکھوں لشکر میرے محافظ ہوں۔ اور جب تک وہ زندہ رکھے گا مجھے کوئی نہیں مار سکتا۔ خواہ ساری دنیا ہی مخالف ہو جائے۔ اگر میری زندگی ہی ختم ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

منصور نے میرے باپ سے کہا۔ ربیع ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جعفرؑ سچ کہہ رہا ہے۔ ایسا کرو میری اپنی سواری کا گھوڑا اور دس ہزار دینار دے کر انہیں اپنے مقام پر واپس بھیج دے۔ ان کے ساتھ جا اور مکان پہ پہنچانے کے بعد ان سے پوچھنا اگر جا کے یہاں رہنا چاہیں تو ہم سر آنکھوں پہ رکھیں گے۔ اگر واپس مدینہ جانا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

ربیع کہتا ہے کہ میں حیران و پریشان کبھی امام جعفرؑ کو دیکھتا تھا اور کبھی منصور کو۔

جب میں امام صادقؑ کو ان کے مکان پر چھوڑ کے واپس آیا تو منصور اسی طرح بیٹھا تھا۔ میں نے منصور سے کہا۔

حضور! آپ کو یاد ہے۔ قبل ازیں چار مرتبہ آپ نے امام جعفرؑ کو ارادہ قتل سے بلایا ہے۔ لیکن جس طرح آج آپ غصہ میں تھے اس طرح پہلے کبھی نہ تھے۔ اور جس طرح آج آپ نے امام صادقؑ سے سلوک کیا ہے اس طرح پہلے کبھی نہ کیا تھا۔ تین مرتبہ آپ نے تلوار میان سے نکالی۔ میں یہی سمجھا کہ آج آپ کسی جلاد کی خدمات بھی حاصل نہیں کریں گے۔ اور ہر مرتبہ آپ نے تلوار کو میان میں کر لیا۔ پھر آپ نے پہلے سے زیادہ احترام کے ساتھ امام جعفرؑ کو واپس بھیج دیا۔

منصور نے کہا۔ ربیع بات میں تجھے بتاتا ہوں۔ لیکن اگر اس کی بھنک بھی باہر نکل گئی تو میں نہ صرف تجھے بلکہ تیری نسل میں سے بھی کسی کو نہ چھوڑوں گا۔

میں نے کہا۔ جب آپ زندہ ہیں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔

منصور نے کہا۔ اور خطرہ تو نہیں ہے صرف یہ ڈر ہے کہ بنی فاطمہ اور چوڑے ہو جائیں گے اور [illegible] بنی عباس بزدلوں کا شکار ہو جائیں گے۔ بنی فاطمہ کے علم و فضل اور کمال سے کوئی جاہل ہی انکار کر سکتا ہے یہ پیچیدہ بات ہے کہ تقدس نے ہمیں اندھا کر رکھا ہے۔

میں نے کہا ایسی کونسی بات ہے؟

منصور نے کہا۔ جب میں نے پہلی مرتبہ تلوار کھینچی نبی اکرمؐ میرے اور جعفرؑ کے درمیان حائل ہو گئے اور مجھے فرمایا خبردار میں نے تلوار میان میں ڈال لی۔

جب میں نے دوسری مرتبہ تلوار کھینچی تو پھر رسول اکرمؐ میرے اور جعفرؑ کے درمیان آ گئے۔ اب کے انہوں نے ہاتھ بلند کیے اور کہا۔ منصور اگر تو نے ذرا بھی حرکت کی تو تجھے واصل جہنم کر دوں گا۔ میں نے خوف سے اپنے تلوار

میان میں ڈال لی اور یہ بھی کہ میرا وہم ہے۔ لیکن جب تیسری مرتبہ میں نے تلوار نکال تو اس وقت میرے اس قدر قریب آگئے کہ میں کانپنے لگا تھا۔ اور اب بنی اعظم کے ہاتھ میں ایک آتشیں چابک تھا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ منصور میں تجھے تیسری مرتبہ روک رہا ہوں۔ اگر اب تو نے جسارت کی اور میرے بیٹے کو کچھ کہا۔ تو پھر اپنا انجام بھی دیکھ لینا۔

ربیع کہتا ہے کہ پھر میں امام صادقؑ کو ملا اور عرض کی قبلہ!

آپ نے وہ دعائیں مانگی تھیں۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں ربیع۔ اگر مجھے تیری جان کا خطرہ نہ ہوتا تو جو کچھ منصور نے مجھے دیا ہے میں تجھے دے دیتا۔

ہاں تو نے مدینہ میں میری زمین مجھ سے مانگی تھی۔ اب وہ زمین میں تجھے دیتا ہوں۔

میں نے عرض کیا۔ قبلہ اب مجھے زمین کی ضرورت نہیں ہے آپ مجھے وہ دونوں دعائیں عنایت فرما دیں میرے لیے زمین سے زیادہ ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ ربیع ہم اہل بیت ہیں دی ہوئی چیزیں واپس نہیں لیتے۔ جب زمین میں نے تجھے دے دی ہے اب تیری ہے۔ یہ سند زمین کے ہبہ کی تحریر ہے۔ اور یہ دونوں دعائیں بھی میں نے تیرے لیے لکھوا کر رکھ لی تھیں۔

۶۔ دربار منصور میں چھٹی مرتبہ اور بغداد میں دوسری مرتبہ!

ربیع الابرار میں صفوان ابن مہران سے مروی ہے کہ مدینہ کے ایک مخزومی نے منصور کو اس وقت شکوہ کیا جب محمد و ابراہیم ابن عبداللہ ابن حسن منصور کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔ خفیہ اطلاع دی کہ جعفر صادقؑ کا غلام معلی ابن خنیس آج کل عراقیوں اور اہل تشیع سے پیسے جمع کر رہا ہے اور امام صادقؑ یہ تمام رقم عبداللہ کی اس مہم میں خرچ کرے گا جو آپ کے خلاف چلائی جا رہی ہے۔

اطلاع بھیجنے کے بعد یہ مخزومی خود بھی بغداد چلا گیا۔

منصور یہ اطلاع ملتے دانت پیسنے لگا۔ اور اس نے حاکم مدینہ داؤد ابن علی کو حکم بھیجا کہ جعفر ابن محمد کو فوراً بغداد بھیجا جائے۔

داؤد نے امام صادقؑ کو منصور کا حکم سنایا۔

آپ نے فرمایا۔ میں انشاء اللہ کل صبح روانہ ہو جاؤں گا

دوسرے دن آپ اونٹ پر سوار ہو کر عازم بغداد ہو گئے۔ بغداد پہنچنے کے بعد آپ نے منصور کو اطلاع بھجوائی منصور نے فوراً آپ کو بلایا۔

جب آپ منصور کے سامنے گئے تو آپ نے ایک دعا پڑھی اور فرمایا۔ میں نے سنا ہے کہ امیر نے مجھے یاد کیا ہے۔

منصور نے کہا۔ آپ نے ٹھیک سنا ہے۔ اور میں نے سنا ہے کہ آپ میرے خلاف عبداللہ کی ہم جوئی میں مالی امداد کر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تو نے غلط سنا ہے۔

منصور نے کہا۔ میں نے درست سنا ہے۔

پھر منصور نے مخزومی کا وہ واقعہ آپ کے پیش کیا۔

آپ نے فرمایا۔ اس مخزومی نے مجھ پر الزام لگایا ہے۔ اور جھوٹ بکا ہے۔

منصور نے کہا۔ کیا آپ قسم دیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ میں اپنی صداقت کی قسم ضرور دوں گا۔ لیکن اس سے پہلے اگر مخزومی موجود ہے تو آپ اسے میرے روبرو کریں تاکہ میں بھی اس سے ایک دو سوال کروں۔

منصور نے مخزومی کو بلایا۔

مخزومی حاضر ہو گیا۔

امام صادقؑ نے فرمایا۔ یہ خط تو نے لکھا تھا۔

مخزومی نے کہا ہاں میں نے لکھا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ تو نے جو کچھ لکھا ہے تجھے ذاتی طور پر یقین ہے یا سنی سنائی ہے۔

مخزومی نے کہا مجھے ذاتی طور پر یقین ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جو کچھ تو نے لکھا ہے اس کی صداقت پر قسم کھائے گا۔

مخزومی نے کہا۔ دس بار قسم کھاؤں گا۔

آپ نے منصور سے فرمایا۔ آپ اس سے قسم لے لیں۔

منصور نے مخزومی سے کہا قسم کھا

مخزومی قسم کھانے لگا۔ واللہ الذی۔

آپ نے فرمایا اس طرح نہیں تو اس طرح قسم کھا۔ برئت من حول اللہ وقوتہ والتجأت الی حولی وقوتی۔ جو کچھ میں نے لکھا ہے سچ ہے۔

مخزومی نے پس و پیش کی۔
منصور نے برہم ہو کر کہا۔ جو قسم جعفرؑ نے سکھائی ہے تجھے یہی کھانا ہوگی۔
مخزومی نے ناچار یہی قسم کھائی۔
ابھی تک قسم پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ گرا اور گر کر مر گیا۔
منصور نے کہا۔ اس خط کے سلسلہ میں تو میں مطمئن ہو گیا ہوں۔ کہ غلط تھا۔ لیکن یہ بتائیں کہ جب ہم قسم دیتے ہیں تو لوگوں کو کچھ نہیں ہوتا
اس قسم سے یہ فوراً کیوں مر گیا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ تم لوگ قسم دیتے وقت واللہ باللہ کہتے ہو۔ حالانکہ اللہ بڑا کریم ہے۔ جب ایک شخص اپنے کلام کے آغاز میں اللہ کا نام لے لے۔ اللہ اس کا مواخذہ فوراً نہیں کرتا۔ میرے نانا کا ارشاد ہے کہ جب کسی کے جھوٹ اور سچ کا پتہ کرنا ہو تو اسے اس طرح قسم دو جس طرح میں نے اس مخزومی سے کہا ہے۔

:- امام صادقؑ ساتویں مرتبہ دربار منصور میں :

صحیح الدعوات میں محمد ابن عبداللہ اسکندری سے روایت ہے کہ مجھے منصور سے وہ تقرب حاصل تھا جو اور کسی کو نہیں تھا۔
میں منصور کی ہر خلوت و جلوت میں اس کا ساتھ رہتا تھا۔
ایک دن منصور کہنے لگا۔
محمد میں نے سادات بنی فاطمہ میں سے کم و بیش سو سے زیادہ سرکردہ افراد تو قتل کر دیئے ہیں لیکن تاحال جعفرؑ نے مجھے ایسا کوئی موقعہ نہیں دیا۔ اور جب تک جعفرؑ زندہ ہے اس وقت مجھے اطمینان نہیں آئے گا۔
محمد نے کہا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت امام صادقؑ عمر کے اس مقام پر ہیں جہاں خواہش اقتدار ختم ہو جاتی ہے۔ وہ آپ کے لیے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہیں۔ وہ تو ہر وقت مصلائے عبادت پر ہی بیٹھے رہتے ہیں۔
منصور نے کہا۔ مجھے معلوم ہے تو شیعیان آل محمد سے ہے۔ لیکن تجھے بھی یہ معلوم ہے کہ۔ اقتدار بانجھ ہوتا ہے میں نے آج قسم کھائی ہے کہ۔ جعفرؑ ابن محمد کو آج رات ہی قتل کر دوں۔
محمد کہتا ہے میں نے اناللہ پڑھا اور بڑا پریشان ہو گیا۔
منصور نے جلاد کو بلایا۔ اور کہا جب جعفرؑ ابن محمدؑ میرے پاس آ کر بیٹھ جائے اور میں اسے باتوں میں لگاؤں اسی

وہ دان میں سے ٹوپی اتارے گا، جونہی میں ٹوپی اتاروں تو جعفرؑ کو قتل کر دینا۔

پھر منصور نے امام جعفرؑ کو لانے کا حکم دیا۔ میں نے دیکھا جب امام صادقؑ تشریف لائے تو ان کے دونوں ہونٹ ہل رہے تھے۔

مجھے یہ محسوس ہوا جیسے پورا محل اس طرح لرز رہا ہے جس طرح موجوں میں گھری ہوئی کشتی لرزتی ہے۔ منصور امام صادقؑ کے قریب گیا اور آپ کے کندھے کو اس طرح پکڑ لیا جس طرح ایک گرنے والا شخص کسی کا سہارا لیتا ہے۔ نہ منصور کے سر پر شاہی تاج تھا اور پاؤں میں جوتے تھے۔ اس کا چہرہ زرد تھا۔ تمام جسم کپکپا رہا تھا۔ منصور کا چہرہ لمحہ بہ لمحہ بدل رہا تھا۔

منصور نے امام صادقؑ کو تخت پر بٹھایا۔ خود اس طرح مؤدب ہو کر آپ کے سامنے بیٹھا جس طرح مجرم غلام آقا کے سامنے بیٹھتا ہے۔

کہنے لگا۔ فرزند رسولؐ اس وقت آپ کیسے تشریف لائے؟

آپ نے مسکرا کے فرمایا۔ مجھے پیغام ملا ہے کہ منصور بلا رہا ہے۔

منصور نے کہا۔ قاصد نے غلط کہا ہے۔ میں بھلا اس وقت آپ کو کیسے تکلیف دے سکتا تھا۔ آپ کو اگر کوئی ضرورت ہو تو فرمائیں۔

آپ نے فرمایا۔ میری صرف یہ ضرورت ہے کہ آج کے بعد مجھے ہر وقت بلانا چھوڑ دے۔

منصور نے کہا۔ میری توبہ۔ میں آپ کو کیوں بلاؤں گا۔

امام صادقؑ تشریف لے گئے۔ منصور نے خواب آور دوا منگوائی اور سو گیا۔ میں بیٹھا رہا نصف شب کے بعد منصور بیدار ہوا۔ مجھے بیٹھا دیکھ کر خوش ہوا اور کہنے لگا۔ میں رفع حاجت سے فارغ ہو لوں۔ پھر تجھے آج کا واقعہ بتاؤں گا۔

کچھ دیر بعد منصور نے کہا جب حضرتؑ نے میرے گھر میں قدم رکھا تو میں نے ایک اتنا بڑا اژدہا دیکھا کہ میرے اوسان خطا ہو گئے اس اژدہا نے منہ کھول رکھا تھا۔ اژدہا کا نچلا ہونٹ زمین پر اور اوپر والا جبڑا میرے محل کے بلند کنگرے تک پہنچ رہا تھا۔ اژدہا کی زبان، شعلے سے آگ برسا رہی تھی۔ اس نے مجھے فصیح عربی میں کہا۔ اگر جعفرؑ ابن محمدؑ کو کچھ بھی ہوا تو میں اس پورے محل کو تیرے مکینوں کے نگل لوں گا۔

محمد کہتا ہے میں نے کہا۔ آپ کو معلوم ہے آل محمدؐ میں سے ایک فرد ایسا ہوتا ہے جو آدمؑ سے خاتمؐ تک تمام علوم انبیاء اور کمالات مرسلین کا وارث ہوتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ جعفر انہی میں سے ہے۔

اگلے سال میں نے منصور سے امام صادقؑ کی زیارت کی اجازت مانگی۔ منصور نے بخوشی مجھے اجازت دے دی۔ جب

میں حاضر ہوا تو قدم بوسی ہو کر عرض کی۔ آپ کو اپنے جدامجد کا واسطہ ہے آپ مجھے وہ دعا تعلیم کریں جو آپ نے منصور کے پاس جاتے ہوئے پڑھی تھی۔

آپ نے فرمایا۔ محمد اتنا پریشان کیوں ہوتا ہے۔ ہم آل محمدؐ بخیل نہیں ہیں۔ البتہ نااہلوں سے بچتے ہیں۔ تو اس کا اہل ہے یہ دعا مجھ سے لے لے۔

شرح شافیہ میں بدیع سے منقول ہے کہ منصور نے بابل کے جادوگروں میں سے ستر معروف جادوگروں کو بلایا اور ان سے کہا۔ میں نے سنا ہے تم ان جادوگروں کی اولاد ہو جنہوں نے حضرت موسیٰ سے مقابلہ کیا تھا۔ آج جو یہ کہدر ہے ہو یہ جعفرؑ ابن محمد تمہاری طرح کا جادوگر ہے۔ اس نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اگر اسے زیر کر دو تو منہ مانگا انعام دوں گا۔

ان جادوگروں نے کہا۔ اگر وہ جادوگر ہو تو آپ یقین کریں اس وقت روئے ارض پر ہم سے بڑا جادوگر کوئی نہیں وہ زیر ہو جائے گا۔

وہ دربار میں آئے اور ہر ایک نے ایک درندہ کی بت بنا کر اپنے ساتھ بٹھایا۔ جو دیکھنے والوں کو زندہ معلوم ہوتے تھے۔ دربار منصور میں ہر طرف بیٹھ گئے۔ اور ہر جادوگر اپنے درندے کے ساتھ بیٹھ گیا۔

جب دربار آراستہ ہو گیا تو منصور نے امام صادقؑ کو بلایا۔ آپ تشریف لائے۔ جب آپ نے جادوگروں کے درندوں کو دیکھا تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا۔

شاید تم ابھی مجھے نہیں پہچانتے۔ میں فخر موسیٰ کا فرزند ہوں۔ اور حجت خدا ہوں۔ آج کے بعد پھر کبھی تم کسی کو دھوکا نہ دے سکو گے۔ موسیٰ کے عصا نے سانپوں کو کھایا تھا۔ لیکن آج میں تمہارے تخلیق کردہ ان بے جان درندوں کو حکم دیتا ہوں۔ کہ وہ جاندار بن کر تمہیں نگل لیں۔

پھر کیا تھا ہر درندہ اپنے بنانے والے پر جھپٹا اور آن کی آن میں اسے ہڑپ کر گیا۔

یہ دیکھ کر منصور غش کر گیا۔

جب اسے افاقہ ہوا تو ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔

اے وارث رسولؐ مجھے معاف فرما دیں۔

آپ نے فرمایا۔ گیراست تجھے معاف کیا ہے۔ تیرا حساب قیامت کو ہو گا۔

منصور نے کہا۔ اور وہ جادوگر۔

آپ نے فرمایا۔ جس دن موسیٰ کا عصا جادوگروں کے سانپ واپس کرے گا۔ اسی دن یہ درندے جادوگر واپس کر دیں گے۔

بحار میں محمد ابن سعید سے مروی ہے کہ میرا سالانہ ٹیکس بڑا زیادہ تھا اور میرے پاس ادائیگی کے لیے کچھ نہ تھا۔

مجھے چند حصوں کی بہت چاہیے تھی ٹیکس وصول کرنے والے محمد ابن سماعہ صحابیاں آل محمدؐ سے تھا۔ میں امام صادقؑ کے پاس آیا اور عرض کی۔

قبلہ محمد کے نام ایک رقعہ دے دیں۔ تاکہ کچھ دنوں تک ٹل جائے۔

آپ نے فرمایا۔ جا محمد سے کہہ دے کہ۔

جعفرؑ ابن محمدؑ کہہ رہا ہے۔

جس نے ہمارے موالی کا احترام کیا اس نے کرم خدا پایا

جس نے ہمارے موالی کی توہین کی اس نے غضب خدا کو دعوت دی۔

جس نے ہمارے شیعہ پر احسان کیا اس نے گویا امیرالمؤمنین علیؑ پر احسان کیا۔

جس نے امیرالمؤمنینؑ پر احسان کیا اس نے گویا نبی کریمؐ کو ممنون کیا۔ اور۔

جس نے نبی کریمؐ کو ممنون کیا۔ اس نے گویا اللہ کو ممنون کیا اور

جس نے اللہ کو ممنون کیا وہ قیامت میں ہمارے ساتھ ہوگا۔

میں محمد کے پاس آیا۔ اسے بتایا۔ اس نے تین مرتبہ مجھ سے قسم لی ہے کہ کیا واقعاً امام صادقؑ نے یہ فرمایا ہے کہ!

میں نے جب تین مرتبہ قسم اٹھائی تو اس نے اپنے کلرک کو بلایا۔ اور اسے کہا۔ کہ دیکھ ابن سعید کا لگان کتنا ہے!

اس نے دیکھ کر بتایا۔ ساٹھ ہزار دینار

محمد نے کہا۔ اسے شامل ہے۔

پھر اس نے مجھے ایک تھیلی۔ ایک کنیز اور ایک گھوڑا مع ساز و سامان کے دیا۔

میں امام صادقؑ کے پاس آیا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا۔ تو خود سنائے گا یا میں سناؤں!

میں نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کی زبان میں زیادہ حسن ہے۔

پھر آپ نے اول سے آخر تک اس طرح تمام واقعہ سنایا جیسے آپ ہمارے ساتھ ہوں۔

ابو حنیفہ سے چند سوال!

احتجاج میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابو حنیفہ امام صادقؑ کے پاس آیا۔ ابن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ میں بھی ابو حنیفہ کے ساتھ تھا۔

امام صادقؑ نے پوچھا۔

میں نے سنا ہے آپ اہل عراق کے مفتی ہیں۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ ہاں۔

آپ نے فرمایا۔ اگر آپ اور لوگ یہ نہ کہتے کہ جعفر ابن محمدؑ نے بے اعتنائی کی ہے اور کوئی گفتگو نہیں کی تو میں آپ قطعاً یہ باتیں نہ کرتا۔

آپ کس بنیاد پر فتوی دیتے ہیں!

ابو حنیفہ نے کہا۔ قرآن سے۔

آپ نے فرمایا۔ گویا آپ کو قرآن کے ناسخ و منسوخ۔ محکم و متشابہ اور تاویل و تنزیل کا علم ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ ہاں۔

آپ نے فرمایا۔ آیت ہے۔ سیروا فیھا لیالی و ایاماً آمنین ۔ شب و روز امن سے رہو۔ اس سے کیا مراد ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ مکہ اور مدینہ کے مابین کا علاقہ مراد ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اپنے علم اور انصاف سے بتائیں کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کبھی کوئی قافلہ نہیں لٹا؟

ابو حنیفہ نے کہا۔ کئی قافلے لٹے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اب یا اللہ نے غلط کہا ہے یا آپ غلط کہہ رہے ہیں۔

اچھا۔ دوسری آیت ہے۔ من دخلہ کان آمنا ۔ جو بھی آگیا وہ محفوظ ہو گیا۔ اس سے کونسی جگہ مراد ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ بیت اللہ مراد ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کیا عبداللہ ابن زبیر بیت اللہ میں قتل نہیں ہوا تھا۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ وہیں قتل ہوا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ پھر اللہ کا وعدہ کیا ہوا۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ قرآن کا تو مجھے زیادہ علم نہیں ہے۔ البتہ قیاس میں میری دسترس وسیع ہے اور میرے اکثر فتاوی کی بنیاد قیاس ہی ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ از روئے قیاس زنا زیادہ جرم ہے یا قتل!

ابو حنیفہ نے کہا۔ قتل۔

آپ نے فرمایا۔ جب قتل زیادہ جرم ہے تو از روئے قیاس قتل کیلئے گواہ زنا کی نسبت زیادہ ہونا چاہئے تھے۔

جب کہ حکم شریعت اور آپ کے قیاس میں تضاد ہے۔

اچھا از روئے قیاس پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟

ابو حنیفہ نے کہا پیشاب۔

آپ نے فرمایا۔ اگر پیشاب زیادہ نجس ہے تو پھر از روئے قیاس پیشاب کے بعد غسل اور خروج منی کے بعد صرف وضو کافی ہونا چاہیے تھا۔

جب کہ شریعت آپ کے قیاس کے برعکس ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ مجھے اپنی فکر پر زیادہ اعتماد ہے اور قرآن و قیاس کی نسبت میں زیادہ فتوے اپنی فکر کے مطابق دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ آپ کی فکر اس مسئلہ میں کیا فتویٰ دے گی۔ جب ایک آقا اور غلام ایک وقت میں شادی کریں۔

ایک رات مباشرت کریں دونوں نطفہ ایک وقت منعقد ہو جائے۔ دونوں کی بیویاں ایک کمرہ میں رہتی ہوں۔ ۹ ماہ بعد دونوں کی بیویاں ایک کمرہ میں دو بچے جنیں۔ مکان کی چھت گر جائے۔ دونوں مائیں دب کر فوت ہو جائیں۔ اور دونوں بچے زندہ رہ جائیں۔

اب آپ کی فکر کے مطابق ان دونوں بچوں میں سے مالک کون ہوگا۔ ؟ غلام کون ہوگا۔ وارث کون بنے گا اور تر کہ کون ہوگا۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ حضور میرے پاس زیادہ مسائل حدود و تعزیرات کے آتے ہیں۔ ان میں تو میں طاق ہوں ان دیگر مسائل میں میں نے کبھی زیادہ فکر نہیں کی۔

آپ نے فرمایا۔ اگر ایک نابینا۔ بینا کی ایک آنکھ پھوڑ دے اور ایک ہاتھوں سے محروم صحیح شخص کا ہاتھ کاٹ دے تو ان پر حد کس طرح جاری ہوگی۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ میرا زیادہ مطالعہ بعثت انبیاء کا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتا کہ حضرت موسیٰ و ہارون سے اللہ نے فرمایا ہے اذھبا الی فرعون لعلہ یتذکر او یخشیٰ۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ ممکن ہے وہ ڈر جائے ــــــــــ اس میں لفظ لعل شک کے لیے ہے کیا اللہ کو بھی شک تھا؟

ابو حنیفہ خاموش ہو گیا۔

آپ نے فرمایا۔ ابو حنیفہ آپ نے قرآن سے لاعلمی ظاہر کی۔ قیاس بنیاد دین نہیں۔ حدود کا تو وارث نہیں۔ بعثت انبیاء سے خاتم الانبیاء واقف تھے اور نقص رائے کا تو خود اعتراف کرتا ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ آج کے بعد قیاس اور رائے سے فتوی نہیں دوں گا۔

آپ نے فرمایا۔ جس طرح جو کسی اقتدار میں ایسا نہیں کر سکے ویسے تو بھی ایسا نہیں کر سکے گا۔

اختصاص شیخ مفید میں حماد سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ابو حنیفہ سے لاشئی کے متعلق سوال کیا۔ ابو حنیفہ نے کافی سوچا لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

بالآخر اس نے سائل سے کہا۔

یہ میرا خچر رافضیوں کے امام کے پاس لے جا اور لاشئی میں فروخت کر دے جو قیمت وہ دے لے آنا۔ تجھے بھی پتہ چل جائے گا اور مجھے بھی وہ شخص امام صادقؑ کی خدمت میں خچر لایا۔ اور کہا فروخت کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ ابو حنیفہ نے بھیجا ہے اور اس کی قیمت لاشئی ہے ناں!

اس نے کہا۔ ہاں اسی طرح ہے۔

آپ نے اپنے غلام سے فرمایا۔ خچر لیکر اصطبل میں باندھ دے۔

آپ مصروف گفتگو ہو گئے۔

اس شخص نے کافی انتظار کیا جب کچھ نہ ملا تو عرض کی۔ قبلہ۔

خچر کی قیمت!

آپ نے فرمایا۔ کل صبح ابو حنیفہ کو بھیج دینا۔

دوسرے دن صبح صبح ابو حنیفہ آگیا۔

آپ نے فرمایا۔ خچر کی قیمت لینے آیا ہے!

ابو حنیفہ نے کہا۔ ہاں

آپ نے غلام سے فرمایا۔ میرے گھوڑے پر زین کس دے۔ آپ ابو حنیفہ کو لے کر باہر صحرا میں گئے۔ بہت دور نکل گئے۔ دن چڑھ گیا۔ دور سراب نظر آرہا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ وہ کیا نظر آرہا ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ پانی۔

آپ آگے بڑھے جب وہاں پہنچے تو کچھ نہ تھا۔

آپ نے فرمایا۔ یہ ہے آپ کے خچر کی قیمت وصول کریں۔

ابو حنیفہ نے کہا۔ یہ کیسے لاشئی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ قرآن میں اسی کو لاشئی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد قدرت ہے حتیٰ اذا جاءہ لم یجدہ لا شیئا۔ جب پیاسا سراب دیکھ کر آتا ہے تو آگے لاشئی ہوتی ہے۔

ابوحنیفہ خاموش ہو گیا۔ جب واپس آئے تو ابوحنیفہ پریشان تھا۔ شاگردوں کے پوچھنے پر بتایا کہ پھر مفت میں گیا۔ کیونکہ سراب ہی لاشی ہوتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے مجھے سیراب پر جا کھڑا کر کے کہا۔ اپنے پتھر کی قیمت وصول کرلے۔

گناہان کبیرہ از قرآن :

اصول کافی میں امام موسیٰؑ سے مروی ہے کہ ایک دن عمرو ابن عبید امام جعفرؑ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا مجھے قرآن سے گناہان کبیرہ کی فہرست درکار ہے اگر آپ مہربانی فرمائیں تو۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں۔

۱۔ شرک باللہ۔ ارشاد باری ہے ـــــ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہٖ۔

۲۔ رحمت خدا سے مایوسی ـــــ ویعدہٗ الیاس من روح اللہ تعالیٰ یقول یٰئَسُ من رَّوح اللہ الّا القوم الکافرون

۳۔ غلبۂ خدا سے اطمینان ـــــ لا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون۔

۴۔ حقوق والدین ـــــ برا بوالدی ولم یجعلنی جبارًا شقیا۔

۵۔ قتل ـــــ من قتل مومنًا متعمدًا فجزاؤہ جھنم خالدًا فیھا۔

۶۔ میدان جنگ سے فرار ـــــ من یولہم یومئذ دبرہٗ الا متحرفًا لقتال او متحیزًا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جہنم وبئس المصیر۔

۷۔ پاک دامن عورت پر تہمت کرنا ـــــ لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم۔

۸۔ مال یتیم کھانا ـــــ انما یاکلون فی بطونھم نارا۔

۹۔ سود خوری ـــــ الذین یاکلون الربا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس۔

۱۰۔ جادو ـــــ لمن اشتراہ مالہ فی الاخرۃ من خلاق۔

۱۱۔ زنا ـــــ من یفعل ذالک یلق اثاما یضاعف لہ العذاب یوم القیامہ ویخلد فیہ مہانا۔

۱۲۔ جھوٹی قسم ـــــ الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا اولٰئک لا خلاق لھم فی الاخرۃ۔

۱۳۔ بخل ـــــ من یغلل یات بما غل یوم القیامۃ۔

۱۴۔ انکار زکوٰۃ ـــــ فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم۔

۱۵۔ جھوٹی گواہی ـــــ من یکتمھا فانہ اٰثم قلبہ۔

۱۶۔ شراب خوری ـــــ اللہ نے شراب خوری سے اسی طرح منع فرمایا ہے جس طرح بت پرستی سے روکا ہے

۱۷۔ عمداً ترک نماز۔ ـــــ اقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔

۱۸۔ عہد شکنی
۱۹۔ قطع رحمی ـــــ اولئک لهم اللعنة ولهم سوء الدار۔

خلافت ا

فروع کافی میں عبدالکریم ابن عتبہ سے مروی ہے کہ مکہ میں میں امام صادقؑ کے حضور بیٹھا تھا۔ کہ معتزلہ کا ایک گروہ جن میں عمرو ابن عبید، واصل ابن عطا، حفص ابن سالم اور ان کے علاوہ دیگر کافی لوگ شامل تھے بصورت گروہ آپ کے پاس آگئے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ولید قتل ہو گیا تھا۔ اور اہل شام اقتدار عامہ پھوٹ چکے تھے۔
ان لوگوں نے اتنا شور و غل کیا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔
امام صادقؑ نے فرمایا۔ دیکھو ہر آدمی بات نہ کرے، تم لوگ اپنے میں سے ایک نمائندہ منتخب کر لو وہ مجھ سے بات کرے۔
جہاں آپ کا نمائندہ لغزش کھائے آپ اس سے تعاون کریں۔
تمام نے عمرو ابن عبید کو اپنا نمائندہ منتخب کر لیا۔
عمرو ابن عبید نے کہا۔ ولید قتل ہو گیا ہے۔ مسند خلافت خالی ہے۔ ہم محمد ابن عبداللہ ابن حسن کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ اور محمد کی سرکردگی میں جہاد کرنا چاہتے ہیں۔ جو ہمارا ساتھ دے گا۔ ہم اس کا ساتھ دیں گے جو غیر جانبدار رہے گا ہم اسے نہیں چھیڑیں گے۔ جس نے ہمارے ساتھ لڑنا چاہا ہم لڑیں گے۔
آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ آپ مع اپنے شیعوں کے ہمارا ساتھ دیں۔
اس کے بعد عمرو خاموش ہو گیا۔
امام صادقؑ نے تمام دیگر افراد سے پوچھا۔ تم سب کا یہی مقصد ہے۔
سب نے کہا۔ بالکل یہی۔
آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ ہم صرف اس وقت ناراض ہوتے ہیں جب اللہ کی نافرمانی کی جائے۔ اگر اللہ کی اطاعت کی جائے ہم سے مشورہ لیا جائے یا ہم نے ہمیشہ رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ اے ابن عبید یہ بتائیے کہ اگر یہ تمام امت آپ کو یہ ذمہ داری سونپ دے اور آپ سے کہے کہ جسے آپ خلیفہ بنانا چاہیں بنا دیں تو آپ کیا کریں گے۔
ابن عبید نے کہا۔ میں شوریٰ سے خلیفہ بناؤں گا۔
آپ نے فرمایا۔ اس شوریٰ میں تمام امت مسلمہ شامل ہو گی یا مخصوص افراد

ابن عبید نے کہا۔ تمام امت مسلمہ شامل ہو گی۔

آپ نے فرمایا۔ عالم و غیر عالم۔ فقیہ و غیر فقیہ۔ قریش و غیر قریش۔ عرب و عجم سب شامل ہوں گے۔

ابن عبید نے کہا۔ ہاں سب شامل ہوں گے۔

آپ نے فرمایا۔ اب یہ بتائیں کہ آپ ابو بکر و عمر کے موالیوں سے ہیں یا دشمنوں سے؟

ابن عبید نے کہا۔ ان کے موالیوں سے ہوں۔

آپ نے دوسرے تمام لوگوں سے یہی سوال کیا۔

ان سب نے بھی جواب میں ابن عبید کی تائید کی۔

آپ نے فرمایا۔ اے ابن عبید آپ قولاً ان کی موافقت اور عملاً ان سے مخالفت کر رہے ہیں۔

ابن عبید نے کہا۔ نہیں میں قولاً اور عملاً ہر دو اعتبار سے ان کی موافقت میں ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ عمر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں کسی سے مشورہ کیے بغیر ابو بکر کی بیعت کی تھی۔ پھر ابو بکر نے کسی سے مشورہ کیے بغیر عمر کو نامزد کیا تھا۔ پھر عمر نے خلافت کو صرف چھ افراد میں منحصر کر دیا۔ اور تمام مہاجرین و انصار کو شوریٰ سے باہر رکھا۔ البتہ اپنے بیٹے ابن عمر کو شریک مشورہ کیا۔ لیکن اسے حق ووٹ نہ دیا۔ اور دم مرگ تمام مہاجرین و انصار کو وصیت کی کہ ان چھ افراد کو تین دن تک گھر میں بند رکھا جائے اور اگر کسی ایک کی خلافت پر اتفاق کریں تو بہتر ورنہ چھیوں کو قتل کر دینا۔ اگر متحد ہو جائیں اور دو اختلاف کریں تو ان کی گردن اڑا دینا ــــ کیا تم یہ راستہ اختیار کرو گے۔

سب نے کہا۔ نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا ابن عبید یہ بتائیں کہ آپ نے تمام امت مسلمہ کو اپنے پسندیدہ شخص کی دعوت دی اور تمام نے بلا اختلاف اسے قبول کر لیا۔ تمہارے سامنے ان مشرکین کا معاملہ ہو گا جو نہ اسلام قبول کریں اور نہ جزیہ دیں ایسے افراد کے لیے تمہارے پاس کیا سلوک ہو گا۔ اور سیرت رسول کیا ہے۔

ابن عبید نے کہا۔ ہم انہیں دعوت اسلام دیں گے۔ اگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تو ان پر جزیہ عائد کریں گے۔

آپ نے فرمایا۔ خواہ غیر اہل کتاب مجوسی مشرکین اور بت پرست بھی ہوں؟

ابن عبید نے کہا۔ ہاں سب کا حکم برابر ہو گا۔

آپ نے فرمایا۔ کیا تلاوت قرآن کرتا ہے۔

ابن عبید نے کہا۔ ہاں۔

آپ نے فرمایا۔ ارشاد قدرت ہے۔ ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

حرام خدا اور رسول کو حرام نہیں سمجھتے۔ اہل کتاب میں سے جو دین حق کو قبول نہیں کرتے حتیٰ کہ وہ ذلت گوارا کر کے جزیہ پر راضی ہو جائیں۔

اہل کتاب اور غیر اہل کتاب میں تفریق کی گئی ہے۔ آپ نے دونوں کو ایک لاٹھی سے ہانکنے کا حکم کہاں سے لیا ہے۔

ابن عبید نے کہا: میں نے لوگوں سے اسی طرح سنا ہے۔

آپ نے فرمایا: جب قرآن موجود ہے تو پھر لوگوں سے سنے سنائے احکام کی کیا حیثیت ہے۔ اچھا اسے بھی چھوڑ۔ اب یہ بتا کہ اگر ان لوگوں نے اسلام اور جزیہ ہر دو سے انکار کر دیا۔ آپ نے ان سے جنگ کی۔ آپ فاتح بن گئے۔ حاصل ہونے والی غنیمت کا کیا کریں گے۔

ابن عبید نے کہا: پانچ حصوں میں تقسیم کروں گا۔ خمس نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کروں گا۔

آپ نے فرمایا: یہ بتائیں کہ آپ خمس کسے دیں گے۔

ابن عبید نے کہا: ایک حصہ رسولؐ کا ہے۔ ایک اقرباء کا ہے۔ ایک یتامیٰ کا ہے اور ایک مساکین کا ہے انہیں دوں گا۔

آپ نے فرمایا: رسولؐ کا حصہ کسے دے گا۔

ابن عبید نے کہا: اس میں فقہا کا اختلاف ہے۔ کچھ اہل بیت رسولؐ کو دلاتے ہیں۔ کچھ حق خلیفہ سمجھتے ہیں۔ اور کچھ مسلمان مجاہدین کے قرار دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: تیرا کیا خیال ہے۔

ابن عبید نے کہا: مجھے معلوم ہے۔

آپ نے فرمایا: اچھا بقیہ چار حصے تمام مسلمانوں میں برابر تقسیم کرے گا؟

ابن عبید نے کہا: ہاں۔

آپ نے فرمایا: اگر ایسا کیا تو سیرت رسولؐ کی مخالفت ہوگی۔ آپ مدینہ کے فقہاء اور سن رسیدہ افراد سے پوچھ لیں۔ آنحضورؐ نے اعرابیوں سے اس بات پر صلح کی تھی۔ کہ تم مسلمانوں سے جنگ میں تعاون کرو گے لیکن غنیمت میں حصہ دار نہیں ہو گے۔

آپ نے فرمایا: اچھا چھوڑ۔ یہ بتائیں کہ آپ زکوٰۃ وصول کریں گے تو اسے کیسے تقسیم کریں گے۔

ابن عبید نے کہا: جو مستحق قرآن میں بتلائے گئے ان کو دوں گا۔

آپ نے فرمایا: قرآن میں بتائی گئی اقسام میں سے اگر ایک قسم کے دس ہزار افراد ہوں اور ایک قسم کا صرف ایک فرد موجود ہو تو کیا ایک حصہ دس ہزار کو دے گا اور ایک حصہ ایک مسلم فرد کو دے گا۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتاؤ دیہات اور شہروں کے صدقات وصول کرکے سب کو اکٹھا کر کے سب میں تقسیم بھی کرے گا۔

ابن جبیدہ نے کہا ہاں۔

آپ نے فرمایا۔ یہ بھی سیرت رسولؐ کے خلاف ہے۔ یہ فقہائے مدینہ اور مدینہ کے بسن رسیدہ لوگ موجود ہیں ان سے پوچھ لے نبی اکرمؐ دیہاتوں کے صدقات دیہاتیوں میں اور شہروں کے صدقات شہریوں میں تقسیم فرماتے تھے۔

اے ابن جبیدہ۔ اے ابن جبیدہ کے ساتھ آنے والو! اللہ سے ڈرو۔ مجھے میرے والد نے اپنے والد کے ذریعہ نبی اکرمؐ سے حدیث بیان کی ہے کہ، جو شخص اپنے اقتدار کی خاطر کسی ایک مسلمان کی گردن بھی مارے وہ ضال اور مضل ہے۔

صوفیوں کو درس!

فروع کافی میں مسعدہ ابن صدقہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ چند صوفی امام صادقؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ ہم لوگوں کو ترک دنیا کی تبلیغ کرتے ہیں لیکن آپ انہیں حصول رزق کا سبق دیتے ہیں۔ آپ بھی ایسا کیوں کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ آپ کے پاس تبلیغ ترک دنیا کی دلیل کہاں سے ہے۔

انہوں نے کہا۔ قرآن سے۔

آپ نے فرمایا۔ وہ دلائل ہمیں بھی بتاؤ۔ کیوں کہ قرآن سے زیادہ کوئی چیز قابل اتباع نہیں ہے۔

انہوں نے کہا۔ خالق احدیت نے نبی اکرمؐ کے بعض صحابہ کے متعلق بتایا ہے۔

یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون۔ یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا۔

یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے لوگوں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں خواہ خود بھوکے ہی ہوں، جو لوگ بخل نفس سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہی فلاح پانے والے ہیں۔ محبت خدا میں مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں

اب آپ فرمائیں۔ ہم نے یہ دو آیات پیش کی ہیں

آپ نے فرمایا پہلے تو آپ لوگ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کو قرآن کے ناسخ و منسوخ اور محکم اور متشابہ وغیرہ کا علم ہے!

انھوں نے کہا، پورے قرآن کا دعوے تو ہم نہیں کر سکتے۔ البتہ بعض قرآن کے متعلق کہہ سکتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ جب بقول تمہارے تم پورے قرآن کا علم نہیں رکھتے۔ تو یہ آیات جو آپ نے پیش کی ہیں یہ قرآن کے کس حصے سے ہیں۔ پھر یہی صورت احادیث نبویہ کی ہے۔

اب سنو! جو آیات تم نے پیش کی ہیں۔ ان میں ذات احدیت نے چند افراد کی مدح فرمائی ہے۔ یہ وہ افراد ہیں جن کے لیے وہ چیز جس میں انھوں نے دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دی تھی۔ ان کے لیے مباح اور جائز تھی۔ اللہ کی طرف سے ان پر حرام اور ناجائز نہیں تھی۔ ذات احدیت نے ان کے عمل کے خلاف حکم دیا ہے۔ اگر ہمیں قرآن میں ان کے اس عمل کے خلاف حکم مل جائے تو پھر ہمیں ماننا ہوگا، کہ وہ حکم اس آیت میں بتائی گئی تعریف سے ماخوذ حکم کا ناسخ ہوگا یا نہیں۔

انھوں نے کہا۔ یقیناً ناسخ ہوگا۔

نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔ اگر کسی کے پاس کھجور کے چند دانے یا چند روٹیاں یا چند دینار یا چند درہم ہوں اور وہ انہیں خرچ کرنا چاہے۔

تو سب سے پہلا نمبر والدین کا ہے۔

دوسرا نمبر اس کی اپنی ذات اور اہل و عیال کا ہے۔

تیسرا نمبر اقرباء کا ہے۔

چوتھا نمبر پڑوسی فقراء کا ہے اور

پانچواں نمبر فی سبیل اللہ کا ہے۔

آپ نے اپنے آخری ایام میں انصار کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو ان کے لیے کچھ کرکے جانا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے بعد بھوکے مرتے رہیں۔

انھوں نے کہا۔ یہ تو آپ احادیث پڑھنے لگے ہیں۔ آپ نے کوئی ایسی آیت نہیں بتائی جو ہماری تبلیغ کے خلاف ہو۔

آپ نے فرمایا۔ حدیث قرآن ہی کی مفسر ہوتی ہے۔ وہی حدیث قابل تسلیم نہیں ہوتی۔ جو قرآن کے خلاف ہو یا جس کی سند مخدوش ہو۔ میں نے جو احادیث سنائی ہیں۔ نہ تو یہ مخالف قرآن ہیں اور نہ ان کی سند میں کوئی خدشہ ہے۔

ویسے آیت بھی ہے۔

ارشاد باری ہے۔

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم ... وہ لوگ (مومن) ہیں جو بوقت خرچ نہ تو اسراف کرتے ہیں

یقتروا وکان بین ذلک قواما۔ — اور نہ بخل کرتے ہیں۔ ان دونوں کے بین بین ہی اعتدال ہے

دیکھئے اللہ نے آپ کے دعویٰ اور تبلیغ کے خلاف فرمایا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد قدرت ہے۔

ان اللہ لا یحب المسرفین۔ — اللہ اسراف کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اللہ نے جس طرح بخل سے منع فرمایا ہے اسی طرح اسراف سے بھی روکا ہے۔ بقول آپ کے جو کچھ اس وقت کسی کے پاس ہے اگر وہ اپنے پر ترجیح دے کے کسی کو دے دے، پھر اللہ سے دعائے رزق کرے تو نبی اکرمؐ سے مروی احادیث کے مطابق اللہ اس کی دعا قبول نہیں کرتا۔

آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ

اللہ میری امت کے چند افراد کی دعا قبول نہیں کرتا۔

ایسا شخص جو والدین کے لیے بددعا کرے

ایسا شخص جو کسی کو تحریر کے بغیر قرض دے اور مقروض انکار کر دے۔

ایسا شخص جو اپنی بیوی کے خلاف بددعا کرے۔

ایسا شخص جو گھر میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر دعائے رزق مانگے۔

ایسا شخص جسے اللہ وافر دولت دے اور وہ اسے خرچ کر کے دعا مانگے میرا اللہ مجھے رزق دے۔ جواب میں ارشاد قدرت ہے۔ کیا پہلے بھی میں نے ہی تجھے وافر دولت نہیں دی تھی؟ پھر تو نے کیوں میانہ روی سے خرچ نہ کیا؟ تو نے میرے حکم کے خلاف کیوں اسراف کیا ہے۔

ایسا شخص جو کسی فرد ارحام کے خلاف بددعا کرے۔

علاوہ ازیں اللہ نے خرچ کا طریقہ بھی تعلیم فرمایا ہے۔ اللہ یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ جو کچھ وہ دے اسے رات ہونے سے پہلے خرچ کر دو۔ اور صبح اس طرح ننگے ہو کر اٹھو کہ کسی سائل کو دینے کے لیے بھی کچھ نہ ہو۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ سائل نہ دینے پر ملامت اور مذمت کرے گا۔

اور مسئول عنہ پشیمان و نادم ہو گا۔

یہی درس ذات احدیت نے اپنے حبیب کو دیا ہے۔

لا تجعل یدک مغلولہ ولا تبسطھا کل البسط۔ — نہ تو اپنے ہاتھ باندھے رکھو۔ اور نہ ہی اپنی جیب کو خالی کرو۔

مقصد قدرت یہ ہے کہ مانگنے والے کبھی بھی کوئی عذر قبول نہیں کرتے۔ اگر آپ نے اپنی تمام جیب خالی کر دی تو آپ خود کف افسوس ملتے رہیں گے۔

یہ ہیں احادیث نبویہ جو مفسر قرآن ۔۔۔ ہیں قرآن کی تصدیق کرتی ہیں۔

آپ لوگ یہ جانتے ہیں کہ آپ جتنے بھی زاہد بن جائیں آپ کا زہد جناب سلمان اور جناب ابوذر سے کم ہی رہے گا!

انھوں نے کہا۔ ہاں۔

آپ نے فرمایا۔ جناب سلمان کو جب وظیفہ ملتا تھا۔ تو اپنے سال کے اخراجات الگ کر کے رکھ لیتے تھے۔

جب کسی نے آپ پر اعتراض کیا۔

کہ آپ اتنے معزز اور صحابی رسولؐ ہو کر بھی ایک سال کے اخراجات جمع کر کے رکھتے ہیں حالانکہ آپ کو ایک سانس کا بھی بھروسہ نہیں۔

آپ نے جواب دیا۔ بندہ خدا! جس طرح ہر لمحہ موت کا انتظار کرنا چاہیے اسی طرح ہر لمحہ زندگی کی امید بھی رکھنا چاہیے۔ موت کے خوف سے بھوکا مرنا چاہیے اور نہ زندگی کی امید میں ہزاروں برس کا ذخیرہ جمع کرنا چاہیے۔ جہاں اللہ نے طول عمر کی دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ وہاں اللہ نے یہ بھی اجازت دی ہے کہ طول عمر کی امید بھی رکھا کرو۔

جناب ابوذر کو دیکھئے۔ آپ کے پاس اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ تھے۔ مالدار تھے۔ بوقت ضرورت اپنے یہ مہمانوں کے لیے اور پڑوسیوں کے اونٹ تک نحر کر دیتے تھے۔ اور خود دوسروں جیسا حصہ لیتے تھے۔

اے دعا بھول کے پیروکارو! مجھے میرے باپ نے اپنے آباء کے ذریعہ نبی اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔

نعمات دنیا کے مقابلہ میں اگر مومن کے جسم کو قینچی سے کاٹا جائے تو اس کے لیے بدرجہا بہتر ہے۔

تم اپنے جسم کیوں نہیں کٹواتے۔

اگر ایک قاضی ایک شوہر کو حکم دیتا ہے کہ اپنی بیوی کے سال کے اخراجات ادا کرے۔ تو اب اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔

قاضی کو عادل کہو۔ یا ظالم

اگر ظالم کہوگے تو دنیا تمہیں ملامت کرے گی۔ اور اگر عادل کہوگے تو تم اپنے دعویٰ کے خلاف خود ہی گمراہ بن جاؤ گے کیونکہ بیوی کو سال کے اخراجات وہی ادا کر سکے گا جس کے اپنے پاس کچھ ہو گا۔

اگر بقول تمہارے سب لوگ تمہاری طرح زاہد بن جائیں تو یہ بتاؤ کہ خمس، زکوٰۃ، فطرہ اور دیگر صدقات کسے دیئے جائیں گے۔

اگر تمہارا دعوے زہد ہی درست مان لیا جائے اور کوئی شخص اپنے گھر میں کچھ بھی بچا کر نہ رکھے۔ اور جیسا کہ تم

تبلیغ کرتے ہو کہ حکم خدا ہی ہی ہے۔ تو پھر خداوند عالم نے ۔ یہ زکوۃ ۔ اور خمس وغیرہ کے احکام کر کی غلطیت ہیں
حضرت سلیمان جو کہ معصوم نبی تھے ۔ انہوں نے جب اللہ سے یہ سوال کیا کہ مجھے ایسی حکومت دے ۔ جیسی
پہلے کسی کو نہ دی ہو ۔ تمہارے بقول حضرت سلیمان نے ایسی حکومت مانگ کر اور اللہ نے ایسی حکومت دے کر
غلطی کی ہے۔

جب حضرت یوسف نبی معصوم نے شاہ مصر سے مطالبہ کیا تھا کہ حکومت کا تمام خزانہ میرے حوالے کر دے تمہاری تبلیغ
کے مطابق جناب یوسف نے بھی گویا غلطی کی تھا۔

جناب ذوالقرنین جسے اللہ نے مشرق سے مغرب کا حکمران بنا دیا تھا ۔ تمہارے بقول گویا اللہ نے غلط کیا تھا۔
دیکھو ! احکام خدا کو اپنی خواہشات کے مطابق نہ بدلو اپنی خواہشات کو احکام الٰہیہ کا تابع بناؤ۔

توحید پر مذاکرہ !

کافی میں ابو منصور سے مروی ہے کہ ایام حج میں ایک سال ابن ابو العوجاء ابو المقفع اور ابو العوجاء بیٹھے تھے
لوگ مصروف طواف تھے۔

ابو المقفع نے کہا ۔ یہ جتنے لوگ مصروف طواف ہیں ان میں اگر انسانیت ہے تو صرف اس شخص میں جو
وہ بیٹھا ہے ۔

ابو العوجاء نے کہا ۔ اس کی کیا وجہ ہے ۔

ابو المقفع نے کہا جو علم ، حلم ، شرافت ، متانت اور دیگر اوصاف اس میں ہیں یہ سب لوگ ان اوصاف
سے خالی ہیں ۔

ابو العوجاء نے کہا ۔ جب تک میں خود نہ آزماؤں اس وقت تک میں نہیں مانوں گا ۔

ابو المقفع نے کہا ۔ اگر تو اس کے پاس چلا گیا تو کہیں کا نہ رہے گا ۔ اس کی بات مانے گا نہیں اور اپنا عقیدہ چھوڑ
بیٹھے گا ۔ بہتر ہے اس کے پاس نہ جا۔

ابو العوجاء نے کہا ۔ میرا خیال ہے تو مجھے اس سے منع کر رہا ہے کہ تو نے جو اس کی تعریف کی ہے ۔ اب تجھے
ڈر لگ رہا ہے کہ اگر میں اس کے پاس چلا گیا تو وہ میری تعریف پر پورا نہیں اترے گا اور تجھے شرمندگی اٹھانا
پڑے گی ۔

ابو المقفع نے کہا ۔ اگر ایسی بات ہے تو جا لیکن خیال رکھنا اپنے نظریات پر ڈٹے رہنا۔
ابو العوجاء چلا گیا ۔ کافی دیر بعد واپس آیا ۔ تو کہنے لگا ۔۔۔ اگر چہ انس کا رنگ روپ ، شکل و صورت اور

نشست و برخاست انسانوں جیسی ہے لیکن میں اسے انسان ماننے پر تیار نہیں ہوں، یہ کوئی فرشتہ ہے۔ جو بشکل انسان بیٹھا ہوا ہے۔

ابو المقنع نے کہا۔ وہ کیسے؟

ابو العوجا نے کہا۔ جب میں اس کے پاس جا کر بیٹھا اور دیگر لوگ ایک ایک کر کے چلے گئے۔ جب صرف وہ اور میں رہ گیا۔ تو آپ کہنے لگے۔

اگر معاملہ اس طرح ہے جس طرح یہ طواف کرنے والے کہتے ہیں اور ہے بھی فی الواقع اسی طرح تو پھر یہ لوگ نجات پا جائیں گے۔ اور تم تو جہنمی بن جاؤ گے اور اگر معاملہ اس طرح ہوا جس طرح تم کہتے ہو۔ جب کہ اس طرح نہیں ہے تو پھر تم اور یہ لوگ برابر ہو گے۔

میں نے کہا۔ وہ کیا کہتے ہیں اور ہم کیا کہتے ہیں؟

مجھے تو کسی بات میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

اس نے کہا۔ تم دونوں مختلف نظریات رکھتے ہو۔ پھر بات ایک کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ طواف کرنے والوں کا عقیدہ ہے کہ یوم حشر ہو گا۔ حساب و کتاب ہو گا۔ ثواب و عقاب ہو گا۔ اور تم لوگ ان چیزوں سے انکار کرتے ہو۔

میں نے اسے حقیقت جان کر کہا۔ اگر بات ایسی ہی ہے جیسے یہ لوگ کہتے ہیں اور اللہ فی الواقع موجود ہے تو پھر وہ سامنے آ کر لوگوں کو اپنی دعوت خود کیوں نہیں دیتا تا کہ یہ اختلاف نہ رہیں۔

اس نے کہا۔ وجود باری علیحدہ معاملہ ہے۔ لوگوں کے اختلافات علیحدہ معاملہ ہیں۔ کیا اختلافات کو عدم وجود کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔

میں نے کہا۔ نہیں۔

اس نے کہا۔ اس ذات کو کیسے معدوم کہا جا سکتا ہے۔

جس نے تجھے نہ ہونے کے بعد وجود دیا۔

جس نے تجھے بچپنے کے بعد تجھے بڑا کیا۔

جس نے کمزوری کے بعد تجھے طاقتور بنایا۔

جس نے طاقتور بنانے کے بعد تجھے دوبارہ کمزور کیا۔

جس نے تندرستی میں تجھے بیمار کیا۔

جس نے بیماری میں تجھے صحت دی

جس نے غصہ میں تجھے ٹھنڈا کیا۔

جس نے اعتدال میں تجھے غصہ دیا۔

جس نے خوشی میں تجھے غم دیا۔
جس نے غم میں تجھے خوشی دی۔
جس نے بغض میں تجھے محبت دی۔
جس نے محبت میں تجھے عداوت دی
جس نے عاجزی میں تجھے عزم دیا۔
جس نے عزم میں تجھے عاجز کیا۔
جس نے ناپسندیدگی میں تجھے خواہش دی۔
جس نے خواہش میں تجھے ناپسندیدگی دی۔
جس نے خوف میں تجھے امن دیا۔
جس نے امن میں تجھے خوف دیا۔
جس نے مایوسی میں تجھے امید دلائی۔
جس نے امید میں تجھے مایوس کیا۔

اسی طرح میری ایک ایک وہ صفت گن چلا گیا۔ جو مجھ میں تھیں اور جن سے میں انکار نہیں کرسکتا تھا۔

ابو المقفع نے کہا: اب میری بات کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں۔

ابن العوجاء نے کہا: اس کے متعلق اب کبھی تجھ سے بات نہیں کروں گا۔ تیری بات سے میں کہیں زیادہ بھنے لگا ہوں۔

ارشاد مفید میں عباس ابن علی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ۔ ابن العوجاء ابن طالوت ابن اعمیٰ اور ابن مقفع اپنے دیگر نقاد کے ساتھ مسجد الحرام میں بیٹھے تھے۔ امام صادق بھی ایک گوشہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ مختلف لوگ اپنی ضرورت کے مسائل دریافت کر رہے تھے۔

ابن العوجاء کے ساتھیوں نے اس سے کہا۔ کیا اتنی ہمت ہے کہ علم و دانش کے اس پہاڑ سے ٹکرائے کہ آج سے اپنے چاہنے والوں کے سامنے شرمندگی ہو۔

ابن العوجاء نے کہا: یہ کونسی بڑی بات ہے۔ میرے ایک سوال کا جواب۔ کسی نہ دے سکے گا۔

ابن مقفع نے کہا۔ خدا جنس کے جانے یہ دوسرے مسلمان علماء سے مختلف ہے۔ اپنے دعوے کے مطابق علم نبوت کا وارث ہے۔ اور میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا۔ جس نے اسے لاجواب کیا ہو۔

ابن العوجاء۔ اٹھ کر آپ کے پاس چلا آیا۔ آپ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔
اسے دیکھ کر دوسرے تقریباً سب لوگ ادھر ادھر ہو گئے۔

ابوالعوجاء نے کہا: اے ابو عبداللہ سنا ہے آپ فرزند رسولؐ اور علم رسولؐ کے وارث ہیں۔ آپ کی بڑی علمی شہرت سنی ہے۔

چند ایک سوالات ہیں اگر نوازش فرمائیں۔

آپ نے فرمایا۔ اتنی تمہید کی کیا ضرورت تھی۔ جو پوچھنا ہے پوچھے

ابوالعوجاء نے کہا۔

یہ کیا تماشا ہے کہ ہر سال آپ لوگ اس گھر میں جمع ہوتے ہیں۔

اس بے جان پتھر کو بوسہ دینے کی خاطر ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہیں۔

پتھروں سے بنے ہوئے اس گھر کی پوجا کرتے ہیں۔

اس کے اردگرد اونٹ کی طرح دوڑ لگاتے ہیں۔

جو دانشمند بھی آپ کے ان مضحکہ خیز کاموں کو دیکھتا ہے ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ اس معاملہ میں ایک مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور آپ کے جد امجد اس کے بانیوں سے تھے۔ پھر ہمیں بھی بتائیں۔

آپ نے فرمایا۔ ابوالعوجاء، جو گمراہ ہو جاتا ہے۔ جو راستہ سے بھٹک جاتا ہے اور جس کا دل بے نور ہو جاتا ہے اسے ہر سنجیدگی میں مذاق، اور ہر دانش میں جہالت نظر آتی ہے۔

اگر تو اس سالانہ اجتماع کو امت مسلمہ کے عالمی مرکزی اجتماع کی نگاہ سے دیکھتا تو تجھے اپنی عقل پر رونا آتا۔

اللہ نے اپنی مخلوق کو آزمایا ہے کہ جو گھر بیٹھ کر میری توحید کا ذکر کرتے ہیں کیا وہ میرے حکم کی اطاعت میں گھر چھوڑ کر یہاں آتے ہیں یا نہیں آتے؟

جس مکان کو وہ اپنا قبلہ سمجھتے ہیں اس کی تعظیم کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟

تجھے کیا معلوم کہ اللہ نے اسے کب بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پھیلانے سے دو ہزار برس قبل خلق کیا تھا ایسی ذات کا حق ہے کہ جس بات سے روکے انسان رک جائے جس بات کا حکم دے انسان بجا لائے۔ اللہ ہی تو ہے جس نے ارواح و اشکال عالم کو پیدا فرمایا ہے۔

ابوالعوجاء نے کہا: اے جعفر آپ ایسی ذات کی بات کر رہے ہیں جو قطعاً غائب ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ذات باری کو بھلا کیسے غائب کہا جا سکتا ہے۔

جو اپنی مخلوق کا شاہد ہے۔

جو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔

جو ہر مخلوق کی ہر بات سنتا ہے۔
جو ہر مخلوق کے دل میں پوشیدہ رازوں سے واقف ہے۔
جس سے کوئی جگہ خالی نہیں اور جو کسی جگہ سما نہیں سکتا
جس کے لیے کوئی مکان دوسرے کی نسبت قریب نہیں۔
اس کے وجود ذات پر اس کے بے شمار شاہد نہیں۔
اس کے افعال ہر جگہ اس کے وجود کے گواہ ہیں۔
معاذ اللہ جس نے محمد جیسے نبی کو آیات و معجزات دے کر مبعوث کیا ہے۔
اس نبی مبعوث نے ہمیں ان عبادات کا حکم دیا ہے۔
اگر تجھے ان عبادات میں سے کسی عبادت کی معقولیت میں کوئی اشتباہ ہو تو مجھے بتا میں تیرا ہر اشتباہ دور کرنے کو تیار ہوں۔

ابن ابو العوجاء سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔
اپنے ایک دو ساتھی جو ساتھ لایا تھا انہیں لے کر اٹھ گیا۔
جب اس شیخ وغیرہ کے پاس پہنچا تو ان سے کہنے لگا کہ آپ لوگوں نے مجھے اس کا صحیح تعارف نہیں کرایا تھا۔

ابو العوجاء کے ساتھیوں نے کہا آج کے بعد کم از کم ہماری موجودگی میں کبھی واہیات لاف زنی نہ کرنا۔ آج ہم نے تجھے دیکھ لیا ہے۔ ہیں کم ہم سمجھ کر بات بات پر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ لیکن وہاں تو بھیگی بلی بنا بیٹھا ہوا تھا۔

ابو العوجاء نے طواف کرنے والے حجاج کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ تمہیں معلوم ہے یہ شخص اس داوے کا پوتا ہے جس کی فکر نے ان لاکھوں آدمیوں کو حج دیا ہے۔

احتجاج میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابو العوجاء نے امام صادقؑ سے حدوث عالم کی دلیل پوچھی،
آپ نے فرمایا۔ اگر تھوڑی سی فکر کی جائے تو بات بڑی آسان ہے۔ اور حدوث عالم از خود ثابت ہو جاتا ہے۔

ابن ابو العوجاء نے کہا۔
ہم تو فکر کر کے مر گئے لیکن ہماری سمجھ میں حدوث عالم نہ آسکا۔
آپ نے فرمایا۔ اچھا یہ بتا۔ کوئی چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو اگر اس کے ساتھ اسی جیسی اور چیز ملا دی جائے تو وہ پہلے کی نسبت دگنی ہو جائے گی یا نہیں۔

ابن ابو العوجاء نے کہا۔ ضرور ہو جائے گی۔

آپ نے فرمایا۔ چھوٹی حالت سے بڑی حالت میں بدل جانا۔ پہلی حالت سے انتقال اور تغیر ہے یا نہیں۔

ابن ابو العوجاء نے کہا۔ ظاہر ہے انتقال بھی ہے اور تغیر بھی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ بھلا کیا قدیم قابل انتقال و تغیر ہوتا ہے۔

جو چیز نہ ہونے کے بعد ہو سکتی ہے اور ہونے کے بعد معدوم ہو سکتی ہے وہ حادث ہے یا قدیم!

ابن ابو العوجاء نے کہا آپ نے یہ استدلال تو اشیاء کے اس تغیر سے لیا ہے جو ان کے حجم میں ہوتا ہے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ اس پورے عالم کی ہر ایک چیز کا حجم برابر ہے۔ اور ان میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے پھر آپ کیسے استدلال کریں گے؟

آپ نے فرمایا۔ اس وقت جو عالم ہمارے سامنے ہے۔ اس میں تو ہر نوع کی کچھ چیزیں چھوٹی اور کچھ بڑی ہیں ناں؟

ابن ابو العوجاء نے کہا۔ ہاں ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ جو عالم تو فرض کر رہا ہے وہ عالم اسی عالم کی جگہ رہے گا یا کہیں اور ہوگا؟

ابن ابو العوجاء نے کہا۔ اسی عالم کی جگہ رہے گا۔

آپ نے فرمایا۔ اپنا جواب تو نے خود دے دیا ہے۔ یہ عالم کے موجودات میں کمی بیشی ہے۔ جب معدوم ہو جائے گا تو گویا حادث تھا۔ جبھی معدوم ہوا اگر قدیم ہوتا تو معدوم نہ ہوتا۔ اور جو عالم اس کی جگہ رہے گا وہ پہلے معدوم تھا۔ بعد میں موجود ہوا۔ وہ بھی حادث ہو گیا۔ اگر قدیم ہوتا تو پہلے معدوم نہ ہوتا۔

علاوہ ازیں اگر اس نکتہ کو چھوڑ کر تیری منشا کے مطابق بات کی جائے اور فرض کر لیا جائے کہ ایک عالم ازل سے ہے اور اس کے ہر موجود کا حجم چھوٹا ہے ان میں کوئی کمی بیشی نہیں۔ تو کیا ہر مفکر یہ سوچ نہیں سکے گا کہ اگر ان موجودات میں سے ہر موجود کے ساتھ اسی جیسا اور موجود ملا دیا جائے تو اس کا حجم بڑھ جائے گا۔؟

ابن ابو العوجاء نے کہا ایسا سوچا جا سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جب اس طرح سوچا جا سکتا ہے تو پھر اس کے ساتھ یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ ان کو حجم اشیاء کے ساتھ جب کوئی چیز ملائی جائے گی تو ان کا حجم بڑھ جائے گا۔ اور جب بھی تغیر جائز ہوگا۔ حدوث اشیاء ثابت اور مسلم ہوگا۔

عبداللہ دیصانی کا اسلام!

اصول کافی کے مطابق عبداللہ دیصانی اپنے وقت میں دہریت کا بہت بڑا مبلغ تھا۔ اس نے کافی مسلمانوں کو راہ حق سے بھٹکایا۔

ایک مرتبہ امام صادقؑ کے شاگرد عزیز ہشام ابن حکم سے کہنے لگا۔

کیا آپ کا خدا قادر ہے؟

ہشام نے کہا۔ اس میں کیا شک ہے یقیناً وہ قادر ہے۔

عبداللہ نے کہا۔ کیا اللہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ پورے ارض و سماء کو ایک انڈے میں محدود کرے بشرطیکہ نہ انڈے کا وجود بڑھے اور نہ کائنات کا وجود گھٹے؟

ہشام خاموش ہو گیا۔ اور کہا۔ مجھے جواب کے لیے مہلت دے۔

عبداللہ نے کہا۔ تجھے ایک برس کی مہلت ہے۔

کچھ دنوں بعد ہشام مدینہ آیا۔ اور امام صادقؑ سے وہی سوال کیا۔

آپ نے فرمایا۔ ہشام کتنا آسان جواب ہے۔

ہشام نے عرض کیا۔ قبلہ آپ کے لیے تو آسان ہے ہی۔ اگر میرے لیے بھی آسان ہوتا تو میں یقیناً آپ کو تکلیف نہ دیتا۔

آپ نے فرمایا۔ تیرے حواس خمسہ میں سے خوردتر کون سا حس ہے؟

ہشام نے عرض کیا۔ حضور آنکھ۔

آپ نے فرمایا۔ آنکھ کا جو حصہ دیکھتا ہے اس کا حجم کتنا ہوگا؟

ہشام نے عرض کیا۔ زیادہ سے زیادہ نصف دانہ مسور کے برابر۔

آپ نے فرمایا۔ ذرا اوپر نیچے دیکھ کے بتا کیا دیکھتا ہے۔

ہشام نے اوپر نیچے دیکھ کے عرض کیا۔ قبلہ زمین اور آسمان۔

آپ نے فرمایا۔ یہ اتنا بڑا آسمان تیری آنکھ کی پتلی میں سما گیا ہے۔

ہشام نے عرض کیا۔ قبلہ سما گیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تیری آنکھ کی پتلی پھیل گئی تھی یا آسمان سکڑ گیا تھا۔

ہشام نے عرض کیا۔ قبلہ نہ آنکھ کی پتلی پھیلی ہے اور نہ آسمان سکڑا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جو اللہ اس بات پر قادر ہے کہ انڈے سے کمتر چیز میں ارض و سما کو سمو دے اور ارض و سما میں

پتھلا پتلی رہے تو عبداللہ نے ہیں کائنات سمجھ سکنے پر کیوں قادر نہیں۔

ہشام واپس کوفہ آیا۔ عبداللہ دیصانی ملاقات کو آیا۔ اور کہنے لگا۔

میں صرف ملاقات کو آیا ہوں۔ ابھی وہ مدت باقی ہے جو میں نے دی تھی۔ جواب مانگنے نہیں آیا۔

ہشام نے کہا خواہ تو جواب نہ بھی مانگے میں از خود تجھے جواب دے رہا ہوں۔

جب ہشام نے عبداللہ کو جواب دیا۔

تو عبداللہ نے کہا۔

ہشام ایمان سے بتانا۔ کیا یہ جواب تیرا ہے۔

ہشام نے کہا۔ میں نے آل محمدؐ کی ولایت تسلیم کی ہوئی ہے۔ اگر تو ایمان کا واسطہ نہ بھی دیتا تو بھی میں سیدھی بات بتاتا کہ یہ جواب میرا نہیں ہے۔ صادق آل محمدؐ کا بتایا ہوا ہے۔

عبداللہ وہاں سے اٹھا اور اپنے چند حواریوں کو لے کر مدینہ آیا۔

امام صادقؑ کی خدمت کی اور کہا۔

مجھے وجود خالق کی دلیل دیجئے۔

آپ نے فرمایا تیرا نام کیا ہے۔

یہ سنکر عبداللہ بغیر جواب دیئے اٹھ کھڑا ہوا اور باہر چلا آیا۔

حواریوں نے پوچھا۔ کیا بات ہو گئی تھی۔ جعفرؑ نے تجھ سے نام پوچھا۔ اور تو کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ کر چلا آیا۔

عبداللہ نے کہا۔ اگر جعفر مجھ سے پوچھ لیتا کہ وہ کون اللہ ہے جس کا تو بندہ ہے تو بھلا میرے پاس کیا جواب تھا!

حواریوں نے کہا۔ اگر ایسی بات ہے تو آئیے پھر واپس چلتے ہیں اور آپ امام صادقؑ سے کہیں کہ میرا نام پوچھے بغیر وجود خالق کی دلیل دیجئے۔

عبداللہ کی ہمت بندھی۔ وہ واپس آیا۔ اور کہنے لگا آپ میرا نام پوچھے بغیر وجود خالق ثابت کریں۔

آپ نے ادھر ادھر دیکھا ایک بچے کے پاس انڈا تھا۔ آپ نے بچے سے فرمایا۔ چند منٹ کے لیے یہ انڈا مجھے دے دیں۔

بچے نے انڈا دیا۔ آپ نے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔

عبداللہ دیکھ رہا ہے۔ اس انڈے پر کتنا سخت غلاف ہے۔ اس خول کے نیچے ایک بتلا ہوا سونا اور دوسری بہتی ہوئی چاندی ہے نہ سونا چاندی میں ملتا ہے۔ اور نہ چاندی سونے میں ملتی ہے۔ اس میں کوئی ایسی راہ نہیں جس کے ذریعہ

ہمیں اس کے باطن کا پتہ چل سکے کہ گندا ہے یا صحیح۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس سے نر پیدا ہوگا یا مادہ۔ پھر اسی سونے اور چاندی سے رنگا رنگ پرندے جنم لیتے ہیں۔

اب تو ہی بتا کیا اس کا کوئی مدبر ہے یا نہیں؟

عبداللہ نے کچھ دیر کے لیے سر جھکایا۔ پھر کہنے لگا۔ اشهد ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله وانك حجة الله على الخلق حقا میں اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کرتا ہوں۔

زندیق سے مناظرہ!

احتجاج طبرسی میں مروی ہے کہ ایک زندیق نے امام صادقؑ سے سوال کیا۔

آپ لوگ ایسے معبود کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نظر نہیں آتا۔

آپ نے فرمایا۔ ہم معبود کو نور ایمان سے دیکھتے ہیں۔

ہماری عقل ہمارے معبود کو دلائل سے ثابت کرتی ہے۔ ہماری آنکھیں آثار معبود دیکھتی ہیں۔ انبیاء نے ہمیں ہمارے معبود کے وجود کی اطلاع دی ہے۔

زندیق نے کہا۔ کیا آپ کا معبود اتنی عظیم تر قدرت کے ہوتے ہوئے کیا اس بات پر قادر نہیں کہ وہ آپ کے سامنے آجائے اور آپ لوگ اسے دیکھ کر اس کی عبادت کریں۔

آپ نے فرمایا۔ جو چیز محال ہو اس کا جواب نہیں ہوا کرتا۔

زندیق نے کہا۔ اگر ظہور خدا محال ہے اور محال کا جواب نہیں ہوتا تو پھر انبیاء کی بعثت کیسے ثابت ہو سکتی ہے!

آپ نے فرمایا۔ ہاں بعثت انبیاء کا ثبوت واضح ہے۔ کیونکہ جو ذات اتنی عظیم ہو کہ مخلوق اس کے ظہور کی متحمل نہ ہو تو اس کے ایسے سفراء ہونا چاہئیں جو خالق اور مخلوق کے مابین رابطہ ہوں۔ خالق کی طرف سے وہ مخلوق کو اللہ کے وہ احکام پہنچائیں جن میں ان کی زندگی ہو۔ اور انہی سفراء کا نام انبیاء ہے۔ ان کی بعثت ان کی صداقت۔ امانت۔ دیانت۔ اور ایسے معجزات سے ثابت ہوتی ہے جن کی مثل مخلوق کا کوئی دوسرا فرد نہیں بجا لا سکتا۔ مثلاً مادرزاد نابینا کو بینا کرنا۔ مردہ کو زندہ کرنا۔ لکڑی کا جاندار سانپ میں بدل دینا وغیرہ۔

ہمارا صرف عقیدہ ہی نہیں بلکہ قانون فطرت ہے کہ روئے ارض حجت خدا سے خالی نہیں رہ سکتی۔ انبیاء کے بعد انبیاء ہی کی پاکیزہ نسل سے دین خالق کے وارث رہے ہیں۔ جو انبیاء کے قائم مقام رہے ہیں اور امت نبی کو تبلیغ دین کرتے رہے ہیں۔

زندیق نے کہا۔ اگر ہر دور میں ہر نبی کے بعد اس کی پاکیزہ اولاد میں سے ایسے افراد رہے ہیں جو نیابت نبی میں احکام خدا کی تبلیغ کرتے رہے ہیں تو پھر یہ اختلافات کیوں ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ کسی دور میں بھی اختلاف توحید۔ نبوت۔ اور قیامت میں نہیں رہا۔ اختلاف صرف بعد از نبی معرفت حجت میں رہا ہے۔ کچھ لوگ حجت خدا کی معرفت حاصل کر کے اس سے صراط مستقیم کا درس حاصل کرتے رہے ہیں اور کچھ لوگوں نے من مانی کر کے حجت خدا کی جگہ خود لے لی۔ جس کا نتیجہ امت کی گمراہی ہوا۔

زندیق نے کہا۔ پھر ایسی حجت خدا کا کیا فائدہ۔ جو لوگوں کو اپنا آپ نہ منوا سکے!

آپ نے فرمایا۔ حجت خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ اقتدار کی لاٹھی اس کے ہاتھ میں، حجت خدا کے لیے تحفظ دینا ضروری ہے اور یہ کام اقتدار کے بغیر بھی ہوتا رہتا ہے۔ کچھ افراد ہر طور ایسے رہتے ہیں جو حجت خدا سے احکام اسلام لے کر لوگوں کو بتاتے رہتے ہیں۔

زندیق نے کہا۔ یہ بتائیے کہ اللہ نے عالم کو کس شئی سے پیدا کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ لاشئی سے۔

زندیق نے کہا۔ بھلا لاشئی سے کوئی شئی کیسے خلق کی جا سکتی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ دو ہی صورتیں ہیں۔

یا تو اللہ نے عالم کو شئی سے پیدا کیا اور یا لاشئی سے۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ اللہ نے شئی سے پیدا کیا ہے۔ تو پھر ہمیں اس شئی کو قدیم ماننا ہوگا۔ وہ حادث نہ رہے گی۔ اگر ہم قدیم مان لیں تو پھر ہمیں یہ بھی ماننا ہوگا کہ چونکہ قدیم میں تغیر نہیں ہوتا۔ اور قدیم پر عدم طاری نہیں ہوتا۔

پھر ہمیں اس شئی کے متعلق یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ جوہر واحد ہوگی۔ جب ہم جوہر واحد مان لیں گے تو پھر ہمیں اس کا رنگ بھی ایک ہی ماننا ہوگا۔ جب رنگ ایک مان لیں گے تو پھر ہمیں سوچنا ہوگا کہ یہ مختلف رنگ اور مختلف جوہر کیسے پیدا ہوئے۔

اگر اس شئی اول کو ہم مردہ مان لیں تو ہمیں سوچنا ہوگا کہ یہ زندگی کہاں سے آئی ہے!

اگر اس شئی کو زندہ مان لیں تو ہمیں غور کرنا ہوگا کہ موت کہاں سے ٹپک پڑی ہے۔

نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عالم ایک میت سے وجود میں آیا ہے۔ کیونکہ میت کوئی چیز وجود میں نہیں لا سکتی۔

زندیق نے کہا۔ پھر یہ ازلیت اشیاء کا عقیدہ کیسے آیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ یہ ان لوگوں کا باطل نظریہ ہے جو اللہ اور انبیاء کے منکر ہیں۔

زندیق نے کہا۔ جب اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے تو پھر اس نے یہ عالم کیوں پیدا کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اپنی حکمت۔ صنعت اور تدبیر کے اظہار کی خاطر۔

زندیق نے کہا: تمام انسانوں کو ایک جیسا صالح کیوں نہیں بنایا۔

آپ نے فرمایا: اپنی مخلوق کے امتحان کی خاطر۔

زندیق نے کہا: اگر آپ کے بقول اللہ اتنا قادر ہے تو پھر اس نے ابلیس اپنے دشمن کو کیوں معاف کر رکھا ہے۔ اور اسے اتنے وسیع وسائل کیوں دیئے جن کی بدولت وہ مخلوق خدا کو گمراہ کرتا پھرتا ہے؟

آپ نے فرمایا: اللہ نے ابلیس کو عداوت کے لیے نہیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ابلیس اللہ کا دشمن نہیں ہے۔

انسان کا دشمن ہے۔ اللہ نے سجدہ آدم کا حکم ابلیس کے امتحان کی خاطر دیا تھا۔ جب وہ اس میں پورا نہ اترا تو اللہ نے اسے ملعون قرار دے دیا۔ اور اولاد آدم کو آگاہ کر دیا ہے کہ میری راہ سے تمہیں ابلیس ہی بھٹکائے گا

زندیق نے کہا: کیا کسی غیر اللہ کو سجدہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا: نہیں۔

زندیق نے کہا: جب کسی غیر اللہ کو سجدہ ناجائز ہے۔ تو اللہ نے سجدہ آدم کا حکم کیوں دیا

آپ نے فرمایا: سجدہ اطاعت کا مظہر ہے۔ مقصد تو صرف یہ دیکھنا تھا کہ آیا۔ ابلیس واقعی اطاعت کرتا ہے یا ویسے ہی چوہدری بنا ہوا ہے۔

اگر حکم خدا سے سجدہ کر لیتا تو وہ سجدہ فی الواقع اللہ ہی کا ہوتا۔

زندیق نے کہا: یہ علم کہانت کیا بلا ہے جس کی بدولت کاہن اپنے سائل کا ماضی کھنگال ڈالتا ہے اور مستقبل کی خبریں بھی دیتا ہے۔

آپ نے فرمایا: کہانت کے مختلف پہلو ہیں۔ ان میں قدر مشترک صرف یہ ہے کہ کاہن کے قبضہ میں کچھ جنات ہوتے ہیں۔

جنات سائل کے ماضی اور مستقبل سے آگاہ کرتے ہیں۔ لیکن کاہن کی ہر بات سچی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کا ماخذ علم حقیقی نہیں ہوتا۔

کاہن بعض اوقات سچ کہتے ہیں۔ اور اکثر اوقات جھوٹ بکتے ہیں۔

زندیق نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض لوگ مالدار امیر ہوتے ہیں اور بعض لوگ پیدائشی طور پر محتاج ہوتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: اس کے متعدد اسباب ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ نے دولت مند کو دولت دے کر آزمایا ہے کہ وہ میری راہ میں میرے احکام کے مطابق خرچ کرتا ہے یا نہیں۔ اور نادار کو تنگ دستی میں آزمایا ہے کہ میرے احکام کے مطابق صبر و شکر کرتا ہے یا نہیں۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دولت مندوں کو اللہ نے دنیا میں کچھ دے دیا ہے جو ناداروں کو آخرت میں دے گا۔
تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ نے ظرف کے مطابق دیا۔ جس میں جتنی قوت برداشت تھی اسے اتنا دیا ہے۔
زندیق نے کہا۔ بعض اوقات شیر خوار۔ خورد سال اور نابالغ بچے بڑی مہلک بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں حالانکہ نہ تو ان سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے۔ جس کی انہیں سزا دی گئی ہو اور نہ کوئی دوسری ایسی بات ہوتی ہے پھر وہ بیچارے عذاب مرض میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

بیماری کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔

بعض امراض از راہ امتحان ہوتی ہیں۔

بعض امراض بطور سزا ہوتے ہیں۔

اور بعض امراض مقدمہ موت ہوتے ہیں۔

لیکن آپ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ امراض کی غفلت سے بچہ بیمار ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ارسطو۔ افلاطون اور جالینوس جیسے ماہرین طب کیوں مر جاتے۔ کیا انہوں نے یہ بھی اپنی صحت کے معاملہ میں کوئی غفلت کی تھی۔ ہر مرض کا ایک سبب ہوتا ہے اور وجہ۔ بچہ کی بیماری بعض اوقات موت کا مقدمہ ہوتی ہے۔

بعض اوقات والدین کی سزا ہوتی ہے۔

اور بعض اوقات والدین کا امتحان ہوتی ہے۔

زندیق نے کہا۔ کیا اللہ کو اس عالم میں کسی سے کوئی خوف یا ڈر ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہرگز نہیں۔

زندیق نے کہا۔ پھر یہ درندے اللہ نے کس لیے پیدا کیے ہیں۔ یہ سانپ اور بچھو کس لیے خلق کیے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ کیا تو طبیب نہیں ہے۔

زندیق نے کہا۔ طبیب ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ کیا تیری حکمت بچھو درد شانہ۔ اور سنگ مثانہ کے لیے سود مند نہیں ہے؟ کیا جو لوگ بستر پر نیند میں پیشاب کر دیتے ہیں ان کے لیے بچھو فائدہ نہیں ہے؟ کیا افضل تریاق زہر سانپ کا گوشت نہیں ہے کیا مرض جذام کا آخری اور قطعی علاج سانپ کا گوشت نہیں ہے۔

زندیق نے کہا۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔ ایسا ہی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جو درندے تجھے بے فائدہ نظر آتے ہیں یہ سب اپنے مقام حکمت الہیہ کی صنعت اور سود مند ہیں تجھے ان کی طرف نقصانات معلوم ہوتے ہیں۔ فوائد سے تو بے خبر ہے۔ لیکن تیری ناواقفیت اس بات کی دلیل نہیں کہ ان

میں فوائد ہی نہیں ہیں۔

زندیق نے کہا۔ اللہ کم از کم ایک سو سال بعد مرنے والے میں سے کسی کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر دیتا تاکہ وہ اگر زندوں کو وہاں کے حالات سے آگاہ کرتا ہے۔ اور لوگ گمراہی سے بچ جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا اور تو اللہ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے۔ جو لوگ اللہ کی بات نہیں مانتے وہ مرنے کے بعد زندہ ہونے والوں کو بھی نہ مانتے اور۔

شاید ایسا ہوتا ہے۔ اصحاب کہف تین سو برس بعد زندہ ہوئے۔ ان کی بات کسی نے نہیں مانی۔ خلب ارمیا ایک سو برس بعد زندہ ہوئے۔ ان کی بات بھی کسی نے نہیں مانی۔

زندیق نے کہا۔ یہ زرتشت کیا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ زرتشت نے دعوائے نبوت کیا تھا۔ بعض لوگوں نے اسے نبی مان لیا تھا۔ اور بعض نے اس کی نبوت سے انکار کر دیا تھا۔ اسے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اور جنگل میں درندوں نے اسے اپنی غذا بنالیا۔

زندیق نے کہا۔ اسلام سے پہلے عرب دین کے زیادہ قریب تھے یا مجوسی؟

آپ نے فرمایا۔ عرب زیادہ قریب تھے۔ کیونکہ مجوسی تمام انبیاء کے منکر تھے۔ اور تمام الہامی کتب کے منکر تھے۔

مجوسی حکمران کیخسرو نے تین سو انبیاء کا قاتل تھا۔

مجوسی غسل جنابت نہیں کرتے۔

جاہلیت کے عرب غسل جنابت کرتے تھے۔

مجوسی ختنہ نہیں کرتے تھے۔

جبکہ عرب کے بعض قبائل میں ختنہ رائج تھا۔

مجوسی مردوں کو جنگل میں پھینک آتے تھے جب کہ عرب دفن کرتے تھے۔

مجوسی، ماں، بیٹی، بہن غرض بلا تمیز تمام محرمات کو جائز سمجھتے تھے جب کہ عرب کے بعض قبائل ان رشتوں سے نکاح حرام سمجھتے تھے۔

مجوسی کعبہ کو بیت الشیطان کہتے تھے جبکہ عرب اسے بیت اللہ تسلیم کرتے تھے۔

زندیق نے کہا۔ مجوسیوں کے نزدیک بہن سے نکاح کی دلیل ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کونسی دلیل۔

زندیق نے کہا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم کا سلسلہ نسل بہن اور بھائی کے نکاح سے چلا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ غلط کہتے ہیں۔ نسبی محرمات حضرت آدم سے قیامت تک ہر نبی کی شریعت میں ہی حرام رہے ہیں۔

زندیق نے کہا۔ اللہ نے شراب کو کیوں حرام کیا ہے؟

آپ نے فرمایا۔ شراب ام الخبائث ہے۔ شرابی اتنا مسلوب العقل ہو جاتا ہے کہ اسے نہ اس کا خیال رہتا ہے نہ بہن کا۔ نہ اللہ کی فکر ہوتی ہے۔ نہ حرام و حلال، نہ صلح کا خیال کرتا ہے نہ امن کا۔ شرابی باگ ڈور پوری طرح شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ جدھر شیطان چاہتا ہے ادھر مڑتا ہے۔

زندیق نے کہا۔ خون کھانا کیوں حرام ہے؟

آپ نے فرمایا۔ جذام کے اسباب میں سے ایک اہم سبب خون کھانا ہے۔ خون کھانے سے انسان کا رنگ بدل جاتا ہے۔ دل سخت ہو جاتا ہے۔ جسم میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔

زندیق نے کہا۔ پیچھے کھانا کیوں حرام ہے۔

آپ نے فرمایا۔ پیچھے کھانا بھی جذام پیدا کرتا ہے۔

زندیق نے کہا۔ مردار کھانا کیوں حرام ہے۔

آپ نے فرمایا۔ مردار کا خون نکلنے کی بجائے اس کے جسم میں جم جاتا ہے۔ اور جو بداثرات خون خوری سے ہوتے ہیں وہ تمام اثرات مردار خوری سے ہو سکتے ہیں۔

زندیق نے کہا۔ مچھلی بھی تو مردار ہوتی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ نہیں مچھلی مردار نہیں ہوتی۔ کیونکہ مچھلی کی تکبیر اس کا پانی سے باہر اپنی موت مرنا ہوتی ہے۔ پانی سے باہر مچھلی کے تڑپنے سے اس کے تمام مضر اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مچھلی میں خون نہیں ہوتا۔

زندیق نے کہا۔ زنا کیوں حرام ہے۔

آپ نے فرمایا۔ زنا سے میراث۔ اور صلہ رحمی جو انسانی معاشرہ کی جان ہے ختم ہو جاتے ہیں۔ زنانہ عورت کو نہیں معلوم ہوتا کہ حمل کس کا ہے۔ اور نہ بچے کو معلوم ہوتا ہے کہ میرا باپ کون ہے۔

زندیق نے کہا۔ ہم جنسی کیوں حرام ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہم جنسی سے نسل انسانی کے منقطع ہونے کا یقین ہے۔ جب مرد مرد پر گزارا کرے اور عورت کا ضرورت محسوس نہ کرے۔ تو نسل انسان کیسے بڑھے گی۔

زندیق نے کہا۔ جب انسان اپنی بیوی سے مباشرت کرتا ہے تو پھر غسل جنابت کیوں واجب ہے جب کہ جائز اور حلال کام ہے۔

حلال میں تو نجاست نہیں ہونا چاہیے تھی۔

آپ نے فرمایا۔

مرد کے لیے جنابت بالکل اسی طرح ہے جس طرح عورت کے لیے ماہواری ہے۔ منی خون سے مختلف رنگ کی ہوتی ہے۔ لیکن فی الواقع خام خون ہی ہوتی ہے۔ جماع اسی وقت ہوتا ہے جب انسان کی شہوت اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ جب مرد فارغ ہوتا ہے تو پورا جسم غلبہ شہوت کے کم ہونے سے سانس لیتا ہے۔ اگر مرد خیال کرے تو اسے اپنی سانس سے بھی بدبو کی محسوس ہوگی اس لیے ضروری ہے کہ انسان پورے بدن سے اٹھنے والی بدبو کو غسل سے ختم کرے۔

زندیق نے کہا۔ نبی افضل ہوتا ہے یا ملک۔

آپ نے فرمایا۔ نبی۔

زندیق نے کہا۔ جب اللہ ہر ایک ظاہر و باطن اور اعمال سے واقف ہے تو پھر اس نے ہر انسان کے ساتھ اس کے اعمال نوٹ کرنے کی   کو کیوں مقرر کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ چونکہ انسان طبعاً اپنے اعمال کی تحریر سے گھبراتا ہے اس لیے اللہ نے ملائکہ مقرر کر دیئے ہیں تاکہ انسان اعمال میں محتاط رہے اور قیامت کے دن ملائکہ بطور گواہ پیش ہوں۔

زندیق نے کہا۔ کیا ایمان اور کفر کے مابین کوئی تیسرا مقام بھی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ نہیں۔

زندیق نے کہا ایمان اور کفر کی تعریف کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ایمان اللہ کو نہ دیکھتے ہوئے اس طرح ماننا جس طرح وہ نظر آ رہا ہے۔ اور کفر انکار توحید ہے۔

زندیق نے کہا شرک کیا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ شرک اللہ کریم کے ساتھ کسی کو شریک عبادت کرنے کا نام شرک ہے۔

زندیق نے کہا۔ کیا عالم بھی جاہل ہو سکتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جس چیز کا عالم ہوگا اس نسبت سے عالم اور جس چیز سے جاہل ہوگا اس نسبت سے جاہل کہا جائے گا۔

زندیق نے کہا۔ سعادت اور شقاوت کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ جو چیز باعث نجات ہو وہ سعادت اور جو چیز باعث ہلاکت ہو شقاوت کہلاتی ہے۔

زندیق نے کہا۔ قیامت لوگ برہنہ محشور ہوں گے۔

آپ نے فرمایا۔ کفن لباس ہوگا۔

زندیق نے کہا۔ کفن تو گل سڑ اور خاکستر ہو چکے ہوں گے۔

آپ نے فرمایا۔ جو ذات جسم کو زندگی دے سکتی ہے۔ کیا اس کے لیے کفن کو زندگی دینا کون سا مشکل کام ہے۔

زندیق نے کہا۔ جن لوگوں کو دنیا میں کفن نصیب ہی نہیں ہوتا۔

آپ نے فرمایا۔ ان کے لباس کا انتظام اللہ خود کرے گا۔

زندیق نے کہا۔ کیا لوگ صف بستہ محشور ہوں گے!

آپ نے فرمایا۔ ہاں ہر نبی کی امت کی ایک صف ہوگی اور ایک لاکھ چوبیس ہزار صفیں ہوں گی۔

زندیق نے کہا۔ کیا اعمال تولے جائیں گے۔

آپ نے فرمایا۔ تولنا وہ ہے جس کو علم نہ ہو۔ اللہ عالم ہے اسے میزان کی ضرورت نہیں۔

زندیق نے کہا میزان کے کیا معنی ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ عدل۔

زندیق نے کہا۔ آپ کے قرآن میں ایک آیت ہے۔ جس کا معنی ہے۔ جس کا پلڑا بھاری ہوگا وہ خوشگوار زندگی بسر کرے گا اور جس کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔ اس کا مفہوم کیا ہوگا!

آپ نے فرمایا۔ جس کا ایمان پختہ ہوگا اور اعمال صالحہ کامل ہوں گے ترازوئے عدل میں اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔ اور جن کا ایمان ناپختہ ہوگا اور اعمال صالحہ میں نقص ہوگا۔ میزان عدل میں ان کا پلڑا ہلکا ہوگا۔

زندیق نے کہا سنا ہے اہل جنت کے سامنے جو باغات ہوں گے اگر جنت کا باسی ایک پھل توڑے گا تو اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل لگ جائے گا۔

کیا یہ حقیقت ہے!

آپ نے فرمایا۔ بالکل حقیقت ہے۔

زندیق نے کہا۔ مجھے سمجھائیں۔

آپ نے فرمایا۔ جنت کا درخت چراغ کی مانند ہوگا۔ جس طرح ایک چراغ سے لاکھوں چراغ جلائے جا سکتے ہیں۔ لیکن اصل چراغ میں کوئی کمی نہیں ہوتی اسی طرح اشجار جنت پر سے بھی جب ایک پھل توڑ لیا جائے گا۔ تو اس کی جگہ دوسرا پھل لگ جائے گا۔

زندیق نے کہا سنا ہے جنت میں کھانا پینا تو ہوگا۔ لیکن رفع حاجت کی حاجت نہیں ہوگی۔ کیا یہ سچ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ ہاں پکا ہے۔ جس طرح بچہ شکم مادر میں کھاتا پیتا ہے۔ لیکن بول و براز نہیں کرتا۔

زندیق نے کہا۔ عرش بڑا ہے یا کرسی؟

آپ نے فرمایا عرش بڑا ہے۔

زندیق نے کہا۔ پہلے دن پیدا ہوا یا رات؟

آپ نے فرمایا۔ پہلے دن پیدا ہوا بعد میں رات۔ پہلے زمین پیدا ہوئی بعد میں رات۔ اور پہلے سورج پیدا کیا پھر چاند۔

تلامذہ امام صادقؑ کے مناظرے

امام صادقؑ نے اپنی علمی خدمات میں اپنے شاگردوں کو مخصوص علوم و فنون میں اتنا ماہر کر دیا تھا۔ کہ ہر شاگرد ایک مخصوص فن میں ماہر تھا۔

رجال کشی اور اصول کافی کے مطابق شام سے ایک شخص مدینہ آیا۔

امام صادقؑ کو سلام کیا۔

آپ نے سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا کیسے آنا ہوا ہے۔

شامی نے کہا۔ میں نے سنا ہے۔ کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں کہ آپ سے جو سوال بھی کیا جائے آپ اس کا جواب دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ حمران سے بات کرے۔

شامی نے کہا میں آپ سے گفتگو کی خاطر آیا ہوں۔ اور آپ مجھے حمران کے سپرد کر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اگر تو نے حمران کو لاجواب کر دیا تو یوں سمجھ کہ مجھے لاجواب کر دیا۔

حمران نے پوچھا۔ کس موضوع پر بات کرے گا؟

شامی نے کہا قرآن پر۔

کافی دیر تک قرآن پر مذاکرہ ہوتا رہا جب شامی نے دیکھا کہ حمران اس موضوع پر قابو نہیں آ رہا تو۔

شامی نے کہا۔ میں عربی ادب پر گفتگو کروں گا۔

امام صادقؑ نے ابان ابن تغلب سے فرمایا۔
اب تم بات کر۔
جب شامی نے ابان کو عربی ادب میں ماہر دیکھا تو کہنے لگا میں فقہ پر بات کرنا چاہوں گا۔
امام صادقؑ نے زرارہ سے فرمایا۔ شامی سے گفتگو کر۔
جب شامی نے دیکھا کہ فقہ میں زرارہ پیچ نہیں ہو رہا تو کہنے لگا۔ میں علم کلام میں مذاکرات کروں گا۔
امام صادقؑ نے مومن طاق سے فرمایا۔
اس موضوع پر تو گفتگو کر۔
جب شامی نے مومن طاق کو علم کلام میں طاق دیکھا تو کہنے لگا اب میں امامت کی بات کروں گا۔
امام صادق نے ہشام ابن حکم سے فرمایا۔ اس موضوع پہ تجھے گفتگو کرنا ہوگی۔ شامی سے فرمایا۔ سے بات کر۔
شامی نے کہا۔ مناسب ہوگا اگر اس مسئلہ کی ابتداء ہشام کرے۔
ہشام نے کہا۔ ٹھیک ہے۔ آپ بتائیں کہ اپنی مخلوق کی مشکل ونکر سے اللہ زیادہ واقف ہے یا مخلوق خود
شامی نے کہا۔ اللہ زیادہ واقف ہے۔
ہشام نے کہا۔ اللہ نے اپنی مخلوق کو راہ ہدایت دکھانے کا کیا طریقہ کیا ہے۔
شامی نے کہا۔ اللہ نے انبیاء بھیجے ہیں۔ تاکہ ہمارے درمیان کسی مسئلہ پر اختلاف و تنازع ہو تو انبیاء ہمارے اس تنازع کو ختم کرسکیں۔
ہشام نے کہا۔ ہمارے نبی کے بعد اللہ نے کیا کیا؟
شامی نے کہا۔ اب ہمارے پاس کتاب خدا اور سنت نبوی ہے۔
ہشام نے کہا۔ کیا قرآن سنت نے رفع اختلاف کا مطلوبہ فائدہ دیا ہے۔
شامی نے کہا۔ ہاں ہمارے درمیان اختلافات کو ختم کرنے کا کام کیا ہے۔
ہشام نے کہا۔ اگر قرآن و سنت نے مطلوبہ فائدہ فراہم کیا ہے تو پھر میرے اور آپ کے اختلاف کی بنیاد کیا ہے۔ آپ شام سے ہمارے ساتھ مناظرہ کرنے آئے ہیں۔
شامی خاموش ہو گیا۔
امام صادقؑ نے شامی سے فرمایا۔ بات کیوں نہیں کرتا؟
شامی نے کہا۔ اگر میں کہوں اختلاف نہیں ہے تو صراحتاً جھوٹ ہوگا اگر کہوں قرآن و سنت کی بدولت اختلاف ہے تو اپنے دعویٰ کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت کے متعدد مقامات ہیں اور دو ہی مختلف مفہوم

بھی وجہِ اختلاف ہیں۔

امام صادقؑ نے فرمایا جس طرح ہشام نے تجھ سے سوال کیا ہے۔ اسی طرح تو ہشام سے سوال کرے ممکن ہے اس کے جواب سے تو مطمئن ہو جائے۔

شامی نے کہا۔ آپ بتائیں کہ اللہ اپنی مخلوق کی فکر و عقل سے زیادہ واقف ہے یا خود مخلوق۔

ہشام نے کہا۔ اللہ۔

شامی نے کہا۔ اللہ نے اپنی مخلوق کو صراط مستقیم دکھانے کا کیا انتظام کیا ہے۔

ہشام نے کہا۔ زمانہ رسول میں یا اب؟

شامی نے کہا۔ زمانہ رسولؐ میں بھی اور اب بھی۔

ہشام نے کہا۔ زمانہ رسولؐ میں تو خود آنحضورؐ موجود تھے۔ جہاں تک اس وقت کا تعلق ہے تو یہ شخص جو اس وقت ہمارے سامنے بیٹھا ہے۔ اور اپنے باپ کے واسطے سے آنحضورؐ تک سلسلہ سند بیان کر کے فرمان رسالت بیان کرتا ہے۔ رفع اختلاف اور ہدایت حق کا نمائندہ ہے۔

شامی نے کہا۔ آپ کے لیے تو ایسے ہوگا لیکن مجھے کیسے یقین آئے کہ واقعاً یہ نمائندہ حق اور وصی رسولؐ ہے۔

ہشام نے کہا۔ اس کا تعلق تیری ذات سے ہے۔ ویسے ہمارے نزدیک تو اطمینان کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کے دل میں جتنے وہ سوالات ہوں جو آپ خود آنحضورؐ سے پوچھنا چاہتے ہوں۔ ان سے پوچھ لیں اگر رسولؐ کی طرح معقول اور قانع جواب سے نوازدے تو پھر آپ کا حق بنتا ہے کہ اپ دین نبی بھی ان سے حاصل کریں۔

شامی نے کہا۔ اب میرے پاس مزید راستہ نہیں رہا۔ میں صرف یہی پوچھنا چاہوں گا کہ گھر سے مدینہ تک میرا سفر کیسے گزرا ہے اگر جواب دے دیں تو میں مطمئن ہو جاؤں گا۔

امام صادقؑ نے شامی کو اول سفر سے لے کر آخر سفر تک ایسے جزئیات بھی بتا دیے۔ جن کا علم سوائے اس شامی کے اور کسی کو نہ تھا۔

شامی نے اپنا حال سفر سننے کے بعد اٹھ کر امام صادقؑ کی قدم بوسی کی اور عرض کیا۔ حق آج ہی نصیب ہوا ہے۔

ہشام ابن حکم جاثلیق!

شیخ صدوقؒ نے کتاب التوحید میں یونس ابن عبدالرحمن سے روایت کی ہے کہ مجھے ہشام ابن حکم نے

بتایا ہے۔

بریہ نامی جاثلیق نصاریٰ میں بڑا معروف عالم تھا۔ ایک دن میں اپنے دکان پر بیٹھا تھا۔ کہ سرسے اور عیسائی بریہ کو اپنے درمیان لیے ہوئے آگئے۔ میرے دکان پر چند لوگ بیٹھے مجھ سے قرآن کا سبق لے رہے تھے عیسائیوں کی جمعیت دیکھ کر انھوں نے قرآن بند کر لیے۔

عیسائیوں نے ایک کرسی اٹھا رکھی تھی۔ میرے دکان کے باہر سڑک پر کرسی رکھی گئی۔ بریہ کرسی پر بیٹھا اور یہ کہنے لگا۔

ہشام! میں نے امت مسلمہ کے مختلف فرقوں سے گفتگو کی ہے۔ لیکن حقانیت اسلام اور عیسائیت کے بطلان پر مجھے کوئی بھی مطمئن نہیں کرسکا۔ مجھے معلوم ہوا کہ شیعیان آل محمد میرے سوالات کے جواب دے سکتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ آج کل شیعوں میں آپ کی بڑی شہرت ہے۔ میں صرف تجھ سے مناظرہ کرنے آیا ہوں۔ اگر میں نے عیسائیت کو حق ثابت کر دیا۔ تو ہمارے دین کا بول بالا ہوگا۔ اگر تو نے میرے دلائل کا اطمینان بخش جواب دے دیا تو ممکن ہے میں حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤں۔ اس وقت میں ستر برس کا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آخرت خراب نہ ہو۔

ہشام نے کہا۔ اے بریہ اگر آپ مجھ سے ایسے معجزات کی توقع لے کے آئے ہیں۔ جو حضرت عیسیٰ کے پاس تھے تو آپ کی بھول ہے۔ نہ میں عیسیٰ ہوں۔ نہ نبی ہوں۔ اور نہ وصی نبی ہوں۔ حضرت عیسیٰ ایک پاکیزہ روح تھے۔ انہیں اللہ نے آسمان سے اٹھا لیا ہے۔

ان کے معجزات واضح اور دلائل روشن تھے۔ ویسے اگر آپ مناظرہ کرنا چاہیں تو میں حاضر ہوں حسب توفیق آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔

بریہ نے کہا۔ آپ کے نبی اور مسیح میں کیا رشتہ ہے!

ہشام نے کہا۔ حضرت مسیح ہمارے نبی کے چچازاد ہیں۔ کیونکہ جناب مسیح حضرت اسحاق سے اور نبی اکرم جناب اسماعیل سے ہیں۔

بریہ نے کہا۔ حضرت عیسیٰ کا جناب اسحاق سے کیا رشتہ ہے۔

ہشام نے کہا۔ آپ کے حساب سے یا ہمارے حساب سے۔

بریہ نے کہا۔ ہمارے حساب سے۔

ہشام نے کہا۔ آپ کا خیال ہے کہ جناب عیسیٰ بھی ازلی ہیں۔ اور ازلی کے بیٹے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ ان دو ازلیوں میں سے باپ کون ہے اور بیٹا کون ہے۔

بریہ نے کہا۔ بڑی صاف بات ہے جو زمین پر نازل ہوا ہے وہ بیٹا ہے۔

ہشام نے کہا۔ اگر زمین پر نازل ہونے والے کو باپ مان لیا جائے تو کیا قباحت ہوگی۔

بریہ نے کہا۔ خرابی ہوگی۔ اگر زمین پر آنے والے کو بیٹا مانیں تو بیٹا باپ کا رسول ہوگا۔ اور یہی زیادہ نسب ہے۔

ہشام نے کہا۔ مخلوق خالق جب باپ ہے تو رسالت باپ اچھی ادا کرسکے گا یا بیٹا؟

بریہ نے کہا۔ مخلوق کے خالق باپ بیٹا دونوں ہیں۔

ہشام نے کہا۔ اگر باپ بیٹا دونوں خالق ہیں تو پھر دونوں جب تخلیق میں شریک تھے زمین پر دونوں کو آنے میں کونسی بات مانع تھی۔

بریہ نے کہا۔ وہ ایک دوسرے کے شریک نہیں ہیں۔
بلکہ حقیقت ایک ہے صرف نام دو ہیں۔

ہشام نے کہا۔ آپ یوں کیوں نہیں کہتے کہ فی الواقع دو حقیقتیں ہیں اور نام ایک ہے۔

بریہ نے کہا اسمان میں رہنے والا بات نہیں کر سکتا۔

ہشام نے کہا۔ جب باپ بات نہیں کر سکتا تو پھر بیٹے کو بات کرنا کس نے سکھایا ہے۔

بریہ نے کہا۔ بیٹا باپ ہی سے متصل ہوتا ہے۔

ہشام نے کہا۔ بیٹا ہی تو باپ سے جدا ہوتا ہے۔

بریہ نے کہا۔ اس اختلاف سے عوام الناس ناواقف ہیں۔

ہشام نے کہا۔ اگر ایسی بات ہے جسے عوام الناس نہیں جانتے تو پھر بات میرے حق میں جائے گی گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک وقت تھا جب باپ تھا اور بیٹا نہ تھا۔ اور آپ کے ساتھیوں میں سے ہر شخص میری اس بات کی گواہی دے گا۔

بریہ نے کہا۔ نہیں اس سلسلہ میں ان کی بات نہیں مانوں گا۔

ہشام نے کہا۔ اگر آپ ان کی گواہی نہیں مانتے تو انہیں ساتھ کیوں لیے پھرتے ہیں۔

بریہ نے کہا۔ باپ اور بیٹا قدرت قدیر کے دو نام ہیں۔

ہشام نے کہا۔ کیا یہ نام بھی اسی طرح قدیم ہیں جس طرح قدرت قدیم ہے۔

بریہ نے کہا۔ نہیں نام قدیم نہیں حادث ہیں۔

ہشام نے کہا۔ اسماء کو حادث مان کر آپ زیادہ الجھ گئے ہیں۔

بریہ نے کہا۔ وہ کیسے؟

ہشام نے کہا۔ اب تو باپ بیٹا ہو جائے گا۔ اور بیٹا باپ ہو جائے گا۔

بریہ نے کہا۔ ہر گز نہیں۔

ہشام نے کہا۔ یقیناً ایسا ہی ہے کیونکہ اگر اسماء حادث ہیں اور بیٹے نے انہیں پیدا کیا ہے تو پھر پیدا کرنے والا باپ ہو گا۔ اور اگر باپ نے ان اسماء کو پیدا کیا ہے تو وہ باپ نہ رہے گا بیٹا بن جائے گا۔

بریہہ نے کہا۔ باپ روح کا اس وقت کا نام ہے جب خود زمین پر نازل ہوا۔

ہشام نے کہا۔ جب زمین پر نازل نہیں ہوا تھا اس وقت اس کا نام کیا تھا۔

بریہہ نے کہا۔ اس وقت نام بیٹا تھا۔

ہشام نے کہا۔ نزول سے قبل اس روح کا نام ایک تھا یا دو۔

بریہہ نے کہا۔ روح بھی ایک تھی نام بھی ایک تھا۔

ہشام نے کہا۔ گویا آپ روح کو دو حصوں کو تقسیم کر کے ایک حصہ کو باپ اور ایک حصہ کو بیٹا بناتے ہیں۔

بریہہ نے کہا۔ نہیں باپ کا نام اور بیٹے کا نام ایک ہے۔

ہشام نے کہا۔ گویا بیٹا باپ کا باپ ہے۔ اور باپ بیٹے کا باپ ہے۔ یعنی باپ اور بیٹا ایک ہی ذات کے دو نام ہیں۔

اب بریہہ حیران ہوا ادھر ادھر دیکھنے لگے ساتھ والوں نے کہا۔ آج تک کسی سے پالا نہیں پڑا تھا۔ آج بری طرح گھر گئے ہو۔

بریہہ اٹھ کر جانے لگا۔

ہشام نے دامن پکڑ کر کہا۔ اگر آپ لاجواب ہو گئے ہیں تو اسلام قبول کر لیجئے۔ اگر آپ کے دل میں اور کوئی خلش ہے تو بتائیے میں دور کرنے کو تیار ہوں

ویسے اب مجھے اجازت دیں میں نصرانیت کے متعلق صرف ایک سوال کروں گا۔ پھر آپ کو جانے کی اجازت ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ آج کی رات اس سوال پر غور کریں گے۔ اور کل آپ میرے پاس آ کر اسلام کا اعلان کریں گے۔

بریہہ کے ساتھ والے پادریوں میں سے ایک نے کہا۔ ہشام آپ وہ مسئلہ ہمیں نہ سنائیں کہیں ہم نہ ڈگمگا جائیں۔

بریہہ نے کہا۔ نہیں ہشام آپ وہ مسئلہ ضرور بتائیں۔

ہشام نے کہا۔ کیا بیٹا وہ تمام علم جانتا ہے جو باپ کے پاس ہے۔

بریہہ نے کہا۔ ہاں۔

ہشام نے کہا۔ کیا بیٹے کے پاس تمام وہ قدرت ہے جو باپ کے پاس ہے۔

بریہہ نے کہا ہاں۔

ہشام نے کہا۔ میرا سوال یہ ہے کہ جب علم اور قدرت دونوں برابر ہیں تو پھر ایک باپ کیوں ہے اور دوسرا بیٹا کیوں ہے۔ اور ایک ظالم کیوں ہے دوسرا مظلوم کیوں ہے؟

بریہہ نے کہا۔ ظالم اور مظلوم تو ان میں سے کوئی بھی نہیں۔

ہشام نے کہا۔ آپ نے غور نہیں فرمایا۔ باپ ظالم ہے اور بیٹا مظلوم ہے۔

بریہہ نے کہا نہیں تو۔

ہشام نے کہا۔ یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے کہ علم و قدرت میں مساوی ہونے کے باوجود ایک باپ بن گیا اور دوسرے کو بیٹا بنا کر سولی چڑھا دیا۔

ہشام نے کہا۔ بریہہ آپ تشریف لے جائیں بات پر غور کریں۔ مجھے امید ہے کل آپ کے پاس اسلام کے سوا اور کوئی سیدھی راہ نہیں رہے گی۔

بریہہ پریشان پریشان واپس آیا۔ ایک عورت بریہہ کی خدمت کرتی تھی۔ اور بریہہ نے اس کی کوئی بات کبھی مسترد نہیں کی تھی۔

جب اس نے دیکھا کہ بریہہ پریشان ہے اس نے پریشانی کی وجہ پوچھی۔

بریہہ نے ہشام سے مناظرہ کا تذکرہ کیا۔ اور بتایا کہ میں لاجواب ہو کر آیا ہوں۔

عورت نے کہا۔ بریہہ آپ حق پر مرنا چاہتے ہیں یا باطل پر۔

بریہہ نے کہا۔ تیرا بھلا ہو کون باطل پر مرنا قبول کرتا ہے۔

عورت نے کہا۔ اگر آپ ہشام کے مقابل میں لاجواب ہو گئے ہیں تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ آپ کا اپنا موقف حق نہیں ہے۔

جب یہ طے ہو گیا کہ آپ کا موقف حق نہیں ہے تو آپ اسلام قبول کریں۔ اگر اب بھی آپ اپنے مسلک پر اڑے رہے تو اس کا نام نزاع اور مخاصمت ہوگا۔ اور نزاع و مخاصمت میں کبھی حق نہیں ملتا شک ہوتا ہے اور شک کا انجام جہنم ہے۔

بریہہ کو اس بڑھیا کی بات پسند آگئی۔ دوسرے دن تنہا ہشام کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔

ہشام مجھے یہ بتا کہ تیرا بھی کوئی ایسا بزرگ ہے جس کی تو اطاعت کرتا ہے۔

ہشام نے کہا۔ میں جس کی اطاعت کرتا ہوں اپنے کو اس کی خاک پا سمجھتا ہوں۔

بریہہ نے کہا۔ مجھے اس کے اوصاف بتا۔

ہشام نے کہا۔ نسبی اوصاف یا حسبی اوصاف؟

بریہہ نے کہا۔ دونوں۔

ہشام نے کہا۔ میرا آقا نسب میں وسط قریش۔ اور جوہر ہاشم ہے۔ نسب میں جو بھی اس کا مقابلہ کرے گا پیچ ہوگا
آپ کو معلوم ہے قریش سید العرب ہیں۔ بنی ہاشم سید القریش ہیں۔ اور بنی عبدالمطلب سید بنی ہاشم ہیں۔ اور بنی فاطمہ
سید بنی مطلب ہیں۔

بریہ نے کہا۔ اب حسب کے متعلق بتا۔

ہشام نے کہا۔ اس کے شخصی اوصاف بتاؤں یا علمی کمالات۔

بریہ نے کہا پہلے شخصی اوصاف بتا۔

ہشام نے کہا۔ گناہوں سے پاک معصوم ہے۔ بخیل نہیں سخی ہے۔ بزدل نہیں بہادر ہے۔ جاہل نہیں عالم ہے۔ محافظ
دین ہے۔ عترت نبی سے ہے۔ غصہ کے وقت حلیم ہوتا ہے۔ ظلم میں بھی انصاف کرتا ہے۔ خوشی میں تعاون کرتا ہے۔
مخالف کی عیب جوئی نہیں کرتا۔ قرآن پر عمل کرتا ہے۔ اس کی دلیل کبھی خام نہیں ہوتی۔ کسی مسئلہ میں کبھی لا ادری
نہیں کہتا۔

بریہ نے کہا۔ اگر شخصی اختلاف کو مدنظر رکھا جائے تو پھر یہی شخص حضرت عیسیٰ ہی ہے۔ اگر یہ اوصاف درست
ہیں تو پھر اس پر ایمان بھی لانا چاہیے۔

ہشام نے کہا۔ اگر ایمان قبول کرے تو حق پائے گا۔

بریہ نے کہا۔ مجھے اس کے پاس لے چل۔

دونوں مدینہ آئے۔ راستہ میں امام موسیٰ کاظم سے ملاقات ہوئی۔ ہشام نے بریہ کو بتایا کہ جس کے پاس ہم جا رہے
ہیں۔ یہ اس کا بیٹا اور اس کے بعد امام امت ہے۔

امام موسیٰؑ نے فرمایا۔ بریہ انجیل جانتا ہے۔

بریہ نے عرض کیا۔ اس کا تو عالم ہوں۔

امام موسیٰؑ نے انجیل سے کچھ آیات کی تلاوت کی۔

بریہ نے تڑپ کر کہا۔ بخدا! حضرت مسیح اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح آپ پڑھ رہے ہیں۔

پھر دونوں امام صادقؑ کے پاس آگئے۔

بریہ نے اعلان اسلام و ایمان کیا۔ اور پوچھا۔ آپ کے جد پر قرآن نازل ہوا تھا یہ انجیل آپ نے کہاں سے
لی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بریہ صحف آدم سے لے کر انجیل تک تمام کتب انبیاء ہمیں بطور وراثت ملی ہیں۔

مومن طاق کا دیگر افراد سے مناظرہ

بحار میں ابن شہر آشوب سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اتفاقاً چند شیعہ اور شیعہ مخالفین کوفہ میں ابو نعیم نخعی کے ہاں اکٹھے ہو گئے۔

ان میں ابو جعفر مومن طاق بھی تھا اور ابن ابی خدرہ بھی تھا۔

ابن ابی خدرہ نے دیکھا کہ گھر ابو نعیم نخعی کا ہے۔ اور اقتدار بھی ہمارے پاس ہے۔ چنانچہ اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر بڑے شیعوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

میرے پاس چند دلائل ایسے ہیں۔ جن کا جواب کسی کے پاس نہیں اور میں ان چند دلائل کی بنیاد پر ثابت کر سکتا ہوں کہ حضرت ابو بکر بشمول علیؑ تمام صحابہ سے افضل تھے۔

مومن طاق نے کہا۔ یہ عجیب بات ہے کہ کسی کے پاس جواب ہی نہیں۔ اگر کوئی جواب دینا چاہے تو کیا اسے جواب دینے کا حق ہو گا۔

ابن ابی خدرہ نے کہا۔ بڑے شوق سے جو چاہے معقول جواب دے سکتا ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ آپ استدلال کریں گے ہم جواب دیں گے۔ انصاف کون کرے گا۔

ابن ابی خدرہ نے کہا۔ اس وقت ہمارے پاس ابو نعیم نخعی، ابو اسحاق یحییٰ اور سلیمان ابن مہران تین جید علماء بیٹھے ہیں انہی کو ثالث مان لیتے ہیں۔

مومن طاق نے کہا۔ اگرچہ ان میں سے کوئی بھی شیعہ نہیں ہے۔ لیکن مجھے توقع ہے کہ یہ تینوں ثالثی کرتے وقت جانبداری سے کام نہیں لیں گے۔ ہمیں قبول ہے آپ اپنے دلائل پیش کریں۔

ابن ابی خدرہ نے کہا۔

حضرت ابو بکر روضہ رسولؐ میں آنحضرتؐ کے ساتھ مدفون ہیں۔ اور اس شرف کی ابتدا حضرت ابو بکر ہی کو ملی ہے۔

حیات رسولؐ میں بوقت ہجرت حضرت ابو بکر ہی آپؐ کے ساتھ غار میں ثانی اثنین کا مصداق تھے۔ اور اس فضیلت میں اور کوئی بھی ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

مصلائے نبوی پر آخری نماز پڑھانے کا شرف حضرت ابو بکر کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

لقب صدیق میں بھی حضرت ابو بکر کا کوئی شریک نہیں ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ میں آپ کے ہی دلائل سے آپ کا جواب دوں گا۔ اور قرآن، سنت اور عقل سے ثابت کروں گا کہ نبی اکرمؐ کے بعد حضرت واجب الاطاعت امام تھے۔

ابن ابی خدرہ نے کہا۔ بسم اللہ۔

مومن طاق نے کہا۔ آنحضورؐ نے دم آخر اپنے گھر کو بطور میراث کے چھوڑا تھا یا تمام امت کے لیے صدقہ؟

ابن ابی خدرہ خاموش ہو گیا۔

ابو نعیم نے کہا۔ آپ جواب دیں۔ مومن طاق نے سوال کیا ہے۔

ابن ابی خدرہ نے کہا۔ میں اس سوال کا جواب نہیں دوں گا۔

ابو اسحاق نے کہا۔ آخر کوئی جواب تو دینا چاہیے۔ اتنا لمبا سوال تو نہیں ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ اگر سوال لمبا نہیں ہے لیکن جواب نہیں دیا جائے گا۔

سلیمان نے کہا۔ آپ کو کیسے معلوم ہے کہ جواب نہیں ملے گا۔

مومن طاق نے کہا۔ اگر ابن ابی خدرہ خانہ رسولؐ کو میراث قرار دے۔ تو میرا دوسرا سوال یہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر اپنی بیٹی ام المومنین عائشہ کو ملنے والے حصے میں دفن ہوئے ہیں۔ جب کہ تمام ازواج نبیؐ کو پورے حجرہ کا ۱/۸ ملے گا اور ۱/۲ دختر رسولؐ کو ملے گا۔ اس صورت میں ام المومنین عائشہ کا حصہ اتنا نہیں بنے گا جتنا کہ حضرت ابوبکر کے مزار نے گھیر رکھا ہے۔ بقیہ کی اجازت کس نے دی ہے؟

اگر ابن ابی خدرہ خانہ رسولؐ کو تمام امت کے لیے صدقہ بتائیں تو پھر معاملہ اس سے بھی سنگین ہوگا۔ حضرت ابوبکر کے تمام گھر والوں کا حصہ بھی اتنا نہیں بنے گا۔ جس میں ان کا مزار ہے۔ میرے خیال میں ابن ابی خدرہ کا ایک چوتھائی استدلال تو ختم ہو گیا ہے۔

تینوں ثالثوں نے تصدیق کی۔

واقعاً ابن ابی خدرہ کا یہ استدلال کالعدم ہو گیا ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ اسی ذیل میں ایک بات بالخصوص قابل توجہ ہے کہ زندگی میں جب آنحضورؐ نے مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام دروازے بند کرنے کا حکم دے دیا اور علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا تھا۔ تو حضرت ابوبکر نے ایک چھوٹا سا سوراخ رکھنے کی درخواست کی تھی جسے حضرت رسولؐ نے مسترد کر دیا تھا۔ کیا آپ تک یہ واقعہ پہنچا ہے۔

ججوں یا ثالث حضرات تمام نے کہا۔ ہاں ہم نے سنا ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ آنحضورؐ نے زندگی میں جسے ایک سوراخ رکھنے کی اجازت نہیں دی۔ بعد از حیات بھلا انہیں اپنے ساتھ کب گوارا کرتے ہیں۔ گویا حضرت ابوبکر بلا اذن رسولؐ خانہ رسولؐ میں رہ رہے ہیں۔

سب نے کہا۔ ظاہراً تو ایسے ہی ہے۔

اب غار کا واقعہ لیجئے۔ اس واقعہ میں دو چیزیں ہیں ایک لاتحزن کی نہی ہے۔ اور دوسرا اللہ کی طرف سے انزال سکینہ ہے۔

آپ ان میں سے کس کو وجہ استدلال قرار دیتے ہیں۔

ابن ابی خدرہ نے کہا۔ ظاہر ہے وجہ استدلال انزال سکینہ ہے۔ کیونکہ لاتحزن کی نہی مقام شرف نہیں ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ کیا انزال سکینہ صرف شب ہجرت دوران غار سے مخصوص ہے یا کسی اور مقام پر بھی اللہ نے انزال سکینہ کیا ہے؟

ابن ابی خدرہ نے کہا۔ ایک جنگ میں بھی انزال سکینہ ہوا ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ اس فضیلت میں صرف حضرت ابوبکرؓ ہیں یا دیگر مومنین بھی شریک ہیں۔

ابن ابی خدرہ نے کہا۔ ظاہر ہے دوسرے مومنین بھی شریک ہیں۔

مومن طاق نے کہا۔ آپ خود ہی بتائیں کیا حضرت ابوبکرؓ اس فضیلت میں تنہا ہیں۔ البتہ لاتحزن کے خطاب میں حضرت ابوبکر کا شریک نہیں۔

ثالثوں نے کہا۔ نہیں یہ فضیلت دوسرے مومنین کو جب حاصل ہے اور ابن ابی خدرہ اس کا اعتراف کر رہا ہے اور قرآن میں اس کا ذکر بھی موجود ہے تو پھر واضح سی بات ہے کہ ابن ابی خدرہ کا یہ استدلال بھی ختم ہو جاتا ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ آپ کی بنیاد نصف ختم ہو چکی ہے اور نصف باقی رہ گئی۔

اب رہا حضرت ابوبکر صدیق کا ہونا تو اس سلسلہ میں گذارش یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو لوگوں نے صدیق کہا ہے۔ اور حضرت علیؑ کو اللہ نے صدیق کہا ہے۔ آپ کے پاس حضرت ابوبکرؓ کے صدیق ہونے کی کوئی قرآنی نص نہیں ہے جبکہ حضرت علیؑ کے صدیق ہونے کی دلیل آیت مباہلہ موجود ہے۔ آپ سب کو معلوم ہوگا کہ جب نصاریٰ کے مقابلہ جھوٹوں پر لعنت کی گئی تھی۔ تو اس مقابلہ میں نبی اکرمؐ حضرت علیؑ کو لے کر گئے تھے۔ اور یہ وہ نص ہے جو لوگوں کے دیئے گئے لقب پر یقیناً مقدم ہے۔

ثالثوں نے کہا۔ آپ درست کہہ رہے ہیں۔

مومن طاق نے کہا۔ آپ کے عقیدہ کی عمارت کے تین حصے کالعدم ہو چکے ہیں۔ ایک باقی ہے جو انتہائی آسانی سے ختم ہو سکتا ہے۔

ابن ابی خدرہ نے کہا۔ وہ کیسے۔

مومن طاق نے کہا۔ آپ نے جس آخری نماز کا حوالہ دیا ہے۔ آپ خود بتائیں کہ

حضرت ابوبکر کو آنحضورؐ نے وہ نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ یا حضرت ابوبکرؓ از خود مصلائے رسالت پر کھڑے تھے؟

ابن ابی خدرہ نے کہا۔ صاف بات ہے حضرت ابوبکر بلااجازت کیسے کھڑے ہو سکتے تھے۔ آنحضورؐ ہی نے حکم دیا ہوگا؟

مومن طاق نے کہا۔ جزاک اللہ۔

اب یہ بھی وضاحت فرما دیجئے کہ آنحضورؐ نے جب خود حکم دیا تھا، تو یہ اطلاع ملنے پر کہ حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے ہیں۔ اب شدت تکلیف کے باوجود ابن عباس اور علیؑ کا سہارا لے کر خود کیوں تشریف لائے گئے اور حضرت ابوبکر کو معزول کیوں کر دیا تھا؟

ابن ابی خدرہ لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

مومن طاق نے ناظرین سے پوچھا۔ کیا آپ لوگ تصدیق کرتے ہیں کہ میں نے ابن ابی خدرہ کے چاروں استدلال اپنے دلائل سے مسترد کر دیتے ہیں۔

ناظرین نے کہا۔ ہم تصدیق کرتے ہیں۔ اب ہماری خواہش ہے کہ آپ حضرت علیؑ کو قرآن، سنت اور عقل سے مفروض الطاعۃ ہونا ثابت کریں۔

مومن طاق نے کہا۔ ہاں، قرآن میں حکم ہے۔ کونوا مع الصادقین۔ میں نے قرآن سے علیؑ کا صادق ہونا ثابت کیا ہے۔

کیا آیہ مباہلہ کے پیش نظر حضرت علیؑ کونوا مع الصادقین کا مصداق ہے یا نہیں۔؟

سب نے کہا۔ ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ کیا کونوا مع الصادقین کے مطابق اطاعت علیؑ واجب ہے یا نہیں؟

سب نے کہا۔ واقعاً اطاعت علیؑ واجب ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ آپ نے لوگوں نے زبان رسالت سے سنا ہوا ہے کہ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ واھلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔

سب نے کہا۔ سنا ہوا ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ آیہ تطہیر کے مطابق حضرت علیؑ مصداق اہل بیت ہے یا نہیں؟

سب نے کہا۔ مصداق تطہیر ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ حدیث رسولؐ کے مطابق علیؑ اور قرآن کبھی جدا نہ ہوں گے۔ اور جو قرآن سے جدا نہ ہو وہ واجب الاطاعت ہے یا نہیں!

سب نے کہا۔ واجب الاطاعت ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ ہر دانشمند یہی کہتا ہے کہ اعلم کی اطاعت کی جائے۔ کیا بعد از نبی حضرت علیؑ اعلم الصحابہ

تھا یا نہیں!

حبیب نے کہا۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔

مومن طاق نے کہا۔ آپ کی مرضی۔ میں نے قرآن، سنت اور عقل سے علیؑ کا واجب الاطاعت ہونا ثابت کر دیا ہے

سید ابن محمد حمیری

سید اسماعیل ابن محمد کیسانی فرقہ سے تھا۔ اور جناب محمد حنیفہ کو امام غائب کہتا تھا۔ ایک مرتبہ امام صادقؑ کے سامنے سید کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا۔ اسماعیل سید الشراب ہے لیکن گمراہ ہے۔ شیخ صدوق نے کیسانیہ کے ایک رکن حیان سراج سے نقل کیا ہے۔

جب اسماعیل کو معلوم ہوا تو وہ امام صادقؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کی۔

قبلہ! ساری دنیا کی مخالفت صرف آپ آل محمدؐ کی محبت میں مول لے رکھی ہے اور آپ پھر بھی فرماتے ہیں کہ۔ اسماعیل گمراہ ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اسماعیل تجھ میں جو خوبی تھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ اور جو نقص تھا اس کا اظہار کیا ہے۔

اسماعیل حمیری نے عرض کی۔ حضور! میری کیا گمراہی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ کیا تو محمد حنیفہ کو امام غائب نہیں مانتا۔

نوٹ:۔ یہ یاد رہے کہ اس کا نام ہی سید اسماعیل تھا۔ از روئے قوم غیر سید تھا۔

سید نے عرض کی۔ اگر میں گمراہ ہوں تو آپ مجھے مطمئن فرما دیں۔

آپ نے فرمایا۔ سید میرے قریب آ۔

سید قریب ہوا۔

آپ نے فرمایا۔ ذرا آنکھیں بند کرے۔

سید نے آنکھیں بند کیں۔

آپ نے فرمایا۔ اب کھول دے۔

جب سید نے آنکھیں کھولیں۔ تو اس نے دیکھا ایک قبرستان میں کھڑا ہے۔ عرض کیا حضور یہ کونسی جگہ ہے؟

آپ نے فرمایا۔ پہچاننے کی کوشش کر۔

سید نے ادھر ادھر دیکھا۔ اور عرض کی۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے یمن کا قبرستان ہے۔ میں دو تین مرتبہ یہاں آچکا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ تو نے درست سمجھا ہے۔ آپ آگے بڑھے اور ایک قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی پھر دعا مانگی۔ قبر میں شگاف ہوا ایک شخص کفن لپیٹ کر سر اور داڑھی سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

امام صادق نے فرمایا۔ آپ کون ہیں!

صاحب قبر نے کہا۔ میں محمد حنیفہ ابن علی ابن ابی طالب ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ میں کون ہوں۔

اس نے عرض کی۔ آپ حجت خدا جعفر صادق ابن محمد باقرؑ امام امت ہیں۔

آپ نے سید کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ کیا اب تجھے اطمینان ہوا ہے۔

سید نے عرض کیا۔ حضور! مجھے تو مدینے سے یمن کے قبرستان میں آنے کے بعد یقین ہو گیا تھا۔

اس کے بعد سید راہ حق پر آ گیا۔ اور اس سلسلہ میں ایک قصیدہ بھی لکھا۔

رجال کشی میں محمد ابن نعمان سے مروی ہے کہ میں سید حمیری کی عیادت کو گیا۔ میں نے دیکھا وہ زندگی کے آخری لمحات میں تھا۔ اور اس کا تمام چہرہ سیاہ ہو چکا تھا۔ اس کے اقرباء اس کے گرد میں بیٹھے تھے۔ ان میں سے کچھ تو شیعہ تھے اور کچھ غیر شیعہ تھے۔ چہرے کی سیاہی دیکھ کر شیعہ پریشان تھے۔ اور غیر شیعہ خوش نظر آ رہے تھے۔

مجھے معلوم ہوا تھا کہ امام صادق منصور کی طلبی کے بعد واپس آ گئے ہیں۔ میں فوراً واپس آیا۔ اور امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور! سید حمیری شاعر آل محمد زندگی کے آخری لمحات میں ہے اور مخالفین اس کی حالت دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔

آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ چل اسے دیکھ لیں۔

راستہ میں میں نے عرض کیا۔ حضور! سید بہت بڑا شرابی تھا۔

آپ نے کوئی توجہ نہ دی۔ اور چلتے رہے

میں نے ایک مرتبہ پھر عرض کیا۔ قبلہ! سید نبیذ پیتا تھا۔

آپ نے پھر بھی کوئی توجہ نہ دی۔

تیسری مرتبہ میں نے پھر بتایا۔

آپ نے ایک سرد آہ کھینچ کر فرمایا۔ مجھے توقع ہے اللہ میرے جد امجد کی محبت کے مقابلہ یہ جرم معاف فرما دے گا۔

جب ہم سید کے پاس پہنچے۔ تو سید اسی حالت میں تھا۔ زبان گنگ تھی۔ چہرہ سیاہ تھا اور جسم میں تشنج تھا

آپ سید کے سرہانے بیٹھے اور آواز دی۔ سید۔

سید نے آنکھیں کھولیں۔ ہم نے محسوس کیا کہ وہ بولنا چاہتا ہے لیکن بول نہیں سکتا۔

آپ نے زیر لب دعا پڑھی۔ جس کے بعد سید کی زبان کھل گئی۔ اس نے عرض کیا۔

کیا اپنے موالیوں سے بھی یہ سلوک ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا: سید اب کچھ نہیں ہوگا۔

سید نے عرض کیا: کیا اب تو کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن جو کچھ ہو چکا ہے وہ بھی کوئی کم تو نہیں تھا۔ پھر سید نے اسی حالت میں یہ قصیدہ کہا۔

احب الذی من مات من اهل ودہ
تلقاہ بالبشری لدی الموت یضحک
ومن مات یهوی غیرہ من عدوہ
فلیس له الا الی النار مسلک ابا
حسن تفدیک واسرتی ومالی
واصبح فی الارض املک ۔ ابا حسن
انی بفضلک عارف وانی بحبل من
الله لمسلک وانت وصی المصطفیٰ
وابن عمہ فانا نعادی مبغضیک
ونترک ۔

میں اس کا محب ہوں جو اپنی محبت میں مرنے والوں سے دمِ مرگ بشارت سے کرتا ہے اور وہ اس کی مسکراتے ہوئے موت کا استقبال کرتا ہے۔ جو اس کے دشمنوں کی محبت میں مرتے ہیں ان کی راہ جہنم کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔ اے ابوالحسن آپ کے نام پر میری جان، میرا خاندان، میرا مال اور زمین میں جو میری ملکیت ہے قربان ہو جائیں۔ اے ابوالحسن میں آپ کے ہر شرف کا معترف ہوں اور میں آپ کی محبت سے متمسک ہوں۔ آپ مصطفیٰ کے وصی اور چچا زاد ہیں۔ ہم آپ کے دشمنوں سے عداوت رکھتے ہیں اور تبرا کرتے ہیں۔

اس کے بعد سید نے آنکھیں بند کیں، اور پڑھا۔ لا الٰه الا الله حقاً حقاً۔ اشهد ان محمداً رسول الله حقاً حقاً و اشهد ان علیاً ولی الله حقاً حقاً۔ ہاتھ پاؤں سیدھے کیے۔ اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

مرکار طرزی نے جبل ابن ذبیان سے روایت کی ہے۔ جبل کہتا ہے میں امام رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دن کا پہلا وقت تھا۔ ابھی تک اور کوئی بھی نہیں آیا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی امام رضاؑ نے فرمایا۔ خوش آمدید جبل۔ میں ابھی تجھے بلانے کی خاطر غلام بھیجنے والا تھا۔

میں نے عرض کی۔ حضور! کوئی حکم تھا۔ خیریت تو ہے!

آپ نے فرمایا۔ خیریت ہی ہے۔ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ تجھے سنانا چاہتا تھا۔ اس خواب سے میں بڑا حیران ہوں۔

میں نے عرض کیا۔ اللہ نے خیر دکھائی ہو۔

آپ نے فرمایا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک جگہ میرے لیے ایک سیڑھی نصب کی گئی ہے۔ اس کے ایک سو زینے ہیں

میں نے اس سیڑھی پر چڑھنا شروع کر دیا۔ جب ایک زینہ رہ گیا تو مجھے ایک باغ نظر آیا۔ پھر میں آخری زینہ پر بلند ہوا میرے سامنے باغ میں جانے کے لیے راستہ تھا وسط باغ میں ایک انتہائی شفاف گنبد نما مکان تھا اس مکان میں سرور انبیاء تشریف فرما تھے۔

آنحضور کے دائیں بائیں دو نوجوان بیٹھے تھے ان کی پیشانیوں سے نور کی شعائیں پھوٹ رہی تھیں ان کے ساتھ ایک مستورہ بھی تھی۔ اور آنحضورؐ کے سامنے ایک اور نوجوان بیٹھا تھا۔ ان کے پہلو میں ایک شخص کھڑا تھا۔ اور وہ ایک قصیدہ پڑھ رہا تھا۔

جب میں قریب ہوا تو آنحضورؐ نے مجھے خوش آمدید کہا۔ پھر فرمایا۔ رضا بیٹے اپنے جد امجد علیؑ کا سلام کرو۔ میں نے حضرت علیؑ کو سلام کیا۔ پھر فرمایا۔ یہ تیری دادی زہراؑ ہے اس کا سلام کرو۔ پھر فرمایا بیٹے یہ تیرا دادا حسینؑ ہے اور یہ حسنؑ ہے ان کا سلام کرو۔ پھر فرمایا۔ بیٹے ہمارے اس شاعر سید اسماعیل حمیری کو سلام کرو۔ میں نے اسے سلام کیا۔

آنحضور نے سید سے فرمایا۔ فرزند رضا بیٹے کو وہی قصیدہ ابتداء سے سناؤ۔

سید نے قصیدہ ابتداء سے سنایا۔ قصیدے کا پہلا مصرعہ تھا۔

لام عمرو باللوی مربع — مقام لوی میں ام عمرو کی منزل ہے۔

طامسة اعلامه بلقع۔ — جو کہ بوسیدہ ہو چکا ہے اور اس کے آثار مٹنا چاہتے ہیں۔

جب سید اس قصیدہ سے فارغ ہوا تو آنحضورؐ نے مجھے فرمایا۔ رضا بیٹے یہ قصیدہ یاد کر لو اور ہمارے شیعوں کو یہ قصیدہ حفظ کراؤ۔

ازواج امام صادقؑ اور آپ کی اولاد

ارشاد شیخ مفید کے مطابق امام صادقؑ کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ زوجہ صرف دو تھیں۔

فاطمہ بنت حسین ابن علی ابن حسن ابن علی ابن ابی طالب۔

اور حمیدہ بربریہ

بیٹے:

اسماعیل امین

عبداللہ	**بیٹیاں**
موسیٰ	فاطمہ
اسحاق	اسماء
محمد	ام فروہ
عباس	
علی	

اسماعیل آپ کی زندگی ہی میں مقام عریض پر فوت ہو گیا تھا۔ جس کا جنازہ مدینہ لایا گیا اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

وفات اسماعیل ابن امام جعفرؑ!

ہمارے مطابق جناب اسماعیل امام صادقؑ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ امام صادقؑ نے اسماعیل کی زندگی ہی میں امام موسیٰ کی امامت کا اعلان کر دیا تھا۔ لیکن عباسی سیاست نے شیعوں میں تفریق پیدا کرنے اور شیعہ قوت کو تقسیم کرنے کی خاطر اپنے تنخواہ دار شیعوں کے لباس میں چھوڑے۔ جنھوں نے لوگوں میں یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ امامت بڑے بیٹے کا حق ہے۔ اگر امام صادقؑ کسی وجہ سے ناراض ہو کر بڑے بیٹے کو اس کا حق نہیں دے رہے تو ہمارا حق ہے کہ ہم اسے اس کا حق دیں۔

ان سیاسی گماشتوں نے کچھ اور بھی ایسے آدمی پیدا کر لیے۔ چونکہ اللہ نے امام موسیٰ کو منصب امامت سے نوازا تھا اور امام صادقؑ اس کا متعدد مرتبہ اعلان کر بھی چکے تھے۔ اس لیے ذات احدیت نے جناب اسماعیل کو امام صادقؑ کی زندگی ہی میں اٹھا لیا۔ امام صادقؑ کو علم لدنی سے معلوم تھا کہ عباسی وظیفہ خوار شیعوں میں پھوٹ ڈالنے کی خاطر بہت کچھ کریں گے چنانچہ جناب اسماعیل کی وفات کو پوری شہرت دی۔

آپ نے وفات اسماعیل پر اپنے دونوں بیٹوں، اسحاق اور علی کے علاوہ سرکاری و غیر سرکاری اور شیعہ و غیر شیعہ میں سے تیس اہم افراد کو بلایا۔ اور غسل سے لے کر دفن تک انہیں ساتھ رکھا۔ کئی مرتبہ اسماعیل کے چہرے سے کفن ہٹا کر لوگوں کو چہرہ دکھایا۔ داؤد رقی جیسے جاسوسوں کو خود منہ سے کپڑا ہٹا کر دیکھنے کو فرمایا۔ پھر مجمع میں پوچھا۔ یہ کون ہے؟

داؤد نے کہا، اسماعیل ابن صادق ہے۔ جن لوگوں کو آپ نے بالخصوص مدعو کیا تھے۔ ان میں سے بعض کے نام تاریخ نے یہ بتائے ہیں۔ مفضل ابن عمرو۔ معاذ ابن کثیر۔ عبدالرحمن ابن حجاج۔ فیض ابن مختار۔ یعقوب سراج۔ حمران ابن اعین۔ ابو بصیر۔ داؤد رقی۔ یونس ابن ظبیان۔ یزید ابن سلیط۔ سلیمان ابن خالد اور صفوان جمال۔ جناب اسماعیل۔

کی وفات کے بعد ان لوگوں کے پاس کچھ نہ رہا۔ لیکن یہاں پھر کچھ لوگوں نے امام صادقؑ کے بعد جناب اسماعیل کے بیٹے محمد کو امام کہنا شروع کر دیا۔

شہادت امام صادق ؑ

تاریخ اس سلسلہ میں اس کے سوا کچھ نہیں بتاتی کہ امام صادقؑ منصور کے ہاتھوں شہید ہوئے ہیں، کیسے شہید ہوئے کس نے زہر دیا کس چیز میں زہر دیا!

یہ ایسے سوالات ہیں جن کے جواب کم از کم صاحب دمعہ نے پیش نہیں کیا ہے

مختصر فہرست کُتب

- تحفۃ العوام مقبول جدید [illegible] مولانا منظور حسین صاحب نقوی
- توضیح المسائل مطابق فتاویٰ آقائے ابوالقاسم خوئی
- تہذیب الاسلام ترجمہ حلیۃ المتقین از علامہ مجلسی
- ملاقات امام علیہ السلام از مولانا سید محمد [illegible]
- تحفہ نماز جعفریہ جدید از مولانا سید ذاکر حسین [illegible]
- تذکرۃ المعصومین از مولانا سید علی نقی [illegible]
- مُصلح غیبی مولفہ آقائے حسن ابطحی
- الشہید المسموم فی تاریخ حسن المعصوم از ناظم حسین سبزواری
- ذبح عظیم سوانح حضرت امام حسین از ذوق [illegible]
- علی فی القرآن آقائے صادق حسینی شیرازی
- مہدی فی القرآن مولفہ آقائے صادق حسینی شیرازی
- الامام المہدی [illegible]
- مفتاح الجنۃ [illegible]
- انوار خمسہ مجالس [illegible]
- دُر مقصود سوانح حضرت امام مہدی از ذوق [illegible]
- جامع التواریخ [illegible]
- مقتل سادات مع چیستان محمد پر خزاں
- خورشید خاور ترجمہ شب ہائے پشاور [illegible]
- تاریخ ائمہ از علامہ سید علی حیدر نقوی
- علی و فرزندان علی مصنف ڈاکٹر طٰہٰ حسین
- ثقل اکبر سوانح حضرت علی از علامہ سید علی حیدر نقوی
- [illegible] عدالت انسانی مصنف جارج جرداق (عیسائی)
- علوم کاظمیہ سوانح حضرت امام موسیٰ کاظم
- طلوع امام زمانہ مصنف آقائے علی اکبر مہدی پور
- پرواز روح مولفہ آقائے سید حسن ابطحی
- عزاداری از دیدگاہ مرجعیت شیعہ
- صحیفۃ العابدین سوانح حضرت امام زین العابدین
- رجعت از آقائے محمد صادق شیرازی
- معالی السبطین ترجمہ مولانا [illegible]
- انوار زہرا از آقائے سید حسن ابطحی
- تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین از ناظم حسین سبزواری
- حقائق الوسائط از علامہ محمد بشیر [illegible] انصاری [illegible]

حدیث خوانی کے لئے بہترین کتابیں

ذخیرۃ المجالس از مولانا حکیم سید غلام حیدر کرار ۳ حصے	**مجموعہ مجالس** ۵ جلدیں مولانا سید محمد جعفر [illegible]
نعیم الابرار مکمل دو جلدیں تقاریر مولانا غلام حسین آف ساہیوال	**مقتل سعادت** واقعات کربلا مکمل دو جلدوں میں
کفایت الواعظین ۳ جلدیں تقاریر علامہ حافظ کفایت حسین	**جامع التواریخ** فی مقتل الحسین (واقعات کربلا)
مکارم الاخلاق تقاریر مولانا سید حسن اختر نقوی	**ریاض القدس** فضائل و مصائب دو جلدیں
بصیرت افروز مجالس از مولانا ظفر حسن چارجوی	**الدمعۃ الساکبہ** فضائل و مصائب ۲ جلدیں
مظلومۂ کربلا فی تاریخ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا	**ریاض الاحزان** از آقائے سید محمد حسن قزوینی
کوثر غم (خواتین کے لئے مجالس) از ڈاکٹر [illegible] فاطمہ مرحوم	**نفس المہموم** از آقائے شیخ عباس قمی
[illegible] الحسین فضائل و مصائب ۲ جلدیں	**[illegible]** ۳ کے عدد پر مجالس — **انوار خمسہ** ۵ کے عدد پر مجالس

Iftikhar Book Depot (Regd.)
43-Main Bazaar, Islampura, Lahore. Ph: [illegible] Fax: +92-42-37114072
e-mail: ibdtrade@gmail.com, ali@ibdtrade.com, web: www.ibdtrade.com